الفرقان لکھنؤ

مدیر

محمد منظور نعمانی

شہیدِ تبلیغ داعیٔ اِلی اللہ

حضرت جی مولانا محمد یوسف رحمۃ اللہ علیہ

نے

اب سے ۱۳ سال پہلے جب اللہ کے راستہ میں جدوجہد کرتے ہوئے وفات پائی۔ تو آپ کی دعوت و پکار اور ایمان افروز پیغام کو محفوظ کرکے دور تک اور آنے والی نسلوں تک پہونچانے کیلئے

ماہنامہ الفرقان لکھنؤ

کا

"حضرت مولانا محمد یوسف نمبر"

شائع کیا گیا تھا، جو مسلمہ طور پر آپکی ایمانی کیفیات کا آئینہ، داعیانہ خصوصیات کا مرقع، ایمانی انقلاب لانے والی آپ کی دعوت و پکار کا ریکارڈ، اور تبلیغی دعوت کے فکری اور عملی پہلوؤں کو سمجھنے کا مستند ذریعہ تھا، لیکن بہت تھوڑی مدت میں وہ ختم اور نایاب ہو گیا تھا۔ اب طلب اور ضرورت محسوس کرکے اس کا

نیا کتابی اڈیشن

شائع کیا گیا ہے۔ اس میں چند اہم مضامین کا اضافہ بھی کیا گیا ہے:۔

شیخ الحدیث حضرت مولینا محمد زکریا دامت برکاتہم، حضرت مولینا سید ابوالحسن علی ندوی، مولینا محمد منظور نعمانی مولانا محمد اشرف ایم اے (پشاور) مولانا مفتی زین العابدین (لائلپور) وغیرہ اکابر کے گرانقدر مضامین کے علاوہ خود مولانا مرحوم کی ایمان ویقین سے بھرپور تقریریں، دعوت سے متعلق نہایت اہم مکتوبات اور ٹیپ ریکارڈ سے اخذ کی ہوئی دلوں کو ہلا دینے اور (انشاء اللہ) عرش الٰہی تک پہونچنے والی رقت اور یقین کی کیفیت سے بھرپور دعا

بڑا کتابی سائز — صفحات تقریباً دو سو — قیمت صرف ۔/۷

چندہ سالانہ

ہندوستان سے	-/۱۵
پاکستان سے	-/۲۵
بنگلا دیش سے	-/۱۶
فی شمارہ	۱/۵۰

ماہنامہ الفرقان لکھنؤ

ممالک غیر سے سالانہ چندہ

محصول ڈاک میں زبردست اضافہ کے بعد اب نئی شرح یہ ہے۔

بحری ڈاک سے	۲ پونڈ
ہوائی ڈاک سے	۴ پونڈ

جلد (۴۶) | بابت جنوری ۱۹۷۸ء مطابق محرم الحرام ۱۳۹۸ھ | شمارہ (۱)

اگر اس دائرہ میں ◯ سرخ نشان ہے، تو

اس کا مطلب ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہو گئی ہے۔ براہ کرم آئندہ کے لیے چندہ ارسال کریں یا خریداری کا ارادہ نہ ہو تو مطلع فرمائیں۔ چندہ یا کوئی دوسری اطلاع ۵ تاریخ تک آجائے ورنہ اگلا پرچہ بصیغۂ وی پی ارسال ہوگا۔

نمبر خریداری:- براہ کرم خط و کتابت کرتے وقت اور منی آرڈر کوپن پر اپنا خریداری نمبر ضرور لکھ دیا کیجیے جو پتہ کی چٹ پر لکھا ہوتا ہے۔

تاریخ اشاعت:- الفرقان ہر انگریزی مہینہ کے پہلے ہفتہ میں روانہ کر دیا جاتا ہے۔ اگر مہینے کے آخر تک کسی صاحب کو پرچہ نہ ملے تو فوراً مطلع کریں۔ اس کی اطلاع اگلے مہینے کی ۵ تاریخ تک آجانا چاہیے اس کے بعد رسالہ بھیجنے کی ذمہ داری دفتر پر نہ ہوگی۔

پاکستان میں ترسیل زر کا پتہ:- ناظم ادارہ اصلاح و تبلیغ آسٹریلین بلڈنگ — لاہور

مولوی محمد منظور نعمانی پرنٹر پبلشر، اڈیٹر نے تنویر پریس میں چھپوا کر دفتر "الفرقان" ۳۱ نیا گاؤں مغربی لکھنؤ سے شائع کیا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

افتتاح جلد چہل و ششم ۴۶

اللہ کے نام اور اس کی حمد سے افتتاح و آغاز، اور اُسی پر انتہا و اختتام!

گزشتہ شمارہ پر الفرقان کی پینتالیسویں جلد ختم ہوگئی اور اس شمارہ سے چھیالیسویں جلد شروع ہو رہی ہے۔ — پورے پینتالیس سال کی اس طویل مدت میں "الفرقان" کے ذریعہ اگر کوئی دینی خدمت ہوئی تو وہ صرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور اُس کی عنایت و کرم سے ہوئی اور جو غلطیاں اور کوتاہیاں ہوئیں وہ اپنی جہالت یا نفس کی شرارت سے ہوئیں — آئندہ کے لیے اُسی رب کریم سے توفیق ہدایت کی التجا اور نفس کی شرارتوں سے حفاظت کی استدعا ہے۔ وھو حسبی ونعم الوکیل۔

اپنا حال:۔

الحمد للہ راقم سطور کو اپنے رب کریم کے فضل و کرم سے بہت کچھ عافیت نصیب ہے، کوئی پریشان کن اذیت اور تکلیف نہیں ہے　البتہ کولھے کی ہڈی میں جو خرابی پیدا ہوگئی تھی، اللہ تعالیٰ کی مشیت کہ اس کی پوری اصلاح نہیں ہوسکی، اسلیے نقل و حرکت، اور چلنے پھرنے میں کچھ تکلیف ہوتی ہے لیکن اپنی ضروریات کے لیے بفضلہ تعالیٰ گھر میں چل پھر لیتا ہوں — نماز گھر ہی میں اور بستر ہی پر بیٹھکر ادا ہوتی ہے، جمعہ کی نماز کے لیے کسی کو سہارے کے لیے ساتھ لیکر قریب کی مسجد تک چلا جاتا ہوں۔

قرآن مجید اور بخاری شریف کا ہفتہ وار درس اب تبلیغی مرکز کی مسجد ہی میں ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے وہاں تک پہنچنے کا انتظام ہو جاتا ہے — لکھنے پڑھنے کے ضروری کام بھی کسی طرح ہو جاتے ہیں۔ اسی لیے ان حالات میں بھی الفرقان جاری ہے، یہ محض فضل ربی ہے۔

مخلص احباب سے ایک گزارش:۔

خطوط کا جواب دینا میرے لیے پہلے بھی مشکل کام تھا، اب زیادہ مشکل ہوگیا ہے اس لیے اپنے مخلص احباب سے گزارش ہے کہ وہ مجھے صرف ناگزیر ضرورت ہی سے خط لکھیں، اور علمی و فقہی سوالات بالکل نہ کریں، اس مقصد کے لیے دارالعلوم دیوبند، مظاہر علوم سہارنپور یا دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ جیسے علمی و دینی اداروں کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔

اپنے تمام ناظرین سے دعائے حسن خاتمہ و عافیت دارین کا خواستگار و امیدوار اور ان کے لیے دعاگو ہوں۔ والسلام محمد منظور نعمانی
عفا اللہ عنہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نگاہِ اوّلیں

محمد منظور نعمانی

شیخ محمد بن عبدالوہاب۔ "الفرقان" اور ہمارے بعض اکابر:۔ (۲)

اس موضوع پر الفرقان کے گذشتہ شمارے کے انہی صفحات میں جو کچھ لکھا گیا تھا وہ ناظرین کے ذہن میں ہوگا۔ اس کا آخری پیراگراف یہ تھا

اس عاجز کو شیخ محمد بن عبدالوہاب اور ان کی جماعت کے بعض دیگر علماء کی کچھ کتابوں کے مطالعہ کا بھی موقع ملا، ان کی تاریخ اور سوانح کے سلسلہ میں بھی بعض چیزیں پڑھیں، ان کے بعض سخت مخالفین کی تصانیف بھی دیکھی ہیں —— ان سب چیزوں کے مطالعہ کے بعد راقم سطور اس نتیجہ پر پہونچا ہے کہ ہمارے شیخ المشائخ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے شیخ محمد بن عبدالوہاب اور ان کی جماعت سے متعلق ایک استفتاء کا جواب دیتے ہوئے مختصر الفاظ میں جو کچھ تحریر فرمایا ہے وہ نہایت محققانہ اور مبصرانہ رائے ہے۔ حضرت کا وہ جواب ناظرین ایک دفعہ پھر پڑھ لیں۔

"محمد بن عبدالوہاب کے مقتدیوں کو وہابی کہتے ہیں، ان کے عقائد عمدہ تھے اور مذہب حنبلی تھا۔ البتہ ان کے مزاج میں شدت تھی۔ مگر ہاں جو حد سے بڑھ گئے ان میں فساد آگیا......الخ" (فتاوی رشیدیہ ص ۱/۲)

جیسا کہ مندرجہ بالا سطور میں عرض کیا گیا تھا شیخ محمد بن عبدالوہاب اور ان کے سلسلہ کے بعض دوسرے مصنفین کی کتابوں کا مطالعہ اس عاجز نے کبھی پہلے بھی کیا تھا۔۔۔۔۔ اب اس مضمون کے لکھتے وقت شیخ موصوف کی اپنی دعوت اخلاص توحید واتباع سنت کے سلسلہ کی سب سے اہم اور بنیادی تصنیف "کتاب التوحید" اور اسی سلسلہ کے ان کے خاص رسالے "کشف الشبہات" نیز ان کی سوانح حیات اور دعوت سے متعلق متعدد کتابوں کا راقم سطور نے پھر مطالعہ کیا، اس عاجز کو اس میں قطعاً شبہ نہیں کہ جس شخص نے اللہ کی توفیق سے قرآن مجید اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی توحید خالص کی دعوت کو سمجھا ہو اور اس سے اس کو محبت ہو اور شرک و بدعت اور ان کی تمام شکلوں اور قسموں سے اس کو بغض و عداوت ہو (جو ایک سچے مومن کو ہونی چاہیے) وہ شیخ محمد بن عبدالوہاب کی دعوت سے اصولی اور بنیادی طور پر پورا اتفاق کرے گا (اگرچہ بعض جزئیات میں اس کو "شدت" محسوس ہو اور بعض تفریعات میں رائے کا اختلاف ہو جو اہل حق میں بھی ہو سکتا ہے)

اُن کا مسلک اور دین کے بارہ میں ان کا طرزِ فکر بنیادی طور پر وہی ہے جو شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور اُن کے تلامذہ حافظ ابن القیم وغیرہ کا ہے اور ہمارے اساتذہ واکابر کا رویہ ان حضرات کے بارہ میں یہ ہے کہ (بہت سے مسائل اور تحقیقات میں اختلافات کے باوجود) ان کو اکابر علماء امت میں شمار کرتے اور اُن کا نام ہمیشہ عزت و احترام سے لیتے ہیں ۔۔۔۔۔ گزشتہ شمارہ میں اسی سلسلۂ مضمون میں "روزنامہ "زمیندار لاہور" کے اڈیٹر مولانا ظفر علی خاں مرحوم کے نام حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ کا جو مکتوب نقل کیا جا چکا ہے اس میں حضرت ممدوح نے شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور شیخ الاسلام ابن القیم کا ذکر کر کے لکھا ہے کہ

"ہمارے علماء کے نزدیک بھی یہ دونوں بزرگ بڑے مرتبہ کے عالم ہیں۔"

بہرحال شیخ محمد بن عبدالوہاب کا مسلک اور طرز فکر بالکل وہی ہے جو ان دونوں بزرگوں کا ہے ۔۔۔۔۔ ان دونوں حضرات کا فقہی موقف اور مسلک جیسا کہ اہل علم کو معلوم ہے یہ ہے کہ یہ حنبلی ہیں لیکن اگر فقہ حنبلی کے کسی مسئلہ کو یہ حدیث صحیح کے خلاف پائیں تو اس کو چھوڑ کے حدیث کا اتباع کرتے ہیں ۔۔۔۔۔ یہی مسلک اور موقف شیخ محمد بن عبدالوہاب کا ہے جس کی انھوں نے اپنی تصانیف میں بار بار تصریح کی ہے ۔۔۔۔۔ اصولی طور پر یہ بعینہ وہ طرز فکر اور طرز عمل ہے جو ہندوستان

کے ہمارے اکابر علماء حنفیہ میں استاذ الاساتذہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے (جو شیخ محمد بن عبدالوہاب کے معاصر بھی ہیں[1]) جیسا کہ ہر اُس شخص کے علم میں ہے جس نے شاہ صاحب کی تصانیف "حجۃ اللہ البالغہ"، "عقد الجید" اور "انصاف" وغیرہ کا مطالعہ کیا ہے۔

شیخ محمد بن عبدالوہاب اور اُن کی دعوت کے خلاف جس پروپیگنڈے اور بہتان تراشی کی جس مہم کا ذکر اس سلسلہ کی گزشتہ قسط میں کیا جا چکا ہے، اس کا سلسلہ اُن کی حیات ہی میں شروع ہو گیا تھا اور انھوں نے ایک سچے مومن اور مخلص داعی کی طرح خود اس کی تردید کی تھی۔ اس سلسلہ کے اُن کے متعدد خطوط اُن کی سوانح کی کتابوں میں محفوظ ہیں۔ اُن کی آخری عمر میں وفات سے دو سال پہلے (سنہ ۱۲۰۴ھ میں) اس وقت کے شریف مکہ غالب بن ساعد نے اُس زمانہ کی سعودی حکومت (درعیہ) کے حکمراں عبدالعزیز بن سعود کو لکھا کہ آپ اپنی جماعت کے کسی نمائندہ عالم کو بھیجیے جو آپ لوگوں کی (یعنی شیخ محمد بن عبدالوہاب اور ان کی جماعت کی) دعوت اور مسلک کی وضاحت کر سکے اور یہاں کے علماء سے اس موضوع پر گفتگو کرے، تو شیخ محمد بن عبدالوہاب نے اپنے ایک معتمد شاگرد شیخ عبدالعزیز الحصین کو اس مقصد کے لیے بھیجا اور مکہ مکرمہ کے علماء کرام کے نام ایک خط لکھ کر بھی اُن کو دیا، اُس مکتوب کے چند فقرے یہ ہیں —— بسم اللہ اور خطابِ تکریم کے بعد لکھتے ہیں۔

سلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ	آپ حضرات پر سلام ہو اور اللہ کی رحمتیں اور برکتیں!
امابعد: فقد جریٰ من الفتنۃ ما بلغکم وبلغ غیرکم وسببہ ھدم بنیان فی ارضنا علیٰ قبور الصالحین و مع ھذا انھیناھم عن دعوۃ الصالحین وامرناھم باخلاص الدعاء للّٰہ	ہمارے بارہ میں جو فتنہ اور شورش برپا ہے اس کی اطلاع آپ حضرات کو اور دوسرے حضرات کو پہنچ چکی ہے اور اس کا بنیادی سبب یہ ہے کہ ہم نے اپنے علاقہ (نجد) میں بزرگوں کی قبروں پر بنے ہوئے قبوں کو گرایا اور اسی کے ساتھ ہم نے

---

[1] حضرت شاہ ولی اللہؒ کی ولادت سنہ ۱۱۱۴ھ میں ہوئی اور سنہ ۱۱۷۶ھ میں وفات پائی، اور شیخ محمد بن عبدالوہاب کی ولادت سنہ ۱۱۱۵ھ میں ہوئی اور ۹۰ سال سے زیادہ عمر پا کر سنہ ۱۲۰۶ھ میں وفات پائی۔

فلما اظهرنا هذه المسئلة مع ما ذكرنا من هدم البناء الذي على القبور كبر على العامة وعاضدهم بعض من يدعي العلم لاسباب لا تخفى على امثالكم ...... فاشاعوا عنا انا نسب الصالحين وانا على غير جادة العلماء ورفعوا الامر الى المشرق والمغرب وذكروا عنا اشياء يستحي العاقل من ذكرها۔ وانا اخبركم بما نحن فيه ...... فنحن ولله الحمد متبعون لا مبتدعون على مذهب الامام احمد بن حنبل

......

وانا اشهد الله وملائكته واشهدكم اني على دين الله ورسوله واني متبع لاهل العلم[1]

لوگوں کو سختی سے اس بات سے منع کیا کہ وہ (اپنی حاجتوں اور ضرورتوں میں) بزرگوں سے دعا کریں اور ان سے مانگیں اور ہم نے اُن کو اس کا حکم دیا کہ وہ صرف اللہ ہی سے دعا کریں اور اسی کو پکاریں۔

تو جب ہم نے اس مسئلہ کا اعلان و اظہار کیا اور قبے گرانے کا عمل کیا تو جاہل عوام ہماری اسی بات اور ہمارے اس عمل سے بہت برہم اور برافروختہ ہوئے اور بعض مدعیانِ علم نے بھی (اُن اسباب و وجوہ سے جو آپ جیسے حضرات سے مخفی نہیں ہوں گے) اُن کا ساتھ دیا اور ہمارے بارہ میں پروپیگنڈا کیا کہ ہم بزرگوں کی شان میں گستاخی اور بے ادبی کرتے ہیں اور ہمارا مسلک اور طریقہ جمہور علماء امت کے خلاف ہے (اور ہم نے کوئی نیا مذہب نکالا ہے) اور انھوں نے مشرق و مغرب میں اس بات کو خوب پھیلایا اور ہمارے بارہ میں ایسی ایسی بیہودہ باتیں کہیں جن کے زباں پر لانے سے بھی ہر ہوشمند کو شرم آئے، اور میں آپ حضرات کو بتلاتا ہوں کہ..... ہم لوگ الحمد للہ ائمہ سلف کے تبع ہیں، کوئی نیا طریقہ اور نئی بدعت نکالنے والے نہیں ہیں، ہم امام احمد بن حنبل کے طریقہ پر ہیں ..... اور میں اللہ کو اور اس کے فرشتوں اور آپ حضرات کو بھی اس بات کا گواہ بناتا ہوں کہ میں اللہ اور اس کے رسولؐ کے دین پر ہوں اور علماء سلف کا متبع ہوں۔

---

[1] "محمد بن عبد الوہاب" لاحمد عبد الغفور عطار - طبع بیروت ص۱۲۳-۱۲۵

اسی طرح کا شیخ کا ایک دوسرا مکتوب ہے جو ایک معاصر علامہ عراقی عبد الرحمٰن سویدی کے مکتوب کے جواب میں لکھا ہے، اُس کے چند فقرے یہ ہیں:-

انی — ولله الحمد — متبع ولست بمبتدع، عقیدتی ودینی الذی ادین الله به ھو مذھب اھل السنة والجماعة الذی علیه ائمة المسلمین مثل الائمة الاربعة واتباعھم ......

میں — الحمد للہ — اگر سلف کا متبع ہوں، مبتدع (دین میں نئی بات نکالنے والا) نہیں ہوں — میرا عقیدہ اور میرا دین جو میں اللہ کے دین کی حیثیت سے اختیار کیے ہوئے ہوں وہ اہل السنہ والجماعۃ کا وہی طریقہ اور مسلک ہے جو امت کے ائمہ مثلاً ائمہ اربعہ اور اُن کے متبعین کا مسلک اور طریقہ ہے۔

اسی مکتوب میں آگے ہے۔

ومنھا ما ذکرتم انی اکفر جمیع الناس الا من اتبعنی وازعم ان انکحتھم غیر صحیحة ویا عجبا کیف یدخل ھذا فی عقل عاقل، ھل یقول ھذا مسلم.. .. ..

وکذالك قولھم انه یقول لو اقدر علی ھدم قبة النبی صلی الله علیه وسلم لھدمتھا"

اور ہم پر جو بہتان لگائے گئے ہیں اُن میں سے ایک وہ ہے جس کا آپ نے بھی ذکر کیا ہے کہ میں اپنے متبعین اور پیروکاروں کے سوا اور سب لوگوں کو کافر قرار دیتا ہوں اور کہتا ہوں کہ (کافر ہونے کی وجہ سے) اُن کے نکاح بھی درست نہیں ہیں — یا للعجب! یہ باتیں کسی عقل والے کی عقل میں کیسے آسکتی ہیں۔ کیا کوئی مسلمان ایسی بات کہہ سکتا ہے۔ ...... اسی طرح اُن کا یہ ایک عظیم بہتان ہے کہ میں کہتا ہوں کہ اگر میرے لیے امکان ہو اور میرا قابو چلے تو میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قبہ کو بھی ڈھا دوں۔

آخر میں اسی مکتوب میں لکھتے ہیں:-

والحاصل ان ما ذکر عنا من الاسباب غیر دعوة الناس

حاصل کلام یہ کہ توحید خالص کی دعوت اور شرک سے لوگوں کو منع کرنے اور روکنے کے علاوہ،

الی التوحید والنہی عن الشرک　　　[illegible]فت کے جوابات دو وجوہ ذکر کیے گئے
فصلہ من البہتان　　　ہیں وہ سب سراسر افترا و بہتان کے قبیل سے ہیں۔

اس طرح کے مضامین شیخ کے اور مکاتیب اور مراسلات میں بھی ہیں۔ جو اُن کے سوانح نگاروں نے نقل کیے ہیں ــــ اُن کی دعوت و مسلک کی وضاحت اور بہتانوں کی تردید میں بہت اہم اور جامع اور واضح رسالہ وہ ہے جو اُن کے بیٹے شیخ عبداللہ نے اس وقت لکھا ہے جب ۱۲۱۸ھ میں اُس وقت کی سعودی حکومت کا پہلی دفعہ مکہ معظمہ پر اقتدار قائم ہوا ہے ــــ اس رسالہ میں اُس واقعہ کی پوری روئداد بھی ہے اور اپنی دعوت و مسلک کی وضاحت بھی اور جیسا کہ عرض کیا گیا بہتانوں کی تردید بھی ــــ ہم اُس کے چند اقتباسات کا صرف ترجمہ ذیل میں درج کرتے ہیں :۔

ہم نے اُن کو بتایا کہ اصول دین میں (یعنی ایمانیات و اعتقادیات میں) ہمارا مسلک اہل السنۃ والجماعۃ کا مسلک ہے۔ اور ہمارا طریقہ ائمہ سلف کا طریقہ ہے ......

اور فروع میں (یعنی فقہی مسائل میں)، ہم امام احمد بن حنبل کے مذہب پر ہیں اور جو کوئی ائمہ اربعہ میں سے کسی کی بھی تقلید کرے ہم اس پر نکیر نہیں کرتے ...... اور ہم اپنے کو اجتہاد مطلق کا مستحق نہیں سمجھتے اور نہ ہم میں سے کسی کو اُس کا دعویٰ ہے۔ لیکن ہاں اگر کسی مسئلہ میں ہمیں حنبلی مذہب کے کسی مسئلہ کے خلاف صاف صریح غیر منسوخ نص کتاب اللہ یا سنت رسول اللہ کا مل جائے اور ائمہ اربعہ میں سے کوئی اسکا قائل ہو تو ہم اسی کو اختیار کر لیتے ہیں ــ اور ایسا علماء متقدمین میں بھی ہوتا رہا ہے۔ صفحہ ۳۸-۳۹

اور لوگوں کو حق سے دور رکھنے اور ہمارے بارہ میں گمراہ کرنے کے لیے جو جھوٹے بہتان ہم پر لگائے جاتے ہیں ...... مثلاً یہ کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین و تنقیص کرتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ وہ اپنی قبر میں بوسیدہ ہڈیاں (گویا مٹی) ہو چکے ہیں اور یہ کہ اب اُن سے ہمارے ہاتھ کی لاٹھی زیادہ نافع اور کارآمد ہے، اور یہ کہ ہمیں اُن کی شفاعت سے انکار ہے، اور اُن کی زیارت ہمارے نزدیک غیر مستحسن ہے، اور ہم اگلے علماء کی کتابوں کو قابل اعتبار نہیں سمجھتے اور اُن کو تلف کرتے ہیں، اور یہ کہ ہم مجسمہ ہیں (یعنی اللہ تعالیٰ کو ایک جسمانی ہستی مانتے ہیں) اور

لہ۔ محمد بن عبدالوہاب صفحہ ۱۴۴-۱۴۵

یہ کہ ہم اپنے ہم مسلک لوگوں کے علاوہ سارے مسلمانوں کو کافر قرار دیتے ہیں اور اس بنا پر ہر بیعت کرنے والے سے اقرار کراتے ہیں کہ وہ ابتک مشرک تھا اور اس کے ماں باپ بھی مشرک تھے اور وہ شرک ہی کی حالت میں مرے" اور یہ کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھنے سے منع کرتے ہیں .... وغیرہ وغیرہ ...... تو ان سب بہتانوں کے بارہ میں (قرآن پاک کے الفاظ میں) ہمارا جواب یہ ہے کہ "سبحانک ھٰذا بہتان عظیم ۰" ص ۳۰-۳۱

چند سطر کے بعد آگے لکھتے ہیں:-

ہمارا عقیدہ اور ایمان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا درجہ اور مرتبہ تمام مخلوقات میں سب سے اعلیٰ و افضل ہے، اور آپ اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں اور آپ کی یہ حیات "برزخی حیات" ہے اور یہ شہداء کرام کی حیات سے زیادہ بلند درجہ کی ہے کیونکہ بلاشک وشبہ آپ شہداء سے افضل ہیں۔ اور آپ سلام عرض کرنے والے کا سلام سنتے ہیں، اور آپ کی زیارت مسنون ہے لیکن (شد رحال کی ممانعت کی مشہور حدیث کے پیش نظر صحیح طریقہ یہ ہے کہ) مسجد نبوی کی حاضری اور اس میں نماز ادا کرنے کی نیت سے سفر کرے، اور اگر اس کے ساتھ زیارت کا مقصد بھی شامل کرے تو کوئی حرج نہیں، اور جو کوئی اپنا قیمتی وقت آپ پر درود شریف پڑھنے میں صرف کرے تو اس کو دنیا و آخرت کے لیے سعادت و خوش بختی حاصل ہوگی اور اسکے سارے فکر و غم اور پریشانیوں کے لیے وہی کافی ہوگی جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے۔ ص ۱۲۱

اور ہم اولیاء اللہ کی کرامات کے منکر نہیں ہیں اور ان کا جو خاص مرتبہ اور مقام ہے ہم اس کے معترف ہیں، اسی کے ساتھ ہمارا عقیدہ ہے کہ وہ کسی قسم کی عبادت کے مستحق نہیں ہیں نہ زندگی میں نہ بعد الموت، ہاں زندگی میں ان سے (بلکہ ہر مسلمان سے) دعا کی درخواست کی جاسکتی ہے۔ ص ۱۲۴

چند سطر کے بعد آگے لکھتے ہیں:-

اور ہم اس کے قائل ہیں کہ قیامت کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت ہوگی، اور اسی طرح دیگر انبیاء علیہم السلام اور ملائکہ اور اولیاء اللہ اور معصوم بچوں کی بھی شفاعت ہوگی جیسا کہ احادیث صحیحہ میں وارد ہوا ہے ــــ اور ہم اس شفاعت کا سوال اللہ تعالیٰ سے کرتے ہیں، اور الحاح و تضرع کے ساتھ عرض کرتے ہیں کہ:- اے اللہ قیامت کے دن ہمارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت ہمیں نصیب فرما، اور ہمارے بارہ میں آپ کی شفاعت قبول فرما، اسی طرح ہم اللہ کے نیک بندوں

اور فرشتوں کی شفاعت کے بارہ میں بھی اللہ تعالیٰ سے عرض کرتے ہیں ــــ پس یوں نہ کہا جائے کہ اے اللہ کے رسول یا اے اللہ کہ میں آپ سے شفاعت کا سوال کرتا ہوں یا یہ آپ میری مدد اور دستگیری فرمائیں، مجھے بیماری سے شفا عطا فرمائیں، (وغیرہ وغیرہ) کیونکہ یہ سب شرک کے اقسام میں سے ہے۔ ص۴۲

مصنف نے اسی مسئلہ سے متعلق (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شفاعت کا سوال "ایک قسم کا شرک"[1] ہونے سے متعلق) خود ہی سوال اٹھایا ہے ــــ کہ کوئی کہہ سکتا ہے کہ تمہارے اس اصول پر تو امت کی غالب اکثریت مشرک و کافر ٹھہرے گی بخصوصاً وہ تمام علماء متاخرین اس کی زد میں آئیں گے جنھوں نے زیارتِ نبوی کے بیان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شفاعت کا سوال کرنے کو مندوب و مستحسن کہا اور لکھا ہے۔

اس کے جواب میں مصنف نے جو کچھ لکھا ہے اُس کا حاصل یہ ہے کہ ــــ اِن حضرات سے علمی اور اجتہادی غلطی ہوئی ہے، اُن پر مسئلہ واضح نہیں ہو سکا اس لیے وہ معذور ہیں (تلک امۃ قد خلت) ہم شرک و کفر کا حکم اُس صورت میں لگائیں گے جب کتاب و سنت کے نصوص سے مسئلہ کسی شخص پر پوری طرح واضح ہو جائے اور وہ از راہِ عناد و استکبار پھر بھی اُس کو قبول نہ کرے اور اپنے مشرکانہ طریقہ پر مصر رہے۔

اس کے آگے مصنف پھر خود سوال اٹھاتے ہیں کہ اگر کوئی کہنے والا کہے کہ تم اُن علماء کے بارہ میں کیا کہتے ہو جنھوں نے اپنی تصانیف میں اس مسئلہ پر تفصیلی بحث کی ہے اور سوالِ شفاعت کے جواز بلکہ استحسان واستحباب پر) دلائل قائم کیے ہیں، اور وہ اِس مسئلہ سے متعلق ائمہ متقدمین کی اُن تصریحات سے بھی واقف و باخبر تھے (جن کا آپ لوگ حوالہ دیتے ہیں) اس کے باوجود وہ اپنے مسلک پر قائم رہے اور اسی حال میں دنیا سے گئے؟

مصنف نے اس کے جواب میں جو کچھ لکھا ہے، اس کا حاصل یہ ہے کہ ــــ ہم اُن کو بھی معذور سمجھتے ہیں، اُن سے مسئلہ سمجھنے میں غلطی ہوئی اور وہ اسی حالت میں رہے اور اسی حال میں دنیا سے گئے ــــ اور یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ جمہور اہل سنت مانتے ہیں کہ حضرت علی مرتضیٰ کے خلاف حضرت معاویہ کا اقدام شرعاً غلط اور معصیت تھا، لیکن چونکہ اس کی بنیاد اجتہادی غلطی پر تھی اس لیے ہم اُن کو معذور سمجھتے ہیں، بلکہ اُن کو اجتہاد کے ایک اجر کا مستحق جانتے ہیں، حالانکہ اپنی اس غلطی سے انھوں نے کبھی رجوع نہیں کیا، اس پر قائم رہے اور دنیا سے اسی حالت میں چلے گئے اور یہ اہل السنۃ کا مشہور متفقہ مسلک ہے۔ (ص۴۴ و ۴۵)

اسی سلسلہ میں مصنف آگے لکھتے ہیں:-

---

[1] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شفاعت کے سوال کے بارہ میں اپنے مسلک کی وضاحت انشاء اللہ آئندہ قسط میں کی جا سکے گی۔ نعمانی

"اور ہم کسی ایسی شخصیت کی تکفیر نہیں کرتے جس کے تدین اور صلاح و تقویٰ اور زہد و حسن سیرت کی شہرت ہو اور جس نے تعلیم و تدریس یا تصنیف و تالیف وغیرہ کے ذریعہ دین و علم دین اور امت مسلمہ کی خدمت کے لیے جان کھپائی ہو، اگرچہ اس سے سوال شفاعت کے مسئلہ میں یا اس طرح کے کسی اور مسئلہ میں اس سے خطا اور غلطی ہوئی ہو، جیسے ابن حجر ہیثمی مکی (شافعی)، انھوں نے اپنی کتاب "الدر المنظم" میں (ان مسائل میں ہمارے مسلک کے خلاف) جو کچھ لکھا ہے اس سے واقف ہونے کے باوجود ہم ان کی وسعت علم کے معترف ہیں، ان کی کتابیں "شرح اربعین" اور "الزواجر" وغیرہ کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے اور مطالعہ کا اہتمام کرتے ہیں، ان کی نقل پر اعتماد کرتے ہیں، وہ ہمارے نزدیک (قابل اعتماد و اکرام علماء امت میں سے ہیں۔" ص۴۶

اسی رسالہ کے آخری حصہ میں اپنا مسلک واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"اور ہمارے نزدیک شیخ الاسلام ابن القیم اور ان کے استاذ (شیخ الاسلام ابن تیمیہ) اہل حق اہل السنۃ کے امام و پیشوا ہیں اور ان دونوں بزرگوں کی کتابیں ہمیں نہایت عزیز ہیں۔ لیکن ہم ہر مسئلہ میں ان کے بھی مقلد اور پیرو نہیں ہیں،...... اور متعدد مسائل میں ان سے ہمارا اختلاف معلوم و معروف ہے منجملہ ان کے ایک مجلس کی تین طلاقوں کا مسئلہ ہے، اس میں ہم (ان دونوں بزرگوں کی تحقیق کے خلاف) ائمہ اربعہ کے متفقہ مسلک کا اتباع کرتے ہیں...... اور بھی ایسے متعدد مسائل ہیں....." ص۴۹

اور رسالہ کی آخری سطروں میں فرماتے ہیں اور اسی پر رسالہ ختم ہے:-

"اور ہم طریقہ صوفیہ اور تزکیہ باطن (کی کوشش) کے بھی منکر نہیں ہیں بشرطیکہ اس راہ کا سالک شریعت و سنت کا پابند و پیرو ہو، لیکن ہم ان لوگوں (صوفیہ) کے اقوال و افعال میں زبردستی کی تاویلیں نہیں کرتے ہیں ـــــ اور ہم اپنے تمام امور میں صرف اللہ تعالیٰ پر اعتماد اور بھروسہ کرتے ہیں اور صرف اسی سے مدد چاہتے ہیں (اس کے سوا کسی کو مددگار و کارساز نہیں سمجھتے) وھو حسبنا ونعم الوکیل، نعم المولیٰ ونعم النصیر۔ وصلی اللہ علی سیدنا محمد وآلہ وصحبہ وسلم (منہ الھدیۃ السنیۃ)

۱؎ شیخ عبداللہ بن الشیخ محمد بن عبدالوہاب کے جس رسالہ سے یہ اقتباسات یہاں نقل کیے گئے ہیں وہ شیخ محمد بن عبدالوہاب کی دعوت و مسلک سے متعلق چند رسائل کے اس مجموعہ میں شامل ہے جو "الھدیۃ السنیۃ" کے نام سے شائع ہوا ہے، میرے سامنے اس کا وہ اڈیشن ہے جو ۱۳۴۴ھ میں مشہور مصری عالم علامہ رشید رضا اڈیٹر "المنار" کے حواشی کے ساتھ "مطبعۃ المنار" مصر سے شائع

یہاں تک شیخ محمد بن عبدالوہاب اور اُن کے فرزند شیخ عبداللہ کی تحریروں کے جو اقتباسات پیش کیے گئے اُن سے ان کی دعوت "اخلاصِ توحید" اور اُن کا مسلک بھی معلوم ہو جاتا ہے۔ اور اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے اُن کے بارہ میں جو لکھا ہے کہ ــــ اُن کے عقائد عمدہ تھے اور وہ حنبلی المذہب تھے ــــ اُس کا ثبوت بھی سامنے آجاتا ہے ــــ حضرت مولانا نے اسی فتوے میں اُن کے مزاج کی شدت اور اُن کی جماعت کے کچھ لوگوں میں فساد آجانے کا جو ذکر کیا ہے، اس کے بارہ میں انشاء اللہ آئندہ قسط میں عرض کیا جاسکے گا۔ جو غالباً اس سلسلہ کی آخری قسط ہوگی۔ واللہ الموفق للصواب والسداد (باقی)

بقیہ صفحہ ۲۴ (سلسلۂ معارف الحدیث)

۲-۳ دفعہ فرمائی تو ایک صاحب نے دو درہم نکال کر حضور کو پیش کر دیے تو آپ نے دونوں چیزیں اُن کو دیدیں ــــ اور جو درہم انھوں نے دیے تھے وہ آپ نے اُن انصاری صحابی کو دیے اور فرمایا کہ اِن میں سے ایک درہم کا تو کھانے پینے کا کچھ سامان خرید کے اپنے گھر والوں کو دیدو اور دوسرے درہم سے ایک کلھاڑی خرید کے میرے پاس لے آؤ"، انھوں نے ایسا ہی کیا اور کلھاڑی خرید کے حضور کی خدمت میں لے آئے، آپ نے اپنے دست مبارک سے اس میں لکڑی کا دستہ فٹ کیا اور اُن سے کہا کہ یہ کلھاڑی لے کے جنگل نکل جاؤ، لکڑیاں لاؤ اور بیچو! ــــ حدیث میں ہے کہ آپ نے اُن کو یہ بھی تاکید فرمائی کہ اب ۱۵ دن تک ہرگز میرے پاس نہ آؤ (یعنی زیادہ سے زیادہ وقت اس محنت اور کمائی ہی میں صرف کرو) انھوں نے ایسا ہی کیا یہاں تک کہ اس محنت اور کمائی کے نتیجہ میں اُن کے پاس دس درہم جمع ہوگئے اُس سے انھوں نے گھر والوں کے لیے غذائی سامان اور کچھ کپڑا وغیرہ خریدا اس کے بعد حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے اُن سے فرمایا کہ یہ محنت کرکے گزارا کرنا تمھارے لیے اس سے بہتر ہے کہ سائل بن کر لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلاؤ اور قیامت میں تمھارے چہرے پر اس کا داغ اور نشان ہو۔

اس حدیث میں امت کے لیے کتنی عظیم رہنمائی ہے، کاش ہم اس سے سبق لیتے۔

درس قرآن ۔ محمد منظور نعمانی

مرکز والی مسجد ۔ ۱۰ شوال ۱۳۹۷ھ

● ــــ امت محمدیہ کے مردوں اور عورتوں کے لیے ولایت الٰہی کا منشور عام۔

● ــــ دسؔ اوصاف جو مسلمان مردوں اور عورتوں میں مطلوب ہیں

● ــــ اللہ کے ذکر و فکر کی دین میں خاص اہمیت اور اصحابِ فکر کا درجہ

(اعوذ باللہ، بسم اللہ اور حمد و صلوٰۃ کے بعد)

اِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ وَالْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ وَالْقٰنِتِيْنَ
وَالْقٰنِتٰتِ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالصّٰدِقٰتِ وَالصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰبِرٰتِ
وَالْخٰشِعِيْنَ وَالْخٰشِعٰتِ وَالْمُتَصَدِّقِيْنَ وَالْمُتَصَدِّقٰتِ وَالصَّا
ئِمِيْنَ وَالصّٰٓئِمٰتِ وَالْحٰفِظِيْنَ فُرُوْجَهُمْ وَالْحٰفِظٰتِ وَالذّٰ
كِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا
عَظِيْمًا ۝ (الاحزاب ع ۵ آیت ۳۵)

بےشک دین اسلام اختیار کرنے والے مرد اور دین اسلام اختیار کرنے والی عورتیں اور ایمان و یقین والے مرد اور ایمان و یقین والی عورتیں اور (اللہ و رسول کی) فرمانبرداری کرنے والے مرد اور فرمانبرداری کرنے والی عورتیں اور صدق و سچائی والے مرد اور صدق و سچائی والی عورتیں اور صبر برداشت کرنے والے مرد، اور صبر و برداشت والی عورتیں اور انکسار و فروتنی اختیار کرنے والے مرد اور انکسار و فروتنی

اختیار کرنے والی عورتیں اور (راہ خدا میں) صدقہ خیرات کرنے والے مرد اور صدقہ خیرات
کرنے والی عورتیں، اور روزے رکھنے والے مرد اور روزہ رکھنے والی عورتیں، اور (شہوت
نفس کے ناجائز تقاضوں سے) اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے مرد اور حفاظت
کرنے والی عورتیں، اور اللہ کو زیادہ یاد کرنے اور یاد رکھنے والے مرد اور زیادہ یاد کرنے
اور یاد رکھنے والی عورتیں ـــــ اللہ نے ان سب کے واسطے طے کر رکھی اور تیار کر رکھی ہے
بخشش اور اجر عظیم ٥ (سورۂ احزاب ۵۶ آیت ۳۵)

(تفسیر و تشریح) پچھلے ہفتے سورۂ احزاب کے چوتھے رکوع کا درس ہوا تھا۔ اُس کا خاص
روئے سخن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کی طرف تھا۔ اُن کے خاص مقام و مرتبہ
کے لحاظ سے ان کو کچھ خصوصی ہدایتیں فرمائی گئی تھیں ـــــ نماز، زکوٰۃ جیسے اعمال صالحہ
کو اہتمام سے ادا کرنے کی اور منکرات و مکروہات سے بچنے کی سخت تاکید فرمائی گئی تھی
اگرچہ یہ اوامر و نواہی امت کی سب خواتین کے لیے ہیں لیکن پچھلے رکوع میں ان احکام کی
خاص مخاطب ازواج مطہرات ہی تھیں ـــــ اب یہ پانچواں رکوع شروع ہوا ہے، اس کی
پہلی آیت اپنے مضمون کے لحاظ سے بڑی جامع اور اہم آیت ہے ـــــ اس میں وہ سارے
اوصاف جمع کر دیے گئے ہیں جو اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں اور بندیوں میں مطلوب ہیں۔ جو بندہ یا
جو بندی یہ اوصاف و خصائل جس درجہ میں اپنے اندر پیدا کرلے وہ اسی درجہ میں مومن کامل اور
"ولی اللہ" ہے ـــــ یہ آیت گویا "ولایت الٰہی" کا منشور ہے۔ اس آیت کا روئے سخن امت
محمدیہ کے تمام مردوں اور عورتوں کی طرف ہے۔ اس میں مردوں کے ساتھ عورتوں کا ذکر صراحت
کے ساتھ کر کے گویا یہ اعلان فرمایا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے آئی ہوئی
روحانی دولت میں عورتیں مردوں کی برابر کی شریک ہیں اور ان کے لیے ولایت اور قرب الٰہی
کے وہ سب دروازے کھلے ہوئے ہیں جو مردوں کے لیے کھلے ہیں۔

بہرحال اس آیت میں امت محمدیہ کے تمام مردوں اور عورتوں کو سنایا جا رہا ہے کہ اگر تم
چاہتے ہو کہ اللہ تعالیٰ تمہاری چھوٹی بڑی ساری خطائیں، سارے گناہ اور ساری لغزشیں
معاف فرما دے اور تم سے آخرت میں کوئی بازپرس نہ ہو اور اُس رب کریم کی طرف سے "اجر عظیم"

تم کو عطا ہو (جس میں بلاشبہ رضائے مولیٰ اور دیدار الٰہی بھی شامل ہے) تو یہ دس اوصاف اپنے اندر پیدا کر لو

(۱) ایک اسلام، جس کا مطلب ہے اللہ کے حضور میں سر افگندہ ہو جانا، اس کے دین کو قبول کر کے اس کے حکموں پر چلنے کا فیصلہ کر لینا اور اس کی بندگی کو اپنی زندگی کا اصول بنا لینا۔ (اِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ) میں اسی وصف کا ذکر ہے۔

(۲) دوسرا ایمان۔ ایمان کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے پیغمبر جو ایسی باتیں اور ایسی حقیقتیں بتلائیں جن کو ہم بطورِ خود نہیں جان سکتے، اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھ سکتے، اپنی عقلوں سے نہیں سمجھ سکتے۔ (جیسے اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات، قیامت، آخرت، جنت، دوزخ، فرشتوں کا وجود، وحی کا آنا، قرآن شریف کا کلام اللہ ہونا، وغیرہ وغیرہ) تو ایسی ساری باتوں اور حقیقتوں پر، صرف اللہ کے پیغمبر کے اعتبار و اعتماد پر دل سے ایسا یقین کر لینا اور مان لینا جیسا آنکھوں دیکھی چیزوں پر یقین کر لیا جاتا ہے۔ (وَالْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ) میں اسی کا ذکر ہے۔

(۳) تیسرا وصف ہے عملی زندگی میں اللہ تعالیٰ کی کامل فرمانبرداری کرنا۔ (وَالْقَانِتِيْنَ وَالْقٰنِتٰتِ) میں اسی وصف کا ذکر ہے۔

(۴) چوتھا وصف ہے سچائی و راستبازی، اپنے اقوال میں بھی اور اعمال و معاملات میں بھی۔ (وَالصّٰدِقِيْنَ وَالصّٰدِقٰتِ) میں اسی کا ذکر ہے۔

(۵) پانچواں وصف ہے صبر۔ "صبر" کا لفظ ہماری آپ کی زبان میں یعنی اردو میں بھی استعمال ہوتا ہے لیکن ہماری زبان میں اس کے معنی بہت محدود ہیں جو ہم آپ سب جانتے ہیں لیکن قرآن پاک کی زبان میں صبر کے معنی بہت وسیع ہیں اور وہ بہت اونچا وصف ہے —— یعنی کسی اعلیٰ مقصد کے لیے تکلیفیں اٹھانا، مصیبتیں جھیلنا، اپنے نفس پر کنٹرول رکھنا —— (وَالصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰبِرٰتِ) کا یہی مطلب ہے۔

(۶) چھٹا وصف ہے خشوع۔ اس کے معنی ہیں فروتنی، عاجزی و انکساری، اللہ تعالیٰ کے حضور میں بھی اور بندوں سے برتاؤ میں بھی، باطن میں بھی اور ظاہر میں بھی —— یہ وصف

عبدیت اور بندگی کی روح اور جان ہے۔ "والخاشعین والخشعٰت" میں اسی کا ذکر ہے۔

(۷) ساتواں وصف ہے۔ اللہ کی راہ میں اپنے مال کی قربانی یعنی اس کی رضا جوئی کے لیے صدقہ و خیرات کرنا جس سے بخل و کنجوسی کی روحانی بیماری کا علاج بھی ہوتا ہے اور اللہ کے حاجتمند بندوں کی مدد بھی ہوتی ہے "والمتصدقین والمتصدقٰت" میں اسی وصف کا ذکر ہے۔

(۸) آٹھواں وصف ہے روزہ داری یعنی اللہ کی رضا اور اپنے نفس کے علاج کے لیے اور اپنے اندر تقوے کی صفت پیدا کرنے کے لیے روزے رکھنا، فرض بھی اور حسب توفیق نفلی بھی "والصائمین والصٰئمٰت" میں اس وصف کا ذکر ہے۔

(۹) نواں وصف ہے عفت و پاکبازی یعنی شہوت نفس کے غلط اور ناجائز تقاضوں سے اپنی حفاظت کرنا۔ "والحٰفظین فروجھم والحٰفظٰت" میں اس کا ذکر ہے۔

(۱۰) دسواں اور آخری وصف ہے اللہ کا ذکر، نہ صرف ذکر بلکہ ذکر کثیر، یعنی اللہ سے غافل نہ ہونا اُس کا دھیان رکھنا اور زیادہ سے زیادہ اُس کا ذکر کرنا۔ــــ اس میں نماز، قرآن پاک کی تلاوت، اللہ کی حمد و تسبیح اور دُعا و استغفار وغیرہ ذکر اللہ کی سب شکلیں شامل ہیں۔ "والذّٰکرین اللہ کثیرًا والذّٰکرٰت" میں اسی کا ذکر ہے۔

یہ دس صفتیں جو بندہ اپنے اندر پیدا کرے وہ بامراد اور کامیاب ہے ــــ وہ اللہ کا اور اللہ اس کا ہو گیا، ایسے بندوں کو اس آیت میں بشارت سنائی گئی ہے "اَعَدَّ اللّٰہُ لَھُمْ مَّغْفِرَۃً وَّاَجْرًا عَظِیْمًا" ــــ یعنی اللہ نے ایسے بندوں کے لیے مغفرت و بخشش اور "اجرِ عظیم" کا تحفہ تیار کر رکھا ہے ــــ جس "اجر" کو خود اللہ تعالیٰ "عظیم الشان" فرمائے، اس کی عظمت کا کوئی بندہ یہاں تصور بھی نہیں کر سکتا۔

ایک مشہور حدیث قدسی ہے یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد وحی کی طرف سے امت کو پہنچایا کہ "اَعْدَدْتُ لِعِبَادِیَ الصَّالِحِیْنَ مَالَا عَیْنٌ رَأَتْ وَلَا اُذُنٌ سَمِعَتْ وَلَا خَطَرَ عَلٰی قَلْبِ بَشَرٍ" (میں نے اپنے نیک بندوں کے لیے جنت میں راحت و لذت اور مسرت کے وہ سامان اور وہ نعمتیں تیار کر کے رکھی ہیں جن کو نہ کسی آنکھ نے دیکھا ہے نہ کسی کان نے سنا ہے اور نہ کسی انسان کے دل میں کبھی اُن کا خیال ہی آیا ہے، یعنی جو انسانی

خیال و تصور کی پرواز کی حد سے بھی بالاتر ہیں ـــــ بس وہیں پہنچ کے معلوم ہوگا کہ وہ کیا نعمتیں ہیں اور اُن میں کیسی لذت اور مسرت کا کیسا سامان ہے ـــــ اس کی صحیح مثال یہ ہے کہ ہم آپ جب اس دنیا میں آنے سے پہلے اپنے ماؤں کے پیٹ میں تھے تو ہمیں کچھ معلوم نہ تھا کہ ہم کسی اور دنیا میں پہنچیں گے اور وہاں لذت و راحت کے عجیب و غریب سامان ہوں گے ـــــ وہاں زعفرانی، بریانی، فیرنی اور کباب قورمہ جیسی لذیذ غذائیں ہوں گی، روح افزا جیسے لذیذ مشروب ہوں گے مشکی حنا اور شمامۃ العنبر اور روح گلاب اور کیوڑہ جیسے عطریات ہوں گے۔ سیر و تفریح کے لیے پارک اور چمن ہوں گے، سواری کے لیے موٹریں ہوں گی، عالیشان محلات ہوں گے ـــــ تو ماں کے پیٹ والی ہماری پہلی دنیا میں ان چیزوں کا تصور بھی نہیں ہو سکتا تھا ـــــ لیکن جب اللہ کے حکم سے یہاں آ گئے اور اللہ نے یہ چیزیں نصیب فرمائیں تو اس کے بعد ہی ان کو جانا ـــــ بالکل اسی طرح سمجھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نیک بندوں کے لیے جو نعمتیں جنت میں تیار کر رکھی ہیں اُن کا یہاں ہم تصور بھی نہیں کر سکتے وہ ہمارے ادراک و خیال کی پرواز سے بھی وراء الوراء ہے بس وہاں پہنچ کر ہی ہم اُن سے آشنا ہوں گے۔

آخرت اور جنت میں عطا ہونے والی اُن سب نعمتوں کو اس آیت میں "اجرِ عظیم" فرمایا گیا ہے ـــــ ان نعمتوں کے حاصل کرنے کا راستہ کیا ہے؟ اور ان کی قیمت کیا ہے جو ہم کو ادا کرنی ہے؟ بس وہی اعمال و اوصاف جن کا اس آیت میں ذکر فرمایا گیا ہے ـــــ میں نے عرض کیا تھا کہ اللہ کے جو بندے جس درجہ میں یہ اوصاف اپنے اندر پیدا کرلیں وہ اسی درجہ میں "مومن کامل" اور "اللہ کے ولی" ہیں ـــــ اور یہ آیت گویا "ولایت الٰہی کا منشور" ہے۔

بزرگانِ دین کی خانقاہوں کا اصل موضوع یہی تھا کہ اللہ کے طالب بندے وہاں کے خاص ماحول میں رہ کر یہ ایمانی اوصاف اور یہ اخلاق و اعمال اپنے اندر پیدا کرلیں اور ان کی ایسی مشق کرلیں کہ یہی ان کی طبیعت ثانیہ ہو جائے بس یہی تصوف ہے اس کے سوا کچھ نہیں۔

ان مطلوبہ اوصاف میں آخری اور انتہائی چیز "اللہ تعالیٰ کا ذکر کثیر" ہے، سب سے آخر میں فرمایا گیا ہے "وَالذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ" ـــــ پھر آگے اسی سورت میں چند ہی آیتوں کے بعد ارشاد فرمایا گیا ہے "يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا"

(اے ایمان والے بندو اللہ کا ذکر بہت زیادہ کیا کرو اور اس کو بہت یاد رکھو)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے انھی آیتوں کی روشنی میں فرمایا ہے کہ "اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندوں کو جن عبادتی اعمال کا حکم دیا گیا ہے، اُن سب کی ایک حد مقرر ہے کہ بس اتنا ضروری ہے اس کے بعد چھٹی۔ نماز، روزہ، حج وغیرہ سب کا یہی حال ہے۔ لیکن "ذکر اللہ" کے لیے ایسی کوئی حد مقرر نہیں کی گئی ہے بلکہ حکم ہے کہ ہر وقت اور ہر حال میں اس کو یاد کرو اور یاد رکھو۔ ارشاد فرمایا گیا ہے "فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِكُمْ" (یعنی اللہ کا ذکر کرو کھڑے ہونے کی حالت میں، اور بیٹھے ہونے کی حالت میں اور جب تم لیٹے ہوئے ہو) —— اس کا کھلا مطلب یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی یاد تمھارے دل و دماغ میں اس طرح بس جانی چاہیے کہ کسی حال اُس سے غفلت نہ ہو —— یہ ایک کھلی حقیقت ہے کہ امت کے تمام طبقوں میں یہ دولت صرف مشائخ ربانی کا حصہ ہے جن کو "صوفیہ" کہا جاتا ہے۔

ایک حدیث شریف کا مضمون ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ اللہ کے بندوں میں کون لوگ افضل اور زیادہ بلند مرتبہ ہیں؟ آپ نے ارشاد فرمایا "الذّاکرون اللّٰہ کثیرًا والذّاکرات" یعنی اللہ کا بہت زیادہ ذکر کرنے والے بندوں اور بندیوں کا درجہ اور مرتبہ سب سے اعلیٰ و بالا ہے —— اللہ تعالیٰ اس دولت کا کچھ نہ کچھ حصہ ہم آپ سب کو نصیب فرمائے —— اور اللہ کی رحمت سے یقین کے ساتھ امید ہے کہ ہم آپ میں جو بھی سچے دل سے اس کا طالب ہوگا، اور اُس کے حاصل کرنے کی کوشش کرے گا اور اللہ تعالیٰ سے دعا بھی کرتا رہے گا ان شاء اللہ وہ محروم نہ رہے گا۔

سبحانک اللّٰھم وبحمدک نشھد ان لا الٰہ الّا انت نستغفرک

ونتوب الیک

کتاب المعاملات

معارف الحدیث

(مسلسل)

خرید و فروخت کے متعلق احکام و ہدایات (۲)

فروختنی چیز کا عیب چھپانے کی سخت ممانعت اور وعید:-

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ عَلٰى صُبْرَةِ طَعَامٍ فَاَدْخَلَ یَدَهٗ فِیْهَا فَنَالَتْ اَصَابِعُهٗ بَلَلًا فَقَالَ مَا هٰذَا یَا صَاحِبَ الطَّعَامِ؟ قَالَ اَصَابَتْهُ السَّمَاءُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! قَالَ اَفَلَا جَعَلْتَهٗ فَوْقَ الطَّعَامِ حَتّٰى یَرَاهُ النَّاسُ، مَنْ غَشَّ فَلَیْسَ مِنَّا ــــــــــ (رواہ مسلم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غلہ کے ایک ڈھیر کے پاس سے گزرے (جو ایک دوکاندار کا تھا) آپ نے اپنا ہاتھ اس ڈھیر کے اندر داخل کر دیا، تو آپ کی انگلیوں نے گیلا پن محسوس کیا، آپ نے اس غلہ فروش دوکاندار سے فرمایا کہ (تمہارے ڈھیر کے اندر یہ تری) اور گیل کیسی ہے؟ اس نے عرض کیا! رسول اللہ غلہ پر بارش کی بوندیں پڑ گئی تھیں (تو میں نے اوپر کا بھیگ جانے والا غلہ نیچے کر دیا) آپ نے فرمایا کہ اس بھیگے ہوئے غلہ کو تم نے ڈھیر کے اوپر کیوں نہیں رہنے دیا تاکہ خریدنے والے لوگ اس کو دیکھ سکتے۔ (سن لو) جو آدمی دھوکے بازی

کرے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ (صحیح مسلم)

(تشریح) اور طبرانی نے معجم کبیر و معجم صغیر میں یہی واقعہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور اس کے آخر میں ان الفاظ کا اضافہ ہے "والمکر والخداع فی النار" (یعنی اس طرح کی دغابازی اور فریب کا انجام جہنم ہے) ــــ اللھم احفظنا!

عَنْ وَاثِلَةَ بْنِ الْاَسْقَعِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ بَاعَ عَيْبًا لَمْ يُنَبِّهْ لَمْ يَزَلْ فِيْ مَقْتِ اللّٰهِ اَوْ لَمْ تَزَلِ الْمَلٰٓئِكَةُ تَلْعَنُهُ ــــ رواہ ابن ماجہ

حضرت واثلہ بن الاسقع سے روایت ہے کہ میں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے تھے کہ جس شخص نے کوئی عیب والی چیز کسی کے ہاتھ فروخت کی، اور خریدار کو وہ عیب بتلا نہیں دیا تو اس پر ہمیشہ خدا کا غضب رہے گا ــــ یا آپ نے یہ فرمایا ــــ کہ اللہ کے فرشتے ہمیشہ اس پر لعنت کرتے رہیں گے۔ (سنن ابن ماجہ)

(تشریح) بعض اوقات حدیث کے کسی راوی کو حضور کے الفاظ کے بارہ میں شبہ ہو جاتا ہے تو ازراہ احتیاط وہ روایت کے وقت اس شبہ کو ظاہر کر دیتا ہے۔ اس حدیث کی روایت میں بھی راوی کو شک ہو گیا ہے کہ حضور نے "لم یزل فی مقت اللہ" فرمایا تھا، یا "لم تزل الملئکۃ تلعنہ" فرمایا تھا ــــ حدیث کے ترجمہ میں اس شک کو ظاہر کر دیا گیا ہے۔

بیچنے والے یا خریدنے والے کی ناواقفی سے ناجائز فائدہ اٹھانے اور ہر طرح کے دھوکے فریب کی ممانعت:-

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عليہ وسلم لَا تَلَقَّوُا الْجَلَبَ فَمَنْ تَلَقَّاهُ فَاشْتَرٰى مِنْهُ فَاِذَا اَتٰى سَيِّدُهُ السُّوْقَ فَهُوَ بِالْخِيَارِ ــــ رواہ مسلم

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ غلہ وغیرہ لانے والے قافلہ سے مال خریدنے کے لیے آگے جا کے نہ لو جس تاجر نے آگے جا کر راستہ ہی میں سودا کیا اور خرید لیا تو مال کا مالک جب

بازار پہنچے تو اس کو اختیار ہوگا (کہ چاہے تو وہ معاملہ فسخ کر دے) (صحیح مسلم)

(تشریح) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی ایسا ہوتا تھا کہ لوگ غلّہ وغیرہ ضروریات کی چیزیں باہر سے لاکر شہروں کے بازاروں میں فروخت کرتے تھے اور یہ چھوٹے بڑے قافلوں کی شکل میں آتے تھے، (ان تجارتی قافلوں کو "جَلَب" کہا جاتا تھا) —— چالاک تاجر ایسا کرتے تھے کہ بازار اور منڈی پہنچنے سے بہت پہلے راستہ ہی میں اُن کے پاس پہنچکر مال کا سودا کر لیتے تھے۔ اس میں اس کا بہت امکان ہوتا تھا کہ بازار کے بھاؤ سے ناواقف ہونے کی وجہ سے باہر سے مال لانے والے اپنا مال اِن تاجروں کے ہاتھ سستے داموں بیچ دیں اور اس سے اُن کو نقصان پہنچے —— اور اس سے بڑی دوسری خرابی اِس طریقہ میں یہ تھی کہ باہر سے آنے والا اشیار غلہ اور دیگر سامان اِن چالاک سرمایہ دار تاجروں کے ہاتھ میں چلا جاتا تھا پھر یہ اس کو عام صارفین کے ہاتھ من مانے داموں پر بیچتے اور زیادہ سے زیادہ نفع کماتے —— اگر مال بازار میں آکر بکتا تو لانے والوں کو بھی مناسب قیمت ملتی اور عام ضرورت مند بھی مناسب داموں پر خرید سکتے —— اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں ہدایت فرمائی کہ غلّہ وغیرہ لانے والوں سے بازار پہنچنے سے پہلے راستہ میں جاکر خریداری نہ کی جائے اور اگر اس طرح کسی نے کوئی سودا کیا تو مال لانے والا اگر بازار پہنچکر محسوس کرے کہ بازار کے بھاؤ سے بے خبری کی وجہ سے اس کو دھوکا اور نقصان ہوگیا تو اس کو معاملہ فسخ کر دینے کا اختیار ہے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَلَقُّوا الرُّكْبَانَ لِبَيْعٍ وَلَا يَبِعْ بَعْضُكُمْ عَلَى بَيْعِ بَعْضٍ وَلَا تَنَاجَشُوا وَلَا يَبِعْ حَاضِرٌ لِبَادٍ وَلَا تُصَرُّوا الْإِبِلَ وَالْغَنَمَ فَمَنِ ابْتَاعَهَا بَعْدَ ذَالِكَ فَهُوَ بِخَيْرِ النَّظَرَيْنِ بَعْدَ أَنْ يَحْلِبَهَا إِنْ رَضِيَهَا أَمْسَكَهَا وَإِنْ سَخِطَهَا رَدَّهَا وَصَاعًا مِنْ تَمْرٍ —— رواہ البخاری ومسلم

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ غلہ وغیرہ لانے والے قافلہ والوں سے مال خریدنے کے لیے آگے جاکے نہ ملو، اور تم میں سے کوئی اپنے دوسرے بھائی کے بیع کے معاملہ میں اپنے معاملۂ بیع سے داخلت نہ کرے اور

(کسی سودے کے نمائشی خریدار بن کر اس کی قیمت بڑھانے کا کام نہ کرو۔ اور شہری تاجر بدویوں کا مال اپنے پاس رکھ کر بیچنے کا کام نہ کریں ـــ اور (بیچنے کے لیے) اونٹنی یا بکری کے تھنوں میں دودھ جمع نہ کرو۔ اگر کسی نے ایسی اونٹنی یا بکری خریدی تو اس کا دودھ دوہنے کے بعد اس کو اختیار ہے اگر پسند ہو تو اپنے پاس رکھے اور اگر ناپسند ہو تو واپس کر دے اور (جانور کے مالک کو) ایک صاع (قریباً ۴ سیر) کھجوریں بھی دیدے۔

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) اس حدیث میں تجارت اور خرید و فروخت سے متعلق چند ہدایتیں دی گئی ہیں۔ پہلی ہدایت تو وہی ہے جو اس سے اوپر والی حدیث میں دی گئی تھی، کہ غلہ وغیرہ ضروریات باہر سے لانے والے تجارتی قافلوں سے بازار اور منڈی میں اُن کے پہنچنے سے پہلے راستہ ہی میں جا کر ان کا مال نہ خریدا جائے بلکہ جب وہ بازار اور منڈی میں مال لے آئیں تو اُن سے خرید و فروخت کا معاملہ کیا جائے ـــ اس ہدایت کی حکمت اور مصلحت بھی لکھی جا چکی ہے۔

دوسری ہدایت کے الفاظ یہ ہیں "ولا یبع بعضکم علی بیع بعض" اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی خریدار ایک دوکاندار سے کوئی چیز خرید رہا ہے تو دوسرے دوکاندار کو نہ چاہئے کہ وہ معاملہ میں مداخلت کرے اور خریدار سے کہے کہ یہی چیز تم مجھ سے خرید لو، ظاہر ہے کہ اس سے دوکانداروں میں باہم عداوت اور ایک دوسرے کی بدخواہی پیدا ہوگی جو شر و فساد کی جڑ ہے۔

تیسری ہدایت کے الفاظ ہیں "ولا تناجشو" بازار کی دنیا میں یہ بھی ہوتا ہے کہ کوئی شخص کسی دوکاندار سے کوئی چیز خریدنے کی بات چیت کر رہا ہے، تو کوئی صاحب اُسی چیز کے صرف نمائشی خریدار بن کے کھڑے ہو گئے اور زیادہ قیمت لگا دی تاکہ جو اصلی اور واقعی خریدار ہے وہ زیادہ قیمت دینے پر آمادہ ہو جائے، ظاہر ہے کہ بیچارے خریدار کے ساتھ یہ ایک طرح کا فریب ہے "لا تناجشوا" میں اسی کی ممانعت فرمائی گئی ہے۔

چوتھی ہدایت کے الفاظ ہیں "لا یبیع حاضر لباد" اس کا مطلب یہ ہے کہ شہر کے تاجروں کو چاہیے کہ دیہات کے لوگ جو سامان غلہ وغیرہ فروخت کرنے کے لیے لائیں ان کا وہ مال اپنے پاس اس غرض سے نہ رکھیں کہ جب دام زیادہ اٹھیں گے اُس وقت فروخت کریں گے، بلکہ دیہات

کے لوگ جب مال لائیں تو اس کو فروخت ہو جانا چاہیے۔ اس صورت میں ان اشیاء کی قلت نہیں ہوگی، عوام کے لیے قیمتیں نہیں چڑھیں گی اور گرانی نہیں بڑھے گی، اور دیہات سے مال لانے والوں کو جگہ دن کے دن اور ہاتھ کے ہاتھ اپنے مال کی قیمت مل جائے گی تو جلد ہی وہ بازار میں دوسرا مال لا سکیں گے اس طرح ان کی تجارت بڑھ جائے گی اور نفع بھی بڑھے گا۔

پانچویں اور آخری ہدایت ہے "لا تصروا الابل والغنم الخ" اس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی ایسا نہ کرے کہ جب اس کو اپنا دودھ دینے والا جانور (اونٹنی، بکری وغیرہ) بیچنا ہو تو ایک دو وقت پہلے سے اس کا دودھ دوہنا چھوڑ دے، تاکہ خریدار اس کے بھرے ہوئے تھن دیکھ کر سمجھے کہ جانور بہت دودھ دینے والا ہے اور زیادہ قیمت میں خرید لے — ظاہر ہے کہ یہ ایک طرح کا دھوکا فریب ہے۔ — آگے اس کے بارہ میں فرمایا گیا ہے کہ اگر کسی نے ایسا جانور خریدا تو اس کو اختیار ہے کہ اپنے گھر پر دوہنے کے بعد اگر جانور کو ناپسند کرے تو واپس کر دے اور پسند کرے تو اپنے پاس رکھ لے — اور واپس کرنے کی صورت میں ایک صاع (قریباً ۴ سیر) کھجوریں بھی جانور کے مالک کو پیش کر دے۔ صحیح مسلم کی اس حدیث کی روایت میں الفاظ ہیں "فهو بالخيار ثلثة ايام" جس کا مطلب یہ ہے کہ ایسا جانور خریدنے والے کو تین دن تک واپسی کا اختیار رہے گا — (اس کے بعد واپسی کا حق نہ ہوگا) نیز "مسلم" کی اس روایت میں "صاعاً من تمر" کے بجائے "صاعاً من طعام لا سمراء" کے الفاظ ہیں، ان کی بنا پر ایک صاع کھجوروں کی جگہ گیہوں کے علاوہ ایک صاع کوئی غلہ (جو وغیرہ) دینا بھی صحیح ہوگا — جانور کی واپسی کی صورت میں اس کے مالک کو ایک صاع کھجور وغیرہ پیش کرنے کی ہدایت کی حکمت و مصلحت شاید یہ ہو کہ خریدنے والے نے ایک دن یا دو دن یا تین دن (جب تک جانور کو اپنے پاس رکھا) اس کا دودھ دوہا اور استعمال کیا، ساتھ ہی اس کے کھلانے پلانے پر خرچ بھی کیا، اس طرح حساب گویا برابر ہو گیا — پھر بھی جو کسر رہی ہو اور واپسی سے جانور کے مالک کی جو دل شکنی ہوئی ہو اس کی مکافات اور واپسی کے معاملہ کی ناخوشگواری ختم کرنے یا کم کرنے کے لیے یہ ہدایت دی گئی ہو۔ واللہ اعلم

نیلام کے طریقہ پر خرید و فروخت:-

عَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَاعَ حِلْسًا وَقَدَحًا فَقَالَ

مَن يَّشْتَرِي هٰذَا الْحِلْسَ وَالْقَدَحَ فَقَالَ رَجُلٌ، اٰخُذُهُمَا بِدِرْهَمٍ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَن يَّزِيْدُ عَلٰى دِرْهَمٍ فَاَعْطَاهُ رَجُلٌ دِرْهَمَيْنِ فَبَاعَهُمَا مِنْهُ ـــــ رواہ الترمذی وابوداؤد وابن ماجہ

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (بچھانے کا) ایک ٹاٹ اور ایک پیالہ اس طرح فروخت کیا کہ آپ نے (مجلس کے حاضرین کو مخاطب کر کے) فرمایا کہ یہ ٹاٹ اور پیالہ کون خریدنا چاہتا ہے (وہ بولی بولے)، ایک شخص نے عرض کیا کہ میں یہ دونوں چیزیں ایک درہم میں لے سکتا ہوں' ـــــ آپ نے فرمایا کون ایک درہم سے زیادہ دینے کو تیار ہے؟ تو ایک دوسرے صاحب نے آپ کو دو درہم پیش کر دیے تو آپ نے وہ دونوں چیزیں اُن کے ہاتھ بیچ دیں۔

(جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، سنن ابن ماجہ)

(تشریح) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نیلام کے طریقہ پر خرید و فروخت جائز ہے اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کیا ہے۔ نیلام کے جس واقعہ کا حضرت انس رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں ذکر ہے وہ پوری تفصیل کے ساتھ سنن ابی داؤد اور سنن ابن ماجہ کی روایت میں اس طرح بیان کیا گیا ہے ـــــ کہ ایک نہایت مفلس اور مفلوک الحال انصاری صحابی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی حاجتمندی کا حال بیان کیا اور آپ سے امداد و اعانت کی درخواست کی، آپ نے (یہ دیکھ کر کہ وہ محنت کر کے کمانے کے قابل ہیں)، اُن سے پوچھا کہ تمہارے گھر میں کچھ بھی سامان ہے؟ ـــــ انھوں نے عرض کیا کچھ بھی نہیں ہے، بس ایک ٹاٹ ہے جس کا کچھ حصہ ہم (بطور فرش کے) بچھا لیتے ہیں اور کچھ حصہ اوڑھ لیتے ہیں، اور اُس کے علاوہ بس ایک پیالہ ہے جو پانی پینے کے کام آتا ہے ـــــ آپ نے فرمایا کہ یہ دونوں چیزیں لے آؤ، وہ لے آئے، آپ نے حاضرین مجلس کو مخاطب کر کے فرمایا کہ یہ دونوں چیزیں بکتی ہیں، آپ لوگوں میں سے کون ان کا خریدار ہے۔ ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت میں ایک درہم میں دونوں چیزیں لے سکتا ہوں ـــــ آپ نے فرمایا "من یزید" (یعنی جو کوئی اس سے زیادہ قیمت میں خریدنے والا ہو وہ بولے)! ابوداؤد کی روایت میں ہے کہ یہ بات آپ نے

(باقی ص ۱۲ پر)

مولانا نسیم احمد فریدی امروہی

کاروانِ اہلِ فضل و کمال

تلامذہ حضرت شاہ محمد اسحٰق محدث دہلوی مہاجرؒ

(۲)

حضرت مولانا عالم علی مراد آبادیؒ

الشیخ العالم المحدث عالم علی بن کفایت علی بن فتح علی الحسینی النگینوی ثم المراد آبادی۔ آپ نگینہ ضلع بجنور میں پیدا ہوئے اور وہیں نشو و نما پائی۔ پھر تحصیل علم کے لیے سفر اختیار کیا اور رامپور پہونچ کر مفتی شرف الدین رامپوری اور شیخ غفران ابن تائب افغانی سے کتب درسیہ پڑھیں۔ اس کے بعد دہلی آئے مولانا مملوک علی نانوتویؒ سے پڑھا۔ حکیم نصر اللہ خاں دہلوی (تلمیذ حکیم شریف خاں دہلویؒ) سے تعلیم طب حاصل کی۔ حضرت شاہ محمد اسحاق محدث دہلویؒ سے حدیث پڑھی اور سند حاصل کی۔ بعد فراغت، علم حدیث اور علم طب کی طرف پوری طرح متوجہ ہوئے اور مراد آباد میں سکونت پذیر ہوئے۔ آپ سے بہت سے علماء نے اخذ علم کیا۔

لے منجملہ ان کے مولانا حسن علی شاہ محدث رامپوریؒ بھی تھے جن کے صاحبزادے مولانا محمد شاہ محدث رامپوری ہوئے۔ مولانا محمد شاہؒ کے صاحبزادے مولانا حامد شاہ محدث، قاضی رامپور تھے۔ ان تینوں حضرات نے تمام عمر علم حدیث و فقہ کا درس اپنے وطن میں دیا جس سے ہزارہا تشنگانِ علوم فیض یاب ہوئے۔ ایک بڑا کتب خانہ چھوڑا جو اپنی نظیر آپ ہے۔ مولانا حامد شاہ صاحب کے بڑے صاحبزادے قاضی سید احمد شاہ صاحب کی نگرانی میں یہ عظیم

آپ کی تصانیف میں ایک مبسوط شرح، ضابطہ تہذیب پر ہے۔ اس کے علاوہ ایک رسالہ تنقیح تخرج الضاد، ایک رسالہ فضائل صیام میں اور ایک رسالہ فضائل النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں ہے۔ آپ کی دو کتابیں اور ہیں جن کے نام الحجۃ البالغہ اور الوثیقۃ الباہرہ ہیں۔

آپ نے ۲ رمضان ۱۲۹۵ھ کو وفات پائی۔ مراد آباد کی جامع مسجد کے صحن میں بجانب جنوب آپ کا مزار ہے۔ بباغ جنان بادسکن سے آپ کی تاریخ وفات نکلتی ہے۔

(ماخوذ از نزہۃ الخواطر جلد ہفتم و ترجمہ تذکرہ علمائے ہند ص ۲۶۰-۲۶۱)

تذکرۂ کاملانِ رامپور مولفہ حافظ احمد علی خاں شوق رامپوری میں ص ۱۹۰ پر آپ کے متعلق لکھا ہے:۔

"ریاست رامپور سے تیس روپے ماہانہ پاتے تھے۔ رامپور میں بھی قیام رہا نہایت متورع اور زاہد تھے۔ بہت سے لوگ مرید تھے۔ پابندی سنت کا سخت لحاظ تھا"[۳]

حضرت مولانا مفتی عنایت احمد کاکوروی رح

الشیخ العالم الکبیر المفتی عنایت احمد بن غلام محمد بن لطف اللہ الدیوی ثم الکاکوروی۔ آپ ۱۲۲۸ھ میں بمقام دیوہ ضلع بارہ بنکی پیدا ہوئے۔ جب تیرہ سال کی عمر ہوئی تو آپ نے رام پور کا سفر اختیار کیا اور صرف و نحو مولانا سید محمد بریلوی رح سے پڑھی۔ رامپور ہی میں مولانا حیدر علی ٹونکی رح اور مولانا نورالاسلام[۴] ابن مولانا سلام اللہ رامپوری رح کے حلقۂ تلامذہ میں

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

کتب خانہ ان کے مکان پر اب بھی موجود ہے۔

مولانا عالم علی رح کے تلامذہ میں سے مولانا عبدالحق حقانی صاحب تفسیر حقانی بھی ہیں۔ مولانا حکیم محمد صدیق قاسمی مراد آبادی نے بھی آپ سے حدیث پڑھی ہے۔ صاحب تخبۃ التواریخ مولانا آل حسن بخشی امروہی رح نبیرۂ قاری امام الدین بخشی امروہی رح نے بھی آپ سے صحیح بخاری پڑھی ہے۔

له ترجمہ تذکرہ علمائے ہند میں آپ کی تاریخ وفات ۳۰ رمضان المبارک لکھی ہے ۳ه مقالات طریقت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ شاہ محمد اسحٰق صاحب کے خلیفہ طریقت بھی تھے۔ ۴ه آپ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رح کی اولاد میں سے تھے۔

داخل ہوئے اور مدتوں ان کی خدمت میں رہے۔ پھر دہلی کا سفر اختیار کیا اور شاہ محمد اسحاق محدث دہلویؒ سے حدیث پڑھی۔ اس کے بعد علی گڑھ پہونچے اور مولانا بزرگ علی مارہرویؒ کے درس میں برابر حاضر رہے اور ان سے کتب معقول و حکمت پڑھیں۔ جامع مسجد علی گڑھ کے مدرسہ میں مدرس و معلم رہے جہاں پورے ایک سال تک پڑھایا۔ پھر حکومت وقت کی طرف سے عہدۂ منصف و قاضی پر فائز کیے گئے۔ مشاغل تدریس کے ساتھ ساتھ اس عہدہ کے فرائض انجام دینے میں بھی مشغول رہے۔ اس عہدہ پر دو سال فائز رہے۔ یہاں سے شہر بریلی کو تبادلہ ہوگیا اور صدر الامین بنا دیے گئے۔ چار سال کے بعد ترقی کر کے صدر الصدور بن گئے اور آگرہ کو منتقل کیے گئے۔ آپ کے آگرہ پہونچنے سے پہلے ہنگامہ ۱۸۵۷ء برپا ہوگیا۔ یہ ہنگامہ پورے ہندوستان میں پھیل گیا۔ دفعتاً حکومت انگلشیہ کا تختہ پلٹ گیا اور اس کا وقار و اقتدار ختم ہوگیا۔ یہ ۱۲۷۳ھ تھا۔ مگر انگریزوں نے دوبارہ پھر اقتدار حاصل کر لیا اور اہل ہند کے ساتھ بری طرح پیش آئے۔ انھوں نے بڑی سختی سے اس ہنگامہ کو فرو کیا اور اپنے باغیوں اور ان کے معاونین کو گرفتار کر لیا۔ مفتی عنایت احمد کاکوروی پر بھی بغاوت کا الزام قائم ہوا اور ان کے لیے جلاوطنی کا حکم دیا گیا۔ چنانچہ جزائر انڈمان (کالا پانی) بھیج دیے گئے۔ اس جزیرے میں رہ کر باوجود فقدان کتب کے آپ نے بعض رسائل لکھے۔ جزائر انڈمان کا حاکم وقت چاہتا تھا کہ تقویم البلدان کو زبان عربی سے اردو میں منتقل کرے تاکہ پھر انگریزی زبان میں اس کا ترجمہ کرنا آسان ہوجائے۔ اس حاکم نے مذکورہ کتاب کو بعض دوسرے علماء کے سامنے بھی جو کہ اس جزیرے میں بستے تھے ترجمہ کے لیے پیش کیا تھا۔ مگر کسی نے اس کام کو قبول نہیں کیا تھا۔ جب مفتی عنایت احمد کے سامنے یہ کام پیش کیا گیا تو انھوں نے قبول فرمالیا اور اردو میں اس کتاب کا ترجمہ کر دیا۔ حاکم جزیرہ نے اس ترجمہ کو بہت پسند کیا اور ان کو رہا کر دینے کی سفارش کی۔ چنانچہ آپ کالے پانی کی قید سے رہا کر دیے گئے اور ہندوستان میں واپس آگئے۔ اب آپ مطبع نظامی کانپور کے مالک عبد الرحمن ابن روشن خاں حنفی لکھنوی کے اصرار پر کانپور میں رہنے لگے اور وہاں مدرسہ فیض عام کی بنیاد ڈالی۔ اس مدرسہ میں تین سال تک نحو کا درس دیا۔ پھر حج و زیارت کے لیے روانہ ہوئے۔ جب جدہ پہونچنے کے قریب ہوئے تو جہاز سمندر میں ڈوب گیا اور اس جہاز کا کوئی بھی آدمی نہیں بچ سکا۔

(ماخوذ از نزہۃ الخواطر جلد ہفتم)

آپ کی متعدد تصانیف ہیں۔ اور بقول مؤلف تذکرہ مشاہیر کاکوری ان کتابوں کے ناموں کے اعداد سے تاریخیں برآمد ہوتی ہیں ان میں بہت سی کتابیں چھپ چکی ہیں۔ تذکرہ مشاہیر کاکوری سے ان کتابوں کی فہرست ذیل میں پیش کی جاتی ہے:

(۱) علم الفرائض مطبوع (۲) ملخصات الحساب مطبوع (۳) تصدیق المسیح روح کلم القبیح (۴) کلام المبین فی آیات رحمۃ للعالمین مطبوع (۵) ضمان الفردوس مطبوع (۶) فضائل علم و علماء دین (۷) فضائل درود وسلام مطبوع (۸) محاسن العمل الافضل معہ التتمات مطبوع (۹) بدایات الاضاحی مطبوع (۱۰) الدر الفرید فی مسائل الصیام والقیام والعید مطبوع (۱۱) وظیفہ کریمیہ مطبوع (۱۲) علم التصیغہ مطبوع (۱۳) خجستہ بہار بطرز گلستاں (۱۴) ترجمۂ تقویم البلدان (۱۵) نقشہ مواقع النجوم (۱۶) بیان قدر شب برات مطبوع (۱۷) رسالہ در مذمت میلہ ہا۔ (۱۸) احادیث الحبیب المتبرکہ یعنی چہل حدیث مطبوع (۱۹) تواریخ حبیب الٰہ مطبوع

حضرت مولانا عبدالجلیل شہید علی گڈھیؒ

الشیخ العالم المحدث عبد الجلیل بن ریاض الدین الاسرائیلی الکوئلی ــــــــ

آپ ۱۲۲۵ھ میں شہر علی گڈھ میں پیدا ہوئے۔ آپ نے اکثر کتب درسیہ مولانا بزرگ علی مارہرویؒ سے پڑھیں اور فنون ریاضیہ میں کمال حاصل کیا۔ پھر آپ دہلی گئے اور حضرت شاہ محمد اسحاق محدث دہلویؒ سے علم حدیث حاصل کیا۔ آپ نے علم حدیث کی طرف پوری توجہ مبذول رکھی۔ کامیابی کے بعد اپنے شہر کو واپس ہوئے اور ایک زمانے تک علوم دینیہ کا درس دیا۔ پھر آپ کو نواب محمود علی خاں نے چھتاری بلا یا جہاں آپ نے ایک مدت تک قیام فرمایا اور درس و افادہ کا سلسلہ قایم کیا۔ آپ سے بہت سے علماء نے استفادہ کیا ہے۔ آپ اخلاق عالیہ کا کامل نمونہ تھے۔ حضرت سید احمد شہید رائے بریلویؒ سے بیعت تھے اور ان کی صحبت بھی اٹھائی تھی تمام عمر ان کے طریقے پر مستقیم رہے۔ شورۂ ہندیہ یعنی ہنگامہ ۱۸۵۷ء کے ایام میں انگریزوں سے جہاد کرتے ہوئے شہید ہوگئے۔ قمری حساب سے آپ کی تاریخ وسنہ شہادت ۷ محرم ۱۲۷۳ہجری تھی۔ علی گڈھ کی جامع مسجد کے اندر بجانب شمال آپ کا مزار ہے۔

(نزہتہ الخواطر جلد ہفتم)

لہ علم صرف کی یہ کتاب جزائر انڈمان میں لکھی گئی ہے

(ڈاکٹر مولوی) ماجد علی خاں
جامعہ ملیہ۔ دہلی

تصوّف کی حقیقت

بسا اوقات کسی چیز کی شہرت بھی اُس کی حقیقت کے لیے حجاب بن جاتی ہے۔ آجکل تصوف کے بارے میں بھی کچھ اسی مقولہ پر عمل ہو رہا ہے۔ اگرچہ تصوف اور صوفی کے الفاظ عوام و خواص میں کثرت سے رائج ہیں تاہم اس کی حقیقت سے عام طور پر لوگ نا آشنا ہیں۔ تعجب کی بات تو یہ ہے کہ جو لوگ خود اپنے آپ کو صوفی کہتے ہیں اور تصوف کے پرزور حامی ہیں اُن میں سے بھی اکثر تصوف کے بارے میں غلط تصورات قائم کیے ہوئے ہیں۔ جو لوگ تصوف کی صحیح حقیقت سے واقف نہیں ہیں اُن کو دو گروہوں میں منقسم کیا جا سکتا ہے۔ ایک وہ گروہ ہے جو محض ناواقفیت کی وجہ سے تصوف کا منکر ہے یہ گروہ تصوف کو بدعت سمجھتا ہے۔ اس گروہ کے بعض افراد اس سے بھی آگے بڑھ کر یہ کہتے ہیں کہ تصوف کا آل و انجام گمراہی و ضلالت ہے۔ دوسرا گروہ اُن لوگوں کا ہے جو گو کہ تصوف کو چاہتے ہیں اور اُس پر عمل پیرا ہونے کا بھی دعویٰ کرتے ہیں لیکن اُس کو شریعت کے تابع نہیں رکھنا چاہتے۔ ان لوگوں کے غلط نظریہ کے مطابق شریعت اور تصوف یا طریقت الگ الگ دو راستے ہیں۔ بہرحال ان دونوں گروہوں میں یہ غلط نظریہ مشترک ہے کہ تصوف شریعت اسلامیہ کے علاوہ خدارسی کا کوئی مستقل طریقہ ہے۔

تصوف یا احسان

حقیقی تصوف کو جس کا دوسرا نام احسان ہے حدیث میں اس طرح واضح کیا گیا ہے:۔

قَالَ فَاخبرنی عَنِ الاحسان قال	(حضرت جبریل علیہ السلام نے رسول اللہ صلی اللہ
ان تعبد اللہ کانک تراہ	علیہ وسلم سے) کہا احسان کے متعلق کچھ فرمائیے

فان لم تکن تراہ فانہ یراک الخ

(بخاری ومسلم)

تو آپ نے فرمایا تو اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح (یعنی یہ سمجھ کر) کر گویا کہ تو اس کو دیکھ رہا ہے اور اگر تو اس کو نہیں دیکھ رہا ہے تو وہ تو تجھے (یقیناً) دیکھ رہا ہے۔"

یہ ایک صحیح حدیث کا حصہ ہے جس کو امام بخاری و امام مسلم دونوں حضرات نے روایت کیا ہے۔ اس میں حضرت جبرئیل علیہ السلام کے اس سوال کے جواب میں کہ احسان کیا ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تشریح فرمائی در اصل تصوف کا بنیادی مقصد عبادت کے اندر اس کیفیت کو پیدا کرنا ہے۔ رہے اذکار و اشغال، مجاہدات و ریاضات تو وہ بطور علاج ہیں اور ان کا مقصد نفس کو پاک و صاف کرنا ہے کیونکہ بغیر تزکیۂ نفس کے انسان کے اندر سے امراض باطنہ نہیں نکلتے۔ اور بغیر امراض باطنہ سے چھٹکارا پائے انسان کا اللہ سے صحیح تعلق قائم نہیں ہو سکتا اور بغیر تعلق باللہ کے عبادت کے اندر مندرجہ بالا کیفیت پیدا نہیں ہو سکتی۔ اسی وجہ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرائض نبوت میں سے ایک اہم کام تزکیہ کا تھا۔

تزکیۂ نفس:-

هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَ یُزَكِّیْهِمْ وَ یُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ ۗ وَ اِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ۝

(الجمعۃ: ۲)

"وہی ہے جس نے (عرب کے) ناخواندہ لوگوں میں ان ہی (کی قوم) میں سے (یعنی عرب میں سے) ایک پیغمبر بھیجا جو ان کو اللہ کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتے ہیں اور ان کو (عقائد باطلہ و اخلاق ذمیمہ سے) پاک کرتے ہیں اور ان کو کتاب اور دانشمندی (کی باتیں) سکھلاتے ہیں۔ اور یہ لوگ (آپ کی بعثت کے) پہلے سے

تزکیۂ نفس کی اہمیت کو قرآن کریم میں مختلف جگہ واضح کیا گیا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا ۝ وَ قَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا

"بیشک جس نے نفس کو صاف کیا کامیاب ہوا اور جس نے اس کو میلا کیا ناکام رہا......"

اسی طرح ارشاد ہے:۔

يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ	"اس دن مال اور اولاد کام نہ آئیں گے مگر جو
إِلَّا مَنْ أَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ	شخص اللہ تعالیٰ کے پاس سلامت قلب لیکر آیا...."

ایمان وعقائد جن پر سارے اعمال کی مقبولیت منحصر ہے قلب ہی کا فعل ہے اور ظاہر ہے کہ جتنے اعمال ہیں سب ایمان ہی کی تکمیل کے لیے ہیں۔ اس لیے اصل مقصود اصلاح قلب ہے۔ چنانچہ ایک حدیث میں ارشاد ہے:۔

الا ان فی الجسد مضغة اذا صلحت	"بیشک آدمی کے بدن میں ایک گوشت کا ٹکڑا
صلح الجسد کلہ واذا فسدت	ہے جب وہ درست ہو جاتا ہے تو تمام بدن درست
فسد الجسد کلہ الا وھی القلب	ہو جاتا ہے اور جب وہ بگڑ جاتا ہے تو تمام بدن
	بگڑ جاتا ہے۔ سن لو وہ دل ہے"

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض صحبت سے صحابہؓ کا تزکیۂ نفس اور اصلاح قلب بھی ہوتی تھی۔ آپ کے بعد کچھ عرصہ تک تو ایسے علماء کاملین وائمہ پیدا ہوتے رہے جو وراثت نبوی کے چاروں حصے بیک وقت طالبین کو تقسیم کرتے رہے۔ صحابہؓ نہ صرف تلاوت آیات کر کے غیر مسلموں کو دعوت اسلام اور مسلمانوں کو دعوت قرب دیتے، احکام الٰہیہ وحکمت ایمانی کی تعلیم دیتے بلکہ تابعین کے نفوس کو مہذب ومزکی بھی بناتے تھے۔ تابعین اور تبع تابعین کے زمانہ میں بھی اسی طرح خدمات دین کا دائرہ وسیع رہا۔ لیکن اسلامی معاشرہ کی وسعت کے ساتھ ساتھ نئے نئے مسائل سامنے آتے گئے، خدمات کا دائرہ وسیع ہوتا گیا۔ چنانچہ کثرت جزئیات اور وسعت علم کی وجہ سے علماء دین تقسیم عمل پر مجبور ہو گئے۔ تاہم ایسے علماء کاملین بھی موجود رہے جو بیک وقت وراثت نبوی کے چاروں فرائض کو انجام دیتے رہے۔ چنانچہ متقدمین ائمہ فقہا کے یہاں علم الزہد کے عنوان سے تزکیۂ نفس کا علم بھی ملتا ہے۔ خود امام ابو یوسفؒ کی کتاب الخراج میں فقہی احکام کے پہلو بہ پہلو تزکیۂ باطن کی ہدایات بھی موجود ہیں۔ علم الفقہ کی تعریف معرفة النفس مالها وعليها (یعنی نفس کا اپنے منافع ومفاسد کو جاننا) سے کی گئی ہے۔ اسی بنیاد پر کہا جاتا ہے کہ ائمہ فقہاء یعنی امام ابو حنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ، سفیان ثوریؒ، سفیان بن عیینہؒ

وغیرہ جہاں علم الاحکام میں درجہ اجتہاد و امامت پر فائز تھے۔ وہاں وہ علم تزکیۂ باطن میں بھی اونچے مقامات پر فائز تھے لیکن بعد میں ایسے علماء کاملین کی قلت ہوتی گئی اس لیے اس بات کی ضرورت محسوس کی گئی کہ اعمال باطنہ کی تعلیم اور تزکیۂ نفس کی ذمہ داری کو قبول کرنے کے لیے کچھ لوگ آگے بڑھیں اس وجہ سے متاخرین نے شریعت کو دو حصوں میں منقسم کیا۔ "شریعت کا جزو متعلق باعمال ظاہرہ کا نام فقہ ہو گیا اور دوسرے جزو متعلق باعمال باطنہ کا نام تصوف ہو گیا۔"[۱]

کچھ متاخرین مشائخ کی تصوف میں اصلاحات:-

امام ابو حامد محمد غزالیؒ

امام غزالیؒ (المتوفی ۵۰۵ھ/۱۱۱۱ء) نے تصوف اور اصلاح نفس کو تہذیب اخلاق کے ساتھ وابستہ کیا۔ جہاں وہ علم کلام کے مجدد ہیں وہاں وہ اس موضوع کے بھی مجدد سمجھے جاتے ہیں۔ گو اُن سے پہلے شیخ ابوالقاسم قشیریؒ نے "رسالۃ القشیریہ" میں اور شیخ ابو طالب مکیؒ نے "قوت القلوب" میں اس موضوع پر گفتگو کی ہے لیکن امام غزالیؒ نے جس انداز پر اس کو پیش کیا ہے وہ بالکل اچھوتا ہے چنانچہ علامہ شبلی نعمانی مرحوم لکھتے ہیں:-

"امام صاحب پہلے شخص ہیں جنھوں نے فلسفۂ اخلاق کے مسائل اس طرح ادا کیے کہ دقیق سے دقیق نکتے، افسانہ اور لطائف بن گئے۔"[۲]

مولانا شبلی نعمانیؒ مزید تحریر کرتے ہیں:-

"اخلاق کی تعلیم میں ایک بہت بڑی غلطی ہمیشہ سے یہ ہوتی آئی ہے کہ اختلاف طبائع و امزجہ کا لحاظ نہیں کیا جاتا کسی بانی مذہب کے نزدیک اگر تجرّد اور ترک اختلاط پسندیدہ ہے تو وہ چاہے گا کہ تمام عالم تارک الدنیا ہو جائے دوسرے کے نزدیک اگر حسن معاشرت اور فیض رسانی عام زیادہ مفید ہے تو اس کی خواہش ہوگی کہ سب اسی قالب میں ڈھل جائیں۔

---

[۱] "شریعت و طریقت" (از افادات حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ) ص۲۲ [۲] الغزالی ص۱۶۰

لیکن چونکہ انسانی طبیعتیں مختلف ہیں اس لیے اس قسم کی یک طرفہ تعلیم کا اثر خاص طبائع تک محدود رہ کر باقی ہزاروں آدمیوں کے حق میں بیکار ہو جاتا ہے۔ اس نکتہ کو سب سے پہلے امام صاحب نے سمجھا۔ اُن کے اصول کے موافق اخلاق کی تعلیم، اختلاف طبائع کے لحاظ سے ہونی چاہیے۔ جس شخص کا مزاج قدرتی طور سے معاشرت پسند واقع ہوا ہے اس کو ہرگز تجرد اور ترک تعلقات کی تعلیم نہیں کرنی چاہیے بلکہ معاشرت کے وہ اصول اور قواعد بتانے چاہئیں جس کے ذریعہ سے اُس سے وہ نیکیاں ظہور میں آئیں جو معاشرت کے ساتھ مخصوص ہیں مثلاً صلۂ رحم، حاجت روائی خلق، ہدایت عام۔ اسی طرح جس کا مزاج قدرتاً تجرد پسند ہے اس کو ہرگز معاشرت کی ہدایت نہیں کرنی چاہیے بلکہ گوشہ گیری، اور ترک تعلقات کے ایسے اصول سکھلانے چاہئیں جن سے وہ اعتدال سے تجاوز نہ ہونے پائے"۱؎

امام غزالی کے نزدیک انسان کی قوت علم، قوت غضب اور قوت شہوت کے اعتدال کا نام ہی حُسن خلق ہے، علم کی قوت کے اعتدال کا نام حکمت ہے، غضب کی قوت کے اعتدال کا نام شجاعت ہے جس کے مظاہر خودداری، دلیری، آزادی، حلم، استقلال، ثبات اور وقار وغیرہ ہیں۔ اور شہوت کی قوت کے کامل اعتدال کا نام عفت ہے۔ حیاء، صبر، درگزر قناعت، پرہیزگاری، لطیف مزاجی، خوش طبعی، بے طمعی وغیرہ عفت ہی کے مختلف مظاہر ہیں چنانچہ امام صاحب تحریر فرماتے ہیں

"مختصر یہ کہ محاسن اخلاق کے ارکان اصلی تین ہیں: حکمت، شجاعت، عفت۔ جس قدر اور اخلاق حسنہ ہیں سب انہی کے مختلف قالب اور مختلف مظاہر ہیں"۲؎

ایک دوسری جگہ پر وہ تحریر کرتے ہیں:-

"علم اخلاق کا مقصود یہ ہے کہ یہ تمام قوتیں باقی رہیں لیکن ان میں اعتدال آجائے، یہی وجہ ہے کہ خدائے تعالیٰ نے قرآن مجید میں والکاظمین الغیظ (غصّے کو تھامنے والے) کہا یہ نہیں کہا کہ والفاقدین الغیظ (جن میں سرے سے غصّہ ہی نہ ہو)"۳؎

۱؎ الغزالی ص ۹۲-۹۳ ۲؎ ۳۱۲ ۳؎ ایضاً ص ۸۴

امام غزالیؒ نے تہذیب اخلاق کے چند قاعدے لکھے ہیں لیکن چونکہ اخلاق کی اصلاح اس بات پر موقوف ہے کہ پہلے انسان اپنے عیوب پر مطلع ہو اس لیے احیاء العلوم میں اس کا ایک خاص باب باندھا ہے چنانچہ اس سلسلے میں تحریر کیا ہے کہ "شیخ طریقت سے اس بات کی درخواست کرنا چاہیے کہ عیوب پر مطلع کرتے رہیں۔"

امام صاحبؒ کی اس موضوع پر کئی مشہور تصانیف ہیں۔ اُن سب میں احیاء العلوم کیمیائے سعادت، اور اربعین بہت مقبول ہوئیں۔ چنانچہ مولانا شبلی نعمانی تحریر کرتے ہیں:

"امام غزالی سے پہلے جو کتابیں تصوف میں لکھی گئی تھیں مثلاً قوت القلوب۔ رسالۂ قشیریہ وغیرہ سب میں ان اخلاق کا ذکر ہے لیکن صرف نام لکھ دیے گئے ہیں، اُن کی حد و حقیقت نہیں بیان کی جس سے اُن کی اشتباہ انگیز اور مبہم صورتیں خیال میں آجائیں، امام صاحب نے احیاء العلوم میں ایک ایک پر مستقل عنوان قائم کیا ہے اور اس توضیح، دقیقہ رسی اور نکتہ سنجی سے اُن کی حقیقت بیان کی ہے کہ آج تک اس پر اضافہ نہ ہو سکا۔"[1]

علامہ ابن خلدون مقدمۂ تاریخ میں تحریر کرتے ہیں:

وجمع الغزالی بین الامرین فی الاحیاء فدون فیه احکام الورع والاقتداء ثم بین آداب القوم وسننهم وشرح اصطلاحاتهم فی عباداتهم وصار علم التصوف فی الملة علما مدونا بعد ان کانت الطریقة عبادة فقط

"امام غزالی نے احیاء العلوم میں دونوں طریقوں کو جمع کیا۔ چنانچہ ورع اور اقتداء کے احکام لکھنے کے ساتھ ارباب حال کے آداب اور طریقے بتائے اور ان کے مصطلحات کی شرح کی جس کا یہ نتیجہ ہوا کہ تصوف بھی ایک باقاعدہ علم بن گیا۔ حالانکہ پہلے اس کا طریقہ صرف عبادت کرنا تھا۔"[2]

حقیقت یہ ہے کہ تصوف ابتداء میں صرف زہد و عبادت کا نام تھا۔ ابتدائی زمانہ میں مجاہدات کے ذریعہ آسانی سے تزکیۂ نفس ہو جاتا تھا۔ اور اخلاق پر مستقل محنت کرنے کی ضرورت پیش نہیں آتی تھی۔ زُہد جس قدر بڑھتا جاتا تھا۔ روحانی اوصاف یعنی صبر و شکر

---

[1] "الغزالی" صـ۱۹۱ [2] ایضاً صـ۱۸۷

توکل ورضا۔ اُنس ومحبت وغیرہ خود بخود پیدا ہوتے جاتے تھے۔ لیکن جب عبادت میں توجہ الی اللہ کا زور بڑھا تو مجاہدہ اور مجاہدہ سے کشف والہام اور بعض قسم کے خرق عادت کا ظہور ہوا۔ غرض رفتہ رفتہ تصوف بہت سی چیزوں کا مجموعہ بن گیا۔ لیکن یہ امر صاف طور سے طے نہ ہوا کہ اُن میں سے تصوف کا اصلی حصہ کس قدر ہے۔ اسی بناء پر متقدمین صوفیا میں سے ہر ایک نے تصوف کی نئی تعریف بیان کی۔ یعنی مجموعے میں سے صرف ایک حصے کو لے لیا۔ امام غزالیؒ سے پہلے تصوف میں سب سے زیادہ جامع اور علمی پیرائے میں جو کتاب لکھی گئی تھی وہ امام قشیری کا رسالہ تھا۔ تاہم اس رسالے میں صرف ورع، تقویٰ، صبر وشکر وغیرہ کے عنوان قائم کیے گئے ہیں اور ہر عنوان کے تحت قرآن مجید کی آیتیں اور بزرگوں کی حکائتیں لکھ دی گئی ہیں۔ کسی چیز کی حد اور حقیقت نہیں بیان کی گئی ہے اور مکاشفات اور روحانی ادراکات کا تو سرے سے ذکر ہی نہیں۔ اُسی دور کی ایک دوسری عظیم المرتبت کتاب "کشف المحجوب" میں بھی اخلاقیات کے اوپر سرسری روشنی ہی ڈالی گئی ہے اور زیادہ زور عبادات اور تصوف کے مصطلحات پر دیا گیا ہے۔ امام غزالی پہلے شخص ہیں جنھوں نے علمی طور پر اس فن کو مرتب کیا۔ باقی

از مولانا محمد برہان الدین سنبھلی
ناظم مجلس تحقیقات شرعیہ و استاذ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

کیا اہل کتاب کے لیے —— اسلامی شریعت کی پیروی ضروری نہیں؟

ایک صاحب، جو خود کو "فاضل از درس نظامیہ" لکھتے اور غالباً فتویٰ نویسی بھی کرتے ہیں، کی عجیب و غریب "علمی تحقیق" (جسے نہ صرف وہ اپنا عقیدہ بنائے ہوئے ہیں بلکہ اس کی طرف دعوت بھی دیتے ہیں) ان ہی کے الفاظ میں یہ ہے:۔

"وہ اہل کتاب جو اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں اور نیک کام کرتے ہیں، ساتھ ہی حضرت محمد صلعم کو نبی برحق اور قرآن مجید کو کلام الٰہی مانتے ہیں مگر شریعت محمدی کے پیرو نہیں ہیں بلکہ اپنی شریعت الٰہیہ مخصوصہ پر عمل پیرا ہیں تو .... وہ جنت میں جائیں گے کیونکہ بعد بعثت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم توریت، انجیل اور دوسری آسمانی کتابوں پر عمل کرنا یہودیوں، نصرانیوں اور صابئوں کے حق میں منسوخ نہیں ہے۔"

اور ان صاحب کو اپنی اس تحقیق پر اتنا اصرار و اعتماد ہے کہ وہ اسے "قرآن مجید کی صریح و واضح احکام والی محکم آیتوں سے ثابت شدہ حقیقت" خیال کرتے ہیں اور اسی بنیاد پر اس کے خلاف عقیدہ رکھنے والوں (یعنی جمہور اہل سنت) کو ...... "محکم آیتوں میں خواہ مخواہ تاویل رکیکہ کر کے تحریف معنوی کا ارتکاب کرنے والا" سمجھتے ہیں، مزید برآں موصوف اپنی "اس تحقیق" کو ایسا یقینی اور قرآن مجید کا صریح و حتمی حکم باور کیے ہوئے ہیں کہ اس کے خلاف کسی اور احتمال کے، قرآن مجید

کی آیات سے نکلنے کا امکان ہی گویا تسلیم کرنے کو تیار نہیں ہیں اس لیے وہ چیلنج کے انداز میں فرماتے ہیں کہ :۔

"جو قرآن مجید کے صریح خدائی قانون، متعلق نجاتِ اخروی پر اجس کا اوپر ذکر کیا گیا ہے اعتقاد نہیں رکھتا ہے تو اس پر لازم ہے کہ اس کے مقابل قرآن مجید کی وہ آیات صریح پیش کرے...... "

فاضلِ مذکور اپنی بات کی مزید تشریح اس طرح کرتے ہیں :۔

"خداوند تعالیٰ نے خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ صلعم کو سارے عالم کے لیے رسول بنا کر بھیجا اور قرآن مجید کو ساری دنیا کے لیے حق و باطل میں فیصلہ کرنے والی مذہبی کتاب ...... اب دنیا والوں کے لیے حضرت محمد مصطفیٰ پر ایمان لانا ضروری ہے اور شریعت محمدی پر عمل کرنا لازمی ہے صرف اہل کتاب کے ساتھ خدا نے اتنی رعایت کی ہے کہ اگر وہ اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھیں گے اور نیک کام کریں گے تو ان کی "محض نجات اخروی" ہو جائے گی بشرطیکہ حضرت محمدؐ کے رسول برحق اور قرآن مجید کے کلام الٰہی ہونے پر "اجمالی ایمان" رکھیں گے، ساتھ ہی ساتھ یہ بھی اعلان کر دیا کہ "ولو آمن أهل الكتاب لكان خيراً لهم" (اگر اہل کتاب پوری طرح ایمان لے آئیں (یعنی شریعتِ محمدی پر عمل (کذا؟) ہو جائیں) تو ان کے لیے سب سے اچھا ہو اور "ولو أن أهل الكتاب آمنوا واتقوا لكفرنا عنهم سيئاتهم ولأدخلناهم جنت النعيم" اگر اہل کتاب پوری طرح ایمان لے آئیں اور متقی بن جائیں تو البتہ ہم ان کے سارے گناہوں کو معاف کر دیں گے اور البتہ ہم ان کو ایسی جنت میں داخل کر دیں گے جہاں آرام و آسائش کے سامان ہیں۔"

گویا موصوف کے نزدیک "محض نجات اخروی، جنت النعیم میں داخلہ کے علاوہ کوئی چیز ہے تب ہی تو اہل کتاب کے پہلے گروہ کو "محض نجات اخروی" کا مستحق بتایا اور گروہ ثانی کو جنت النعیم میں داخلہ کا۔ اور اپنی اس تحقیق انیق کی وضاحت ایک سے زیادہ بار مختلف الفاظ و انداز سے کی ہے ــــــ مگر یہاں اس تضاد بیانی کی طرف توجہ دلانا بھی ضروری ہے کہ "اصل فتوے میں جیسا کہ اوپر گذرا، شریعتِ محمدی کی پیروی نہ کرنے والوں کے لیے بھی "جنت" کا استحقاق

ثابت کیا گیا ہے (شاید اسی سے ان کی مراد بغیر آرام و آسائش کی جنت ہو؟)

ایسے انوکھے دعوے پر حسب ذیل آیات سے دلیل قائم کی ہے:۔

۱۔ إن الذین آمنوا والذین ھادوا والنصاریٰ...... پ۱ ع ۸۔ ۲۔ إن الذین آمنوا والذین ھادوا والصٰبئون پ۶ ع۱۰ (کذا!) ۳۔ وقالوا لن یدخل الجنۃ الا من کان ھودًا (دو آیت) پ۱ ع ۱۳۔
۴۔ لیس بأمانیکم ولا أمانی أھل الکتاب (دو آیت) پ۵ ع ۱۰ ۵۔ لیسوا سواءً من أھل الکتاب (تین آیت) پ۴ ع ۱۲/۳ (کذا؟) ۶۔ کنتم خیر أمۃ أخرجت للناس ...... الآیۃ پ۴ ع ۱۲/۳ (کذا؟)
۷۔ ولیحکم أھل الإنجیل بما أنزل اللہ (دو آیت) پ۶ ع ۷/۱۱ (کذا؟) ۸۔ وإن من أھل الکتاب لمن یؤمن باللہ ...... الآیۃ پ۴ ع ۲۰/۱۱

اس کے علاوہ بعض آیات کے اجزاء مثلاً (حتیٰ تقیموا التوراۃ والإنجیل) سے بھی استدلال کیا ہے۔

اس "تحقیقی" "جدید عقیدہ اور قرآنی" نظریہ کا جائزہ لینے سے پہلے یہ بتا دینا شاید نامناسب نہ ہوگا کہ قائل مذکور نے جن آیات سے استدلال کیا ہے' اب سے تقریباً چالیس پینتالیس سال قبل' نہ صرف ان آیتوں بلکہ ان جیسی چند دوسری آیتوں سے بھی (اس وقت بھی ان میں کی پہلی دو آیتیں سر فہرست تھیں) کچھ لوگوں نے جن میں بعض ممتاز اور معروف اشخاص بھی تھے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی تھی (اور اس کے بعد بھی مختلف اوقات میں ایک آدھ بار ایسی آوازیں اٹھیں) کہ نجات اخروی کے لیے نبی آخر الزماں اور آخری کتاب پر سرے سے ایمان لانا ہی ضروری نہیں ہے (بس ان لوگوں کے نزدیک "مطلق ایمان" اور "مطلق عمل صالح" نجات کے لیے کافی ہے) بلکہ بعض نے اس سے دو قدم آگے بڑھ کر "وحدت ادیان" کے معروف اور چلتے ہوئے نعرے میں اسی طرح کی آیات سے زور پیدا کرنے اور اسے قرآن کا اصل مدعا بتانے کی جد و جہد بھی کی تھی۔ لیکن جیسا کہ ہمیشہ اس جیسے مواقع پر سنۃ اللہ کے مطابق ہوا ہے اس وقت بھی یہی ہوا۔ کہ دین حق کی حفاظت اور اس کے دفاع کے لیے جس جماعت کے مستقل وجود کا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پتہ دیا ہے اسی کے افراد نے اس سنگین غلطی (یا غلط فہمی) کا ازالہ کر کے قرآن مجید کی آیات ہی سے حق واضح کیا جس کا اثر یا نتیجہ یہ ہوا کہ پھر مدتوں اس طرح کی

آواز سننے میں نہیں آئی اور گمان ہونے لگا کہ یہ آواز ہمیشہ کے لیے خاموش ہو گئی مگر اچانک ایک غیر معروف گوشے سے پھر وہی آواز ذرا مختلف لہجہ میں سننے میں آئی، اس مرتبہ یہ آواز بلند کرنے والے نہ اتنے معروف تھے اور نہ آواز ہی ایسی غیر مانوس، اور جادۂ حق سے اتنی ہٹی ہوئی ہے، اس مرتبہ غالباً گذشتہ ریکارڈ کے مطالعہ اور اس سے سبق حاصل کرنے کے ہی نتیجہ میں یہ ترمیم کر لی گئی کہ محض نجات کے لیے نبی آخر الزماں پر اجمالی ایمان "لانا" اہل کتاب کے واسطے بھی ضروری قرار دیا گیا اور آسائشوں والی جنت میں داخلہ کے لیے "پوری طرح ایمان لے آنا" اہل کتاب کے لیے بھی ناگزیر بتلایا گیا۔ لیکن جس طرح پہلی بات صریحاً غلط تھی اسی طرح یہ دوسری بات بھی (یعنی اتباعِ محمدؐ کے بغیر نجات کا تصور) یقیناً صحیح نہیں ہے اور جیسے وہ رائے قرآن مجید کے ناقص مطالعہ پر مبنی تھی ایسے ہی یہ نظریہ بھی (اگر فسادِ نیت اس میں شامل نہ سمجھا جائے تو) پورے قرآن پر نظر نہ ہونے یا غور نہ کرنے کا نتیجہ ہے اس واقعہ کا اظہار شاید بے محل نہ ہو کہ اس طرح کی کج فکری کا شکار ہونے والے قدرِ مشترک طور پر قرآن مجید کے اندازِ بیان اور اس کے منفرد اسلوبِ کلام سے ناواقف ہونے کی بنا پر شاید یہ سمجھتے ہیں کہ قرآن حکیم بھی عام انسانی تصانیف اور فنی کتابوں کی طرح ایسی مرتب اور مبوب کتاب ہے کہ ایک موضوع اور بحث سے متعلق تمام تفصیلات اور احکام یکجا بیان کر دیے گئے ہیں لہٰذا ایک مقام سے جیسی اور جتنی بات معلوم ہو رہی اور سمجھی جا رہی ہے بس وہی فیصلہ کرنے اور آخری نتیجہ اخذ کرنے کے لیے کافی ہے اور یہ دیکھنے یا جاننے کے لیے کہ اصل حکم، اور منشأ خداوندی کیا ہے دوسرے مقام کی طرف رجوع کرنے کی چنداں ضرورت ہی نہیں ہے۔ حالانکہ قرآن مجید کا ہر ادنیٰ طالب علم بھی یہ جانتا ہے۔ یا اسے جاننا چاہیے کہ اللہ کی کتاب جس طرح اعجازِ بیانی اور غیبی حقائق کے انکشافات میں منفرد ہے اسی طرح بیانِ احکام اور ادائے مراد کے طرز و طریق کے اعتبار سے بھی ممتاز ہے، کیونکہ اس کے نزول اور اس کی ترتیب میں موضوع اور بحث کی رعایت سے زیادہ واقعات اور ضرورتوں کا لحاظ کیا گیا ہے، اسی بنا پر ہمیں ایک جگہ کوئی حکم مختصراً دیا گیا ہے دوسری جگہ اس کی تفصیل ملتی ہے، یا کہیں مثلاً وسیع انداز میں کوئی مطالبہ کیا گیا ہے۔ دوسری جگہ اس کی وسعت کو محدود کر دیا گیا ہے اسی طرح (قرآن مجید کی تخصیص و تحدید کے عمل میں کہیں احادیثِ نبویؐ نے بھی یہی کام کیا ہے۔ اس لیے قرآن مجید کے صحیح فہم اور اللہ تعالیٰ

کی صحیح مراد جاننے والے کے لیے ضروری ہوجاتا ہے کہ اس کی نہ صرف قرآن حکیم کے ہر ہر گوشہ پر ایسی نظر ہو کہ کوئی پہلو نگاہ سے اوجھل نہ رہے بلکہ احادیث صحیح کا ذخیرہ بھی پیش نظر ہو ورنہ اس کا حق نہیں ہے کہ قرآنی مطالب اور خدائی مطالبات کے بارے میں کوئی رائے زنی کرسکے یہی وجہ ہے کہ صحابہ کے زمانہ سے لیکر آج تک ہر دور کے تمام اہل حق واصحاب علم نے اس شرط کو ضروری بتایا بلکہ قرآن کے طالب علم کے لیے اسی کو "ابجد" قرار دیا۔

مثال کے طور پر یہاں ایک شہرۂ آفاق عالم علامہ جلال الدین سیوطی (م ۹۱۱ھ) کی مطالعہ قرآنی کے لیے مشہور راہنما کتاب "الاتقان" کا ایک اقتباس پیش کیا جاتا ہے "مفسر" کے لیے کیا کیا جاننا ضروری ہے:" کے زیر عنوان فرماتے ہیں:-

قال العلماء من أراد تفسیر الکتاب العزیز طلبہ اولاً من القرآن فما أجمل منہ فی مکان فقد فسر فی موضع آخر وما اختصر فی مکان فقد بسط فی موضع آخر ..... فإن أعیاہ ذلک طلبہ من السنۃ فانہا شارحۃ للقرآن وموضحۃ لہ وقد قال الشافعیؒ رضی اللہ عنہ کل ماحکم بہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فہو مما فہمہ من القرآن قال تعالیٰ إنا انزلنا إلیک الکتاب بالحق لتحکم بین الناس بما أراک اللہ" فی آیات اخر (الإتقان، صفحہ ۱۷۶ ج ۲)

علماء کا ارشاد ہے کہ جو شخص قرآن عزیز کی تفسیر و وضاحت چاہے تو وہ پہلے قرآن ہی میں تلاش کرے کیونکہ جو بات اس میں ایک جگہ اجمال و اختصار سے کہی گئی ہے دوسری جگہ اس کی وضاحت اور تفصیل کی گئی ہے۔ پھر اگر قرآن میں وہ تلاش نہ کرسکے تو احادیث کے ذخیرہ میں تلاش کرے کیونکہ حدیث قرآن کی شارح ہے — امام شافعی کا ارشاد ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر حکم قرآن سے ماخوذ ہے، جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں فرمایا ہے کہ:- انا انزلنا الیک الکتاب بالحق لتحکم بین الناس الآیۃ

مذکورہ بالا تفصیل پیش نظر ہو تو یہ حقیقت سامنے آہی جاتی ہے کہ کسی مسئلہ یا نظریہ کے بارے میں قرآن مجید سے استدلال کا یہ طریقہ، کہ ایک دو، یا چند آیتیں منتخب کرکے ان سے نتیجہ اخذ کرلینا اور مدعا ثابت کردینا حقیقی مراد تک پہنچنے کا ذریعہ نہیں بنتا بلکہ بسا اوقات، غلط نتیجہ تک لیجاتے

اور خداوندی مطالبہ سے دور کر دینے کا سبب بن جاتا ہے اس لیے صحیح طریقۂ استدلال یہی ہے کہ زیر بحث مسئلہ سے متعلق تمام آیات (جن سے براہ راست رہنمائی ملتی ہو یا بالواسطہ، صریحی طور پر روشنی پڑتی ہو یا کنایۃً طور پر) کا بغور مطالعہ کرلے اور سب آیات کے مجموعے سے جو حکم مستفاد ہو اسے خداوندی حکم اور قرآن کی مراد جانے یہاں مقصد کی وضاحت کے لیے ایک مثال پیش کی جاتی ہے۔

سورۂ نساء کی مشہور آیت "حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ" (جس میں اُن گیارہ رشتوں کا ذکر کیا گیا ہے کہ جن کی وجہ سے نکاح حرام ہو جاتا ہے) کے بعد فرمایا گیا "وَأُحِلَّ لَكُمْ مَا وَرَاءَ ذَٰلِكُمْ أَنْ تَبْتَغُوا بِأَمْوَالِكُمْ مُحْصِنِينَ غَيْرَ مُسَافِحِينَ (جو ان کے علاوہ عورتیں ہیں وہ تمھارے لیے حلال کر دی گئیں درآں حالیکہ تم مال کے ذریعہ ان سے نکاح کرنے والے ہو، نہ کہ ہوس رانی کرنے والے) اگر کسی کے سامنے صرف یہ اور اس کے ماقبل آیت ہے تو وہ اس نتیجہ پر پہنچ سکتا ہے کہ ان گیارہ قسم کی رشتہ رکھنے والی عورتوں کے علاوہ ہر عورت سے ہر تعداد میں نکاح جائز ہے۔ لیکن سب جانتے ہیں کہ یہ نتیجہ غلط ہوگا اور جو کوئی شخص کبھی ایسے استدلال کے ذریعہ ایک ساتھ چار سے زیادہ عورتوں سے نکاح کے جواز کا یا بیک وقت پھوپھی اور اس کی بھتیجی کو نکاح میں رکھنے کے جواز کا قائل ہوگا تو اس کا قول رد کر دیا جائے گا اور یہ استدلال جہالت پر مبنی ہونے کی وجہ سے غلط قرار دیا جائے گا۔ کیونکہ "ما وراء ذٰلکم" کے عموم اور اس کی وسعت کو قرآن مجید کی (اسی سورۂ نساء کی مذکورہ آیت سے کافی پہلے والی) ایک دوسری آیت "فانکحوا ما طاب لکم من النساء مثنیٰ وثلاث ورباع" مقید و محدود کر رہی ہے اور پھوپھی بھتیجی کو ایک ساتھ بیوی بنانے کی ممانعت حدیث صحیح میں آئی ہے ——— امید ہے کہ اس ایک مثال ہی سے یہ سمجھ لینا آسان ہوگا کہ موضوع کی تمام آیات اور متعلقہ احادیث کو سامنے رکھے بغیر، صرف ایک یا دو آیتوں یا چند آیتوں سے صحیح نتیجہ تک پہونچنا اور حکم خداوندی کا جان لینا ممکن نہیں، جب تک کہ پورے قرآن مجید اور تمام احادیث کا گہرا مطالعہ نہ کرلیا جائے۔ ان چند تمہیدی باتوں کے بعد زیر بحث موضوع پر گفتگو کرنا آسان بھی ہوگا اور مفید بھی۔

جب ہم پورے قرآن کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں صاف نظر آتا ہے کہ نبی آخر الزماں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد کسی کے لیے بھی خواہ اہل کتاب میں سے ہو یا ان کے علاوہ کسی

اور گروہ سے تعلق رکھتا ہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے اور آپ کی اتباع کیے بغیر چارہ نہیں (یعنی آپ پر ایمان لائے اور آپ کی اتباع کیے بغیر نجاتِ اخروی ہرگز نصیب نہیں ہوگی) اس مضمون پر قرآن مجید کی اتنی آیات روشنی ڈالتی ہیں کہ کسی حق پسند اور جویائے حق کے لیے اس میں شک وشبہ کی گنجائش ہی نہیں رہتی اور یہ حقیقت سورج کی طرح روشن ہو جاتی ہے۔ انہی واضح آیات کی بناء پر صحابہ کے دور سے لیکر آج تک تمام اہل حق کا اس پر اتفاق چلا آرہا ہے۔ اور کسی ایک صحابی یا تابعی یا بعد کے زمانہ کے کسی ایک قابل اعتبار عالم کا بھی یہ قول نہیں ملتا کہ وہ اہل کتاب کے لیے نبی آخر الزماں کی اتباع کو ضروری نہ سمجھتا ہو اور اس کے بغیر بھی نجات کا امکان مانتا ہو اور یہ خیال تو خالص انہی صاحب کا ہے (جو کسی صحیح العقیدہ نے تو کیا کسی بدعقیدہ نے بھی یہ خیال نہیں ظاہر کیا) کہ محمدؐ پر ایمان لانا تو ضروری ہے لیکن آپ کی اتباع ضروری نہ ہو۔ کیونکہ ہر موجود نبی پر ایمان لانے کا لازمی تقاضہ اس کی اتباع کرنا ہے، بلکہ یہ بات ایک طرح سے ایمان لانے کے مفہوم ہی میں داخل ہے۔ چنانچہ جب بھی کوئی نبی آیا تو اس نبی کے ہر مخاطب کے لیے اس نبی پر اجمالی "ایمان" لانا کافی نہیں قرار دیا گیا بلکہ اس کی پوری اتباع کا بھی حکم دیا گیا، خواہ وہ مخاطب پہلے سے کسی نبی کو مانتا اور اس کی شریعت پر عمل کرتا رہا ہو (یعنی اہل کتاب میں سے رہا ہو)۔ جیسا کہ قرآن مجید میں حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں بھی نقل کیا گیا ہے کہ انھوں نے اپنے مخاطبین سے جو حضرت موسیٰؑ پر ایمان رکھنے والے اور ان کی کتاب پر عمل کرنے والے (اہل کتاب تھے ان سے) کہا تھا...... ورسولاً الی بنی اسرائیل انی قد جئتکم بآیۃ من ربکم ...... ومصدقاً لما بین یدی من التوراۃ ولاحل لکم بعض الذی حرم علیکم وجئتکم بآیۃ من ربکم فاتقوا اللہ واطیعونِ (آل عمران پ۳) یہ بات سورۂ زخرف میں بھی ہے)، اس میں صاف طور پر عیسیٰؑ نے کہا ہے کہ میری اطاعت کرو (اور اسی کو "صراط مستقیم" کہا)۔ سورۂ آل عمران

لہ اس کے علاوہ سورۂ شعراء میں متعدد پیغمبروں، مثلاً حضرات نوح، ہود، صالح، لوط اور شعیب علیہم السلام کے ذکر میں ان کی دعوت کا یہ خاص جز ذکر کیا گیا ہے۔ "فاتقوا اللہ واطیعون" (اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو) اس سے بھی یہی معلوم ہوا کہ نبی کی اطاعت کے بغیر ایمان اور تقویٰ کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

اور سورۂ انعام میں یہ بھی ذکر کیا گیا ہے کہ جب علیسیٰؑ نے اپنے مخاطبین کو "آمِنُوا" کی دعوت دی تو انھوں نے جواباً کہا "آمنّا واشھد بأنّا مسلمون" اس سے بھی یہ بات ظاہر ہوتی کہ تنہا "ایمان" بغیر طاعت وانقیاد کے کوئی چیز نہیں ہے۔ (یہاں یہ بتانے کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی کہ "مسلم" کے اصل معنی "مطیع"، "تبع" اور منقاد (ہر حکم کی پابندی کرنے والا) ہی کے ہیں، جو اس موضوع کی ہر کتاب میں دیکھے جا سکتے ہیں، (مثلاً دیکھیے مفردات راغب ص۲۴۰) اسی طرح قرآن مجید میں صاف اور صریح طور پر — ایک جگہ نہیں بہت سی جگہ — اہل کتاب سمیت تمام انسانوں کو آخری نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے اور ان کی اطاعت واتباع (پیروی) کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور ایسا نہ کرنے کی صورت میں جہنم کی وعید سنائی گئی ہے۔ اور بہت سی جگہ خاص اہل کتاب کے بارے میں بھی یہی حکم موجود ہے۔

زیر بحث "عقیدہ" کے قائل کی طرف سے پیش کردہ "دلائل" کا جائزہ لینے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ چند آیات پیش کردی جائیں جن میں تمام انسانوں کو (جن میں صحابہ کے دور سے لیکر آج تک کے اجماعی عقیدہ اور قرآنی آیات نیز احادیث رسولؐ کی صراحتوں کے مطابق اہل کتاب بھی شامل ہیں۔ اور یہ کہنا یا سمجھنا کہ اس عموم میں اہل کتاب شامل نہیں ہیں۔ آگے معلوم ہوگا کہ یہ بے دلیل بلکہ خلاف دلیل بات ہے)۔ نبی اکرم محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے اور آپ کی اتباع (پیروی) کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اس کے بعد، خاص اہل کتاب کے سلسلہ میں وارد آیات بھی ذکر کی جائیں گی۔ سورہ اعراف کی مشہور آیت ہے

قل یا یھا الناس انی رسول اللہ	اے انسانو! میں اللہ کا بھیجا ہوا پیغمبر ہوں
الیکم جمیعا .... فامنوا	تم سب کی طرف....... تو تم ایمان لاؤ
باللہ ورسولہ النبی الامی الذی	اللہ پر اور اس کے پیغمبر "النبی الامی" پر، جو
یومن باللہ وکلماتہ واتبعوہ	(خود بھی) ایمان رکھتا ہے اللہ پر اور اس کے
لعلکم تھتدون	زبانوں پر اور تم اس کا اتباع کرو، تو تم امید
(آیت ۱۵۸)	کرسکتے ہو کہ ہدایت یاب ہو جاؤ۔

غور کیجیے اس آیت میں "ایھا الناس" کے بعد "جمیعا" کا اضافہ بھی ہے، اہل زبان ہی

نہیں معمولی عربی جاننے والے بھی اس سے واقف ہیں کہ "جمیعا" کے بعد استثنا رکا (یعنی کچھ لوگوں کے شامل حکم نہ ہونے کا) احتمال بھی باقی نہیں رہتا۔ اس بنا پر آیت کے مفہوم میں قیامت تک کے تمام وہ افراد جن پر "الناس" (انسانوں) کا لفظ صادق آتا یا آسکتا ہے۔ اس حکم کے مخاطب ہیں اور یہاں یہ حقیقت نگاہ سے اوجھل نہ رہے کہ آیت میں صرف "اٰمِنُوْا" ہی پر اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ اس کے بعد "واتبعوہ لعلکم تہتدون" بھی فرمایا گیا جو اس حقیقت کا اعلان ہے کہ "ہدایت" آپ کے اتباع پر موقوف ہے، جو اتباع سے منحرف ہے وہ ہدایت سے محروم اور گمراہ ہے ——

بہرحال اس آیت میں اُن تمام انسانوں کو جو آپ کا زمانہ پائیں آپ پر ایمان لانے کی دعوت دی گئی ہے اور آپ کی اتباع کی بھی —— اور دوسری جگہ فرمایا گیا ہے کہ نبی و رسول اسی لیے بھیجے جاتے ہیں کہ ان کی اطاعت و اتباع کی جائے یعنی انبیاء و رسل کی بعثت کا مقصد یہی ہوتا ہے کہ اُن کے ذریعہ آئے ہوئے احکام کی پیروی کی جائے۔ وما ارسلنا من رسول الا لیطاع باذن اللہ (نساء آیت ۶۴) (ہر نبی بھیجا ہی اس لیے جاتا ہے کہ اس کی پوری طرح پیروی کی جائے) اور عقل کا تقاضہ بھی یہی ہے اسی کی دکھائی ہوئی راہ پر چلا جائے ورنہ اگر پچھلی شریعت اور پچھلے نبی کی ہدایات کافی تھیں اور نئے نبی کی اطاعت کی ضرورت نہیں تھی تو نئے نبی کو نیا پیغام لیکر بھیجنا ہی فعل عبث (یعنی لغو کام) ٹھہرتا ہے (اسی سے یہ گتھی بھی سلجھ جاتی ہے کہ گذشتہ نبیؐ پر خالی ایمان لے آنا نجات کے لیے کافی کیوں سمجھا گیا؟ وجہ ظاہر ہے کہ نئے پیغام اور نئے پیغامبر کی آمد کے بعد گذشتہ پیغام کی پیروی کرنے کے معنیٰ نئے پیغام کو بےکار سمجھنا ہوں گے۔ اور نئے پیغام کی آمد ہی اس بات کی دلیل ہے کہ اب پچھلا پیغام جو نئے پیغام سے مختلف تھا، کارآمد نہیں رہا۔ اس لیے اس پر عمل درآمد بھی مطلوب نہیں ہے)

کیا اللہ حکیم و خبیر کی طرف کسی لغو فعل کی نسبت کا تصور بھی کوئی ذی ہوش (چہ جائیکہ مسلمان) کرسکتا ہے؟ علاوہ ازیں یہ کہ مذکورہ آیات کا گردوپیش صاف بتا رہا ہے کہ یہ آیت اپنے عموم کے اعتبار سے ہی نہیں، مخصوص طور پر بھی اہل کتاب کو اتباع نبیؐ کی دعوت دے رہی ہے (جس کا ایک قرینہ "نبی" کی صفت "امی" کا ذکر کرنا بھی ہے۔ اس کی مزید تفصیل آگے آرہی ہے)۔

(۲) ومن یشاقق الرسول من بعد ما تبین له الهدیٰ و یتبع غیر سبیل المومنین نوله ما تولیٰ ونصله جهنم وساءت مصیرا

(سورۃ النساء آیت ۱۱۵)

صحیح راستہ کھل کر سامنے آجانے کے بعد جو بھی رسولؐ کی مخالفت کرے گا (خواہ وہ مخالفت عملی ہو یا اعتقادی؛ ایمان نہ لانا اعتقادی مخالفت ہے اور پیروی نہ کرنا عملی مخالفت ہے) یعنی جو "مومنین" کے راستہ کو چھوڑ کر کسی اور راستہ کی پیروی کرے گا ہم اسے (دنیا میں تو) اسی کے حال پر چھوڑ دیں گے اور (آخرت میں) جہنم (کی آگ) میں جھونکیں گے اور وہ بہت برا ٹھکانا ہے۔

یہاں یہ بتانے کی تو ضرورت نہیں معلوم ہوتی کہ "مسلمانوں کی راہ سے الگ راستہ کی پیروی" کرنے کا مطلب بجز اس کے اور کیا ہے، یا کیا ہو سکتا ہے، کہ "نبی آخر الزماں کی پیروی نہ کرے" اس آیت کے اندر بھی عام قاعدہ بتا دیا گیا کسی کا استثناء نہیں کیا گیا۔ بلکہ عربی جاننے والے یہ جانتے ہیں کہ یہ اندازِ بیان ہی ایسا ہے کہ اس میں کوئی استثناء نہیں ہے یعنی اس طرح سے بیان کیا گیا ہے کہ یہ اصول ہر ہر فرد کے لیے ہے۔

(۳) وما ارسلناك الا كافة للناس

(سبا آیت ۲۸)

اے رسول آپ کو ہم نے بلا استثناء تمام لوگوں کے لیے (پیغام دے کر) بھیجا ہے

سوچنا چاہیے کہ اگر "تمام لوگوں" سے رسول کی اتباع کرانا اور اس کے لائے ہوئے پیغام کی پیروی کرانا مقصود نہیں تھا تو رسولؐ کے بھیجے جانے کی ضرورت ہی کیا تھی اور پھر اس اعلانِ عام کی تو کوئی وجہِ جواز ہی نہیں باقی رہ جاتی کہ "ہم نے آپ کو تمام لوگوں کے لیے بھیجا ہے"۔

(۴) وما كان لمؤمن ولا مؤمنة اذا قضى الله ورسوله امرا ان يكون لهم الخيرة من امرهم ومن يعص الله ورسوله

کسی بھی ایمان والے مرد و عورت کو بالکل اختیار نہیں رہتا جب خدا اور اس کا رسول ان کے کسی معاملہ میں کوئی فیصلہ کر دیں (خدا اور رسول کے فیصلہ کے بعد) جس نے خدا اور رسول کے (حکم کی)

فقد ضل ضلالا بعیدا

(سورۃ الاحزاب آیت ۳۶)

خلاف ورزی کی وہ بھٹک گیا اور غلط راہ پر بہت دور نکل گیا (کہ منزلِ مقصود ۔کامیابی۔ اسے ہاتھ نہیں آسکتی)

اس آیت میں ہر ایمان دار کے لیے خواہ وہ مرد ہو یا عورت، ضروری قرار دیا گیا اور ایمان کا لازمی تقاضہ بتایا گیا کہ اللہ اور اس کے رسول کے کسی فیصلہ یا کسی حکم کو ماننے بغیر چارہ نہیں یعنی ان کا فیصلہ معلوم ہو جانے کے بعد کسی ایمان والے کو رد کرنے کا اختیار نہیں رہتا۔ بلکہ ان کے ہر حکم اور ہر فیصلہ کا ماننا اور اس پر عمل کرنا ہی واحد راہ رہ جاتی ہے ورنہ سیدھے راستہ سے بھٹک جائے گا جس کے نتیجہ میں نجات اخروی کا استحقاق ختم ہو جائے گا۔

بلکہ ایک جگہ تو قرآن مجید ہی میں قسم کھا کر اللہ تعالیٰ نے یہ اعلان فرما دیا کہ اللہ اور اس کے رسول پر اس وقت تک ایمان لانا، ایمان نہیں سمجھا جائے گا جب تک کہ اللہ کے آخری رسول کے تمام فیصلوں اور احکام کو خوشدلی سے قبول کرنے اور پوری طرح تسلیم کر لینے اور ان پر دلی اطمینان حاصل ہو جانے کی صفت نہ پیدا ہو جائے۔

(۵) فلا وربک لا یؤمنون حتیٰ یحکموک فیما شجر بینھم ثم لا یجدوا فی انفسھم حرجا مما قضیت ویسلموا تسلیما

(سورۃ النساء آیت ۶۵)

آپ کے پروردگار کی قسم ...... وہ لوگ اس وقت تک ایمان والے نہ بن سکیں گے جب تک (تمام معاملات میں خاص طور پر) آپس کے اختلافی معاملات میں آپ کو حکم نہ بنالیں اور پھر جو بھی فیصلہ آپ کر دیں (یا جو بھی حکم آپ دیں) اسے بخوشی منظور کر لیں کہ پھر اس سے اپنے دلوں میں بھی تنگی نہ پائیں اور پوری طرح اسے تسلیم کر لیں۔

اس آیت نے تو اس تخیل کی گویا بنیاد ہی اکھاڑ دی کہ کوئی شخص اللہ کے رسول پر اجمالی ایمان لا کر ان کی اتباع کیے بغیر بھی "محض نجات" پالے گا۔ کیونکہ یہاں صراحت کے ساتھ بتا دیا گیا کہ وہ ایمان اللہ کے نزدیک معتبر ہی نہیں جس کے ساتھ عملی اطاعت اور اس پر قلبی اطمینان (یعنی کامل پیروی کا جذبہ)

شامل نہ ہو۔ اس کے علاوہ سورۂ آل عمران کہ جس کی ابتدائی اسّی سے زیادہ آیتیں اہل کتاب (وفد نجران) ہی کے بارے میں مفسرین کی تصریح کے مطابق (دیکھیے تفسیر ابن کثیر ص ۳۴۳/۱، وروح البیان ص ۴۱۹/۱) نازل ہوئی ہیں، ان میں یہ مشہور دو آیتیں بھی ہیں (۳۱، ۳۲) قل إن کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ ویغفر لکم ذنوبکم واللہ غفور رحیم ○ قل اطیعوا اللہ والرسول فان تولوا فان اللہ لا یحب الکافرین ○ غور کیجیے ان آیتوں میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کو لازمی اور ضروری قرار دیا گیا ہے اور اتباع نہ کرنے والوں کو "کافرین" بتایا گیا ہے ـــ اور ـــــ اگرچہ ان آیتوں کے الفاظ عام ہیں لیکن جیسا کہ عرض کیا گیا ان آیتوں کا شان نزول (اور سیاق وسباق بھی) شاہد ہے کہ اِن آیات کے خاص مخاطب اہل کتاب ہیں

اس وقت عام انداز کی ان چند آیات کے پیش کرنے پر اکتفا کیا جارہا ہے کیونکہ یہاں اس مضمون کی آیتوں کا نہ احاطہ مقصود ہے نہ وہ ضروری ہے۔ اب اس کے بعد خاص اہل کتاب کو نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے اور ان کی پیروی کرنے کا جن آیتوں میں حکم دیا گیا ہے ان میں سے چند پیش کی جاتی ہیں :-

(باقی)

الفرقان

اشاعتِ خاص

تذکرہ حضرت جی مولٰینا محمد یوسفؒ

مرتبہ
مولٰینا محمد منظور نعمانی
عتیق الرحمٰن سنبھلی

جدید اڈیشن

آغا

کتبہ مجاہد

تذکرہ حضرت جی مولانا محمد یوسف علیہ الرحمہ

یعنی

ماہنامہ الفرقان لکھنؤ کی خاص اشاعت

حضرت مولانا محمد یوسف نمبر

کا

جدید اڈیشن

جس میں چند اہم مضامین کا اضافہ بھی کیا گیا ہے

اڈیشن فروری ۱۹۷۸ء .. .. ایک ہزار

ناشر: ناظم کتب خانہ الفرقان۔ ۳۱ نیا گاؤں مغربی لکھنؤ

قیمت ۸/-

فہرست

تقریریں

اس ایڈیشن کا پیش لفظ

از ـــــ محمد منظور نعمانی عفا اللہ عنہ

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ۔ حمداً وسلاماً ـــــ داعی الی اللہ حضرت مولانا محمد یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا وصال اب سے ۱۳ سال پہلے ذیقعدہ ۱۳۸۴ھ (اپریل ۱۹۶۵ء) میں دینی جدوجہد کے میدان ہی میں اچانک لاہور میں ہوا تھا (جس کی کچھ تفصیل اس مجموعہ کے بعض مضامین سے معلوم ہو سکے گی) اس وقت مولانا مرحوم کو خراج تحسین و عقیدت پیش کرنے کیلئے نہیں بلکہ اس دینی دعوت ہی کی خدمت کی نیت سے جس کی راہ میں انھوں نے جان دی تھی، "الفرقان" کا ایک خاص نمبر "حضرت مولینا محمد یوسف نمبر" کے عنوان سے شائع کیا گیا تھا۔

یہ نمبر تبلیغی جماعت کی دینی دعوت کی خدمت کے اسی مقصد سے مرتب اور شائع کیا گیا تھا اللہ تعالیٰ کی مدد و توفیق سے اس کیلئے عام طور سے بہت مفید سمجھا گیا تھا اللہ تعالیٰ نے اس کو توقع سے بہت زیادہ قبولیت بھی عطا فرمائی ـــــ اس وقت الفرقان کے خریداروں کی تعداد دو ہزار کے قریب تھی مگر یہ نمبر چھ ہزار زیادہ یعنی کل آٹھ ہزار چھپوایا گیا تھا اور پھر بھی تھوڑے ہی عرصہ میں ختم ہو گیا مدت سے کسی طالب کے لئے دفتر الفرقان میں اس کی ایک کاپی بھی نہیں ہے ـــــ قریباً دس سال سے یہ حال ہے کہ اہل طلب اصرار کے ساتھ اس کی فرمائش کرتے ہیں اور اس کے موجود نہ ہونے کی معذرت کر دی جاتی ہے ـــــ اس کی مسلسل طلب اور افادیت کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس کا نیا اڈیشن شائع کرنے کا فیصلہ کیا گیا ـــــ وہی آپ کے سامنے ہے۔

بعض اہم مضامین کا اضافہ اب سے قریباً ۱۳ سال پہلے جب حضرت مولانا یوسف نمبر

شائع ہوا تھا تو صفحات میں گنجائش نہ رہنے کی وجہ سے بعض نہایت اہم مضامین اس میں شامل ہونے سے رہ گئے تھے، جو اس کے بعد والے شمارہ میں شامل کئے گئے تھے۔ اس لحاظ سے وہ شمارہ گویا "حضرت جی نمبر" کا ضمیمہ تھا۔ اب اس جدید اڈیشن میں وہ سب مضامین بھی شامل کر دیئے گئے ہیں۔

تبلیغی جماعت کی دینی دعوت، اس کے اصول اور طریق کار اور حضرت مولانا محمد یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی سبق آموز اور قابل تقلید داعیانہ اور مجاہدانہ زندگی سے واقفیت حاصل کرنے کیلئے اس نمبر کا مطالعہ ان شاء اللہ کافی وافی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو ناظرین کے دلوں میں یقین کا نور، ایمان کی حرارت اور دین کی راہ میں جانبازی کا شوق و ولولہ پیدا ہونے کا وسیلہ بنائے،

ہمیں بے حد افسوس ہے کہ گزشتہ ۱۳ سالوں میں کاغذ کی قیمت اور کتابت و طباعت وغیرہ کی اجرت میں بے حد و حساب اضافہ ہو جانے کی وجہ سے نیز اس وجہ سے کہ پہلا اڈیشن آٹھ ہزار کی تعداد میں چھپوایا گیا تھا اور اس مرتبہ صرف ایک ہزار چھپوایا گیا ہے، اس اڈیشن پر لاگت پہلے اڈیشن کے مقابلہ میں ۴ گنی سے بھی زیادہ آئی ہے اس لئے قیمت زیادہ رکھنی پڑی۔ امید ہے کہ اس بارہ میں ناشر کو معذور سمجھا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ اس کی اس جدید اشاعت کو دینی دعوت ہی کے سلسلے کی ایک کڑی کی حیثیت سے قبول فرمائے۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۝

محمد منظور نعمانی عفا اللہ عنہ

۲۰ ذی الحجہ ۱۳۹۷ھ۔ ۲ دسمبر ۱۹۷۷ء

افتتاحیہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عتیق الرحمن سنبھلی

"حضرت مولٰنا محمد یوسف نمبر" آپ کے ہاتھ میں ہے، مولٰنا کی شخصیت، انکے مجاہدات وکمالات، علوم ومعارف اور بیس سالہ دعوتی زندگی پر نظر کی جائے تو یہ مجموعہ کچھ بھی نہیں لیکن جن حالات میں اور جس افرا تفری سے اس شکل تک پہنچا ہے اس سب کو دیکھتے ہوئے اسے مولٰنا کی کرامت یا مرضی الٰہی کا ظہور کہنا بھی شاید بیجا نہ ہو۔

حضرت مولٰنا کا وصال ہوا تو اس خاص تعلق کی بنا پر جو الفرقان کو اس سلسلۂ دعوت سے رہا ہے راقم سطور کے دل میں تقاضہ ہوا کہ اس موقع پر ایک خصوصی اشاعت کا اہتمام کیا جائے جیسا کہ حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ کے وصال پر ایک خاص اشاعت الفرقان نے پیش کی تھی[1]، اور وہ آج تک بھی اس تحریک سے الفرقان کے تعلق کی ایک زندہ علامت ہے۔ لیکن یہ فیصلہ میرے کرنے کا نہیں تھا ان دو بزرگوں کے کرنے کا تھا جن کے اس تحریک کے ساتھ تعلق پر الفرقان کے اس خاص تعلق کا انحصار رہا ہے یعنی والد ماجد اور مخدومنا مولٰنا علی میاں مدظلہم۔ اور یہ دونوں بزرگ اس وقت حجاز مقدس میں تھے۔ چنانچہ اپنا یہ خیال وہاں کو اس طرح لکھ بھیجا کہ وہیں سے کچھ لکھ کر بھیج دیجئے اس لئے کہ واپسی میں تو ابھی بہت دیر ہے اور امید بھی کہ جواب تحسین وتائید ہی میں ہوگا، اس بنا پر ناظرین الفرقان کو بھی کچھ ایسی ہی امید دلائی گئی۔

مگر وہاں مولانا کے سانحہ ارتحال کی اچانک خبر نے کچھ اسطرح کا اثر کیا تھا کہ جیسے دلوں پر اوس پڑ گئی ہو اور طبیعتیں لکھنے لکھانے پر اٹھائے نہ اٹھتی ہوں۔ چنانچہ جو جواب آیا اس کے بعد یہ خیال ذہن سے نکال دینا پڑا حتی کہ ہر دو بزرگوں کی واپسی ہو گئی۔ اور وہاں سے "موتمر اسلامی نمبر" کا خیال ساتھ آیا، جس کی بنیاد

[1] الفرقان کی وہی خاص اشاعت "حضرت مولانا محمد الیاس اور ان کی دینی دعوت" کے نام سے ۲۲ سال سے کتابی شکل میں شائع ہو رہی ہے۔ وہی حضرت مولانا اور ان کی دینی دعوت کی واحد مستند تاریخ ہے۔

وہ اہم مقالات تھے جو اس مؤتمر[عہ] میں عالم اسلام کے منتخب فضلا نے پیش کئے تھے۔ اور اس نمبر کا اعلان بھی کر دیا گیا ـــــ مگر اس سے پہلے ربیع الاول (مطابق جون ۶۵ء) کا جو شمارہ نکلنا تھا اس کیلئے والد ماجد نے ایک مضمون مولانا مرحوم پر قلمبند فرمایا اور قریب تھا کہ یہ شمارہ اس مضمون کے ساتھ نکل جائے کہ بعض معاصر ماہناموں میں مولانا کی شخصیت اور ان کی دعوت سے متعلق ایسے مضامین سامنے آئے جنھوں نے ایک بار پھر تقاضہ پیدا کیا کہ مولینا کی دعوت اور انکی شخصیت کو اسکی صحیح صورت میں اجاگر کرنے کی کوشش کی جائے تاکہ پوری طرح واقفیت کا موقع نہ پانے والے نہ تو خود اپنی ناواقفی یا غلط فہمی سے مولانا اور انکی دعوت کی غلط اور ناقص صورتیں سامنے رکھ کر گفتگوئیں کریں اور نہ انکی غلط فہمیاں دوسروں کو اس دعوت کے بارے میں غلط تصورات دیں۔ کیونکہ معاملہ صرف مولانا کی ذات کا نہیں ایک عالمگیر دعوت اور دینی جدوجہد کا ہے جسکے بارے میں لوگوں کا صحیح یا غلط فیصلہ بظاہر اسلام اور مسلمانوں کے مستقبل پر اثر انداز ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

مگر اب ایک طرف تو مسئلہ یہ تھا کہ "مؤتمر اسلامی نمبر" کا اعلان کیا جا چکا تھا اور دوسری طرف جن حضرات کا تعاون اس کوشش کی تکمیل کے سلسلے میں ناگزیر محسوس ہوتا تھا ان سے تعاون ملنے کے آثار نہیں تھے، چنانچہ ایک درمیانی راستے کے طور پر صرف ایک ماہ کی اشاعت کو حضرت مولانا مرحوم کیلئے خاص کر دینے کا فیصلہ کیا گیا، اور جو ایک مضمون اس سلسلے میں تیار ہوا تھا وہ اسی اشاعت کیلئے روک لیا گیا۔

یہ اشاعت جولائی میں نکلنا تھی اور کتابت مکمل ہو کر طباعت کا مرحلہ بھی شروع ہونے لگا تھا کہ دل نے کہا کہ یہ تو دریا کو کوزے میں بند کرنے کی کوشش ہو گئی۔ مگر کامیاب نہیں۔ یہ چند قطرے تو اہل طلب کی پیاس بھڑکائیں گے۔ اور پھر تشنہ لبی کا شکوہ بجا ہوگا۔ دیر بھلے ہی ہو جائے مگر اس ظرف کی وسعت میں اضافہ چاہئے چنانچہ اب جو جو کمی محسوس کی گئی اس کی تکمیل کیلئے پھر سے جدوجہد شروع ہوئی۔ اور بالکل تائید غیبی کا سا سماں ہوا مولانا کے مکاتیب کیلئے خصوصی جدوجہد تھی اور کسی طرح کامیابی نہیں ہو رہی تھی کہ بالکل مایوسی کے مرحلہ پر جناب افتخار فریدی صاحب نے یکایک نشاندہی کی کہ مکاتیب کا بڑا وسیع ذخیرہ انکا جمع کیا ہوا ندوۃ العلماء کے کتبخانہ میں موجود ہے۔ اسے جاکے دیکھا تو بس ساری پریشانی دور ہو گئی۔ بہت سے خط ملے اور ان میں سے کئی ایک دیئے جارہے ہیں۔ مگر سب سے نادر چیز مولانا کا وہ خط ملا جس کا حوالہ مرکز نظام الدین سے ملا تھا کہ مولانا نے ایک دفعہ ایک بہت ہی مبسوط خط اس تبلیغی کام کی ماہیت اور اس کے اصول وضوابط پر بعض رفقاء کو لکھا تھا۔

عہ اس سے مراد وہ عظیم "مؤتمر اسلامی" ہے جو رابطہ عالم اسلامی (مکہ معظمہ) کی طرف سے ۱۹۶۵ء کے موسم حج میں منعقد ہوئی تھی۔

جو اس سلسلے میں تفصیل و جامعیت کے لحاظ سے مولانا کی واحد تحریر ہے۔ اس خط کو پا کر ایسا محسوس ہوا کہ جیسے سب کچھ مل گیا اور اس نمبر میں اور کچھ بھی جانا نہ ہوتا تو مقصد کے لحاظ سے یہ تنہا کافی تھا۔

خطوط کے علاوہ ایک خاص ضرورت کسی ایسے مضمون کی بھی جو اس کام سے گہرا عملی تعلق رکھنے والے کسی صاحب علم کے قلم سے ہو اور وہ مضمون میسر حاصل بھی ہو۔ جاننے والے جانتے ہیں کہ جو لوگ فکری اور عملی اعتبار سے اس تبلیغی کام میں ڈوبے ہوئے ہیں انکے یہاں مضمون نگاری کا کوئی خانہ نہیں۔ کیونکہ اس کام ہی میں اسکا کوئی خانہ نہیں ہے۔ ہمارے علم میں صرف ایک صاحب ہیں جو اس عموم سے مستثنیٰ ہیں (یعنی محترم مولانا محمد اشرف صاحب ایم اے، صدر شعبہ عربی اسلامیہ کالج پشاور) ہماری خواہش تھی کہ انکا مضمون ضرور اس نمبر کیلئے مل جاتا اور یہ کوئی مشکل بات نہ تھی، چنانچہ ان سے درخواست کی گئی۔ مگر کوئی جواب نہ آیا، پھر لکھا گیا! پھر جواب ندارد حتی کہ تار دیا گیا اور پھر مایوسی ہو گئی کہ یکایک ایک دوسرے مقام سے انکا تار ملا اور پھر خط آیا کہ وہ ایک ماہ سے تبلیغی دورے میں تھے رائے ونڈ (لاہور) کے تبلیغی مرکز میں انکو ہمارا تار پشاور سے اہل خانہ نے بھیجا ہے اور اب ہمارا دیا ہوا وقت ختم ہو گیا ہے، ورنہ وہ ضرور لکھتے بلکہ ان کو افسوس رہے گا کہ وہ اس بزم یوسفی میں شریک نہ ہو سکے۔ چنانچہ ان کو وقت بڑھانے کا تار دیا گیا اور اسطرح ان کا مضمون بھی آ گیا۔ جو بلاشبہہ قلم برداشتہ ہے مگر ہماری توقع کے مطابق۔

بہرحال جن جن مراحل سے یہ نمبر گزر کر اپنی موجودہ شکل میں آیا ہے اسے دیکھتے ہوئے ایسا ہی محسوس ہوتا ہے کہ یہ کام اللہ ہی کو کرانا منظور تھا ورنہ اس کی بات تو شروع ہی میں ختم ہو گئی تھی۔ اور اس احساس کے ماتحت امید یہی ہے کہ خدا نے چاہا تو اس سے مرتب کرنیوالوں اور پڑھنے والوں دونوں ہی کو فائدہ پہنچے گا۔

اوپر جو کہانی اس نمبر کی بیان کی گئی اس کے بعد اس کے مقصد و مدعا کے بارے میں کسی غلط فہمی کی گنجائش تو نہیں رہتی، پھر بھی اچھا ہے کہ صراحت کیساتھ یہ بات کہہ دی جائے کہ اس نمبر کا مقصد خراج عقیدت پیش کرنا یا مولانا کی شخصیت کو منوانا نہیں، کہ یہ کام اگر کسی کے کرنے کا تھا تو اس کے حقدار مولانا کے وہ رفقائے کار ہو سکتے ہیں جنھوں نے اپنا دامن مولانا کے دامن سے اس طرح باندھ دیا تھا کہ صرف موت ہی انھیں جدا کر سکی۔ لیکن یہ مولانا سے جتنے زیادہ قریب تھے اتنے ہی دنیا کی اس عام ریت سے

دور ثابت ہوئے کہ اپنے محبوب و مقتدا کی وفات کے بعد کچھ وقت اسکی مدح و ثنا اور اسکے تذکرہ و توصیف کی نذر کریں۔ اور حق یہ ہے کہ یہ ان کے ایک نادرۂ روزگار امتیاز کا سخت ترین امتحان تھا جس میں وہ کامیاب ثابت ہوئے تبلیغی تحریک جہاں اور بہت سی باتوں میں زمانے سے جدا انداز رکھتی ہے وہاں اس کا ایک اہم امتیاز یہ بھی ہے کہ رہنما شخصیتوں کی اہمیت اگرچہ عملاً سب جگہ سے زیادہ، مگر اندرونی وابستگی تمام تر دعوت کے ساتھ اور اس کا اندازہ صرف اس چھوٹی سی بات سے کیا جا سکتا ہے کہ کسی تبلیغی اجتماع میں کوئی بڑی سے بڑی شخصیت بھی آرہی ہو تو نہ اس کے نام سے لوگوں کو بلایا جاتا ہے اور نہ اس کی ضرورت سمجھی جاتی ہے کہ خطاب سے پہلے اسے مجمع سے متعارف کرا دیا جائے بس دعوت ہی سے اجتماع کا آغاز اور دعوت ہی پر ختم۔ کس نے دعوت دی اور کس نے تقریر کی اس کو اگر کوئی جاننا چاہے تو اپنے آپ جانے۔ اس تحریک کا یہی وہ خالص دینی اور مقصدی مزاج ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ مولانا جیسی شخصیت گزر گئی اور اپنی عملی اہمیت کے لحاظ سے دلوں میں زخم چھوڑ گئی، مگر عین اس وقت بھی جبکہ ان کا جنازہ لاہور سے آیا ہوا ان رفقاء کے بیچ میں رکھا تھا ذکر و فکر صرف اس دعوت کا تھا جس پر مولانا نے اپنی زندگی نثار کی، نہ کہ مولانا کے کمالات و مجاہدات کا!۔

رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ۚ
فَمِنْهُمْ مَنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَنْ يَّنْتَظِرُ ۚ
وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا

خورشیدِ دولتِ مستعجل بود

(از مولانا سید ابوالحسن علی ندوی)

آنچہ قدرِ ایشاں ما مردم می دانیم شما چہ دانید، احوالِ مردمِ ہند برما مخفی نیست کہ خود مولد و منشا فقیر ہمواست و بلادِ عرب را نیز دیدہ ایم، و سیر نمودہ، احوالِ مردمِ ولایت از ثقاتِ آنجا شنیدہ ایم، و تحقیق کردہ کہ عزیزی کہ بر جادۂ شریعت و طریقت و اتباعِ کتاب و سنت ہمچنیں استوار و مستقیم باشد، و در ارشادِ طالبان شانی عظیم و نفسِ قوی دارد، در یں عصر و زماں مثل ایشاں در بلادِ مذکورہ یافتہ نمی شود مگر در

ہم لوگوں کی نگاہ میں ان کی جو قدر و منزلت ہے اس کو تم کیا جانو؟ ہندوستان کے لوگوں کے حالات ہم سے پوشیدہ نہیں کہ یہیں کی پیدائش ہے، اور یہیں عمر بسر ہوئی، ملکِ عرب کو خود دیکھا ہے، اور اس کی سیاحت کی ہے، افغانستان اور ایران کے لوگوں کے حالات وہاں کے معتبر لوگوں کی زبانی سنے، اس سب کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا ہوا کہ کوئی ایسا بزرگ جو جادۂ شریعت و طریقت پر اور کتاب و سنت کی پیروی میں انکی طرح استوار و مستقیم ہو، اور طالبین کی رہنمائی میں اس کا پایہ اتنا بلند، اور اس کی توجہ اتنی قوی ہو، ہمارے اس دور میں ان ملکوں میں سے کسی ملک میں جن کا اوپر ہم نے تذکرہ کیا، پایا نہیں جاتا، دورِ ماضی اور بزرگوں

گذشتگاں، بلکہ در ہر جز و زماں وجود ایں چنیں عزیزاں کمتر بودہ است، چہ جائی ایں زماں کہ پر فتنہ و فساد است[1]

سلف میں بیشک ہو سکتا ہے، بلکہ سچ پوچھئے تو ہر زمانہ میں ایسے باکمال بزرگ زیادہ تعداد میں پائے نہیں جاتے، چہ جائیکہ ایسے زمانہ میں جو فتنوں اور فساد سے پُر ہے۔

ان الفاظ میں حکیم الامت، امام وقت حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے نامور معاصر حضرت میرزا مظہر جان جاناں کے متعلق شہادت دی ہے، جس وقت یہ الفاظ کہے گئے ہوں گے کتنے اہل علم اور واقفین حال کو استعجاب ہوا ہوگا اور کتنے ابنائے زمانہ نے اسکو مبالغہ اور غلو پر محمول کیا ہوگا، حقیقت یہ ہے کہ معاصرت بہت بڑا حجاب ہے اور جب ذوق اور طریق کار کا اختلاف بھی شامل ہو جائے، اور وضعی و رواجی طریقوں کے حجابات بھی درمیان میں حائل ہوں تو پھر حجاب نہیں بلکہ ایک سنگین دیوار بیچ میں آکر کھڑی ہو جاتی ہے اور اس شخصیت کے متعلق کتنے ہی خلوص و صداقت اور کتنے ہی احتیاط اور احساس ذمہ داری سے کہا جائے، اس کو مبالغہ یا خوش عقیدگی پر محمول کیا جاتا ہے۔

راقم سطور کو اپنی بے بضاعتی اور تہی دامنی کا پورا احساس ہے، لیکن یہ ایک تقدیری بات ہے کہ اس کو ممالک اسلامیہ کی سیاحت اور عالم اسلامی سے واقفیت کے ایسے ذرائع اور مواقع میسر آئے جو (بلا کسی تنقیص و تحقیر کے) اسکے ہم وطنوں اور ہم عمروں میں سے بہت کم اشخاص کو میسر آئے ہوں گے، دنیائے اسلام اور بالخصوص ممالک عربیہ کے دینی، علمی اور روحانی حلقوں کو بہت قریب سے دیکھنے اور برتنے کا اتفاق ہوا۔ دور حاضر کی مشکل سے کوئی تحریک اور کوئی عظیم شخصیت ہو گی جس سے ملنے اور تعارف حاصل کرنے کی سعادت نہ حاصل ہوئی ہو۔ اس وسیع واقفیت کی بنا پر (جو کسی کا ذاتی کمال اور سرمایۂ فخر نہیں) یہ کہنے کی جراءت کی جاتی ہے کہ ایمان بالغیب کی دعوت، دعوت کے شغف اور انہماک، یکسوئی اور تاثیر کی وسعت و قوت میں اس ناکارہ نے اس دور میں مولانا محمد یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا کوئی ہمسر مقابل نہیں دیکھا، یوں ان کی نادرۂ روزگار شخصیت میں بہت سے ایسے

[1] کلمات ص ۱۶۴ - ۱۶۵

کمالات پائے جاتے تھے جن میں انکا پایہ بہت بلند تھا، ان کی ایمانی قوت، ان کا عملی وہ توکل، ان کی ہمت و جرات، ان کی نماز اور دعا، صحابہ کرامؓ کی زندگی سے ان کی گہری واقفیت اور ان کے حالات کا استحضار، اتباع سنت کا اہتمام، فہم قرآن، اور واقعات انبیاء سے عظیم نتائج کا استخراج، دعوت و تصنیف کے متضاد مشاغل کو جمع کرنے کی قوت اور آخر میں ان کی غیر معمولی محبوبیت اور مقبولیت، یہ سب انکی زندگی کے وہ پہلو اور نمایاں صفات ہیں جن کے متعلق بہت کچھ لکھا جا سکتا ہے، اور جس کے لفظ لفظ کی تصدیق وہ سب لوگ کریں گے جن کو ان کی خدمت میں کچھ دن رہنے کی سعادت، یا کسی سفر میں رفاقت کا شرف حاصل ہوا ہے اور ان کی تعداد ہزاروں کی ہے۔ لیکن درحقیقت یہ سب اور ان کے ماسوا اور بہت سے پہلوان کی سوانح اور سیرت کا موضوع ہیں، اور ان میں سے بعض کمالات و امتیازات وہ ہیں جن میں ان کے سہیم و شریک مل سکتے ہیں، اور بعض شخصیتیں ان میں ان سے فائق بھی ہو سکتی ہیں لیکن راقم نے ان کے جن امتیازات کا یہاں انتخاب کیا ہے ان میں (اپنے محدود واقفیت و علم میں) انکا کوئی سہیم و شریک، اور ان کا کوئی مدمقابل نظر نہیں آتا۔ والغیب عند اللہ

جہاں تک پہلے عنوان کا تعلق ہے، ہم نے غیبی حقائق، اللہ کے وعدوں، اور انبیاء علیہم السلام کی دی ہوئی اطلاعات پر ایمان لانے اور ان کے اعتماد و یقین پر اپنی زندگی کی کشتی کو چھوڑ دینے کی ایسی واشگاف طاقتور اور بے لاگ دعوت کسی دوسری جگہ نہیں دیکھی جس وقت وہ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات، اسکی قدرت کن فیکون اس کے بلا شرکت غیرے پورے نظام عالم کو چلانے، اسباب کی بے حقیقتی، خواص اشیا اور انسانی تجربات کی بے اعتباری محسوسات و مشاہدات کی تحقیر و نفی، احکام الٰہی اور نظام تشریعی کے سامنے نظام تکوینی کی سپر اندازی و مغلوبیت، ایمانی صفات و اخلاق اور اطاعت و عبودیت کے سامنے وسائل و ذخائر کی بے حقیقتی، حاملین نبوت اور اہل ایمان و دعوت کا ارباب اقتدار اہل حکومت اور سرمایہ داروں کے مقابلہ میں فتح و غلبہ، خدا کے وعدوں کی ابدی صداقت اور سچائی جیسے کا مضمون اپنی پوری ایمانی قوت اور اپنے والہانہ انداز بیان میں بیان فرماتے تو سننے والے اتنی دیر کے لئے اس حواس و مادہ پرستی کی دنیا سے منتقل ہو کر ایمان بالغیب کی دنیا میں پہونچ جاتے

اور اسباب و مسببات کا سلسلہ اور مقدمات و نتائج کا ربط و تعلق اتنا پھیکا اور بے حقیقت نظر آنے لگتا تھا کہ ہم جیسے مدرسی لوگوں کو بعض اوقات اس کی فکر پیدا ہو جاتی تھی کہ کہیں دعوت سننے والوں میں ترک اسباب اور تجرد و رہبانیت کا رجحان نہ پیدا کر دے، لیکن اس دور مادیت میں جہاں "اسباب" نے "ارباب" کی شکل اختیار کر لی ہے اور ایک عالم کا عالم اپنی قسمت کو مادی اسباب، اور اپنی ذاتی کوشش و قابلیت کے ساتھ وابستہ کر چکا ہے، اور کسی دینی دعوت و تحریک کو وہ قلندر صفت افراد نہیں مل رہے ہیں جن کا عشق "آتش نمرود" میں بے خطر کود کر عقل کو محو تماشائے لب بام کر دے، بلکہ اس تھوڑے سے ایثار و قربانی کی جنس بھی نایاب ہو گئی ہے جس کے ایندھن کے بغیر کسی تحریک کی گاڑی دو قدم بھی نہیں چل سکتی مادی ترقی اور مادی اقدار کی اہمیت و تقدیس کی مسلسل اور پر جوش تبلیغ و تلقین نے خود اس امت کو متاثر کر لیا ہے جس کی ساری طاقت، اور جس کی فتح کا راز ایمان بالغیب کی قوت رضائے الٰہی کی طلب اور جنت کے شوق میں مضمر تھا، مسلمان نے ذرائع معاش کو اپنا رزاق سمجھ لیا ہے، مادیت کی اس وبائے عام کے دور میں مولانا محمد یوسف صاحب کی ایمان بالغیب کی اس دعوت سے بعض اوقات سینکڑوں سامعین کے دل ایمان کے جذبے سے معمور اور قربانی کی لذت سے مخمور ہو جاتے تھے اور وہ اس کے اثر سے ایثار و قربانی کے ایسے نمونے پیش کرنے لگے تھے جن کو عقل و دلائل، حکمت و مصلحت، اور علم و خطابت کی کسی بڑی سے بڑی طاقت سے حاصل نہیں کیا جا سکتا تھا، اور جن کی بنیاد پر یہ تحریک دنیا کے دور دراز گوشوں میں پہونچ گئی، ہزاروں آدمیوں نے جن میں ہر طبقہ کے لوگ تھے مہینوں کیلئے گھر بار چھوڑ کر دوسرے براعظموں کا سفر کیا، اور دعوت و تبلیغ کے راستہ میں بڑی بڑی مشقتیں برداشت کیں، انھوں نے بڑی دریا دلی اور عالی ہمتی کے ساتھ اپنا وقت اور اپنا مال راہ خدا میں خرچ کیا، اگر خدا کو منظور ہوتا اور مولانا کی زندگی وفا کرتی، تو وہ ایمان بالغیب کی اس طاقت سے (جو اس دور میں مشکل سے کسی اور جماعت کو میسر آئی ہو گی) معاشرہ کی اصلاح و انقلاب اور دنیا کے حالات میں تبدیلی کا اور زیادہ وسیع و عمیق کام لیتے، اور افراد کی یہ قوت ایمانی اجتماعی زندگی پر بھی اثر انداز ہوتی، ان کی ان مجالس میں کبھی کبھی حضرت شیخ عبد القادر جیلانیؒ

کے مجالس وعظ کی جھلک نظر آنے لگتی تھی جن کی (غیر اللہ کی نفی سے لبریز) تقریروں نے ہزاروں دلوں اور دماغوں پر گہری چوٹ لگائی، جس وقت آدمی ان کے ان مواعظ کو جو فتوح الغیب اور دوسرے مجموعوں میں محفوظ ہیں پڑھتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ ایک شخص پوری بیباکی اور قوت کے ساتھ گرز چلا رہا ہے اور اس کی ضرب سے مادّیت کے ہزاروں بت پاش پاش ہو رہے ہیں۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ہم جیسے لوگ جن کا دماغ اسباب و مسببات کے باہمی تعلق سے کبھی آزاد نہیں ہونے پاتا، اور جو مادی سعی و جہد کو بھی دین و شریعت میں ایک مقام دیتے ہیں اور انسان کو اپنی سعی کا مکلف و مامور سمجھتے ہیں، اور جو اس عالم اسباب میں مسلمانوں کی پست ہمتی اور بے عملی کو ان کے زوال کا ایک سبب قرار دیتے ہیں، وہ کبھی مولانا کے اس طرز کی کامیابی کے ساتھ نقل نہیں اتار سکے اور ان کے ذہن نے عین ان مجالس وعظ میں بھی اپنا کام کرنا نہیں چھوڑا، لیکن ہم کو اس کا صاف اعتراف ہے کہ ان کی اس دعوت ایمانی نے وہ نتائج پیدا کئے جن سے ہماری "متوازن و معتدل" دعوتیں (جن کی عصر حاضر کے حقائق پر نظر ہے) قاصر رہیں، اور صاف اندازہ ہوا کہ

لاکھ حکیم سر بجیب، ایک کلیم سر بکف

ان کا دوسرا امتیاز اپنی دعوت کے ساتھ ان کا ایسا شغف و انہماک تھا جس کی مثال نہ صرف یہ کہ دینی دعوتوں اور تحریکوں کے میدان میں نظر نہیں آتی بلکہ جہاں تک اس کوتاہ نظر کی نظر و واقفیت کا تعلق ہے کسی مادی و سیاسی تحریک کے داعیوں میں بھی وہ استغراق، خود فراموشی و للہیت، اور جذب کی کیفیت نظر نہیں آئی، ان کا یہ پہلو اتنا نمایاں اور اتنا حیرت انگیز تھا کہ جب تک کسی شخص کو کچھ عرصہ ان کی خدمت میں رہنے اور کسی سفر میں ان کی معیت کا موقع نہ ملا ہو وہ بہتر سے بہتر تصویر کشی اور واقعہ نگاری کے بعد بھی اس کا صحیح اندازہ نہیں کر سکتا، چند دن رہ کر آدمی ان کی مشغولیت و انہماک اور ان کے جذب و استغراق کو دیکھ کر مبہوت رہ جاتا تھا، اور اس کی یہ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ اتنی قوت و تازگی کہاں سے آتی ہے، اور اس کا سرچشمہ کیا ہے؟ عام حالات میں "عشق" اور خاص حالات میں تائید الٰہی اور نصرت غیبی

کے سوا اس کی توجیہ نہیں ہو سکتی، معمولی بات یہ ہے کہ وہ فجر کی نماز کے بعد سال کے بارہ مہینے اور مہینہ کے تیس دن تقریر فرماتے، یہ تقریر ڈھائی تین گھنٹے سے کم نہ ہوتی، اس میں موسم کی سختی و دھوپ کی گرمی، صحت کی خرابی، مجمع کی کمی و زیادتی قطعاً اثر انداز نہ ہوتی، یہ مجاہدہ رمضان مبارک میں بہت بڑھ جاتا، جبکہ فجر کے بعد لوگوں کے سونے کا عام معمول ہے، رمضان میں انکی رات کا بڑا حصہ[1] شب بیداری، اور دعوت کے کام میں صرف ہوتا۔ اس کے باوجود وہ فجر کی نماز کے بعد پوری قوت تازگی اور نشاط کے ساتھ تقریر فرماتے، اور اسی قوت کے ساتھ آخر میں دعوت دیتے، عام دنوں میں چائے کے دوران اور چائے کے بعد پھر گفتگو اور تقریر کا سلسلہ شروع ہو جاتا، عام طور پر وہ جماعتوں کو رخصت کرنے کا وقت ہوتا، وہاں تشریف لیجا کر پھر اسی طرح تقریر فرماتے اور ہدایات دیتے کہ معلوم ہوتا کہ ابھی تک خاموشی کی مہر لگی ہوئی تھی اور وہ اب ٹوٹی ہے، پھر اسی جذبہ اور طاقت کے ساتھ دعا کرتے کہ معلوم ہوتا کہ نہ اس سے پہلے دعا کی ہے نہ اس کے بعد کریں گے، سب کچھ اسی دعا میں مانگ لینا ہے، اور سب کچھ اسی دعا میں کہہ دینا ہے، اسکے بعد بھی مختلف تقریروں سے گفتگو اور خطاب کرنے کا سلسلہ جاری رہتا، پھر کچھ دیر تصنیف و تالیف کا کام کرتے، پھر کھانے کا وقت ہو جاتا، ظہر کے بعد پھر کوئی سبق پڑھاتے یا تصنیف و تالیف کا کام کرتے، ملنے جلنے اور ڈاک دیکھنے کا بھی سلسلہ جاری رہتا، کبھی بعد عصر اور بعد مغرب بھی کوئی تقریر ہو جاتی اور اس میں بھی تازگی اور جوش کا وہی عالم ہوتا، عشاء کے بعد (جو اکثر بڑی تاخیر سے ہوتی) سیرت کی کوئی کتاب یا صحابہ کرام کے حالات کا کوئی مجموعہ سنانے کا معمول تھا، کتنا ہی تھکے اور جاگے ہوئے ہوں اور کیسی خستہ اور شکستہ حالت ہو، اس معمول میں حتی الامکان فرق نہ ہوتا۔ دیر رات تک یہ سلسلہ جاری رہتا، سننے والے کو محسوس ہوتا کہ اس شخص نے دن بھر آرام کیا ہے۔ ہم جیسے پست ہمتوں کیلئے نظام الدین کا دو روز کا قیام بھی سخت آزمائش اور مجاہدہ تھا، میرا خود حال یہ تھا کہ اکثر اپنے دل سے خطاب کرکے کہتا کہ بے ہمت! مولانا کے لئے ساری زندگی کا معاملہ ہے، تیرے لئے صرف دو دن کا معاملہ ہے، لیکن بہانہ جو اور سہولت پسند طبیعت اپنی صحت کی کمزوری اور مولانا کی عالی ظرفی کا سہارا لے کر کوئی گوشۂ عافیت تلاش کر لیتی، اس وقت اگر کوئی تلاش کرنے والا تلاش کرتا تو خود زبان حال سے اس کو اپنا پتہ نشان اس طرح دیتا کہ

[1] جہاں تک اس عاجز کو معلوم ہے رمضان مبارک کی راتوں میں بالکل نہیں سوتے تھے۔ ۱۲ نعمانی

ہو گا کسی دیوار کے سایہ کے تلے میر
کیا کام محبت سے اس آرام طلب کو

سفر میں تو یہ انہماک اور استغراق بہت بڑھ جاتا، پھر تقریروں کی تعداد، انکی مقدار اور ان کے اوقات کی کوئی تحدید نہیں تھی، بعض دوستوں نے اندازہ لگایا ہو کہ آخر میں مجموعی طور پر آٹھ آٹھ گھنٹے[1] بولنے کی نوبت آتی اس میں بھی حیرت انگیز بات یہ ہے کہ ہر بعد کی تقریر میں نئے سننے والوں کو یہ اندازہ ہوتا کہ بولنے والا اسی وقت بولنے کھڑا ہوا اور اس سے پہلے اس کو اپنے خیالات وجذبات کے اظہار کا موقع نہیں ملا تھا اب ہی موقع پر اپنا دل کھول کر رکھ دینا چاہتا ہے، یہی ہر وقت کی دعا کی کیفیت ہوتی، مجھے حجاز کے آخری سفر میں حاضری کا موقع نہیں ملا لیکن میں نے بالتواتر سنا ہے کہ وہاں یہ جوش وخروش اور یہ جذبۂ وانہماک اپنے نقطۂ عروج کو پہونچ چکا تھا، مسجد نبوی میں صحن مسجد میں فجر کی نماز کے بعد تقریر شروع ہو جاتی اور دن چڑھ آتا، اور جن خوش قسمت آنکھوں نے تقریر کے آغاز میں گنبد خضرا پر چاندنی دیکھی ہوتی وہ دھوپ چڑھی ہوئی دیکھتے، مجھے یاد ہے کہ بھوپال کے ایک اجتماع میں مولانا نے مغرب کے بعد پوری قوت اور اپنی تقریر کے عام پیمانہ کے مطابق بسیط تقریر کی، تقریر کے بعد تشکیل ہوئی پھر دعا ہوئی، مجھے اطمینان تھا کہ اب اس تقریر کے بعد آرام فرمائیں گے، کہ خدا جانے نکاح کی تقریب یا کسی اور تقریب سے پھر کچھ بولنا شروع کیا، طبیعت مطمئن تھی کہ چند منٹ میں اس کا سلسلہ ختم ہو جائے گا، لیکن تھوڑی دیر کے بعد محسوس ہوا کہ مولانا میں نئی تازگی اور جوش آگیا پھر اس طرح تقریر فرمائی کہ معلوم ہوتا تھا کہ دن بھر خاموش رہے ہیں اور طبیعت جوش پر ہے،

یہی حال دعا کا تھا، مولانا کی دعا کی کیفیت، اس کے مضامین، اس کی آمد اور جوش وخروش، اس کی رقت انگیزی اور اس کی تاثیر، مولانا کے ان خصائص میں سے تھی جن کی مثال دور دور دیکھنے میں نہیں آئی، جب دعا کرتے حاضرین کا عجب حال ہوتا، خاص طور پر جب اُردو میں دعا کے الفاظ ادا فرماتے تو آنسوؤں کا سیلاب امنڈ آتا، دور دور سے رونے والوں کی ہچکیاں سننے میں آتیں، اس کی مثال ماضی قریب میں حضرت سید احمد شہیدؒ اور ان کے ایک جانشین مولانا سید نصیر الدینؒ کے حالات میں نظر آئی، کہ بیان کرنے والوں نے

---

[1] یہ اندازہ صرف تقریروں کا ہے مجلسی گفتگوؤں کے اوقات اس کے علاوہ ہیں۔ ۱۲۔ نعمانی

بیان کیا کہ دعا کے وقت رحمتِ الٰہی جوش میں آتی نظر آتی، لوگوں پر ایک وارفتگی اور بیخودی کی کیفیت ہوتی، اور بعض لوگ دیوانہ وار جنگل کو نکل جاتے، واقعہ یہ ہے کہ دعا کے وقت جو کیفیت لوگوں پر طاری ہوتی اور جو اثرات ان کے دلوں پر ہوتے، اگر وہ کچھ دیر بھی باقی رہجاتے تو لوگ دنیا کے کام کے نہ رہتے، اور معلوم نہیں حالات میں کیا تبدیلی ہوتی، لیکن نظامِ عالم اسی طرح سے چل رہا ہے اور ہم ضعیف البنیان ہر چیز کا اثر وقتی طور پر لیتے ہیں۔

ان کی تیسری امتیازی خصوصیت جس میں انکی نظیر ملنی مشکل ہے، ان کی تقریروں اور صحبت کا وہ اثر ہے جو سامعین و حاضرین پر پڑتا، خاص طور پر ان سلیم طبیعتوں پر جن کا دل و دماغ دوسرے اثرات سے آزاد، اور ان کی طبیعتوں میں تسلیم و انقیاد کا مادہ غالب ہوتا، انکی کیمیا اثر صحبت اور ان کی انقلاب انگیز تقریروں نے اتنی زندگیوں میں تبدیلیاں پیدا کیں اور اتنے دلوں اور دماغوں کو متاثر کیا جن کا شمار کرنا ممکن نہیں، ان صحبتوں اور تقریروں کے اثرات اتنے گہرے ہوتے کہ صورت، سیرت، زندگی معاشرت اور یہاں تک کہ سوچنے اور بولنے کا طریقہ بھی بدل جاتا سینکڑوں آدمی ہیں جو ان کی زبان بولنے لگے اور ان کی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ اور جملے ان کو حفظ ہو گئے، کتنے اشخاص ہیں کہ جن کی دعاؤں میں ان کی دعاؤں کا رنگ آگیا، کتنے اعلیٰ تعلیم یافتہ اور امیرانہ زندگی رکھنے والے لوگ ہیں جن کی زندگی اور معاشرت سرتا پا مغربی اور عیسایانہ تھی، اور وہ اب ایک درویش صفت مبلغ اور ایک فقیر منش، اور جفاکش مجاہد نظر آتے ہیں۔ اور جن کی گرانقدر تنخواہوں اور آمدنیوں کا بڑا حصہ، تبلیغ و دعوت، رفقاء کی امداد و اعانت اور جماعت کی نصرت پر خرچ ہوتا ہے، اور ان میں انکے گھر والوں کا اور ان کا اپنا وہی حصہ ہے جو ایک متوسط ملازم یا ایک اوسط درجے کے تاجر کا ہے کتنی بڑی تعداد ان فقراء اور نیازمندوں کی ہے جن کی زندگی، جن کا ذوق عبادت، جن کا جذبۂ خدمت اور جن کی خشیت و انابت، اور جن کی بے نفسی اور تواضع دیکھ کر اپنے وجود سے شرم آنے لگتی ہے، حقیقی علم تو علام الغیوب کو ہے لیکن ان کے اخلاص و اخلاق کو دیکھ کر ان کی دینی ترقی اور بلندی کا اندازہ ہوتا ہے، جو زندہ ہیں (خدا ان کی زندگی میں برکت دے) ان کے متعلق کچھ کہنا خلاف احتیاط ہے فان الحی لا یؤمن علیہ الفتنۃ[1] لیکن جانے والوں میں سے

[1] (حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ ہو)

متعدد اصحاب کے نام لئے جاسکتے ہیں، جو ہمارے دیکھتے دیکھتے کہیں سے کہیں پہونچ گئے اور ان کے حالات اتنے رفیع ہوگئے جن کا اندازہ کرنا مشکل ہے۔ ان میں سے میں یہاں صرف اپنے محبوب و عزیز دوست حاجی ارشد صاحب مرحوم کا ذکر کرونگا جنکا اپنے اعلیٰ عہدہ اور ذمہ داریوں کے ساتھ) اخلاص وللہیت، تعلق مع اللہ، دعوت کے کاموں میں انہماک استغراق، ایثار و قربانی کی کیفیت، تواضع و انکسار، خدمت کا جذبہ، اور پھر اسی راہ کی قابل رشک موت اور شہادت، برسوں دل کو تڑپاتی اور ان کی یاد تازہ کرتی رہے گی جاپان میں، اشاعت اسلام کے کام کا افتتاح اللہ تعالیٰ نے ان کیلئے مقدر فرمایا تھا اور اہل جاپان ان کو عرصہ تک یاد رکھیں گے، دنیا کے دور دراز ملکوں میں ایسے لوگ مل جائیں گے جو مولانا کی چند روزہ صحبت اور دو ایک تقریروں کے سننے سے اتنے متاثر ہوئے کہ ان کی زندگی بدل گئی اور ان کے اندر ایک خاص طرح کے ایمان و یقین کی کیفیت، دعوت کی سرگرمی، دعا کا سلیقہ، نمازوں میں کیفیت، اور ایثار کی عادت پیدا ہو گئی، ایسے لوگ ہندوستان اور پاکستان کے باہر امریکہ، یورپ اور افریقہ کے براعظموں میں بھی ملیں گے[۱]

جہانے را دگرگوں کرد یک مرد خود آگاہے

مولانا کی دعوت اور شخصیت اپنے پورے شباب اور عروج پر تھی، انکی ہمت کا طائر بلند پرواز کسی بلند سے بلند شاخ پر بھی آشیانہ بنانے کیلئے تیار نہ تھا، کوئی دور سے دور جگہ ان کو دور اور کوئی مشکل سے مشکل کام ان کو مشکل نہیں معلوم ہوتا تھا، انھوں نے اپنی تیز رفتاری بلکہ برق رفتاری اور اپنی طبیعت کی بےچینی اور بیتابی سے برسوں کا کام مہینوں میں اور مہینوں کا کام ہفتوں میں اور دنوں میں کرلیا، اپنے والد نامدار کے بعد نئے ملکوں میں جماعتوں کے جانے کا افتتاح کیا اور ساری دنیا کو گھر کا آنگن بنالیا، حج کا مسئلہ اٹھایا[۲] اور اس میں ایک نئی روح پھونک

(حاشیہ صفحہ گزشتہ)

یہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے الفاظ ہیں۔ فرمایا کہ دنیا سے چلے جانے والوں کی اقتداء کرو اس لئے کہ جو زندہ ہے اس کے بارہ میں فتنہ سے اطمینان نہیں۔

[۲] فریضۂ حج میں روح پیدا کرنے اور اس کو تبلیغ و دعوت کا ذریعہ بنانے کا مسئلہ۔

دی، اور دیکھتے دیکھتے حجاج کی تعداد اور ان کی کیفیات میں عظیم فرق پیدا ہو گیا، اجتماعات، میوات کے محدود پیمانے سے نکل کر اتنے عظیم و وسیع بن گئے کہ بڑی بڑی سیاسی کانفرنسیں اور بڑے بڑے پبلک جلسے (مجمع کی کثرت میں بھی) ان کے سامنے ماند پڑ گئے اور ان کی وہ کثرت ہوئی کہ مولانا کے لئے نظام الدین کا قیام مشکل ہو گیا، تبلیغی تقریروں میں غیر مسلموں سے خطاب، حالات حاضرہ پر تبصرہ، موجودہ مادی زندگی پر تنقید، اور فساد کے سرچشمے کی نشاندہی کے باب کا افتتاح کیا، اور ان میں ایسی کشش پیدا کر دی کہ سینکڑوں کی تعداد میں غیر مسلم شریک ہونے لگے اور متاثر ہوئے، یہ سب کام بڑی طویل عمر چاہتے تھے لیکن مولانا نے پچاس برس کم عمر اور در اپنی ذمہ داری اور دعوت کے صرف بیس تیس سال کے اندر انجام دئیے اور یہ سب منزلیں طے کر کے اپنے خالق سے جا ملے۔

کام مجھے عشق میں بہت پر میر
ہم ہی فارغ ہوئے شتابی سے

امت پر قحط الرجال کا دور طاری ہے، اس میں اس کی کیا امید ہے کہ حاجی جیسی شخصیت اور تاثیر کا کوئی داعی الی اللہ پیدا ہو گا۔

ہر و بر رفتہ باز آید کہ ناید
نسیمے از حجاز آید کہ ناید

غفر اللہ لہ ورفع درجاتہ۔

حضرت مولانا محمد یوسف رحمۃ اللہ علیہ

چند تجربے اور مشاہدے

محمد منظور نعمانی

(۱)
حضرت مولانا محمد الیاسؒ کی حیات میں

طلب واستفادہ کی نیت سے اور عقیدت مندی کے ساتھ حضرت مولانا محمد الیاسؒ کی خدمت میں اس عاجز کی پہلی حاضری ان کے وصال سے قریباً ۱۴۔۱۵ مہینے پہلے ہوئی تھی اسکے بعد بعض تبلیغی سفروں میں حضرت کی رفاقت بھی نصیب ہوئی تھی، اور نظام الدین آمدورفت کی توفیق بھی ملتی رہی، جس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے حضرت کی شخصیت کی عظمت اور محبت بھی نصیب فرمائی، اور انکی دینی دعوت کے ساتھ دل کو کچھ تعلق بھی نصیب ہوا، چند ہی مہینے کے بعد آپ کی آخری علالت کا سلسلہ شروع ہوگیا، اس علالت کے آخری چار مہینوں میں یہ عاجز زیادہ تر حضرت کی خدمت میں نظام الدین ہی مقیم رہا — حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات کے دیباچہ میں میں اس کا ذکر کرچکا ہوں کہ حضرت کی خدمت میں میرا یہ قیام مخدومی و مرشدی حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوری قدس سرہٗ کے ایماء بلکہ ارشاد سے کیا تھا۔

حضرت مولانا محمد یوسف صاحب سے ابتدائی واقفیت اسی قیام کے زمانہ میں ہوئی اس وقت مولانا موصوف کی زیادہ توجہ کتابی مطالعہ اور تصنیف و تالیف کی طرف تھی

فن حدیث کی معرکۃ الآرا کتاب امام طحاوی کی شرح معانی الآثار کی شرح لکھنے کا کام وہ شروع کر چکے تھے[۱]۔ ان کے اوقات کا بڑا حصہ اسی میں صرف ہوتا تھا۔ اپنے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کی سراسر عملی اُس دینی دعوت سے جس میں مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی روح کو تحلیل کر دیا تھا اس زمانہ میں زیادہ دلچسپی ان کو نہیں تھی، گویا ان دنوں ان کا ذوق وہ تھا جو ان کے دوسرے مربی اور استاد شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا مدظلہ کا تھا اور ہے ــــــ دعوت و تبلیغ کے کام میں بھی وہ کچھ حصہ تو لیتے تھے لیکن یہ ان کیلئے دوسرے درجہ کا کام تھا۔ اصل شغف اور انہماک حدیث نبوی کی علمی اور تصنیفی خدمت سے تھا ــــــ بعد میں خود حضرت مولانا محمد یوسف صاحب نے اس عاجز سے بارہا اس واقعہ کا ذکر کیا کہ اُس زمانہ میں تبلیغی کام اور اس سلسلہ کی بے پناہ نقل و حرکت کے بارہ میں ان کو ذہنی طور پر بھی پورا شرح صدر نہیں تھا، وہ جتنا کچھ ان دنوں اس سلسلہ میں کرتے اور حصہ لیتے تھے وہ اپنے والد ماجد اور شیخ و استاذ حضرت مولانا محمد الیاسؒ کے حکم کی تعمیل میں اور انکی خوشنودی کے لئے کرتے تھے ــــــ تقویٰ اور تعلق باللہ تو ان کو باپ دادا سے میراث میں ملا تھا اور کہا جا سکتا ہے کہ انکی فطرت میں تھا۔ اس ناچیز کو ذاتی طور پر معلوم ہے کہ تبلیغی کام کے سلسلہ میں حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ جو ہر طرح کے آدمیوں سے اکرام کے ساتھ ملتے تھے، جن میں بہت سے غیر متشرع بھی ہوتے تھے اور اسی طرح کے بعض معتقدین و محبین کی کار وغیرہ بھی استعمال فرما لیتے تھے، مولانا محمد یوسف صاحب کو اس سے انقباض ہوتا تھا اس زمانہ میں کبھی کبھی انھوں نے ادب کے ساتھ تنہائی میں حضرت سے عرض بھی کیا کہ آپ اس پر غور فرمائیں کہ یہ رویہ کہاں تک صحیح اور اکابر کے طریقہ کے مطابق ہے ــــــ بہرحال اس زمانہ میں مولانا موصوف کا طرز عمل اور طرز فکر یہ تھا، لیکن حضرت والد ماجد کی علالت کے بالکل آخری ایام میں ان کے حال میں کچھ تبدیلی پیدا ہونی شروع ہوئی اور پھر تو اس ابتدا کی وہ انتہا ہوئی جس کو

---

[۱] اس کی دو جلدیں چھپ بھی چکی ہیں اور اہل علم ان کے مطالعہ سے مولانا کے علمی مقام کا اندازہ بھی کر سکتے ہیں۔

ایک دنیا نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔

(۲)
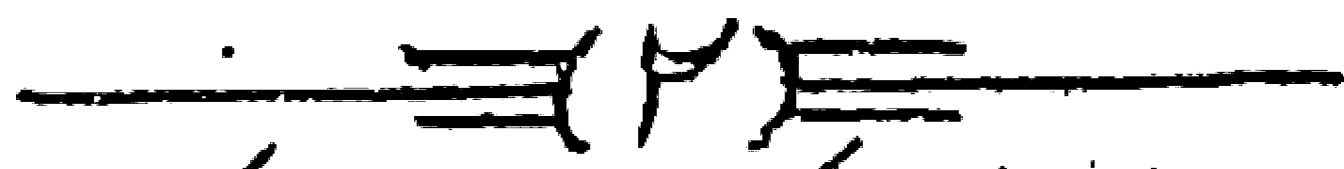
حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد:-

حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ کی علالت وصال سے دو تین مہینے پہلے سے اگرچہ بہت نازک شکل اختیار کر چکی تھی لیکن حضرت کے بعض خاص حالات کی وجہ سے خدام کو ان کی زندگی اور صحت کے بارہ میں اچھی امیدیں تھیں، مگر دو ہفتہ پہلے سے حالت اتنی نازک اور سقیم ہو گئی کہ بظاہر اسباب صحت کی امید کیلئے گنجائش نہیں رہی۔ یہ عاجز اور رفیق محترم مولانا علی میاں بھی حضرت کے دوسرے بیسیوں خدام اور محبین کی طرح وہیں مقیم تھے۔ ہم لوگوں کو حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت کے ساتھ ساتھ حضرت کی دینی دعوت سے بھی اچھا خاصا تعلق ہو گیا تھا اس لئے قدرتی طور پر حضرت کی زندگی کے مسئلہ کے ساتھ ہم ان کے بعد انکی دعوت کے انجام کے بارہ میں بھی فکر مند تھے، ہمارا احساس یہ تھا کہ جتنے لوگ اس وقت اس دعوت کے کام سے جڑے ہوئے ہیں ان کا تعلق اور انکی محبت دراصل حضرت کی شخصیت سے ہے۔ دعوت سے ان کا تعلق آپ کی اسی ذاتی محبت کی وجہ سے ہے۔ اس لئے یہ امید نہیں ہے کہ حضرت کے بعد بھی یہ کام اسی طرح چلتا رہے اور جس طرح لوگ حضرت کے سامنے اس کام کے لئے قربانیاں دے رہے ہیں وہ آپ کے بعد بھی اسی طرح دیتے رہیں گے۔

ایک رات کو اس ناچیز اور رفیق محترم مولانا علی میاں نے اس بارہ میں دیر تک غور و فکر اور باہم مشورہ کیا۔ اور ہم اس نتیجہ پر پہونچے کہ اگر حضرت کے بعد یہاں اس دعوتی کام کے مرکز نظام الدین میں کسی ایسی شخصیت کا قیام رہے جس کے ساتھ حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ اور انکی دعوت سے تعلق و محبت رکھنے والے پورے حلقہ کو عقیدت و محبت ہو تو پھر انشاء اللہ یہ کام اسی طرح چلتا رہے گا، اور ایسی شخصیت اس وقت ہماری نظر میں صرف شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا مدظلہ کی تھی اور ممدوح کی بے انتہا عنایت و شفقت نے ہم لوگوں کو انتہائی محبت و عقیدت کے

یاد ہو گا کہ وہ ارادہ کا اظہار بھی کر دیا تھا۔ اس لئے ہم نے یہ طے کیا کہ ہم اس بارہ میں حضرت مولانا سے صاف صاف بات کریں، اور اصرار کریں کہ وہ ابھی یہ فیصلہ فرما لیں اور ابھی اس بارہ میں اعلان کر دیں کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد ان کے جانشین کی حیثیت سے وہ نظام الدین میں مستقل قیام فرمائیں گے، ہم نے طے کیا کہ آج صبح ہی حضرت مدد رحم سے وقت لے کر ہم تنہائی میں اس مسئلہ پر گفتگو کریں گے۔

صبح صادق ہوئی، فجر کی اذان ہوتے ہی میں حضرت شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا، اور عرض کیا کہ نماز کے بعد آپ سے ایک خاص معاملہ میں کچھ عرض کرنا ہے، اس کے لئے وقت مقرر فرما دیجئے، فرمایا کہ نماز کے بعد متصلاً قاری سید رضا حسن (مرحوم) کی درسگاہ میں بیٹھ جائیں گے، چنانچہ نماز سے فارغ ہونے کے بعد حضرت شیخ وہاں تشریف لے آئے، اور یہ عاجز بھی حاضر ہو گیا، اور اس ناچیز نے مختصر تمہید کے بعد اپنی اور مولانا علی میاں کی طرف سے وہ بات عرض کی جو رات کے مشورہ میں ہم دونوں نے طے کی تھی، میں نے عرض کیا کہ حضرت مولانا کے مرض اور ضعف کی رفتار دیکھتے ہوئے اب امید ٹوٹتی جاتی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ دل میں یہ فکر ابھر رہی ہے کہ حضرت کے بعد اس دینی کام کا کیا ہو گا۔ ہم لوگوں کا اندازہ ہے اور غالباً جناب والا کو بھی اس سے اتفاق ہو گا کہ اس وقت جتنے عناصر کام میں لگے ہوئے ہیں، ان سب کا اصل تعلق حضرت کی ذات سے ہے، اور اسی ذاتی تعلق کی وجہ سے وہ اس کام میں جڑے ہوئے ہیں، اس کا کافی اندیشہ ہے کہ حضرت کے بعد آہستہ آہستہ یہ شیرازہ منتشر ہو جائے گا، اور یہ امت کا بہت بڑا خسارہ ہو گا، ہمارے نزدیک اس کا صرف ایک حل ہے اور وہ یہ کہ حضرت کے بعد جناب یہاں قیام کا فیصلہ فرمالیں، اور یہ کام جناب کی رہنمائی اور سرپرستی میں ہو، ہمارا اندازہ ہے اور اپنے اس اندازہ پر ہمیں پورا اعتماد ہے کہ اگر ایسا ہوا تو یہ سب عناصر اسی طرح جڑے رہیں گے، کیونکہ ان سب کو جناب کے ساتھ

بھی الحمدللہ عقیدت و محبت کا خاص تعلق ہے ـــــ اسی کے ساتھ ہم نے یہ بھی عرض کیا کہ اور اگر ایسا نہ ہوا تو تھوڑے دنوں کے بعد یہ سارا مجمع منتشر ہو جائے گا اور ہم خود اپنے بارہ میں بھی صفائی سے عرض کرتے ہیں کہ ہم بڑے سخت "وہابی" ہیں ہمارے لئے اس بات میں کوئی خاص کشش نہیں ہوگی کہ یہاں حضرت کی قبر مبارک ہے، یہ مسجد ہے جس میں حضرت نماز پڑھا کرتے تھے اور یہ حجرہ ہے جس میں حضرت رہا کرتے تھے ـــــ اور اگر جناب نے یہاں قیام فرمایا تو انشاء اللہ ہم سب کا تعلق اس کام سے اور اس جگہ سے ایسا ہی رہے گا جیسا آج ہے۔

حضرت شیخ الحدیث نے میری یہ بات پوری خاموشی سے سنی، اور جب میں اپنی بات عرض کر چکا تو فرمایا:۔

مولوی صاحب! حضرت چچا جان کی حالت دیکھ کر جو فکر آپ کو ہو رہی ہے، میرا خیال یہ ہے کہ وہ یہاں سب کو ہو رہی ہے، اور سب اسی سوچ میں ہیں، لیکن یہ بات ایسی نہیں ہے کہ ہم اور آپ اس کا کوئی انتظام کر لیں اور وہ ہو جائے، اللہ تعالیٰ کا معاملہ اپنے ان خاص بندوں کے ساتھ جو اس کے لئے مرتے مٹتے ہیں یہ ہے کہ وہ انکی چیز کو ضائع نہیں فرماتا ان کے بعد بھی ان کے کام اور ان کے فیض کا سلسلہ جاری رہتا ہے، اکثر و بیشتر تو ایسا ہوتا ہے کہ ان کی زندگی ہی میں کچھ لوگ ان کی محنت اور تربیت سے تیار ہو جاتے ہیں اور وہ لوگوں کی آنکھوں کے سامنے ہوتے ہیں اور ان سے امید ہوتی ہے کہ اس بندہ کے بعد انشاء اللہ اس کا سلسلہ اور فیض ان کے ذریعہ جاری رہے گا ـــــ مشائخ کے ہاں خلافت و اجازت کا سلسلہ دراصل اسی کی ایک عملی اور انتظامی شکل ہے خلافت اور اجازت کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ ان کو شیخ کی نسبت کچھ حاصل ہو گئی ہے اور اللہ کے بندوں کو اللہ سے ملانے کا جو کام شیخ سے لیا جا رہا ہے وہ انشاء اللہ ان سے بھی لیا جائے گا۔

اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک بندہ کی عمر بھر کی محنت اور تربیت سے ایک آدمی بھی ایسا بنتا ہوا نظر نہیں آتا جس سے توقع کی جاسکے کہ اس کے ذریعہ اس بندے کا جلایا ہوا چراغ روشن رہے گا، لیکن اس بندہ کا وصال ہوتے ہی اچانک اسکے لوگوں میں سے کسی ایک میں غیر معمولی تبدیلی ہوتی ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ جانے والے کی نسبت دفعۃً اس کی طرف منتقل ہو گئی ——— ایسا بہت کم اور شاذ و نادر ہی ہوتا ہے لیکن جب ہوتا ہے تو نسبت کا یہ انتقال بہت غیر معمولی خارق عادت قسم کا ہوتا ہے ——— حضرت چچاجان کے لوگوں میں میں کسی کے متعلق نہیں سمجھتا کہ وہ تیار ہو چکا ہو اور ان کے اس کام کو وہ جاری رکھ سکے گا، اور مجھے اللہ تعالیٰ سے اسکی پوری امید ہے کہ وہ ان کے کام کو ضائع نہیں فرمائے گا، اسلئے مجھے توقع ہے کہ غالباً یہاں دوسری شکل واقع ہونے والی ہے، اللہ تعالیٰ چاہے گا تو کسی کو یہ دولت مل جائیگی، پھر اسکو تم بھی دیکھ لوگے اور میں بھی دیکھ لوں گا، اور پھر انشاء اللہ یہ کام اسی سے لیا جائے گا اگر اللہ تعالیٰ کا فیصلہ میرے بارہ میں ہوا تو مجھ سے کسی کے کہنے کی ضرورت نہیں، پھر میں خود یہاں رہوں گا بلکہ اگر تم سب مل کر مجھے نکالنا چاہو گے جب بھی یہیں رہوں گا، اور اگر کسی اور کے بارہ میں اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہوا تو تم بھی اس کو دیکھ لوگے اور میں بھی دیکھ لوں گا، پھر اللہ تعالیٰ اسی سے یہ کام لے گا، بس انتظار کرو اور اللہ سے دعا کرو ——— اور اگر دیکھو کہ ان میں سے کوئی بات بھی نہیں ہوئی تو مولوی صاحب! میں خود تم سے بڑا "وہابی" ہوں، میں تمھیں مشورہ دوں گا کہ حضرت چچاجان کی قبر اور حضرت کے حجرہ کے در و دیوار کی وجہ سے یہاں آنے کی کوئی ضرورت نہیں۔

اس عاجز کو اب دن تاریخ تو یاد نہیں لیکن اتنی بات یقین کے ساتھ یاد ہے کہ حضرت شیخ الحدیث سے یہ گفتگو حضرت کے وصال سے ٹھیک بارہ دن پہلے ہوئی تھی اور یہ بھی یاد ہے کہ حضرت شیخ کا جواب سننے کے بعد اللہ تعالیٰ نے ایک اطمینان نصیب فرمادیا تھا اور فکر کا سارا بوجھ دل و دماغ سے اتر گیا تھا۔

بارہ دن بعد حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا وصال ہوگیا۔ وصال سے چند گھنٹے پہلے مخدومنا حضرت شاہ عبد القادر رائے پوری قدس سرہٗ کے ایما اور توجہ دلانے پر حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے چھ خاص متوسلین پر اپنے اعتماد کا اظہار فرمایا اور ان کو اجازت دی اور حضرت رائے پوریؒ نیز حضرت شیخ الحدیث کے مشورہ ہی پر حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کیلئے خلافت کا فیصلہ فرمایا جیسا کہ حضرت کی سوانح میں تفصیل سے اسکا ذکر بھی کیا گیا ہے۔

حضرت کا وصال صبح صادق کے وقت ہوا اور فجر کی نماز کے بعد حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کی خلافت اور جانشینی کا باقاعدہ اعلان ہوا۔

میں بدقسمتی سے دو دن پہلے ایک خاص ضرورت سے اسوقت کیلئے اپنے مستقر بریلی گیا تھا اور دہلی اس وقت واپس پہونچا جب لوگ حضرت کے دفن سے فارغ ہوکر واپس ہو رہے تھے، خلافت و جانشینی کا واقعہ میں نے وہاں پہونچ کر سنا، چونکہ اس وقت اپنی ناقص نگاہ میں مولانا محمد یوسف صاحب میں کوئی خاص امتیاز سوائے صاحبزادگی کے نہیں تھا، اور اپنے علم و اندازہ کے مطابق تبلیغی کام سے تو ان کو گہری دلچسپی بھی نہیں تھی، بلکہ اس لحاظ سے قاری داؤد صاحب وغیرہ حضرت کے بعض پرانے خادم اور رفیق ان سے بہت آگے تھے، اس لئے مجھے اس واقعہ کو سن کر کوئی خوشی نہیں ہوئی، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ اپنے بزرگوں کے بارہ میں بھی دل میں طرح طرح کے وسوسے آئے، اور میں ان وساوس سے اتنا مغلوب ہوا کہ انکی تاریکی میں بارہ دن پہلے کی حضرت شیخ الحدیث والی عارفانہ بات بھی بالکل یاد نہیں آئی، دن کا باقی حصہ اور پوری رات اسی حالت میں گزری، اگلے دن صبح کو جب حضرت مولانا محمد یوسف صاحب نے فجر کی نماز پڑھائی اور نماز کے بعد حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے معمول کے مطابق تقریر شروع فرمائی تو تھوڑی دیر کے بعد میں نے محسوس کیا کہ یہ تو مولانا محمد یوسف صاحب کی زبان سے حضرت رحمۃ اللہ علیہ بول رہے ہیں۔ اس وقت حضرت شیخ الحدیث مدظلہ کی وہ بات یاد آئی، اور اس تقریر کے ختم ہونے سے پہلے یہ یقین ہوگیا کہ حضرت شیخ نے جو کچھ فرمایا تھا یہ اس کا ظہور ہے، اور اللہ تعالیٰ نے وہ دولت مولانا محمد یوسف صاحب کی طرف منتقل فرمادی ہے ——— "وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَاءُ"

"انتقال نسبت" کا لفظ سنا بھی تھا اور کتابوں میں بھی پڑھا تھا لیکن اسکا مشاہدہ اس دن پہلی دفعہ ہوا۔

(۳)

اس عاجز نے اور غالباً ہر دیکھنے والے نے حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی میں تین باتیں بہت غیر معمولی درجہ میں دیکھیں ــــ ایک دین کا درد و فکر ــــ دوسرے اللہ تعالیٰ پر اعتماد و یقین ــــ تیسرے معارف و حقائق کا فیضان۔

دین کے درد و فکر کے لحاظ سے انکا حال بلا مبالغہ اس باپ کا سا تھا جس کا اکلوتا باکمال بیٹا جس سے اس کی بڑی امیدیں اور آرزوئیں وابستہ ہوں سخت بیمار اور موت و حیات کی کشمکش میں مبتلا ہو، اور اس کی زندگی اور صحت کی فکر نے تمام دوسری فکروں اور ذاتی مسئلوں کو بالکل دبا دیا ہو۔

اللہ تعالیٰ کے وعدوں پر اور اس کی مددپران کو ایسا اعتماد و یقین تھا گویا قضاء و قدر کے فیصلوں کو انھوں نے آنکھوں سے دیکھ لیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے بارہ میں آخرت کے بارہ میں، دین کے بارہ میں جب باتیں فرماتے تو اہل علم اور اصحاب درس بھی محسوس کرتے تھے کہ ان کے قلب پر حکمت کا فیضان ہوتا ہے۔ اور "وَمَن يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا" کی تفسیر سامنے آجاتی۔

پھر حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد ہر دیکھنے والے نے کھلی آنکھوں دیکھا کہ یہ تینوں باتیں دفعۃً حضرت مولانا محمد یوسف صاحب میں آگئیں، اور ان تینوں میدانوں میں وہ بہت تیز رفتاری بلکہ برق رفتاری سے بڑھتے رہے ــــ آگے درج ہونیوالے بعض واقعات سے کچھ اندازہ ہو سکے گا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو کہاں تک پہونچایا۔

(۴)

آخر ۴۶ء یا شروع ۴۷ء کا واقعہ ہے، یہ عاجز ہفتہ عشرہ کے قیام کی نیت سے نظام الدین حاضر ہوا۔ اہلیہ بھی اس سفر میں میرے ساتھ تھیں۔ ان دنوں حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کی پہلی اہلیہ محترمہ حضرت شیخ الحدیث کی بڑی صاحبزادی اور مولوی محمد ہارون کی والدہ مرحومہ مرض دق میں مبتلا تھیں۔ ان کے علاج و دوا کے اہتمام کی ذمہ داری حضرت

حافظ فخر الدین صاحبؒ[1] نے لے رکھی تھی (رحمۃ اللہ علیہ) وہ روزانہ شہر دہلی سے اسی ضرورت سے تشریف لاتے ــــــ میں نے ایک دن حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ سے انکا حال پوچھا اور مرض کی نوعیت کی تفصیل معلوم کرنی چاہی، ان کے جواب سے مجھے اندازہ ہوا کہ وہ کچھ زیادہ باخبر نہیں ہیں۔ مجھے تعجب سا ہوا لیکن میں نے کچھ کہا نہیں ــــــ چار پانچ دن کے قیام کے بعد میری اہلیہ نے مجھ سے کہا کہ مولانا کی بیوی اس درجہ کی مریض ہیں کہ مجھے ان کے بچنے کی بھی امید نہیں ہے اور میں چار پانچ دن سے دیکھ رہی ہوں کہ حضرت مولانا ان کا حال پوچھنے کیلئے بھی کسی وقت ان کے پاس نہیں آتے، وہ عورت ذات ہیں ان کے دل پر کیا گزرتی ہوگی ان کا بھی تو کچھ حق ہے۔ میں نے پوچھا کیا انھوں نے تم سے خود بھی اس کی شکایت کی ہے؟ انھوں نے کہا نہیں، انھوں نے تو کبھی اس کا ذکر نہیں کیا لیکن ان کے دل پر اس کا اثر ضرور ہوگا، آپ اس کے لئے مولانا سے ضرور کہیں۔ میں نے اگلے دن مولانا سے تنہائی میں گفتگو کی اور عرض کیا کہ مجھے یہ معلوم ہوا ہے کہ آپ کی اہلیہ ایسی مریض ہیں اور آپ کئی کئی دن مزاج پرسی کے لئے بھی ان کے پاس نہیں جاتے۔ رشتۂ زوجیت کے علاوہ وہ حضرت شیخ کی صاحبزادی بھی ہیں، ہماری سمجھ میں آپ کی یہ بات بالکل نہیں آئی، آپ کو روزانہ کچھ وقت ان کے پاس ضرور صرف کرنا چاہیئے۔

مولانا نے بڑی معصومیت سے فرمایا کہ ہاں یہ بات تو بالکل صحیح ہے، اور میں نے خود ان سے اس بارہ میں بات کی تھی، مگر انھوں نے میرے حال اور میری مصروفیت کو دیکھکر خود ہی مجھ سے یہ کہہ دیا ہے کہ آپ اپنے کاموں میں مشغول رہیں، میری فکر بالکل نہ کریں، دوا علاج ہو ہی رہا ہے، اگر زندگی ہے تو اچھی ہو جاؤں گی اور اگر اللہ تعالیٰ کا فیصلہ جلدی اٹھانے

---

[1] حضرت حافظ فخر الدین صاحبؒ اس عہد کے ہمارے اکابر و مشائخ میں تھے، حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ کے خلیفہ مجاز یعنی حضرت مولانا محمد الیاسؒ اور حضرت شیخ الحدیث مدظلہ کے پیر بھائی تھے اور ان حضرات سے بڑا گہرا تعلق رکھتے تھے، علاوہ دوسرے معمولات کے روزانہ ایک قرآن مجید ختم کرنا ان کا مستقل معمول تھا ــ ۱۲

کا ہے تو انشاء اللہ جنت میں اطمینان سے ملاقات ہو گی" ___ میں نے کہا مجھے تو یہ شبہ ہے کہ انھوں نے یہ بات آپ کی بے فکری اور بے پروائی دیکھ کر کہی ہو گی" ___ مولانا نے فرمایا کہ آپ تحقیق کرلیں اگر ایسی بات ہو گی تو میں ان کے لئے وقت نکالنے کی پوری کوشش کروں گا میں نے اپنی اہلیہ سے کہا کہ تم ان سے اس بارہ میں اس طرح کی جذباتی باتیں کرو کہ ان کے دل کی بات زبان پر آجائے ___ چنانچہ میری اہلیہ نے مرحومہ سے بات کی انھوں نے مولانا کی طرف سے خود مدافعت کی اور کہا کہ وہ دن رات دین کی فکر اور دین کے کام میں لگے رہتے ہیں، انھیں اپنا بھی ہوش نہیں ہے، میں نے ہی خود ان سے کہہ دیا ہے کہ وہ میری فکر بالکل نہ کریں، دوا علاج ہو ہی رہا ہے، اگر اللہ نے جنت میں جمع فرمادیا تو وہاں اطمینان سے ساتھ رہنے کا موقع ملے گا ___ چند مہینوں کے بعد اسی علالت میں خاص نماز کی حالت میں مرحومہ کا انتقال ہو گیا۔ اللّٰھم اغفرلھا وارحمھا

(۵)

تبلیغی کام کے مرکز نظام الدین میں جس پیمانہ پر کھانے کا لنگر جاری رہتا ہے اور روزانہ سیکڑوں آدمی دونوں وقت جس طرح دسترخوان پر وہاں کھاتے ہیں وہ بلا شبہ ہندوستان کے موجودہ حالات میں عجائب اور خوارق میں سے ہے، ہمیشہ سے وہاں کا دستور یہ ہے کہ جب پیسے پاس نہیں ہوتے تو سارا غذائی سامان قرض، ادھار آتا رہتا ہے، جب پیسے آتے ہیں ادا کردیا جاتا ہے ___ بلکہ اکثر ایسا ہی ہوتا ہے ___ قریباً چودہ پندرہ سال پہلے کا واقعہ ہے کہ قرض کی رقم کچھ زیادہ دنوں تک ادا نہیں کی جا سکی، غلہ وغیرہ جس دکاندار کے یہاں سے آتا تھا اس نے ان صاحب سے تقاضا کیا جو سامان لینے جایا کرتے تھے اور باورچی خانہ کا انتظام جن کے سپرد تھا، اور آگے کے لئے مزید سامان قرض دینے سے معذرت کردی۔ انھوں نے حضرت مولانا محمد یوسف صاحب سے اس سلسلہ میں کوئی تذکرہ کرنا مناسب نہیں سمجھا، اور ہمیشہ پیش آسکنے والی اس مشکل کو مستقل طور سے حل کرنے کے لئے یہ تجویز سوچی کہ دو چار اپنے مخلص صاحب استطاعت احباب رازدارانہ طریقہ پر ایک مناسب رقم امانت کے طور پر آپس میں جمع کرلیں تاکہ جب ایسی ضرورت پیش آئے تو اس میں سے

لنگرخانہ کے سلسلہ کا قرضہ ادا کر دیا جایا کرے اور جب رقم اپنے پاس آئے تو وہ امانت فنڈ میں واپس کر دی جائے ۔ اور چونکہ یہ اندازہ تھا کہ حضرت مولانا محمد یوسف صاحب اسکو کبھی پسند نہیں فرمائیں گے اس لئے پوری رازداری کے ساتھ انھوں نے بالا بالا اس تجویز کو عملی جامہ پہنایا ۔ دہلی کے پانچ باتوفیق دوستوں نے پانچ پانچ ہزار روپیہ دیکر پچیس ہزار کی رقم اپنے ہی میں سے ایک کے پاس جمع کر دی اور آپس میں عہد معاہدہ ہو گیا کہ حضرت مولانا سے کوئی اس کا ذکر نہ کرے بلکہ بات راز میں رہے اور ہم چھ آدمیوں کے علاوہ کسی کو اس کا علم نہ ہو ۔

معلوم نہیں کس طرح دوسرے یا تیسرے ہی دن مولانا کو اس کی اطلاع ہو گئی انھوں نے مطبخ کے ان منتظم صاحب اور اپنے ان پانچ مخلصوں کو جنھوں نے وہ رقم جمع کی تھی بلوایا اور تنہائی میں بٹھا کر پوچھا کہ مجھے اس طرح کی اطلاع ملی ہے ، سچ سچ بتائیے کیا آپ لوگوں نے ایسا کیا ہے ؟ ۔ ان بیچاروں کو اقرار کرنا پڑا ۔ اس کے بعد مولانا نے ان کے سامنے ایک تقریر فرمائی جس میں فرمایا کہ آپ لوگوں نے جو کچھ کیا نیک نیتی سے کیا ہی لیکن ہمارے ساتھ یہ ایک طرح کا ظلم ہے ۔ جب اس طرح کے انتظام آپ لوگ کریں گے تو پھر ہم اللہ کی مدد کے قابل نہیں رہیں گے ۔ اللہ کی مدد کے قابل ہم اسی وقت تک ہیں جب تک دنیا میں ہمارا کوئی سہارا نہ ہو اور ہماری نظر بس اسکے خزانہ اور اس کی مدد پر ہو اور ہم مضطر ہوں ——— اس کے بعد مولانا نے حکم دیا کہ ہر ایک اپنی اپنی رقم واپس لے لے ۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا ——— یہ واقعہ اسی زمانہ میں مجھ سے جن صاحب نے بیان کیا وہ خود اس کے شرکا میں سے تھے ، وہ بتاتے تھے کہ اس دن کی تقریر میں حضرت مولانا خود بھی روئے اور ہم سب کو بھی خوب رُلایا ۔ اور ہم سب نے توبہ کی اور معافی مانگی ۔

(۶)

اب سے ۔۔ سال پہلے مولانا کی اہم تصنیف "حیاۃ الصحابہ" جب مکمل ہوئی اور اس کی طباعت کے بارہ میں طے ہوا کہ "دائرۃ المعارف حیدرآباد" میں چھپوائی جائے

توحیدر آباد کے مخلص دوستوں نے طباعت کے اہتمام و انصرام کی ذمہ داری لے لی اور بالا بالا اپنے طور پر یہ بھی کوشش کی کہ اس کے مصارف کا انتظام بھی وہ خود ہی کرلیں، اس مقصد کے لئے انھوں نے بمبئی وغیرہ کے حضرت مولانا کے بعض مخلصین اور معتقدین سے بھی بات کی۔ اور اس رقم کا بڑا حصہ (غالباً ۸۰۔۱۰ ہزار کے قریب) فراہم بھی کر لیا ــــــ حضرت مولانا کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو آپ نے وہ ساری رقم واپس کرا دی، اور کاغذ و طباعت وغیرہ کے لئے جتنی رقم درکار تھی وہ خود ہی بھیجی۔

(۷)
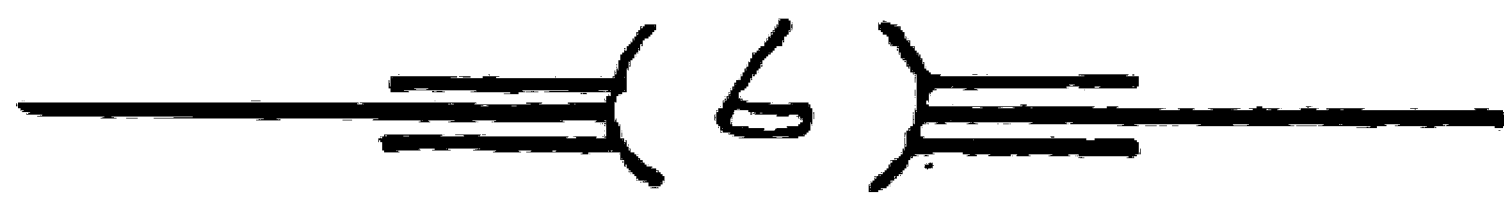
حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے غالباً چند ہی مہینے بعد مراد آباد میں پہلا بڑا تبلیغی اجتماع ہوا۔ اس وقت تک تبلیغی کام کے سلسلہ میں بڑے اجتماعات اور جلسے میوات میں تو ہوتے تھے لیکن میوات سے باہر بڑے اجتماعات کا رواج ابھی نہیں ہوا تھا۔ جہاں تک اس ناچیز کو یاد ہے مراد آباد کا یہ اجتماع اپنی قسم کا پہلا بڑا اجتماع تھا۔ باہر کے قریباً سات سو آدمیوں نے اس میں شرکت کی تھی۔ تبلیغ کے لئے اوقات دینے کا رواج بھی اس وقت تک میوات سے باہر بہت ہی کم ہوا تھا۔ فجر کی نماز کے بعد حضرت مولانا محمد یوسف صاحب نے تقریر شروع فرمائی اور حسب عادت تقریر میں گویا کلیجہ نکال کے رکھ دیا۔ اسکے بعد اوقات کا مطالبہ شروع ہوا بہت ہی کم نام آئے۔ حد یہ ہے کہ بجنور۔ چاند پور اور رامپور جیسے بالکل قریبی مقامات کے لئے دس دس آدمیوں کی جماعتیں بھی نہیں بن سکی تھیں۔ ہم کئی آدمی لوگوں کو ترغیب دے رہے تھے۔ اور اپنا پورا زور لگا رہے تھے۔ لیکن ناموں میں اضافہ بالکل نہیں ہو رہا تھا۔ حضرت مولانا محمد یوسف صاحب جو تقریر فرمانے کے بعد مسجد کی اندرونی محراب میں تشریف فرما تھے، لوگوں کی یہ سرد مہری دیکھ کر ان کو جلال آ گیا۔ ایکدم اٹھ کر تشریف لائے اور میکروفون میرے ہاتھ سے لے کر فرمانا شروع کیا آج تم بجنور، چاند پور اور رامپور جیسے قریبی مقامات کے لئے اور صرف تین تین دن کا وقت دینے کے لئے

تیار نہیں ہو رہے ہو، ایک وقت آئے گا جب تم شام جاؤ گے، مصر جاؤ گے عراق جاؤ گے لیکن اس وقت اس کام کا عام رواج ہو چکا ہوگا اس لئے اجر گھٹ جائے گا۔ مولانا کی اس پُرجلال دعوت پر چند نئے نام اور آگئے لیکن میرا خام اور ظواہر کا اسیر ذہن چونکہ ماحول سے اثر لینے کا عادی ہے اس لئے مولانا کی شام وعراق اور مصر جانے والی بات کا مجھ پر کچھ اچھا اثر نہیں پڑا، میں محسوس کر رہا تھا کہ جب لوگوں کا حال یہ ہے کہ وہ چاندپور اور رامپور کے لئے تیار نہیں ہو رہے ہیں تو اس حالت میں شام وعراق اور مصر جانیوالی بات بہت بے موقع ہے۔ مگر اللہ کی شان تھوڑے ہی دنوں کے بعد مولانا کی وہ بات واقعہ بن کر آنکھوں کے سامنے آگئی۔ اور ان ممالک عربیہ میں غالباً پہلی جماعت مرادآباد یوں ہی کی گئی۔

(۸)

اس عاجز نے پڑھنے کے زمانہ میں خدا کے فضل سے محنت سے پڑھا اور پڑھانے کے زمانہ میں محنت سے پڑھایا۔ ذہن اور حافظہ کی نعمت سے بھی اللہ تعالیٰ نے محروم نہیں رکھا تھا، لکھنا پڑھنا اور مطالعہ ہی اصل مشغلہ رہا، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اپنے استاذ حضرت مولانا سید محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے بعد کبھی کسی کے علم سے مرعوب و متاثر نہ ہو سکا لیکن حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں جب حاضری نصیب ہوئی تو محسوس ہوا کہ ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک علم عطا ہوا ہے (جو مدرسہ اور کتب خانہ کا علم نہیں ہے) اس لئے حسب توفیق ان کے بہت سے ارشادات اپنے لئے قلمبند بھی کئے بعد میں ان کا ایک حصہ کتابی شکل میں بھی مرتب کیا (جو شائع ہو چکا ہے) ـــــ حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کی تقریروں میں بھی صاف محسوس ہوتا تھا کہ وہی علم انکو بھی عطا ہوا ہے، اور قوت بیان مزید برآں ہے، اس لئے ان کی تقریر لکھنے کو بھی جی چاہتا تھا مگر دیکھتا تھا کہ اللہ کی توفیق سے بہت سے حضرات انکی تقریریں لفظ بہ لفظ قلمبند کرنے کا اہتمام کرتے ہیں اس لئے ایسا کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی۔ پھر بھی اپنے لئے انکے خاص خاص معارف اشاروں میں نوٹ کیا کرتا تھا۔ اس عاجز کو پوری بصیرت کیساتھ یقین

ہے کہ یہی وہ علم ہے جس کے بارہ میں قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے۔ "وَمَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا"۔

ان کی تقریر کے پھیلاؤ میں بعض وقت ایسی باتیں بھی آجاتی تھیں جو ہمارے زمانہ کے بعض طبقوں کے ایمان کے لئے آزمائش بن سکتی تھی۔ یہ اسی قسم کی چیزیں ہوتی تھیں جن کے بارہ میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے اپنے زمانہ کے بعض علماء کو تنبیہ فرمائی تھی کہ "أَتُحِبُّونَ أَنْ يُكَذَّبَ اللّٰهُ وَرَسُولُهُ"۔ لیکن مولانا کی اندرونی ایمانی قوت اور بنیادی دعوت کی طاقت اس طبقہ کو بھی تھام لیتی تھی ـــــ لیکن ہر ایک کے پاس تو یہ اکسیر اور تریاق نہیں ہے۔

۹
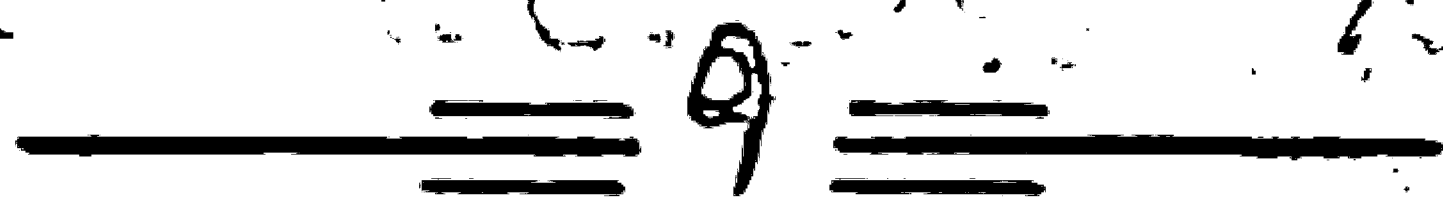
جن خوش نصیبوں نے حضرت مولانا کی تقریریں سنی ہیں اور ان کو اس دولت سے کچھ مناسبت ہے جو انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ اہل ایمان کو ملتی ہے، ان سب کا یہ ذاتی تجربہ ہے کہ مولانا کی تقریر سے ایمان میں جان پڑتی تھی، اور کھلی ترقی محسوس ہوتی تھی اور قرآن مجید کی جن آیتوں میں ایمان کی زیادتی اور اضافہ کا ذکر کیا گیا ہے ان کی صحیح تفسیر سمجھ میں آتی تھی ـــــ

ـــــ زمانہ اور ماحول کے فرق کے ساتھ ان کی تقریروں کو سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ کے مواعظ سے بڑی قریبی مشابہت تھی۔

۱۰

حضرت مولانا محمد یوسف صاحب نے اللہ کے لئے اور اس کے دین کیلئے اپنے کو کلی طور پر وقف کر دیا تھا۔ اپنی ساری توانائیاں اور اپنی ہر چیز اس کی راہ میں اسطرح لگا دی تھی کہ اس میں سے کچھ بھی اپنی ذات کے لئے بچا کے نہیں رکھا تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے ہزاروں بلکہ لاکھوں بندوں کو ان کیلئے مسخر کر دیا۔ اس کے کہنے میں انشاءاللہ کچھ بھی مبالغہ نہ ہوگا کہ آج کی دنیا کے کسی بڑے سے بڑے سرمایہ دار، بڑے سے بڑے معقول اور بااثر لیڈر یا ڈکٹیٹر، کسی جمہوریہ کے محبوب صدر یا وزیراعظم کی حکومت اتنے دلوں پر نہ

ہو گی۔ جتنے دلوں پر مولانا مرحوم کی حکومت تھی۔ انھوں نے کوئی پارٹی نہیں بنائی، اپنے کام یا پیغام کی نشر و اشاعت کے لئے کوئی اخبار یا رسالہ جاری نہیں کیا (بلکہ وہ دل سے چاہتے اور امکان بھر اس کی کوشش کرتے تھے کہ دوسرے اخبارات ان کا اور ان کے کام کا کوئی ذکر نہ کریں، وہ اپنے مقصد کے لئے اسی کو مفید سمجھتے تھے) انھوں نے کبھی کوئی فنڈ جمع نہیں کیا۔ بس خود قربانی دی اور اللہ کے بندوں کو قربانی کیلئے پکارا، اللہ تعالیٰ نے پہلے ہزاروں پھر لاکھوں بندوں کو ان کے گرد جمع کر دیا اور اسلام کی اس غربت کے دور میں چشم فلک نے یہ تماشا دیکھا کہ چٹائی پر بیٹھنے والے ایک درویش عالم دین اور اللہ کے داعی کی ترغیب و دعوت اور محنت کے نتیجہ میں اللہ کے ہزاروں لاکھوں بندے یورپ افریقہ اور ایشیا کے مختلف ملکوں اور جزیروں میں شہروں اور قصبوں میں اور دیہاتی آبادیوں میں ہر وقت پھر رہے ہیں۔ ان میں اردو بولنے والے بھی ہیں اور عربی بولنے والے بھی، فارسی بولنے والے بھی ہیں اور ترکی بولنے والے بھی، بنگالی بولنے والے بھی ہیں اور پنجابی یا پشتو بولنے والے بھی، انگریزی بولنے والے بھی اور فرانسیسی اور جرمنی بولنے والے بھی۔

ان فی ذالک لعبرۃ لاولی الابصار

حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ کی طرح اور ان سے بھی پہلے خادمان دین اور داعیان حق کی طرح حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بھی اٹھا لئے گئے۔ لیکن جو اللہ سب کچھ کرنے والا ہے وہ حی قیوم ہے، اور ازل سے اس کا ایک ہی قانون و دستور ہے۔ اگر اسی خلوص وللہیت کے ساتھ اور انہی اوصاف اور اصولوں کی پابندی کرتے ہوئے قربانیاں دی جاتی رہیں اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ وہی تعلق رہا جس کا نمونہ ہمارے اس زمانہ میں ان دونوں باپ بیٹوں نے پیش کیا تو یقیناً اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہی ہوتا رہے گا جو اب تک ہوتا رہا ہے۔

ولن تجد لسنۃ اللہ تبدیلا۔

"کان حملوکی فاضحی مالکی"

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا مدظلہ کے

دو گرامی نامے

(۱)

ہفتہ وار رسالہ "خدام الدین لاہور" نے حضرت مولانا محمد یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد ان کے تذکرہ پر مشتمل ایک مستقل نمبر نکالنے کا فیصلہ کیا تو حضرت شیخ الحدیث مدظلہ العالی سے بھی مضمون کی درخواست کی اور چند متعین باتیں بھی دریافت کیں ــــ حضرت ممدوح نے حسب معمول مضمون لکھنے سے تو معذرت کر دی لیکن سوالات کے جواب لکھا دئیے ــــ سہارنپور کی حاضری کے موقع پر اس گرامی نامہ کی نقل حضرت کے بعض خدام سے حاصل ہو گئی تھی ــــ اسمیں مولانا مرحوم کے حال اور مقام کے بارہ میں جو چند سطریں ہیں درحقیقت وہ بجائے خود ایک دفتر ہیں ــــ رفیق محترم مولانا سید ابو الحسن علی ندوی نے اپنے مقالہ میں جن تاثرات کا اظہار کیا ہے اور اس عاجز نے سابقہ اوراق میں اپنے جن تجربوں اور مشاہدوں کا ذکر کیا ہے انکے پڑھنے کے بعد حضرت شیخ مدظلہ کے اشارات کو سمجھنا انشاء اللہ آسان ہو گا ــــــــ محمد منظور نعمانی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عنایت فرمائم سلمہ۔ بعد سلام مسنون ۔۔۔۔۔۔۔۔۔

اس ناکارہ کو اس قسم کے مضامین لکھنے کی بالکل عادت نہیں، اور نہ اس قسم کے

مضامین سے مناسبت ہے۔ حضرت اقدس مدنی اور حضرت اقدس رائے پوری نور اللہ مرقدہما
کے وصال پر بہت سے احباب کے اصرار ہوئے، اسی طرح دوسرے اکابر کے انتقال پر
احباب کے اصرار ہوتے رہے۔ مگر یہ ناکارہ انکار کرتا رہا۔ اس ناکارہ کے حوالے سے ان اکابر کی
سوانحوں میں جہاں کہیں مضامین چھپے ہیں اس کی صورت یہ رہی کہ تالیف کرنے والے احباب
آکر ان کے احوال دریافت کرتے رہے اور یہ ناکارہ اپنی معلومات سے جواب عرض کرتا رہا
عزیز مولانا محمد یوسف مرحوم کی ولادت ۲۵ جمادی الاولی ۱۳۳۵ھ ۲۰ مارچ ۱۹۱۷ء سہ شنبہ
کو ہوئی تھی۔ ۲ جمادی الثانی دوشنبہ کو عقیقہ ہوا تھا۔ اس کے بعد اس کے سوا کیا لکھوں۔

کان حلو کی غاضحی مالکی ان ھذا من اعاجیب الزمن

ابتدا میں وہ میرا چھوٹا بھائی تھا، شاگرد تھا، زیر تربیت تھا۔ وہ میری نالائقی سخت مزاجی کی وجہ سے اپنے والد
صاحب یعنی میرے چچا جان نور اللہ مرقدہ کی بہ نسبت اس ناکارہ سے بہت زیادہ ڈرتا تھا۔ چچا جان
کے احکام کو وہ پدرانہ نازکی وجہ سے اور اپنے بچپن کی وجہ سے کبھی ٹال دیتا تھا۔ لیکن اس
ناکارہ کی سخت مزاجی کی وجہ سے میرے کہنے کو نہیں ٹالتا تھا چچا جان کو بسا اوقات یہ فرمانا
پڑتا کہ یوسف سے فلاں کام لینا ہے۔ تمہارے کہنے سے جلدی کر دے گا۔ دہلی کے حضرات کا
چچا جان پر بہت اصرار ہوتا کہ صاحبزادے سلمہٗ کو شادی میں ضرور ساتھ لاویں۔ مگر مرحوم اپنے
طلب علم میں اس قدر منہمک تھا کہ اس کو یہ حرج بہت ناگوار ہوتا بسا اوقات اس
کی نوبت آئی کہ ان اوقات میں اگر اس ناکارہ کا دہلی جانا ہوا تو عزیز مرحوم مجھ سے جاتے
ہی وعدہ لے لیتا کہ بھائی جی فلاں جگہ جانے کو آپ نہ کہیں۔ اور جب چچا جان مجھ سے یہ
ارشاد فرماتے کہ یوسف کو بھی ساتھ لے لو۔ تو میں یہی معذرت کرتا کہ اس نے آتے ہی مجھ سے
یہ وعدہ لے لیا کہ میں نہ کہوں۔ یہ تو ابتدا تھی۔ اس کے بعد مرحوم نے ہوائی جہاز سے ڈ
پرواز کی کہ وہ آسمان پر پہنچ گیا اور یہ ناکارہ زمین ہی پر پڑا رہا۔ اس کی بلندی کو دیکھتا رہا
چچا جان کے وصال کے بعد ہی ایک پرواز اس نے کی جس کے متعلق اس ناکارہ کا اور
حضرت اقدس رائے پوری نور اللہ مرقدہٗ کا یہ خیال ہوا کہ چچا جان نور اللہ مرقدہٗ کی نسبت
خاصہ منتقل ہوئی ہے اور ہر بات میں اس کا خوب مشاہدہ ہوتا۔ اسکے بعد اسکی ترقیات

کو دیکھتا رہا۔ حضرت مدنی نور اللہ مرقدہٗ کے وصال کے بعد سے مرحوم میں ایک جوش کی کیفیت پیدا ہوئی اور کسی بڑے سے بڑے ذی وجاہت شخص کے سامنے بھی اپنی بات کو نہایت جراءت اور بے خوفی سے کہنے کا ظہور ہوا اور وہ بڑھتا ہی رہا اسکے بعد حضرت اقدس رائپوری نور اللہ مرقدہٗ کے وصال کے بعد اسکی گفتگو اور تقاریر میں انوار اور تجلیات کا ظہور پیدا ہوا۔ کیا بعید ہے کہ ان دونوں بزرگوں کی خصوصی توجہات اور مرحوم کے ساتھ شفقت اور محبت کا یہ ثمرہ ہو، انہیں چیزوں کا یہ اثر ہوا جو اس ناکارہ نے شروع میں شعر میں ظاہر کیا کہ پھر یہ ناکارہ اس سے مرعوب ہونے لگا کہ اس کے اصرار پر مجھے مخالفت دشوار ہوگئی اس کا اثر تھا کہ گزشتہ سال اپنی انتہائی معذوریوں اور مجبوریوں اور امراض کی شدت کے باوجود جب مرحوم نے اس پر اصرار کیا کہ تمھیں حج کو میرے ساتھ ضرور چلنا ہے تو میری انکار کی ہمت نہ پڑی، اور جب میں نے اپنے امراض کا اظہار کیا اور کہا کہ میرے اعذار کو نہیں دیکھتے ہو تو مرحوم نے کہا کہ خوب دیکھ رہا ہوں مگر میرا جی چاہتا ہے کہ آپ ضرور چلیں۔ اخیر میں اللہ جل شانہٗ نے اپنے لطف و کرم کی وہ بارش فرمائی کہ مجھ جیسے بے بصیرت کو بہت سی چیزیں کھلی محسوس ہوتی تھیں۔ اس قسم کی باتیں نہ کہنے میں آتی ہیں اور نہ لکھنے کو دل چاہتا ہے۔ صرف ایک عورت کے خواب پر اس عریضے کو ختم کرتا ہوں۔ خواب تو مرحوم کے حادثہ کے بعد لوگوں نے عجیب عجیب دیکھے اور لکھے لیکن یہ خواب چونکہ اس ناکارہ کے نزدیک لفظ بہ لفظ واقعہ ہے۔ اس لئے لکھوا رہا ہوں۔ اس حادثہ پر اپنے تعلقات کے موافق نیز اپنے قلبی ضعف وتحمل کے موافق اثرات تو بہت ہی عام ہوئے لیکن ایک عورت کے متعلق معلوم ہوا کہ وہ کسی وقت بھی چپ نہ ہوتی تھی۔ ہر وقت روتی تھی بار بار وضو کرتی تھی اور تسبیح لے کر بیٹھ جاتی۔ وہ اسی حالت میں ایک دفعہ وضو کر کے تسبیح لے کر بیٹھی تھی کہ اس کو غنودگی ہوگئی اس نے عزیز مرحوم کو دیکھا کہ فرما رہے ہیں کیوں پاگل ہوگئی؟ مرنا تو سب ہی کو ہے تعلق مالک سے پیدا کیا کریں، بندے سے نہیں، اس پر اس نے والہانہ انداز سے یوں کہا حضرت جی آخر یہ ایک دم ہی ہوا کیا؟ مرحوم نے کہا کہ کچھ بھی نہیں کچھ دنوں سے جب میں تقریر کیا کرتا تھا تو مجھ پر تجلیات الٰہیہ کا خاص ظہور ہوتا تھا۔ اس مرتبہ جب میں رات کو تقریر کر رہا تھا تو ان کا اتنا زیادہ ظہور ہوا کہ میرا قلب ان کا تحمل نہ کر سکا اور دورہ

پڑ گیا اس کے بعد ایک بہت بڑا گلاب کا پھول سنگھایا گیا اسکے ساتھ میری روح نکل گئی بس اتنی ہی سی بات ہوئی فقط

عزیز مرحوم کی پہلی شادی میری سب سے بڑی لڑکی سے ۳ محرم ۵۴ھ کو مظاہر علوم کے سالانہ جلسے میں ہوئی تھی حضرت مدنی نوراللہ مرقدہٗ نے نکاح پڑھا تھا چونکہ پہلے سے کوئی تجویز نہ تھی عین وقت پر چچاجان نے فرمایا کہ نکاح پڑھانے کا ارادہ ہے اس لئے اس وقت رخصت نہ ہوئی تقریباً ایک سال بعد چچاجان نوراللہ مرقدہٗ کی ایک آمد پر اسی طرح فوری طور پر بغیر سابقہ تجویز کے رخصت ہو گئی ۔ ۲۳ ، ۲۴ رمضان ۵۸ھ دوشنبہ سہ شنبہ کی درمیانی شب میں ۱۰ بجکر ۴۰ منٹ پر عزیز ہارون سلمہٗ کی ولادت ہوئی حق تعالیٰ شانہٗ اپنے فضل وکرم سے اس کو اپنے باپ دادا کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے ۔ آمین ۔ فقط والسلام ۔

زکریا

المحرم الحرام ۱۳۸۵ھ بقلم محمد عاقل غفرلہٗ

(۲)

مندرجہ بالا گرامی نامہ میں مولانا مرحوم کی پہلی اہلیہ مولوی محمد ہارون کی والدہ مرحومہ کے انتقال اور پھر انکی دوسری بہن کیساتھ مولانا مرحوم کے دوسرے عقد کا تذکرہ نہیں تھا، ناچیز (محمد منظور نعمانی) نے ایک عریضہ لکھکر دونوں کے بارے میں دریافت کیا تو حضرت شیخ مدظلہ نے اسکے جواب میں تحریر فرمایا ۔

بعد سلام مسنون ....

عزیز یوسف کی پہلی اہلیہ یعنی والدہ ہارون تقریباً ایک سال تک تپ دق میں مبتلا رہ کر ۱۹۴۷ء کے ہنگامہ میں نظام الدین ۲۹ شوال ۶۶ھ شب دوشنبہ کی مغرب کی نماز کے سجدہ میں جبکہ وہ اشارہ سے نماز پڑھ رہی تھیں اور سجدہ کیلئے اشارہ سے سر جھکا رکھا تھا دفعۃً انتقال کر گئی ـــــ اسکے انتقال کے بعد میں نے عزیز مرحوم کو حکماً منع کر دیا تھا کہ تم دوسرا نکاح نہ کیجیو اسلئے کہ تمہارے مشاغل کا ہجوم تمہیں حقوق کی ادائیگی کی اجازت نہیں دیتا ہے اس وقت تو اس نے بڑی خوشی سے قبول کیا مگر چند سال بعد اس نے ضرورت کا اظہار کیا، تو میں نے کہا بڑے شوق سے، جہاں تمہاری رائے ہو وہاں تحریک کردوں، مرحوم نے کہا اگر کر دو گا

تو آپ کے ہاں کرونگا کہیں اور کرنے کا ارادہ نہیں ہے اس پر اس ناکارہ نے بڑے شوق سے قبول کیا اور نکاح ۹ ربیع الثانی ۶۹ھ بروز چہارشنبہ بعد نماز عصر مدرسہ کی مسجد میں اس ناکارہ کی دوسری لڑکی سے ہوا جو بیوہ تھی اور اسکا پہلا نکاح مولوی لطیف الرحمٰن کاندھلوی مرحوم کے لڑکے سعید الرحمٰن مرحوم سے ہوا تھا جس کا انتقال ۴۷ھ کے ہنگامہ ہی کے زمانہ میں ایک طویل علالت کے بعد ہو گیا تھا —— اس سے کوئی اولاد نہیں ہوئی

ان واقعات کے ساتھ طویل قصے ہیں جو زبانی تو سنائے جا سکتے ہیں تحریر میں ان چیزوں کا آنا معلوم نہیں مناسب ہوگا یا نہیں ......

پہلا نکاح والدہ ہارون سے ۳ محرم ۴۲ھ مظاہر علوم کے سالانہ جلسہ میں چچا جان کے ارشاد پر بلا کسی سابقہ تجویز کے فوری ہو گیا تھا اسی طرح رخصتی بھی ایک سال بعد جب چچا جان جو مظاہر علوم کے سرپرست بھی تھے جلسہ سرپرستاں میں تشریف لائے اس وقت عزیزان یوسف و انعام ابوداؤد دورہ پڑھنے کیلئے سہارنپور آئے ہوئے تھے یہاں موجود تھے جلسہ سرپرستاں میں جس میں حضرت اقدس رائے پوری بھی تشریف فرما تھے چچا جان نے فرمایا کہ ان بچوں کی رخصتی بھی کردو اسی دن رات کو میرے ہی گھر میں عزیزان یوسف و انعام کی رخصتی بھی کردی اور دوسرے دن صبح کو مختصر دعوت ولیمہ ہو گئی۔

گفتگو آئین درویشی نبود ورنہ با تو ماجراہا داشتیم

والسلام

زکریا عفی عنہ سہارنپور

بقلم احسان ۲۳ صفر ۸۵ھ

ایک ضروری بات یہ ہے کہ بعض اخبارات میں مولوی یوسف کی پیدائش نظام الدین میں لکھ دی گئی ہے۔ ان کی پیدائش کاندھلہ میں اپنے جدی مکان میں ہوئی تھی اس وقت چچا جان نوراللہ مرقدہ مظاہر علوم میں مدرس تھے۔

حضرت مولانا محمد یوسف کاندھلویؒ

اور

اُن کی چند خصوصیات

(مولانا نسیم احمد فریدی امروہی)

وہ کب کے آئے بھی اور گئے بھی مگر نظر میں سما رہے ہیں

حضرت مولانا محمد یوسف کاندھلویؒ جن کے نام کے بعد چند ماہ پہلے ہم مدظلہٗ لکھتے اور بولتے تھے آج رحمۃ اللہ علیہ اور نور اللہ مرقدہٗ کہہ اور لکھ رہے ہیں۔ دنیا سے گزرنا سب کو ہے، موت سب کو آنی ہے، سب کو اس عالم فانی سے رخصت ہونا ہے ؎

موت سے کس کو رستگاری ہے
آج وہ کل ہماری باری ہے

اس عالم ناپائیدار میں جو بھی آیا ہے یہاں سے مقررہ مدت کے بعد ضرور جائے گا موت کا آہنی چنگل سب کو اپنی گرفت میں لے گا ؎

آنے والی کس سے ٹالی جائے گی
جان ٹھہری جانے والی جائے گی

مبارک ہیں وہ ہستیاں جو اپنی حیات مستعار میں ایسے کارنامے چھوڑ جاتی ہیں جن سے ان کا نام نیک باقی رہتا ہے۔

حضرت مولانا محمد یوسف بھی ان مبارک شخصیتوں میں سے ایک ہیں جنھوں نے اپنے زندہ و پائندہ علمی و دینی کارناموں کے ذریعہ جریدہ عالم پر اپنی نیک نامی کو ثبت کرا دیا۔ اللہ تعالیٰ انھیں جنت الفردوس نصیب فرمائے اور ان کی قبر کو نور سے منور کرے (آمین)

مجھے اکیس ۲۱ سال سے حضرت مولانا مرحوم سے ایک گونہ تعلق و ربط تھا۔ وہ اپنے اخلاق عالیہ کے تقاضے سے احقر کا بڑا اکرام فرماتے تھے جس سے بعض اوقات اپنی بے علمی اور کم حیثیتی کے پیش نظر مجھے شرمندگی محسوس ہوتی تھی ——— میں بھی ان سے جذبہ عقیدت مندی سے ملتا تھا۔ اس لئے کہ مجھے ان کی شخصیت میں اکابر ملت کے اخلاق کی جھلکیاں اور مشائخ کا ندھلہ کی اداؤں کا عکس نظر آتا تھا۔ یہ حقیقت تو بعد کو معلوم ہوئی کہ حضرت مولاناؒ عمر کے لحاظ سے مجھ سے چار پانچ سال چھوٹے تھے ——— میں ان کی حیات میں اپنے مقابلے میں عمر کے لحاظ سے بھی ان کو بڑا سمجھتا تھا ——— سچ پوچھئے تو وہ ہر حیثیت سے بڑے ہی تھے۔ انکی تھوڑی عمر میں بھی کام کے لحاظ سے بڑی برکت ہوئی۔ ہم جلیسوں سے سو سال میں بھی وہ اہم کام انجام نہیں پا سکتے جو انھوں نے ۴۹ سال کی عمر پا کر صرف اکیس سال میں انجام دے لئے۔ یہ محض انعام ربانی تھا کہ ان کے کارکردگی کے مختصر سے زمانے کا ہر دن دینی اعتبار سے کامیاب تھا اور ہر رات نور در آغوش تھی۔

حضرت مولانا محمد الیاس نور اللہ مرقدہٗ کو میں نے جہاں تک یاد پڑتا ہے صرف دو مرتبہ دیکھا ہے۔ ایک مرتبہ ریل میں جب وہ سہارنپور سے دہلی جا رہے تھے اور میں دیوبند سے میرٹھ جا رہا تھا ——— یہ طالب علمی کا زمانہ تھا ——— دوسری مرتبہ ان کی وفات سے کچھ عرصہ پہلے بہمراہی حضرت مولانا نعمانی مدظلہٗ دہلی جا کر ——— غرضیکہ میں اپنی محرومی کی بناء پر حضرت مولانا محمد الیاسؒ کی شخصیت سے ان کی زندگی میں کوئی فائدہ نہ اٹھا سکا۔ اور نہ مجھے کوئی موقع ملا کہ ان کے کارناموں اور مساعیٔ حسنہ سے واقفیت پیدا کرتا ——— فائدہ تو اپنے زمانے کے کسی بزرگ سے بھی آج تک نہ اٹھا سکا، اپنی سیہ بختی کی یہ داستان چھیڑنی مقصود نہیں مجھے تو عرض یہ کرنا ہے کہ میں نے حضرت مولانا محمد الیاسؒ کے جانشین اور اکلوتے باکمال صاحبزادے حضرت مولانا محمد یوسفؒ کو قریب سے دیکھا، دور سے دیکھا، سفر

میں دیکھا حضر میں دیکھا، خلوت میں دیکھا جلوت میں دیکھا، عمومی اجتماعوں میں دیکھا خصوصی محافل و مجالس میں دیکھا، ان کی روح پرور باتیں سنیں۔ ان کی پرشکوہ تقریریں سنیں ان کے کچھ مکتوبات بھی احقر کے نام صادر ہوئے جو عرائض کے جواب میں تھے یا از خود از راہِ کرم فرمائی تبلیغی نقل و حرکت کے سلسلے میں ارسال فرمائے گئے تھے، وہ تین مرتبہ امروہہ بھی تشریف لائے۔ ایک مرتبہ تبلیغی اجتماع میں اور دو مرتبہ مدرسہ اسلامیہ جامع مسجد امروہہ کے جلسہ دستار بندی اور اجتماع ختم بخاری کے موقع پر ـــــ امروہہ کے متعلق فرماتے تھے کہ "یہ ہمارے بزرگوں کی بستی ہے" ـــــ سلسلہ صابریہ امدادیہ رشیدیہ کے تین اکابر طریقت اس سرزمین پر ابدی نیند سو رہے ہیں ـــــ حضرت مولانا محمد الیاسؒ کے بعض خدام سے معلوم ہوا کہ وہ بھی اس زمانہ میں جبکہ ان کا یہاں کوئی تعارف نہ تھا اپنے ان اکابر طریقت کے مزاروں پر حاضری دینے تشریف لایا کرتے تھے۔

الغرض حضرت مولانا محمد یوسفؒ سے واقفیت کے اسباب مجھے حاصل ہوئے میں ان کی شخصیت سے متاثر تھا، اس اکیس سال کے عرصے میں میرے قلب کا تعلق ان سے بڑھتا ہی رہا ـــــ میں خدا کا شکر ادا کرتا ہوں کہ منجملہ دیگر اکابر کے میں نے اپنے عہد میں حضرت مولانا محمد یوسفؒ جیسی یادگار سلف دلنشیں شخصیت کو بھی دیکھا ہے اور ان سے واقفیت پیدا کی ہے ـــــ یہ دوسری بات ہے کہ ان کی زیادہ قربت حاصل نہ کر سکا اور فیض صحبت سے زیادہ مستفیض نہ ہو سکا۔ مولانا اپنے بعض خطوط میں تو کبھی کبھی مجھے میری عدم نقل و حرکت پر اشارۃً تنبیہ بھی فرما دیتے تھے، مگر جب کبھی حاضر ہوا تو اس "کوتاہئ ذوق عمل" کو نظر انداز فرمایا۔ اگر کبھی فرمایا تو مرکز میں کچھ دنوں قیام کرنے کے لئے اور اس کا عنوان بھی اس قدر دلربا ہوتا تھا کہ جی چاہنے لگتا تھا کہ کچھ عرصہ مرکز میں قیام کروں۔

ایک مرتبہ فرمایا کہ ہم ایک کتاب صحابہ کے حالات پر لکھ رہے ہیں، آپ نے اس کو دیکھ لیا ہوتا۔ یہ عنوان میرے ذوق و شوق کو ملحوظ رکھتے ہوئے اختیار فرمایا گیا تھا جس سے اپنی ناقابلیت کو سامنے رکھ کر شرمندگی ہوئی اور اس سے مسرت

ہوئی کہ اس نااہل کو اس قابل سمجھا گیا کہ وہ ان کے افادات سے استفادہ کر سکے گا بعد کو جب حیات صحابہ جلد اول شائع ہو گئی تو از راہ لطف و کرم اس کا ایک نسخہ ہدیۃً میرے حاضر ہونے پر عطا فرمایا۔ ایک مرتبہ حاضر ہو کر ایک دو دن کے بعد رخصت ہونے لگا تو بڑی محبت سے ساتھ فرمایا کہ میوات میں ایک اجتماع ہو رہا ہے آپ اس کو دیکھ کر جائیں۔ تمام عمر میں میوات کا وہی ایک اجتماع دیکھ سکا تھا۔ اس اجتماع کی یاد بھی عمر بھر دل سے نہ جائے گی —— وہ اجتماع میواتیوں کے دینی شعور اور مذہبی احساس کا آئینہ دار تھا۔ میواتیوں کا جوق در جوق ایک بڑی تعداد میں بہ نیت ثواب اور با ارادہ تفریغ وقت اجتماع میں شرکت کرنا، مہمانوں کی مدارات اور خاطر تواضع، سلیقے کے ساتھ جلسے کا نظم و نسق، توجہ کے ساتھ ارشادات یوسفی کا سننا اور سادگی کے ساتھ اسی اجتماع کے موقع پر اپنے لڑکوں اور لڑکیوں کا نکاح کرانا، یہ تمام مناظر دینی نقطۂ نظر سے انتہائی مسرت انگیز تھے۔ مجھے رہ رہ کر مولانا کی یاد آتی ہے —— افسوس کہ وہ اتنے جلد ہماری نظروں سے اوجھل ہو گئے ان کی تقریریں کانوں میں گونج رہی ہیں —— مراد آباد، رحیم آباد، علی گڑھ، لکھنؤ، ڈاسنہ اور نہٹور ضلع بجنور کے اجتماعات کے پر کیف روحانی جلوے آنکھوں میں گھوم رہے ہیں جہاں مولانا اپنے رفقاء مرکز کے ہمراہ شریک ہوئے تھے —— جہاں ایمان و یقین کی باتیں مولانا کی زبان سے ایمان و یقین کی فضاؤں میں احقر کو بھی سننی نصیب ہوئیں۔

اجتماعوں میں ان کی اندرونی کیفیات کی تاثیر کے اندر اضافہ ہو جاتا مصروفیات بڑھ جاتی تھیں۔ ارشادات و کلمات طیبات کا سلسلہ دراز ہو جاتا تھا۔

یوں مرکز کی مصروفیات بھی کچھ کم نہ تھیں۔ نماز فجر کے بعد سے لے کر رات کے بارہ بجے تک (قبل ظہر کے ایک دو گھنٹہ چھوڑ کر) عمومی و خصوصی مجالس میں برابر رشد و ہدایت کے دریا بہاتے اور حکمت و معرفت کے دُرِّ نایاب تقسیم کرتے رہتے تھے۔ نماز فجر کے بعد سے اشراق تک تقریر، چائے پینے اور کھانا کھانے کے وقت تقریر، اور بڑے دلچسپ انداز میں۔ اس کے بعد تھوڑا سا آرام کر کے ظہر کی نماز کے لئے مولانا مرکز کے حجرے سے باہر تشریف لے آتے، کھڑے کھڑے دینی گفتگو فرما رہے ہیں۔ اب تکبیر ہو گئی

صفوں کو درست فرما رہے ہیں۔ اب نماز پڑھا رہے ہیں۔ نماز سے فارغ ہو کر تقریر فرما رہے ہیں۔ تقریر سے فارغ ہو کر دعاؤں میں مشغول ہیں۔ اب حجرے کے اندر تشریف لے گئے۔ باہر کے آئے ہوئے وفود کے نمائندے بیٹھے ہوئے ہیں۔ سکوت کا عالم طاری ہے۔ سب گوش برآواز ہیں۔ مولانا نے ان کے سامنے توحید و معرفت، ایمان و یقین کی تقریر شروع فرمادی ہے ـــــ دین کی نصرت پر نصرتِ خداوندی کو بیان فرمایا جارہا ہے، عصر کی نماز کے بعد مرکز کے حاضرین اور آنے والے وفود کے سامنے پھر تقریر فرما رہے ہیں۔ مغرب تک یہ سلسلہ جاری رہتا۔ مغرب کے بعد خصوصی مجلس میں اپنے ارشادات خصوصی سے مستفیض فرما رہے ہیں، عشاء کے بعد کتاب سنا رہے ہیں۔ احادیث و آثار کی تشریح فرما رہے ہیں، سیرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور سیرت صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین جوش و خروش کے ساتھ بیان ہو رہی ہے۔ سیرت کے نازک نازک گوشے واضح فرمائے جارہے ہیں۔ سامعین کے ایمان میں تازگی پیدا ہو رہی ہے، دلوں میں عظمت اسلام کے نقوش قائم ہو رہے ہیں، تبلیغی کام کی برکات واضح ہو رہی ہیں، قرون اولیٰ سے دینی نقل و حرکت کا ثبوت بہم پہونچایا جارہا ہے۔ صبح سے رات تک پوری قوت و طاقت کے ساتھ تقریر کرتے کرتے آواز بیٹھ جاتی تھی پسینے پر پسینے آتے تھے۔ سینہ تھک جاتا تھا مگر جذب و کیف کے عالم میں دینی پیغام دیئے چلے جاتے تھے۔ آواز کی خستگی میں ایک عجیب دلکشی ہوتی تھی۔ ان کی محفل میں بسا اوقات ایک ہی دن میں آدمی کی کایا پلٹ ہو جاتی تھی، علم سے تعلق رکھنے والوں کو بہت ہی فائدہ محسوس ہوتا تھا، ان کے یہاں کی ایک دن کی حاضری کا کیف و سرور مہینوں باقی رہتا تھا۔ نماز بڑے سوز و گداز اور قلب کی تڑپ کے ساتھ پڑھاتے تھے۔ ان کا اللہ اکبر کہنا جو فضا کو مرتعش کر دیتا تھا کانوں میں گونج رہا ہے ـــــ ان کا دعا کے وقت سراپا تصویر عجز و نیاز بن جانا اور دل کی پوری توجہ سے اللہ تعالیٰ سے مانگنا امت مسلمہ کو دعا مانگنے کا سلیقہ سکھاتا تھا اور دعا کے اہتمام کی طرف متوجہ کرتا تھا

میں جب کبھی حاضر خدمت ہوتا اپنا غم غلط کرنے اور اپنے جذبات پژمردہ میں تازگی پیدا کرنے اور دعاؤں کی برکات حاصل کرنے کیلئے حاضر ہوتا۔ مجھے مولانا کے

مستجاب الدعوات ہونے کا تجربہ اور پورا یقین تھا۔

مولانا کے بعض وہ ارشادات بھی یاد آرہے ہیں جو احقر کی موجودگی میں احقر کو خطاب کرتے ہوئے فرمائے تھے، ۱۹۴۸ء میں حاضر ہوا تو پورے ذوق اور یقین کامل کیساتھ فرمایا

"یہ حالات باقی نہیں رہیں گے ہمیں امید ہے کہ اس ہندوستان میں پردۂ غیب سے کوئی نہ کوئی ایسا انتظام ہو گا جس سے دین حق کو ترقی ہو اور مسلمانوں کے جان و مال اور عزت و آبرو کا تحفظ ہو"

ایک مرتبہ حاضر ہوا تو فرمایا — آج خیر و شر، نیکی و بدی کا امتیاز تک باقی نہیں رہا اگر آج کے دور میں ہم سب مل کر یہ کام انجام دے لیں کہ امت خیر و شر میں امتیاز کرنے لگے تو بڑا کام ہو جائے — نمازوں کی تشکیل زکوٰۃ کا نظام، روزۂ رمضان کا اہتمام فریضۂ حج کے آداب کی تکمیل اور تمام اخلاقی اور معاشی سدھار کا مسئلہ آگے کا مرحلہ ہے۔

ایک مرتبہ فرمایا کہ ہم یہ چاہتے ہیں کہ بازار سے مسجد تک کا نظام اور مسجد سے بیت اللہ تک کا نظام درست ہو جائے، پھر اس کی تشریح فرمائی اور — نماز و حج کو صحیح ادا کرنے کی طرف توجہ دلائی۔

ایک مرتبہ نظام مسجد اور مسجد کے ذریعے امت مسلمہ کے اجتماعی مسائل کی تشکیل پر سیر حاصل گفتگو فرمائی، جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک اور صحابہؓ کے زمانہ پر سعادت کے واقعات عجب ترتیب کے ساتھ بیان فرمائے —

نہٹور ضلع بجنور کا گزشتہ سال کا اجتماع یوپی کے اجتماعوں میں ایک بڑا اجتماع تھا اس میں حضرت مولانا اپنے تمام رفقاء کے ہمراہ تشریف لائے تھے، عقیدت مندوں کے ہجوم نے بڑی دشواری پیدا کر دی تھی۔ ہر شخص چاہتا تھا کہ میں کسی نہ کسی طرح مولانا سے مصافحہ کر لوں۔ انتظاماً قیام گاہ پر بعض میواتیوں کا پہرہ لگانا پڑا پھر بھی قیام گاہ کے دروازے کی چٹخنی، داخلے کی بے محابا کوشش کرنے والوں کے ہاتھوں اکھڑ گئی تھی جب مولانا قیام گاہ سے جلسہ گاہ میں تشریف لاتے تھے مجمع آپ کے ارد گرد سمندر کی طرح موجیں مارتا ہوا نظر آتا تھا جس سے انتشار پیدا ہو جاتا تھا اور ضعیفوں کو تکلیف ہوتی بلکہ کچل جانے

کا بھی اندیشہ ہوتا تھا ــــ اجتماع کے دوسرے دن حضرت مولانا رات کے جلسے میں بھرائے وقت اسٹیج تک تشریف لائے تو بعد خطبہ مسنونہ تقریر کا آغاز کرتے ہوئے فرمایا کہ کیا تم مجھ ... (حمار کا ٹھیٹ ہندی ترجمہ) کو دیکھنے کیلئے آئے ہو؟ دیکھو میں یہ کھڑا ہوں ــ اگر میری بات سننے آئے ہو تو میری بات سنو۔ پھر جو تقریر فرمائی تو مجمع پر سناٹا چھا گیا، بیس پچیس ہزار کا مجمع خاموشی سے مولانا کی تقریر سن رہا تھا۔ غیر مسلم بھی بڑی تعداد میں آپ کی تقریر سننے آئے تھے، مولانا نے خالص انسانیت کے موضوع پر تقریر فرمائی، جس سے ہر ایک متاثر ہوا۔ انصاف وعدل کی صفت پر بھی روشنی ڈالی اور فرمایا کہ انصاف وعدل کے سلسلے میں مذہب یا پارٹی کا سوال پیدا کر کے ناحق کسی کی جنبہ داری اور طرف داری نہیں کی جائے گی، بڑی تفصیل سے اس موضوع پر تقریر فرمائی۔

مرادآباد میں آخری تشریف آوری کے موقع پر وہاں مدارس میں پہنچ کر علماء و طلباء کو جو پیغامات دیئے وہ بھی یاد رہیں گے۔ مدرسہ شاہی کا اجتماع عوام اور علماء و فضلاء کے مجمع کے لحاظ سے اتنا عظیم تھا کہ حضرت شیخ الاسلام (مولانا سید حسین احمد مدنی) رحمۃ اللہ علیہ کے بعد سے آج تک وہاں اتنا بڑا اجتماع نہ ہوا تھا۔ حضرت مولانا سید فخر الدین محدث مدظلہ نے بخاری شریف ختم کرائی اس کے بعد مولانا نے تقریر فرمائی اس تقریر میں علماء، وطلباء، کو بصد احترام ان کے فرائض منصبی کی طرف متوجہ فرمایا اور درس وتدریس کی اہمیت کو واضح کیا ــــ وہاں کی تقریر اس قدر جامع اور بصیرت افروز تھی کہ اگر ہمارے مدارس عربیہ اس پر عمل پیرا ہو جائیں تو ان میں دوبارہ بہار تازہ آجائے اس موقع پر مولانا نے ان بعض شبہات اور اشکالات کا جواب بھی دیا جو بعض اصحاب مدارس کی زبان پر نیک نیتی کے ساتھ تبلیغی کام کی نقل وحرکت کے سلسلے میں آتے رہتے ہیں؛

مرادآباد سے امروہہ تشریف لائے وہاں مدرسہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد میں ختم بخاری کے بعد علماء، وطلباء، اور شہر کے باشندوں کے سامنے موضوع علم پر سیر حاصل تقریر فرمائی۔ آغاز کلام میں جو بات فرمائی اس کا مفہوم تقریباً یہ تھا کہ ایک علم کا صحیح ہونا ہے اور ایک صحیح علم کا استعمال صحیح ہونا ہے۔ اگر علم صحیح ہوا اور اس کا استعمال صحیح

نہ ہو تو یہ بھی خسارے کی بات ہے۔ یہ ایک الہامی اور معرکۃ الآرا تقریر تھی جس نے تمام حاضرین کو بڑا فائدہ پہنچایا۔ یہ آخری تقریر تھی جو میں نے حضرت مولانا کی زبان سے سنی تھی۔ پھر اس کے بعد موقع ہی نہ ملا کہ حضرت مولانا کے ارشادات سے مستفیض ہوتا۔

باتیں تو بہت سی یاد آتی ہیں مگر میں اتنے ہی پر اکتفا کرتے ہوئے آخر میں چاہتا ہوں کہ حضرت مولانا کی چند خصوصیات کا ذکر کرکے اپنے اس مقالے کو ختم کروں۔

۱۔ بغیر کسی لمبی چوڑی تمہید کے تقریر میں اصل مقصد کو قوت کے ساتھ پیش فرماتے تھے۔ اللہ کی ذات پر پورا بھروسہ تھا۔ بار بار فرماتے تھے کہ اللہ سے سب کچھ ہوتا ہے، چیزوں سے کچھ نہیں ہوتا۔ چیزیں نفع و نقصان پہونچانے میں اللہ کی محتاج ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو کسی چیز کی احتیاج نہیں۔ کلمہ طیبہ کی تفسیر و تشریح وجد انگیز انداز میں بیان فرماتے تھے ـــــ اتباع رسولؐ کی اور نقشِ قدم صحابہؓ پر چلنے کی پرزور دعوت دیتے تھے، ان کی تقریر میں ایک محدث و مفسر ایک صوفی و درویش ایک مفکر و مورخ کا ملا جلا انداز ہوتا تھا۔

۲۔ مایوسی کو کبھی اپنے اندر آنے نہیں دیا ـــــ عالی حوصلگی اور نصب العین کی بلندی کی طرف رہنمائی فرماتے رہتے تھے، ہندوستان کے مسلمانوں کی ڈھارس بندھانے والے چند اکابر میں حضرت مولانا کی ذات عالی بھی تھی۔

۳۔ دعاؤں کا خاص اہتمام تھا ـــــ دعا مانگتے وقت مجسم دعا بن جاتے تھے، مولانا نے اپنے اہتمام دعا سے دعا کی اہمیت و عظمت کی بے شمار دلوں میں قائم کرنے کی صورت پیدا کی۔ حضرت مولانا کے دعا مانگتے وقت قلب پر عجیب سکون طاری ہوجاتا تھا۔

۴۔ مولانا قدیم و جدید دونوں حلقوں میں مقبول تھے۔ ان کی معلومات کا حلقہ بہت وسیع تھا ـــــ ان کی تقریر سے ایک عالم اور عامی کاشتکار و دستکار اور ایک سائنس داں اور انجینیر مساوی مستفیض ہوتے تھے۔ آپ نہ صرف مذہبی و روحانی تقریر کرتے تھے بلکہ حسب موقع خصوصی مجلسوں میں اقتصادیات، معاشیات تعلیمات اور سیاسیات کے مسائل بھی حل فرماتے تھے اور اس کے نقشے اور خاکے بتاتے جاتے تھے، مگر یہ سب مضامین اسلام کی تعلیمات، سیرت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور

کردار صحابہؓ کی روشنی میں بیان ہوتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ جدید تعلیم یافتہ طبقہ اور ذہنی اعتبار سے علوم جدیدہ سے متاثر اشخاص آپ کی شخصیت سے بہت متاثر ہوتے تھے اور بالآخر دلی اطمینان کے ساتھ دینی کام میں نمایاں حصہ لینے لگتے تھے۔ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے بہت سے طلبا کی اخلاقی و روحانی ترقی میں مولانا کے اس کمال کا بہت بڑا دخل ہے۔

۵۔ مولانا دوسروں ہی سے دینی نقل و حرکت کرنے اور باہر نکلنے کے لئے نہیں فرماتے تھے خود بھی حسب ضرورت مرکز سے باہر رہتے تھے اور مہینوں باہر گزارتے تھے حالانکہ مرکز میں ان کی موجودگی کی ضرورت کچھ کم نہ تھی۔ ہندوستان و پاکستان کے متعدد شہروں، قصبوں دیہاتوں میں عام اجتماعوں اور مدارس و مراکز کے خصوصی مجمعوں میں اپنا دینی پیغام پہونچاتے رہے۔ چنانچہ مسافرت اور غریب الوطنی کے عالم ہی میں دین کی جد و جہد کرتے ہوئے ان کی روح اعلیٰ اعلیین کو سدھاری ۔۔۔ حج کا فریضہ بھی کا ادا کر چکنے کے بعد نفلی حج اور عمرے کے لئے جماعتیں لے لے کر کئی مرتبہ حجاز مقدس پہونچے اور وہاں عالم اسلامی کے اجتماع سے دینی فائدہ اٹھایا، ملکوں کیلئے جماعتیں وہاں سے روانہ کیں۔ مقدس مقامات میں دنیا کے مسلمانوں کیلئے عموماً اور ہندوستان کے مسلمانوں کیلئے خصوصاً خیر و عافیت اور دینی و روحانی ترقی کیلئے دعائیں کیں، اپنی جد و جہد کے ذریعہ عالم اسلامی سے ایک خاص رابطہ پیدا کیا۔

۶۔ اپنے اکابر کے ساتھ والہانہ اور خادمانہ انداز رکھتے تھے۔ بالخصوص حضرت شیخ الاسلام حضرت اقدس رائے پوریؒ سے انتہائی محبت و عقیدت تھی۔ ان دونوں بزرگوں کی جدائی سے مولانا کو جو صدمہ ہوا تھا اس کو بیان نہیں کیا جا سکتا۔

اللہ تعالیٰ سلامت رکھے حضرت شیخ الحدیث مدظلہ کو ان سے قریبی رشتے داری کے علاوہ جو قلبی اور روحانی تعلق تھا اس کی نظیر موجودہ زمانے میں مشکل سے ملتی ہے۔ آج کے دور میں بزرگوں کے ساتھ یہ محبت، یہ سعادت مندی، یہ خلوص اور یہ جذبۂ تعظیم و تکریم بہت کم دیکھنے میں آتا ہے۔

۷۔ مولانا اپنے والد ماجد سے تعلق رکھنے والے تمام حضرات کا اور پرانے کارکنوں

کا بڑا احترام اور اعزاز فرماتے تھے۔ نیز مرکز کے تمام رفقاء اور بیرون مرکز کے تمام کام کرنے والوں سے جن میں امیر بھی تھے غریب بھی۔ عالم بھی تھے عوام بھی۔ تاجر بھی تھے کاشتکار بھی۔ یونیورسٹی، کالج اور اسکولوں کے اساتذہ بھی تھے اور طلباء بھی' اسلامی مدارس کے معلمین بھی تھے اور متعلمین بھی۔ دفتر کے ملازمین بھی تھے اور ڈاکٹر و انجینیر بھی۔ سب سے بڑی شفقت اور محبت سے پیش آتے تھے، سب کام کرنے والوں کی طرف سے اپنا سینہ اور دل صاف رکھتے تھے اور اس کا اہتمام کرتے تھے، اگر کسی کی کوتاہی معلوم بھی ہو گئی تو حکمت عملی سے اس کا تدارک فرماتے تھے۔

مختلف مزاج اور مختلف کاروبار کے لوگوں کو یوں جوڑے رکھنا بغیر روحانیت اور نفسیات کی مہارت کے مشکل ہے۔

۸۔ مولانا نے تبلیغی کام چلانے کیلئے کبھی مادی ذرائع اور روپے پیسے کا سہارا تلاش نہیں کیا۔ بزرگان ملت کے طریقے اور اپنے خاندانی متوکلانہ و درویشانہ روایات پر قائم رہے۔ فتوحات کے طور پر بھی جو کچھ آیا اس میں سے اپنے اور اپنے اہل و عیال پر بہت کم اور صرف بقدر کفاف اور دینی جدوجہد کی ضروریات اور مستحقین پر بہت زیادہ صرف کیا۔ انکے لنگر کا خرچ اتنا تھا کہ کسی ریاست کا خزانہ بھی اس کیلئے کفایت نہ کرتا۔ یہ کام غیب سے ہوا اور آج بھی ہو رہا ہے۔

۹۔ سیاسی اور فروعی اختلافات کی وجہ سے اہل سنت و جماعت میں جو تفریق ہو گئی ہے اس کو اپنی حکمت عملی سے کم سے کم کرنے کی کوشش فرمائی۔ تبلیغی کام پر معاندین نے سخت سے سخت تنقیدیں کیں اور چھوٹے بڑے رسالے لکھے مگر مولانا نے ان پر کبھی توجہ نہ کی نہ جواب دینے کی ضرورت محسوس فرمائی بلکہ اختلافات کی وسیع خلیج کو پاٹنے کی متواتر کوشش فرماتے رہے جس میں بہت کچھ کامیابی ہوئی۔

۱۰۔ ہند اور بیرون ہند میں کام کی اتنی اشاعت ہو جانے اور آپ کی شخصیت اتنی معروف و مشہور ہو جانے کے بعد بھی کبھی آپ نے خود تو کیا کسی دوسرے کو بھی اجازت نہ دی کہ ان کی شخصیت کی طرف دعوت دی جائے اور لوگوں کو ان کے حلقہ بیعت میں

داخل کیا جائے۔ آپ نے سب حلقوں کا اکرام کیا، سب مشائخ کا اعزاز کیا، سب مدارس کو اپنا سمجھا، سب
علماء کی تعظیم و تکریم کی، اپنے معاصرین سے چاہے وہ دین کے کسی شعبے میں کام کر رہے ہیں اچھے تعلقات
رکھے، اپنے طرز عمل سے کسی کو شکایت کا موقع نہ دیا۔ عام و خاص مسلمانوں کے جس اکرام کی اور امت کے مختلف
طبقات کو باہم قریب کرنے کی وہ مسلمانوں کو جو تعلیم دیتے تھے خود انکی ذات اسکا بہترین نمونہ تھی۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مولانا کو اعلیٰ مقام نصیب فرمائے اور ان کے صاحبزادے میاں محمد ہارون
سلمہٗ اور انکے جانشین حضرت مولانا انعام الحسن کاندھلوی مدظلہٗ اور دیگر رفقاء کو صحت و عافیت کے
ساتھ دینی کام کرنے کی زیادہ سے زیادہ توفیق عطا فرمائے اور حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا
مدظلہٗ کو نیز تمام اکابر کو تا دیر ہمارے سروں پر قائم رکھے (آمین)

حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ
ارشادات کے آئینے میں

——— از حضرت مولانا مفتی زین العابدین صاحب (لائل پور)

[ہمارے بہت سے ناظرین حضرت مفتی صاحب سے شاید واقف نہ ہوں، آپ پاکستان کے معروف علماء و اصحاب فتویٰ میں سے ہیں، تبلیغی کام سے آپ کا تعلق بہت عمیق اور قدیم ہے، اس کام ہی کے سلسلے میں چند سال آپکا قیام حجاز مقدس میں بھی رہا ہے۔ حضرت مولانا محمد یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خاص معتمدین میں سے تھے اور حجاز مقدس کے سفروں اور پاکستان کے دوروں میں عموماً حضرت مولانا مرحوم کے ساتھ رہتے تھے۔]

الحمد للہ وحدہٗ والصلوٰۃ والسلام علیٰ من لا نبی بعدہٗ

حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دفعہ ارشاد فرمایا تھا کہ "کام یہ ہے کہ کام کرنے والے کا اس ذات پر یقین قائم ہو جائے جس کے کرنے سے کام ہوگا، یعنی اللہ جل جلالہٗ کی ذات پر، اور اسکی حیثیت کام کرنے والے پر ایسی منکشف ہو کہ اپنی ذات اور کوئی دوسری ذات دکھائی نہ دے دوسرا یقین یہ ہو کہ جب میں ظاہر و باطن سے حضورؐ کے طریقوں پر آجاؤں گا تو رب العزت دنیا و آخرت میں اچھے حالات لائے گا"

حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ کی ذات میں یہی یقین اتنا نمایاں نظر آتا تھا کہ معمولی استعداد کا آدمی بھی محسوس کر لیتا تھا کہ اس خدا کے بندے کے نزدیک حکومت، مال و دولت، اکثریت اور کسی بھی طاقت سے قطعاً کچھ نہیں ہوتا ———

ایک دن ڈھاکہ میں وہاں کے خواص کے ایک اجتماع میں فرمانے لگے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سوال کے جواب میں اتنا فرمایا تھا کہ کل بتاؤں گا اس پر وحی آئی "وَلَا تَقُولَنَّ لِشَيْءٍ إِنِّي فَاعِلٌ ذَٰلِكَ غَدًا إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ" اور تمہاری زبان پر ہر وقت یہی رہتا ہے کہ ہم نے یہ کیا ہم یہ کر رہے ہیں اور ہم یہ کر دینگے، وہ کر دینگے، حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ تم اگر مرنا چاہو تو اپنے ارادے سے مر بھی نہیں سکتے۔ تخلیق کی صفت صرف خالق میں ہے، پوری مخلوق اپنی پیدائش، تربیت اور بقا میں ہر ہر مرحلہ پر خالق کی محتاج ہے۔

ایک دفعہ تقریر کے بعد ایک صاحب نے کہا حضرت یہ کام تو اچھا ہے مگر عالم میں پھیلا ہوا بگاڑ اس سے کیسے درست ہو گا؟ اس پر فرمایا، اگر میرے آپ کے یا جماعت کے کرنے پر ہوتا تو سوچنے کی بات تھی جب خدا کے کرنے سے ہونا کہہ رہا ہوں تو پھر اشکال کیا ہے، کیا یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ یہ کام خدا کیسے کرے گا؟

ایک دفعہ فرمایا تم حضورؐ کے نمونہ پر بننا شروع کر دو جتنا بننا ہو گا بن جائے گا اور جو بننے والا نہیں ہو گا اور بننے والوں کیلئے رکاوٹ بنے گا خدا اسے اس طرح توڑ دے گا جیسے انڈے کے چھلکے کو توڑ دیتا ہے، تم جن کو بڑی طاقتیں کہتے ہو خدا کے نزدیک انکی حیثیت مکڑی کے جالے کے برابر بھی نہیں ہے۔ اس دنیا میں پاکیزہ انسانوں کے نہ ہونے کی وجہ سے مکڑیوں کے بڑے بڑے جالے لگ گئے تھے جب حضورؐ کی سعی سے پاکیزہ انسان بن گئے تو خدا نے عذاب کی ایک جھاڑو سے روم و فارس کے جالے صاف کر دیئے تھے، بالکل یہی صورت روس و امریکہ کی ہو گی۔

ایک دفعہ فرمایا ایٹم سے ڈرنا ایسا ہی ہے جیسے مشرکین اپنے پتھر کے بتوں سے ڈرتے اور امید رکھتے تھے، ایٹم اور ایٹم والوں کی گردنیں قدرت کے ہاتھ میں ہیں، ایٹم سے وہ ہو گا جو خدا چاہے گا۔ فرعون بھی "وَهَٰذِهِ الْأَنْهَارُ تَجْرِي مِنْ تَحْتِي" کہا کرتا تھا مگر خدا نے اسی پانی کو اس کے غرق و بربادی کا سامان بنا دیا۔

۵؎ ترجمہ۔ اور کسی چیز کے لئے ہرگز یہ نہ کہو کہ میں یہ کل کروں گا مگر یہ کہ اللہ چاہے۔ یعنی یوں کہنا چاہیئے کہ اللہ نے چاہا تو کر دوں گا۔ الفرقان

حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ کے دل کی گہرائیوں میں خدائے ذوالجلال کی صمدیت کا یقین اتنا بھرپور معلوم ہوتا تھا کہ ان کے نزدیک ہر زمانے کے کائناتی اسباب کا وجود و عدم برابر تھا۔ فرماتے تھے جب کچھ نہ تھا خدا نے سب کچھ بنا دیا اور آخر میں کچھ نہیں رہے گا اور پھر سب کچھ بنائے گا۔ وہ پیدا کرنے میں ماں باپ کا محتاج نہیں ہے۔ آدم علیہ السلام، حوا علیہا السلام اور عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش اس کی دلیلیں ہیں، نیز قیامت کے دن بارش ہوگی اور انسان زمین سے انگوریوں کی طرح نکلتے چلے آئینگے۔ وہ چاہے تو سامان ہلاکت و ذلت کو ہی سامان تربیت و عزت بنا دے۔ ابراہیم علیہ السلام کیلئے آگ کو، یونس علیہ السلام کیلئے مچھلی کے پیٹ کو، اسمٰعیل علیہ السلام کیلئے زندگی سے اسباب سے خالی لق و دق بیابان کو، یوسف علیہ السلام کے لئے جبل کو اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے غار ثور کو حفاظت، عزت اور تربیت کا سامان فرما دیا۔

فرماتے تھے، میں دنیا کو دارالاسباب مانتا ہوں مگر انسانوں کی اجتماعی انفرادی کامیابی سکون، تمکن، محبوبیت، مرجعیت، قوت اور تمام اچھے حالات کا واحد سبب حضورؐ کی آمد کے بعد صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود اطہر سے صادر ہونے والے اعمال ہیں، جب کسی فرد، خاندان طبقہ، جماعت، قوم یا ملک میں حضورؐ والے اعمال آجائیں گے خدا ان کو دارین میں کامیاب کرے گا چاہے ان کے پاس کائناتی اسباب ہوں یا نہ ہوں۔

یہ ہمیں ٹریا میں مدرسہ میں بخاری کے ختم پر فرمایا "بھائیو، آپ نے بخاری ختم کی، علم حاصل ہوا، اب اسی علم پر تین مقصدوں کے لئے محنت ضروری ہے۔ اس علم کے مطابق اپنے اندر کا یقین اس علم کے مطابق عمل۔ اور اس یقین و عمل کو عالم میں پھیلانا۔ حضورؐ کے لائے ہوئے علم پر ان تین پہلوؤں پر ابتداء میں محنت کی گئی تو اس زمانہ کے کائناتی نقشوں پر چلنے والا باطل روم و فارس پاش پاش ہو گیا اور آخر میں دجال اپنی ذات سے اتنی بڑی طاقت کا مظاہرہ کرے گا کہ اس کے مقابلہ میں موجودہ طاقتیں کچھ بھی نہیں ہیں۔ اس وقت مہدی علیہ السلام زمین سے اور عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے آئیں گے اور من و عن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ کے مطابق اس علم پر محنت کریں گے اس پر اللہ جل جلالہ اس دجالی طاقت کو ہلاک کر دے گا اور جب پہلے یہ ہو چکا اور آخر میں بھی یہ ہوگا تو پھر یہ وسوسہ کیوں ہو کہ درمیان میں کیسے ہو سکے گا، آج بھی وہ سب کچھ ہو سکتا ہے

بشرطیکہ ایک معتد بہ طبقہ اس علم پر حضورؐ اور صحابہ کی طرح محنت کر ڈالے، حضورؐ سے صادر ہونے والے اعمال کو خدا نے ایٹم سے زیادہ طاقتور بنایا ہے اور ایک ایک عمل کو عالم میں تغیر کا ذریعہ بنایا ہے۔ صلوٰۃ الاستسقاء زمین کے حالات میں تغیر کا ذریعہ ہے صلوٰۃ الکسوف اور صلوٰۃ الخسوف چاند و سورج کے حالات بدلنے کے لئے ہے، دعا اور صلوٰۃ الحاجہ ہر قسم کے انفرادی، اجتماعی ناموافق حالات بدلنے کے لئے ہے، حضورؐ کی انگلی کے اشارہ سے چاند کے دو ٹکڑے کراکے بھی ظاہر کیا گیا کہ حضورؐ سے صادر ہونے والا عمل اتنا طاقتور ہے اور یہ اشارہ حضورؐ کا تکوینی عمل تھا۔ تشریعی عمل اس سے بھی طاقتور ہیں۔ اس وقت حکومتی نقشوں والوں کی منت خوشامد ہو رہی ہے کہ ہمارا علم چلا دو۔ میں کہتا ہوں قرآن و حدیث ان کی منتیں کرنے نہیں آیا، قرآن تو ان نقشوں والوں کے وجود و عدم اور ذلت و عزت کے فیصلے کرنے آیا ہے۔

اسی کے ساتھ حضرت جیؒ کی ایک ایک بات سے اس کامل یقین کا بھی ظہور ہوتا تھا کہ حضورؐ والے اعمال کے بغیر کبھی بھی دنیا و آخرت میں کامرانی نصیب نہیں ہو سکتی چاہے کائناتی اسباب کتنے ہی ہاتھ آجائیں، بلکہ کائناتی اسباب حکومت، تجارت، زراعت وغیرہ میں جب تک حضورؐ والے اعمال کی روح نہ آجائے یہ اسباب مردہ ہیں۔ اور یہ بھی فرماتے تھے کہ جو انسان خالق کائنات اور اصل کائنات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جانے اور مانے بغیر کائنات کی چیزوں میں گھستے ہیں ان کی حیثیت چوروں اور ڈاکوؤں کی ہے انھیں مال و دولت تو مل سکتے ہیں مگر سکون و محبوبیت ہرگز ہرگز نہیں مل سکتی ____ اور یہ بھی فرماتے تھے کہ خود کائنات کی بقا صرف اسی وقت تک ہے جب تک اس میں حضورؐ کے اعمال موجود ہیں، جب ان کے اعمال میں سے کوئی بھی عمل نہ رہے گا اس وقت اس مردہ کو دفن کر دیا جائے گا اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ۔ الآیہ

اور اسی بنیادی یقین کی بنا پر فرماتے تھے کہ نماز صرف اعمالِ نبوت کا مجموعہ ہے اسے تمام کائناتی اعمال کو چھوڑ کر بلکہ ان سے دور ہو کر مسجد میں ادا کرنے کا حکم ہے اور نماز میں کائناتی اعمال تجارت وغیرہ کو صرف چھوڑنے کا حکم نہیں، بلکہ نماز میں ان کا خیال کرنا بھی ممنوع قرار دیا گیا اور پوری کائنات سے یکسوئی والے عمل کی طرف "حَیَّ عَلَی الْفَلَاح" سے پکارا گیا، یہ عمل گویا اس یقین کی مسلسل مشق کراتا ہے کہ کامیابی کا دارومدار صرف اعمال نبوت پر ہے اور اعمال نبوی کے

ساتھ اس درجہ یقین رکھنے والے کو جو شغف اور اہتمام علوم نبوی کے ساتھ ہو سکتا ہے وہ مخفی نہیں ہے۔

ایک دفعہ علما کے تعلیمی حلقے کے ختم پر فرمایا جس میں حضرت مولانا عبد الحق مدنی رحمۃ اللہ علیہ بھی موجود تھے، کہ ہم یہ نہیں چاہتے کہ بخاری پڑھانے والوں کو التحیات یاد کرانے پر لگا دیں مگر ہم تو چاہتے ہیں کہ التحیات یاد کرانے کی بخاری پڑھانے والوں کے نزدیک بھی انتہائی اہمیت ہو اسلئے کہ یہ بھی حضور کے علوم میں سے ایک علم ہے۔ اسے غیر اہم سمجھنے والا کہیں کا نہ رہے گا۔ اور یہ بھی چاہتے ہیں تعلیم کا یہ درجہ بھی ماہرین بخاری کی نگرانی میں ہو، اسی بنا پر حضرت جیؒ انتہائی اہتمام سے تمام چھوٹے بڑوں سے چاہتے تھے کہ تعلیم کے حلقوں میں بیٹھیں اور انتہائی احترام و توجہ سے سنیں۔

ایک دفعہ فرمایا کہ جب قرآن پڑھنے یا سننے بیٹھو تو یوں سمجھو خدا مجھ سے مخاطب ہے اور جب حدیث پڑھنے یا سننے بیٹھو تو یوں سمجھو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے مخاطب ہیں۔

ایک یہ بات بھی حضرت جیؒ کے لئے آفتاب نیمروز کی طرح ظاہر اور بدیہی اور ناقابل شک تھی کہ جب تک مذکورہ بالا یقین اور علم نبوت کے مطابق عبادات درست نہ ہو جائیں اخلاق نہیں آتے اور جب تک ہم میں اخلاق نہیں آئیں گے دوسروں میں دین نہیں پھیلے گا۔ اور فرماتے تھے لغرض کے لئے کسی سے کوئی سلوک کرنا اخلاق نہیں ہے بلکہ کوئی کام بھی جب تک اس میں اخلاص نہ ہو اس کی قطعاً کوئی قیمت نہیں ہے۔ ایک دن ایک مجلس سے اٹھے اور میرے کندھے پر ہاتھ رکھ کر فرمایا مفتی صاحب عمل اخلاص کے بغیر مردار ہی تو ہے اور دیکھو گھروں، بازاروں، دفتروں، یہاں تک کہ مدارس و مساجد میں بھی ایسے مرداروں کے ڈھیر لگ رہے ہیں۔

۳۱ مارچ ۱۹۶۵ء (چہار شنبہ) کی صبح وصال سے صرف دو دن پہلے فرمایا۔ اللہ کی رضا کے علاوہ کسی بھی نیت سے عمل کرنا نفسانیت ہے۔ مال مل جائے، مال بڑھ جائے، لوگ تعریفیں کریں بڑا بن جاؤں، شہرت مل جائے، عہدہ مل جائے، مرجع بن جاؤں، میری بات چلنے لگے، میری حیثیت مانی جائے، میری رائے پوچھی جائے، ان اغراض کیلئے عمل کرنا ہرگز اخلاص اور للہیت نہیں ہے، یہاں تک کہ مخلصین خدا کے وعدوں پر یقین رکھتے ہوئے اس موعود کیلئے بھی عمل نہیں کرتے اس لئے کہ موعود موعود ضرور ہے مگر مقصود نہیں، اور جو موعود کو مقصود بنا کرتے ہیں وہ موعود ہی پا میں

پھنس جاتے ہیں اور جو لوگ صرف رضاء الٰہی کو مقصود بنا کر چلتے ہیں ان پر جب خدا کے مواعید پورے ہوتے ہیں اور مال و ملک کی نعمتیں ملتی ہیں تو وہ ان کو اپنی ذات پر خرچ کرنے کے بجائے دین کی اشاعت اور مخلوق خدا پر محض رضاء الٰہی کیلئے خرچ کر دیتے ہیں جیسے صحابہ کرام نے کیا تھا۔

ادھر کئی سال سے حضورؐ کی معاشرت پر نہایت اچھوتے اور محبت بھرے انداز میں تفصیلی گفتگو فرماتے تھے اور اس کے مقابل جب موجودہ معاشرت کا ذکر آتا تو معلوم ہوتا کہ اس معاشرت کی ایک ایک چیز میں انھیں کیسے مفاسد نظر آتے ہیں۔ اور بعض چیزیں ایسی غلاظت ہیں کہ ان سے انھیں گھن آ رہا ہے۔

ایک دفعہ فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی معاشرت کی بنیاد پاکیزگی، سادگی اور حیا پر ہے اور یہود و نصاریٰ کی لائی ہوئی معاشرت کی بنیاد بے حیائی، اسراف اور تعیش پر ہے۔ تمہیں ان کی معاشرت پسند آنے لگی جنھوں نے تمہارے اسلاف کے خون بہائے، عصمتیں لوٹیں، ملک چھینے۔ اور اب بھی تمہیں امداد دے کر اس طرح پال رہے ہیں جس طرح تم مرغیاں پالتے ہو (یعنی ذبح کرنے کیلئے) اور جس نے تمہارے لئے خون بہایا دانت شہید کرائے، حمزہؓ جیسے چچا شہید کرائے، تمہارے لئے راتیں جاگ کے گزاریں انکی معاشرت تمہیں پسند نہ آئی دوستو حضورؐ کی معاشرت بھی قیامت تک کیلئے ہے جیسے انکی نبوت قیامت تک کیلئے ہے۔ جب تم میں نور ایمان آئے گا تو تمھیں حضورؐ کی معاشرت کی ایک ایک چیز پیاری لگے گی۔

دعوت کے عمل کو حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ تمام اعمال نبوی سے زیادہ طاقتور اور انبیاء کا مقصد حیات یقین کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ یہ انبیاءؑ کا خاص الخاص عمل ہے انبیاء والی مددیں اسی عمل کے ساتھ ہیں بشرطیکہ یہ عمل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ پر ہو۔

حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ اس عمل کیلئے ہر طرح کی انتہائی قربانیاں چاہتے تھے اور تدریجاً بڑھنے کی دعوت دیتے تھے اس وقت عام دعوت یہ تھی کہ وقت کا تہائی حصہ یعنی ہر سال میں چار مہینے بیرونی نقل و حرکت میں صرف کئے جائیں باقی آٹھ مہینے اپنے مقام پر اسطرح گزارے جائیں کہ آدھا وقت مسجد اور اسکے اعمال میں صرف ہو اور باقی آدھا وقت گھر اور اسکی ضروریات کو دیا جائے ۔۔۔ ایک دفعہ پرانور سے فرمایا اس کام کو اصل کام بناؤ اور بقیہ کاموں کو اسکی سلوٹ میں کرنا سیکھو اور چاہتے تھے کہ ہر گھر، ہر محلہ، ہر شہر، ہر ملک اس دعوت کا میدان بنے۔ خدا کا احسان ہوا کہ انکی دعوت پر کچھ حصوں پر تھوڑے لوگوں نے لبیک کہا، رب کریم مرحوم و مغفور کی وہ ساری آرزوئیں پوری فرمائے جو انکے پاکیزہ دماغ میں آئیں۔ آمین وما ذالک علی اللہ بعزیز۔

صدیقِ وقت یوسفِ اقلیمِ دین و دعوت[له]

(نور اللہ مرقدہٗ)

(از جناب مولانا محمد اشرف خاں صاحب ایم ۔ اے ، صدر شعبہ عربی اسلامیہ کالج پشاور)

درمیانِ کارزارِ کفر و دیں　　ترکشِ ما را خدنگِ آخریں

عالم کی سب سے بڑی متاع انسان ہے لیکن ہر زمانہ میں "انسان" کی یافت و معرفت ہی بنی آدم کے لئے سب سے مشکل مسئلہ بنی رہی ہے ۔ وہ مخلوق جو انسان کے نام سے موسوم ہے لیکن انسان کے جواہر اصلیہ سے محروم ہے، انکا تذکرہ نہیں، بات اس انسان کی ہے ۔ جو خلیفۃ الٰہی، نائب حق، مظہر صفاتِ الٰہیہ، عبدیت و اخلاق کا پیکر، احکام ربانی کا حامل اور اپنی ذات و صفات و اعمال کے لحاظ سے عالم کے لئے سراپا رحمت و ہدایت، باعث برکت و خیر ہو جس کی زندگی عالم کی حیات اور جس کی موت عالم کی موت ہو، جو خدا کا ہو جس کا دل جمال و کمال الٰہی کے نور سے روشن اور جس کی پیشانی للٰہیت، انابت الی اللہ اور معیت ربانی سے منور ہو جس کی صحبت ہدایت کا نور بکھیرتی ہو جس کا دل دلوں کو زندگی بخشتا ہو جس کی روح سے روحیں زندہ ہوتی ہوں، جس کا اُسوہ اپنے اندر صحبت نبوت کا پرتو لئے ہو، جس کی زندگی "اِنَّ صَلٰوتِی وَنُسُکِی وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِی لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَبِذٰلِکَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ" کا عملی ثبوت ہو، جو مخلوق کا نہ ہو، خالق کا ہو، مخلوق کا طالب نہ ہو، مخلوق سے اپنے نفع و ضرر کو حقیقتاً

[له] یہ "مجالہ" ناگزیر حالات کی بنا پر انتہائی روا روی میں قلم برداشتہ املا کرایا گیا ہے اسلئے جیسے لکھنا چاہتا تھا وہ صورت نہ ہو سکی تاہم جو ہوا خدا کی توفیق سے ہوا ۔ والحمد للہ علیٰ ذالک ؎

طوفانِ اشک لانے سے اے چشم فائدہ　　دو اشک بھی بہت ہیں اگر کچھ اثر کریں

متعلق نہ سمجھتا ہو، وہ ہر غیر سے قطعاً بے نیاز اور صرف ایک ذاتِ الٰہی کا نیاز مند ہو۔ اسکی امنگیں، امیدیں، تمنّا، آرزوئیں، آہیں، نالے، سوز و گداز، بے چینیاں اور بیقراریاں کوشش و محنت، سعی و جستجو، سوچ و فکر، سکوت و تکلم، قول و عمل، صرف ایک ذاتِ پاک و بے ہمتا خالق و مالک کے لئے ہو کر رہ گئی ہو اسکا حال لَا اُحِبُّ الْاٰفِلِیْنَ کی عملی تصویر ہو اور اسکا دل ابراہیم خلیل کی طرح خلّتِ ربانی کا ذوق آشنا۔ اس کا یقین محکم و ایمانِ کامل شکوک ریب، بے یقینی اور نفاق کے تو بر تو پردوں کو چاک کرنے والا، بے یقینوں کو یقین دلانے والا، بے راہیوں کو راہ میں بنانے والا اور دلوں کی ظلمتوں کو کافور کرنے والا ہو، وہ اپنی راہ نبوت کی بتائی ہوئی روشنی میں طے کرتا ہو، زمان و مکان سے متاثر نہ کرتا ہو۔ وہ تفرید و تجرید کے اس مقام پر فائز ہو، جہاں "غیر" کلی طور پر مضمحل و محجوب ہو جاتا ہو اور جہاں ہر چیز اللہ تعالیٰ سے ہوتی نظر آتی ہے۔ اسکے لئے مخلوق اور مخلوق پر وارد ہونے والے احوال و تصرفات ایک ہی مصدر الامور اور مکون السمٰوات والارض کی مختلف تجلیات و افعال کا ظہور و صدور ہوں، وہ عالم کے ہر تصرف اور کائنات کی ہر حرکت و سکون میں خالق و آمر حقیقی کا غیر مرئی ہاتھ کارفرما پاتا ہو۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کے نظام تشریعی و تکوینی کی مصلحتیں اور حقیقتیں اس پر بقدر عطاء رب کھل چکی ہوں، نظام تشریعی کی حقیقت نے اس پر واضح کر دیا ہو، کہ تکوینیات کے اوامر تشریعیات کے متعلقہ امور کے نتائج و ثمرات ہوتے ہیں اسلئے شریعت مطہرہ کی عظمت اور انبیاء علیہم السلام خصوصاً افضل الانبیاء سید الرسل حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے اعمال کے جزو و کل کی قیمت و اہمیت اس پر اس طرح منکشف ہو چکی ہو کہ چھوٹی سے چھوٹی سنت اور حیاتِ نبوی کے معمولی سے معمولی عمل کو وہ پوری کائنات سے زیادہ وسیع و قیمتی سمجھتا ہو، جس کیلئے ایک سنت کا ٹوٹنا قیامت ہو، جان دینا گوارا ہو لیکن طریقۂ نبوت کا اضمحلال برداشت نہ ہو سکے اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کیطرح وہ قولاً و عملاً پکار رہا ہو "اینقص الدین وانا حیٌّ" ایسی شخصیت کا ملنا (بقول شاہ ولی اللہ) کبریتِ احمر اور اکسیرِ اعظم سے کم نہیں، ایسے انسان کی جستجو کے متعلق عارف رومی نے کہا ہے ؏

کز دام و دد ملولم و انسانم آرزوست

ایسے انسان کامل کی یافت، دل کا چین، روح کا سکون، اور ہر بیماری کا علاج ہے اسکا ملنا ہی شکوک ریب کے اندھیروں کو اجالے سے بدل دیتا ہے اور دل میں یقین و ایمان کی قندیل روشن کر دیتا ہے ؎

اے لقائے تو جواب ہر سوال	مشکل از تو حل شود بے قیل و قال
در علاجش سحر مطلق را ببیں	در مزاجش قدرت حق را ببیں

ایسے انسان کی یافت و حصول میں تو بر تو حجابات حائل ہو جاتے ہیں، اور اس سے استفادہ و استفاضہ

ہیں رکاوٹ بن جاتے ہیں وہ خود شہرت و نمود کا طالب نہیں ہوتا معاصرت کے حجاب اکبر کے علاوہ وہ عام کا ظاہری تشابہ اس کی اپنی بے نفسی، غنائیت، تواضع، خلق کی مدح و ذم سے بے پروائی وغیرہ اس کے جمال و کمال کو چھپائے رکھتی ہے۔ بے بصر اشخاص اسے اپنے پر قیاس کر لیتے ہیں اور اس کے فیض و برکت سے بے بہرہ اور محروم ہو جاتے ہیں انہی کی طرف عارف رومی نے اشارہ کرتے ہوئے کہا ہے ؎

کار پاکاں را قیاس از خود مگیر — گرچہ باشد در نوشتن شیر شیر
شیر آں باشد کہ انساں می خورد — شیر آں باشد کہ انساں را درد
جملہ عالم زیں سبب گمراہ شد — کم کسے ز ابدال حق آگاہ شد
اشقیا را دیدۂ بینا نبود — نیک و بد در دیدہ شاں یکساں نمود
ہمسری با انبیا برداشتند — اولیا را ہمچو خود پنداشتند
گفتہ اینک ما بشر ایشاں بشر — ما و ایشاں بستۂ خوابیم و خور
ایں نداںستند ایشاں از عمی — ہست فرقے درمیاں بے منتہی
ہر دو صورت گر بہم ماند رواست — آب تلخ و شیریں را صفا است

جو اشخاص اور جو طبقہ ایسے انسان تک پہنچ بھی جاتا ہے تو اسکی معرفت و پہچان اور ان سے استفادہ اپنے احوال و ظروف کے مطابق کر پاتا ہے اور اس جہل مرکب میں مبتلا ہو جاتا ہے کہ میں نے اسے جان لیا پہچان لیا، اور جو میں نے اس سے اخذ کیا، گویا اس انسان کامل اور عبقری شخصیت کا وہی سرمایہ اور فضل و کمال تھا، حالانکہ بقول سید الملۃ قدس سرہٗ

فیض ساقی ہے باندازۂ ظرف میخوار — دل حریف مے بسیار کہاں سے لاؤں

افادہ بقدر صلاحیت استفادہ ہوتا ہے، علوم خاصہ بھی اپنا محرم تلاش کرتے ہیں نسبت باطنی بھی اپنے محل و جائے استقرار کی طلب میں ہوتی ہے، اسلئے ایسے کامل انسان ہم جیسے مستفیدوں کو ہمیشہ یوں ہی کہتے رہے،

من بہر جمعیتے نالاں شدم — جفت بدحالان و خوش حالاں شدم
ہر کسے از ظن خود شد یار من — از درون من نجست اسرار من
محرم ایں ہوش جز بیہوش نیست — مر زباں را مشتری جز گوش نیست
ہیچ کس را زہرۂ ایں جوش نیست — با کہ گوئیم در جہاں یک گوش نیست

پچھلے دور کے ایک حکیم شاعر نے کیا خوب کہا ہے ؎

چو رخت خویش بر بستم ازیں خاک — ہمہ گفتند با ما آشنا بود
و لیکن کس ندانست ایں مسافر — چہ گفت و با کہ گفت و از کجا بود

غرض انسان کامل کا ملنا مشکل، اسکا جاننا و پہچاننا، اور اسکی صفات و کمالات، فضائل و مزایا کی معرفت مزید دقت طلب اور گراں ہوتی ہے، اب ایسے انسانوں کے پہچاننے کا کیا دعویٰ و اظہار کیا جائے کہ

خود ثنا گفتن ز من ترک ثنا ست — کیں دلیل ہستی و ہستی خطا است

بہر حال ہر شخص اپنے ظرف و استعداد، فہم و دانش، علم و بصیرت کے بقدر جانتا اور تعارف کرا سکتا ہے لیکن ناواقفوں کیلئے یہ تعارف بھی اکثر باور کرانے کے مرادف نہیں ہو سکتا۔ مبالغہ اور عقیدت کی اس دنیا میں حقیقت کو بھی افسانہ سمجھ لیا جاتا ہے اور شخصیت نگاری کو شاعری قرار دیا جاتا ہے۔ ان تمام باتوں کے باوجود ایسے باکمال انسانوں کے خد و خال اور جمال و کمال کو کسی حد تک پیش کرنا افادیت سے خالی نہیں، کہ

چونکہ گل رفت و گلستاں شد خراب — بوئے گل را از کہ جوئیم، از گلاب

اللہ تبارک و تعالیٰ کی عادت جاریہ ہے کہ اس عالم میں انسانوں کی ہدایت کیلئے نفوس کاملین کو پیدا فرماتا رہتا ہے اور انھیں اپنی ہدایت کا آلہ بنا کر اس عالم کے انسانوں پر اپنی ذات تک پہنچنے کی راہیں کشادہ اور اپنی ذات عالی سے استفادہ کی صورتوں کو استوار فرماتا رہتا ہے۔ یہ نفوس کاملین اصلاً انبیاء علیہم السلام کی ذوات عالیہ ہوتی ہیں اب جبکہ ہمارے آقا امام الرسل سید الانبیاء خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی دائمی نبوت اور ابدی رسالت کیساتھ تشریف لے آئے اور حکمت الٰہیہ نے یہ مقدر فرما دیا کہ دورِ نبوت محمدیہ اعلان نبوت محمدیہ سے لیکر تا قیام ساعت مستمر رہے گا۔ اس عہد میں جتنے اصحاب دعوت و ارشاد اور نفوس قدسیہ پیدا ہوں گے وہ رسالت محمدیہ کے آب زلال سے سیراب، آپ کے علوم و انوار سے فیضیاب، آپ کے یقین و ایمان، توکل و تفویض، للّٰہیت و انابت، درد و سوز اور غافلوں ناواقفوں پر ترس و ترحم اور آپ کی دیگر باطنی صفات کمال سے متصف ہونگے ایسی ذوات قدسیہ عالم کی ہدایت کا سبب اور نظام حیات کی اس عالم میں ظاہری کڑیاں ہوتی ہیں۔ انکے مجاہدات اور دعاؤں کی برکت سے دین کے فروغ کی غیبی صورتیں پیدا ہوتی ہیں۔

سو بت کدۂ ہند میں اسلام کا قافلہ صحابہ کے عصر سعادت ہی میں پہنچ گیا تھا، اس عہد سے لیکر دسویں صدی ہجری تک علماء، اور دعاۃ، صلحاء و صوفیہ کی ایک کثیر جماعت کفرستان ہند و پاک کو اسلام کے نور سے منور کرتی رہی

لیکن سیدنا امام ربانی مجدد سرہندی کے دورۂ تجدید سے اس سرزمین کیلئے وہ عہد برکت شروع ہوتا ہے جب ہدایت و ارشاد کا خاص مرکز اس سرزمین کو قرار دیا گیا حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ تعالی کے زمانہ سے لیکر آج تک علماء و محدثین، اکابر صوفیہ و اصحاب دعوت و عزیمت جسقدر ہندوستان خصوصاً مضافات دہلی و دوآبہ کی سرزمین سے اٹھے، اسکی نظیر دوسری جگہ نہیں ملتی اور انسے جو خیر پھیلا اسکے اثرات نقوش عالمگیر ہیں اسی سلسلۃ الذہب کی آخری سنہری کڑی

العارف باللہ المجاہد فی اللہ، الداعی الی اللہ، المؤید من اللہ معدن الیقین والایمان، لسان الحق والدعوۃ، وارث علوم النبوۃ، قطب الارشاد صدیق وقتہ خلیل عصرہ العلامہ الشاہ محمد یوسف الکاندھلوی نور اللہ مرقدہٗ کی ذات گرامی ہے۔

حضرت جیؒ قدس سرہٗ معرفت ولایت، ایمان ویقین، دعوت وعزیمت، مجاہدہ وفنائیت کے جس مقام پر فائز تھے اس کا ادراک بھی مجھ جیسے کی پرپرواز سے بالا ہے تاہم یہ بات بے محابا اور برملا کہی جاسکتی ہے کہ حضرت جیؒ اس دور میں ایمان ویقین کے امام، دعوت الی اللہ کے سب سے بڑے قائد، حکمت تشریعی کے رمز آشنا اور علوم ومعارف نبوت کے وارث کامل تھے، مادیت کے اس دور میں جس کا خاصہ روحانی اقدار اور غیبی حقائق سے انکار ہے آپ کا وجود روحانیت کی سب سے بڑی قندیل تھا، روحانیت اور ایمانی حقائق آپ کیلئے ایک نظری وفکری عقیدہ نہیں تھا بلکہ صدیقیت کا وہ مقام آپ کو عطا فرمایا گیا جہاں حقائق منکشف ہوجاتے ہیں مغیبات پر یقین شہود کی کیفیت اختیار کرلیتا ہے اور معاملہ عین الیقین سے گذر کر حق الیقین تک پہنچ جاتا ہے جس کے بعد دلائل کی ضرورت نہیں رہتی کہ ع

آفتاب آمد دلیل آفتاب

بات یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالی عز اسمہ وعم نوالہ کی حکمت بالغہ جن اشخاص کو صدیقیت کے مقام سے نوازنا چاہتی ہے ان کے قلوب پر اپنے بعض خاص اسماء کی خصوصی تجلی اس شان سے فرماتی ہے کہ انکا قلب متجلی ومزکی ہوکر غیر سے غافل اور ملاء اعلی کے فیضان کے لینے کے قابل ہوجاتا ہے، اس وقت اسم ہادی کی وہ تجلی (جس کا سب سے بڑا مظہر اس عالم میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات عالی ہے) ان قلوب کی طرف متوجہ ہوتی ہے۔ اور نظام تشریعی کے وہ حقائق ومعارف جسے اللہ تبارک وتعالی اس بندہ پر کھولنا چاہتے ہیں کھل جاتے ہیں۔ اس وقت نسبت الہیہ کا ایک خاص القاء ان قلوب پر ہوتا ہے اور اس عالی نسبت کی برکت سے انھیں اپنے نبی سے مناسبت تامہ نصیب ہوجاتی ہے، اب جو علوم واحوال نبی کی ذات گرامی پر صدیق کا قلب

بغیر کسی دلیل کے وجدانی طور پر اسکی اسی طرح تصدیق کرتا ہے جسطرح ایک انتہائی فاقہ زدہ شخص اپنی بھوک کو محسوس کرتا ہے اور اس وجدان و احساس کے خلاف کسی دلیل سے قائل نہیں ہوسکتا ہے۔ اس کیلئے شنید دید، اور قال حال ہو جاتا ہے، نبوت کے ہر قول و فعل پر عمل اس کیلئے الٰہی روشنی ہوتا ہے اسکا ماننا اس کا فطری خاصہ، طبعی جذبہ اور قلبی داعیہ بن جاتا ہے اسے نبوت سے ایسی مناسبت بخشی جاتی ہے کہ نبوت کا باطنی فیضان اس کے قلب کو منور اور حقائق سے آشنا کرکے شریعت کو اسکی فطرت بنا دیتا ہے اس کیلئے ہر بات ہی سراپا حقیقت اور نور، ہر قول و فعل دلیل و روشنی بن جاتا ہے۔ اس بنا پر اس کا دل یقین کا مستقر اور حقائق و دقائق ایمانیہ کا مہبط بن جاتا ہے ایمان کا یہی درجہ اس میں تفویض و توکل علی اللہ تفرید و تجرید اخلاص و رضا، تسلیم و قربانی، صبر و شکر اور توحید کے جملہ مظاہر کا سبب بن جاتا ہے حضرت جی قدس سرہٗ خود ایک جگہ اپنے خاص انداز میں ارقام فرماتے ہیں:۔

"مبدأ فیض تو خدا کی ذات ہے اور رضا الٰہی کے فیوض حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے اور صفات ہیں لیکن کاغذ کے نقوش سے حقیقت تک پہنچ کر اس کو اپنے میں حاصل ہونے کیلئے محنت کرلینا اور اس حقیقت کا حامل بن جانا ہر ایک کے بس کی بات نہیں، اسلئے حق تعالیٰ شانہٗ اپنے فیوض کے فیضان کیلئے کچھ ہستیاں اس عالم میں وقتاً فوقتاً ایسے عام انسانوں کے سلوک و محنت کیلئے کھڑی کردیتے ہیں کہ وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات کی حامل ہوتی ہیں، اور ذات باری تعالیٰ سے اکتساب فیوض اور انکی رحمت و انعامات کے حصول کیلئے ان صفات کا اختیار کرنا سبب و ذریعہ بن جاتا ہے۔ ...... ایسے ہی انسانوں میں دربار الٰہی و دربار رسالت سے انوارات و روحانیت کا فیضان ہو کر عام مخلوق کی فیضیابی کا ذریعہ بنتا ہے ایسے ہی انسانوں کا وجود انبیاء کرام اور سلف صالحین کی یاد کو تازہ کرتا ہے۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت عالیہ ایسے مبارک انسانوں کی ریاضتوں و مجاہدات کے ذریعہ وقتاً فوقتاً اس عالم میں اپنی برکات و انوارات کیساتھ ظہور پذیر ہو کر بندگان خداوند قدوس جل و علیٰ مجدہ کے اللہ رب العزت کی طرف رجوع کا ذریعہ بن کر عمومی رحمت و انعامات کے دروازے کھولنے کا ذریعہ اس عالی نسبت کی عظمت و وقعت و محبت کی طرف متوجہ کرتی ہے تاکہ اللہ رب العزت کیساتھ تعلق رکھنے والے سعادتمند انسان اس عالی نسبت کے حصول کی طرف متوجہ ہو کر بے نہایت دارین کی ترقیات حاصل کریں۔ ...... حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ نسبت عالیہ عظیمہ، روحانیہ و نورانیہ اپنے دونوں منظروں (انفرادی و اجتماعی) کیساتھ اس عالم میں ظاہر ہوتی رہی، محنت کرنیوالے مبارک انسانوں کے ذریعہ اس نسبت عالیہ کا ظہور کبھی ہوتا رہا۔" (الجمعیۃ دہلی شیخ الاسلام نمبر بتقدیم و تاخیر)

اس درازنفسی کا مقصد یہ ہے کہ فقیر کے نزدیک حضرت جی قدس سرہ کا مقام صدیقیت ان کے باقی کمالات و جواہر کا منبع و منشا تھا، آپ کے یقین کی دولت آپ کی ایمانی قوت آپ کا سوزِ دروں، آپ کی ربانیت وللّٰہیت، آپ کی خشیت و محبتِ الٰہی، آپ کا زہد و ورع، آپ کا تقویٰ، آپ کی انابت الی اللہ و التجا و دعا کی کیفیت، یہ جملہ صفات اسی مقام صدیقیت کے مختلف مظاہر ہیں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت جامعہ و کاملہ اپنے مختلف الوان میں اشخاص متعلقہ کے ظرف و استعداد کے لحاظ سے ظاہر ہوتی ہے، حضرت جی قدس سرہٗ کی نسبت باطنی کے متعلق کلام تو کوئی دیدہ ور ہی کرسکتا ہے اس بے بصر کے نزدیک تو آخری دور میں نسبت یوسفی مختلف الوان نسبت کا ایک عجیب اور نہایت ہی جامع گلدستہ بن چکی تھی، جو جمال و جلال ربی کی تجلیاتِ خاصہ کا بوقلموں مرقع تھا۔ جن کا پورا ادراک و بیان اس کور نگاہ کا مقام نہیں لیکن ایک بات زبان قلم پر آئے بغیر نہیں رہتی، فقیر نے قلب یوسفیؒ پر نسبت شیخین رضی اللہ عنہما کا ترشح پایا ہے اپنے آخری سفر میں جب ڈل میں حضرت نے ازراہ عنایت مصافحہ فرمایا تو حضرت جی قدس سرہٗ کی قوت باطنی اور نسبت عالیہ کا ادراک کچھ اس شدت سے محسوس ہوا کہ کئی دن تک یہ کیفیت رہی،

نگاہوں سے بھر دی رگ و پے میں بجلی نظر کردہ برق تپاں ہو رہا ہوں

بہرحال یہ عرض کر رہا تھا کہ نسبت شیخینؓ سے مناسبت بھی اسی صدیقی نسبت کا نتیجہ تھی جس سے حضرت جیؒ کو نوازا گیا تھا،

موجودہ دور جس کا سب سے بڑا مرض بے یقینی، ارتیاب و شک، مغیبات کا انکار، الٰہی حقائق اور نبویؐ معارف کا استخفاف ہے۔ ضرورت تھی کہ حکمت الٰہیہ اس دور کے "قائدِ دعوت" کو حقائق ایمانیہ کے اس غیر متزلزل یقین سے نوازتی جو نبوت کی خاص میراث اور صدیقین کا خاصہ ہے بلکہ صدیقیت اسی کا عنوان ہے۔

'صدیقیت' کا یہ مرتبہ بلند اللہ تبارک و تعالیٰ کی صفات عالیہ کے کمال عرفان کا نتیجہ ہوتا ہے۔ حضرت جیؒ پر صفات الٰہیہ جس تفصیل و وضوح سے کھلی تھیں اس کی مثال کم دیکھنے میں آئی ہے اور وہ یقیناً صوفیاء کاملین اور محقق عارفین ہی کا حصہ ہے، توحید افعالی آپکا مقام بن چکی

تھی۔ اور توحید کامل کا رسوخ دل کی گہرائیوں میں جڑ پکڑ چکا تھا نتیجہ ہر غیر سے براءت اور خلت کا وہ مقام تھا جہاں کسی دوئی کا ادنیٰ شائبہ نہیں کیا جا سکتا اور یہ مقام سید الانبیاء حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس مقام کا ظل ہے جس کا اظہار لسان رسالت نے ان الفاظ میں فرمایا تھا،

لو كنت متخذا خليلا	اگر میں اپنی امت میں کسی کو اپنا خلیل بناتا
من الناس لاتخذت	تو ابوبکر کو بناتا لیکن اس لئے نہیں بنا سکتا
ابا بكر	کہ خلت کے تعلق میں اللہ کے سوا کسی کی
(جامع ترمذی ابواب المناقب)	گنجائش نہیں رہی)

حضرت جی نور اللہ مرقدہٗ کا وصال سے کچھ لمحات پیشتر یہ فرمانا کہ "میرے ساتھ کون ہے" اور ساتھیوں کے جواب پر یہ ارشاد کہ "میرے ساتھ کوئی نہیں میرے ساتھ میرا اللہ ہے" اسی مقام خلت کا عکس تھا، رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعہ

توحید کے اس ارفع و اعلیٰ مقام کی بنا پر حضرت جیؒ دعوت بھی توحید افعالی کی ہی دیتے تھے، جن خوش نصیبوں کو حضرت جیؒ کے قریب رہنا نصیب ہوا اور جنھوں نے حضرت کی تقریریں اور مجلسی ارشادات سنے اور اللہ نے ان کا فہم بھی نصیب فرمایا ان کو بقدر اپنی استعداد کے اس کا ضرور اندازہ ہوا ہوگا کہ اس باب میں ان کا کیا مقام اور رحال تھا حق یہ ہے کہ انکا وجود "لا الٰہ الا اللہ" کی مجسم تفسیر اور تصویر تھا۔

نسبت محمدی اور اتباع نبوی

توحید کامل، تعلق مع اللہ اور رضا و قرب حق کا واحد ذریعہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت و عظمت، محبت و اتباع (ظاہری و باطنی) ہے حضرت جی قدس سرہٗ جس طرح عظمت و محبت نبویؐ میں ڈوبے ہوئے تھے اس کا اندازہ ان کے ہر قول و عمل سے ہوتا تھا، آپ کی معرفت و عظمت کا نتیجہ تھا کہ آپؐ کی ذات، آپؐ والے اعمال اور آپؐ سے نسبت رکھنے والی ہر چیز انتہائی عزیز تھی، اور آپؐ کے طریقۂ عالیہ ہی کو دارین کی فلاح و کامیابی کا واحد و یکتا ذریعہ اور آپ کے والے

اعمال کو خداوندی خزائن سے استفادہ کی الٰہی چابیاں یقین کرتے تھے، اسی بنا پر چھوٹی سے چھوٹی سنت چھوٹ جانے کو خداوند قدوس کے خزائن رحمت سے محرومی کا باعث سمجھتے تھے، آپ یہاں تک فرماتے تھے کہ محقق صوفیہ نے کہا ہے کہ سنت کے مطابق بیت الخلا یعنی فراغت واستنجا میں جو انوارات ہیں، وہ بعد میں دین کی خدمت کیلئے پیدا ہونے والے بڑے بڑے شغلوں میں نہیں یہی مفہوم ملا علی قاری نے مرقاۃ میں حدیث نبوی "فتمسک بسنۃ خیر من احداث بدعۃ" کی شرح میں ان الفاظ میں ادا کیا ہے " ای (سنۃ) صغیرۃ او قلیلۃ کاحیاء ادب الخلاء مثلاً علی ما ورد فی السنۃ خیر من احداث بدعۃ ای افضل من حسنۃ عظیمۃ کبناء رباط ومدرسۃ (حاشیۃ مشکوٰۃ ص۳۱)

حضورؐ کی سنتوں کے مٹنے کا غم آپ کے سینہ کا مستقل ناسور تھا، آپ کی جگر دوز اور پرسوز آہوں میں نہ معلوم کس قدر حصہ اعمال محمدیہ کے مٹ جانے کا تھا، آخری حج کے بعد ایک دعا انتہائی سوز ورقت کی کیفیت میں اکثر فرمایا کرتے تھے " اللّٰھم اخرج الیھود والنصاریٰ والمشرکین من جزیرۃ الحبیب صلی اللّٰہ علیہ وسلم جزیرۃ العرب" غرض حب نبوی اتباع نبوی حضرت جیؒ کا نفس ناطقہ بن چکا تھا، اسی طور پر حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کی محبت ان کا اتباع اور ان کی پاکیزہ زندگیوں کے حالات سے شغف حضرت جی کی زندگی کا حاصل تھا، اور اگر کہا جائے تو بالکل صحیح ہوگا کہ وہ اپنے انداز فکر و نظر، احساسات و جذبات، عواطف و میلانات میں صحابہ کا نمونہ تھے ع

صحابی گو نہیں لیکن نمونہ تھا صحابی کا

مخدومی المکرم حضرت علی میاں نے خوب لکھا ہے اور خوب لکھا ہے کہ

قد خالط حب الصحابۃ لحمہ ودمہ واستولی علی مشاعرہ وتفکیرہ

وقد عاش فی اخبارھم ولحادیثھم زمناً طویلا ...... حیاۃ الصحابہ کا پیش لفظ ص۱۶

علومی امتیاز اور اس کا سرچشمہ

حضرت جیؒ کے علوم پر گفتگو کرنا مستقل وقت چاہتا ہے۔ صرف حیاۃ الصحابہ کی تین ضخیم مجلدات مصنف کے وسعت مطالعہ کتب حدیث ورجال پر نظر اور احوال صحابہ کے مختلف گوشوں پر گہری نگاہ کا بین

ثبوت ہیں، گو عربی میں مستقل کتابیں اس فن میں لکھی گئی ہیں، جن میں سے متداول اسد الغابہ، اصابہ اور استیعاب وغیرہ ہیں، ابن کثیر نے البدایہ میں بھی وفیات الاعیان کے ذیل میں التزاماً صحابہ کے حالات قلمبند کیے ہیں، لیکن حضرت جیؒ کی حیاۃ الصحابہ، محدثانہ ترتیب اور داعیانہ طرز فکر کے لحاظ سے صحابہ کی زندگی و کردار، سوانح و اخلاق کا نہایت مؤثر اور اچھوتا مجموعہ ہے۔

"امانی الاحبار" حضرت کی فقاہت و معرفت حدیث کی شاہد ہے لیکن ان علمی و تحریری دینی خدمات کے علاوہ جو کہ ایک مشغول ترین زندگی کی زندہ کرامت ہیں، فقیر کے نزدیک حضرت جیؒ کے وہبی علوم خاصہ حضرت جی کے بیانات و ملفوظات ہی میں بکھرے ہوئے ہیں، جاننے والے جانتے ہیں کہ حضرت جی گھنٹوں مسلسل بیان کرتے رہتے، مجھے بندہ نے خود ایک دن میں حضرت کے پانچ بیان سنے ہیں جن میں ایک ساڑھے پانچ گھنٹے کا تھا، یہاں علوم اندر سے پھوٹ کر نکلتے تھے، صاف معلوم ہوتا تھا کہ آپ نہیں کہہ رہے ہیں کہلوایا جا رہا ہے، علوم الٰہیہ کا فیضان موسلا دھار بارش کی طرح حضرت کے قلب پر ہوتا رہتا تھا اور فقیر کا گمان غالب یہ ہے ذکر دائم کی طرح حضرت کا یہ حال بن چکا تھا کہ ہر وقت و ہر حال میں سوتے جاگتے، بیٹھتے اٹھتے علوم کا القا جاری رہتا تھا، ملاء اعلیٰ کی توجہات خاصہ کا مرکز آپ کی ذات بن چکی تھی اور معارف ربانیہ، دقائق احسانیہ، اور سب سے بڑھ کر حقائق نظام تشریعی کا ورود و فیضان ہوتا رہتا تھا حضرت حکیم الامت امام تھانوی قدس سرہ کا ملفوظ ہے کہ "بعض بزرگ جن کے علوم کی اشاعت ان سے کما حقہ نہیں ہو پاتی اللہ تعالیٰ انھیں لسان عطا فرما دیتے ہیں، جیسے شمسؒ تبریز کی زبان مولانا رومؒ اور حضرت حاجی امداد اللہؒ صاحب کی زبان حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ ہیں" او کما قال، فقیر سمجھتا ہے کہ مامور من اللہ حضرت مولانا الیاسؒ رحمۃ اللہ علیہ کے علوم ان کی ذات سے کما حقہ اشاعت پذیر نہ ہو سکے، کام اجمالی کی صورت میں رہا اور حضرت اشاروں پر قناعت فرماتے رہے، حضرت جیؒ مولانا محمد یوسف قدس سرہٗ کی طرف جب حضرت مولانا الیاسؒ کی کامل نسبت منتقل ہوئی تو وہ علوم جو اجمالاً حضرت مولانا الیاسؒ کے سینہ میں تھے ان کی "زبان" حضرت جی کو بنا دیا گیا۔ اور مفیض حقیقی نے آپ کی باطنی ترقیات کے ساتھ ان علوم کو خوب وضاحت و تفصیل سے آپ سے کہلوایا، یہاں تک کہ حضرت مولانا الیاسؒ کے زمانہ میں جو باتیں محض

اشارات تھیں، وہ تفصیلی رنگ میں سامنے آگئیں اور الیاسی علوم کا چشمہ بڑھ کر بحرِ ناپیدا کنار ہوگیا۔ یہاں یہ بات واضح کر دینی مناسب معلوم ہوتی ہے۔ کہ اہل اللہ پر جن علوم و معارف کا فیضان ہوتا ہے وہ کتاب و سنت کی ہی تبیین و تشریح ہوتی ہے، جسے ذات الٰہی اہل زمانہ کی سہولت کے لئے ان کی زبان سے کھول کھول کر بیان کروا دیتی ہے۔

حضرت جیؒ اور بیعتِ طریقت

حضرت جی نور اللہ مرقدہٗ شیخ طریقت بھی تھے، بیعت چاروں سلسلوں میں اپنے والد ماجد قدس سرہٗ کے واسطے سے کرتے تھے، پہلے بیعت کی حقیقت و اہمیت اور اس کے آداب اور ذمہ داریاں تفصیل سے بیان فرماتے اس کے بعد سلسلہ امدادیہ کے معروف طریقہ سے بیعت لیتے تھے اور بیعت میں خاص طور پر دین سیکھنے سکھانے اور دین کی دعوت کے لئے جان و مال کی قربانی دینے کا عہد بھی لیتے تھے، حضرت کی بیعت کا منظر عجیب رقت انگیز اور پر اثر ہوتا تھا، ایک مرتبہ رائے ونڈ میں ایک کثیر مجمع نے بیعت کی، بیعت کرنے والوں کے ہاتھوں میں پگڑیاں اور چادریں وغیرہ تھیں اور اتنا کثیر مجمع تھا کہ کئی حضرات مکبر کی طرح پکار پکار کر الفاظ بیعت کو بیعت کرنے والوں تک پہنچا رہے تھے، عجیب دلکش منظر تھا، میرے ایک عزیز کہنے لگے کہ آج تو حضرت جیؒ نے امام شہید سید احمد صاحب رائے بریلویؒ کی یاد تازہ کر دی،

یہ تو بیعت سلوک کے عام طرز کا تذکرہ تھا، لیکن ایک بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ تبلیغی طریقۂ دعوت، خود ایک مستقل 'سلوک'، کی صورت اختیار کرتا جا رہا ہے۔ جس میں سلوکِ صحابہ اور قرب بالفرائض کے طرز کو خاص اہمیت حاصل ہے،

حضرت جیؒ کا اصل امتیاز اور کارنامہ

خیر یہ تو حضرت جیؒ کے بعض کمالات کا سرسری تذکرہ تھا، حقیقتاً آپ فضائل و کمالات کا مجموعہ تھے، حافظ، قاری، مدرس، محدث، فقیہ، صوفی، مصنف، مبلغ سب ہی کچھ تھے۔ لیکن سب سے زیادہ جس عمل پر آپ نے جان کھپائی اور جو عمل آپ کی زندگی کا مقصد بنا وہ اللہ کی طرف دعوت تھی، گویا اللہ تعالیٰ نے یہ تمام علمی و عملی صلاحیتیں انھیں اسی لئے ودیعت کی تھیں، کہ دعوت علی منہاج النبوۃ کا جو طریقہ مندرس ہو چکا تھا، اسے اپنی وھبی صلاحیتوں سے

پوری طرح سمجھیں، سنبھالیں، زندہ کریں اور آگے بڑھائیں۔ حضرت مولانا الیاس رحمۃ اللہ علیہ پر دعوت کا یہ طریقہ جسے وہ "قرن اول کا ہیرا" کہا کرتے تھے موجودہ دور میں اولاً کھلا اور انھوں نے اپنے مجاہدات، مقبولیت عند اللہ اور توفیق ربانی سے اسے دنیا کے سامنے پیش کیا فبلّغ احسن البلاغ رحمۃ اللہ رحمۃً واسعۃً، ہمارے حضرت سید الملۃ قدس سرہٗ فرمایا کرتے تھے، کہ مولانا الیاسؒ تو مامور من اللہ تھے، ایک مرتبہ اُن کے فضائل وکمالات کا تذکرہ فرماکر عجب وجد آفریں انداز میں دو تین مرتبہ فرمایا "سلامٌ علیٰ الیاسین" حضرت مولانا الیاسؒ کی یہ دعوت موجودہ دور کی تمام دعوتوں اور دینی تحریکوں میں منہاج نبوت سے زیادہ قریب و اشبہ ہے، حضرت مولانا الیاسؒ کی زندگی اور دعوت پر حضرت مولانا ابوالحسن علی نے اپنی کتاب "حضرت مولانا الیاس اور ان کی دینی دعوت" میں جو لکھا ہے، بلکہ یوں کہئے کہ ان سے جو لکھایا گیا ہے۔ دعوت کے طریق کو سمجھنے کے لئے اس کا اور اس کے مقدمہ کا سمجھنا بنیاد کا درجہ رکھتا ہے، حضرت سید الملۃ کا مولانا مرحوم کے متعلق مضمون بھی خاص چیز ہے۔

بہرحال حضرت جیؒ نے اپنے والد ماجد قدس سرہٗ کے جانشین کی حیثیت سے اس کام کو سنبھالا اور اس پر اپنی جملہ صلاحیتوں اور استعدادوں کو اس طرح کھپایا گویا یہ دعوت ہی ان کی زندگی کا مقصد تھی، وہ اسی کے لئے پیدا ہوئے تھے، کسی مقصد میں اپنے آپ کو فنا کردینے کی ایسی مثالیں تاریخ میں بھی شاذ و نادر ہی ملتی ہیں، شب و روز میں شاید بمشکل چار پانچ گھنٹے آرام کے ملتے ہوں، دیکھنے والوں کو رحم آجاتا تھا لیکن اللہ کا یہ مقبول اور فنافی الدعوۃ بندہ دینی تقاضوں پر مجاہدات کی چکی میں مسلسل اپنے کو پیستا رہتا تھا، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کو اسی محنت و دعوت کے لئے پیدا کیا تھا، حضرت امام ربانی مجدد سرہندی کا یہ قول ان پر بھی اس کام کے بارے میں صادق آتا تھا کہ

"اے فرزند باوجود ایں معاملہ کہ بخلقت من مربوط بودہ است، کارخانہ دیگر عظیم بمن حوالہ فرمودہ اند برائے پیری و مریدی مرا نیاوردہ اند، مقصود از خلقت من تکمیل وارشاد خلق نیست معاملہ دیگر ست، وکارخانہ دیگر، دریں ضمن ہرکہ مناسبت دارد فیض خواہد گرفت والا لا معاملہ تکمیل وارشاد نسبت بآں کارخانہ امرے است ہمچوں مطروح

۱؎ حضرت مولانا سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ۔

فی الطریق، دعوت انبیاء علیہم الصلوٰت والتسلیمات نسبت بمعاملات باطنیہ انسان ہیں حکم دارد، ہر چند منصب نبوت ختم یافتہ است اما از کمالات نبوت وخصائص آں بطریق تبعیت، وورانت کمل تابعان انبیاء را نصیب است"

(مکتوب ع۶ دفتر دوم حصہ ششم ص۲۲)

حضرت جیؒ کے اخلاص عمل مسلسل مجاہدات، طریق دعوت کی درستگی اور دعاؤں کا یہ اثر تھا کہ وہ کام جو حضرت مولانا الیاسؒ کے وصال کے وقت ہندو پاک کے صرف چند خاص خاص مقامات تک محدود تھا، وہ بڑھا، پھیلا اور دیکھتے دیکھتے یورپ امریکہ جاپان وافریقہ، اقصائے مشرق سے اقصائے مغرب تک پہنچ گیا، جماعتوں اور دینی قافلوں کی ہندو پاک اور بیرونی ممالک میں نقل وحرکت سے لاکھوں فیضیاب ہوئے، ہزاروں نے راہ پائی، سینکڑوں متقی کامل بنے، سوتے جاگے، نئے طبقوں میں طلب پیدا ہوئی، بے دینوں میں احساس دین آیا، سونی مسجدیں آباد ہوئیں، اللہ کے دین کی آواز گلی گلی کوچہ کوچہ قریہ قریہ ملک بہ ملک گونجی، اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ کتنوں نے اس دعوت وتحریک سے فیض پایا اور کتنے بھٹکے ہوئے انسان راہ پر آئے، کتنی مردہ سنتیں زندہ ہوئیں، کتنے فرائض میں جان پڑی کتنی نئی مساجد تعمیر ہوئیں، کتنے غافل وبے بہرہ دینی علوم کے طالب بنے، کتنے ذاکر وشاغل بنے، کتنوں میں دین کا درد وفکر پیدا ہوا کتنے لذت وحقیقت دعا سے آشنا ہوئے، اس کام کے ثمرات عاجلہ کا بھی سچی بات یہ ہے کہ احاطہ نہیں کیا جاسکتا، آخرت ہی میں معلوم ہوگا کہ اس کام کے چالو ہوجانے سے عالم میں کتنی خیر کی صورتیں پھیلیں،

دعوت تبلیغ کی فکری اساس (یا بنیادی ایمان ویقین)

دینی دعوت کے اس طرز کے متعلق جو نہیں جانتے اور جاننا نہیں چاہتے انھیں تو جانے دیجئے خود بہت سے تعلق رکھنے والے اور اس کی افادیت کے قائل حضرات بھی اس کی اصل حقیقت کو بہت کم جانتے ہیں۔

حضرت جیؒ کے سامنے یہ دعوت اپنی پوری ترتیب کے ساتھ منکشف تھی اور اس کا نقشہ بالکل مرتب تھا، اور یہ ترتیب نہ تھا کہ ان کا کوئی ذہنی اختراع یا کسی انسانی دماغ کی کاوش

کا نتیجہ نہیں تھا، بلکہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے اٹل قوانینِ تشریعی اور نظام ہدایت کی معرفت و یافت سے حاصل ہوا تھا، اس وجہ سے یہ نظام حضرتؒ جی کے عقیدہ کا لاینفک جزو بن چکا تھا اس اجمال کی تفصیل کے سمجھنے کیلئے چند باتوں کا سمجھ لینا ضروری ہے۔

(۱) اللہ تبارک و تعالیٰ کی حکمت نے جیسے اس کائنات کے نظام کو قائم فرمایا ہے اور گو اس کی قدرت اسباب کی قطعاً پابند نہیں تاہم اس کی حکمت نے اس کی قدرت کو عادی طور پر اسباب و علل سے اس عالم میں ظاہر فرمایا ہے۔ اسی طرح اللہ تبارک تعالیٰ نے نظام تشریعی میں بھی اسباب و علل رکھے ہیں، نظام تشریعی مقصود ہے، نظام تکوینی نظام تشریعی کے بعض مقاصد کی تکمیل کے لئے پیدا فرمایا گیا، گویا نظام تشریعی اصل و مقصود ہے، اور نظام تکوینی اس کا ذریعہ اس وجہ سے نظام تشریعی کے قوانین میں انفکاک و تغیر و تبدل نہیں ہوتا لیکن نظام تکوینی کے عادی علل و اسباب کو نظام تشریعی کی حکمتوں و مصالح کی بنا پر جب اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ چاہتی ہے توڑ دیتی ہے اور ان علل و اسباب تکوینیہ کے ارادۂ الٰہیہ سے توڑ دینے کا نام معجزہ، خرق عادات یا کرامت ہے۔ حضرت سید الملۃ قدس سرہ نے سیرت النبی (۳۷۹/ج۳ و مابعد) میں اس پر قابل دید بحث فرمائی ہے۔ ایک دوسرے مقام پر ارشاد فرماتے ہیں:

"یہ مادی عالم جس طرح مادی نظام اور قانون کا پابند ہے، خدائے پاک نے عالم روحانی میں بھی اسی قسم کا ایک اور نظام قانون اور علل و اسباب کا سلسلہ قائم رکھا ہے جس یقین کے ساتھ آپ یہ دعویٰ کر سکتے ہیں کہ زہر انسان کے لئے قاتل ہے اسی یقین کے ساتھ طب روحانی کا واقف کار کہتا ہے۔ کہ گناہ انسان کی روح کو قتل کر دیتا ہے پیغمبر فیضان نبوت کے قبول کے لئے اپنی روح میں کس طرح استعداد پیدا کرتا ہے۔ دنیا میں کب مبعوث ہوتا ہے معجزات کا ظہور اس سے کن اوقات میں ہوتا ہے اور وہ اپنے دعویٰ کو کس طرح پیش کرتا ہے انکار و مزاحمت پر وہ کیونکر ہجرۃ الی اللہ کرتا ہے اور پھر کیونکر دعوت کے منکر ناکام و خاسر اور اہل ایمان فلاح یاب و کامیاب ہوتے ہیں۔ ان میں سے ہر ایک چیز مرتب اور منظم قواعد کے مطابق بہ ترتیب ظہور میں آتی ہے۔ قرآن مجید میں تیرہ مقام پر سنۃ اللہ کا لفظ آیا ہے، لیکن ان میں زیادہ تر اسی روحانی نظام و ترتیب کی

طرف اشارہ ہے۔

فلسفۂ تاریخ جس طرح سیاسی واقعات کی تکرار اور حوادث کے بار بار کے اعادہ سے اصول اور نتائج تک پہنچ کر ایک عام تاریخی قانون بنا لیتا ہے۔ بعینہٖ اسی طرح انبیاء علیہم السلام کے سوانح اور تاریخیں بھی اپنے واقعات کے بار بار کے اعادہ سے خصائص نبوت کا اصول و قانون ہمارے لئے مرتب کرتی ہیں (سیرۃ النبیؐ جلد پنجم صفحہ ۲۸۹ ج ۵)

دوسری جگہ حضرت سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ ارقام فرماتے ہیں:

"قرآن مجید میں سنت الٰہی کا ایک خاص مفہوم ہے اور اس اصطلاح خاص میں یہ لفظ کئی جگہ قرآن مجید میں استعمال ہوا ہے، خیر و شر، حق و باطل، نور و ظلمت اور ظلم و انصاف جب باہم ٹکراتے ہیں تو بالآخر اللہ تعالیٰ خیر کو شر پر، حق کو باطل پر، نور کو ظلمت پر اور انصاف کو ظلم پر فتح اور کامیابی عطا کرتا ہے، گنہگار اور مجرم قومیں جب حق کی دعوت قبول نہیں کرتیں اور پند و موعظت ان کے لئے مؤثر نہیں ہوتی تو اللہ تعالیٰ ان قوموں پر اپنا عذاب نازل کرتا ہے۔ اور وہ بالآخر بجلی کی کڑک، آسمان کی گرج، زلزلہ کی تھرتھراہٹ، آندھی کی گھڑگھڑاہٹ، دریا کے طوفان، پہاڑ کی آتش فشانی، یا دشمن کی تلوار سے ہلاک اور برباد ہو جاتی ہیں، یہ سنت الٰہی ہے جو ہمیشہ سے قائم ہے اور ہمیشہ قائم رہے گی، اور اس میں کبھی کوئی فرق پیدا نہ ہوگا۔ قرآن مجید میں جہاں جہاں یہ لفظ آیا ہے، اسی مفہوم میں آیا ہے...... (اس کے بعد سید صاحبؒ نے وہ تمام آیتیں لکھ دی ہیں تاکہ کسی کو شک وشبہہ کی گنجائش نہ رہے ہم نمونتہً صرف ایک آیت نقل کرتے ہیں) حدیبیہ کے موقع پر کفارِ قریش کو تنبیہہ اور مسلمانوں کو تسکین دی جاتی ہے۔

وَلَوْ قَاتَلَكُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوَلَّوُا الْأَدْبَارَ ثُمَّ لَا يَجِدُونَ وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا، سُنَّةَ اللَّهِ الَّتِي قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلُ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللَّهِ تَبْدِيلًا ۝ (فتح ۳)

اور اگر یہ کافر تم سے لڑتے، تو پیٹھ پھیر دیتے، پھر وہ کوئی حامی نہ پاتے، اور نہ مددگار، اللہ کا دستور یہ پہلے سے چلا آتا ہے، اور تم اللہ کے دستور کو بدلتے نہ پاؤگے، (تفصیل کیلئے دیکھئے سیرۃ النبیؐ صفحہ ۲۷۹ تا ۲۸۱ ج ۳)

اس تشریح سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے نظام ہدایت میں اس کا ایک اٹل قانون اور سنۃ اللہ جاری ہے کہ نبی آتا ہے۔ اپنی قوم کو دعوت دیتا ہے، جو خوش نصیب اس کی دعوت پر لبیک کہتے ہیں وہ دارین کی فوز و فلاح اور کامیابی پاتے ہیں اور جو اس بات کو نہیں مانتے، اور نبیؐ کی امکانی کوششوں کے باوجود ایمان نہیں لاتے، بلکہ اس کے دشمن بن کے سامنے کھڑے ہو جاتے ہیں وہ آخرش اللہ تعالیٰ کی قدرت خاصہ سے ہلاک ہو جاتے ہیں۔ یہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا ایسا قانون ہے جس میں تغیر کا کوئی امکان نہیں، ہر زمانے میں یوں ہی ہوا اور ہمیشہ یوں ہی ہوگا۔

(۲) اللہ تعالیٰ کا یہ غیر متبدل دستور اور اٹل قانون انبیا علیہم السلام اور ان کے ماننے والوں (مومنین) کے لئے عام ہے۔ کہ ان کی کامیابی اور نجات ہوگی۔ اور ان سے ٹکرانے والے ہلاک ہوں گے۔ ارشاد ربانی ہے:

فَهَلْ يَنْتَظِرُونَ إِلَّا مِثْلَ أَيَّامِ الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِهِمْ، قُلْ فَانْتَظِرُوا إِنِّي مَعَكُمْ مِنَ الْمُنْتَظِرِينَ ثُمَّ نُنَجِّي رُسُلَنَا، وَالَّذِينَ آمَنُوا كَذَٰلِكَ حَقًّا عَلَيْنَا نُنْجِ الْمُؤْمِنِينَ (یونس ۔ ۔)	کیا یہ کافر گذشتہ قوموں کی طرح واقعہ ہلاکت کا انتظار کرتے ہیں، کہدے کہ انتظار کرو، میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتا ہوں، پھر ہم اپنے رسولوں کو نجات دیتے ہیں، اور ایسے ہی ایمان لانے والوں کو۔ ہم پر فرض ہے ہم نجات دیں گے ایمان والوں کو،

خدا تعالیٰ کا قطعی وعدہ ہے کہ وہ مومنین کی مدد فرمائے گا۔

وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِينَ (روم)	اور ایمان والوں کی مدد ہم پر فرض ہے۔

اسی قاعدہ کے تحت سورۂ المومن میں ارشاد ہے:

إِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِينَ آمَنُوا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُومُ الْأَشْهَادُ (المومن ع ۶)	یقیناً ہم ضرور بالضرور مدد فرمائیں گے اپنے رسولوں کی اور ان لوگوں کی جو ایمان لائے دنیا میں بھی اور قیامت کے دن بھی۔

(۳) اللہ تعالیٰ کی یہ سنت جس طرح امم ماضیہ میں جاری اور ساری تھی۔ اسی طرح اب جبکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین بن کے تشریف لے آئے اور آپؐ کی امت تمام امتوں کی جانشین بن کر اس عالم میں آئی، ارشاد رسالت ہے۔

نحن اخر الامم (کنز صفحہ ۲۳۳/۴۷ بحوالہ ابن ماجہ) ہم آخری امت ہیں۔

تو جیسے پہلی امتوں میں اللہ تعالیٰ کا یہ چلن اور سنۃ اللہ جاری تھی اس امت میں بھی تاقیامت جاری رہے گی۔ کیونکہ ختم نبوت نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے زمانہ کو قیامت تک مستمر کر دیا ہے۔ اب اس زمانہ میں (یعنی بعثت محمدیہؐ سے لے کر تا قیام ساعت) اللہ کی وہ تمام نصرتیں اور مددیں جو طریقہ محمدیہ اور دین حق اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مختص ہیں، باقی اور قائم اور دائم ہیں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پردہ فرما لیا لیکن آپؐ کے فیوض و برکات باقی اور اللہ تعالیٰ کی مدد اور نصرت لینے کے طریقے اور قدرت خاصہ سے استفادہ کی صورتیں اُمت میں آپ کے احکام اور سنن کی شکل میں موجود ہیں۔ امت اپنی ذات میں مستقل حیثیت نہیں رکھتی۔ یہ اپنے نبی کی نائب اور خلیفہ ہے اور اس عالم میں اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جوارح کی حیثیت سے کام کرنا ہے، اب اس میں جتنے جواہر نیابت و خلافت موجود ہوں گے اور اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مقصد دعوت اور طریقوں میں جس قدر یہ ان کی شریک ہو گی اسی قدر اللہ تعالیٰ کی خصوصی مدد و نصرت سے نوازی جائے گی اور اسی کے اعمال پر قوموں کے لئے خیر و شر کا فیصلہ ہو گا۔

(۴) اُمت محمدیہ مرحومہ یوں تو امم سابقہ کی طرح جملہ احکام و اعمال میں اپنے نبی کے طریقے پر ہو گی لیکن اس کا خصوصی امتیاز اس کی داعیانہ حیثیت ہے جس کی وجہ سے اسے دوسری امتوں پر فوقیت اور فضیلت بخشی گئی۔ اور حقیقتاً یہ دعوت ہی اصلاً انبیاء علیہم السلام کے زمانے میں خدا کی خصوصی مددوں کو متوجہ فرماتی تھی، اسی وجہ سے انبیاء کی دعوت کے ماننے والے کامیاب اور نہ ماننے والے ناکام اور خاسر و خائب ہوتے تھے۔ اسی بنا پر اس امت کی نصرت کو دین کی نصرت کے ساتھ مشروط کر دیا۔ اور دین کی نصرت کرنے والوں کو اپنی مدد کا یقین دلایا ارشاد ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا إِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ أَقْدَامَكُمْ (محمد-۱)

اے ایمان والو اگر تم مدد کرو گے اللہ کی تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور جما دے گا تمہارے قدم،

وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ إِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ۔ (الحج-۶)

اللہ تعالیٰ ضرور بالضرور مدد کرے گا۔ اس کی جو اس (کے دین) کی مدد کرے گا۔ بے شک اللہ تعالیٰ زبردست ہے زور والا ہے۔

اس بنا پر جب امت اپنے فریضہ دعوت الی الحق والخیر، امر بالمعروف و نہی عن المنکر میں غفلت برتے گی تو اللہ تعالیٰ کی مدد سے محروم ہو جائے گی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ سے (مدد کی) جو دعائیں مانگے گی وہ بھی قبول نہیں ہوں گی جیسا کہ احادیث میں آتا ہے (دیکھئے کنز العمال ص ۴۲۶ ج ۲ و مشکوٰۃ باب الامر بالمعروف)

امت کی اس خاص داعیانہ حیثیت اور نیابت نبوت کے پیش نظر اللہ تعالیٰ کی نصرتوں کے آنے اور دارین میں عافیت و فوز و فلاح کے پانے کا طریقہ اپنے اس فریضہ (دینی دعوت) کو مقصد قرار دے کر اس کی راہ میں اپنی جانوں کا کھپانا اور مال کا انفاق ہے باقی اعمال ذاتی اور اخروی نجات تو دلا دیں گے، لیکن اللہ تعالیٰ کی وہ نصرتیں جو عالم کو ہدایت کی طرف پلٹا دیں اور دشمنان ہدایت کو تباہی کے گھاٹ اتار دیں وہ دین کی دعوت کی محنت پر منحصر ہیں۔

(۵) پھر یہ بھی ضروری ہے کہ یہ دعوت بالکل منہاج نبوت کے مطابق ہو، کتاب اللہ صحیفہ نظام ہدایت اور راہنمائے طریقہ دعوت بھی ہے یعنی قرآن پاک صرف دعوت ہی نہیں بلکہ طریق دعوت بھی سکھاتا ہے۔ اسی طرح اسوۂ نبوی صرف شخصی اور انفرادی اعمال کیلئے ہی نمونہ نہیں ہے بلکہ آپ کا طرز دعوت و تربیت بھی تا قیام الساعۃ ہدایت رسانی خلق کا افضل و اکمل اور مؤثر ترین طریقہ ہے۔

(۶) امت جب منہاج نبوت کے مطابق دعوت کو مقصد بنا کر احیاء دین اور اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے محنت و کوشش اور جہد و مشقت اور ایثار و قربانی کو پیش کرے گی تو اللہ تعالیٰ اپنی قدرت خاصہ سے سعید روحوں کو ہدایت کی طرف پلٹا دیں گے، اور دعوت کے مقابل میں

او حق

آنے والی طاقتوں کو خود پاش پاش کر دیں گے۔ کہ سنۃ اللہ اسی طرح ہی جاری ہے، لیکن خداوند قدوس کی یہ نصرت محنتوں کی ایک خاص سطح پر آتی ہے۔

(۷) امت مسلمہ پورے عالم کی طرف مبعوث ہے۔ یہ قعود وسہولت کی زندگی نہیں بسر کر سکتی، اس کی رہبانیت اور درویشی دین کی محنت ہے۔ اسلئے امت کو مختلف احوال وظروف میں ہجرت ونصرت اور نفرو جہاد کے احکام دیئے گئے۔

ان اساسی حقائق کو پیش نظر رکھتے ہوئے جب ہم حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ تعالیٰ اور ان کے خلف الصدق اور خلیفۂ ارشد حضرت جی نور اللہ مرقدہٗ کی دعوت پر غور کریں گے تو کسی درجہ میں یہ بات سمجھ سکیں گے کہ یہ خاصان خدا اس کام کو اس قدر اہمیت کیوں دیتے تھے، وہ یقین کے ساتھ سمجھتے تھے بلکہ گویا آنکھوں سے دیکھتے تھے کہ یہ غیر متبدل سنۃ اللہ اور اللہ تعالیٰ کا اٹل دستور اور فیصلہ ہے کہ اس امت کیلئے بلکہ سارے عالم انسانی کیلئے خیر وشر کے فیصلہ کا انحصار اب امت محمدیہ کے عمل دعوت اور اس راہ کی محنت وقربانی پر ہے اگر اس نے دعوت کے کام کو اور اس کی راہ میں ٹھوکریں کھانے کو نہیں اپنایا تو وہ خود بھی اللہ تعالیٰ کی رحمتوں اور مددوں سے محروم ہوگی اور سارے انسانی عالم کی بھی ہدایت ورحمت سے محرومی کا باعث بنے گی اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں اور سینوں کو اس یقین سے بھر دیا تھا کہ اللہ تعالیٰ سے امت کیلئے اور عالم کے لئے خیر اور ہدایت کے فیصلے کرانے کا راستہ یہی ہے کہ امت میں منہاج نبوی پر دعوت اور قربانی زندہ ہو اس کے سوا سب دروازے بند ہیں۔

حضرت جی قدس سرہٗ پر اللہ تعالیٰ نے ان تمام حقیقتوں اور سنۃ اللہ کے ان جملہ پہلوؤں اور نظام ہدایت کے دقیق رخوں کو پوری طرح منکشف کر دیا تھا اس وجہ سے وہ سمجھتے تھے کہ امت محمدیہ اگر آج حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم والے مقصد کو اپنا کر اور اپنے کو صفات نبویہ سے مزین کرتے ہوئے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے میدان دعوت میں (جو کہ پورا عالم اور ساری نسل انسانی ہے) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم والے طریقوں اور صحابہ والی قربانیوں کے ساتھ اتر آئے تو اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ، رحمت واسعہ اور ان کے تشریعی اٹل قوانین کی بنا پر اللہ تعالیٰ ہدایت کا فیضان فرما دیں گے، ہدایت صرف اللہ تعالیٰ کے اختیار اور قبضہ میں ہے، اور ہدایت لینے کا ضابطہ

اعمال محمدیہ کو اپناتے ہوئے منہاج نبویہ کے مطابق دعوت کے میدانوں میں ابراہیمی اور محمدی قربانیوں کو پیش کرنا ہے۔ امت محمدیہ کا جب ایک معتدبہ طبقہ صحیح رخ سے دین کیلئے قربانی پیش کردے گا، اور وہ قربانی عنداللہ مقبول ہو جائے گی تو اللہ تبارک وتعالیٰ عالم کیلئے ہدایت کا فیصلہ فرمادیں گے، ہدایت کیلئے ایمان و اعمال صالحہ اور دعوت اور قربانی اور دعائیں شرط ہیں ملک ومال شرط نہیں، اس لئے جس وقت امت صحیح رخ سے ہدایت کی محنت کرنے والی بن جائیگی اور اس کی قربانیاں اور دعائیں اللہ تعالیٰ سے مدد کا فیصلہ کروالیں گی، اسوقت باطل کی قوتیں اللہ کی غیبی طاقت سے پارہ پارہ کردی جائیں گی۔ یہ محنت جس قدر نسبت محمدیہ کو اپنے اندر لئے ہوئے ہوگی اسی قدر اس کے اثرات عالمگیر ہونگے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت عالمی ہے آپ والے اعمال کا اثر پورے عالم پر پڑتا ہے۔ آپ والے اعمال اگر اپنی حقیقت کے ساتھ ایک طبقہ میں بھی زندہ ہو جائیں اور وہ طبقہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم والی محنت کو اخلاص اور جملہ اصولوں کیساتھ اپنالے تو ان کی دعوت و دعا پر اللہ تعالیٰ کی قدرت خاصہ پورے عالم کے باطل نظاموں کو توڑ دے گی جیسے امم ماضیہ میں فرعون و نمرود و شداد، و قوم عاد و قوم ثمود، اصحاب الایکہ اور دوسری متمرد اور باغی اقوام کو اپنی قدرت کاملہ سے ختم فرمایا تھا۔ ـــــــ بات یقین کی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت پر یقین ہو، اور اس کے قوانین تشریعی پر ایمان ہو، تو یہ بات بعید نہیں دکھائی دے گی،

بہرحال حضرت جی رحمہ اللہ تعالیٰ کے سامنے اللہ تعالیٰ کے نظام ہدایت کے اٹل اور غیر متبدل قوانین سنۃ اللہ کی بناء پر دعوت و ہدایت کا ایک خاص خاکہ و نقشہ تھا، جس پر ان کا ویسا ہی ایمان و یقین تھا جیسا کسی بدیہی سے بدیہی چیز پر ہو سکتا ہے۔ اس خاکہ و نقشہ کا ہر خط و خال انبیاء علیہم السلام کے قصص، قرآن حکیم کی ہدایات، سنن نبویہ اور صحابہؓ کے احوال سے مرتب کیا گیا تھا۔ ان کے سامنے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کی پوری زندگی تھی اور وہ ہر قدم خدا کی توفیق سے اسے دیکھ دیکھ کر اٹھاتے تھے، یہ دعوت محض چند اعمال کی دعوت نہ تھی، بلکہ پورے دین کے احیاء کی پورے عالم میں کوشش تھی بعض ناواقف جو صورت حال سے واقف نہیں اسے سطحی دعوت سمجھتے ہیں حالانکہ یہ ان کی کم نگہی اور سطحیت

کی دلیل ہے، کاش وہ حضرات جنھیں اللہ تعالیٰ نے علمی و عملی صلاحیتوں سے نوازا ہے اس کام کو سمجھتے اور اپنا لیتے، چند اعمال کے احیا کا سوال نہیں، بلکہ ایک نئی قوم پیدا کرنی ہے جو اپنے مقصد، عقائد و ایمان، احوال و اعمال، عبادات و للہیت، افکار و احساسات، اخلاق و معاشرت میں صحابہ کا نمونہ ہو، اللہ تعالیٰ کی رحمت و قدرت سے امید ہے کہ جس طرح اس نے انتہائی بے سرو سامانی کی حالت میں اسے اٹھایا، بڑھایا، چمکایا، اور اس سطح پر پہنچا دیا، آئندہ بھی اس کے فروغ کی صورتیں پیدا فرمائے گا و ما ذالک علی اللہ بعزیز، ممکن ہے حضرت جی رحمہ اللہ تعالیٰ کا وصال سے پیشتر بار بار ان کلمات کو پڑھنا "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَحْدَهٗ صَدَقَ وَعْدَهٗ وَنَصَرَ عَبْدَهٗ وَهَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَهٗ" اسی طرف اشارہ ہو، (واللہ اعلم وعلمہ اتم)

حضرت جی رح کی شخصیت سازی کسی کامل شخصیت کا صرف یہی کمال نہیں ہوتا کہ وہ خود کامل ہو بلکہ شخصیت کے کمال کا ایک بڑا ثبوت شخصیت سازی میں اسکا کمال اور اس کی تاثیر ہوتی ہے۔ حضرت مولانا یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کی تاثیر قلبی فیض صحبت اور باطنی اثر نے ہزاروں اشخاص کو تقویٰ اور دینی زندگی کا قابل رشک مقام عطا کر دیا، آج ہمیں سینکڑوں اشخاص معلوم ہیں جنکی زندگی کی کایا یکسر پلٹ گئی، کل جو ناز و نعمت اور تعیش کی گودوں میں پلے تھے آج ان کے زہد و قربانی کو دیکھکر مصعب ابن عمیر کی قربانی کی یاد تازہ ہوتی ہے نہ صرف یہ کہ زندگی کے ظاہری و باطنی خاکے پلٹے بلکہ حضرت جی کی یہ بڑی کرامت ہے کہ کئی ایسے اشخاص جن کا دین سے خاص تعلق نہ تھا حضرتؒ کے کام کو ایسا اپنا چکے ہیں، اور حضرت کے علوم و معارف انکی زبانوں سے اس طرح جاری ہیں، گویا حضرت جی ہی بول رہے ہیں گویا ؎

من تو شدم تو من شدی، من تن شدم تو جاں شدی
تا کس نہ گوید بعد ازیں، من دیگرم تو دیگری

یہ اللہ تعالیٰ کی خاص موہبت اور انعام تھا جو اس دور کے یوسفؒ کو عطا ہوا، یہ بے نظیر یوسف زمانہ کے کون کون سے جمال و کمال کو بیان کرے ع دامان نگہ تنگ و گل حسن تو بسیار

وہ مجموعہ کمال تھے، دین کا ایسا ہمدرد و غمخوار قرنوں میں پیدا ہوتا ہے۔ دعوت حق کا ایسا شیدائی اور اس کی راہ میں مر مٹنے والا صدیوں میں وجود میں آتا ہے ؎

سالہا در کعبہ و بت خانہ می نالد حیات
تا ز بزم عشق یک دانائے راز آید بروں

مہد سے لحد تک

از مولانا سید محمد ثانی حسنی ایڈیٹر ماہنامہ "رضوان" لکھنؤ

ولادت | حضرت مولانا محمد یوسف کاندھلہ میں سہ شنبہ ۲۵ رجمادی الاولی ۱۳۳۵ھ مطابق ۲۰ مارچ ۱۹۱۷ء کو پیدا ہوئے۔ والد ماجد حضرت مولانا محمد الیاسؒ اس وقت مدرسہ مظاہر علوم (سہارنپور) میں مدرس تھے۔

۲ رجمادی الثانی دوشنبہ کے دن عقیقہ ہوا اور نام محمد یوسف رکھا گیا۔

ماحول اور بچپن | مولانا محمد یوسف صاحبؒ نے جس ماحول میں آنکھیں کھولیں اور پرورش پائی اس میں مرد تو مرد عورتیں تک دین داری اور تقویٰ میں ممتاز تھیں، خاندان میں قرآن مجید کا حفظ کرنا معمول سا بن گیا تھا، بچے، بوڑھے، مرد و عورت عام طور پر حافظ ہوتے تھے، گھر کی بیویاں تلاوت، ذکر و تسبیح اور نوافل وغیرہ کا بڑا اہتمام کرتیں، ہر طرف علم و تقویٰ کا چرچا تھا، خاندان اور خاندان کے باہر کئی بزرگ ہستیاں موجود تھیں جن کی دعائیں اور شفقتیں مولانا محمد یوسفؒ کے ساتھ تھیں۔

اسی کا نتیجہ تھا کہ سات سال کی عمر میں قرآن شریف حفظ کر لیا، اس وقت بستی نظام الدین اولیاءؒ میں اپنے والد ماجد حضرت مولانا محمد الیاسؒ کی خدمت میں تھے۔

والدین کی تربیت | مولانا محمد یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی والدہ ماجدہ ایک معزز اور صالح بزرگ مولانا رؤف الحسن صاحب کی بیٹی تھیں اور والد ماجد خود ایک بڑے بزرگ اور شیخ طریقت نرم و گرم پر نظر رکھنے والے تھے، اس لئے ان دونوں نے اپنے ہونے والے نامور فرزند کی خوب اچھی طرح تربیت کی، اور چھوٹی چھوٹی باتوں تک کا خیال رکھا۔ مولانا محمد یوسف صاحبؒ نے ایک مجلس میں خود فرمایا "ہماری اماں جی نے ہماری تربیت اس طرح کی کہ کوئی مہمان ہوی ٹھانی

یا کیلے وغیرہ تحفہ میں لائیں اور میں ان کی طرف دیکھ لیتا تو مہمان کے جانے کے بعد اماں جی میری پٹائی کر دیتیں کہ تم نے مٹھائی کی طرف گھور کر کیوں دیکھا"۔۔۔۔ ایک بار فرمایا۔ "میں نے سوا ایک دفعہ کے بازار سے ایک آنہ کی بھی مٹھائی خرید کر نہیں کھائی، یہ وجہ نہ تھی کہ میرے پاس پیسے نہ ہوتے تھے بلکہ بات یہ تھی کہ میں نے پیسے جمع کرنے کا ایک ڈبہ بنا لیا تھا اور اس میں جو پیسے مجھ کو ملتے ڈال دیا کرتا تھا کہ ان سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کی کتابیں خریدوں گا"(۱)

بستی نظام الدینؒ میں مہمانوں کی کثرت رہتی حضرت مولانا محمد الیاسؒ مہمانوں ہی کے ساتھ کھانا تناول فرماتے تھے، مولانا محمد یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی عمر ۱۲، ۱۳ سال کی رہی ہوگی حضرت مولانا محمد الیاسؒ نے مہمانوں کو ناشتہ کرانے، کھانا کھلانے اور اس سلسلہ کی اور دوسری خدمتیں اسی کم عمری میں مولانا محمد یوسف صاحبؒ کے سپرد کر دی تھیں، مولانا روزانہ اندر سے کھانا لاتے اور فارغ ہونے کے بعد برتن لے جاتے۔

مدرسہ کاشف العلوم (بستی نظام الدین) میں پڑھنے والے طلبا کے وظائف اور کھانے پینے کا کوئی خاص انتظام نہ تھا، طلباء کی ٹولیاں باری باری سارے طلباء کا کھانا پکاتیں اور اس سلسلہ کے چھوٹے بڑے سارے کام خود ہی کرتیں۔ مولانا محمد یوسفؒ ان کے ان کاموں میں بھی شریک رہتے، ان کے ساتھ آٹا گوندھتے، مسالہ پیستے اور جنگل سے جلانے کے لئے جھاڑ جھنکاڑ گھسیٹ کر لاتے۔

تربیت کا اثر | والدین کی اسی تربیت کا اثر تھا کہ عام لڑکوں کی طرح وہ اپنے فرائض سے غافل نہیں رہتے تھے، لہو ولعب میں اور بیکار وقت ضائع کرنا پسند نہیں کرتے تھے تعلیم کا شوق تھا صحابۂ کرامؓ کے تذکرے، اور خدا کی راہ میں ان کی جانبازی اور قربانی کے واقعات سے بڑی گہری دلچسپی تھی، فتوح الشام کا اردو منظوم ترجمہ صمصام الاسلام جس میں صحابۂ کرامؓ کے جہاد اور فتوحات کا تذکرہ ہے، بچپن ہی میں ذوق وشوق سے پڑھتے تھے۔(۲)

ابتدائی تعلیم | ابتدائی تعلیم میں قاری معین الدین صاحب نے تجوید سکھائی، گیارہ سال

---

(۱) روایت مولوی شبیر احمد حیدرآبادی (۲) روایت حضرت مولانا انعام الحسن صاحب۔

کی عمر میں اپنے والد ماجد حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ سے مدرسہ کاشف العلوم بستی نظام الدینؒ میں عربی شروع کی۔ سب سے پہلے میزان الصرف پڑھی اور ۱۵۔۲۰ دن میں ختم کر دی، اس وقت مولانا مرحوم کے ساتھی قاری سید رضا حسن صاحب مرحوم اور مولانا محمد ادریس صاحب انصاری اور بعض دوسرے حضرات تھے، طلباء کی یہ مختصر جماعت تھی جو حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ سے پڑھ رہی تھی۔ میزان الصرف کے بعد منشعب اس کے بعد صرف میر پڑھی، پھر پنج گنج دوسرے استاد سے پڑھی۔ پنج گنج کے بعد پھر خود حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ نے نحو میر پڑھائی۔ اس کے بعد قصیدۂ بردہ، قصیدۂ بانت سعاد اور حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی چہل حدیث حفظ کرائی۔ مولانا محمد یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ابتدائی تعلیم میں حافظ منیر الدین صاحب نے بھی حصہ لیا اور متعدد کتابیں پڑھائیں فقہ کی کتابیں کنز الدقائق تک حافظ مقبول حسن گنگوہی سے پڑھیں۔

اعلیٰ تعلیم اوپر کی کتابیں زیادہ تر خود حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھیں، ۱۳۵۱ھ میں حضرت مولانا سفر حج پر تشریف لے جانے لگے تو مولانا محمد یوسف کو مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور میں داخل کر دیا۔ وہاں اس سال آپ نے ہدایہ اولین اور میبذی وغیرہ پڑھیں۔ حضرت مولاناؒ کی حج سے واپسی کے کچھ مدت بعد مولانا محمد یوسف صاحب پھر بستی نظام الدین میں آگئے اور آگے کی کتابیں مشکوٰۃ جلالین وغیرہ وہیں پڑھیں۔ ایک سال کے بعد ۱۳۵۴ھ میں دوبارہ مدرسہ مظاہر علوم میں آکر صحاح اربعہ پڑھیں، صحیح بخاری شریف حضرت مولانا حافظ عبد اللطیف صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے، صحیح مسلم مولانا منظور احمد خاں صاحب مدظلہٗ سے، سنن ابوداؤد شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب مدظلہٗ سے جامع ترمذی حضرت مولانا عبد الرحمٰن صاحب کیمبلپوری سے، مولانا انعام الحسن صاحب بھی ساتھ اور ہم سبق تھے، مولانا ممدوح ہی نے ذکر فرمایا کہ ہم دونوں نے آپس میں یہ طے کر لیا تھا کہ رات کے ابتدائی آدھے حصہ میں ہم میں سے ایک مطالعہ کرے گا اور دوسرا سوئے گا، اور آدھی رات ہو جانے پر مطالعہ کرنے والا چائے بنائے گا اور دوسرے ساتھی کو اٹھا کر اس کے ساتھ چائے پی پلا کر سو جائیگا اور اس دوسرے کے ذمہ ہوگا کہ فجر کی جماعت کے لئے سونے والے ساتھی کو اٹھائے۔ ایک دن

حضرت مولانا مرحوم شروع رات میں مطالعہ کرتے تھے اور میں سوتا تھا اور دوسرے دن اس کے برعکس ترتیب رہتی تھی، لیکن تعلیمی سال ختم ہونے سے پہلے ہی مولانا مرحوم کی علالت کی وجہ سے مظاہر علوم سے نظام الدین آجانا پڑا۔ مولانا انعام الحسن صاحب بھی ساتھ ہی آئے اور صحاح اربعہ کا جو حصہ باقی رہ گیا تھا وہ اور صحاح ستہ کی باقی دو کتابیں ابن ماجہ و نسائی اور انہی کے ساتھ شرح معانی الآثار طحاوی اور مستدرک حاکم بھی اپنے والد ماجد حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ سے نظام الدین میں پڑھیں۔

نکاح ۱۲ محرم ۱۳۵۴ھ کو جس دن کہ مدرسہ مظاہر علوم کا سالانہ جلسہ تھا، شیخ الحدیث مدظلہ کی بڑی صاحبزادی کے ساتھ حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کا اور ان سے چھوٹی صاحبزادی کے ساتھ مولانا انعام الحسن صاحب کا نکاح ہوا۔ مجلس نکاح میں مظاہر علوم اور دارالعلوم دیوبند کے اکابر علماء اور دوسرے مشائخ شریک تھے۔ نکاح حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے پڑھایا۔

صاحبزادہ مولانا محمد ہارون کی پیدائش ۲۳-۲۴ رمضان المبارک ۱۳۵۸ھ دوشنبہ و سہ شنبہ کی درمیانی شب میں اللہ تعالیٰ نے مولانا کو ایک فرزند عنایت فرمایا، محمد ہارون نام رکھا گیا جو الحمدللہ اس وقت ۲۸ سال کے ہیں اور اپنے والد ماجد کے نقش قدم پر ہیں[1]

پہلی اہلیہ کا انتقال اور دوسرا نکاح پہلی اہلیہ محترمہ مولانا محمد ہارون کی والدہ مرحومہ نے طویل علالت کے بعد ۲۹ شوال ۱۳۶۶ھ (ستمبر ۱۹۴۷ء) بروز دوشنبہ ایسی حالت میں کہ مغرب کی نماز اشارہ سے ادا کر رہی تھیں اور سجدہ کا اشارہ کر کے گویا سجدہ میں جا چکی تھیں جان جان آفریں کے سپرد کی۔ اللھم اغفرلھا وارحمھا۔

تقریباً تین سال کے بعد حضرت شیخ الحدیث مدظلہ ہی کی دوسری صاحبزادی کے ساتھ ۱۹ ربیع الثانی ۱۳۶۹ھ کو عقد ہوا۔ یہ اہلیہ محترمہ بحمداللہ بقید حیات ہیں لیکن ان سے اولاد کوئی نہیں ہوئی۔

بیعت وارادت حضرت مولانا انعام الحسن صاحب مدظلہ جو حضرت مولانا محمد یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ہم زلف بھی ہیں اور بچپن اور تعلیم کے ساتھی بھی اور آخر تک مشیر کار و دست راست رہے

[1] ۹ شعبان ۱۳۹۲ھ کو آپ ۳۵ سال کی عمر میں اس دار فانی سے انتقال فرما گئے۔ اللھم اغفرلہ۔ (ادارہ)

اور اس وقت حضرت مرحوم کے جانشین اور تبلیغی کام کے نگران و امیر ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ حضرت شیخ مدظلہ کو جب یہ معلوم ہوا کہ ہم لوگ ابھی تک حضرت سے بیعت نہیں ہوئے ہیں تو فرمایا کہ میں سمجھتا تھا کہ تم لوگ چچا جان (مولانا محمد الیاس ؒ) سے بیعت ہو چکے ہو، بہر حال اب دیر نہ کرو۔ ہم لوگوں نے حضرت مولانا سے بیعت کی درخواست کی، حضرت نے منظور فرمایا خود غسل فرمایا اور بڑا اہتمام فرمایا اور پھر خوشی کے ساتھ بیعت فرما لیا اور فرمایا اللہ مبارک کرے اور انشاء اللہ مبارک ہی ہے۔

پہلا حج اور دعوت کا کام | حضرت مولانا محمد الیاس صاحب ؒ کی دیرینہ خواہش تھی کہ تبلیغ و دعوت کا جو کام ہندستان میں چل چکا ہے اور کچھ علاقوں میں اللہ کے فضل سے جم بھی گیا ہے وہ اب باہر بھی پہنچنا چاہیئے، خصوصاً دیار عرب میں جہاں سے یہ کام چلا تھا، سنہ ۱۳۵۶ھ میں آپ کے دل میں اس کا داعیہ بڑی شدت سے پیدا ہوا۔ آخر کار ذیقعدہ سنہ ۱۳۵۶ھ میں حج کے لئے روانہ ہو گئے۔ ہمراہی میں مولانا احتشام الحسن صاحب (۲) حضرت مولانا محمد یوسف صاحب ؒ (۳) مولانا انعام الحسن صاحب (۴) مولانا نور محمد صاحب میواتی (۵) حاجی عبد الرحمٰن صاحب (۶) مولانا ادریس صاحب اور دوسرے حضرات بھی تھے۔ حجاز میں تبلیغی کام کی ابتدا ہوئی، عربوں کے ایک اجتماع میں حضرت مولانا محمد یوسف ؒ صاحب نے عربی میں ایک تقریر بھی فرمائی جس کا سامعین پر اچھا اثر پڑا۔ مولانا محمد یوسف صاحب کی عمر اس وقت تقریباً اکیس ۲۱ سال تھی، یہ حج مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ کا آخری حج تھا اور حضرت مولانا محمد یوسف صاحب ؒ کا پہلا حج۔ دوسرا حج بیس ۲۰ سال کے بعد سنہ ۱۳۷۶ھ میں کیا۔ اور تیسرا آخری حج سنہ ۱۳۸۴ھ

خلافت و نیابت | ۱۲ر جولائی سنہ ۱۹۴۴ء کو بروز چہارشنبہ جب کہ حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ سفر آخرت کی تیاری فرما رہے تھے گویا کہ زندگی کا یہ آخری دن تھا، نظام الدین میں علماء اور مشائخ جمع تھے۔ حضرت شیخ الحدیث مدظلہ العالی اور حضرت مولانا عبد القادر صاحب رائپوری اور مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی کو یہ پیام پہنچا کہ مجھے اپنے آدمیوں میں سے ان چند پر اعتماد ہے آپ لوگ جسے مناسب سمجھیں اس کے ہاتھ پر ان لوگوں کو بیعت کرا دیں، جو مجھ سے بیعت ہونا چاہتے ہیں (۱) حافظ مقبول حسن صاحب (۲) قاری داؤد صاحب (۳)

مولوی احتشام الحسن صاحب کاندھلوی (۴) مولوی یوسف صاحب (۵) مولوی انعام الحسن صاحب (۶) مولوی سید رضا حسن صاحب۔

ان حضرات نے دوبارہ مشورہ کر کے مولانا کی خدمت میں عرض کیا کہ مولوی یوسف صاحب ماشاء اللہ ہر طرح اہل ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے خلافت کے لئے "القول الجمیل" میں جو شرائط لکھے ہیں وہ سب بحمد اللہ ان میں پائے جاتے ہیں، عالم ہیں، متورع ہیں اور علوم دینیہ سے اشتغال رکھتے ہیں، فرمایا ـــــ اگر تم نے یہی انتخاب کیا ہے تو اللہ اسی میں خیر و برکت فرمائے گا مجھے منظور ہے۔ یہ بھی فرمایا کہ پہلے مجھے بڑا کھٹکا اور بے اطمینانی تھی، اب بہت اطمینان ہو گیا ہے امید ہے کہ انشاء اللہ میرے بعد کام چلے گا۔

رات کے پچھلے پہر حضرت مولانا محمد یوسف صاحب اور مولانا اکرام الحسن صاحب کو یاد فرمایا۔ مولانا محمد یوسف صاحب سے فرمایا "یوسف آمل لے ہم تو چلے" اور صبح کی اذان سے پہلے جان، جان آفریں کے سپرد کر دی اور عمر بھر کا تھکا مسافر جو شاید کبھی اطمینان کی نیند سویا ہو، منزل پر پہنچ کر میٹھی نیند سویا ہے

یعنی رات بہت تھے جاگے صبح ہوئی آرام کیا

صبح کی نماز کے بعد بہتے ہوئے آنسوؤں کے درمیان حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کی جانشینی عمل میں آئی اور مولانا کا عمامہ ان کے سر پر باندھا گیا۔

اب دعوت و تبلیغ کا پورا بوجھ حضرت مولانا محمد یوسف کے کاندھوں پر آگیا اور وہ دعوت و تبلیغ کے قافلہ کے سالار بن کر دنیا کے سامنے آئے۔

نظام الدین کے شب و روز حضرت مولانا محمد یوسف صاحب جبتک بستی نظام الدین میں قیام کرتے تو شب و روز کا نظام اس طرح رہتا، صبح کی نماز اکثر خود پڑھاتے بعد نماز دعا فرماتے عموماً نماز خوب اسفار میں ہوتی، دعا کے بعد تقریر فرماتے جو تقریباً دو گھنٹہ تک رہتی بعض اوقات دھوپ کافی نکل آتی اور لوگ دھوپ میں بصد شوق تقریر سنتے، مولانا کبھی بیٹھ جاتے اور جوش آتا تو کھڑے ہو جاتے۔ دھوپ کی تیزی کی بنا پر کوئی خادم یا طالب علم چھت سے بلائی کی طرف سے دری (جس پر نماز پڑھی جاتی تھی) لٹکا دیتا تاکہ حضرت مولانا کو دھوپ سے

تکلیف نہ ہو۔ اس کے بعد جماعتوں کی تشکیل ہوتی۔ اس کے بعد حضرت مولانا اپنے حجرہ میں آنے والے مہمانوں کو ناشتہ کراتے اور یہاں بھی مولانا کی گفتگو جاری رہتی اور موضوع اور مرکزی نقطہ اس گفتگو کا بھی دین کے لئے محنت و قربانی ہی ہوتی، کبھی جماعتوں کی سرگزشت اور مختلف علاقوں سے آنے والے مہمانوں سے کام کے متعلق دریافت حال، اکثر اسی مجلس میں اجتماعات کی تاریخیں بھی طے ہوتیں، پھر مہمان رخصت ہوتے تو ان کو ہدایات دیتے، اس کے بعد ۱۱ بجے کے قریب جماعتوں کی روانگی کے وقت حضرت مولانا رخصتی تقریر فرماتے، جس میں اصول، طریقۂ کار اور نظام الاوقات پر تفصیل سے روشنی ڈالتے، پھر تمام مہمانوں کے ساتھ کھانا تناول فرماتے اس کے بعد ظہر تک قیلولہ، نماز ظہر کے بعد مطالعہ اور درس حدیث جو قریب عصر تک جاری رہتا، بعد عصر خطوط کے جوابات لکھاتے، مہمانوں سے ملتے اور کبھی کبھی اس وقت بھی تقریر فرماتے بعد نماز مغرب سورہ یٰسین کا ختم ہوتا، ختم پر دعا ہوتی، کبھی خود دعا کراتے، کبھی صرف شرکت فرماتے، کبھی کسی کی تقریر بھی ہوتی، اس کے بعد مہمانوں کو کھانا کھلایا جاتا جن کی تعداد عموماً سیکڑوں ہوتی، اسکے بعد نماز عشاء ہوتی، عشاء کی نماز کے بعد عہد نبوی اور عہد صحابہ کے واقعات کا کتابی درس ہوتا پہلے تو یہ کام اکثر البدایۃ والنہایۃ سے لیا جاتا تھا لیکن جب سے خود مولانا کی ترتیب دی ہوئی حیاۃ الصحابہ تیار ہو گئی تھی وہی سامنے رہتی، ادھر چند سالوں سے بعد نماز عشاء کا یہ درس دوسرے حضرات کے سپرد ہو گیا تھا۔

دین کے لئے محنت و قربانی کی دعوت مولانا کی روح بن گئی تھی، ہر تقریر اور گفتگو کا موضوع یہی ہوتا تھا، شروع میں تو تین چلوں اور سات چلوں کی دعوت دی جاتی تھی لیکن آخر زمانے میں عمر اور ہر سال ۸-۸ مہینے کی دعوت دیتے تھے۔ مولانا کی دعوت اور اسکی کیفیت میں مسلسل ارتقا جاری تھا اور گذشتہ سال جب مولانا نے اپنے رفقاء کی ایک بڑی جماعت کے ساتھ آخری حج کیا اس حج میں اور حج کے بعد مولانا پر اپنے کام اور اپنی دعوت کا اور زیادہ غلبہ ہو گیا تھا۔

آخری حج | آپ نے ذیقعدہ ۱۳۸۳ھ مطابق ۲۷ مارچ ۱۹۶۴ء ذریعہ ہوائی جہاز اپنی زندگی کا آخری حج کیا، اس حج کی بڑی خصوصیت یہ تھی کہ اس سفر میں حضرت شیخ الحدیث مدظلہ بھی ہمراہ تشریف لے گئے تھے اور تبلیغی کام سے تعلق رکھنے والے خواص کی ایک بڑی جماعت ساتھ تھی

خود حضرت مولانا اور حضرت شیخ الحدیث اور حضرت مولانا انعام الحسن صاحب اور مولانا محمد ہارون صاحب اور چند رفقا تو ہوائی جہاز سے گئے تھے، باقی حضرات بحری جہازوں سے گئے تھے۔ مکہ معظمہ پہنچ کر صبح و شام حضرت مولانا کی تقریریں شروع ہوگئیں حرم شریف میں اور اس کے علاوہ بھی مختلف مقامات کے خصوصی اجتماعات میں خطاب فرماتے۔

۲۷ ذی الحجہ کو مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کے لئے روانہ ہوئے، نصف یوم اور ایک شب راستہ میں بدر ٹھہرے۔ ۲۸ ذی الحجہ کو مدینہ منورہ پہنچے، مدینہ منورہ میں بھی صبح و شام اجتماعات ہوتے۔ ہر ہر طبقہ میں خطاب فرمایا۔ ہندستانی مجمع، بخاری مجمع، عربی مجمع، الغرض کوئی وقت ایسا نہ تھا جس میں مولانا کا خطاب نہ ہوتا ہو۔ حرمین پاک میں عموماً فجر کی نماز غلس میں (یعنی اندھیرے میں) ہوتی ہے۔ حضرت مولانا کا خطاب نماز کے بعد ہی شروع ہو جاتا اور سورج خوب بلند ہونے تک جاری رہتا، لوگ ہمہ تن گوش ہو کر خطاب سنتے اور پہلو نہ بدلتے، اس مبارک سفر میں طالبین حق کا ایسا رجوع عام ہوا جو پہلے کبھی نہیں ہوا تھا۔

مولانا کی دعوت پر لمبی لمبی مدت کے لئے ۲۶ جماعتیں نکلیں، جن میں سے اٹھارہ[۱۸] یورپ وغیرہ کے دور دراز ممالک فرانس، مغربی جرمنی، انگلستان وغیرہ کے لئے اور آٹھ جماعتیں مختلف ممالک عربیہ کے لئے۔

مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ واپسی ہوئی اور سولہ[۱۶] دن وہاں قیام فرمایا۔ پھر وہاں سے کراچی تشریف لائے اور پہنچتے ہی وہاں کے تبلیغی مرکز مکی مسجد میں تقریباً تین گھنٹے تقریر کی، تین دن کراچی میں قیام رہا اور عادت و معمول کے مطابق دعوتی تقریروں اور گفتگوؤں کا سلسلہ جاری رہا ——— کراچی سے لائل پور تشریف لائے راستہ کے قریب قریب ہر اسٹیشن پر اللہ کے لئے محبت کرنے والے زائرین کا مجمع ہوتا تھا جہاں وقت میں گنجائش ہوتی آپ اپنی کچھ بات فرماتے اور دعا ہوتی۔ لائل پور سے سرگودھا سرگودھے سے ڈھڈیاں (جہاں حضرت اقدس رائے پوری نور اللہ مرقدہٗ آرام فرما ہیں)

اس کے بعد راولپنڈی، رائے ونڈ، لاہور۔ ان تمام مقامات پر کم و بیش قیام فرمایا ہر جگہ صبح و شام گھنٹوں خطاب فرماتے رہے، بولتے بولتے گلے میں سوجن ہو گئی، ڈاکٹروں نے اصرار سے مشورہ دیا کہ کچھ دنوں کے لئے بولنا چھوڑ دیا جائے۔ مگر حضرت مولانا اس پر آمادہ نہیں ہوئے حسب عادت تقریروں اور گفتگوؤں کا سلسلہ جاری رہا اور مرض ترقی کرتا گیا۔

پاکستان کا آخری سفر حضرت مولانا فروری ۱۹۶۵ء کے دوسرے ہفتہ میں براستہ لاہور ڈھاکہ کے اجتماع میں تشریف لے گئے، وہاں کے اجتماع سے فارغ ہونے کے بعد مشرقی پاکستان کے اہم مقامات پر اجتماعات ہوئے اور تقریروں کا سلسلہ جاری رہا، اس کے بعد پھر مغربی پاکستان تشریف لائے۔ کراچی، میرپور خاص، ملتان، ٹنگن پور، ٹل (کوہاٹ) اور راولپنڈی کے اجتماعات ہوئے، جن میں حسب معمول حضرت مولانا تقریریں فرماتے رہے اسکے بعد رائے ونڈ کے اجتماع میں رونق افروز ہوئے یہاں آخری دن بعد (۲۳ مارچ کو) تقریباً ستر جماعتیں رخصت کیں اس پورے دورہ کے اجتماعات میں دو مستقل تقریریں صبح اور شام کو ضرور ہی فرماتے، اسکے علاوہ عصر سے مغرب تک خصوصی مجلس میں بیان ہوتا، ناشتہ اور کھانے کے وقت بھی گفتگو کا سلسلہ جاری رہتا۔ رائے ونڈ کے اجتماع کے بعد لاہور تشریف لے آئے، پھر وہاں سے نارووال کے اجتماع میں تشریف لے گئے، اندرونی طور پر کچھ تکلیف محسوس کرتے رہے مگر ان کے بے مثل ضبط و تحمل نے اس کو ظاہر نہ ہونے دیا، احباب کو وقت آخر جا کر علم ہوا کہ وہ کتنی تکلیف میں مبتلا رہے ہیں، وہاں دو دن کے بعد جمعۃ المبارک کی ادائیگی کے لئے گوجرانوالہ رک گئے اور اس تکلیف کے باوجود جمعہ سے قبل اور اس کے بعد وہاں تقریر بھی فرمائی، عصر کے قریب لاہور بلال پارک چلے آئے اور یہاں بھی اس تکلیف کے باوجود بیانات برابر جاری رہے ہفتہ کی شام کو دو گھنٹہ تک تقریر فرمائی اور اگلی صبح اتوار کو جماعتوں کو رخصت کرنے سے پہلے ہدایات سے نوازا، پونے دس بجے فارغ ہوئے تو دیکھا کہ مولانا ٹیلیفون کیا وند میں چلے گئے وہاں اس بجے عورتوں کا اجتماع تھا اور مولانا کا بیان ہونا تھا (۱) دو شنبہ کو پھر رائے ونڈ تشریف لے آئے تین دن یعنی جمعرات تک پھر قیام فرمایا بعد نماز صبح کو خواص سے خطاب فرماتے ان تینوں دنوں میں بھی ہم ہمراہیوں اور مخلصین کو ہم کو زیادہ کر رہے

---

(۱) سید ذوالفقار حسین بخاری، حضرت جی نمبر خدام الدین لاہور

لاہور کا ورود اور انتقال ۲ر اپریل جمعہ کے دن ٹرین سے سہارنپور کے لئے روانگی طے
تھی، جمعرات کے دن رائے ونڈ سے فارغ ہو کر لاہور تشریف لے آئے، ایک دن پہلے (بدھ
کے دن) گلے سے معدے تک سانس کی نالی میں چبھن محسوس فرماتے تھے، لاہور پہنچ کر طبیعت
میں تقریر کے لئے آمادگی نہیں تھی، حضرت مولانا کے لئے یہ بالکل غیر معمولی اور نئی بات تھی، اور
طبیعت کے اس حال کا اظہار بھی فرمادیا تھا، بلال پارک میں (جہاں لاہور کا تبلیغی مرکز ہے اور
وہیں مولانا کا قیام تھا) حسب معمول بعد مغرب جمعرات والا اجتماع شروع ہوا اور چونکہ عام طور سے
یہ اطلاع تھی کہ حضرت مولانا کل جمعہ کو ہندستان تشریف لے جائیں گے اور لوگوں کا خیال تھا کہ
آج کے اجتماع میں مولانا کے اس سفر پاکستان کی آخری تقریر ہوگی اس لئے مجمع زیادہ آگیا، اور
کچھ ایسے حضرات بھی آگئے جو عام طور سے تبلیغی اجتماعات میں آیا نہیں کرتے، اس لئے بعض مخلصین
نے عرض کیا کہ کچھ ضرور فرمادیں، مولانا نے ارادہ فرمالیا اور طبیعت کے انتہائی احساس ضعف
کے باوجود ہمت اور قوت ارادی استعمال کر کے کھڑے ہوگئے، اور سوا گھنٹے تک تقریر فرمائی صاف
محسوس ہو رہا تھا کہ مولانا زبردستی تقریر فرما رہے ہیں، پیشانی تک سے پسینہ پھوٹ رہا تھا اور
آواز میں نقاہت تھی، تقریر کے بعد تشکیل شروع ہوئی، اس وقت بھی طبیعت پر جبر کر کے بیٹھے
رہے، اس کے بعد ایک نکاح پڑھانا تھا وہ بھی پڑھایا، لیکن اس موقع پر تقریر نہیں فرمائی،
اور دعا بھی مختصر فرمائی جو ان کے عمر بھر کے معمول اور طریقہ کے لحاظ سے بالکل نرالی بات تھی،
اس لئے خاص ساتھیوں کو اندازہ ہو رہا تھا کہ کوئی غیر معمولی بات ہے، مجلس نکاح سے اٹھ کر
قیام گاہ کی طرف چلے جو بالکل برابر میں تھی، چلتے ہوئے فرمایا مجھ کو سنبھالو، سعید ابن صدیق
صاحب اور ریاض لاہوری نے گلے اور کمر کو ہاتھوں سے سہارا دیا، چند قدم بڑھتے ہی لڑکھڑا
گئے، اور غشی طاری ہوگئی، اٹھا کر کمرہ میں لایا گیا اور اسی بے ہوشی کی حالت میں لٹا دیا گیا، ایک
حکیم صاحب جو سفر میں ساتھ تھے ان کے پاس جواہر مہرہ تھا انھوں نے دودھ میں گھول کر
چمچہ سے پلایا، چند منٹ کے بعد کچھ ہوش آگیا، ہاتھ پاؤں بالکل ٹھنڈے تھے، نبض بہت ہی
ضعیف تھی، لاہور کے نامور ڈاکٹر کرنل ضیاء اللہ صاحب کو بلایا گیا، انھوں نے دیکھ کر
کہا کہ قلب پر ایسا شدید حملہ ہوا تھا کہ اس سے بچ جانا بس ایک کرامت ہے، انھوں نے مشورہ دیا

کہ مولانا کو اسی وقت ہسپتال میں داخل کر دیا جائے لیکن اس پر عمل نہیں ہو سکا اور ڈاکٹر صاحب کی تجویز کردہ دواؤں کا استعمال شروع ہوا۔ آدھی رات گزرنے کے کافی بعد حضرت مولانا نے عشاء کی نماز ادا کی صبح تک طبیعت ایسی سنبھل گئی کہ کرنل ضیاء اللہ صاحب نے جب آکر دیکھا تو انھیں سخت حیرت ہوئی۔ سب لوگ ایک درجہ میں مطمئن ہو گئے۔ اس اثناء میں مولانا نے کچھ ضروری باتیں بھی کیں۔ اس سلسلہ میں مولانا انعام الحسن صاحب سے یہ بھی فرمایا کہ میری کتابوں کی زکوٰۃ ادا کر دی جائے۔ بہرحال دوپہر تک طبیعت بہت قابل اطمینان رہی۔ لیکن جمعہ کی نماز کے وقت پھر ایک دم طبیعت بگڑی اور سانس بے قابو سا ہو گیا، فرمایا مجھے مختصر سی نماز پڑھوا دو۔ مولانا انعام الحسن صاحب نے مختصر سی نماز پڑھا دی۔ مسجد میں جمعہ کی نماز بھی مولانا مفتی زین العابدین صاحب نے بہت مختصر پڑھائی، ڈاکٹر اسلم صاحب نے آکر دیکھا تو کہا مرض کا دوبارہ حملہ ہو گیا ہے فوراً اسپتال لے چلنا چاہیئے تاکہ وہاں آکسیجن دی جائے۔ حضرت مولانا نے سنا تو فرمایا وہاں نرسیں بھی ہوں گی، مفتی زین العابدین صاحب نے فرمایا کہ اس کا پورا انتظام کر لیا جائے گا کہ کوئی نرس اور عورت قریب نہ آئے تو لے چلنے کی اجازت دے دی۔

آخری وقت موٹر میں حضرت مولانا کو لٹا دیا گیا اور وہ اسپتال کی طرف روانہ ہو گئی حضرت مولانا انعام الحسن، مولوی الیاس میواتی اور ڈاکٹر اسلم ساتھ بیٹھے، اس وقت سانس زیادہ اکھڑنے لگی اس وقت زبان پر تھا دَبِّیَ اللہ دَبِّیَ اللہ۔ مولوی الیاس صاحب میواتی کا بیان ہے کہ اسی کے ساتھ حضرت مولانا نے شام کے وقت کی ماثورہ دعائیں پڑھنی شروع کر دیں اور کلمہ شریف پڑھنے لگے، گاڑی شاہو کے چوک کے قریب جب موٹر پہنچی تو دریافت فرمایا کہ اسپتال کتنی دور ہے؟ عرض کیا گیا ابھی آدھا فاصلہ ہے۔ اس کے بعد زبان صحیح طور سے اپنا کام کرنے کے لائق نہیں رہی، آنکھوں میں بھی تغیر آ گیا۔ حضرت مولانا انعام الحسن صاحب نے یٰسین شریف شروع کر دی اور بس چند لمحوں میں حضرت مولانا نے کلمہ شریف پڑھتے ہوئے متبسم چہرہ کے ساتھ جان، جان آفریں کے سپرد کر دی، یعنی ۲۹ ذیقعدہ ۱۳۸۴ھ مطابق ۲ اپریل ۱۹۶۵ء جمعہ کے دن، دو بجے کے قریب، ۲۱ برس تک مسلسل اللہ کے لئے اور اس کے دین کے لئے جان کھپانے والی یہ بابرکت ہستی اس فانی دنیا سے عالم جاودانی کی طرف رحلت

گر گئی۔ انا للّٰہ وانا الیہ راجعون ٥ یا ایتہا النفس المطمئنۃ ارجعی الی ربک راضیۃ مرضیۃ فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی ٥

نماز جنازہ | نعش مبارک بلال پارک واپس لائی گئی، جو سنتا تھا حیرت زدہ ہو کر رہ جاتا تھا، جیسے جیسے خبر پھیلتی گئی، مجمع بڑھتا گیا، عشا ہوتے ہوتے ہزاروں کا مجمع ہو گیا، نماز جنازہ ہوئی، جو حضرت مولانا انعام الحسن صاحب نے پڑھائی، حضرت مولانا عبد العزیز صاحب گنگوہی (خلیفہ خاص حضرت اقدس رائے پوری قدس سرہٗ) سرگودھا سے ایک قافلہ کے ساتھ اس وقت پہنچے جب نماز جنازہ ہو چکی تھی۔ حضرت ممدوح نے دوسری دفعہ نماز جنازہ پڑھائی۔

اگرچہ حضرت مولانا انعام الحسن صاحب وغیرہ کی رائے یہ تھی کہ حضرت مولانا کو وہیں دفن کر دیا جائے لیکن حافظ صدیق صاحب وغیرہ میواتی حضرات کے شدید اصرار پر اور حضرت شیخ الحدیث مدظلہ سے فون کے ذریعہ استصواب کے بعد ہوائی جہاز سے دہلی جنازہ لانے کا فیصلہ ہوا، جنازہ کے ساتھ حضرت مولانا انعام الحسن صاحب، مولانا محمد عمر صاحب پالنپوری، حافظ صدیق صاحب، قاری رشید صاحب، مولوی الیاس صاحب میواتی، میاں جی اسحاق صاحب اور حاجی احمد صاحب پالن پوری بھی ساتھ بیٹھے، جنازہ ڈیڑھ بجے رات لاہور سے روانہ ہو کر ۳ بجے دہلی کے ہوائی اڈہ پر اترا، اور ساڑھے تین بجے کے قریب نظام الدین لے آیا گیا، تھوڑی دیر کے بعد سہارنپور سے حضرت شیخ الحدیث تشریف لے آئے۔ خبر دہلی اور اطراف میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی۔ حضرت شیخ الحدیث مدظلہ کی اقتدا میں نماز جنازہ صبح ۹ بجے پڑھی گئی، جس میں دہلی اور اس کے قریبی علاقوں اور میوات کے قریباً اسی ہزار مسلمانوں نے شرکت کی اور حضرت مولانا مرحوم اپنے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کے پہلو میں دفن کر دیئے گئے۔

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

پسماندگان | حضرت مولانا مرحوم کی زندگی کی جو خاص نوعیت تھی اس کی بنا پر بلاشبہ ساری امت مسلمہ اور بالخصوص ان کے لاکھوں عقیدت مند اور محبین جن کو ان کے ذریعہ

دین اور ایمان ویقین کی دولت ملی ان کے پسماندگان میں ہیں، لیکن عرف عام اور قرابت عزیز داری کے لحاظ سے ان کے پسماندگان میں ایک صاحبزادہ مولانا محمد ہارون صاحب ہیں جو الحمدللہ مولانا کے نقش قدم پر ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو خاص الخاص ترقیات سے نوازے دوسری حضرت کی والدہ ماجدہ اماں جی ہیں، جن کے بارہ میں اپنی معلومات کی بنا پر لکھنے کو بے اختیار جی چاہتا ہے کہ اپنے وقت کی رابعہ ہیں۔ تیسری حضرت مرحوم کی اہلیہ محترمہ حضرت شیخ الحدیث مدظلہٗ کی صاحبزادی ہیں۔ چوتھی محترمہ ہمشیرہ صاحبہ ہیں جو حضرت شیخ الحدیث کی اہلیہ محترمہ ہیں جن کے صاحبزادے مولوی محمد طلحہ ہیں۔ پانچویں حضرت مولانا انعام الحسن صاحب ہیں جو خاندانی قرابت کے علاوہ ہم زلف بھی ہیں اور ساری عمر حضرت مولانا مرحوم کے ساتھ دو قالب ایک جان ہو کر رہے، عام طور سے محسوس کیا جاتا تھا کہ تبلیغ کے نام سے جو دینی جدوجہد چل رہی ہے حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد سے حضرت مولانا مرحوم اس کا قلب ہیں اور حضرت مولانا انعام الحسن صاحب اس کا دماغ۔ حضرت مولانا کے وصال کے بعد ان کے جانشین خاص کی حیثیت سے اس دینی جدوجہد کی سب سے بڑی ذمہ داری اب انھیں پر ہے، اللہ تعالیٰ ان کی پوری مدد فرمائے اور امت کو ان سے ویسا ہی نفع پہنچائے جیسا کہ حضرت مرحوم سے پہنچا یا وما ذالک علی اللہ بعزیز۔

چھٹے ان کے برادر معظم شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب دامت برکاتہم ہیں جو چچازاد بھائی اور خسر ہونے کے علاوہ والد ماجد حضرت مولانا محمد الیاسؒ کے بعد ان کے استاد اور مربی بھی ہیں۔ حضرت شیخ کو حضرت مولانا مرحوم سے جو مشفقانہ تعلق تھا اور حضرت مولانا مرحوم حضرت شیخ کے ساتھ عقیدت ونیازمندی کا جو رابطہ رکھتے تھے اس کو الفاظ میں بیان کرنا مشکل ہے۔ حضرت شیخ کے لئے یہ حادثہ کسی باکمال اور صاحب فیض سگے بیٹے کے حادثہ سے کم نہیں ہے۔ حضرت شیخ اس دور کے شیخ المشائخ اور مرجع خلائق ہیں، اللہ تعالےٰ آپ کا سایہ دیر تک قائم رکھے اور امت کو استفادہ کی توفیق دے۔ ان حضرات کے علاوہ کاندھلہ میں پورا خاندان ہے۔ جن میں حضرت مولانا احتشام الحسن صاحب بھی ہیں جو حضرت

مولانا مرحوم کے حقیقی ماموں ہیں، بہت سی مفید کتابوں کے مصنف ہیں، ان کے علاوہ مولانا انعام الحسن صاحب کے والد ماجد مولانا اکرام الحسن صاحب، مولانا صوفی افتخار الحسن صاحب مولانا اظہار الحسن صاحب، مصباح الحسن صاحب وغیرہ قریبی اعزہ اور متعلقین ہیں اللہ تعالےٰ ان تمام حضرات کو اپنی رضا و محبت کے اونچے مقام تک پہنچائے۔

وما مات من كانت بقاياه مثلهم
شباب تسامى للعلىٰ وكهول

حضرت مولانا کی دو اہم تصنیفیں

اس کو حضرت مولانا کی صرف کرامت ہی کہا جا سکتا ہے کہ دن رات اپنی دعوت میں منہمک رہنے کے باوجود مولانا مرحوم نے تصنیف و تالیف کا سلسلہ بھی جاری رکھا اور ان سیکڑوں مکاتیب کے علاوہ جنکی حیثیت مستقل رسائل و مقالات کی ہے۔ دو ضخیم تصنیفیں چھوڑیں، ذیل کی سطروں میں انکا بہت مختصر اور اجمالی تعارف کرایا جا رہا ہے۔

امانی الاحبار مولانا مرحوم نے ۱۳۵۵ھ میں اپنے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ سے حدیث کی دوسری کتابوں مستدرک حاکم وغیرہ کے علاوہ امام طحاوی کی معرکۃ الآرا کتاب شرح معانی الآثار بھی پڑھنی شروع کی، پڑھنے کے ساتھ ساتھ مولانا نے اس کی شرح بھی لکھنی شروع کی جس کا سلسلہ آخر تک جاری رہا۔ اس کی دو جلدیں چھپ کر شائع ہو چکی ہیں، پہلی جلد بڑے سائز کے ۶۰۳ صفحات پر ختم ہے۔ ہر صفحہ میں ۳۵-۳۶ سطریں ہیں ــــ دوسری جلد ۴۴۲ صفحہ پر ختم ہوئی ہے ــــ تیسری جلد کی تصنیف معلوم ہوا ہے کہ مکمل ہو چکی تھی لیکن چھپنے کی نوبت ابھی نہیں آئی، پہلی جلد کے شروع میں طحاوی کے اسماء الرجال کی فہرست اور تقریباً چالیس صفحہ کا مقدمہ فن حدیث میں مولانا کے علمی مقام کا اندازہ کرنے کے لئے کافی ہے۔

حیات الصحابہؓ اس کا نام تو حیاۃ الصحابہ ہے لیکن دراصل یہ عہد نبوت اور دور صحابہؓ کا عربی زبان میں ایک مستند اور مکمل مرقع ہے، اس کی تین ضخیم جلدیں ہیں، دائرۃ المعارف حیدر آباد میں اس کی طباعت ہوئی ہے، پہلی جلد کے شروع میں مولانا سید ابو الحسن علی

ندوی کا پیش لفظ ہے۔ پہلی جلد ۶۱۲ صفحات پر ختم ہوئی ہے، دوسری جلد ۷۱۴ صفحات پر ختم ہوئی ہے۔ تیسری جلد کی ضخامت بھی اتنی ہے وہ بھی چھپ چکی ہے لیکن ابھی پریس سے نکل کر شائقین کے ہاتھوں تک نہیں پہنچ سکی ہے، راقم الحروف نے بھی نہیں دیکھی ہے۔ گویا پوری کتاب کے صفحات دو ہزار سے زیادہ ہیں، محدثین کے طرز پر لکھی گئی ہے۔ پہلی دونوں جلدیں جو چھپ کر شائع ہو چکی ہیں ان کا اردو ترجمہ بھی ادارہ اشاعت دینیات دہلی سے شائع ہو چکا ہے، مولانا کی ان دونوں کتابوں کو دیکھ کر ان لوگوں کو انتہائی حیرت ہوگی جو مولانا کے نظام الاوقات اور دن رات کی مصروفیات کو آنکھوں سے دیکھتے تھے، مولانا کی یہ دونوں کتابیں اس لائق ہیں کہ پوری تفصیل کے ساتھ ان پر تبصرہ کیا جائے اور اہل علم سے انکا تعارف کرایا جائے لیکن "الفرقان" کی اس خاص اشاعت کیلئے مجھے جو سوانحی مقالہ لکھنا ہے اسمیں اس کی گنجائش نہیں ہے۔ اس وقت تو مقصد صرف ان دونوں کتابوں کا اجمالی تعارف تھا راقم الحروف اللہ تعالیٰ کے فضل سے ان خوش نصیبوں میں ہے جنھوں نے حضرت مولانا مرحوم کی دن رات کی مصروفیتوں کو سفر و حضر میں بار بار دیکھا ہے ان مصروفیات میں ایسی ضخیم کتابوں کی تصنیف کو حضرت مولانا مرحوم کی کرامت ہی کہا جا سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اہل علم کو ان کتابوں سے وہ فائدہ پہنچائے جس کی امید پر مولانا مرحوم نے یہ کتابیں لکھی تھیں، اور ان کو پوری طرح قبول فرمائے۔

سراپا میانہ قد، خوش رو، رنگ کھلتا ہوا، بدن دوہرا، گھنی سیاہ داڑھی، بھرا ہوا چہرہ، آنکھوں میں بلا کی چمک اور کشش، خندہ پیشانی، سر پر عام طور سے رومال باندھتے اور دو پلی ٹوپی بھی پہنا کرتے، تہبند اور لانبا کرتا عام لباس ہوتا، کبھی کبھی پاجامہ بھی پہنتے، پہلی نظر ڈالو تو معلوم ہو کسی گہری سوچ میں ہیں۔ اوّل اوّل ہیبت طاری ہوتی لیکن ذرا ہی دیر میں انس پیدا ہو جاتا، ہر ایک سمجھتا کہ سب سے زیادہ تعلق اس سے ہے دین کے علاوہ کچھ نہ کہتے اور نہ سننا گوارا کرتے، ذہن صاف، سینہ یقین سے بھرا ہوا معلومات خاص کر عہد نبوی اور قرن صحابہؓ و تابعین سے متعلق وسیع سے وسیع تر لبوں پر مسکراہٹ، مگر دل میں آگ لگی ہوئی۔ نواب مصطفےٰ خاں شیفتہ نے ایسے ہی مردان خدا

کے لئے کہا ہے سہ

تو اے افسردہ دل زاہد یکے در بزم رنداں شو
کہ بینی خندہ برلب ہا و آتش پارہ در دلہا

بات کرتے کرتے آستین چڑھاتے پھر اُتارتے، تھوڑی دیر بعد ایک آہ بھرتے جو درد و اثر میں ڈوبی ہوتی، اضطراب و بے کلی نے ایک سیمابی کیفیت پیدا کر دی تھی، جنھوں نے قریب سے نہیں دیکھا، ان کے لئے سمجھنا مشکل ہے اور جنھوں نے دیکھا انھوں نے یقین کیا کہ وہ اس دور میں اللہ کی ایک نشانی تھے۔ انھیں دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام کے درد و فکر کو سمجھنا آسان ہو جاتا تھا۔

مکتوبات

حضرت مولانا محمد یوسفؒ کے اہم دعوتی مکاتیب اور ہدایت نامے
جو مختلف اوقات میں دینی کام کرنے والی جماعتوں کو اور
اس کام کے ذمہ دار افراد کو لکھے گئے

ہم نے جب اس خاص اشاعت کا ارادہ کیا تو ہماری سب سے بڑی خواہش اور
فکر یہ تھی کہ ہم کو حضرت مولانا محمد یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مکاتیب مل جائیں، کیونکہ
ان کی دعوت اور ان کے درد و سوز اور ان کے یقین کے جاننے سمجھنے کا سب سے مستند ذریعہ
ان کے بعد ان کے خطوط ہی ہو سکتے ہیں ــــــ اس کے لئے ہم نے دہلی کا ایک سفر بھی
کیا لیکن وہاں ایک مکتوب کی نقل بھی محفوظ نہیں مل سکی، ــــ اس کے بعد اللہ نے مدد فرمائی
اور یہیں معلوم ہوا کہ حضرت مولانا مرحوم کے خطوط کا ایک اچھا خاصا ذخیرہ خود ہمارے پاس
یعنی دار العلوم ندوۃ العلماء کے کتب خانہ میں محفوظ ہے، جس کو اب سے کئی سال پہلے ہمارے
محترم دوست افتخار فریدی صاحب نے مختلف علاقوں کے حضرات سے حاصل کر کے اور ایک
باقاعدہ فائل بنا کے حفاظت ہی کی نیت سے یہاں محفوظ کرا دیا ہے، ہم نے اس کو جا کر
دیکھا اور اسے بڑا قیمتی ذخیرہ پایا ــــ اگلے صفحات میں حضرت مولانا مرحوم کے جو مکاتیب
قارئین کرام پڑھیں گے ان میں کے پہلے چھ مکتوب اسی ذخیرہ سے انتخاب کئے گئے ہیں ــــ
اس کے بعد ایک اہم مکتوب جناب مولانا عبد العزیز صاحب کھلنوی سے حاصل ہوا مکتوب
نمبر ۷ وہی ہے ــــ اسکے بعد میاں جی محمد عیسیٰ کی عنایت سے انکی مجلد بیاض ہم کو مل گئی
جس میں انھوں نے حضرت مولانا مرحوم کے بہت سے اہم مکاتیب اور ہدایت نامے محفوظ کر رکھے ہیں
نمبر ۷ کے بعد جو مکاتیب درج کئے گئے ہیں وہ اس بیاض سے لئے گئے ہیں، البتہ مکتوب نمبر ۱۲
گجرات کے ایک مولوی صاحب کا بھیجا ہوا ہے۔ ان مکاتیب کی دستیابی کو ہم اس نمبر کی تیاری
کے سلسلہ میں اللہ تعالیٰ کا خاص فضل و کرم سمجھتے ہیں فللہ الحمد ولہ الشکر۔ اللہ تعالیٰ
ان حضرات کو جزائے خیر عطا فرمائے جنھوں نے انکو محفوظ رکھا اور جنکی عنایت سے یہ ہم کو ملے،
حضرت مولانا مرحوم کے حال و کیف کی طرح ان کی زبان اور تعبیر بھی بالکل نرالی تھی جو حضرات
ان کی دعوت، ان کے درد اور ان کی خاص زبان سے واقف و آشنا ہیں وہ انشاء اللہ ان
مکاتیب کی قدر و قیمت سمجھیں گے۔ (ادارہ)

(۱)

[ذیل میں سب سے پہلے جو مکتوب درج کیا جا رہا ہے یہ تبلیغ کے مقصد، اصول، طریق کار، متوقع منافع و برکات اور اس راہ کی ضروری ہدایات پر بہت جامع ہے، حضرت مولانا مرحوم نے اسقدر تفصیل اور وضاحت سے شاید ہی کبھی کوئی مکتوب اس موضوع پر لکھا لکھایا ہو۔
تبلیغی کام سے تعلق رکھنے والے ایک صاحب نے بتلایا (اور خود خط کے بعض اجزاء سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے) کہ یہ مکتوب عمرہ کیلئے حجاز مقدس جانے والی ایک جماعت کیلئے حضرت مولانا مرحوم نے لکھا تھا جس کا ارادہ حجاز مقدس سے بعض دوسرے ممالک میں جانے کا بھی تھا تاکہ اس کی روشنی میں دوسرے ملکوں میں کام کی بنیاد صحیح پڑے۔]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

محترمین و مکرمین بندہ زادنا اللہ وایاکم جہداً وسعیاً فی سبیلہ والہمنا وایاکم مراشد امورنا السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ خداوند کریم سے امید ہے کہ آپ حضرات بعافیت ہوں گے۔ آپ حضرات کی دینی مساعی کی اطلاعات باعث مسرت اور باعث تقویت ہوتی ہیں۔ اللہ جل شانہٗ قبول فرماویں، ترقیات عطا فرماویں۔ آمین۔
اللہ رب العزت جل جلالہ وعم نوالہٗ نے انسانوں کی تمام کامیابیوں کا دارومدار انسان کے اندرونی مایہ پر رکھا ہے۔ کامیابی اور ناکامی انسان کے اندر کے حال کا نام ہے باہر کی چیزوں کے نقشے کا نام کامیابی و ناکامی نہیں، عزت و ذلت، آرام و تکلیف، سکون و پریشانی، صحت و بیماری انسان کے اندر کے حالات کا نام ہے ان حالات کے بننے یا بگڑنے کا باہر کے نقشوں سے تعلق بھی نہیں، اللہ جل شانہٗ ملک و مال کے ساتھ انسان کو ذلیل کر کے دکھادیں اور فقر کے نقشے میں عزت دے کر دکھادیں۔ انسان کے اندر کی مایہ اس کا یقین اور اس کے اعمال ہیں۔ انسان کے اندر کا یقین اور اندر سے نکلنے والے عمل اگر ٹھیک ہوں گے تو اللہ جل شانہٗ اندر کامیابی کی حالت پیدا فرمادینگے خواہ چیزوں کا نقشہ کتنا ہی پست ہو۔ اللہ جل شانہٗ تمام کائنات کے ہر ذرے کے اور فرد کے

خالق و مالک ہیں۔ ہر چیز کو اپنی قدرت سے بنایا ہے، سب کچھ ان کے بنانے سے بنا ہے وہ بنانے

والے ہیں خود بنے نہیں اور جو بنا ہوا ہے اس سے کچھ بنتا نہیں۔ جو کچھ قدرت سے بنا ہے وہ قدرت کے ماتحت ہے۔ ہر چیز پر ان کا قبضہ ہے۔ وہ ہی ہر چیز کو استعمال فرماتے ہیں وہ اپنی قدرت سے ان چیزوں کی شکلوں کو بھی بدل سکتے ہیں اور شکلوں کو قائم رکھ کر صفات کو بدل سکتے ہیں۔ لکڑی کو اژدہا بنا سکتے ہیں اور اژدھے کو لکڑی بنا سکتے ہیں۔ اسی طرح ہر شکل پر خواہ ملک کی ہو یا مال کی، برق کی ہو یا بھاپ کی ان کا ہی قبضہ ہے اور وہ ہی تصرف فرماتے ہیں۔ جہاں سے انسان کو تعمیر نظر آتی ہے وہاں سے تخریب لاکر دکھادیں اور جہاں سے تخریب نظر آتی ہے وہاں سے تعمیر لاکر دکھادیں۔ تربیت کا نظام وہی چلاتے ہیں۔ ساری چیزوں کے بغیر ربیت پر ڈال کر پال دیں اور سارے ساز و سامان میں پرورش بگاڑ دیں۔

اللہ جل شانہٗ کی ذات عالی سے تعلق پیدا ہو جائے اور ان کی قدرت سے براہ راست استفادہ ہو اس کے لئے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی طرف سے طریقے لیکر آئے ہیں جب ان کے طریقے زندگیوں میں آئیں گے تو اللہ جل شانہٗ ہر نقشے میں کامیابی دے کر دکھائیں گے لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ میں اپنے یقین اور اپنے جذبے اور اپنے طریقے بدلنے کا مطالبہ ہے۔ صرف یقین کی تبدیلی پر ہی اللہ پاک اس زمین و آسمان سے کئی گنا زیادہ بڑی جنت عطا فرمائیں گے۔ جن چیزوں میں سے یقین نکل کر اللہ کی ذات میں آئے گا۔ ان ساری چیزوں کو اللہ پاک مسخر فرمادیں گے۔ اس یقین کو اپنے اندر پیدا کرنے کے لئے ایک تو اس یقین کی دعوت دینی ہے۔ اللہ کی بڑائی سمجھانی ہے، ان کی ربوبیت سمجھانی ہے۔ ان کی قدرت سمجھانی ہے۔ انبیاء اور صحابہ کے واقعات سنانے ہیں۔ خود تنہائیوں میں بیٹھ کر سوچنا ہے دل میں اسی یقین کو اتارنا ہے جس کی مجمع میں دعوت دی ہے یہی حق ہے اور پھر رو رو کر دعا مانگنی ہے کہ اے اللہ اس یقین کی حقیقت سے نواز دے۔

اللہ جل شانہٗ کی قدرت سے براہ راست فائدے حاصل کرنے کے لئے نماز کا عمل دیا گیا ہے۔ سر سے لے کر پیر تک اللہ کی رضا والے مخصوص طریقے پر پابندیوں کے ساتھ اپنے کو استعمال کرو۔ آنکھوں کا، کانوں کا، ہاتھوں کا، زبان کا، پیروں کا استعمال ٹھیک ہو۔ دل میں اللہ کا دھیان ہو، اللہ کا خوف ہو، یقین ہو کہ نماز میں اللہ کے حکم کے

مطابق میرا ہر استعمال تکبیر و تسبیح ،رکوع و سجدہ ساری کائنات سے زیادہ انعامات دلانے والا ہے۔ ایسی یقین کے ساتھ نماز پڑھ کر ہاتھ پھیلا کر مانگا جائے تو اللہ جل شانہ اپنی قدرت سے ہر ضرورت پوری کریں گے، ایسی نماز پر اللہ پاک گناہوں کو معاف بھی فرمادیں گے۔ رزق میں برکت بھی دیں گے۔ طاعت کی توفیق بھی ملے گی۔ ایسی نماز سیکھنے کے لئے دوسروں کو خشوع وخضوع والی نماز کی ترغیب و دعوت دی جائے۔ اس پر آخرت اور دنیا کے نفعے سمجھائے جائیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات صحابہ کی نماز کو سنانا۔ خود اپنی نماز کو اچھا کرنے کی مشق کرنا۔ اہتمام سے وضو کرنا۔ دھیان جمانا، قیام میں، قعدہ میں، رکوع میں، سجدے میں بھی دھیان کم از کم تین مرتبہ جمایا جائے کہ اللہ مجھے دیکھ رہے ہیں۔ نماز کے بعد سوچا جائے کہ اللہ کی شان کے مطابق نماز نہ ہوئی۔ اس پر رونا اور کہنا کہ اے اللہ ہماری نماز میں حقیقت پیدا فرما۔

علم سے مراد یہ ہے کہ ہم میں تحقیق کا جذبہ پیدا ہو جائے۔ میرے اللہ مجھ سے اس حال میں کیا چاہتے ہیں اور پھر اللہ کے دھیان کے ساتھ اپنے آپ کو اس عمل میں لگا دینا یہ ذکر ہے جو آدمی دین سیکھنے کے لئے سفر کرتا ہے اس کا یہ سفر عبادت میں لکھا جاتا ہے۔ اس مقصد کے لئے چلنے والوں کے پیروں کے نیچے ستر ہزار فرشتے اپنے پر بچھاتے ہیں۔ زمین و آسمان کی ساری مخلوق ان کے لئے دعائے مغفرت کرتی ہے۔ شیطان پر ایک عالم ہزار عابدوں سے زیادہ بھاری ہے۔ دوسروں میں علم کا شوق پیدا کرنے کی کوشش کی جائے۔ فضائل سنائے جائیں۔ خود تعلیم کے حلقوں میں بیٹھا جائے۔ علماء کی خدمت میں حاضری دی جائے اس کو بھی عبادت یقین کیا جائے اور رو رو کر مانگا جائے کہ اللہ جل شانہٗ علم کی حقیقت عطا فرمادیں ہر عمل میں اللہ جل شانہ کا دھیان پیدا کرنے کے لئے اللہ کا ذکر ہے۔ جو آدمی اللہ جل شانہٗ کو یاد کرتا ہے اللہ جل شانہٗ اس کو یاد فرماتے ہیں جب تک آدمی کے ہونٹ اللہ کے ذکر میں ہلتے رہتے ہیں اللہ جل شانہٗ اس کے ساتھ ہوتے ہیں، اللہ پاک اپنی محبت و معرفت عطا فرماتے ہیں۔ اللہ کا ذکر شیطان سے حفاظت کا قلعہ ہے۔ خود اللہ جل شانہٗ کا دھیان پیدا کرنے کے لئے دوسروں کو اللہ کے ذکر پر آمادہ کرنا، ترغیب دینا۔ خود دھیان

جما کر کہ میرے اللہ مجھے دیکھ رہے ہیں۔ ذکر کرنا اور رو رو کر دعا مانگنا کہ اے اللہ مجھے ذکر کی حقیقت عطا فرما۔

ہر مسلمان کا بحیثیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا امتی ہونے کے اکرام بھی کرنا ہے، ہر امتی کے آگے بچھ جانا۔ ہر شخص کے حقوق کو ادا کرنا اور اپنے حقوق کا مطالبہ نہ کرنا جو آدمی مسلمان کی پردہ پوشی کرے گا، اللہ جل شانہٗ اسکی پردہ پوشی فرمائیں گے جب تک آدمی اپنے مسلمان بھائی کے کام میں لگا رہتا ہے اللہ جل شانہٗ اس کے کام میں لگے رہتے ہیں جو اپنے حق کو معاف کر دے گا اللہ جل شانہٗ اس کو جنت کے بیچ میں محل عطا فرمائیں گے۔ جو اللہ کے لئے دوسروں کے آگے تذلل اختیار کرے گا اللہ جل شانہٗ اسکو رفعت و بلندی عطا فرمائیں گے اسکے لئے دوسروں میں ترغیب کے ذریعہ اکرام مسلم کا شوق پیدا کرنا ہے۔ مسلمان کی قیمت بتانی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اکرم اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے اخلاق، ہمدردی اور ایثار کے واقعات سنانے ہیں۔ خود اسکی مشق کرنی ہے اور رو رو کر اللہ جل شانہٗ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کی توفیق مانگنی ہے۔

ہر عمل میں اللہ جل شانہٗ کی رضا کا جذبہ ہو، کسی عمل سے دنیا کی طلب یا اپنی حیثیت بنانا مقصود نہ ہو۔ اللہ کی رضا کے جذبے سے تھوڑا سا عمل بھی بہت انعامات دلوائے گا اور اس کے بغیر بہت بڑے بڑے عمل بھی گرفت کا سبب بنیں گے۔ اپنی نیت کو درست کرنے کے لئے دوسروں میں دعوت کے ذریعہ تصحیح نیت کا فکر و شوق پیدا کیا جائے اپنے آپ پر عمل سے پہلے اور ہر عمل کے دوران نیت کو درست کرنے کی مشق کی جائے۔ میں اللہ کو راضی کرنے کے لئے یہ عمل کر رہا ہوں، اور عمل کی تکمیل پر اپنی نیت کو ناقص قرار دیکر توبہ و استغفار کی جائے اور رو رو کر اللہ جل شانہٗ سے اخلاص مانگا جائے۔

آج امت میں کسی حد تک انفرادی اعمال کا رواج ہے گو ان کی حقیقت نکلی ہوئی ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت کے طفیل پوری امت کو دعوت والی محنت ملی تھی اس کے بندوں کا تعلق اللہ جل شانہٗ سے قائم ہو جائے اس کے لئے انبیاء علیہم السلام والے طرز پر اپنی جان و مال کو جھونک دینا اور جتنے بھی محنت کر رہے ہیں ان سے کسی

چیز کا طالب نہ بننا اس کے لئے ہجرت بھی کرنا اور نصرت بھی کرنا۔ جو زمین والوں پر رحم کرتا ہے آسمان والا ان پر رحم کرتا ہے۔ جو دوسروں کا تعلق اللہ جل شانہٗ سے جوڑنے کے لئے ایمان و عمل صالح کی محنت کریں گے اللہ جل شانہٗ ان کو سب سے پہلے ایمان و عمل صالح کی حقیقتوں سے نواز کر اپنا تعلق عطا فرمائیں گے، اس راستے میں ایک صبح یا ایک شام کا نکلنا پوری دنیا اور جو کچھ اس میں ہے (باعتبار اعمال کے بھی اور باعتبار چیزوں کے بھی) اس سب سے بہتر ہے اس راستے میں ہر مال کے خرچ اور اللہ کے ہر ذکر و تسبیح اور ہر نماز کا ثواب، لاکھ گنا ہو جاتا ہے۔ اس راستے میں محنت کرنے والوں کی دعائیں بنی اسرائیل کے انبیاء علیہم السلام کی دعاؤں کی طرح قبول ہوتی ہیں یعنی جس طرح ان کی دعاؤں پر اللہ جل شانہٗ نے ظواہر کے خلاف اپنی قدرت کو استعمال فرما کر ان کو کامیاب فرمایا اور باطل خاکوں کو توڑ دیا اسی طرح اس محنت کے کرنے والوں کی دعاؤں پر اللہ جل شانہٗ ظواہر کے خلاف اپنی قدرت کے مظاہرے فرمائیں گے اور اگر عالمی بنیاد پر محنت کی گئی تو تمام اہل عالم کے قلوب میں اُن کی محنت کے اثر سے تبدیلیاں لائیں گے۔ دین کے دوسرے اعمال کی طرح ہمیں یہ محنت بھی کرنی نہیں آتی۔ دوسروں کو اس محنت کے لئے آمادہ کرنا ہے، اس کی اہمیت اور قیمت بتانی ہے، انبیاء علیہم السلام اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے واقعات سنانے ہیں، خود اپنے آپ کو قربانی کی شکلوں اور ہجرت و نصرت والے اعمال میں لگانا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین ہر سال میں اللہ کی راہ میں نکلے ہیں، نکاح کے وقت اور رخصتی کے وقت، گھر میں ولادت کے موقع پر اور وفات کے موقع پر، سردی میں، گرمی میں، بھوک میں، فاقے میں، صحت میں بیماری میں، قوت میں، ضعف میں، جوانی میں، بڑھاپے میں بھی نکلے ہیں!! اور رو رو کر اللہ جل شانہٗ سے مانگنا ہے کہ ہمیں اس عالی محنت کیلئے قبول فرمالے۔

ان چیزوں سے مناسبت پیدا کرنے کے لئے ہر شخص سے خواہ کسی شعبہ سے متعلق ہو چار ماہ کا مطالبہ کیا جاتا ہے؛ اپنے مشاغل ساز و سامان اور گھر بار سے نکل کر ان چیزوں کی دعوت دیتے ہوئے اور خود مشق کرتے ہوئے ملک بہ ملک اقلیم بہ اقلیم قوم بہ قوم قریہ بہ قریہ پھریں گے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر امتی کو مسجد والا بنایا تھا، مسجد کے کچھ مخصوص اعمال

دیئے تھے۔ ان اعمال سے مسلمانوں کا زندگی میں امتیاز تھا، مسجد میں اللہ کی بڑائی کی، ایمان کی اور آخرت کی باتیں ہوتی تھیں۔ اعمال سے زندگی بننے کی باتیں ہوتی تھیں۔ عملوں کے ٹھیک کرنے کے لئے تعلیمیں ہوتی تھیں۔ ایمان و عمل صالح کی دعوت کے لئے ملکوں اور علاقوں میں جانے کی تشکیلیں بھی مسجد سے ہی ہوتی تھیں۔ اللہ کے ذکر کی مجلسیں مسجدوں میں ہوتی تھیں۔ یہاں تعاون ایثار ہمدردیوں کے اعمال ہوتے تھے۔ ہر شخص حاکم محکوم، مالدار غریب، تاجر، زارع، مزدور، مسجد میں آکر زندگی سیکھتا تھا اور باہر جاکر اپنے اپنے شعبہ میں مسجد والے تاثر سے چلتا تھا، آج ہم دھوکے میں پڑ گئے کہ ہمارے پیسے سے مسجد چلتی ہے، مسجدیں اعمال سے خالی ہوگئیں اور چیزوں سے بھر گئیں حضور صلعم نے مسجد کو بازار والوں کے تابع نہیں کیا۔ حضور صلعم کی مسجد میں نہ بجلی تھی نہ پانی تھا، نہ غسل خانے تھے، خرچ کی کوئی شکل نہ تھی۔ مسجد میں آکر داعی بنتا تھا، معلم اور متعلم بنتا تھا۔ ذاکر بنتا تھا، نمازی بنتا تھا مطیع بنتا تھا۔ متقی زاہد بنتا تھا، خلیق بنتا تھا، باہر جاکر ٹھیک زندگی گذارتا تھا، مسجد بازار والوں کو چلاتی تھی۔ ان چار ماہ میں ہر جگہ جاکر مسجدوں میں ہر امتی کو لانے کی مشق کریں، مسجد والے اعمال کو سیکھتے ہوئے دوسروں کو یہ محنت سیکھنے کیلئے تین چلوں کے واسطے آمادہ کریں۔

واپس اپنے مقام پر آکر اپنی بستی کی مسجد میں ان اعمال کو زندہ کرنا ہے، ہفتہ میں دو مرتبہ گشت کے ذریعہ بستی والوں کو جمع کرکے انہی چیزوں کی طرف متوجہ کرنا اور مشق کے لئے فی گھر ایک نفر تین چلوں کے لئے باہر نکلنا ہے۔ ایک گشت اپنی مسجد کے ماحول میں اور دوسرا گشت دوسری مسجد کے ماحول میں کریں۔ ہر مسجد میں مقامی جماعت بھی بنائیں۔ ہر مسجد کے احباب روزانہ فضائل کی تعلیم کریں۔ اپنے شہر یا بستی کے قریب دیہات میں کام کی فضا بنے اس کے لئے ہر مسجد سے تین یوم کے لئے جماعتیں پانچ کوس کے علاقے میں جائیں، ہر دوست مہینے میں تین یوم پابندی سے لگائے۔ "اَلْحَسَنَةُ بِعَشْرِ اَمْثَالِهَا" کے مصداق تین دن پر تیس دن کا ثواب ملے گا پورے سال ہر مہینے تین دن لگائے تو سارا سال اللہ کی راہ میں شمار ہوگا۔ اندرون

ملک کے تقاضے پورے ہوتے رہیں اور اپنی مشق قائم رہے اور جاری رہے اس کیلئے ہر سال اہتمام سے چلہ لگایا جائے عمر میں کم از کم تین چلے، سال میں چلہ، مہینے میں تین یوم ہفتہ میں دو گشت، روزانہ تعلیم، تسبیحات، تلاوت یہ کم سے کم نصاب ہے کہ ہماری زندگی دین والی بنتی رہے، اگر ہم یوں چاہیں کہ ہم سب بنیں اجتماعی طور پر پوری انسانیت کی زندگی کے صحیح رُخ پر آنے اور باطل کے ٹوٹنے کا تو اس کے لئے اس نصاب سے بھی آگے بڑھنا ہوگا۔ ہمارے وقت اور ہماری آمدنی کا نصف اللہ کی راہ میں لگے اور نصف کاروبار اور گھر کے مسائل میں یا کم از کم یہ کہ ایک تہائی وقت و آمدنی اللہ کی راہ میں اور دو تہائی اپنے مشاغل میں۔ یعنی ہر سال چار ماہ کی ترتیب بٹھائی جائے۔

آپ حضرات عمر میں کم از کم تین چلوں کی دعوت خوب جم کر دیں، اس میں بالکل نہ گھبرائیں، اس کے بغیر زندگیوں کے رُخ نہ بدلیں گے، جن احباب نے خود ابھی تین چلے نہ دیئے ہوں وہ بھی اس نیت سے خوب جم کر دعوت دیں کہ اللہ جل شانہ اس کیلئے ہمیں قبول فرمالے۔

گشت کا عمل اس کام میں ریڑھ کی ہڈی کی سی اہمیت رکھتا ہے۔ اگر یہ عمل صحیح ہوگا قبول ہوگا، دعوت قبول ہوگی۔ دعوت قبول ہوگی دعا قبول ہوگی۔ دعا قبول ہوگی ... . ہدایت آئے گی۔ اور گشت قبول نہ ہوا تو دعوت قبول نہ ہوگی۔ دعوت قبول نہوئی دعا قبول نہوگی۔ دعا قبول نہوئی ہدایت نہیں آئے گی۔

گشت کا موضوع یہ ہے کہ اللہ جل شانہ نے ہماری دنیا اور آخرت کے مسائل کا حل حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ پر زندگی گذارنے میں رکھا ہے۔ ان کے طریقے ہماری زندگیوں میں آجائیں اس کے لئے محنت کی ضرورت ہے۔ اس محنت پر بستی والوں کو آمادہ کرنے کیلئے گشت کے لئے مسجد میں جمع کرنا ہے۔ نماز کے بعد اعلان کر کے لوگوں کو روکا جائے، اعلان کوئی بستی کا با اثر آدمی یا امام صاحب کریں تو زیادہ مناسب ہے وہ ہم کو کہیں تو ہمارے ساتھی کردیں۔ پھر گشت کی اہمیت ضرورت اور قیمت بتائی جائے اس کے لئے آمادہ کیا جائے جو تیار ہوں ان کو اچھی طرح آداب سمجھائیں۔ اللہ کا ذکر کرتے

ہوئے چلنا ہے۔ نگاہیں نیچی ہوں۔ ہمارے تمام مسائل کا تعلق اللہ جل شانہ کی ذات سے ہے، ان بازار میں پھیلی ہوئی چیزوں سے کسی مسئلے کا تعلق نہیں۔ چیزوں پر نگاہ نہ پڑے دھیان نہ جائے۔ اگر نگاہ پڑ جائے تو مٹی کے ڈلے معلوم ہوں۔ ہمارا دل اگر ان چیزوں کی طرف پھر گیا تو پھر ہم جن کے پاس جا رہے ہیں ان کا دل ان چیزوں سے اللہ کی طرف کیسے پھرے گا۔ قبر کا داخلہ سامنے ہو۔ اسی زمین کے نیچے جانا ہے۔ مل جل کر چلیں۔ ایک آدمی بات کرے کامیاب ہے وہ بات کرنے والا جو مختصر بات کرکے آدمی کو مسجد میں بھیج دے۔ بھائی ہم مسلمان ہیں۔ ہم نے کلمہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھا ہے۔ ہمارا یقین ہے اللہ پالنے والے ہیں۔ نفع ونقصان۔ عزت وذلت اللہ کے ہاتھ میں ہے، اگر ہم اللہ کے حکم پر حضرت محمدؐ کے طریقے پر زندگی گزاریں گے اللہ راضی ہو کر ہماری زندگی بنا دیں گے۔ ہم سب کی زندگی اللہ جل شانہ کے حکم کے مطابق حضرت محمدؐ کے طریقے پر آجائے اس کے لئے بھائی مسجد میں کچھ فکر کی بات ہو رہی ہے۔

نماز پڑھ چکے ہوں تو بھی اٹھا کر مسجد میں بھیج دیں۔ ضرورت ہو تو آگے کی نماز کو بھی مسجد میں فوری جانے کا عنوان بنا لیں۔ "اللہ کا سب سے بڑا حکم نماز ہے نماز پڑھیں گے اللہ روزی میں برکت دیں گے، گناہوں کو معاف کر دیں گے۔ دعاؤں کو قبول فرما لیں گے۔ بشارتیں سنائی جائیں وعیدیں نہیں۔

نماز کا وقت جا رہا ہے مسجد میں چلئے۔

امیر کی اطاعت کرنی ہے۔ واپسی میں استغفار کرتے ہوئے آنا ہے۔ اب آداب کا مذاکرہ کرنے کے بعد دعا مانگ کر چل دیں۔ گشت میں دس آدمی جائیں۔ مسجد کے قریب مکانات پر گشت کریں، مکانات نہ ہوں تو بازار میں کریں۔ جماعت میں زیادہ آدمی ایسے ہوں جو گشت میں اصولوں کی پابندی کر لیں۔ مسجد میں دو تین آدمی چھوڑ دیں نئے آدمی زیادہ تیار ہو جائیں تو ان کو بھی سمجھا کر مسجد میں مشغول کر دیں۔ نئے آدمی تین چار ساتھ ہوں، مسجد میں ایک ساتھی اللہ جل شانہ کی طرف متوجہ ہو کر ذکر ودعا میں مشغول رہے۔ ایک آنے والوں کا استقبال کرے۔ ضرورت ہو تو وضو کروا کر نماز پڑھوا دے اور ایک ساتھی

آنے والوں کو نماز تک مشغول رکھے۔ اپنی زندگی کا مقصد سمجھائے۔ پونے گھنٹے گشت ہو۔ نماز سے سات آٹھ منٹ پہلے گشت ختم کر دیں۔ سب تکبیر اولیٰ کے ساتھ نماز میں شریک ہوں جس ساتھی کے بارے میں مشورہ ہو جائے وہ دعوت دے۔ یہ سمجھائے کہ اللہ جل شانہٗ کی ذات عالی سے تعلق قائم ہوا تو دنیا اور آخرت میں کیا نفع ہوگا۔ اور اگر اللہ جل شانہٗ کی ذات عالی سے تعلق قائم نہ ہوا تو دنیا اور آخرت میں کیا نقصان ہوگا۔ جیسے اس خط کے شروع میں چھ نمبروں کا تذکرہ کیا ہے اس طرز پہ ہر نمبر کا مقصد اس کا نفع اور قیمت اور حاصل کرنے کا طریقہ بتایا جائے۔ سادے انداز میں بیان ہو۔ اس سے انشاء اللہ مجمع کی سمجھ میں کام آئے گا اور اس کی ضرورت بھی محسوس کرے گا اور سمجھے گا کہ ہم بھی سیکھ سکتے ہیں۔ ہمارے ساتھی بھی دعوت میں اہتمام سے جم کر بیٹھیں۔ متوجہ ہو کر محتاج بن کر سنیں، جو بات کہہ رہا ہے ہم اپنے دل میں کہیں کہ حق ہے اس سے دل میں ایمان کی لہریں اٹھیں گی اور عمل کا جذبہ بنے گا۔ تین چلوں کی بات جم کر رکھی جائے نقد نام لئے جائیں اس کے بعد چلوں کے لئے وقت لکھوائے جائیں اور پھر جو جس وقت کے لئے تیار ہو اس کو قبول کر لیا جائے۔ مطالبہ اور تشکیل کے وقت محنت ساری دعوت کا مغز بنتا ہے اگر مطالبوں پر جم کر محنت نہ ہوئی تو پھر کام کی باتیں رہ جائیں گی اور قربانی وجود میں نہ آئے گی تو کام کی جان نکل جائے گی۔ دعوت دینے والا ہی مطالبہ کرے۔ ایک آدمی کھڑے ہو کر نام لکھے۔ نام لکھنے والا مستقل تقریر شروع نہ کرے، ایک دو جملے ترغیبی کہہ سکتا ہے پھر آپس میں ایک دوسرے کو آمادہ کرنے کو کہا جائے، فکر کے ساتھ اپنے قریب بیٹھنے والوں کو تیار کریں۔ اعذار کا دلجوئی اور ترغیب کے ساتھ حل بتائیں۔ نبیوں اور صحابہ کی قربانیوں کے قصوں کی طرف اشارے کریں اور پھر آمادہ کریں۔ آخر میں مقامی جماعت بنا کر ان کے ہفتے کے دو گشت، روزانہ تعلیم، تسبیحات، مہینے کے تین یوم وغیرہ کا نظم طے کرائیں۔

دعوت میں، انبیاءؑ اور صحابہؓ کے ساتھ اللہ جل شانہٗ نے جو مدد فرمائی ہیں وہ تو بیان کی جائیں اور جو ہمارے ساتھ مدد یں ہوئیں ان کو بیان نہ کیا جائے دعوت میں قضا د حاضرہ کی باتیں نہ کی جائیں۔ امت میں جو ایمانی، عملی، اخلاقی کمزوریاں آچکیں

ان کے تذکرے سے بہتر ہے کہ اصلی خوبیوں کی طرف یعنی جو بات پیدا ہونی چاہیئے اسکی طرف متوجہ کریں۔

تعلیم میں دھیان، عظمت، محبت، ادب اور توجہ کے ساتھ بیٹھنے کی مشق کی جائے سہارا نہ لگایا جائے، باوضو بیٹھنے کی کوشش ہو۔ طبیعت کے بہانوں کی وجہ سے تعلیم کے دوران نہ اٹھا جائے، باتیں نہ کی جائیں اگر اس طرح بیٹھیں گے تو فرشتے اس مجلس کو ڈھانک لیں گے۔ اہل مجلس میں طاعت کا مادہ پیدا ہوگا۔ عظمت کی مشق سے حدیث پاک کا وہ نور دل میں آئے گا جس پر عمل کی ہدایت ملتی ہے۔ بیٹھنے کے آداب اور مقصد کی طرف متوجہ کیا جائے۔ مقصد یہ ہے کہ ہمارے اندر دین کی طلب پیدا ہو جائے۔ فضائل قرآن مجید پڑھ کر تھوڑی دیر کلام پاک کی ان سورتوں کی تجوید کی مشق کی جائے جو عموماً نمازوں میں پڑھی جاتی ہیں۔ التحیات، دعائے قنوت وغیرہ کا مذاکرہ و تصحیح اجتماعی تعلیم میں نہ ہو۔ انفرادی سیکھنے سکھانے میں ان کی تصحیح کریں۔ اللہ پاک توفیق دیں تو ہر کتاب میں سے تین چار صفحے پڑھے جائیں۔ تعلیم میں اپنی طرف سے تقریر نہ ہو۔ حدیث شریف پڑھنے کے بعد دو تین جملے ایسے کہہ دیئے جائیں کہ اس عمل کا جذبہ و شوق ابھر آئے۔ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب دامت برکاتہم کی تالیف فرمودہ فضائل قرآن مجید، فضائل نماز، فضائل تبلیغ، فضائل ذکر، فضائل صدقات حصہ اول دوم، فضائل رمضان، فضائل حج (ایام حج و رمضان میں) اور مولانا احتشام الحسن صاحب کاندھلوی دام مجدہٗ کی (مسلمانوں کی موجودہ پستی کا واحد علاج) صرف یہ کتابیں ہیں جنکو اجتماعی تعلیم میں پڑھنا اور سننا ہے، اور تنہائیوں میں بیٹھ کر بھی ان کو پڑھنا ہے۔ کتابوں کے بعد چھ نمبروں کا مذاکرہ ہو، ساتھیوں سے نمبر بیان کرائے جائیں۔ جب تعلیم شروع کی جائے تو اپنے میں سے دو ساتھیوں کو تعلیم کے گشت کیلئے بھیج دیا جائے۔ ۱۵-۲۰ منٹ بعد وہ آجائیں تو دوسرے دو ساتھی چلے جائیں۔ اس طرح بستی والوں کو تعلیم میں شریک کرنے کی کوشش ہوتی رہے۔ باہر نکلنے کے زمانے میں روزانہ صبح اور بعد ظہر دونوں وقت تعلیم دو تین گھنٹے کی جائے اور اپنے مقام پر روزانہ اسی ترتیب سے ایک گھنٹے تعلیم ہو یا ابتداءً جتنی دیر احباب جڑ سکیں۔ کام کے تقاضوں کو سوچنے انکی ترتیب

قائم کرنے، ان تقاضوں کو پورا کرنے کی شکلیں بنانے میں اور جو احباب اوقات فارغ کریں انکی مناسب تشکیل میں اور جو مسائل ہوں احباب کو مشورہ میں جوڑا جائے، اللہ جل شانہٗ کے دھیان اور فکر کے ساتھ دعائیں مانگ کر مشورہ میں بیٹھیں مشورہ میں اپنی رائے پر اصرار اور عمل کرانے کا جذبہ نہ ہو اس سے اللہ کی مدد یں ہٹ جاتی ہیں جب رائے طلب کی جائے امانت سمجھ کر جو بات اپنے دل میں ہو کہہ دی جائے، رائے رکھنے میں نرمی ہو۔ کسی ساتھی کی رائے سے تقابل کا طرز نہ ہو۔ میری رائے میں میرے نفس کے شرور شامل ہیں یہ دل کے اندر خیال ہو۔ اگر فیصلہ کسی دوسری رائے پر ہوگیا تو اس کی خوشی ہو کہ میرے شرور سے حفاظت ہوگئی اور اگر اپنی رائے پر فیصلہ ہو جائے تو خوف ہو اور زیادہ دعائیں مانگی جائیں۔ ہمارے ہاں فیصلے کی بنیاد کثرت رائے نہیں ہے، اور ہر معاملہ میں ہر ایک سے رائے لینا بھی ضروری نہیں ہے، دلجوئی سب کی ضروری ہے۔ امیر کو اس بات کا یقین ہو کہ ان احباب کے فکر اور مل کر بیٹھنے کی برکت سے اللہ جل شانہٗ صحیح بات کھول دیں گے، امیر اپنے آپ کو مشورہ کا محتاج سمجھے رائے لینے کے بعد غور و فکر سے جو مناسب سمجھ میں آتا ہو وہ کہہ دے، بات اس طرح رکھے کہ کسی کی رائے کا استخفاف نہ ہو۔ اگر طبیعتیں مختلف ہوں تو اس بات پر شوق و رغبت سے ساتھ آمادہ کرلے، اور ساتھی امیر کی بات پر ایسے شوق سے چلیں جیسے کہ ان کی ہی رائے طے پائی ہے اسی میں تربیت ہے اگر اس کے بعد عملاً ایسی شکل نظر آئے کہ ہماری رائے زیادہ مناسب تھی پھر بھی ہرگز طعنہ نہ دیا جائے یا اشارہ کنایہ بھی نہ کیا جائے اسی میں خیر کا یقین کیا جائے، جو امیروں کو طعنہ دے اسکے لئے سخت وعید آئی ہے،

جب محلوں کی مساجد میں ہفتوں کی دو گشتوں کے ذریعہ فی گھر ایک آدمی تین چلے کے لئے نکلنے کی آواز لگ رہی ہو گی، تعلیموں اور تسبیحات پر احباب جڑ رہے ہوں گے، ہر مسجد سے تین دن کے لئے جماعتیں نکالنے کی کوششیں ہو رہی ہوں گی تو شب جمعہ کا اجتماع صحیح نہج پر ہوگا اور کام کے بڑھنے کی صورتیں بنیں گی۔ جمعرات کو عصر کے وقت سے محلوں کی مساجد کے احباب اپنی اپنی جماعتوں کی صورت میں بستر

اور کھانا ساتھ لے کر اجتماع کی جگہ پر پہنچیں۔ مشورے سے ایسے احباب سے عموماً دعوت لوائی جائے جو محنت کے میدان میں ہوں اور جن کی طبیعت پر کام کے تقاضے غالب ہوں بہت ہی فکر و اہتمام سے تشکیلیں کی جائیں۔ اگر اوقات وصول نہ ہوں تو رات کو بھی محنت کی جائے رد و کد کرائی جائے، صبح کو جماعتوں کی تشکیل کر کے ہدایات دیکر روانہ کیا جائے تین دن کی محلوں سے تیار ہو کر آئی ہوئی جماعتیں عموماً سات آٹھ میل تک بھیجی جائیں ہر شب جمعہ سے تین چلوں اور چلوں کی جماعتوں کے نکلنے کا رخ پڑنا چاہیئے اگر شب جمعہ میں خدانخواستہ سب تقاضے پورے نہ ہو سکے تو سارے ہفتے اپنے محلوں میں پھر اسکے لئے کوشش کی جائے اور آئندہ شب جمعہ میں محلوں سے تقاضوں کیلئے لوگوں کو تیار کر کے لایا جائے۔

بھائی دوستو یہ کام بہت نازک ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک محنت فرمائی، اس محنت سے سارے انسانوں کی ساری زندگی کے کمانے، کھانے، بیاہ شادی میل ملاقات، عبادات معاملات وغیرہ کے طریقوں میں مکمل تبدیلیاں آئیں تو آپ نے خود اس محنت کے کتنے طریقے بتلائے ہوں گے، ہمیں ابھی یہ کام کرنا نہیں آتا اور نہ ابھی حقیقی کام شروع ہوا ہے۔ کام اس دن شروع ہوگا جب ایمان و یقین، اللہ کی محبت، اللہ کے دھیان، آخرت کی فکر، اللہ کے خوف و خشیت، زہد و تقویٰ سے بھرے ہوئے لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عالی اخلاق سے مزین ہو کر اللہ کی رضا کے جذبے سے مخمور ہو کر اللہ کی راہ میں جان دینے کے شوق سے کھنچے کھنچے پھریں گے۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں "اللہ رحم کرے خالدؓ پر اس کے دل کی تمنا صرف یہ تھی کہ حق اور حق والے چمک جائیں اور باطل اور باطل والے مٹ جائیں اور کوئی تمنا ہی نہ تھی"۔ ابھی جو ہم کو کام کی برکتیں نظر آرہی ہیں وہ کام شروع ہونے سے پہلے کی برکتیں ہیں۔ جیسے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے وقت سے ہی برکتوں کا ظہور شروع ہوا تھا لیکن اصل کام اور اصل برکتیں چالیس سال بعد شروع ہوئیں۔ ابھی تو اس کیلئے محنت ہو رہی ہے کہ کام کرنے والے تیار ہو جائیں۔ اللہ جل شانہ کام ان سے لیں گے اور ہدایت پھیلنے کا ذریعہ ان کو بنائیں گے جن کی زندگی اپنی دعوت کے مطابق بدلے گی

جن کی زندگیوں میں تبدیلی نہ آئے گی اللہ جل شانہ ان سے اپنے دین کا کام نہ لیں گے یہ نبیوں والا کام ہے۔

اس کام میں اگر اپنے آپ کو اصول سیکھنے کا محتاج نہ سمجھا گیا اور اصولوں کے مطابق کام نہ ہوا تو سخت فتنوں کا خطرہ ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب باہر ملکوں میں کام شروع کرنے کا ارادہ فرمایا تو پہلے تمام صحابہ کو تین تین دن تک ترغیب دی اور پھر فرمایا کہ جس طرز پر یہاں کام ہوا ہے بالکل اسی طرز پر باہر جا کر بھی کرنا ہے اس کام کی نوعیت یہی ہے مقام زبان معاشرت موسم وغیرہ کے اعتبار سے اس کام کے اصول نہیں بدلتے اس کام کی نہج اور اصولوں کو سیکھنے اور ان پر قائم رہنے کیلئے اس فضا میں آنا اور بار بار آتے رہنا نہایت ضروری ہے، جہاں حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے جان کھپائی تھی اور ان کے ساتھ اختلاط بھی بہت ضروری ہے جو اس جدوجہد میں حضرتؒ کے ساتھ تھے اور جب سے اب تک اس فضا میں اور کام میں مسلسل لگے ہوئے ہیں اس کے بغیر کام کا اپنے نہج اور اصولوں پر قائم رہنا بظاہر ممکن نہیں۔ اس لئے اپنے کام کرنے والے احباب کو ایسی فضا میں اہتمام سے نوبت بہ نوبت بھیجتے رہیں۔

تمام انبیاء علیہم السلام اپنے اپنے زمانے میں کسی نہ کسی نقشے کے مقابلہ پر آئے اور بتایا کہ کامیابی کا اس نقشے سے بالکل تعلق نہیں ہے۔ کامیابی کا تعلق براہ راست اللہ جل شانہ کی ذات عالی سے ہے۔ اگر عمل ٹھیک ہوں گے اللہ جل شانہ چھوٹے نقشے میں بھی کامیاب کر دیں گے اور عمل خراب ہوں گے اللہ جل شانہ بڑے سے بڑے نقشے کو توڑ کر ناکام کر کے دکھائیں گے۔ کامیاب ہونے کیلئے اس نقشے میں عمل ٹھیک کرو۔ ہر نبی نے اپنے رائج الوقت نقشے کے مقابلے پر محنت کی اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمام اکثریت، حکومت، مال، زراعت اور صنعت کے نقشوں کے مقابلہ پر تشریف لائے۔ آپ کی محنت ان نقشوں سے نہیں چلی۔ آپ کی محنت مجاہدوں اور قربانیوں سے چلی ہے۔ باطل تعیش کے نقشے سے پھیلتا ہے تو حق تکلیفیں اٹھانے سے پھیلتا ہے، باطل ملک و مال سے چمکتا ہے تو حق فقر و غربت کی مشقتوں میں چمکتا ہے جتنے فتنے ملک و مال اور تعیش کی بنیاد پر لائے جا رہے ہیں ان کا توڑ حق کے لئے فقر و غربت

اور تکالیف برداشت کرنے میں ہے۔ اب اس کام کے ذریعہ امت میں مجاہدہ اور قربانی کی استعداد پیدا کرنی ہے۔ اس کام کیلئے بہت بڑا خطرہ یہ ہے کہ اس کو نقشوں پر منحصر کر دیا جائے اس سے کام کی جان نکل جائے گی اس کام کی حفاظت اس میں ہے کہ کام کرنے والے اس کام کیلئے تمام میسر نقشوں کو بھی قربان کرتے ہوئے مجاہدے والی شکلوں کو قائم رکھیں اور کسی صورت میں مجاہدے والی شکلوں کو ختم نہ ہونے دیں۔ سواریوں میں اپنی محنت کو بڑھایا جائے۔ پیدل جماعتیں چلائی جائیں۔ لوگ آئیں گے کہ ... ... یہ ہمارا پیسہ دین کے کام میں خرچ کر لیجئے۔ پھر نقشے کی قربانی دینی ہوگی۔ کہہ دیجئے کہ جناب یہاں اس کام میں خرچ کرنے کا صحیح اور پاک طریقہ و جذبہ سکھایا جاتا ہے پھر محل تلاش کر کے خود خرچ کر دیجئے گا۔ یہاں تو طریقہ سیکھ لیجئے۔

اس کام کی تعمیم کے لئے رواجی طریقوں اخبار، اشتہار، پریس وغیرہ اور رواجی الفاظ سے بھی پورے پرہیز کی ضرورت ہے۔ یہ کام سارا غیر رواجی ہے۔ رواجی طریقوں سے رواج کو تقویت پہنچے گی اس کام کو نہیں۔

اصل کام کی شکلیں دعوت، گشت، تعلیم، تشکیل وغیرہ ہیں۔ مشوروں کی ضرورت ہو مناسب دوستوں کو الگ کر کے مشورہ کر لیا جائے ایسا نہ ہو کہ مشورہ کرنے والوں کا کسی موقعہ پر عمومی اعمال سے جوڑ نہ رہے۔

کالجوں کے طلبا میں اس کام کو اٹھایا جائے۔ ہاسٹلوں میں مقامی کام کیلئے جماعتیں بنائی جائیں۔ ایک گشت ہوسٹل والے اپنے ہوسٹل میں کریں اور ہفتہ کا دوسرا گشت باہر کسی محلہ میں یا کسی دوسرے ہوسٹل میں کریں۔ قریب کے محلوں کی جماعتیں بھی ہوسٹلوں میں جا کر گشت کریں۔ ہاسٹل والے احباب اپنی روزانہ تعلیم اور مہینہ میں تین یوم کی بھی ترتیب اٹھائیں۔

مستورات میں کام کی نزاکتیں اور بھی زیادہ ہیں۔ جب کہ بے پردگی کا احتمال ہو عام اجتماعات میں مستورات کو بالکل نہ لایا جائے۔ اپنے اپنے محلہ میں کسی پردہ دار مکان میں قریب قریب کے مکانات سے عورتیں کسی روز جمع ہو کر تعلیم کر لیا کریں۔ اس کی ابتدا اس

طرح کریں کہ مروجہ بات اجتماعات، دعوت، تعلیم وغیرہ سے سن کر جائیں اپنے گھر والوں کو سنائیں۔ اس سے انشاء اللہ تھوڑے عرصہ میں ذہن بننا شروع ہو جائے گا پھر محلوں میں تعلیم شروع ہونے کے بعد ایسا ہو سکتا ہے کہ سارے شہر کی مستورات کا ہفتہ میں ایک ایسی جگہ اجتماع ہو جہاں پردہ کا اہتمام ہو۔ وہاں تعلیم کے بعد پھر کوئی آدمی پردے کے ساتھ بیان کرے۔ کبھی کبھی ایک یوم یا تین یوم کے لئے قرب وجوار کے لئے جماعتیں بنائی جائیں، مستورات کی جماعت کے ساتھ ان کے خاوند ہوں ورنہ ہر عورت کے ساتھ اس کا شرعی محرم ساتھ ہو۔ پردے کے ساتھ جائیں۔ پردہ دار مکان میں ٹھہریں۔ مرد مسجد میں ٹھہر کر کام کریں۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جن مقامات سے محنت اٹھائی تھی انہی مقامات کے لوگوں کو اس محنت پر اٹھانے اور انہی راستوں سے اللہ کی راہ کی ملکوں والی نقل و حرکت کے زندہ ہونے کا ذریعہ یہ عمرے کا سفر بن سکتا ہے۔ ہر جگہ کے پرانوں سے اختلاط اور اس کام میں یکجہتی پیدا ہونے اور اصولوں کے تفصیل سے سامنے آنے کا یہ بہترین موقعہ ہے۔ محترمی حاجی حنیفہ صاحب اور بھائی محمد ادریس صاحب کی عمرے کے سفر کی تیاری کا حال معلوم کر کے بہت زیادہ مسرت ہوئی۔ اللہ جل شانہٗ قبول فرماوے۔ دیگر پرانے احباب کو بھی ہمراہ لانے کی سعی فرمائیں۔

یہ خط کچھ اصول لکھنے کی کوشش میں طویل ہو گیا آپ حضرات اس کے ہر جزء اور ہر لفظ کو غور سے پڑھنے کی کوشش فرمائیں گے تو انشاء اللہ بہت زیادہ نفع کی توقع ہے آپ حضرات اپنے یہاں کے حالات سے ہر پندرہویں روز مطلع فرمادیا کریں تو ہمیں تقویت ہوتی رہے۔ تمام احباب کو سلام مسنون۔

فقط والسلام
بندہ محمد یوسف غفرلہ

(۳)

(ایمان کی جد و جہد کے لئے دن کے اوقات میں ٹھوکریں کھانا اور رات کی اندھیریوں میں رونا عالم کے احوال کی درستی کا وسیلہ ہے)

(ذیل کا مکتوب تبلیغی کام کے ایک ذمہ دار کو "مکی مسجد" کراچی کے پتہ پر لکھا گیا)

مکرم و محترم بندہ۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

خط کے ذریعہ احوال خیر و مساعی مبارکہ کی خبروں سے مسرت ہوئی۔ حق تعالیٰ شانہ مساعی کو مقبول اور بار آور فرماویں۔

میرے عزیز! اس عالم کے احوال کی سرسبزی و فروغ کا تعلق براہ راست اللہ رب العزت کے احکامات سے ہے، اور تمام احکامات الٰہیہ کی سرسبزی و فروغ کا تعلق ایمان کیلئے جانیں کھپانے اور عالم میں ٹھوکریں کھانے کیساتھ ہے۔ حق تعالیٰ شانہ نے محض اپنے فضل و کرم سے اپنے احباب کو ان عالی احکامات کی تعمیل کی صورت مرحمت فرمائی، جس میں ایک طرف اللہ رب العزت کے تمام احکامات کی سرسبزی ہے۔ مبارک ہیں وہ لوگ جو عامۃ مخلوق کی بے انتہا پریشانیوں اور مصائب و بلایا کے وقت اپنی زندگیوں کے جذبات کو قربان کرکے اللہ رب العزت کی رضا کے جذبہ پر اپنے کو نثار کردیں اور خوشنودیٔ باری تعالیٰ کے حصول کے ذریعہ اس عالم کے احوال کی درستگی کا ذریعہ بنیں۔

میرے عزیز! دین جیسی عظیم امانت کی سرسبزی کیلئے چلوں جیسے حقیر وقت کے فارغ کرنے کا رواج ایک معمولی سی بات ہے اور اس کا وجود جبکہ حق تعالیٰ شانہ کے قبضہ میں ہے اور ان سے وجود چاہنے کا طریق انبیاء کرام کے ذریعہ ہمیں بتا دیا گیا تو پھر یہ بھی مشکل نہیں۔ البتہ عمل کے صحیح رخ کیساتھ انہماک کو بڑھاتے ہوئے ان سے اس کا وجود حاصل کرنے کیلئے راتوں کی بے قراری والی دعائیں اور دنوں کو راتوں کو رلا دینے والے مساعی کا انہماک مطلوب ہے۔ آپ احباب کو اسطرف پوری طرح متوجہ فرمادیں۔

بندہ محمد یوسف عفرلہ

۴ ربیع الاول ۱۳۸۰ھ

(۴)

[ایک جماعت جو مرکز سے گئی ہوئی تھی اور ایک علاقہ میں کام کر رہی تھی اس کے ذمہ داروں کے ایک خط

کے جواب میں ذیل کا اہم مکتوب لکھا گیا جو بہت اہم ہدایات اور انتباہات پر مشتمل ہے۔]

مکرمین و محترمین۔ وفقنا اللہ وایاکم لما یحب ویرضٰی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

خط کے ذریعہ احوال معلوم ہوئے اور آنے والوں کی زبانی بھی تفصیل معلوم ہوئی حق تعالیٰ شانہٗ آپ کی مساعی کو مقبول اور بار آور فرماویں۔ میرے عزیز دوستو! شیطان کی طاقت حق ہے اور اللہ رب العزت نے اس کو بنایا ہی اور صرف اسلئے بنایا ہے کہ انکی طرف بڑھنے والوں کے راستہ میں ابتلاء وامتحان و آزمائش کی گھاٹیں کھڑی کرکے کچے اور پکوں کا امتحان لیا جائے اور جو لوگ ان گھاٹیوں کو پار کرجائیں اور انمیں نہ الجھیں ان کو اپنی ذات کے تقرب ورضا سے عالی عالی انعامات و درجات سے ہمیشہ کیلئے نوازیں۔

شیطان کی بھرپور مسلسل کوشش ہے کہ اس راہ پر چلنے سے بچلایا جائے اور اگر اس رُخ پر بڑھ ہی جائے تو پھر اس کی پوری کوشش ان اصولوں سے بچلانے کی ہے جس سے رحمت و نصرت ہائے خداوندیہ متوجہ ہوکر ترقیات پر پہنچنے کے بجائے خذلان ومحرومی کی شکلیں قائم ہوں۔ میرے دوستو! آپ کیلئے بڑی زبردست گھاٹیں ہیں اور شیطان ان میں بچلانے کیلئے تجربہ کار ورپرانا گھاگ مستعدی کے ساتھ اپنی تدابیر میں مشغول ہے۔ اسکے مکر سے تحفظ اس کے سوا ممکن ہی نہیں کہ جتنی بھی عالی صورتیں اللہ رب العزت اپنے فضل سے پیدا فرمادیں اپنے انکسار و تواضع کی مشق کو بڑھایا جائے۔ ایک دوسرے کی قدردانی و اکرام و اعزاز کی پوری پابندی کی جائے اپنے کو خادم اور دوسروں کو اصل کرنیوالا یقین کرکے ہر عزت کے موقع پر دوسرے کو اور ذلت کے موقع پر اپنے کو بڑھایا جائے اور آپس میں مشوروں کا اہتمام اور ایک دوسرے کو مشورہ کی دعوت دی جائے اور ایک دوسرے کی دلجوئی کی پوری پوری سعی کی جائے۔ اس راہ کی تکالیف کو بالذات محبوب یقین کیا جائے۔ عزباء کے اختلاط اور ان میں کام کی شکل کو قوت عمل یقین کیا جائے، ذکر و تعلیم و دعوات کا پورا اہتمام کیا جائے۔ بڑوں سے چھوٹا بننے کی مشق کیلئے ملا جائے اپنے عیوب پر ہر وقت نگاہیں ڈالی جائیں۔ اگر آپ احباب نے ہمتیں کرکے اللہ رب العزت کیلئے اپنے کو جوڑ کر جمالیا تو دوسروں کیلئے بھی انشاء اللہ العزیز بڑھنے کی راہیں کھلتی چلی جائیں گی۔ مولانا ضیاء الدین بیس نفر کی جماعت کیساتھ آج ہی آئے ہیں۔ مولوی عبدالعزیز ابھی مقیم ہیں۔ دوآبہ کے دوسرے شہروں اور قصبات میں پھیر کی ضرورت ہے۔

بندہ محمد یوسف عفی عنہٗ یکشنبہ ۲۱ محرم ۶۲ھ

(۴)

۴۵ء میں ایک جماعت مراد آباد سے مرکز نظام الدین ہوکر پنجاب اور اسوقت کے صوبہ سرحد کی طرف گئی تھی۔ اس کے ذمہ دار نے لدھیانہ سے کارگزاری کا خط حضرت مولانا کو لکھا جس میں دعا کی بھی درخواست کی گئی تھی۔ حضرت مولانا نے اس کے جواب میں ذیل کا مکتوب لکھوایا۔

.. .. السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

کل ۱۰؍مارچ شنبہ کو کارگزاری لدھیانہ سے مطلع فرماکر مسرور فرمایا آپ ایسے کام کیلئے نکلے ہوئے ہیں جس کے اندر اسلام کی سرسبزی ہے اور بڑے خیر کی توقعات ہیں اسلئے آپ کیلئے ہر چیز دعاگو ہے۔

میں نے عرض کیا تھا کہ خانقاہوں اور علمی مراکز میں اپنے کام کی بہت مختصر سی کیفیت کے بعد دعا کی درخواست خط کے ذریعہ کرتے رہیئے اس کا ضرور اہتمام کیا جائے۔ آپکی جماعت میں جو افراد مرادآبادی یا غیر مرادآبادی اپنا وقت ختم کرکے واپس جائیں ان سے ترغیب کے بعد یہ ضرور کہا جائے کہ باہر نکل کر جن چیزوں کی تم سے مشق کرائی گئی ہو اور جو ایک طرز کی زندگی تم نے دیکھی ہے اس کا مقصد یہ ہے کہ اب اسی زندگی کو اپنے گھر رہتے ہوئے اختیار اور پیدا کیا جائے۔ ایسا نہ ہو کہ گھر جاکر اپنے مشاغل میں پہلے ہی کی طرح الجھ کر رہ جاؤ اور مقامی کام اور اس زندگی کو بالکل بھول جاؤ اور جو تاثرات ان میں پیدا ہوئے ہیں ان سے فائدہ اس طرح اٹھایا جائے کہ جانے والے کے ذہن میں یہ خوب بٹھادیا جائے کہ اس نے جو وقت دیا وہ بہت کم ہے اب اس کے بدل میں اور تاثر کو باقی رکھنے کیلئے زیادہ سے زیادہ افراد کو تیار کرکے بھیجے۔

.... .. والسلام بندہ محمد یوسف غفرلہ

(۵)

(رمضان ۶۱ھ میں ایک جماعت حجاج میں دینی کام کرنے کے لئے بمبئی گئی ہوئی تھی اس کے ذمہ داروں کو حضرت مولاناؒ نے ایک خط لکھا تھا ذیل میں اس کا ایک اقتباس درج کیا جارہا ہے)

السلام علیکم ورحمۃ اللہ برکاتہ ...... آپ حضرات کے خطوط موصول ہوئے۔ آجکل طبیعت پر بہت زیادہ فکر اس بات کی غالب ہے کہ یہ ہزاروں عازمین حج جو اپنی بنیادی اور ابتدائی زندگی سے بھی خالی ہیں اگر ان کے اندر دینی جذبات کی پیداوار نہ کی گئی تو بلاشبہ یہ سفر تو ہو جائیگا لیکن یہ ایک نادر موقع تھا کہ بیت اللہ کی طرف عاشقانہ طور پر جانے کی صورت پیدا ہوتی، مگر وہ ہماری

کم ہمتی اور بے بضاعتی کی وجہ سے نہ ہو گا۔ اس کے لئے آپ جتنے بھی اس مقام پر پہنچ سکتے ہیں اپنی انتہائی کوششوں میں کمی نہ کریں تاکہ سب تو اللہ رب العزت کے ہاتھ میں ہیں نہ جانے کون سی ساعت کی محنت اللہ رب العزت کو پسند آجائے اور وہ اپنے الطاف سے کوئی رُخ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے زندہ ہونے کا پیدا فرما دیں ......"

بندہ محمد یوسف غفرلہ

(۶)

[بمبئی میں مقیم حجاج میں کام کرنیوالی ایک جماعت کی طرف سے حضرت مولانا کو صورت حال اور کارگزاری کی اطلاع دی گئی جس میں یہ بھی تھا کہ کچھ حجاج الحمدللہ اس پر آمادہ ہو گئے ہیں کہ وہ حجاز مقدس میں دین سیکھنے کے لئے اور دین کی فکر لے کر پیدل پھریں گے۔ حضرت مولانا نے اس کے جواب میں ذیل کا مکتوب لکھایا۔]

...... وفقنا اللہ وایاکم لما یحب ویرضیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ خطوط کے ذریعہ مساعی خیر وصلاح کی خبریں موصول ہو کر باعث مسرت ہوئیں۔ حق تعالیٰ شانہٗ محض اپنے لطف وکرم سے ان حقیر کوششوں کو اس اجتماعی طرز کے ایمان کے لئے جد وجہد اور نقل وحرکت کے منہاج محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام پر پورے عالم میں سرسبز ہو جانے کا ذریعہ فرمائیں۔ جس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو چھوڑا تھا۔ سابقہ عمل کو اس کے مقابلہ میں ایک گناہ تصور کرتے ہوئے اس پر توبہ استغفار کی مقدار کا حق ادا کر کے آئندہ کے لئے اس سے زیادہ اونچی شکلوں کو سامنے رکھ کر اپنی بساط کے مطابق جہد ومحنت بڑھانے کی کوشش کی جائے۔ جن حجاج کرام کو دین کی شکلوں کے سیکھنے پر اور صحابہ کرام کے طرز پر پیدل پھرنے پر آمادہ کر کے آپ حضرات نے بھیجا ہے سبب کے طور پر اگر ان سے خط وکتابت کے ذریعہ تحریض وترغیب وتاکید کا اجراء ہو سکے تو اس کو اختیار کرتے ہوئے ورنہ بغیر اس کے پوری طرح حق تعالیٰ شانہٗ سے گڑگڑا کر اور بلبلا کر ان کی راہ کے جو وعدے ہو چکے ہیں ان کے وجود میں آنے کے لئے حد سے زیادہ دعائیں کی جائیں اور مخصوص اکابر کی خدمات میں اس کی دعاؤں کیلئے لکھا جائے ....

ہمارے کام کرنے والوں کی اتنی زیادہ غیبوبت مناسب نہیں معلوم ہوتی، حافظ مسکین صاحب کو بمبئی گئے بہت دن ہوگئے۔ کچھ دن کے واسطے ضرور بالضرور انھیں یہاں بھیج دیا جائے ۔

فقط والسلام

بندہ محمد یوسف غفر لہٗ

بقلم بشیر احمد عفی عنہٗ ۲۵ر شوال ۶۹ھ

(۷)

[مندرجہ ذیل مکتوب پاکستان کے تبلیغی احباب اور رفقا کے نام چند سال پہلے ماہ رمضان میں لکھا گیا تھا یہ ہم کو جناب مولانا عبد العزیز صاحب کھلنوی سے حاصل ہوا جس کے لئے ہم مولانا موصوف کے بہت ممنون ہیں]

مکرمین و محترمین بندہ ادام اللہ مجدکم و وفقنا اللہ وایاکم لما یحب و یرضیٰ

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

حق تعالیٰ شانہٗ کا بہت ہی لطف و کرم ہے اپنے احباب پر کہ اس دور انحطاط میں جبکہ اللہ رب العزت کے اعمال کے ذریعہ ان کی ذات عالی سے استفادہ کی راہیں بند ہوتی جا رہی ہیں اور اس حقیر و فانی دنیا پر جانیں کھپا کر اس کے ذریعہ وقتی زندگی بنانے پر قناعت کا رواج پڑ چکا ہے ایسے عالی و افضل طریق گشت و مجاہدہ کی طرف رہبری فرمائی، جس کی قدر دانی کر لینے پر اور جان و مال کی حقیر سی پونجی جھونک دینے پر صرف محنت و مجاہدہ کرنے والوں کے لئے ہی نہیں بلکہ عام امت مسلمہ محمدیہ علی صاحبہا الف الف صلوٰۃ و تحیۃ اور عام انسانوں تک کے لئے ہدایت کے دروازے کھل جانے کی پوری توقعات اور امیدیں ہیں۔ میرے عزیز دوستو! دونوں جہان کی ساری نعمتوں اور کامل کامیابیوں کے حاصل کرنے کے لئے حق تعالیٰ شانہٗ جل جلالہ و عم نوالہ نے پورا دین عطا فرمایا ہے جس کا تعلق ہماری پوری زندگی کے سارے اعمال سے ہے اب اگر حق تعالیٰ شانہٗ اپنے لطف و کرم سے ہدایت سے نوازدیں اور یہ بات جی میں پیوست ہو جائے کہ پرورش کرنے والے حالات میں تغیر و تبدل کرنے والے صرف رب العزت ہیں اور اس دنیا میں پھیلا ہوا سارا نقشہ اور

چیزوں کی دنیا بھر میں پھیلی ہوئی شکلیں ان کے استعمال کرنے سے استعمال ہوتی ہیں، وہ ان سب سے جو چاہے کر کے دکھلادیں اور ان سب کے بغیر بھی جو چاہیں اپنی قدرت سے کر کے دکھلادیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقوں کو سیکھ کر کے اس کے مطابق اپنی زندگی گذارنے پر اللہ رب العزت اپنی قدرت سے جس طرح چاہیں گے زندگی کے حالات کو درست فرمادیں گے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقوں کے خلاف زندگی گزارنے پر جو بھی چاہے حاصل کرلیا جائے اللہ رب العزت زندگی کے حالات کو بگاڑ دیں گے اور جس طرح چاہیں گے بگاڑ دیں گے سو اگر یہ ہدایت نصیب ہو جائے تو پورا دین بہت ہی آسان اور محبوب بن جاتا ہے اور تھوڑی سی محنت سے زندگی میں چالو ہو جاتا ہے اور اگر خدانخواستہ اس ہدایت سے انسان کا دل خالی ہو جائے اور اپنی محنت اور مساعی اور اس دنیا کے دھوکے کے نقشوں اور شکل وصورت سے زندگی کے حالات کے سدھر جانے کا غلط اور بے بنیاد تصور دل میں بیٹھ جائے تو پھر دین پر چلنا اور اس کا سیکھنا مشکل ترین بن جاتا ہے اب حق تعالیٰ شانہ نے اس عالی دولت کے حاصل کرنے کیلئے محنت بھی عطا فرمائی اور دعائیں بھی عطا فرمائیں اور ان اعمال کی محنت کے لئے جن کی حیات پر دعائیں قبول ہو کر ہدایت کی دولت نصیب ہو اور سارا دین آسان بنے مساجد بنائی گئیں اور بازاری نقشوں کے اختیار کرنے کو وہاں کے تذکروں کو وہاں کے تصورات کو یہاں ممنوع قرار دیا گیا اور مساجد کی آبادی وتعمیر بازاری نقش ونگار اور ساز وسامان میں قرار نہیں دی گئی بلکہ گھنٹوں ایمان بالغیب والی مجالس میں بیٹھنا اور علم الٰہی کے حلقوں کا پابند بننا اور ذکر ودعا کی فضائیں قائم کرنا، نماز وعبادت کی فضا قائم کرنا اور امور اخرویہ پر رونا پیٹنا اور ایک دوسرے کی زندگی بنانے میں ہاتھ بٹانا وغیرہ امور کے مساجد میں وجود میں آجانے کو ان کی تعمیر قرار دیا گیا اور مساجد کو ان اعمال سے آباد کرنے والوں کے مومن ہونے کی خوشخبریاں سنائی گئیں اور انھیں کی دعاؤں کے قبول کرنے کے وعدے کئے گئے اور انہی مبارک انسانوں کے لئے ہدایت دینے کے فیصلے کئے گئے اب جو مبارک انسان اپنی جان ومال لیکر اٹھیں اور ان اعمال کے امت مرحومہ محمدیہ میں رواج پا جانے کے لئے ملک بملک اقلیم بہ اقلیم مارے مارے پھریں

اپنی کمائی اور پرورش کے ظاہری نظام میں تغیر و تبدل گوارا کریں اور ہر طرح کی تکالیف اپنی جان پر برداشت کریں سو ایسے مبارک انسان اس راہ کے نتوح میں ہیں ان کی دعائیں اپنے حق میں، اپنے متعلقین کے حق میں، عام امت محمدیہ کے حق میں اور سارے انسانوں کے حق میں اس طرح قبول ہوتی ہیں جس طرح انبیاء علیہم السلام کی، عالم کے حالات میں اس طرح تغیر و تبدل آتا ہے جس طرح انبیاء علیہم السلام کے زمانہ میں، اس مبارک راستہ کی ہر زمانہ میں بہت زیادہ قیمت ہے مگر بعض حالات اور زمانے ایسے ہوتے ہیں کہ راہ کی قیمت مالک الملک کی طرف سے بہت ہی زیادہ بڑھا دی جاتی ہے اور کام کرنے والوں کے لئے ترقیات کے بہت زیادہ دروازے کھول دیئے جاتے ہیں، جن حالات انحطاط دین سے ہم گزر رہے ہیں اس میں محنت کی قیمت دین کے استقبال کے زمانہ کی محنت سے لاکھوں گنی زیادہ ہے، خصوصاً رمضان المبارک کے زمانہ میں جس زمانہ میں حق تعالیٰ شانہٗ کی طرف سے ہدایت کی تقسیم کا غیبی نظام قائم کیا جاتا ہے، شیاطین بند کر دیئے جاتے ہیں جو ہدایت سے ہٹانے والی غیبی طاقتیں ہیں، فرشتے پھیلا دیئے جاتے ہیں جو ہدایت کی طرف بلانے والی غیبی طاقتیں ہیں، وہ مبارک روحانیت و نور والی وحی لانے والا فرشتہ جبرئیل علیہ السلام جس کے گھوڑے کی ٹاپ تک کی روحانیت سے ریت پر سبزہ پیدا ہو جائے جن کی اس عالم میں آمد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بند ہو گئی اور ان کی والی برکت سے اہل عالم محروم ہو گئے اس مبارک مہینے میں انکی آمد بھی اس زمین پر کی جاتی ہے گویا ان کی نسبت والی برکات کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں، جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور حوروں کو سجایا جاتا ہے اور دوزخ کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں خیر کی طرف پکار اور شر سے روکنے کی آوازیں ہر طرف بلند کرائی جاتی ہیں اور تھوڑا سا بھی متوجہ ہونے والوں کو بھی ہدایت سے نواز دیا جاتا ہے اب اگر اس محنت کے میدان کو جس پر ہدایت کا فیضان ہادی کی ذات عالی سے اپنی مخلوق کے لئے عمومی طور پر ہوتا ہے ایسے مبارک مہینے میں قائم کیا جائے جس میں ساری ہی امت محمدیہ مرحومہ کے لئے ہدایت کی تقسیم کا عام نظام قائم کیا جاتا ہے اور امت میں دین کی طرف رجوع کی عمومی کیفیتیں قائم کی جاتی ہیں تو معلوم نہیں کہ ہدایت والے اعمال کے ہدایت والے مکانات یعنی مساجد میں

زندہ کرنے کیلئے ہدایت دلانے والی نقل وحرکت وریاضت ومجاہدہ پر ہدایت والے مہینے میں کتنی ہدایت کا فیضان کتنی دین کی سرسبزی اور حالات دارین کی سرسبزی وفلاح کتنی مخلوق خدا کیلئے قائم ہو جائے اور یہ محنت کرنے والے کتنی خصوصیت کے حامل اور کتنے نہ تصور میں آنے والے درجات واجر وانعامات کے حاصل کرنے والے بن جائیں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے پیارے صحابہ کرام کی مساعی مبارکہ پر قدسی وغیبی طاقتوں کا نزول اسی مہینہ کی مبارک مساعی پر شروع ہوا یعنی غزوۂ بدر والی ریاضت ومجاہدہ والا سفر اور اس پر اللہ رب العزت کی مدد اس مہینہ میں ہوئیں اور آپ کی مساعی والے اسفار کی انتہا یعنی سارے عرب کے سارے قبائل کا اسلام میں داخلہ کرنے والا سفر یعنی فتح مکہ اسی مبارک مہینہ میں ہوا اس ماہ مبارک میں اللہ رب العزت کی راہ کی نقل وحرکت اور صحیح اصول کے اتباع تام کے ساتھ محنت ومجاہدہ، راتوں کی دردبھری دعائیں عام قلوب کے حق وہدایت کی طرف پلٹ جانے اور دین متین کے سرسبز ہو جانے کا اعلیٰ ترین سبب اور اکمل ترین ذریعہ ہے۔ آپ حضرات ہمت فرما کر اللہ رب العزت کے راستہ میں شوق وحوصلہ کے ساتھ زیادہ سے زیادہ وقت کے لئے زیادہ سے زیادہ خرچ کے ساتھ دوسے دولا کے لئے اپنی ذاتوں سے نکل کھڑے ہوں، دوسروں کو تیار کریں اور ہر طرف قریب بعید میں چلوں اور تین چلوں کے لئے جماعتوں کو نکالیں کیا ہی اچھا ہو کہ اس مبارک زمانہ میں تین تین چلوں کے لئے تشکیلیں کر کے جماعتیں روانہ کی جائیں تاکہ ارکان اسلام کی حیات والی محنت کا حساب اس ماہ میں قائم ہو اور اس ماہ میں چلہ کے لئے نکلنے کی برکت سے زیادہ وقت کے لئے اللہ رب العزت کے راستہ میں رواج پڑ جائے کیونکہ جو خیر کا عمل اس مبارک ماہ میں شروع کر دیا جاتا ہے وہ اس ماہ کی برکات سے چل پڑتا ہے، مقامی گشتوں کو بڑھائیں روزانہ کی تعلیم کے حلقوں کو بڑھائیں اور ذکر ودعا کی مقدار بڑھائیں، حق تعالیٰ شانہ ہم کو آپ کو سب احباب کو اس راہ کی ترقیات حاصل کرنے کے لئے قبول فرما دے اور اپنے دین کو اپنی قدرت اور فضل وکرم سے چمکائیں اور اس کی برکات سے دارین میں ہمیں نوازیں آمین یارب العالمین آمین۔

بندہ محمد یوسف عفرلہٗ

(۸)

[حج کو جانے والوں میں دینی محنت کی ضرورت واہمیت اور اس کا نظام]

۱۰ / شوال ۱۳۸۰ھ

مکرمین و محترمین بندہ ادام اللہ سعیکم و زادکم اللہ جداً فی سبیلہ
و تقبل عنا و عنکم و تجاوز عن سیئاتنا

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ ۔ انسانی زندگی کی دارین کی کامیابی یہاں حاصل کرنے کے لئے حق تعالیٰ شانہ نے طریقہ زندگی عطا فرمایا جس کا تعلق انسان کی ۲۴ گھنٹہ کی زندگی سے ہے۔ اس کے لئے یقین بھی خاص تجویز فرمایا علم بھی خاص عطا فرمایا، نیت بھی خاص عطا فرمائی، تاثرات بھی خاص تجویز کئے، جان خرچ کرنے کے لئے خاص طریقے بتلائے اور مال خرچ کرنے کے لئے بھی تفصیل تجویز کی۔ ان خصوصیات کو اپنی زندگی کے طریقوں میں حاصل کرنے کے لئے نماز عطا فرمائی اور مساجد میں حاضری کا حکم دیا، تاکہ مساجد میں مجالس ایمانیہ کے ذریعہ یقین کی خصوصیت حاصل کریں۔ اور مجالس علمیہ کے ذریعہ جان و مال کے خرچ کرنے کے طریقوں کو اپنی زندگی کے شعبوں میں داخل کریں، اور ذکر کی مجالس کے ذریعہ اپنے تاثرات اور توجہات کو کائنات سے خالق کائنات کی طرف اور بازاری یقینوں سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے اعمال کی طرف جوڑلیں انہی خصوصیات کے حاصل کرنے کیلئے رمضان المبارک کا مہینہ عطا فرما کر رات دن اسی محنت کا مطالبہ فرمایا اسی کی مشق کے لئے زکوٰۃ کا فریضہ عطا فرمایا اور ان خصوصیات کی تکمیل کیلئے حج کا مبارک ترین عمل عطا فرمایا۔ اب جو انسان اعمال کے انہماک کے ذریعہ اپنی زندگی گذارتے ہیں ان خصوصیات کو حاصل کرلیں تو ان کیلئے دنیا اور آخرت میں حق تعالیٰ شانہ کی ذات عالی کے لامحدود بے نہایت خزانوں کے ہمیشہ کیلئے عطایات اور انعامات کے دروازے کھل جاتے ہیں اور بازار کے نقشوں سے انسان زندگی ہٹ کر دعاؤں پر آجاتی ہے اور بڑے سے بڑا اور مشکل سے مشکل مرحلہ خداوند قدوس کی قدرت کاملہ سے آسان سے آسان بن جاتا ہے اور دونوں جہاں کی کامیابیوں سے نواز دیا جاتا ہے۔ حق تعالیٰ شانہ نے

جہاں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ خاص طرح کی عبادات عطا فرمائیں وہاں ان خصوصیات کے زندگیوں میں پیدا ہونے کیلئے محنت کے بھی خاص طریقے عطا فرمائے جن کے اختیار کرنے پر اعمال کی خصوصیات زندہ ہو کر دعاؤں کی قبولیت کے عام دروازے کھل جاتے ہیں اور ان خاص محنت کرنے والوں کو دارین کی اعلیٰ نعمتوں اور رحمتوں سے نوازا جاتا ہے اور ان کی دعاؤں کی قبولیت میں انبیاء علیہم السلام کی دعوات کی قبولیت کی جھلک حق تعالیٰ شانہٗ نصیب فرما دیتے ہیں۔

میرے عزیز دوستو! فرائض خداوندیہ میں جو سا بھی فریضہ امت کی طرف متوجہ ہوتا ہے دو لائن کی محنت امت پر عائد ہوتی ہے۔ ایک اس فریضہ کو اپنی خصوصیات کے ساتھ اپنی ذات سے ادا کرنا۔ دوسرے اس فریضہ کے صحیح نوعیت کے ساتھ قائم ہونے کے لئے محنت کے میدان قائم کرنا فریضہ کی صحیح نوعیت کے ساتھ ادائیگی ثمرہ کا درجہ رکھتی ہے ــــ اور وہ محنت و مجاہدہ جس سے فریضہ کی صحیح نوعیت قائم ہو جڑ او ربنیاد کا درجہ رکھتی ہے۔ اگر جڑ وجود میں نہیں آئے گی ثمرہ کا ترتب نہیں ہوگا۔ اور بقدر جڑ کے وجود میں آنے کے ثمرات کا ترتب ہوگا ــــ حج کا فریضہ اور اس کی صحیح نوعیت قائم کرنے کیلئے محنت کا فریضہ امت کی طرف متوجہ ہوتا ہے اب اگر ہمت کر کے جانے والے حجاج میں ان خصوصیاتِ اعمال کے زندہ ہونے کی محنت کر لی جائے جو حج کے ثمرات کے مرتب ہونے کیلئے شرائط کا درجہ رکھتی ہیں تو جانے والے حجاج کی اور ان محنت کرنے والوں کی دعائیں اپنے اپنے درجہ کے مطابق قبول ہو کر رحمتہائے خداوندیہ اور نصرتہائے الٰہیہ کے دروازے کھلنے کی صورتیں پیدا ہوں۔ حج کے فریضہ کا تعلق صرف حج کرنے والوں سے نہیں بلکہ پوری امت کے دین اور محنت کا جائزہ خداوند قدوس اپنے اس گھر پر لیتے ہیں جس کے اثرات پورے نظام عالم پر پڑتے ہیں۔ وہاں کی زندگی میں پاک طریقوں کے اختیار کرنے پر سارے عالم پر رحمت و انعامات کے اثرات پڑتے ہیں اور وہاں کی زندگیوں کی خرابیں سارے عالم پر پریشانیوں کے اثرات ڈلواتی ہیں۔ آپ حضرات ہمت فرما کر جانے والے حجاج کا تفقد کر کے ان کو نمازوں کا عادی بنائیں

مساجد میں ایمان کی مجلسوں میں بیٹھنے کی عادت ڈلوائیں، علم کے حلقوں میں کتابوں کے سننے اور سیکھنے سکھانے کا مزاج پیدا کریں، گشتوں کی اور دعوت دینے کی مشق کرائیں اللہ رب العزت کے راستہ میں نکلنے اور دین کے لئے محنت کرنے پر آمادہ کریں اور اس کی عملی مشق جتنی کرا سکیں ضرور کرائیں۔ خدمت گذاری کی، تواضع کی، اکرام مسلم کی، ذکر و دعوت کے اہتمام کی پابندی پر خوب ابھاریں اور عملی مشق بھی جتنی کرا سکیں ضرور کرائیں اپنے مقام پر بھی اس کی محنت کریں، ماحول میں بھی اس کے لئے جماعتیں بھیجیں، بندرگاہوں پر جماعتیں روانہ کرنے کی سعی کریں اور جہاں جہاں حجاج جمع ہو کر روانہ ہوتے ہیں ان سب جگہوں کے لئے جماعتیں روانہ کریں تاکہ حجاج میں عمومی محنت کے ذریعہ حرمین مبارکین اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم و دیگر انبیاء کرام علیہم السلام اور صحابہ عظام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اور اولیائے امت رحمہم اللہ سے بچھڑے ہوئے علاقوں کے فیوض و برکات امت میں عام ہوں، مساجد والے اعمال سرسبز ہوں اور امت کی روحانی و نورانی، ایمانی و اخلاقی ترقیات زندہ ہوں اور بازاری پھسلنوں اور دھوکوں سے امت کی حفاظت ہو اور آپ حضرات کے لئے اس کے صلہ میں قرب خداوندی کے وہ درجات حاصل ہوں جو تصور میں نہ آسکیں۔

اللھم وفقنا لما تحب وترضیٰ من القول والعمل والجد والنیۃ والھدیٰ آمین یا رب العالمین۔

بندہ محمد یوسف غفرلہ

(۹)

[حرمین پاک میں حجاج کو دین کی محنت پر لگانے کی اہمیت و ترغیب اور اس کا نظام]

۷۸۶

مکرم و محترم بندہ!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ـــــ آپ حضرات کے خطوط موصول ہو کر کاشف احوال ہوئے ـــــ حجاج میں دینی زندگی کے زندہ ہو جانے کی جدو جہد کی شکلوں سے بہت مسرت ہوئی۔ حق تعالیٰ شانہ اس کو پورے عالم میں دین کی سرسبزی

کے لئے جان کھپانے ہوئے آنے اور جانے کے زندہ ہو جانے کا ذریعہ فرمائیں تاکہ آنے ہوئے دین کے لئے جان کھپانے کے ذریعہ حرمین کے فیوض سے استفادہ کی استعداد پیدا ہو۔ اور وہاں کی جدوجہد میں حرمین کے افادہ کی شکلیں زندہ اور سر سبز ہوں۔

میرے عزیزو! اس عالی مقصد میں کامیاب ہونے کے لئے جتنی بھی اس عمل کے جذبات پیدا کر کے اس کی اجتماعی شکلوں پر قابو پایا جائے اتنا ہی آنے والے دور میں حج کا معیار بلند ہو کر نہ معلوم اس وقت کے جان کھپانے والوں کے لئے کتنے بے نہایت اجور و درجات کے حصول کا ذریعہ ہوگا۔ جانے والے حجاج خصوصاً موات کے حجاج میں اس بات کی پوری سعی ہو کہ مروجہ طریقہ پر جانے کے انتشار سے اپنی پوری طرح حفاظت کرتے ہوئے اس طریق سے حجاز میں سفر اختیار کیا جائے جس سے وہاں کے علاقہ میں دین کا شیوع و فروغ ہو اور جانے والوں کو وہاں کی ترقیات ایمانیہ و روحانیہ میں سے پورا حصہ نصیب ہو، پیدل اسفار کی عملی شکلیں قائم ہونے پر ابھی سے قابو پانے کی کوشش کی جائے۔ اپنے احباب پیدل کیلئے متعین کر کے ان کے رفقاء کے بڑھانے کی ابھی سے سعی ہو۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جہاں بھی تشریف لے گئے ان سب جگہوں کے لئے جماعتوں کے جانے کی تشکیلوں پر قابو پایا جائے، اور صحابہ کرامؓ نے جہاں دین کی حیات کیلئے ٹھوکریں کھائیں وہاں کیلئے بھی پوری طرح جماعتوں کے روانہ کرنے کی سعی کی جائے۔ تعلیم و تعلم و اذکار کے اہتمام پر پوری طرح آمادہ کیا جائے حجاج کرام و اہل عرب کے حقوق کی ادائیگی کی طرف پوری طرح متوجہ کیا جائے۔ ایک گروہ اللہ رب العزت کا مہمان ہے اور مہمان کے ساتھ کی ذراسی بھی بے عنوانی ناگواری کا باعث بن جاتی ہے۔ اور دوسرا گروہ حرمین کا پڑوسی ہے ان کے ساتھ کی بے عنوانی بھی غضب الٰہی کی داعی ہے ــــ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک زندگی کی تخریب بربادی و موت کا منظر سارے عالم میں بکھرا ہوا ہے مگر حج کے موقعہ پر ساری اُمّت محمدیہ کی زندگیوں کا طریقہ سمٹ کر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ حیات کی موت کا (عالمی) منظر سب کے سامنے آجاتا ہے۔ اب ذرد منداو را اللہ اور ان کے محبوب رسول کے

ساتھ ذرا سا بھی تعلق رکھنے والوں کا اعلیٰ ترین تقرب و محبوبیت اور اطاعت و عبدیت کا عمل یہ ہے کہ اس منظر کی تبدیلی کے لئے اپنی جانوں کو پوری طرح جھونک دیں۔ دین کے لئے جان کھپانے کے اعمال پران کے ڈالنے کیلئے پوری طرح سعی کی جائے۔ ان کو اپنے ساتھ لے کر اس مبارک علاقہ میں ٹھوکریں کھانے کے ذریعہ اس کے اصولوں کے اخذ کی کوشش پوری طرح کی جائے۔ جزیرہ عرب کو دین کی حیات کے لئے جان کھپانے کا مرکز قرار دے کر اس میں طریقہ جہد کے سیکھنے اور سکھانے کا رواج ڈال کر ہر طرف دین کی حیات کے لئے ٹھوکریں کھانے کے لئے مقامی احباب کے ساتھ مل کر روانہ کرنے کا رُخ ڈالا جائے، اگر میواتی حجاج میں سعی کے ذریعہ ان میں ان شکلوں پر عمل میں مسابقت پیدا کر لی جائے تو انشاء اللہ العزیز دوسرے علاقہ والے بھی ان شکلوں کو اختیار کرنے لگیں گے۔ اپنے احباب کو اس معاملہ میں پوری سعی کرنا انتہائی ضروری ہے۔ الحمد للہ یہاں تھوڑی سی عملی اجتماعی صورتیں پیدا کر لینے پران میں بہت ہی عالی جذبات پائے جا رہے ہیں خدا کرے آپ کی مساعی اس کے زیادہ ترقی کا ذریعہ بنیں۔

میرے عزیز دوستو! اس وقت کے احوال کی درستگی کے لئے پوری طرح اس عمل کے کے لئے جانیں کھپاتے ہوئے گڑگڑا کر بلبلا کر مواقع اجابت میں دعاؤں کا پورا پورا اہتمام کیا جائے۔ حق تعالیٰ شانہ نے طبعی اعمال کی فضاؤں سے آپ حضرات کو نکال کر عبدیت کے اعلیٰ ترین عمل کے لئے اعلیٰ ترین عمل کے موقعہ پر جمع فرما دیا۔ اب استعانت باللہ کی قوت کے بقدر ہی رحمت و انعامات و نصرت کے دروازے انشاء اللہ العزیز کھلیں گے جس کے سارے ہی اہل عالم خصوصاً امت محمدیہ مرحومہ اور اہل ہند آج پوری طرح محتاج ہیں آپ حضرات خصوصیت کے ساتھ عمل کے پورے انہماک کے ساتھ انتہائی دعوات کا اہتمام فرمائیں۔ مولوی داؤد و حافظ نصیب خاں و حاجی حنیف بھی انشاء اللہ آرہے ہیں۔ دوسروں کے بارے میں بھی گفتگوئیں اور مشورے جاری ہیں البتہ اپنی آمد کے بارہ میں موجودہ احوال کی بنا پر اشکال ہے اور بظاہر امسال ناممکن ہے۔

بندہ محمد یوسف غفرلہٗ ۱۱ر شوال ۸۰ھ

(۱۰)

[اللہ تعالیٰ پر اعتماد و توکل اور اصول کی پابندی کی تلقین]

۱۸ شوال ۱۳۷۶ھ ۲۹ مئی ۱۹۵۷ء

مکرمین و محترمین زادکم اللہ و ایانا جہداً و سعیاً فی سبیلہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ــــ آپ حضرات کے خطوط مسرت کے باعث ہوئے۔ حق تعالیٰ شانہ اپنے لطف وکرم سے آپ کی اپنی ترقیات کے ساتھ دین کی سرسبزی و فروغ کا آپ کی مساعی اور اس سفر کو ذریعہ فرمادیں اور ہر طرح کی مددیں اور نصرتیں دونوں جہان میں شامل حال فرمادیں اور ہر موقع و حال کی حوائج کا اپنے فضل وکرم سے بندوبست فرمادیں۔

میرے عزیز! کرنے والے صرف اللہ رب العزت ہیں اور ان کے لئے کوئی سی بھی حالت سخت نہیں ہے۔ جونسی حالت ضلالت کو، جونسی حالت ہدایت کیسا جس وقت چاہیں بدل دیں۔ بندوں کی محنت و مساعی صرف اختیار سبب کا درجہ رکھتی ہیں۔ اس سبب میں جتنی صفات قبولیت ہوں گی۔ خداوند قدوس کی رحمت متوجہ ہو کر سخت سے سخت خراب احوال بہتر سے بہتر احوال سے منجانب اللہ تعالیٰ ان کے تصرفات خاص سے مبدل ہوجائیں گے لہذا اپنے کام کرنے والے احباب کو ان احوال سے نہ متاثر ہونا چاہیئے نہ ناامید ہونا چاہیئے بلکہ اللہ رب العزت کی عظمت و قدرت و قوت کو سامنے رکھ کر ان سے مددیں حاصل کرنے کیلئے دین کی حیات و سرسبزی کے لئے جہد و نفر کے عالی اوامر کی تعمیل ان کی اعلیٰ شکلوں کیسا کرتے ہوئے بارگاہ الٰہیہ میں گڑگڑا کر اور بلبلا کر دعاؤں کا اہتمام کرتے رہنے میں ہی ان سب احوال کی تبدیلی مضمر ہے حق تعالیٰ شانہٗ محنت کی صحیح شکل اپنے کو اور اپنے سب احباب کو نصیب فرمائیں جماعت کے لانے کی بہت سعی فرمادیں۔ تین تین چلہ کی جم کر دعوت دیں۔ تعلیم و تعلم کے حلقوں کے قیام کا پورا پورا اہتمام فرمائیں اگرچہ تھوڑی ہی مقدار میں ہوسکے، اللہ کے ذکر کی کثرت کریں، اصول کا مذاکرہ رکھیں، دنیا کے تعیش کی رغبت پر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سادہ زندگی کی اپنے میں رغبت پیدا کرنے کی سعی کریں، ایک دوسرے کی خدمت گذاری کی عادت

ڈالیں۔ اخلاق کے سیکھنے کو بہت اہم سمجھیں اور دعاؤں کا اپنے لئے اور ہمارے لئے بہت اہتمام فرمائیں اور غرباء کس مپرس طبقات میں کام کا ضرور پھیر ڈالیں کہ ان میں کام بہت سے رذائل سے حفاظت کا اہم سبب ہے۔ سب احباب کی خدمت میں سلام مسنون عرض کر دیں۔

بندہ محمد یوسف عفرلہ

(۱۱)

[اصولوں کو مضبوطی سے پکڑنے اور رواجی طریقوں سے بچنے کی تاکید]

مکرم و محترم بندہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ــــ آپ صاحبان کے خطوط یکے بعد دیگرے تقریباً روزانہ ہی موصول ہوئے۔ وہاں کے کام سے جتنی خوشی حاصل ہوئی اسی قدر بے انتہا فکر بھی ہوئی جس کا اندازہ آپ حضرات کے خطوط سے بھی ہوتا رہا کہ آپ حضرات کو بھی حق تعالیٰ شانہٗ نے فکر عطا فرمائی ہے۔ حقیقت میں یہ کام رواج کے بالکل خلاف ہونے کی بنا پر مشکل معلوم ہوتا ہے لیکن تھوڑی سی محنت اور مجاہدہ کے بعد اس کے سارے اصولوں کی رعایت کرنے پر بہت ہی آسان ہے بلکہ رواجی طریقوں سے کرنے پر بے انتہا مشکلات پیدا ہو جاتی ہیں اگرچہ بظاہر رواجی طریق میں سہولت نظر آتی ہے۔ اس بنا پر اس بات کی اجتماعی طریق سے پوری کوشش فرمائی جائے کہ کام منہاج نبوت سے ہٹنے نہ پائے اور اپنی سادگی کے ساتھ دن کی محنتوں اور رات کی دعاؤں کی مقدار بڑھتی چلی جائے۔ اس کام میں اجتماعات نہ بنیاد ہیں نہ مقصود۔ بلکہ اپنے نہج سے نہ ہونے کی بنا پر مضر ہیں اس لئے ماہانہ اجتماعات بالکل نہ کئے جائیں ہر جگہ مقامی اجتماعات ہفتہ واری اجتماعات اپنی نوعیت کے ساتھ یعنی پوری شب گذارتے ہوئے اور اوقات کا مطالبہ کرتے ہوئے کئے جائیں۔ اور جتنے آدمی اسوقت موجود ہیں ہر کام کو اجتماعی کریں حتی کہ سفر میں بھی یکجا رہنے کی بھرپور کوشش کی جائے۔ جو لوگ ادھر (دہلی) ہو کر جا چکے ہیں ان سب کو جوڑنے کی کوشش کی جائے۔ غرباء و مساکین میں کام کی مقدار بڑھائی جائے اگرچہ شروع میں مشکلات سامنے آئیں اور محنتیں کرنی پڑیں۔ ڈنڈیگل میں زیادہ نہ ٹھہرا جائے بلکہ پوری جماعت خود نمبروں کی پابندی کرتے

ہوئے غربا کی بستیوں کا سفر کرے۔

فقط بندہ محمد یوسف غفرلہ

۲؍رجب ۱۳۷۱ھ

(۱۲)

[مندرجہ ذیل مکتوب تبلیغی کام سے تعلق رکھنے والے گجرات کے ایک مولوی صاحب کو ان کے خط کے جواب میں لکھا گیا تھا انھوں نے اپنے خط میں اپنے یہاں کے کام کے بارہ میں کچھ لکھا تھا۔ یہ ہم کو خود مکتوب الیہ نے بھیجا جس کیلئے ہم ان کے ممنون ہیں]

مکرم بندہ وفقنا اللہ وایاکم لما یحب ویرضیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ خط سے حالات وکوائف معلوم ہوئے جس سے از حد مسرت ہوئی اللہ تعالیٰ شانہ قبول فرمائے۔

میرے بھائی یہ کام بہت اونچا اور گہرا ہے اس میں ہزاروں اصول و قواعد ہیں اور اس کا ایک خاص نہج اور خاص مزاج ہے۔ اگر ان کو اپنا کر اس کام کو کیا گیا تو بہت زیادہ خیروں کی امید ہے اور دوسری صورت میں شر و فتن کا خطرہ ہے اس لئے آپ جیسے کام کرنے والے حضرات کے لئے بہت زیادہ ضروری ہے کہ وہ اپنے علاقوں سے جماعتیں لے کر یہاں آئیں اور پرانوں کے ساتھ اختلاط اور میل جول کے ذریعہ اس کام کو صحیح نہج کے ساتھ اپنائیں، اس سے آپ حضرات کے علاقہ میں صحیح اصولوں کے ساتھ کام چلے گا اور آپ کے کام کرنے والے احباب خطرہ سے محفوظ امن میں رہیں گے اور لوگوں میں عمومی طور پر تواضع، کسر نفسی، دوسروں کے محاسن دیکھنا، اپنے عیوب پر نظر ڈالنا پیدا ہوگا، جس سے دل جڑیں گے اور محبت و اتفاق پیدا ہوگا۔ جب تک یہاں نہ آسکیں اپنے حالات سے تفصیلاً اطلاع دیتے رہیں۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

تمام احباب کو سلام مسنون، خدا تمام مدارس دینیہ کو ترقی نصیب فرمائے۔ والسلام

بندہ محمد یوسف غفرلہ

(۱۳)

[شادیاں کس طرح کی جائیں اور زندگی کا یہ شعبہ دین کے فروغ کے لئے کس طرح استعمال ہو۔ ذیل کا مکتوب ایک صاحب کو لکھا گیا جنھوں نے اللہ کی توفیق سے سنت کے مطابق شادی کی تھی]

مکرم و محترم بندہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ ـــــ آپ کے اس مبارک جذبہ کو معلوم کرکے حد سے زیادہ مسرت ہوئی کہ آپ کے ہاں شادی سنت کے مطابق وجود میں آئی۔ حق تعالیٰ شانہٗ آپ کے اس مبارک عالی جذبہ کو پوری طرح قبول فرماتے ہوئے اپنے لطف و کرم و فضل سے اسمیں برکتیں و رحمتیں پوری طرح شامل حال فرمائیں ـــ میرے بزرگ! اس شعبہ کا سنت کے مطابق ہونا بس اسی پر موقوف ہے کہ اس عمل پر جو پیسوں کے خرچ اور کھانے پینے کی مجلس پر اجتماع ختم ہو جاتا ہے اور مجالس کا موضوع کھانے پینے کی دلچسپیوں سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا۔ ان آنے والوں کو دین پر جان و مال خرچ کرنے اور تبلیغ کے ذریعہ دین سیکھنے کے لئے نکل کھڑے ہونے پر آمادہ کیا جائے۔ اور اپنی جتنی رقم نکاح کی فضولیات پر آج خرچ کرنے کا رواج ہے اتنی مقدار مال کو لے کر لڑکا لڑکی کے والد وغیرہ اللہ رب العزت کے راستہ میں دین کی سرسبزی کے لئے نکل کھڑے ہوں۔ اور اپنے اس جذبہ و شوق کو جس کو وہ شادی پر خرچ کرتے اللہ کے دین کی سرسبزی کیلئے جدوجہد پر صرف کریں اور دوسرے شادی میں شریک ہونے والوں کو بھی اس بات پر آمادہ کیا جائے کہ مسلم کی جان و مال کا موضوع و مقصد خواہشات پر خرچ ہونا نہیں بلکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی حیات و سرسبزی پر خرچ ہونا ہے۔ جتنا ہماری جانوں اور مال کا خرچ دین کی حیات کی فکر و جہد و سعی پر آتا چلا آئے گا دین کے سارے شعبے سنت کی شکل پر زندہ ہوتے چلے جائیں گے۔

آپ کے اس اقدام کو حق تعالیٰ شانہٗ پوری طرح قبول فرمائیں اور اس شعبہ کی اصلاح کا اس شادی کو ذریعہ فرما کر اس شعبہ سے متعلق رحمت و نصرت و انعامات و برکات کے دروازے جمیع اہل عالم کیلئے پوری طرح کشادہ فرمائیں۔ بندہ اس شادی کے مقبول بابرکت ہونے کیلئے پوری طرح دعا گو ہے.....

۱۸ رجب ۱۳۷۱ھ　　　　بندہ محمد یوسف غفرلہٗ

تقریریں

قارئین کرام آئندہ صفحات میں حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ کی تقریریں پڑھیں گے ــــــ اجتماعات میں حضرت مولانا کی تقریریں سننے والوں نے خود آنکھوں سے دیکھا ہوگا کہ جب وہ تقریر فرماتے تھے تو ان کی تقریروں کو قلمبند کرنے کے لئے بہت سے قلم چلتے رہتے تھے ــــــ جو ۵ تقریریں الفرقان کی اس اشاعت خاص میں درج کی جا رہی ہیں ان میں سے آخری تو خود راقم مدیر الفرقان (محمد منظور نعمانی) کی لکھی ہوئی ہے باقی چاروں تقریریں تبلیغی کام سے خصوصی تعلق رکھنے والے ایسے حضرات کی لکھی ہوئی ہیں جن پر اس معاملہ میں زیادہ سے زیادہ اعتماد کیا جا سکتا ہے۔

:- نوٹ :-

حضرت جی نمبر جو ۱۳۸۵ھ میں شائع ہوا تھا اس میں حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ کی صرف تین تقریریں شامل تھیں۔ دو نہایت اہم تقریریں بعد میں دستیاب ہوئی تھیں جو نمبر کے ضمیمہ میں شامل کی گئی تھیں اس ایڈیشن میں وہ دونوں تقریریں بھی شامل کر دی گئی ہیں۔ (ادارہ)

الفرقان کی یہ خاص اشاعت جن حضرات تک پہنچے گی ان میں شاید ہی کچھ ایسے اصحاب ہوں جنھیں کبھی حضرت مولانا محمد یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تقریر سننے کا اتفاق نہ ہوا ہو ـــــ حضرت مرحوم کا طریق بیان بالکل نرالا تھا بلکہ یہ کہنا بالکل صحیح ہوگا کہ انکی تقریر کی ایک مستقل زبان تھی اور خاص اصطلاحی الفاظ تھے جن کے گویا وہ خود ہی موجد تھے پچھلے صفحات میں ناظرین نے انکے مکاتیب پڑھے ہیں بس جو زبان ان کے مکاتیب کی ہے قریب قریب یہی زبان انکی تقریر و بیان کی تھی۔ ـــــ یہ واقعہ ہے کہ زبان و بیان کی جن خوبیوں کی وجہ سے کسی مقرر کی تقریر کامیاب سمجھی جاتی ہے مولانا مرحوم کی تقریروں میں ان میں سے ایک بات بھی نہیں ہوتی تھی، بلکہ سامعین کے بڑے طبقہ کے لئے انکی تقریروں کا کافی حصہ نا مفہوم ہوتا تھا اور اچھے پڑھے لکھوں اور سمجھنے والوں کے لئے بھی ان کے الفاظ اور ان کی ترکیبیں بالکل نامانوس ہوتی تھیں، لیکن کشش اور تاثیر کا یہ عالم ہوتا تھا کہ پچاس پچاس ہزار کا مجمع اسطرح ہمہ تن گوش ہو کر ان کا بیان سنتا تھا کہ گویا ہر لفظ ہر سننے والے کے دل میں اتر رہا ہے اور وہ اس سے بھرپور مستفید ہو رہا ہے۔ یہ کشش اور یہ تاثیر دراصل اس قلبی کیفیت اور توجہ الی اللہ کی ہوتی تھی جس کے ساتھ وہ تقریر فرماتے تھے۔

خود راقم سطور نے اکثر محسوس کیا کہ وہ تقریر شروع فرمانے سے پہلے اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ اور مراقب ہوتے تھے اور اس کے بعد تقریر شروع فرماتے تھے۔ اور پھر انکو خود اپنی بھی خبر نہیں رہتی تھی ـــــ اب سے تقریباً ۸ ـــ ۱۰ سال پہلے کا واقعہ ہے بھوپال میں اجتماع تھا ان دنوں حضرت مولانا مرحوم کی ران میں ایک بہت بڑا زخم تھا جس کا حال یہ تھا کہ حرکت کرنے سے اور زور سے تقریر کرنے سے اس میں سے خون جاری ہو جاتا تھا، مولانا اسی حال میں بھوپال تشریف لائے اور اپنی عادت کے مطابق اجتماع میں تقریریں بھی فرمائیں ـــــ زخم کی تکلیف کافی بڑھ گئی، بھوپال سے فارغ ہونے کے بعد وہاں سے ۴۰ ـــ ۵۰ میل کے فاصلہ پر ایک اور اجتماع طے تھا حضرت مولانا وہاں بھی تشریف لے گئے لیکن طے یہ ہوا کہ یہاں مولانا تقریر نہیں فرمائینگے بلکہ فلاں ساتھی

کی تقریر ہوگی۔ مگر ساتھی کی تقریر کے بعد جب مولانا نے دیکھا کہ دعوت قوت سے نہیں دی گئی تو اپنے اندرونی داعیہ سے مغلوب ہو کر خود تقریر کیلئے اصرار فرمایا اس دن بیٹھنے کے لائق بھی نہیں تھے لیٹ کے فرمانا شروع کیا، زخم میں سے خون جاری ہوگیا اور حالت یہ ہوگئی کہ ایک کپڑا لگا دیا جاتا جب وہ بالکل تر بتر ہو جاتا تو دوسرا کپڑا لگا دیا جاتا اس طرح کئی کپڑے خون سے بھر گئے اور مولانا نے عادت کے مطابق پوری تقریر فرمائی۔ اس ناچیز کا اندازہ ہے کہ اس تقریر کے دوران کم از کم آدھا سیر خون مولانا کے زخم سے ضرور نکل گیا ہوگا لیکن اللہ کے اس بندے کو کچھ پتہ نہیں تھا کہ کیا ہو رہا ہے۔ بہرحال اس عاجز کے نزدیک ان کی تقریروں کی تاثیر کا راز ان کی اس قلبی کیفیت اور فنائیت میں تھا۔

——— محمد منظور نعمانی

(۱)

کامیابی اور ناکامی کی حقیقی بنیاد

ذیل کی تقریر حضرت مولانا محمد یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے آخری سفر میں خواص کے ایک اجتماع میں فرمائی تھی، جس کو حضرت کے ایک خاص رفیق سفر نے قلمبند کیا تھا، انہی کی عنایت سے یہ ہم کو حاصل ہوئی ہے ـــ ہم نے ناظرین کی سہولت فہم کے لئے کہیں کہیں لفظی تبدیلیاں کی ہیں۔ (ادارہ)

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

بھائیو دوستو! کائنات میں جو کچھ ہو رہا ہے اور ہوتا ہے اسکے دو رخ ہیں ایک رُخ ظاہر کا ہے اور وہ یہ ہے کہ چیزوں میں سے چیزیں نکل رہی ہیں اور چیزوں میں سے اثرات اور خواص ظاہر ہو رہے ہیں جیسے مٹی سے غلہ، غلہ سے غذا، غذا سے پیٹ کا بھرنا پھر اس کا خون بننا، خون سے منی کا یعنی نطفہ کا بننا، پھر اس سے خون کا لوتھڑا بننا پھر اس میں اعضا کا اور شکل انسانی کا بننا (اور اسی پر قیاس کر لیجئے دنیا کی ساری چیزوں کو) ـــ یہ وہ رُخ ہے جو انسان پر بحیثیت انسان ہونے کے کھولا گیا ہے یعنی ہر انسان اس کو دیکھ رہا ہے اور اس کا مشاہدہ کر رہا ہے ـــ دوسرا رخ یہ ہے کہ یہ سب کچھ اللہ کی قدرت سے اور اس کے حکم سے ہو رہا ہے اور یہ سب اللہ کا نظر نہ آنیوالا ہاتھ کر رہا ہے ـــ یہ رُخ انسانوں پر بحیثیت انسان ہونے کے نہیں کھولا گیا اس لئے ہر انسان اس کو دیکھ نہیں پاتا۔ بلکہ یہ رُخ انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ انسانوں پر کھولا گیا ہے، یعنی یہ بات انبیاء علیہم السلام نے بتائی ہے کہ جو کچھ چیزوں سے بنتا ہوا اور ظاہر ہوتا ہوا نظر آتا ہے یہ چیزوں سے نہیں بنتا بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم اور امر سے بنتا ہے۔ اللہ تعالیٰ قادر ہیں کہ جس شکل سے جو چیز چاہیں بنا دیں یا بلا کسی شکل کے محض قدرت اور حکم سے چیز بنا دیں اسی طرح وہ قادر ہیں کہ جس چیز سے جو اثر چاہیں ظاہر کر دیں، پانی سے چاہیں تو ڈبا دیں اور چاہیں تو ترا دیں، آگ سے چاہیں تو جلا دیں اور چاہیں تو

نہ جلائیں، غذا سے چاہیں تو پیٹ بھریں اور چاہیں نہ بھریں، موت کی جگہ سے چاہیں تو زندگی نکالدیں اور زندگی کی جگہ سے چاہیں تو موت نکالدیں ۔۔۔ معجزوں سے یہی بات ظاہر کی جاتی ہے کہ چیزوں میں کچھ نہیں ہے، اللہ جس چیز سے جو چاہے نکال سکتا ہے۔ وہ چاہے تو حکومتوں کی اسکیموں (اور منصوبوں) کو فیل کردے اور محکوموں کی اسکیمیں چلادے، اس نے نمرود کی اسکیم کو فیل کردیا اور ابراہیم علیہ السلام کی اسکیم چلادی ۔ فرعون کے ارادہ قتل کے باوجود موسیٰ علیہ السلام کو خود اسکے گھر میں پلوادیا اور اس کو سارے لاؤ لشکر سمیت سمندر میں ڈبادیا۔ ابراہیم علیہ السلام سے بیوی بچہ کو ایسے میدان میں ڈلوا کر جہاں کوئی آبادی نہیں تھی، زندگی کا کوئی سامان نہیں تھا، پینے کے لئے پانی تک بھی نہیں تھا ان کی یہ اسکیم چلادی کہ اس بچے کی اولاد یہاں والی، ہدایت (کی دعوت) لیکر سارے عالم میں جاوے اور سارے عالم سے لوگ یہاں حج کو آویں۔ خود اسکیم والا وہاں تھا بھی نہیں ملک شام میں تھا لیکن اس کی اسکیم چل گئی اور جس بچہ کے کھانے پینے کا اور حفاظت کا کوئی بندوبست نہیں تھا اس کی اولاد اقیموا الصلوٰۃ کو لے کر دنیا میں جانے لگی اور ساری دنیا سے لوگ آج تک حج کو وہاں آرہے ہیں۔ ساری حکومتیں حج میں کتنے روڑے اٹکارہی ہیں لیکن حج کی حرکت برابر بڑھ رہی ہے اور اس طرح حضرت ابراہیمؑ کی چلائی ہوئی اسکیم ابتک کیسے زور سے چل رہی ہے۔

آدمی سمجھتے ہیں کہ کھیتی اور باغات سے زندگی بنتی ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے قوم سبا کو کھیتی اور باغات کے باوجود ہلاک کردیا اور اسماعیل علیہ السلام کو ایسے جنگل میں جہاں کھیتی اور باغات کا نشان بھی نہ تھا پال دیا ۔۔۔ آج دنیا کا یقین فوج پر ہے اللہ تعالیٰ نے ابرہہ کی فوج کو حقیر پرندوں سے ہلاک کراکے اس یقین کو غلط ثابت کردیا۔ الغرض معجزات سے ظواہر کے عام انسانوں والے یقین کی پوری نفی ہوتی ہے۔ معجزات ظاہر کرتے ہیں کہ اللہ میں یہ قدرت ہے کہ وہ عصا کو اژدہا بنادیں، نار کو باغ بنادیں، ہاتھ میں روشنی اور چمک کی صفت پیدا کردیں ۔ دنیا کی ساری چیزیں اور ساری شکلیں گھاس کے تنکوں سے لیکر ایٹم اور راکٹ تک اور اسی طرح ساری طاقتیں اور ساری حکومتیں قدرت خداوندی کے تحت ہیں ۔ یہ چیزیں خود قدرت نہیں ہیں بلکہ قدرت ان پر تصرف کرتی ہے یہ سب چیزیں فانی ہیں اور قدرت غیر متبدل اور غیر فانی ہے۔ اللہ تعالیٰ چیزوں

سے زندگی بناتے بھی ہیں اور بگاڑتے بھی ہیں، کامیاب بھی کرتے ہیں اور ناکام بھی کرتے ہیں، غرض جو کچھ بھی ہوتا ہے چیزوں سے نہیں ہوتا اللہ کے حکم اور اس کی قدرت سے ہوتا ہے۔

کائنات کا یہ وہ رخ ہے جو انبیاء علیہم السلام پر کھولا جاتا ہے اور انہی کے ذریعہ معلوم ہوتا ہے اور وہی قدرت کے اعتبار سے استفادے کے طریقے لے کر آتے ہیں۔

عالم کی چیزوں پر نظر رکھ کر اور ان میں نفع نقصان سمجھ کر ان کو استعمال کرنے یا ان میں لگنے کو لگانے کا طریقہ ہر شخص خود تجویز کر سکتا ہے کیونکہ چیزیں نظر آتی ہیں اور ہر شخص ان کو دیکھتا ہے۔ لیکن اللہ کا حکم اور اس کی قدرت جو چیزوں میں کام کرتی ہے وہ کسی کو نظر نہیں آتی اسلئے اس سے استفادہ کا طریقہ انسان خود تجویز نہیں کر سکتا یہ علم اللہ تعالیٰ انبیاء علیہم السلام پر کھولتے ہیں اس لئے اس سے فائدہ اٹھانے کے طریقے انہی سے معلوم ہو سکتے ہیں۔ انھوں نے انسانوں کو شکلوں اور چیزوں سے ہٹایا نہیں بلکہ یہ بتایا کہ اللہ کی قدرت اور اس کے حکم کو اصل سمجھتے ہوئے ان چیزوں میں لگو اور یہ یقین بنالو کہ جب تم اللہ تعالیٰ کے تشریعی اوامر کی تابعداری کرتے ہوئے ان شعبوں میں لگوگے اور ان چیزوں کو استعمال کروگے تو اللہ تعالیٰ اپنی قدرت سے انہی چیزوں سے تم کو نفع پہنچائے گا اور یہ نفع آخرت تک چلے گا بلکہ وہیں بھرپور حاصل ہوگا، یہی ہے لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا منشا کہ اللہ کے سوا کسی سے کچھ نہیں ہوگا اور کچھ نہیں ملے گا بس اللہ ہی کے کرنے سے ہوگا اور ملے گا اور ان کا فضل و کرم تب ہوگا جب ہماری زندگی اور چیزوں میں ہمارا لگنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ پر ہوگا۔

اب دو کام ہیں ایک اپنے میں لا الٰہ الا اللہ والے یقین کا پیدا کرنا اور دوسرا ہر عمل اور ہر شعبہ میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے پر چلنے کا عادی بننا اور اس کی مشق کرنا ـــــ یہ دونوں باتیں پیدا کرنے کیلئے نماز دی گئی اور ایک محنت دی گئی اور مسجد کو ان دونوں کا مرکز بنا دیا گیا مسجد سے دن رات میں پانچ دفعہ اعلان کرایا جاتا ہے جس میں سب سے پہلے چار دفعہ کہلوایا جاتا ہے ـــــ اللہ اکبر اللہ اکبر ـــــ اللہ اکبر اللہ اکبر ـــــ اس کائنات میں جو کچھ ہے وہ عناصر اربعہ سے یعنی مٹی، پانی، ہوا اور آگ سے بنا ہے اور ان میں سے ہر ایک کا یہ حال کہ ان میں سے ایک ایک ساری دنیا کو ختم کرنے کے لئے کافی ہے۔ مٹی یعنی زمین اگر آدھے

دن کے لئے زلزلہ سے ہلا دی جائے تو ساری دنیا ختم ہو جائے ــــ اسی طرح اگر پانی چھوڑ دیا جائے تو نوح علیہ السلام کے زمانہ کی طرح ساری دنیا غرق ہو کر فنا ہو جائے ــ اسی طرح اگر قوم عاد کی طرح آندھی چھوڑ دی جائے تو ساری دنیا کا خاتمہ ہو جائے ــ اسی طرح اگر آگ کو جلا دینے کا حکم ہو جائے تو ساری دنیا راکھ کا ڈھیر بن جائے۔ تو اذان میں سب سے پہلے چار دفعہ کہا جاتا ہے "اللہ اکبر اللہ اکبر" اللہ سب سے بڑا ہے آسمان و زمین اللہ کے سامنے کچھ بھی نہیں، عناصر اربعہ اور ان سے جو کچھ بنا ہے وہ سب اللہ کی مخلوق ہے، اللہ سب سے بڑا ہے، خدا کی ہستی کے سامنے ہر چیز حقیر اور بے حقیقت ہے، اللہ سب سے بڑا ہے۔ روس و امریکہ اور دنیا کی ساری طاقتوں اور حکومتوں کی اللہ کے سامنے کوئی حقیقت نہیں اللہ کی ہستی سب سے بڑی ہے" اللہ اکبر اللہ اکبر"

اس کے بعد دوسری بات یہ کہلوائی جاتی ہے" اشہد ان لا الہ الا اللہ" بناؤ بگاڑ والا اللہ کے سوا کوئی نہیں، شکلوں اور چیزوں سے کچھ نہیں ہوگا اللہ ہی کے کرنے سے ہوگا" اشہد ان لا الہ الا اللہ" اس کے بعد کہلوایا جاتا ہے" اشہد ان محمداً رسول اللہ" اللہ تعالیٰ جو سب سے بڑے ہیں اور جن کے ہاتھ میں بناؤ و بگاڑ اور کامیابی و ناکامی ہے ان کی قدرت سے استفادہ کا طریقہ ہم خود نہیں جانتے، ہم اس راستہ میں نابینا ہیں، اس کے راہ نما حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں وہ اللہ کے رسول ہیں، ان کے طریقہ پر چل کر ہی اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم حاصل کیا جا سکتا ہے" اشہد ان محمداً رسول اللہ"

اس کے بعد کہلوایا جاتا ہے" حی علی الصلوٰۃ، حی علی الفلاح" یہ باتیں اپنے اندر پیدا کرنے کیلئے اور اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم اور کامیابی حاصل کرنے کے لئے نماز کیلئے یہاں آؤ۔ کامیابی یہاں والے اعمال سے ملے گی۔

اللہ والے اعمال میں (یعنی عبادات میں) کچھ تو وہ ہیں جن کے ساتھ چیزوں میں بھی لگ سکتے ہیں، چیزوں سے کلی انقطاع ضروری نہیں۔ حج، روزہ، زکوٰۃ کا حال یہی ہے روزہ میں کھانا کھا تو نہیں سکتے مگر کھانا پکا سکتے ہیں، دوسروں کو کھلا سکتے ہیں۔ تجارت اور زراعت وغیرہ کے کام کر سکتے ہیں۔ ان کی باتیں کر سکتے ہیں، اسی طرح زکوٰۃ دیتے وقت کھانا پینا دوسرے کاموں میں لگنا منع نہیں ہے۔ حج میں بھی دوسرے کاموں کی ممانعت نہیں ہے، یہاں تک کہ سلا کپڑا پہننے کی ممانعت ہے لیکن پہننے

کے لئے کپڑا سینے کی ممانعت نہیں ہے ـــ لیکن نماز وہ عبادت ہے جس میں آدمی تمام چیزوں سے کٹ کر لگتا ہے۔ نہ کھانا کھائیں گے، نہ کھلائیں گے، نہ بکائیں گے، نہ کپڑا سئیں گے، نہ کسی سے کوئی بات کریں گے، دھیان بھی ہر چیز سے ہٹا کر اللہ پر لگانے کی کوشش کریں گے ـــــ

تو اذان کے ذریعہ مسجد سے پہلے "اللہ اکبر اللہ اکبر" اور اشہد ان لا الٰہ الا اللہ اور اشہد ان محمداً رسول اللہ کی آواز لگوا کر یقین درست کرنے کی دعوت دی جاتی ہے اسکے بعد نماز کے عمل کے لئے بلایا جاتا ہے جس میں چیزوں سے کٹ کر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ پر اللہ سے وابستگی کی مشق کی جاتی ہے اور اس میں کامیابی بتائی جاتی ہے۔

بھائی دوستو! جو کوئی مشین بناتا ہے وہی اس کے چلانے کا طریقہ اور بناؤ بگاڑ کی بات بھی جانتا ہے جو مشینیں باہر سے آتی ہیں ان کے ساتھ بنانے والوں کی طرف سے چلانے کے طریقہ کے بارے میں ہدایات بھی آتی ہیں ـــ انسان کو اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے بنایا ہے ماں کے پیٹ میں رکھ کر بنایا ہے جہاں کسی دوسرے کا ہاتھ بھی نہیں لگ سکتا بلکہ نظر بھی نہیں جا سکتی، وہی اللہ جانتا ہے کہ انسان کی مشین کس طرح استعمال ہونے میں اسکا بناؤ اور تعمیر ہے اور کس طرح استعمال ہونے میں اس کا بگاڑ اور تخریب ہے۔ اس نے پیغمبروں کو یہی بتانے کے لئے بھیجا اور سب سے آخر میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا اب جو کوئی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ کے مطابق اپنے کو استعمال کرے گا وہ کامیاب ہوگا اور جو ان کے طریقہ کے خلاف اپنے کو استعمال کرے گا وہ ناکام ہوگا اور اس کی یہ ناکامی پوری طرح آخرت میں ظاہر ہوگی جو انسانوں کے لئے اصلی اور دائمی عالم ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو مختلف طبقوں میں بانٹ دیا ہے حاکم، محکوم، امیر، غریب کالے، گورے وغیرہ وغیرہ۔ اب ان کی تعمیر اور کامیابی ان مختلف طبقات کے جوڑ میں ہے جوڑ والے طریقے قرآن مجید نے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے بتائے ہیں اور یہ بھی بتایا ہے کہ اگر ساری دنیا کے خزانے خرچ کر کے کوئی جوڑ پیدا کرنا چاہے تو پیدا نہیں ہو سکتا اللہ والے اعمال میں لگنے سے اللہ تعالیٰ اپنی قدرت سے جوڑ پیدا کر دیتے ہیں لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مَّآ اَلَّفْتَ بَیْنَ قُلُوْبِهِمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَیْنَهُمْ (اے محمد آپ ساری

دنیا کے خزانے خرچ کر کے ان کے دلوں کو نہیں جوڑ سکتے تھے ہم نے اپنی قدرت سے جوڑ دیا ہے)
انسان کا مزاج ہے جو اس سے فائدہ کھینچے اس سے کٹتا ہے اور جو اس کو فائدہ پہنچاتا ہے اس سے جڑتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اور اس کی طرف سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ طریقہ بتایا جس پر چل کر ہر ایک دوسرے کو فائدہ پہنچانے والا بنے کوئی کسی سے فائدہ کھینچنے والا نہ بنے۔ غریبوں کو بتایا کہ مال والوں کے پاس جو کچھ ہو اس سے فائدہ اٹھانے کا خیال وہ دل سے نکال دیں اور خود اپنی ذات سے ہر غریب و امیر کو فائدہ پہنچانے والے بن جاویں مثلاً وہ راستہ نہ جانتے ہوں تو خود چل کر اور تکلیف اٹھا کر ان کو راستہ بتا دیں، میت ہو جائے تو اس کے اٹھانے اور دفن وغیرہ میں مدد دیں خود قبر کھودنے میں لگ جائیں، بیمار پڑ جائیں تو عیادت کریں، محض اللہ کے لئے ان کا بوجھ اٹھا دیں اور اگر ان کے پڑے ہوئے پیسے کہیں مل جائیں تو پتہ چلا کر ان تک پہنچا دیں، کوئی خطرہ ہو تو ان کی حفاظت کریں، پہرہ دیں، راستہ میں اگر ان کی موٹر کہیں پھنس جائے تو نکالنے میں مدد کریں اور ضرورت ہو تو اپنے جھونپڑے میں ان کو ٹھہرائیں اور جو میسر ہو کھلائیں۔ اور جب وہ ان خدمتوں کے عوض میں پیسے دینے لگیں تو کہدیں کہ ہم نے جو کچھ کیا تھا خدا کے راضی کرنے کے لئے اور اس سے ثواب لینے کے لئے کیا تم سے کچھ لینے کے لئے نہیں کیا تمہارے پیسے تم کو مبارک ـــــ یہ غریبوں کو بتایا گیا ـــــ اور مال والوں کو بتایا گیا کہ اپنے مال کی ہر جنس اور ہر قسم غریبوں پر لگائیں، پیسے بھی خرچ کریں کھانے میں بھی ان کو شریک کریں کپڑے بھی ان کو لا کر دیں۔ اپنی موٹر اور سواری بھی ان کے استعمال کے لئے دیں اور جب اس کے عوض میں غریب اپنی جانیں خدمت کے لئے پیش کریں تو یہ مالدار ان سے کہدیں کہ ہم تم سے کوئی جزا نہیں چاہتے خدا سے لے لیں گے۔ جب یہ طریقہ چالو ہوگا تو غریبوں سے امیر اور امیروں سے غریب جڑ جائیں گے۔

ایسے ہی حاکموں اور محکوموں کو بتایا گیا کہ وہ ایک دوسرے کو فائدہ پہنچانے والے بنیں فائدہ کھینچنے والے نہ بنیں۔ حاکموں سے کہا گیا کہ حکومت کے جو اختیارات اور جو وسائل اُن کے پاس ہوں وہ اُن سے محکوموں کو فائدہ پہنچائیں اور ان کو سہولتیں پہنچانے کی کوشش کریں، ان کی تجارتوں اور زراعتوں میں ان کی مدد کریں ان کے لئے قانونی مشکلیں پیدا نہ کریں، ان سے لینے

اور کھینچنے والے نہیں بلکہ ان کو دینے والے اور نفع پہنچانے والے بنیں۔ جب اہل حکومت ایسا کریں گے تو پبلک کے عوام ان کو بدلنا ہی نہ چاہیں گے الیکشن کے ہنگاموں کی ضرورت ہی نہ ہوگی اسی طرح محکوم عوام سے کہا گیا کہ وہ حکومت والوں سے لینے کی نہ سوچیں بلکہ ان کو اپنے جان و مال سے فائدہ پہنچانے والے بنیں اور ان کے مسائل میں ان کی مدد کریں ان کیلئے مشکلات پیدا نہ کریں، ان سے اگر کوتاہیاں ہوں تو درگزر کریں اور اللہ کے حوالہ کریں۔

الغرض ہر طبقہ کو دوسروں کی نفع رسانی کے طریقہ پر لگایا گیا اور بتایا گیا کہ اپنے جان و مال اور دو فکر کا زیادہ حصہ دوسروں کے بنانے پر لگاؤ ــــــ یہ اسلام کا بتایا ہوا طریقہ ہے اگر اس پر چلا جائے تو ہر طبقہ کا دوسرے سے پورا جوڑ ہوگا اور ہر کام دیانت داری سے اور ٹھیک ٹھیک ہوگا، کوئی بے ایمانی سے روپیہ اور جائیداد پیدا کرنے کی فکر نہیں کرے گا اور اگر اس کے برعکس ذہن فائدہ اٹھانے کا ہوا تو جھوٹ ہی جھوٹ پڑ جائے گی اور لوگوں کی نیتیں خراب ہوں گی پھر یہ ہوگا کہ پچاس لاکھ کے ٹھیکے والے پل پر صرف دس لاکھ کی لاگت لگائی جائے گی جس کی وجہ سے پل کمزور بنے گا، کوئی سڑک ٹھیک نہیں بنے گی، کوئی کام ٹھیک نہ ہوگا ــــــ خوب سمجھ لو لینے والے ذہن سے کوئی تعمیر نہیں ہو سکتی، تعمیر نفع رسانی اور دوسروں کو دینے والے طریقہ سے ہو سکتی ہے ــــ اور نفع رسانی کا ذہن جب ہی بن سکتا ہے اور اپنے پاس والی چیز دوسروں پر لگانے کا طریقہ جب ہی چالو ہو سکتا ہے جب یہ یقین دل میں اتر جائے کہ دینے والے تو بس اللہ ہیں، چیزوں سے کچھ نہیں ہوتا اللہ کے کرنے سے ہوتا ہے اور میں جب اس کی رضا کے مطابق استعمال ہونگا تو اللہ میرے سب کام بنا دیں گے اور نعمتوں کے دروازے کھول دیں گے ــ اس کی مشق نماز میں ہوگی۔

آج کہتے ہیں کہ موجودہ زمانہ میں اسلام چلنے والا نہیں ہے، یہ صحیح ہے! لینے کا ذہن رکھنے والوں میں دینے کا طریقہ کیسے چلے، اسلام کو اپنی خواہش اور اپنی حالت کے مطابق بنا کے چلاؤ گے تو وہ اسلام رہے گا ہی نہیں وہ تو تمہاری بنائی ہوئی ایک نئی چیز ہو جائے گی۔

کسی نے اپنے بدن پر گودنے والے سے شیر کی تصویر بنوانی چاہی جب وہ سوئی سے گودنے لگا اور تکلیف ہوئی تو گودنے والے سے کہا کہ کیسا بنا رہے ہو؟ اس نے کہا کہ پہلے شیر کی

دُم بنا رہا ہوں، اس آدمی نے کہا کہ دُم چھوڑ دو، بے دُم کے بھی تو شیر کی تصویر بن سکتی ہے، اس نے دُم
چھوڑ دی اور دوسری طرف سے بنانا شروع کیا، اب اس نے کہا کہ اب کیا بنا رہے ہو، اس نے
کہا کہ کان بنا رہا ہوں اس نے کہا کہ بے کان کے بھی شیر بن سکتا ہے تم کان نہ بناؤ بے کان کا
شیر بنا دو ـــــ تو بھائی دوستو ایسا ہی اسلام کے ساتھ ہو رہا ہے کہ اپنے مزاج کے بدل جانے
کی وجہ سے اسلام پر چلنا مشکل ہو رہا ہے تو اسلام کی قطع برید کی جارہی ہے اور اس کو اپنی خواہش
کے مطابق بنایا جارہا ہے اسلئے سب سے پہلا کام یہ ہے کہ اپنے مزاج کو اسلام کے مطابق بنالیا جائے
اور یہ جب بنے گا جب اس بات کا یقین پیدا ہو جائے کہ کسی مخلوق سے کچھ نہیں ہوتا سب اللہ
سے ہوتا ہے اور حالات کا بناؤ بگاڑ اور تعمیر و تخریب اور کامیابی ناکامی چیزوں کے ہونے
نہ ہونے سے نہیں ہوتی بلکہ اللہ تعالیٰ کے فیصلہ سے ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ بنانے اور چمکانے
کا فیصلہ جب کریں گے جب میں محمد صلی اللہ علیہ کے طریقہ پر آجاؤں گا ـــــ تو اس راستہ پر چلنے
کے لئے خارجی نہیں بلکہ داخلی دلیلیں چاہئیں، خدا کا یقین ہو، خدا کا دھیان ہو، خدا کا خوف
ہو ـــــ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ پر خدا کے خزانوں سے ملنے کا اور نعمتوں کے دروازے کھلنے
کا یقین ہو ـــــ ان اندرونی تبدیلیوں کے لئے کچھ کرنا پڑے گا، چیزوں سے کامیابی کا
یقین ہٹانے کے لئے اور اللہ سے کامیابی کا یقین جمانے کے لئے کچھ مدت کے لئے چیزوں
میں سے نکلنا ہوگا، ایمان کی مجلسوں میں بیٹھ کر ایمان کی باتیں سننا سنانا ہوگا، نماز کے فضائل
اور اس کے برکات معلوم کر کے اس یقین کے ساتھ نماز میں لگنا ہوگا کہ ہم خدا میں لگیں گے تو
خدا ہم کو نوازیں گے، اسی طرح اذکار و تسبیحات کے فضائل معلوم کر کے ان کے یقین کیساتھ ان میں
لگنا ہوگا۔ دوسروں کے ساتھ اچھے سلوک اور خدمت کی مشق اس یقین کیساتھ کرنی ہوگی کہ ہم
جتنا اچھا سلوک اللہ کے بندوں کے ساتھ کریں گے ویسا ہی اچھا سلوک اللہ تعالیٰ اپنی شان
عالی کے مطابق ہمارے ساتھ کریں گے۔ خاصکر ایمان کی نسبت سے ہر مسلم کے اکرام کی اور اپنے
کو حقیر و کمتر سمجھنے کی مشق کرنی ہوگی ـــــ ان باتوں کی دوسروں کو بھی دعوت اپنی حاجت سمجھ کر
اس یقین کے ساتھ دینی ہوگی کہ جب میں اللہ کے دوسرے بندوں میں اس کیلئے کوشش اور
محنت کروں گا اور اس راستہ میں تکلیفیں اور ذلتیں اٹھاؤں گا تو اللہ تعالیٰ مجھے ان چیزوں سے

محروم نہ رکھیں گے ــــ اس کی بھی مشق کرنی ہوگی کہ یہ سارے کام صرف اللہ کی رضا کے لئے ہوں ــــ اس طرح کچھ مشق کر لینے سے انشاء اللہ سب طبقوں میں جوڑ کی شکل پیدا ہو جائے گی۔

امریکہ والوں نے سب کچھ بنا لیا لیکن کالوں اور گوروں کو جوڑنے میں وہ بالکل ناکام ہے اسی طرح انھوں نے شراب بند کرنے کے لئے کروڑوں روپیہ خرچ ڈالا اور ساری کوششیں کرلیں لیکن بجائے کمی کے اس میں اور زیادتی ہوئی، الحمد للہ اس تبلیغ کے عمل سے لاکھوں ایسے آدمیوں کے جرائم چھوٹ گئے جن کا جرائم چھوڑنا ناممکن معلوم ہوتا تھا۔

الحمد للہ اس کام میں سارے ہی طبقات لگ رہے ہیں، جو طبقہ اس پر محنت کرے گا اور یہ باتیں اپنے اندر پیدا کرلے گا اس سے سب لوگ جڑ جائیں گے، ہم اگر اپنے ہی ساتھ جوڑنا چاہتے تو جوڑنے کی یہ ترکیب آپ کو نہ بتاتے۔ ہم چاہتے ہیں کہ آپ سب اس طریقہ پر کچھ محنت کرلیں پھر دیکھیں کہ اللہ تعالیٰ آپ ہی کے ذریعہ کتنی آسانی سے سب طبقوں کو جوڑتا ہے۔

آج ہر طبقہ میں ہر جگہ جو نابل رہا ہے اور مسائل بگڑتے چلے جا رہے ہیں۔ اس کا علاج صرف حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ میں ہے ــــ جو جتنا کرے گا اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ اتنا پالے گا۔

ہم نے اس کام کے لئے کوئی انجمن نہیں بنائی نہ اس کا کوئی دفتر ہے نہ رجسٹر ہے نہ فنڈ ہے۔ یہ سارے ہی مسلمانوں کا کام ہے، ہم نے مروجہ طریقہ پر کوئی علیحدہ جماعت بھی نہیں بنائی ہے ــــ جس طرح مسجد میں نماز کے عمل پر مختلف طبقوں اور مشغلوں والے مسلمان آکر جمع ہو جاتے ہیں اور نماز سے فارغ ہو کر اپنے گھروں اور مشغلوں میں چلے جاتے ہیں اس طرح ہم آپ سب سے کہتے ہیں کہ کچھ وقت کے لئے اپنے گھروں اور مشغلوں سے نکل کر محنت اور مشق کر لیجئے اور پھر اپنے گھروں اور مشغلوں میں آکر ان اصولوں کے مطابق لگ جائیے ــــ آپ نے اگر یہ چیز محنت کر کے حاصل کرلی تو دنیا بھر کے سائنس والے آپ سے یہ طریقہ سیکھنے آئیں گے اور خدا نے چاہا تو آپ دنیا کے امام ہوں گے۔

عہدِ نبوی میں دینی محنت کا نقشہ

دینی محنت کرنے والے رفقاء سے حضرت مولانا محمد یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ایک خطاب

عطیۂ افتخار فریدی صاحب (مرادآباد)

یوں سمجھئے کہ ایک دینی محنت ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ نے ایک خاص نقشے کے ساتھ کی ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ اس محنت کو ان کے طریقے پر سیکھیں اور کریں۔

الحمد للہ احباب نے چند مقامات میں تھوڑا تھوڑا اس محنت کو سیکھنا شروع کیا ہے لیکن کسی جگہ کی محنت کامل نہیں ہے بلکہ ابتدائی درجوں میں ہے۔ اب اگر ہر جگہ کے محنت کرنے والے یہ سمجھیں کہ پوری محنت یہی ہے جو ہم کرتے ہیں تو پھر اصل شکل پر کوئی نہیں پہونچ پائے گا۔ اب جو انسان بھی محنت شروع کرے وہ یوں سمجھے کہ میری محنت ابتدائی شکل پر ہے، اس کو کرتے کرتے اس شکل پر پہونچنا ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اور آپ کے ساتھیوں نے کی تھی جب وہ اصل محنت ہے تو انسان اپنی محنت کو اس کے مقابلے میں بالکل ادنیٰ سمجھے۔ لہٰذا اصل محنت کو سامنے رکھ کر نیت کرے کہ انشاء اللہ مجھے ترقی کر کے انتہا تک پہونچنا ہے۔

اب ایک تو یہ سوچنا ہے کہ اس محنت کا فائدہ کیا ہے؟ دوسرے یہ سمجھنا ہے کہ وہ محنت کیا ہے؟

اس محنت کا فائدہ یہ ہے کہ محنت کرنے والوں کو اور ساتھ ہی ساتھ دوسرے انسانوں کو ہدایت مل جائے اور انسان دین پر اتنا ہی چلیں گے جتنی خدا کی طرف سے ہدایت ملے گی۔

تو اب محنت کی سطح جتنی بلند ہوتی جائے گی اتنی ہی خدا کی طرف سے ہدایت کی تقسیم عام ہوتی جائے گی۔ وہ محنت جب ختم ہو جاتی ہے تو ہدایت مسلمانوں میں سے نکلنا شروع ہو جاتی ہے پہلے ہدایت کاروبار اور معاشرت میں سے نکلتی ہے کہ کاروبار میں جو دین کے احکامات ہیں ان کو چھوڑ کر دوسرے طریقوں سے کاروبار چلانے لگتے ہیں پھر فرائض نکلتے ہیں اور پھر مختلف برائیاں داخل ہونے لگتی ہیں حتیٰ کہ مسلمان دین سے نکلنے لگتے ہیں اور جب یہ دین کی محنت کی جاتی ہے تو ہدایت خدا کی طرف سے آنی شروع ہوتی ہے۔ پھر جس درجے میں محنت ترقی کرتی جائے گی ہدایت پھیلتی جائے گی۔

ہدایت کی ایک سطح یہ ہے کہ نماز پڑھنے لگیں۔ دوسری یہ ہے کہ روزے زکوٰۃ حج ادا کرنے لگیں تیسرے یہ کہ مال کمانے اور خرچ کرنے میں احکامات شرعیہ کی تعمیل ہونے لگے۔ اس سے آگے یہ ہوتا ہے کہ خدا تمام انسانوں کو ہدایت دینے لگے۔ ہدایت کے بقدر دین زندہ ہوگا اور ہدایت محنت کے بقدر آئے گی۔ تو اب ہم جو یہ دیکھتے ہیں کہ لوگ دین پر نہیں چل رہے ہیں بلکہ اس سے نکل کر بے دینی میں داخل ہو رہے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ محنت نکل چکی ہے۔ اب جتنی جہاں کے بندوں نے دین کی محنت شروع کر دی ہے اتنی خدائے پاک نے ہدایت دینی شروع کر دی ہے اور بقدر ہدایت کے دین زندہ ہونا شروع ہو گیا ہے۔ جہاں نمازی نہیں تھے وہاں کچھ نمازی ہو گئے جہاں روزے نہیں تھے وہاں کچھ روزے زندہ ہو گئے جہاں حج نہیں تھا وہاں کچھ حج قائم ہو گیا جہاں تعلیم کا سلسلہ نہ تھا وہاں تعلیم ہونے لگی۔ لیکن ہدایت اس سطح کی ابھی نہیں ملی کہ کمائیوں کے اندر کے احکام پورے کریں اور کھانے پینے، مکان بنانے میں اور لین دین میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم والی راہ اختیار کریں تو ابھی ہم مسلمان بھی اس کے محتاج ہیں کہ محنت کی سطح بلند ہو تاکہ پوری زندگی میں اسلام پر چلنے کی سعادت حاصل ہو اور دوسرے انسانوں کو بھی اسلام کے سمجھنے کی ہدایت ملے۔ اب اس محنت میں دو نوعیتیں ہیں۔ ایک تو محنت کرنے والوں کی تعداد بڑھانا، دوسرے یہ محنت جو لوگ کر رہے ہیں ان کا مقدار محنت کی شکلوں میں بڑھنا۔ یہ دو علیحدہ علیحدہ لائنیں ہیں۔ اگر لاکھوں محنت کرنے والے بن جائیں مگر محنت تھوڑی تھوڑی کریں تو ہدایت تھوڑی تھوڑی آئے گی۔ اگر خدا ایسی صورت کر دے کہ جو محنت کر رہے ہیں ان کی مقدار محنت بڑھ جائے تو مسلمانوں کو بھی ہدایت ملے گی اور تمام

انسانوں کو بھی ملے گی۔

ابھی تک جو ہماری محنت کی نوعیت ہے وہ یہ ہے کہ مشغول لوگ اپنی مشغولیتوں میں سے تھوڑا تھوڑا وقت اس طرح نکال رہے ہیں کہ انکے دنیوی مشاغل میں فرق نہ پڑے۔ حق تعالیٰ شانہٗ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھیوں سے دین کیلئے قربانیاں دلوائیں ہیں تو اب محنت کرنے والوں میں جتنی حضور والی قربانی پیدا ہوگی محنت کی سطح بلند ہوگی۔ اب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور انکے ساتھیوں کی محنت بتلانا چاہتا ہوں جس سے ابھی ہم بہت دور ہیں۔ لیکن اگر اس محنت کو سامنے رکھ کر چلتے رہیں گے تو خدا وہاں تک پہنچا دیگا تو ہر کام کرنیوالے کو محنت کے اس انتہائی نقشہ کو سامنے رکھکر وہاں تک پہنچنے کی نیت کرنی چاہیئے۔ یہ بات تو آپ لوگ جانتے ہیں کہ سارے عرب میں مدینہ والوں کی محنت سے دین پھیلا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کا عرب کا رقبہ تھوڑا نہیں رہا تھا۔ ہندوستان کے برابر نہیں تو اس سے بہت کم بھی نہ تھا۔ اس وقت دنیا میں کمائیوں کے جو طریقے رواج پذیر تھے وہ بھی نہ تھے۔ پورے ملک میں کوئی حکومت قائم نہ تھی جس کے دفاتر وغیرہ کی نوکریوں کے ذریعہ بھی رزق کی سہولت حاصل نہیں تھی۔ اس زمانے میں بیت اللہ پر آنے والے حجاج سے بھی وہاں کچھ وصول نہیں کیا جاتا تھا بلکہ حجاج کی مدارات میں ہر ایک کچھ خرچ کرتا تھا۔ لہٰذا حج کا شعبہ بھی اس زمانے میں کمائی کا شعبہ نہیں تھا۔ کھیت اور باغات بھی گویا نہیں تھے، تجارتی نظام بھی مکہ معظمہ وغیرہ کے علاوہ نہ تھا کہیں کہیں کھجور کے اور انار کے کچھ باغات تھے۔ چند مقامات تھے جہاں چھوٹے میلے پر تجارت ہوتی تھی۔ غرض کہ پورا عرب عام طور سے ننگا بھوکا پیاسا عرب تھا۔ نہ سب کے پاس کپڑے تھے نہ کھانا اور پانی اور کھانا بھی پورے عرب کو نہیں ملتا تھا۔ بھوک کی شدت میں کپڑے مکوڑے بھی کھا جاتے تھے۔ یہاں تک کہ زمین پر پڑا ہوا خون بغیر تحقیق کے کہ کس چیز کا ہے کس جگہ کا ہے چاٹ جاتے تھے اکثر علاقے کمائی سے خالی اور بھوک سے بھرے ہوئے تھے۔ بادشاہوں تک کی ہمت نہیں تھی کہ اس ملک پر حکومت کریں۔ حکومت کرنے کے لئے بھی اخراجات کی ضرورت ہے اس وقت نہ پیٹرول تھا نہ سونا۔ عرب کے کنارے پر قیصر و کسریٰ کی حکومتیں فوجی نظام رکھتی تھیں کہ عرب ان پر کسی وقت بھی چڑھائی نہ کر دیں۔ ورنہ کوئی نظام حکومت پورے عرب بھر میں نہ تھا۔ تو جس ملک میں نظام چلانے کے لئے حکومتوں تک کی ہمت نہ پڑتی ہو اس ملک میں آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے محنت کی

یہ جو مقامات تجارت و زراعت کے مراکز تھے وہ سب ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلے میں آ گئے سوائے مدینہ پاک کے آدمیوں کے سارے ملک کے خوشحال قبائل مخالف تھے۔ سارا زور اس پر لگا ہوا تھا کہ مکے والے اسلام نہ لائیں تو ہم بھی نہ لائیں اور مکہ والوں نے آپ کی زندگی کے آخری دور تک مقابلہ کیا۔ اب ایسے حالات میں جتنا کام ہوا تمام کا تمام مدینہ کی بستی سے ہوا۔ جہاں بھی کوئی ایمان لاتا اسے مدینہ بلا لیا جاتا۔ تو مدینہ ایسی بستی بن گیا۔ جہاں لوگ خاندان اور برادریاں چھوڑ چھوڑ کر آ کر بستے رہے۔ اور جب قوم سے نکل کر آتے تھے تو اپنا مال بھی لے کر نہیں آ سکتے تھے۔ مدینہ والوں کو ان کے رہنے کھانے پینے کا انتظام کرنا پڑتا تھا۔ اب ایسی بستی بن گئی جہاں مہاجر اور مقامی برابر ہو گئے۔

آنے والوں میں کچھ تو تھے ہی فقیر، کچھ کے روزگار ٹوٹ گئے، کچھ کے اموال مقام والوں نے چھین لئے۔ غرضیکہ مدینہ میں آنے والے سب ہی فقیر بن کر آئے۔ ان فقیروں اور مدینہ کے انصار کو لے کر آپ نے دین کی محنت کا کام شروع کیا۔ باہر سے آنے والوں کو کاروبار کرنے سے نہیں روکا گیا جب تک کمائی کی شکلیں وجود میں آئیں مقامیوں نے سب کی ضروریات مہیا کیں۔ غرضیکہ مدینہ میں بسنے والوں پر اتنا بوجھ پڑ گیا تھا اور ان کے حالات ایسے ہو گئے تھے کہ کم از کم دس سال تک اپنے کاروبار جمانے یا زیادہ اخراجات مہیا کرنے کے سبب ان کو کہیں باہر نہیں نکلنا چاہئے تھا۔ کمائی والے نظام کا یہی تقاضا تھا، انصار پر چونکہ سب آنے والوں کا خرچ بھی پڑ گیا تھا اس لئے کھیتوں اور باغات کے کام میں بھی زیادہ انہماک کی بہت زیادہ وقت لگانے کی ضرورت تھی تاکہ آنے والوں کے اخراجات پورے کر سکیں کیونکہ مدینہ کے انصار کے بہت سے گھروں میں کئی کئی خاندان ٹھہرے ہوئے تھے۔ الغرض ان ضرورتوں کے اعتبار سے باہر نکلنے کا بالکل موقع نہیں تھا۔ لیکن حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ والوں کو کمائی کی چھٹی دینے کی بجائے دین کی پوری محنت اسی دس سال میں کی اور کرائی اور دین کی محنت کا ایک ایسا نقشہ قائم کیا کہ انسانی زندگی میں جو تقاضے ہیں گھر والوں کی پرورش (دیکھ بھال) مال و دولت کمانے کا عمل ان دونوں عملوں کو بار بار چھیڑ کر دین کی محنت کے عمل کو آگے بڑھایا اور صحابہ کرام کو ایسی تربیت دی کہ جس وقت اللہ کے راستے میں نکلنے کو کہا جائے اور جتنوں کو کہا جائے اور جہاں کیلئے کہا جائے سب تقاضوں کو چھوڑ کر نکل جائیں۔ یہاں تک کہ جن کو مغرب کے وقت نکلنے کو کہا انہیں مدینہ میں سونے نہیں دیا، جس طرح پکے نمازی اذان کی آواز سن کر تمام کام چھوڑ

کہ نماز کے لئے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح مدینہ والے خدا کے راستے میں نکلنے کی آواز پر کھڑے ہو جاتے تھے، جس وقت اللہ کے راستے میں ایمان و دین کے تقاضوں پر آواز لگتی، یہ آواز سودے خریدتے وقت سنیں یا دوکان کھولتے وقت کان میں آئے یا خرید و فروخت کے انتہائی انہماک کے وقت سنی جائے، یہ آواز کھجور کے باغوں میں کھجوروں کے توڑنے کے وقت لگے، نکاح ہونے کے وقت لگے یا رخصتی ہونے کے وقت لگے عورت کو بچہ پیدا ہونے کے وقت لگے یا بیماری کے وقت لگے یا عزیزوں اور گھر والوں کی موت کے وقت لگے اسکی مشق کر لی تھی کہ جس وقت آواز سنیں سب چھوڑ چھاڑ کر نکل جائیں جو پاس ہو لے لیں۔ جہاں ضرورت ہو چلے جائیں جتنے وقت کا تقاضا ہو وہاں گزاریں جو جان پر بیتے اسے جھیلیں۔ یہ مزاج بن گیا تھا خدا کے راستے میں نکلنے والوں کا ــــ مدینہ پاک کے دس سال کے قیام میں ڈیڑھ سو جماعتیں نکالیں جن میں سے ۲۵ سفروں میں آپ خود تشریف لے گئے۔ کسی میں دس ہزار آدمی نکلے، کسی میں پچاس ہزار نکلے کسی میں تیس یا چالیس ہزار نکلے کسی میں تین سو تیرہ نکلے کسی میں دس کسی میں پندرہ کسی میں سات یا آٹھ نکلے مدت کے اعتبار سے کسی میں دو ماہ خرچ ہوئے کسی میں تین ماہ، کسی میں بیس دن کسی میں پندرہ دن خرچ ہوئے۔ بقیہ جو سوا سو جماعتیں نکالیں انہیں بھی ہزار نکلے، پانچ سو اور چھ سو بھی کم و بیش سب طرح کے نکلتے رہے، مدت بھی چھ ماہ چار ماہ سب طرح کا وقت لگا۔ اب حساب لگاؤ کہ ہر آدمی کے حصے میں باہر گزارنے کا کتنا وقت پڑا۔ اور سال میں کتنے سفر کئے اگر سب سفروں کو جوڑ کر تخمینہ کرو گے تو سال میں چھ ماہ یا سات ماہ ہر آدمی کے حصہ میں آئینگے اب اس نقل و حرکت کی کوشش سے مختلف مقامات کے انسانوں کو مدینہ آنے کی دعوتیں ملیں کہ اسلام مدینہ میں آکر سیکھو۔ چونکہ اسلامی زندگی ماحول سے آئے گی۔ اس زندگی کا ماحول صرف مدینہ میں تھا تو باہر سے آنے والوں کو مدینہ منورہ کے قیام کے زمانے میں باہر سے آنے والوں کو دین سکھانا پڑتا تھا، پھر مدینہ والوں کو اپنے لئے بھی علم حاصل کرنے کیلئے وقت نکالنا پڑتا تھا۔ مدینہ کے قیام کے زمانہ میں مسجدوں کے لئے وقت مانگا جاتا تھا، تاکہ سیکھنے سکھانے کا نظام مسجدوں میں قائم رہے اور آنے والوں کو سنبھالا جا سکے جب ان لوگوں نے روزانہ کی زندگی ایسی بنا لی کہ اگر دو آدمیوں نے مل کر تجارت شروع کی تو باری لگا لی ایک ایک دن کی کوئی کسی وقت کوئی کما کر پہنچ جاتا کوئی شام کو پہنچتا اور رات کو رہتا، عشاء بعد سے عبادت میں لگا رہتا، پھر سوتا۔ کچھ عشاء پڑھتے ہی سو جاتے اور پچھلے وقت میں تہجد ادا کرتے۔ اس طرح چوبیس گھنٹے مسجد میں مقامی مسلمان موجود رہتے۔ اب جو باہر سے جن

وقت پہونچتے آدمی مسجد میں، ان کو سنبھالنے کو موجود ملتے کبھی تعلیم کے حلقے ہو رہے ہیں۔ تو آنیوالوں کو اس میں بٹھاتے۔ نماز ہو رہی ہے تو اس میں شامل کر رہے ہیں۔ ذکر اذکار جس وقت ہو رہا ہے اس میں جوڑ رہے ہیں۔ اس طرح آنے والے بھی اپنے کو خالی کسی وقت نہیں سمجھیں گے۔ اب حساب لگاؤ چھ سات ماہ تو باہر خرچ ہوئے مسجدوں کی باری میں بھی دو ڈھائی ماہ نکل گئے۔ اب دنیاوی ضرورتوں کے لئے کتنا وقت رہ گیا۔ ہر شخص کا وقت بیرونی نقل وحرکت میں بہت سا لگ گیا اور کافی وقت مدینہ آنے والوں کے سنبھالنے میں لگ گیا۔ ذرائع آمدنی تو عام حالات سے بھی کم ہو گئے اور اخراجات کئی گنا زیادہ بڑھ گئے۔ باہر کی نقل وحرکت کا خرچ، اپنا اور گھر والوں کا خرچ جو دوسرے باہر سے مدینہ میں آئیں تو ان کا خرچ، جو مدینہ کے غربا باہر نکل رہے ہیں ان کا سفر خرچ، سواری، لباس، کھانا، باہر والے خوش حال ہیں ان کی بھی دعوتیں کرنا، پھر جن علاقوں میں قحط ہو تا وہ بھی مدینہ پاک آتے، انکی بھی مدد کرنا۔ غرضیکہ خرچ تو نقل وحرکت کے زمانے میں بھی اور قیام کے زمانہ میں بھی بہت بڑھ گیا اور کمائی کی شکلیں ٹوٹ گئیں نتیجہ یہ ہوا کہ باہر بھی اور مقام پر بھی فاقے جھیلنے پڑے۔ سردی بھی سہنی پڑی، گرمی بھی برداشت کرنی پڑی غرضیکہ ہر قسم کی تکلیفیں اٹھانی پڑیں اپنا پیٹ کاٹ کاٹ کر مقامی اور بیرونی خاکوں کو چلایا۔ تو جب ایمان کا کام کرنے والوں نے ایمان کے تقاضوں کو کمائیوں اور گھر کے تقاضوں پر مقدم کر دیا تو حق تعالیٰ شانہ نے اس نقشہ سے خوش ہو کر تمام عرب کی بسنے والی قوموں کو اسلام میں داخل کر دیا اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں کی قربانی کی برکت سے ان تمام انسانوں کی تربیت ہو گئی جن کی تربیت کی رسولوں کو بھی ہمت نہیں ہوتی تھی۔ آپ ایسی حالت میں دنیا سے تشریف لے گئے جب سارا عرب اسلام سے منور ہو چکا تھا اور مدینہ کا ایک ایک گھر مال سے خالی ہو چکا تھا۔ پھر حق تعالیٰ شانہ نے قیامت تک کے آنے والوں کو یہ دکھانے کے لئے کہ اسلام ذات محمدی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی محنت سے پھیلا ہے آپ کے تشریف لے جانے کے بعد اکثر عرب قبائل کو پھر مرتد بنا دیا تاکہ قیامت تک کے آنے والوں کو پتہ چل جائے کہ جب بھی ہم اس محنت کو لے کر اٹھیں گے تو سارے عالم کے خاکے درست ہو جائینگے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوتے ہی حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے مدینہ منورہ کے مسلمانوں کو بیٹھنے نہیں دیا بلکہ الجدم سب کو خدا کے راستے میں نکال دیا۔ اسی بھوک اور پیاس میں اسی غم کی حالت میں نکالا ـــــ یہاں تک کہ تین دن اور تین راتیں مدینہ پر ایسی گزریں کہ ہر وقت حملے کا خطرہ تھا اور مدینہ

پاک بالغ مردوں سے گویا بالکل خالی تھا۔ اکثر تو ملک شام کے رخ پر جیش اسامہ میں بھیجے گئے بقیہ ذخیرہ دو قرب وجوار میں نکلے۔ ظاہر کے اعتبار سے نکلنے کا موقع بالکل نہ تھا محض حکم کی تعمیل کے جذبے سے نکلے۔ اللہ رب العزت نے اس محنت کی پوری دنیا کو قیمت دکھائی۔ ایک قلیل عرصہ میں سارا عرب اسی نقشہ پر آگیا ایک عرب کا گھرانہ بھی اسلام سے باہر نہیں رہا اور اس میں صرف ایک ماہ لگا۔ صرف یہی نہیں کہ مسلمان بن گئے بلکہ ایمان کی پوری محنت پر لوٹ آئے

تو اصل ایمان کی محنت کا نقشہ یہ ہے کہ ایسی فضا پیدا ہو جائے کہ جس کو جس وقت جہاں کے لئے کہا جائے یہ سب مشاغل چھوڑ کر راہ خدا میں چلا جائے اور جب باہر سے آدمی دین سیکھنے کے لئے اس کے مقام پر آئیں تو یہاں بھی ان کے ساتھ لگ جائے تو اب آپ غور کیجئے کہ آج کی محنتوں میں اور اس محنت میں کتنا فرق ہے۔ تو اصل سمجھو اس نقشے کو اور یہ سمجھو کہ ہماری والی محنتیں ابتدائی ہیں اور ہمیں ان جیسی محنت کرنے والا بننا ہے۔ پوری پوری جان لگانے والا بننا ہے۔

مختصر سی زندگی ہے۔ اس میں تھوڑا سا وقت ضروریات کے لئے کمانے پر لگائیں گے اور بقیہ تمام وقت دین کی محنت پر صرف کریں گے۔ اب ذہن میں یہ رکھیں کہ چونکہ یہ قربانی حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کے اندرون سے نکلی ہے اس لئے ان کے بدن اور روح کے انوار اس قربانی میں موجود ہیں لہٰذا جتنی یہ قربانیاں کام کرنے والوں میں بڑھیں گی اتنی ہی ہدایت حق تعالیٰ شانہٗ کی جانب سے آئے گی۔

دین مالوں سے نہیں پھیلے گا بلکہ دین کی محنت سے کمائیوں کے نقشے میں جو نقصانات اور کمیاں آئیں گی اس قربانی سے پھیلے گا اور جب یہ قربانیاں کمال تک پہنچیں گی تو ان قوموں کو آپ کے ذریعہ ہدایت ملے گی جو آسمان پر اڑ رہی ہیں اور ہم غریبوں کی طرف دیکھتی بھی نہیں اور وہ مسلمان جو زندگی کے کسی شعبے میں اسلام کی بات سننے کو تیار نہیں وہ اپنے تمام کاموں کو اسلام کے احکامات کے موافق بنائے گا اور آپ حضرات کی قربانیوں کا بدلہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حوض کوثر پر کھڑے ہو کر دلوائیں گے جہاں آپ نے انصار سے ملنے اور ان کی قربانیوں کا صلہ دلوانے کا وعدہ فرمایا ہے بشرطیکہ یہ طے کر لو کہ خدا جو کچھ ان محنتوں کے بدلے دے گا۔ وہ حاصل کر کے دوسروں کو دینگے اور خود نہ لیں گے ایسا کرنے میں حضورؐ کی جھلک پائی جائیگی کیونکہ آپ قربانیوں کے دور میں صحابہ کرام کے ساتھ تھے اور جب نعمتیں ملنے کا وقت آیا تو آپ تشریف لے گئے اسطرح جو حضرات اپنی جان و مال کی قربانی کرینگے اور دنیا میں کچھ لینا نہیں چاہیں گے اور صرف آخرت پر نگاہ رکھیں گے وہی حضرات آخرت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سب سے زیادہ قریب ہوں گے۔ انشاء اللہ

سارے انفرادی و اجتماعی مسائل کا ایک حل

حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ کی ایک تقریر

{یہ تقریر میاں جی محمد عیسیٰ کی اس بیاض سے لفظ بہ لفظ نقل کی گئی ہے جس کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے}

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ

بھائی دوستو! بڑی دقت کی بات یہ ہے کہ اپنی غلط کاری کی بنا پر ہمارا ذہن انفرادی بن چکا، دین کے بارہ میں بھی اور دنیا کے بارہ میں بھی، یہاں کے بارہ میں بھی اور آخرت کے بارہ میں بھی۔ ذہن یہ بن گیا کہ بس اپنی ذات والے حال میں لگا رہے، خواہ دین کا حال ہے یا دنیا کا اس سے اپنا مسئلہ درست ہو جاوے گا، حالانکہ شخصی احوال پر طاقت خرچ کرنے سے بلا و مصیبت کم نہیں ہوتی بلکہ اضافہ ہی ہوتا ہے، اجتماعی احوال کو جب تک ٹھیک نہ بنایا جاوے اس وقت تک شخصی حالات کا درست ہونا مشکل ہے۔ اگر اجتماعی زندگی کی خرابی پر کوئی اجتماعی مصیبت آپڑے تو پھر ہر کسی کی شخصی بھی بگڑتی چلی جاوے گی، اور اس کے برعکس اگر اجتماعی زندگی کو بہتر بنانے کی سعی کی جا رہی ہو گی، تو ایک ایک شخص کا انفرادی مسئلہ بھی بہتر ہوتا چلا آوے گا، جب کسی قوم، ملک یا امت کا اجتماعی مسئلہ بگڑا ہو اور طاقت اس کی درستگی پر لگائی جاوے تو وہ اجتماعی بھی درست ہو جاتا ہے اور ہر کسی کا شخصی بھی درست ہو جاتا ہے۔ یہیں غلط فہمی ہوتی ہے کہ فلاں تدبیر کے نہ کرنے کی وجہ سے معاملہ بگڑا ہے، حالانکہ ہمارے ایک ایک مسئلہ کا بگڑنا اور بننا اجتماعی مسئلہ کے ساتھ ہے۔ ہاں اگر تھوڑے سے آدمی اجتماعی مسئلہ پر طاقت لگا دیں تو سب کے مسائل اجتماعی اور انفرادی درست ہو جاویں گے اور

اگر کچھ لوگ بھی پوری قوم میں سے اس کا فکر رکھنے والے نہ ہوئے تو اجتماعی کے ساتھ ہر کسی کا شخصی مسئلہ بھی بگڑ جائے گا اور سوائے حسرت و یاس کے کچھ حاصل نہ ہوگا ــــــ اجتماعی مسئلہ کے بگڑنے کی صورت میں اگر قوم کے اولیاء اللہ اس کے سدھار کے لیے راتوں کو رو رو کر بھی دعائیں کریں گے تو ان کی دعائیں بھی حالات کو بہتر نہیں بنا سکتیں ــــــ اگر خدا تعالیٰ کے ہاں سے فیصلہ ہو جاوے کہ کسی ملک کے انسان بھوکے مریں تو اگر بھوک سے بچنے کے لیے ایک ایک شخص پوری طرح جان بھی کھپا رہا ہوگا تب بھی ایک ایک کر کے بھوک سے ہلاک ہو جاویں گے اپنی ذات کے مسئلہ میں لگ جانا ہی تو اجتماعی کے بگاڑ کا ذریعہ ہے۔ جوں جوں اپنی ذات کے لیے جان کھپاوے گا اسی قدر اجتماعی حالات بگڑتے جائیں گے اور یہاں تک بگڑیں گے کہ احادیث میں آتا ہے کہ لوگ قبروں پہ سے گزرتے ہوئے حسرت کریں گے کہ کاش ہم بھی قبروں میں ہوتے، آدمی آدمی کو کاٹ کر کھا جاوے گا، یہ جب ہوگا کہ ہر کسی کا جذبہ جانوروں کی طرح صرف اپنی ہی ذات کے لیے ہو، ایسے انسان انسانوں کے جامہ میں درندے ہوتے ہیں، ساری پریشانی اس وجہ سے ہے کہ وقت تو اجتماعی مسائل کے لیے قربانی دینے کا ہے اور کوشش اس بات کی کر رہے ہیں کہ اچھا جب تک دوکان چلتی رہے چلاؤ یا زمین میں لگا جاوے لگے رہو۔ محض اپنے لگنے سے مسائل درست نہیں ہوتے بلکہ اللہ پاک ہی بگاڑتے ہیں اور وہ ہی بناتے ہیں۔

یقین اس بات پر جانا ہے کہ جس چیز پر اللہ پاک طاقت لگوانا چاہتے ہیں اس میں لگنے سے تو مسائل ٹھیک ہوتے ہیں اور جن مخلوقات پر انسان از خود طاقت خرچ کرتا ہے اس سے مسائل بگڑتے ہیں۔ انفرادی بھی بگڑتے ہیں اور اجتماعی بھی۔ طاقتیں جب مخلوق پر خرچ ہونے لگیں تو خدا کا غضب نازل ہوتا ہے اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جو ایک دوسرے کے ہمدرد ہوتے ہیں وہ جان لیوا ہو جاتے ہیں، جس طرح چیزیں اللہ کی مخلوق ہیں اسی طرح حالات بھی اللہ کی مخلوق ہیں، سورج مخلوق ہے، چاند مخلوق ہے، زمین و آسمان مخلوق ہیں، اور سارے جانور بھی مخلوق ہیں حالات چیزوں کی مخلوق نہیں ہیں، حالات مستقل طور پر اللہ کی مخلوق ہیں، یہ بات نہیں کہ اگر کسی نے چاہا تو امن کر دیا اور چاہا تو فساد کر دیا۔ نہیں بلکہ یہ احوال

اللہ پاک کے لانے سے ظاہر ہوتے ہیں۔ جس طرح سورج اللہ کی مخلوق ہے اسی طرح وہ روشنی جو اس میں سے نکل رہی ہے وہ بھی اس کی مخلوق ہے۔ جب چاہتے ہیں سورج سے روشنی نکالتے ہیں اور جب چاہتے ہیں سلب فرما لیتے ہیں کسی ہتھیار سے آدمی نہیں مرتا، بلکہ جس طرح وہ آدمی اللہ کی مخلوق ہے اسی طرح اس کی موت بھی اللہ کی مخلوق ہے، جب اللہ پاک مارنا چاہتے ہیں تو موت وقوع میں آتی ہے، اسی طرح عزت و ذلت، فقر و فاقہ وغیرہ سب اللہ پاک ہی کی مخلوق ہیں، ہمیں غلہ سے پیٹ کا بھرنا نظر آتا ہے اور اسی طرح سے دوسری چیزوں میں ہم غلط طور پر احوال کو دیکھنے کے عادی ہو گئے ہیں اور غلط تخیل قائم کرتے ہیں، حالانکہ قرآن پاک میں صاف صاف ارشاد ہے کہ پانی ہم اتارتے ہیں کھیتی ہم اگاتے ہیں، ایک صورت اگر خدا کی مخلوق ہے تو اس کے اندر بھی جو کچھ ہے وہ بھی اللہ ہی کی مخلوق ہے، مخلوق کسی وقت خالق نہیں بن جاتی، جو اول چیز کو بنانے والا ہے دوسری کو بھی وہی بنا دے گا۔ کسی مخلوق کو مخلوق میں (سے ظاہر ہوتا) دیکھ کر (اس مخلوق پر) طاقت خرچ ہوگی تو مسئلہ بگڑے گا۔ روٹی کھانے میں پیٹ بھرنا (یعنی پیٹ بھرنے کی لازمی خاصیت) نہیں ہے حضرت معاویہؓ فرماتے تھے کہ کبھی میری یہ حالت تھی کہ روٹی کھاتے کھاتے میرا جبڑا تھک جاتا تھا اور پیٹ نہیں بھرتا تھا . . .

جو کچھ بھی ہے زمین سے لے کر آسمان تک اور جو اس وقت موجود ہے اور جو آگے آنے والا ہے ساری ہی چیزیں اللہ کی مخلوق ہیں اور سارے احوال بھی اس کے مخلوق ہیں تو بس جب کچھ لینا ہو اس کے لینے کے لیے اللہ ہی پر طاقت صرف کی جائے۔ اگر خوف سے گھبراہٹ ہے تو بھی رابطہ اللہ پاک سے ہی پیدا کیا جاوے، جس خوف کو اللہ پاک سے ہٹواؤ گے وہ ہمیشہ کے لیے ہٹ جاوے گا۔ اگر مخلوق پر طاقت صرف کر کے کوئی چیز حاصل کی تو وجود تو اس کا بھی اللہ ہی کے پیدا کرنے سے ہوگا تاہم مخلوق کے واسطہ سے آنے کی صورت میں وہ فانی ہوگی، جو شخص اللہ سے نہ لے بلکہ مخلوق سے لے تو بہت ہی پچھتانا پڑے گا۔ اس لیے کہ جو مخلوق مخلوق میں سے آئے گی وہ فانی ہوگی اور اس کے فنا پر حسرت و افسوس ہوگا اور جو چیز اللہ سے آئے گی وہ ہمیشہ کے لیے ہوگی۔ لا إلٰہ إلا اللہ کا مطلب یہی ہے کہ تمام مسائل کو ایک ذات باری تعالیٰ سے ہی حل کرانا ہے، لہٰذا وہ تدبیر اختیار کرو جو اس سے لینے کی ہیں —— اگر

خدا تعالیٰ سے لینے کی تدابیر اختیار کی جائیں گی تو دنیا میں بھی ملے گا اور آخرت میں بھی۔ غیر خدا پر طاقت لگا کر ہم جو سمجھ رہے ہیں کہ چیزوں سے کچھ پیدا ہو رہا ہے تو اس میں شرک کی بو آتی ہے۔ کوئی مخلوق اللہ پاک کے حکم کے بغیر کچھ دے نہیں سکتی۔ قرآن پاک میں جگہ جگہ بتلایا گیا ہے کہ مخلوقات میں کچھ نہ سمجھے بلکہ عقیدہ رکھے کہ اللہ ہی کرنے والے ہیں۔ اسی کو توحید کہتے ہیں جس طرح مخلوق سے فائدہ اٹھانے کی تدابیر ہیں اسی طرح خدا تعالیٰ سے لینے کی بھی تدابیر ہیں سارے احکامات بعد کو آتے ہیں۔ پہلا حکم یہ ہے کہ اللہ پاک پر یقین پیدا ہو جائے اور اسی کے پیدا کرنے کے لیے انسانوں میں کوشش کی جاوے۔ اس سلسلہ میں اگر تھوڑا سا یہاں خوف برداشت کر لیا جائے گا تو ہمیشہ کے خوف سے چھٹکارا ہو جائے گا، تھوڑی سی بھوک و پیاس برداشت کر لی جائے گی تو ہمیشہ کی بھوک سے نجات مل جائے گی تھوڑا وقت بیوی بچوں کی جدائی میں گزر گیا تو ہمیشہ کا ساتھ نصیب ہو گا۔ حضرات صحابہ کرامؓ نے تھوڑے دن بھوک پیاس برداشت کی تو اس دنیا میں بھی بڑی بڑی سلطنتوں کے دبے ہوئے خزانے تک ان کے پیروں میں آ پڑے، ضرورت ہے کہ ذاتی تاثر کسی چیز کا نہ رہے تب ہی ملک و مال کے فتنوں سے بچاؤ ہو سکتا ہے اور اللہ کے لیے ہر کسی سے معاملہ کرنا آجاوے، جب روپیہ نہ ہو تو بھی متاثر نہ ہو اور جب روپیہ آجائے تو اس سے بھی متاثر نہ ہو۔ ایسے ہی لوگ صالح ہیں جو مخلوق کا تاثر ختم کر دیں۔ غرض یہ کہ اس وقت کے بگاڑ کی وجہ صرف یہی ہے کہ ہم سب جو اللہ پاک کے حکموں پر جان کھپانے والے ہوتے۔ وہ مخلوق پر جان کھپانے اور اسی سے لینے کے غلط تصور کے عادی ہو گئے، اللہ پاک کے حکموں پر جان کھپانے پر جس قدر اللہ کی مددوں کا یقین ہو گا اسی قدر غیب سے دروازے کھلتے جاویں گے، اگر خدا کے دین کے لیے جان کھپانے والوں کی مقدار بڑھے اور اس پر یقین ہو تو چونکہ ساری مخلوقات اللہ کی ذات سے وابستہ ہے۔ ہماری مرغوبات ہوں یا مکروہات اللہ ہی کی طرف سے ہیں۔ جب یہ بات ہے تو دنوں کو پوری طرح خلوق میں اللہ پاک کا یقین پیدا کرنے کے لیے ٹھوکریں کھائیں اور راتوں کو اس کی جناب میں پوری طرح گریہ وزاری سے دعائیں مانگیں تو انشاء اللہ ہر طرح اجتماعی وانفرادی احوال درست اور موافق ہو جائیں گے۔

مسلمانوں کو اُمّت بننے کی دعوت

{حضرت مولانا محمد یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے وصال سے تین دن پہلے یعنی ۲۹ ذی قعدہ (مطابق ۳۰ مارچ) منگل کے دن، بعد نماز فجر رائیونڈ (ضلع لاہور) میں ایک اہم تقریر فرمائی تھی (یہ آپ کی زندگی کی اہم آخری تقریر تھی۔) ہمیں یہ تقریر مولانا عبدالعزیز صاحب کھلنوی کے ذریعہ حاصل ہوئی ہے — یہ پوری تقریر ۲۴ صفحہ کی تھی صفحات میں گنجائش کی کمی اور ناظرین کی سہولت فہم کے لیے ہم کسی قدر اختصار اور لفظی ترمیم کے ساتھ اس کو ذیل میں درج کر رہے ہیں۔ ہم نے اس کی کوشش کی ہے کہ اس کا کوئی اہم حصہ چھوٹنے نہ پائے۔ حضرت مولانا مرحوم نے حمد وصلوٰۃ کے بعد حلات عادت تقریر اس طرح شروع فرمائی}

"دیکھو میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے، ساری رات مجھے نیند نہیں آئی۔ اس کے باوجود ضروری سمجھ کے بول رہا ہوں، جو سمجھ کے عمل کرے گا اللہ تعالیٰ اسے چمکائے گا ورنہ اپنے پاؤں پہ کلہاڑی مارے گا۔"

اس کے بعد فرمایا:۔

"یہ اُمت بڑی مشقت سے بنی ہے اس کو امت بنانے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ نے بڑی مشقتیں اُٹھائی ہیں اور ان کے دشمنوں یہود و نصاریٰ نے ہمیشہ اس کی کوششیں کی ہیں کہ مسلمان ایک اُمت نہ رہیں بلکہ ٹکڑے ٹکڑے ہوں، اب مسلمان اپنا امت پنا (یعنی اُمت ہونے کی صفت) کھو چکے ہیں، جب تک یہ اُمت بنے ہوئے تھے چند لاکھ ساری دنیا پر بھاری تھے، ایک پکا مکان نہیں تھا، مسجد تک پکی نہیں تھی، مسجد میں چراغ تک نہیں جلتا تھا، مسجد نبوی میں ہجرت کے نویں سال چراغ جلا ہے۔ سب سے پہلا چراغ جلانے والے تمیم داریؓ

ہیں وہ ۹ھ میں اسلام لائے ہیں ——— اور ۹ھ تک تقریب قریب سارا عرب اسلام میں داخل ہو چکا تھا مختلف قومیں مختلف زبانیں مختلف قبیلے ایک اُمت بن چکے تھے تو جب یہ سب کچھ ہو گیا۔ اس وقت مسجد نبوی میں چراغ جلا، لیکن حضور جو نور ہدایت لیکر تشریف لائے تھے وہ پورے عرب میں بلکہ اس کے باہر بھی پھیل چکا تھا اور امت بن چکی تھی، پھر یہ امت دنیا میں اُٹھی جدھر کو نکلی ملک کے ملک پیروں میں گرے...... یہ اُمت اس طرح بنی تھی کہ ان کا کوئی آدمی اپنے خاندان، اپنی برادری، اپنی پارٹی، اپنی قوم، اپنے وطن، اپنی زبان کا حامی نہ تھا، مال و جائداد اور بیوی بچوں کی طرف دیکھنے والا بھی نہ تھا بلکہ ہر آدمی صرف یہ دیکھتا تھا کہ اللہ و رسول کیا فرماتے ہیں، اُمت جب ہی بنتی ہے جب اللہ و رسول کے حکم کے مقابلہ میں سارے رشتے اور سارے تعلقات کٹ جائیں۔ جب مسلمان ایک اُمت تھے تو ایک مسلمان کے کہیں قتل ہو جانے سے ساری اُمت ہل جاتی تھی اب ہزاروں لاکھوں کے گلے کٹتے ہیں اور کانوں پہ جوں نہیں رینگتی۔

سلسلۂ بیان جاری رکھتے ہوئے آگے آپ نے فرمایا:۔

اُمت کسی ایک قوم اور ایک علاقہ کے رہنے والوں کا نام نہیں ہے بلکہ سیکڑوں ہزاروں قوموں اور علاقوں سے جُڑ کر اُمت بنتی ہے جو کوئی کسی ایک قوم یا ایک علاقہ کو اپنا سمجھتا ہے اور دوسروں کو غیر سمجھتا ہے وہ اُمت کو ذبح کرتا ہے اور اُس کے ٹکڑے کرتا ہے اور حضور کی اور صحابہؓ کی محنتوں پر پانی پھیرتا ہے ——— امت کو ٹکڑے ٹکڑے ہو کر پہلے خود ہم نے ذبح کیا ہے۔ یہود و نصاریٰ نے تو اس کے بعد کٹی کٹائی اُمت کو کاٹا ہے ——— اگر مسلمان اب پھر امت بن جائیں تو دنیا کی ساری طاقتیں مل کر بھی ان کا بال بیکا نہیں کر سکیں گی۔ ایٹم بم اور راکٹ ان کو ختم نہیں کر سکیں گے لیکن اگر وہ قومی اور علاقائی عصبیتوں کی وجہ سے باہم اُمت کے ٹکڑے کرتے رہے تو خدا کی قسم تمھارے ہتھیار اور تمھاری فوجیں تم کو نہیں بچا سکیں گی۔

سلسلۂ تقریر جاری رکھتے ہوئے آگے آپ نے فرمایا:۔

مسلمان ساری دنیا میں اس لیے پِٹ رہا اور مر رہا ہے کہ اُس نے اُمت بنے کو ختم کر کے حضورؐ کی قربانی پر پانی پھیر دیا ہے۔ میں یہ دل کے غم کی باتیں کہہ رہا ہوں ساری دنیا ہی اس

وجہ سے ہے کہ اُمت اُمت نہ رہی بلکہ یہ بھی بھول گئے کہ اُمت کیا ہے اور حضورؐ نے کس طرح امت بنائی تھی۔

اُمت ہونے کے لیے اور مسلمانوں کے ساتھ خدائی مدد ہونے کے لیے صرف یہ کافی نہیں ہے کہ مسلمانوں میں نماز ہو، ذکر ہو، مدرسہ ہو، مدرسہ کی تعلیم ہو۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قاتل ابن ملجم ایسا نمازی اور ایسا ذاکر تھا کہ جب اس کو قتل کرتے وقت غصہ میں بھرے لوگوں نے اس کی زبان کاٹنی چاہی، تو اس نے کہا سب کچھ کرلو لیکن میری زبان مت کاٹو تاکہ زندگی کے آخری سانس تک میں اس سے اللہ کا ذکر کرتا رہوں۔ اس کے باوجود حضورؐ نے فرمایا ہے کہ علی کا قاتل میری اُمت کا سب سے زیادہ شقی اور بدبخت ترین آدمی ہوگا، اور مدرسہ کی تعلیم تو ابوالفضل اور فیضی نے بھی حاصل کی تھی اور ایسی حاصل کی تھی کہ قرآن پاک کی تفسیر بے نقطہ لکھ دی، حالانکہ انھوں نے ہی اکبر کو گمراہ کرکے دین کو برباد کیا تھا۔ تو جو باتیں ابن ملجم اور ابوالفضل فیضی میں تھیں وہ اُمت بننے کے لیے اور خدا کی غیبی نصرت کے لیے کیسے کافی ہوسکتی ہیں۔

سلسلۂ تقریر جاری رکھتے ہوئے آگے حضرت مولانا نے فرمایا:۔

حضرت شاہ اسمٰعیل شہیدؒ اور حضرت سید احمد شہیدؒ اور ان کے ساتھی دینداری کے لحاظ سے بہترین مجموعہ تھے، وہ جب سرحدی علاقے میں پہنچے اور وہاں کے لوگوں نے ان کو اپنا بڑا بنا لیا تو شیطان نے وہاں کے کچھ مسلمانوں کے دلوں میں یہ بات ڈالی کہ یہ دوسرے علاقے کے ہیں ان کی بات یہاں کیوں چلے۔ انھوں نے ان کے خلاف بغاوت کرائی، ان کے کتنے ہی ساتھی شہید کردیے گئے اور اس طرح خود مسلمانوں نے علاقائی بنیاد پر امت پنے کو توڑ دیا، اللہ نے اس کی سزا میں انگریزوں کو مسلط کیا۔ یہ خدا کا عذاب تھا۔

یاد رکھو میری قوم اور میرا علاقہ اور میری برادری یہ سب امت کو توڑنے والی باتیں ہیں اور اللہ تعالےٰ کو یہ باتیں اتنی ناپسند ہیں کہ حضرت سعدؓ بن عبادہ جیسے بڑے صحابی سے اس بارہ میں جو غلطی ہوئی (جو اگر دب نہ گئی ہوتی تو اس کے نتیجہ میں انصار اور مہاجرین میں تفریق ہوجاتی۔) اُس کا نتیجہ حضرت سعد کو دنیا ہی میں بھگتنا پڑا۔ روایات میں یہ ہے کہ ان کو جنات نے قتل کردیا اور مدینہ میں یہ آواز سنائی دی اور بولنے والا کوئی نظر نہ آیا۔

قتلنا سید الخزرج سعد بن عبادہ[1]

رمیناہ بسہم فلم یخط فؤادہ

اس واقعہ نے مثال قائم کر دی اور سبق دیا کہ اچھے سے اچھا آدمی بھی اگر قومیت یا علاقہ کی بنیاد پر اُمت بننے کو توڑے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو توڑ کے رکھ دے گا۔

اُمت جب بنے گی جب اُمت کے سب طبقے بلا تفریق اُس کام میں لگ جائیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم دے گئے ہیں اور یاد رکھو اُمت بننے کو توڑنے والی چیزیں معاملات اور معاشرت کی خرابیاں ہیں، ایک فرد یا طبقہ جب دوسرے کے ساتھ ناانصافی اور ظلم کرتا ہے اور اس کا پورا حق اس کو نہیں دیتا یا اس کو تکلیف پہنچاتا ہے یا اس کی تحقیر اور بے عزتی کرتا ہے تو تفریق پیدا ہوتی ہے اور اُمت پنا ٹوٹتا ہے، اس لیے میں کہتا ہوں کہ صرف کلمہ اور تسبیح سے اُمت نہیں بنے گی، اُمت معاملات اور معاشرت کی اصلاح سے اور سب کا حق ادا کرنے اور سب کا اکرام کرنے سے بنے گی بلکہ جب بنے گی جب دوسروں کے لیے اپنا حق اور اپنا مفاد قربان کیا جائے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ نے اپنا سب کچھ قربان کر کے اور اپنے پر تکلیفیں جھیل کے اس امت کو امت بنایا تھا ــــ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں ایک دن لاکھوں کروڑوں روپے آئے اُن کی تقسیم کا مشورہ ہوا، اس وقت اُمت بنی ہوئی تھی، یہ مشورہ کرنے والے کسی ایک ہی قبیلہ یا ایک ہی طبقہ کے نہ تھے بلکہ مختلف طبقوں اور قبیلوں کے وہ لوگ تھے جو حضور کی صحبت کے اعتبار سے بڑے اور خواص سمجھے جاتے تھے، انھوں نے مشورہ سے باہم طے کیا کہ تقسیم اس طرح پر ہو کہ سب سے زیادہ حضورؐ کے قبیلہ والوں کو دیا جائے۔ اس کے بعد حضرت ابو بکرؓ کے قبیلہ والوں کو، پھر حضرت عمرؓ کے قبیلہ والوں کو۔ اس طرح حضرت عمرؓ کے اقارب تیسرے نمبر پر آتے ــــ جب یہ بات حضرت عمرؓ کے سامنے رکھی گئی تو آپ نے اس مشورہ کو قبول نہیں کیا اور فرمایا کہ اس امت کو جو کچھ ملا ہے اور مل رہا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے اور آپ کے صدقے میں مل رہا ہے، اس لیے بس حضورؐ ہی کے تعلق کو معیار بنایا جائے جو نسب میں آپ سے زیادہ قریب ہوں ان کو زیادہ دیا جائے

---

[1] ہم نے قبیلہ خزرج کے سردار سعد بن عبادہ کو ہلاک کر دیا ہم نے ان کو تیر کا نشانہ بنایا جو ٹھیک اس کے دل پر لگا۔

جو دوم سوم چہارم نمبر پر ہوں ان کو اسی نمبر پر رکھا جائے، اس طرح سب سے زیادہ بنی ہاشم کو دیا جائے اس کے بعد بنی عبد مناف کو پھر قصی کی اولاد کو، پھر کلاب کی، پھر کعب کو، پھر مرہ کی اولاد کو، اس حساب سے حضرت عمرؓ کا قبیلہ بہت پیچھے پڑ جاتا تھا اور اس کا حصہ بہت کم ہو جاتا تھا مگر حضرت عمرؓ نے یہی فیصلہ کیا اور مال کی تقسیم میں اپنے قبیلہ کو اتنے پیچھے ڈال دیا ——

اس طرح بنی تھی یہ اُمت!

اسی سلسلہ میں آگے فرمایا۔

اُمت بننے کے لیے یہ ضروری ہے کہ سب کی یہ کوشش ہو کہ آپس میں جوڑ ہو پھوٹ نہ پڑے —— حضورؐ کی ایک حدیث کا مضمون ہے کہ قیامت میں ایک آدمی لایا جائے گا جس نے دنیا میں نماز، روزہ، حج، تبلیغ سب کچھ کیا ہوگا مگر وہ عذاب میں ڈالا جائے گا، کیونکہ اس کی کسی بات نے اُمت میں تفریق ڈالی ہوگی، اُس سے کہا جائے گا پہلے اپنے اس ایک لفظ کی سزا بھگت لے جس کی وجہ سے اُمت کو نقصان پہنچا، اور ایک دوسرا آدمی ہوگا جس کے پاس نماز روزہ، حج وغیرہ کی بہت کمی ہوگی اور خدا کے عذاب سے بہت ڈرتا ہوگا، مگر اس کو بہت ثواب سے نوازا جائے گا، وہ خود پوچھے گا کہ یہ کرم میرے کس عمل کی وجہ سے ہے اس کو بتایا جائے گا کہ تو نے فلاں موقع پر ایک بات کہی تھی جس سے اُمت میں پیدا ہونے والا ایک فساد رُک گیا اور بجائے توڑ کے جوڑ پیدا ہو گیا۔ یہ سب تیرے اسی لفظ کا صلہ اور ثواب ہے۔

اُمت کے بنانے اور بگاڑنے میں جوڑنے اور توڑنے میں سب سے زیادہ دخل زبان کا ہوتا ہے، یہ زبان دلوں کو جوڑتی بھی ہے اور پھاڑتی بھی ہے زبان سے ایک بات غلط اور فساد کی نکل جاتی ہے اور اس پر لاٹھی چل جاتی ہے اور پورا فساد کھڑا ہو جاتا ہے اور ایک ہی بات جوڑ پیدا کر دیتی ہے اور پھٹے ہوئے دلوں کو ملا دیتی ہے —— اس لیے سب سے زیادہ ضرورت اس کی ہے کہ زبانوں پر قابو ہو اور یہ جب ہو سکتا ہے جب بندہ ہر وقت اس کا خیال رکھے کہ خدا ہر وقت اور ہر جگہ اس کے ساتھ ہے اور اس کی ہر بات کو سُن رہا ہے۔

اسی سلسلہ میں آگے فرمایا کہ:-

مدینہ میں انصار کے دو قبیلے تھے اوس اور خزرج ان میں پشتوں سے عداوت اور

لڑائی چلی آرہی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب ہجرت فرما کر مدینہ پہنچے اور انصار کو اسلام کی توفیق ملی تو حضور کی اور اسلام کی برکت سے ان کی پشتوں کی لڑائیاں ختم ہو گئیں اور اوس و خزرج شیر و شکر ہو گئے۔ یہ دیکھ کر یہودیوں نے اسکیم بنائی کہ کسی طرح ان کو پھر سے لڑایا جائے۔ ایک مجلس میں جس میں دونوں قبیلوں کے آدمی موجود تھے، ایک سازشی آدمی نے اُن کی پُرانی لڑائیوں سے متعلق کچھ شعر پڑھ کے اشتعال پیدا کر دیا۔ پہلے تو زبانیں ایک دوسرے کے خلاف چلیں، پھر دونوں طرف سے ہتھیار نکل آئے۔ حضورؐ سے کسی نے جا کر کہا، آپ فوراً تشریف لائے اور فرمایا کہ میرے ہوتے ہوئے تم آپس میں خون خرابہ کرو گے! آپ نے بہت مختصر مگر درد سے بھرا ہوا خطبہ دیا، دونوں فریقوں نے محسوس کر لیا کہ ہمیں شیطان نے ورغلایا، دونوں روئے اور گلے ملے اور یہ آیتیں نازل ہوئیں۔ یَاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝ .... الخ

اے مسلمانو خدا سے ڈرو جیسا اُس سے ڈرنا چاہیے اور مرتے دم تک پورے پورے مُسلم اور خدا کے فرمانبردار بندے بنے رہو ——— جب آدمی ہر وقت خدا کا خیال رکھے گا اس کے قہر و عذاب سے ڈرتا رہے گا اور ہر دم اس کی تابعداری کرے گا تو شیطان کبھی اُسے نہیں بہکا سکے گا ——— اور اُمت پھوٹ سے اور ساری خرابیوں سے محفوظ رہے گی۔

آگے فرمایا:۔

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖۤ اِخْوَانًا وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ——— اور اللہ کی رسّی کو یعنی اس کی کتاب پاک اور اس کے دین کو سب مل کر مضبوطی سے تھامے رہو، یعنی پوری اجتماعیت کے ساتھ اور امت کی صفت کے ساتھ سب مل جُل کر دین کی رسّی کو تھامے رہو اور آپس میں لگے رہو اور قوم کی بنیاد پر یا علاقہ کی بُنیاد پر یا زبان کی بنیاد پر ——— یا کسی اور بنیاد پر ٹکڑے ٹکڑے نہ ہو اور اللہ کے اس احسان کو نہ بھولو کہ اُس نے تمھارے دلوں کی وہ عداوت اور دشمنی ختم کر کے جو پشتوں سے تم میں چلی آرہی تھی تمھارے دلوں میں اُلفت پیدا کر دی اور تمھیں باہم بھائی بھائی

بنا دیا اور تم آپس میں لڑتے وقت دوزخ کے کنارے پر کھڑے تھے بس گرنے ہی والے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو تھام لیا اور دوزخ سے بچا لیا۔

اس کے آگے فرمایا کہ:۔

شیطان تمھارے ساتھ ہے اس کا علاج یہ ہے کہ تم میں ایک گروہ ایسا ہو جس کا موضوع ہی بھلائی کی اور نیکی کی طرف بلانا اور ہر برائی اور فساد سے روکنا ہو وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ط وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ

اُمت میں ایک گروہ وہ ہو جس کا کام اور موضوع ہی یہ ہو کہ وہ دین کی طرف اور ہر قسم کے خیر کی طرف بلائے۔ ایمان کے لیے اور خیر اور نیکی کے راستہ پر چلنے کے لیے محنت کرتا رہے، نمازوں پر محنت کرے، ذکر پر محنت کرے، حضورؐ کے لائے ہوئے علم پر محنت کرے، برائیوں اور معصیتوں سے بچانے کے لیے محنت کرے اور ان محنتوں کی وجہ سے اُمت ایک اُمت بنی رہے ———— آگے فرمایا:

وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝ جو لوگ ان ہدایتوں کے بعد بھی شیطان کی پیروی کر کے اور الگ الگ راہوں پر چل کے اختلاف پیدا کریں گے اور اُمت کے اُمت بنے کو توڑیں گے تو ان پر خدا کی سخت مار پڑے گی (اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝)

دین کی ساری تعلیم اور ساری چیزیں جوڑنے والی اور جوڑنے کے لیے ہیں۔ نماز میں جوڑ ہے روزہ میں جوڑ ہے، حج میں قوموں اور ملکوں اور مختلف زبان والوں کا جوڑ ہے، تعلیم کے حلقے جوڑنے والے ہیں، مسلمانوں کا اکرام اور باہم محبت اور تحفہ تحائف کا لین دین یہ سب جوڑنے والی اور جنت میں لے جانے والی چیزیں ہیں اور قیامت میں ان اعمال کے لیے محنتیں کرنے والوں کے چہرے نورانی ہوں گے اور ان کے برخلاف باہم بغض وحسد، غیبت، چغل خوری، توہین تحقیر اور دل آزاری یہ سب پھوٹ ڈالنے والے اور توڑنے والے اور دوزخ میں لیجانے والے اعمال ہیں اور ان اعمال والے آخرت میں روسیاہ ہوں گے۔

يَّوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوْهٌ ۚ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْوَدَّتْ وُجُوْهُهُمْ

أَكَفَرْتُمْ بَعْدَ إِيمَانِكُمْ فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ ٥
وَأَمَّا الَّذِينَ ابْيَضَّتْ وُجُوهُهُمْ فَفِي رَحْمَةِ اللَّهِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ٥

جنھوں نے پھوٹ ڈال کے اور پھوٹ والے اعمال کر کے امت کو توڑا ہو گا۔ وہ قیامت کے دن قبروں سے کالے منہ اٹھیں گے اور ان سے کہا جائے گا کہ تم نے ایمان و اسلام کے بعد کفر والوں کا طریقہ اختیار کیا، اب تم یہاں دوزخ کا عذاب چکھو اور جو ٹھیک راستہ پر چلتے رہے ہوں گے، ان کے چہرے نورانی اور چمکتے ہوئے ہوں گے اور وہ ہمیشہ اللہ کی رحمت میں اور جنت میں رہیں گے۔

میرے بھائیو، دوستو! یہ سب آیتیں اس وقت اتری تھیں۔ جب یہود نے انصار میں پھوٹ ڈالنے کی کوشش کی تھی اور ان کے دو قبیلوں کو ایک دوسرے کے مقابل کھڑا کر دیا تھا۔ ان آیتوں میں مسلمانوں کی باہمی پھوٹ اور لڑائی کو کفر کی بات کہا گیا ہے اور آخرت کے عذاب سے ڈرایا گیا ہے ——— آج ساری دنیا میں امت بنا توڑنے کی محنت چل رہی ہے اس کا علاج اور توڑ یہی ہے کہ تم اپنے کو حضورؐ والی محنت میں لگا دو، مسلمانوں کو مسجدوں میں لاؤ، وہاں ایمان کی باتیں ہوں، تعلیم اور ذکر کے حلقے ہوں، دین کی محنت کے مشورے ہوں، مختلف طبقوں کے اور مختلف برادریوں کے اور مختلف زبانوں والے لوگ مسجد نبوی کے طریقہ پہ ان کاموں میں جڑیں۔ جب امت بنا آئے گا، ان باتوں سے بچیں جن سے شیطان کو پھوٹ ڈالنے کا موقع ملے۔ جب تین بیٹھیں تو اس کا خیال رکھیں کہ چوتھا ہمارے ساتھ اللہ ہے، چار، پانچ بیٹھیں تو ہمیشہ یاد رکھیں کہ پانچواں یا چھٹواں اللہ ہمارے ساتھ ہی موجود ہے اور وہ ہماری ہر بات سن رہا ہے اور دیکھ رہا ہے کہ ہم امت بنانے کی بات کر رہے ہیں یا امت بنا توڑنے کی۔ ہم کسی کی غیبت اور چغل خوری تو نہیں کر رہے کسی کے خلاف سازش تو نہیں کر رہے۔ ——— یہ امت حضورؐ کے خون اور فاقوں سے بنی تھی، اب ہم اپنی معمولی معمولی باتوں پر امت کو توڑ رہے ہیں، یاد رکھو نماز جمعہ چھوڑنے پر بھی اتنی پکڑ نہیں ہوگی جتنی امت کے توڑنے پر ہو گی ——— اگر مسلمانوں میں امت بنا آجائے تو وہ دنیا میں ہرگز ذلیل نہ ہوں گے، روس اور امریکہ کی طاقتیں بھی ان کے سامنے جھکیں گی، اور امت بنا جب آئے گا جب "أَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ" پر مسلمانوں کا

عمل ہو یعنی ہر مسلمان دوسرے مسلمان کے مقابلہ میں چھوٹا بننے اور ذلت و تواضع اختیار کرنے کو اپنائے تبلیغ میں اسی کی مشق کرتی ہے۔ جب مسلمانوں میں "اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ" والی صفت آجائے گی تو وہ دنیا میں "اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ" یعنی کافروں کے مقابلہ میں زبردست اور غالب ضرور ہوں گے چاہے وہ کافر یورپ کے ہوں یا ایشیا کے۔

میرے بھائیو دوستو! اللہ و رسول نے اُن باتوں سے شدت اور سختی سے منع فرمایا ہے جن سے دلوں میں فرق پڑے اور بغض کا خطرہ بھی ہو، دو دو چار چار الگ کا نا پھوسی کریں اس سے شیطان دلوں میں بدگمانی پیدا کر سکتا ہے اس سے منع فرمایا گیا اور اس کو شیطانی کام بتایا گیا "اِنَّمَا النَّجْوٰى مِنَ الشَّيْطٰنِ لِيَحْزُنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَيْسَ بِضَآرِّهِمْ شَيْـًٔا اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ" اسی طرح تحقیر اور استہزا اور تمسخر سے منع فرمایا گیا۔ "لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ" اس سے بھی منع فرمایا گیا کہ دوسرے کی کوئی برائی جو معلوم نہ ہو اس کو تجسس کر کے معلوم کیا جائے اور جو برائی کسی کی معلوم ہو گئی ہو اس کو دوسروں کے سامنے ذکر کرنے سے منع فرمایا گیا، اور غیبت کو حرام کیا گیا، غیبت اس کا نام ہے کہ جو واقعی برائی کسی کی معلوم ہو اس کا ذکر کسی سے کیا جائے " وَلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا" یہ تحقیر اور تمسخر اور تجسس اور غیبت سب وہ چیزیں ہیں جو آپس میں تفرقہ پیدا کر کے اُمت پنے کو توڑتی ہیں، ان سب کو حرام قرار دیا گیا —— اور ایک دوسرے کا اکرام و احترام کرنا جس سے اُمت جڑتی بنتی ہے اس کی تاکید فرمائی گئی اور دوسروں سے اپنا اکرام چاہنے سے منع کیا گیا، کیونکہ اس سے امت بنتی نہیں بگڑتی ہے۔ امت جب بنے گی جب ہر آدمی یہ طے کرے کہ میں عزت کے قابل نہیں ہوں اس لیے مجھے عزت لینی نہیں بلکہ دوسروں کی عزت کرنی ہے اور دوسرے سب لوگ اس قابل ہیں کہ میں ان کی عزت کروں، اُن کا اکرام کروں۔

اپنے نفسوں اور اپنی ذاتوں کو قربان کیا جائے گا تو امت بنے گی اور امت بنے گی تو عزت ملے گی، عزت اور ذلت روس اور امریکہ کے نقشوں میں نہیں ہے بلکہ خدا کے ہاتھ میں ہے اور اُس کے اِن اُصول اور ضابطہ ہے۔ جو شخص یا قوم، خاندان، طبقہ جھکانے والے اصول اور اعمال لاوے گا اس کو جھکا دیں گے جو مٹنے والے کام کرے گا اس کو مٹا دیں گے، یہود

نبیوں کی اولاد ہیں اصول توڑے تو اللہ نے ٹھوکر مار کے اُن کو توڑ دیا۔ صحابہ کرامؓ بُت پرستوں کی اولاد تھے، انھوں نے چمکانے والے اصول اختیار کیے تو اللہ نے ان کو چمکا دیا، اللہ کی رشتہ داری کسی سے نہیں ہے اس کے ہاں اصول او رضابطہ ہے۔

دوستو! اپنے کو اس محنت پر جھونک دو کہ حضور کی امت میں امت پنا آجائے، اس میں ایمان و یقین آجائے، یہ ذکر و تسبیح اور تعلیم والی، خدا کے سامنے جھکنے والی، خدمت کرنے والی، برداشت کرنے والی، دوسروں کا اعزاز و اکرام کرنے والی امت بن جائے، بخوجی نہ کرنے والی، نافرمانی نہ کرنے والی، اپنے بھائیوں اور ساتھیوں کی تحقیر و تمسخر اور تجسس و غیبت نہ کرنے والی امت بن جائے —— اگر کسی ایک علاقہ میں بھی یہ محنت اس طرح ہونے لگے جس طرح ہونی چاہیے تو ساری دنیا میں بات چل پڑے۔

اب اس کا اہتمام کرو کہ مختلف قوموں، علاقوں اور طبقوں اور مختلف زبان والوں کو جوڑ جوڑ کر جماعتوں میں بھیجو اور اصول کی پابندی کراؤ، پھر انشاء اللہ امت بننے والا کام ہوگا۔ اور شیطان اور نفس خدا نے چاہا تو کچھ بھی نہ بگاڑ سکیں گے۔

اس کے بعد حضرت مولانا نے دیہات میں محنت کرنے اور فضا بنانے پر خصوصیت کے ساتھ زور دیا —— اور حسب معمول دُعا پر تقریر ختم ہوئی۔

مولانا کا طرزِ فکر

چند جھلکیاں

[اس عاجز کے پاس حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ کی مختلف تقریروں کے کچھ منتشر نوٹس تھے۔ یہ سارے نوٹس صرف اشارات میں تھے جو دراصل خود اپنے استفادہ اور اپنی یادداشت کے لیے نوٹ کیے گئے تھے۔ ان میں سے چند ٹکڑے مرتب کر کے ذیل میں درج کیے جا رہے ہیں۔ ہر ٹکڑے کے مضمون کے متعلق پورا اطمینان ہے کہ وہ حضرت مولانا ہی کا ہے لیکن الفاظ کی ذمہ داری تمام تر اس عاجز پر ہے۔ اسی طرح آیات قرآنی کے جو ترجمے کیے گئے ہیں ان کا ذمہ دار بھی یہ ناچیز ہی ہے۔

یہ مختلف تقریروں کے الگ الگ اجزا ہیں، اب یہ بھی پتہ نہیں کہ ان میں کون تقریر کس زمانہ میں کی گئی تھی، جن لوگوں نے مولانا کی تقریریں سنی ہیں اور ان کی دینی دعوت کو بنیادی طور پر سمجھا ہے۔ امید ہے کہ یہ ٹکڑے انھیں بہت کچھ یاد دلائیں گے اور وہ ان میں اپنے لیے رہنمائی کا کافی سامان پائیں گے۔

---

(۱)

یہ خیال غلط ہے ملک و مال ہاتھ میں آ جانے سے اسلام چمکے گا۔ ملک و مال والے تو اسلام کو زندہ درگور کر رہے ہیں۔ آج جن کے ہاتھوں میں حکومت اور ملک کے خزانے ہیں وہ ابوبکر و عمرؓ کے نمائندے نہیں ہیں بلکہ قیصر و کسریٰ اور شداد و قارون کے نمائندے ہیں۔ ان سے حیات اسلامی کی توقع بالکل غلط ہے ان کے ہاتھوں اسلام کا جو حال ہے اس کو دیکھ کے تو دل کہتا ہے۔

"أَنَّىٰ يُحْيِي هَٰذِهِ اللَّهُ بَعْدَ مَوْتِهَا" ——— (اللہ اس مردے میں اب کیسے جان ڈالے گا)

اسلام جب بھی چمکا ہے قربانیوں سے چمکا ہے آج بھی قربانیوں ہی سے چمکے گا اسلام کے لیے اگر قربانیاں ہوں تو یہ دشمنوں کے گھیرے میں بھی چمکتا ہے اور جب قربانیاں نہ ہوں تو یہ بادشاہت میں مٹ جاتا ہے۔

جو لوگ اخلاص کے ساتھ قربانیاں دیتے رہیں گے۔ ان کی طرف ملک و مال والے ایک دن خود رجوع ہوں گے وہ وقت ہر ایک آزمائش کا ہوگا۔ اگر نظر ان کی حکومت اور دولت پر ہوگئی اور یہ سمجھا گیا کہ اب ان کی دولت اور حکومت سے دین کا کام چلے گا تو سب کیا دھرا برباد ہو جائے گا اور اگر ان کے ملک و مال سے نظر ہٹا کے ان کو بھی قربانی کے راستہ پر لگا یا گیا تو پھر ان سے بھی بڑے آئیں گے ان کے ساتھ بھی یہی کرنا ہوگا یہاں تک کہ حکومتوں کے صدور اور وزرا آئیں گے ان کو بھی اسی راستہ پر لگانا ہوگا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا راستہ دعوت اور قربانی کا راستہ ہے ملک و مال کا راستہ نہیں ہے۔

اسی کی ضرورت ہے جو روس اور امریکہ کی ان فضاؤں میں بھی اسی یقین پر جمے رہیں کہ دین صرف دعوت کے راستہ کی قربانیوں سے اور قربانیوں کے بعد دعاؤں سے چمکے گا اور اسی یقین پر دعوت کے راستہ میں قربانیاں دیتے رہیں، اور اللہ تعالیٰ کی قدرت ظاہر ہونے کی نشانی ان پر کھلے دکھتے رہتے اسی یقین کے ساتھ ہدایت کی اور جن کے دلوں پر مہر لگ چکی ہے ان کی وجہ سے ہدایت کا راستہ رک رہا ہے ان کی بربادی کی دعائیں کریں پھر یا تو ہدایت کے دروازے کھلیں گے یا وہ ہوگا جو شداد و نمرود اور فرعون و ہامان کے ساتھ ہوا۔

(۲)

تم دنیا میں سورج کی طرح نور کے ساتھ پھرو گے تو تم سے دنیا میں نور پھیلے گا اور نور تمہارے اندر ایمان سے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم والے اعمال و اخلاق سے اور اخلاص کے ساتھ دین کی دعوت سے آئے گا ——— سورج میں تین باتیں ہیں ایک یہ کہ وہ نور کے ساتھ پھرتا ہے دوسرے مسلسل پھرتا ہے تیسرے یہ کہ جن کو روشنی پہنچاتا ہے ان سے کوئی فائدہ نہیں اٹھاتا۔ تمہارا دل بھی ایسا ہو جانا چاہیے نور کے ساتھ پھرو مسلسل پھرو

اور "لَا اَسْئَلُکُمْ عَلَیْہِ اَجْرًا" کو اپنا اصول بناؤ، دعوت کے عمل سے کوئی فائدہ نہ اٹھاؤ۔

(۳)

آج دنیا میں جو کچھ ہو رہا ہے اور جو ترقیاں نظر آرہی ہیں وہ مادہ پر محنت کا نتیجہ ہے، انبیاء علیہم السلام کا راستہ روح پر محنت اور روحانی ترقی کا راستہ تھا، وہ اللہ کی رضا والے اعمال پر محنت کر کے اور قربانیاں دے کے اللہ کی طاقت سے اپنے مسائل حل کراتے تھے ـــــ فرعون کے پاس فوج تھی، لشکر تھا اور ہر قسم کی مادی طاقت تھی۔ موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو بس روح کی ترقی والے اور اللہ کی رضا والے اعمال کے لئے تیار کیا، ان سے فرمایا کہ اے میری قوم اگر تم نے ایمان والا راستہ اختیار کیا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ پر اعتماد اور بھروسہ کرو اور پورے ایمان و یقین اور اعتماد کے ساتھ اس سے مدد مانگو۔ (یَا قَوْمِ اِنْ کُنْتُمْ آمَنْتُمْ بِاللّٰہِ فَعَلَیْہِ تَوَکَّلُوْا اِنْ کُنْتُمْ مُسْلِمِیْنَ ۝)

قوم نے کہا ہم نے آپ کی بات مان لی اور اللہ پر یقین و توکل کا راستہ اختیار کر لیا اور ہم اپنے اللہ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ فرعون اور فرعونی حکومت کے ظلم و ستم سے ہماری حفاظت فرمائے اور اس کافر قوم کی غلامی کی مصیبت سے ہمیں نجات دلائے۔ (رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ وَنَجِّنَا بِرَحْمَتِکَ مِنَ الْقَوْمِ الْکٰفِرِیْنَ ۝)

اس کے بعد قرآن مجید میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ و ہارونؑ کو حکم دیا کہ اپنی قوم کی ایمانی تربیت کے لئے مصر میں خاص مرکز اور عبادت خانے قائم کرو اور اقامت صلوٰۃ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ سے ان کا تعلق جوڑو اور ان کی زندگی کو اللہ کی فرمانبرداری والی زندگی بناؤ اور ساتھ ہی فرمایا گیا کہ جب یہ باتیں عمل میں آجائیں تو قوم کو بشارت سنا دو کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول کر لی اور اللہ کا فیصلہ ان کے حق میں ہو گیا۔ (وَاَوْحَیْنَا اِلٰی مُوْسٰی وَاَخِیْہِ اَنْ تَبَوَّاٰ لِقَوْمِکُمَا بِمِصْرَ بُیُوْتًا وَّاجْعَلُوْا بُیُوْتَکُمْ قِبْلَةً وَّاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِیْنَ)

حضرت موسیٰؑ و ہارونؑ اللہ کے حکم کے مطابق بنی اسرائیل کی تربیت میں لگ گئے، اور بنی اسرائیل نے اللہ تعالیٰ کے احکام کے مطابق اقامت صلوٰۃ کا عمل اور تبدیلی کی محنت شروع کر دی تو حضرت موسیٰ اور ہارون نے دعا کی کہ خداوندا تو نے فرعون اور

فرعونیوں کو دنیا کے جو ساز و سامان دے رکھے ہیں وہ ان کے ذریعہ تیرے بندوں کو گمراہ کررہے ہیں۔ اے مالک تو ان کے مال و دولت کو ملیامیٹ کردے۔ اور جھاڑ و پھیر دے (وَقَالَ مُوسٰی رَبَّنَا اِنَّکَ اٰتَیْتَ فِرْعَوْنَ وَمَلَاَهٗ زِیْنَةً وَّاَمْوَالًا فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا رَبَّنَا لِیُضِلُّوْا عَنْ سَبِیْلِکَ رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰۤی اَمْوَالِهِمْ وَاشْدُدْ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ فَلَا یُؤْمِنُوْا حَتّٰی یَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِیْمَ)

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ و ہارون کی دعا قبول فرمائی۔ ان کو حکم ہوا کہ بنی اسرائیل کو لے کر مصر سے نکل جاؤ۔ وہ نکل گئے۔ اللہ نے ان کیلئے سمندر میں راستہ بنادیا جس سے وہ صحیح سلامت پار ہوگئے۔ فرعون نے اپنے پورے لاؤ لشکر کے ساتھ ان کا تعاقب کیا اور وہ اپنے پورے لشکر کے ساتھ اسی میں غرق کردیا گیا۔ یہ جو کچھ ہوا براہ راست اللہ کی طاقت سے ہوا۔

انبیاء علیہم السلام کا راستہ یہی ہے۔ وہ اپنے کو اور اپنے ساتھیوں کو بس اللہ کے حکموں پر ڈال دیتے ہیں اور اللہ کے راستے میں تکلیفیں اٹھاتے ہیں، قربانیاں دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنی طاقت سے ان کے مسائل حل کرتا ہے ـــــ قرآن پاک میں اس کو "سنۃ اللہ" کہا گیا ہے اور فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ ازلی ابدی قانون ہے۔

فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِیْلًا   وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَحْوِیْلًا

(۴)

آج کل اس دنیا میں چیزوں کے حاصل کرنے کے لئے براہ راست چیزوں پر محنت کرنے کا رواج ہے، کھیت والے کھیت سے غلہ حاصل کرنے کے لئے بس کھیت ہی پر محنت کرتے ہیں تجارت اور سوداگری والے اور کارخانوں والے بس دوکانوں اور کارخانوں پر محنت کرتے ہیں، یہی محنت آج کل عام ہے۔ دوسرا راستہ یہ ہے کہ محنت و مجاہدہ کرکے اپنے اندر تقویٰ پیدا کیا جائے اور پھر اللہ تعالیٰ انعام کے طور پر اپنے خزانۂ غیب سے چیزیں نصیب فرمائے اور برکت فرمائے۔ قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے۔

"وَمَنْ یَّتَّقِ اللّٰهَ یَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا وَّیَرْزُقْهُ مِنْ حَیْثُ لَا یَحْتَسِبُ"

اور جو اللہ کا تقویٰ اختیار کرے تو اللہ تعالیٰ اسکے واسطے راستے پیدا کریں گے۔ اسکو وہاں سے رزق عطا فرمائینگے جہاں سے اسے وہم و گمان بھی نہ ہوگا۔

اور فرمایا گیا ہے۔

"وَمَنْ يَتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ اَمْرِهٖ يُسْرًا"	اور جو تقویٰ اختیار کرے گا اللہ اس کے کاموں کو آسان کر دیں گے۔

اور ایک دوسرے موقع پر فرمایا گیا ہے:

وَلَوْ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكَاتٍ مِّنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ ۔"	اور اگر ان لوگوں میں ایمان اور تقویٰ کی صفات ہوتیں تو ہم ان پر زمین و آسمان سے برکتوں کے دروازے کھول دیتے۔

ان آیتوں میں تقویٰ پر جو کچھ وعدہ فرمایا گیا ہے اس کا تعلق اسی دنیا سے ہے۔ اور یہ بات کہ تقویٰ کیا ہے اس کی تفصیل اس آیت سے معلوم ہوگی۔ اس آیت میں تقویٰ کی ساری شرطیں بیان کر دی گئی ہیں۔

لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَ الْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ اُولٰٓئِكَ	نیکی کا معیار یہ نہیں ہے کہ تم مشرق کی طرف رخ کرو یا مغرب کی طرف بلکہ اصل نیکی ان کی ہے (اور اللہ کی نگاہ میں نیک وہ ہیں) جو ایمان رکھتے ہوں اللہ پر اور فرشتوں پر اور اللہ کی کتاب پر اور اس کے نبیوں پر اور دا اپنا مال اس کی چاہت کے باوجود اہل قرابت کو اور یتیموں مسکینوں کو اور (ضرورتمند) مسافروں کو اور سائلوں کو اور غلاموں کو آزادی دلانے کے لئے اور قائم کریں نماز اور ادا کریں زکوٰۃ اور وفا کرنے والے اپنے عہد کے جب عہد کریں اور صبر و برداشت سے کام لینے والے تنگی اور تکلیف میں اور ثابت قدم رہنے

الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَاُولٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ○ والے، جنگ کے وقت یہی بندے ہیں سچے اور یہی تقویٰ والے ہیں۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ کسی کے متقی ہونے کے لئے یہ چند باتیں ضروری ہیں:۔
ایک ایمان باللہ۔ یعنی اس حقیقت کا پورا یقین کہ سب کچھ اللہ کی ذات سے ہوتا ہے، اللہ کے سوا کسی سے کچھ نہیں ہوتا۔ اس لئے بس اسی کو راضی کرنے کی فکر کرنی چاہیے اور اسی کے لئے مرنا مٹنا چاہیئے۔

دوسرے ایمان بالیوم الآخر۔ یعنی اس حقیقت کا یقین کہ یہ زندگی اصل زندگی نہیں ہے بلکہ اس زندگی کے خاتمہ کے بعد ایک دوسری زندگی اور دوسرا عالم ہے اور وہی اصل عالم اور اصل زندگی ہے اور یہ چند روزہ زندگی بس اس کی تیاری کے لئے ہے اور انسانوں کی کامیابی اور ناکامی کا دارومدار اسی اُخروی زندگی کی کامیابی اور ناکامی پر ہے۔

تیسرے ایمان بالملائکہ۔ یعنی اس بات کا یقین کہ یہ عالم جن ظاہری اسباب سے چلتا ہوا نظر آتا ہے دراصل ان اسباب سے نہیں چل رہا ہے بلکہ اللہ تعالیٰ فرشتوں کے باطنی نظام کے ذریعہ اس سارے ظاہری نظام کو چلا رہا ہے۔ مثلاً ہمیں نظر آتا ہے کہ بارش بادلوں سے اور ہواؤں سے ہوتی ہے اور زمین کی چیزیں بارش کے پانی سے اُگتی ہیں، ملائکہ پر ایمان کا مطلب یہ ہے کہ ہم اس بات کا یقین کریں کہ اللہ تعالیٰ یہ سارے کام دراصل فرشتوں سے کرا رہا ہے۔ گویا ان ظاہری اسباب کے پیچھے فرشتوں کا نظر نہ آنے والا نظام ہے، اور اس کے پیچھے اللہ کی ذات اور اس کا حکم اور اس کی مشیت ہے۔

چوتھے ایمان بالکتاب والنبیین۔ یعنی اللہ کی نازل کی ہوئی کتابوں اور اس کے بھیجے ہوئے نبیوں کے بارہ میں یقین کہ حقیقی علم وہی ہے جو اللہ کی کتابوں میں ہے اور جو نبیوں کے ذریعہ انسانوں کو ملا ہے۔ اس کے سوا جو کچھ ہے وہ غیر حقیقی ہے اور ناقص ہے۔ مثلاً انسانوں کی فلاح اور کامیابی کا راستہ وہی ہے جو اللہ کے نبیوں نے اور اللہ کی نازل کی ہوئی کتابوں نے بتایا ہے، اگر دنیا بھر کے فلسفی اور دنیا بھر کے لیڈر اس کے خلاف کہتے ہیں اور سوچتے ہیں تو غلط ہے اور ان کا جہل ہے۔

یہ چار باتیں ایمان ویقین کی لائن کی تھیں یعنی متقی ہونے کی پہلی شرط یہ تبلائی گئی کہ ان چار باتوں کے بارہ میں یقین صحیح ہو۔ اس کے بعد فرمایا گیا "وَآتَى الْمَالَ عَلَىٰ حُبِّهِ ذَوِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ وَالسَّائِلِينَ وَفِي الرِّقَابِ" یعنی ایمان ویقین کی درستی کے ساتھ وہ مالیات کو بھی اس یقین کے مطابق بنائیں، مال کی طبعی چاہت اور اس سے دلچسپی اور محبت کے باوجود اپنا کمایا ہوا مال وہ اللہ کی رضا کے لئے اللہ کے نبیوں اور کتابوں کی تعلیم کے مطابق اپنے ماحول کے ضرورت مندوں پر خرچ کریں، قرابت داروں پر خرچ کریں، یتیموں مسکینوں پر خرچ کریں۔ بے چارے پردیسیوں کا بندوبست کریں۔ حاجت مند سائلوں کو دیں، غلاموں کو آزاد کرانے پر خرچ کریں۔ غرض اپنی کمائی دوسروں پر لگائیں اور اس سے دوسروں کو آرام اور نفع پہنچائیں۔

اس کے بعد تیسری شرط تقویٰ کی یہ بتائی گئی کہ نماز قائم کریں۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ پورے اہتمام سے اچھی سے اچھی نماز پڑھنے کی کوشش کریں۔

چوتھی شرط یہ بتائی گئی کہ زکوٰۃ بھی اہتمام سے ادا کریں۔

آخر میں اخلاقیات کی درستی کی شرط بیان کی گئی "وَالْمُوفُونَ بِعَهْدِهِمْ إِذَا عَاهَدُوا" اور "وَالصَّابِرِينَ فِي الْبَأْسَاءِ وَالضَّرَّاءِ وَحِينَ الْبَأْسِ"۔ یعنی ان میں وفائے عہد ہو وہ اپنی ذمہ داریوں کو پوری طرح ادا کریں اور تنگیوں اور تکلیفوں میں اور جنگ اور قربانی کے میدانوں میں صبر اور برداشت سے کام لینے والے ہوں، حالات کیسے ہی مخالف ہوں مگر ان کے پاؤں میں لغزش نہ آئے،

اس سب کے بعد فرمایا گیا ہے کہ "أُولَٰئِكَ الَّذِينَ صَدَقُوا وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ ۝" کہ یہی اللہ کے سچے بندے ہیں اور یہی لوگ متقی ہیں۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ اپنے اندر تقویٰ پیدا کرنے کے لئے ان سب رخوں پر محنت کرنی ہوگی۔ ایمان ویقین کے لئے محنت، مالیات کے درست کرنے پر محنت، نماز پر محنت، زکوٰۃ پر محنت، اخلاق کی درستی پر محنت، جب یہ سب چیزیں صحیح ہو جائیں گی اس وقت آدمی متقی ہوگا اور پھر اس پر اللہ تعالیٰ کے خاص انعامات ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ

غیب سے اس کے مسائل حل کرے گا، اس کے لئے برکتوں کے دروازے کھلیں گے۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے تقویٰ پر جو انعامات اس دنیا میں ہوتے ہیں اور متقی بندوں کے مسائل جو حل کئے جاتے ہیں ان کی شکلیں مختلف ہوتی ہیں۔

اکثر تو ایسا ہوتا ہے کسی متقی بندے کو کسی چیز کی ضرورت پیش آئی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے کسی بندے کے دل میں ڈالا اور اس نے وہی چیز ہدیہ کے طور پر پیش کر دی، یہ بہت عام اور متعارف طریقہ ہے۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ضرورت پیش آئی اور اللہ تعالیٰ نے بغیر کسی واسطہ سے اپنے فضل سے اس کو حل فرما دیا۔ مثلاً ایک بندہ بیمار ہوا، اسے بیماری کی تکلیف شروع ہوئی اس نے اللہ سے شفا کی دعا کی۔ اللہ تعالیٰ نے بغیر حکیم، ڈاکٹر اور بغیر دوا کے شفا عطا فرما دی۔

کبھی کسی بندہ کی ضرورت کے بارہ میں اللہ تعالیٰ اپنے کسی دوسرے بندہ کو خواب میں بھی مطلع فرماتے ہیں۔ حسن ابن سفیان ایک بزرگ ہیں، ان کا واقعہ لکھا ہے کہ وہ اور ان کے دو ساتھی علم حدیث اور دین کی طلب میں نکلے۔ ایک شہر میں قیام کیا، جو تھوڑا بہت اپنے پاس تھا سب ختم ہو گیا، اس کے بعد جب فاقوں پر فاقے آنے لگے تو انھوں نے طے کیا کہ اب ہم ایسی حالت میں ہیں کہ ہمارے لئے سوال جائز ہے۔ مشورہ سے طے ہوا کہ حسن ابن سفیان جائیں اور کسی سے کچھ مانگ کے لائیں، یہ بے چارے نکلے لیکن انھیں شرم آئی کہ کسی مخلوق سے سوال کریں، تنہائی کا کوئی گوشہ تلاش کیا اور صلوٰۃ حاجت پڑھ کر اللہ سے دعا کی، اور واپس آ گئے اور ساتھیوں سے کہا کہ میں تو کسی سے سوال نہیں کر سکا۔ میں نے بھی دعا کی ہے اور تم بھی بس اللہ سے دعا کرو۔ اسی رات کو شہر کے امیر نے خواب میں دیکھا کہ کوئی شخص اس کو آسمان کی طرف سے بڑے جلال کے انداز میں پکار رہا ہے، نگاہ اٹھا کے دیکھا تو نظر آیا کہ ایک شخص غصہ میں بھرا ہوا ہے اور نیزہ اس کے ہاتھ میں ہے اور وہ نیزے کا رخ امیر کی طرف کر کے ڈانٹ کے کہہ رہا ہے۔

ادرك الحسن سفيان واصحابه قبل ان يموتوا۔ — حسن ابن سفیان اور انکے ساتھیوں کی خبر لے قبل اس کے کہ ان بیچاروں کا خاتمہ ہو جائے

خواب ہی میں یہ بھی اشارہ ملا کہ وہ شہر کی کسی مسجد میں ہیں۔ امیر نے اٹھتے ہی شہر میں ان کی تلاش شروع کرائی اور جب حکومت کے بعض کارندوں نے ان لوگوں کو تلاش کر لیا اور پا لیا اور امیر کی طرف سے کچھ اشرفیاں ان کو پہنچائیں اور ان سے کہا کہ امیر آپ سے ملنا چاہتے ہیں تو یہ اللہ کے بندے خاموشی کے ساتھ شہر سے غائب ہو گئے تاکہ لوگوں پر ان کا راز نہ کھلے ——— تو اللہ تعالیٰ اپنے متقی بندوں کے مسائل کبھی اس طرح بھی حل کراتا ہے۔

اور سب سے زیادہ عجیب واقعہ تو مشہور صحابی حضرت مقداد رضی اللہ عنہ کا ہے جو حدیث کی کتابوں میں مروی ہے۔ واقعہ یوں روایت کیا گیا ہے کہ وہ اور ان کے گھر والے سخت فقر و فاقہ کی حالت میں تھے، گھر میں کچھ نہ تھا بس اللہ سے دعائیں کرتے تھے، اسی حال میں ایک چوہا حضرت مقداد کے سامنے سے گزرا، آپ نے اس پر اپنی چادر ڈال کر یا کسی طرح اس کو پکڑ کر بند کر لیا، تھوڑی دیر میں اس کا جوڑا آیا اس نے اپنے ساتھی کو گرفتار دیکھا وہ اپنے بل میں گیا اور ایک دینار اپنے منہ میں لے کر آیا اور حضرت مقداد کے سامنے ڈال دیا اور دور بیٹھا دیکھتا رہا، کچھ دیر کے بعد پھر بل میں گیا اور ایک دینار اور اسی طرح لا کر اس نے سامنے ڈال دیا اس طرح یکے بعد دیگرے سولہ دینار اس نے بل سے نکال کے حضرت مقداد کے سامنے ڈال دیئے وہ گویا اپنے اس طرز عمل سے اور زبان حال سے حضرت مقداد سے عرض کرتا تھا کہ یہ اشرفیاں بطور فدیہ کے قبول کر لو اور میرے ساتھی کو چھوڑ دو۔ آخر میں وہ ایک دینار اور لایا اور اس کے ساتھ ایک پھٹا ہوا کپڑا بھی بل میں سے لایا۔ اس طرح گویا اس نے حضرت مقداد کو بتایا کہ اب کچھ نہیں رہا جو کچھ تھا وہ سب میں نے حاضر کر دیا۔ حضرت مقداد نے اس چوہے کو چھوڑ دیا اور دونوں چوہے خوشی خوشی اچھلتے کودتے اپنے بل میں چلے گئے۔ اور ان سترہ اشرفیوں کو حضرت مقداد نے اللہ تعالیٰ کا عطیہ سمجھا۔ اور اپنی ضرورتوں میں ان کو استعمال کیا ——— تو کبھی ایسے غیر معمولی اور حیرت انگیز طریقوں سے بھی متقی بندوں کی مدد کی جاتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے فضل کے طریقے بے شمار ہیں۔ اللہ کے سوا ان کو کوئی جانتا بھی نہیں۔

اب دنیا میں صرف مادہ پر اور مادی چیزوں پر محنت کا رواج ہے۔ تقویٰ پیدا کر کے اور اللہ تعالیٰ سے صحیح تعلق قائم کر کے اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے لینے کا راستہ لوگ

بالکل بھول گئے ہیں۔ حالانکہ یہی راستہ ہے جس کی دعا ہر نماز کی ہر رکعت میں کی جاتی ہے۔

ہر رکعت میں سورہ فاتحہ پڑھی جاتی ہے اس میں سب سے پہلے اس یقین کو تازہ کیا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ رب العالمین ہے، وہی سب کا پروردگار اور کارساز ہے، وہ رحمٰن اور رحیم ہے دنیا کے علاوہ عالم آخرت کا مالک بھی وہی ہے، اور اس کی ذات وصفات سے اور اس کی ربوبیت اور رحمت سے استفادہ کا طریقہ یہ ہے کہ "ایاك نعبد وایاك نستعین" کہ بس اس کی عبادت ہو اور اس سے دعا ہو، یہی صراط مستقیم ہے جو انبیاء اور صدیقین شہداء اور صالحین کا راستہ ہے۔ حضرت نوحؑ نے اپنے دشمنوں کی بے پناہ اکثریت کے مقابلہ میں جو کامیابی حاصل کی اسی راستہ سے حاصل کی، حضرت ابراہیمؑ کو جو کامیابی نمرود کی حکومت کے مقابلے میں حاصل ہوئی اسی راستہ سے حاصل ہوئی۔ حضرت موسیٰؑ اور ان کی قوم کو فرعون اور اس کی فوج کے مقابلہ میں جو کامیابی حاصل ہوئی وہ اسی "ایاك نعبد وایاك نستعین" کے راستہ سے حاصل ہوئی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے صحابہ کا راستہ بھی یہی تھا۔ اسی راستہ کی ہدایت کی دعا ہر نماز کی ہر رکعت میں اس طرح کی جاتی ہے "اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم غیر المغضوب علیھم ولا الضالین ہ"

بہرحال اللہ کے سارے نبیوں، رسولوں اور ان کی راہ پر چلنے والے سب مقبول بندوں کا راستہ یہی ہے۔ اور اس کے برعکس جو لوگ اللہ کی ہدایت سے محروم ہیں اور جن پر خدا کا غضب ہے ان کا راستہ یہ ہے کہ وہ اللہ کی ذات وصفات کے یقین اور عبادت و استعانت سے بالکل بے پرواہ اور بے فکر ہو کر صرف مادی لائنوں پر محنت کرتے ہیں۔"

(۵)

انبیاء علیہم السلام کا پیغام اور تجربہ یہ ہے کہ مسئلوں کا حل اور کامیابی نہ مال میں ہے، نہ حکومت میں، نہ اکثریت میں، بلکہ اللہ کے امر سے وابستہ ہو جانے میں اور اس کی راہ میں مجاہدہ کرنے میں ہے۔ قرآن مجید میں انبیاء علیہم السلام کے جو واقعات بیان فرمائے گئے ہیں ان سب کا حاصل اور خلاصہ یہی ہے۔ حضرت نوحؑ اور ان کی قوم کا واقعہ، حضرت ابراہیمؑ اور ان کی قوم اور نمرود کا واقعہ، اسی طرح حضرت موسیٰؑ اور فرعون وقارون کا واقعہ قرآن مجید میں پڑھیے اور غور

کیجئے۔ ان سب واقعات کی روح یہی ہے کہ اکثریت اور دولت اور حکومت کچھ نہیں اصل چیز اللہ کا فیصلہ اور اس کی مدد ہے اور وہ ان بندوں کے ساتھ ہے جو اس کے ہو جائیں اور اس کی راہ میں قربانیاں دیں۔

(۶)

اللہ تعالیٰ کی مدد ذاتوں اور شخصیتوں کی وجہ سے نہیں آتی بلکہ ان کے اعمال اور اخلاق اور اوصاف کی وجہ سے آتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ علیہ وسلم کی جو مدد فرمائی اسی طرح آپ کے صحابہ کرام اور بعد میں اولیاء کرام پر اللہ تعالیٰ کے جو انعامات ہوئے اور ان کی جو مدد یں فرمائی گئیں وہ ان کی شخصیتوں کی وجہ سے نہیں بلکہ ان کے اعمال اور خاص کر اللہ کیلئے انکی قربانیوں اور دین کے راستہ کی ان کی محنتوں کی وجہ سے فرمائی گئیں آج بھی جو کوئی اللہ کی وہ مدد یں چاہے وہ ان کے والے اعمال اور ان کی والی قربانی اور محنتوں کے راستہ پر پڑ جائے وہ اللہ کی مددوں کو آتا ہوا خود آنکھوں سے دیکھ لے گا۔

اللہ کی نصرت اور غیبی مدد کا استحقاق اسی وقت تک رہتا ہے جب تک نظر بس اللہ پر ہو اور یقین ہو کہ ہم سے یا کسی سے کچھ نہ ہو سکے گا، جو کچھ ہو گا صرف اللہ کی مدد اور اس کے کرم سے ہو گا ــــ غزوہ بدر اور خندق میں مسلمانوں کا حال یہ تھا کہ اللہ کے سوا کوئی سہارا اور کوئی پناہ کی جگہ ان کے سامنے نہیں تھی، اپنی کسی چیز پر ذرا بھی اعتماد نہیں تھا اس لئے نظر صرف اللہ کے کرم اور اس کی نصرت پر تھی، تو پوری نصرت اور بھرپور مدد ہوئی۔ اور اس کے برخلاف غزوۂ احد اور غزوۂ حنین میں جب اپنی تعداد اور تیاریوں پر بھی کچھ اعتماد پیدا ہو گیا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدد کا ہاتھ کھینچ لیا گیا۔

(۷)

مسلمانوں میں دین کی رسم اور صورت موجود ہے۔ اس تبلیغی جدوجہد کا مقصد یہ کہ انہیں دین کی روح اور حقیقت آ جائے۔ ان میں دین کے منتشر اجزاء موجود ہیں تبلیغ کا مقصد یہ ہے کہ ان میں پورا دین اپنی صحیح ترتیب کے ساتھ آ جائے ــــ یہ چھ نمبر جن پر تبلیغ میں زور دیا جاتا ہے اور جن کی مشق کرائی جاتی ہے انکا مقصد یہ ہے کہ مسلمان صحیح ترتیب کے ساتھ

دین پر پڑ جائیں اور اللہ تعالیٰ کے احکام اور آخرت کے ثواب وعذاب پر نظر رکھ کے زندگی گزارنا ان کا مزاج بن جائے۔

(۸)

آج دین کے جن احکام پر مسلمان عمل نہیں کر رہے ہیں خواہ وہ احکام کسی شعبہ کے ہوں ان پر عمل کرنے سے یا تو مسلمانوں کے مال پر زد پڑتی ہے یا جان وجسم پر یا خواہشات پر اس لئے ان احکام پر عمل کرنا ان کے لئے سخت مشکل ہو رہا ہے اور وہ اسلام کے ماننے کے باوجود اسکے احکام کے خلاف زندگیاں گزار رہے ہیں ـــــ ہماری یہ جدوجہد جس کا نام تبلیغ ہے اور اس کے چھ نمبر بس اس مشکل کو حل کرنے کا ایک ذریعہ ہیں۔ اصل مقصد یہ ہے کہ ان نمبروں میں مسلسل مشغولیت اور ان کی مشق کے ذریعہ مسلمانوں کی زندگی کا رُخ ان چیزوں کی طرف سے ہٹ کر جن کی طرف پڑ گیا ہے اللہ کے اوامر اور احکام کی طرف ہو جائے اور پھر وہ اس کی راہ میں ہر قسم کی قربانیاں، تکلیفیں اور نقصانات برداشت کرنے کے قابل ہو جائیں۔

(۹)

ہمارے اس تبلیغی کام کا مقصد یہ ہے کہ مسلمان اللہ کے احکام کی پابندی والی زندگی گزارنے لگیں، چھ نمبروں کی پابندی اور مشق سے ان میں یہ بات آسکتی ہے ـــــ لیکن ان نمبروں کے الفاظ سے جو مطلب عام لوگ سمجھتے ہیں اس سے یہ مقصد پورا نہیں ہو سکتا۔ بلکہ ان کا جو مطلب ہم سمجھتے ہیں اور بتاتے ہیں اس کے مطابق کرنے اور لگنے سے انشاءاللہ وہ بات پیدا ہو جائے گی کہ جسمانی تکلیفوں اور مالی نقصانوں کے باوجود اور نفس کی خواہشات کے خلاف ہونے کے باوجود لوگ اللہ کے احکام پر چلیں گے۔

(۱۰)

اسلام میں جن اعمال کا حکم دیا گیا ہے اور جن کے عوض ثواب کا اور جنت کا وعدہ کیا گیا ہے وہ چار قسم کے ہیں۔ ایک وہ جن میں اللہ تعالیٰ کی نیابت ہے مثلاً رحم کا حکم ہے، احسان کا حکم ہے، سخاوت اور فیاضی کا حکم ہے، عدل وانصاف کا حکم ہے، مجرموں کو سزا دینے کا حکم ہے۔ ان اعمال اور اخلاق کی حیثیت یہ ہے کہ دراصل یہ اللہ تعالیٰ کی صفات

اور اس کے افعال ہیں اور بندوں کو بھی حکم ہے کہ وہ اپنی حیثیت کے مطابق یہ اعمال کریں اور یہ صفات برتیں (تخلقوا باخلاق اللہ)

دوسری قسم کے وہ اعمال ہیں جو دراصل نبیوں کے کرنے کے ہیں اور امتی ان کو پیغمبروں کی نیابت میں کرتے ہیں، جیسے دین کی دعوت و تبلیغ، تعلیم و تربیت، امر بالمعروف و نہی عن المنکر، اعلاء کلمۃ اللہ کی کوششیں اور اس کے راستہ میں قربانی وغیرہ وغیرہ۔ یہ دراصل نبیوں والے اعمال ہیں اور نبی ان ہی کاموں کے لئے بھیجے جاتے ہیں۔ امتی ان کاموں کو کر کے نبی کے مقصد کی خدمت کرتے ہیں اور ان ہی کی نصرت اور نیابت میں ان راستوں پر محنت کرتے ہیں۔

تیسری قسم وہ اعمال ہیں، جو اللہ تعالیٰ کے حضور میں اپنی عبدیت اور بندگی ظاہر کرنے کے لئے اور اس کے ذریعہ اللہ کا قرب اور اس کی رضا حاصل کرنے کیلئے کئے جاتے ہیں۔ یہ شان عبادات کی ہے۔ نماز، روزہ، حج، قربانی، ذکر و تلاوت، وغیرہ عبادات اس قسم کے اعمال ہیں۔

چوتھی قسم وہ اعمال ہیں جو دراصل اپنی خواہشات اور بشری تقاضوں کے لئے کئے جاتے ہیں لیکن ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے احکام دیئے ہیں کہ ان کو اس طرح کرو اس لئے یہ بھی دینی اعمال ہو گئے۔ مثلاً نکاح کرنا، بیوی بچوں کو کھلانا، پلانا، کپڑے پہنانا ان کو پیار کرنا، یا خرید و فروخت، اسی طرح کاشتکاری یا کارخانہ داری، یا محنت مزدوری یہ سب وہ چیزیں ہیں جن کا تعلق دراصل ہماری خواہشات اور بشری ضروریات سے ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق احکام دیئے کہ ان کو اس طرح کیا جائے اور ان میں بھی ثواب رکھ دیا، اب یہ بھی دینی اعمال ہو گئے لیکن ان کے دینی اعمال اور قابل ثواب ہونے کی ایک شرط تو یہ ہے کہ یہ اللہ کے دیئے ہوئے احکام اور اس کے مقرر کئے ہوئے ضابطوں کے مطابق ہوں اور دوسری شرط یہ ہے کہ ان کی وجہ سے وہ اعمال ضائع نہ ہوں جو ان سے مقدم اور زیادہ اہم ہیں۔ اب اگر ایک شخص اپنے کاروبار میں اور بیوی بچوں میں اس طرح مشغول ہوتا ہے کہ اس مشغولیت کی وجہ سے دین سیکھنے

کے لئے اور ایمان و یقین حاصل کرنے کے لئے اور اپنی نماز کو حقیقی نماز بنانے کے لئے اور خدا سے اپنے تعلق کو صحیح کرنے کے لئے وقت نہیں نکال سکتا تو اس کا بیوی بچوں کو پالنا اور کاروبار میں مشغول رہنا ہرگز دینی عمل نہیں ہے بلکہ سراسر وبال ہے اور "اِنَّمَا اَمْوَالُکُمْ وَاَوْلَادُکُمْ فِتْنَةٌ" کا مصداق ہے۔

(۱۱)

محنت کے دو میدان ہیں۔ ایک زمین اور زمین سے پیدا ہونے والی چیزیں، دوسرے ایمان اور ایمان والے اعمال۔

پہلی محنت کا معاوضہ دنیا میں ملتا ہے، لیکن ایسا نہیں ملتا کہ محنت کرنے والے اس پر خوش اور مطمئن ہوں۔

دوسری محنت کا معاوضہ دنیا اور آخرت میں اللہ تعالیٰ بھرپور دے گا۔

یہاں جو کچھ نظر آتا ہے وہ بہت ناقص ہے، ہماری آنکھ کا حال یہ ہے کہ وہ ہر چیز کی صرف صورت کو دیکھ سکتی ہے حقیقت کو نہیں، کسی جسمانی چیز کی صرف اوپر سے نظر آنے والی سطح اور شکل کو دیکھ سکتی ہے اس کی روح کو نہیں دیکھ سکتی، حد یہ ہے کہ خود اپنے کو نہیں دیکھ سکتی، اللہ کا غیبی نظام جو نظر نہیں آتا وہ لاکھوں کروڑوں درجہ زیادہ وسیع ہے، ـــ پھر آنکھ نہ کسی چیز کا اول دیکھتی ہے نہ آخر صرف اس کا حال دیکھتی ہے، ہر چیز شروع میں مٹی تھی، آخر میں پھر اس کو مٹی ہونا ہے۔ آنکھ نے نہ اس وقت کو دیکھا جبکہ وہ پہلے مٹی تھی نہ وہ اس وقت کو دیکھ رہی ہے جب وہ پھر مٹی ہوگی، بلکہ صرف اس کی موجودہ شکل میں دیکھا ہے۔ جب کسی چیز کو دیکھو تو سوچو کہ کچھ نہیں، یہ پہلے مٹی تھی اللہ کی قدرت سے اس کی یہ شکل بن گئی ہے، اور پھر ایک دن اس کو مٹی ہو جانا ہے۔ اپنے بارہ میں بھی یہی سوچو۔

قرآن شریف میں فرمایا گیا ہے "مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى" نماز کی ہر رکعت میں دو سجدے رکھے گئے ہیں، اس کی یہ بھی ایک حکمت ہے کہ جب پہلے سجدے میں جائے تو یاد کرے کہ میں اسی زمین کی مٹی سے بنایا گیا ہوں، پھر دوسرے سجدے میں یاد کرے کہ زندگی کی میعاد ختم کرکے مجھے پھر اسی زمین کا پیوند ہو جانا ہے اور پھر اس سے اٹھ کر اللہ کے حضور میں پیش ہونا ہے اور اپنی زندگی کا حساب دینا ہے۔

میں اپنے کو ان نورانی اعمال میں مشغول رکھیں ـــــ یا آپ ایمان کی اور ایمان والے اعمال کی دعوت دیتے ہوں، یا نماز اور ذکر و تلاوت وغیرہ کسی عبادت میں مشغول ہوں، یا تعلیم اور تعلم میں لگے ہوں، یا کوئی ضرورت والا کام انجام دے رہے ہوں۔

نفس اور شیطان کے شر سے بچنے کی صرف یہی صورت ہے کہ آپ کا وقت ان کاموں سے فارغ اور خالی نہ ہو۔ "خانۂ خالی را دیو می گیرند"

پھر یہ اعمال بھی نور حاصل ہونے کا ذریعہ اسی صورت میں بنیں گے جب کہ صرف اللہ کی رضا کے لئے اور آخرت کے ثواب پر نگاہ رکھتے ہوئے کئے جائیں، اگر خدانخواستہ نیت خالص نہ رہی تو یہی اعمال جہنم میں کھینچ لے جائیں گے ـــــ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی مشہور حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت میں سب سے پہلے تین آدمیوں کے بارہ میں جہنم کا فیصلہ کیا جائے گا، اور جہنم میں سب سے پہلے انہی کو پھونکا جائے گا، ان میں ایک وہ عالم دین اور عالم قرآن ہوگا جو عمر بھر قرآن سیکھنے سکھانے میں مشغول رہا۔ دوسرا ایک دولت مند سخی ہوگا جس کو دنیا میں اللہ نے خوب دولت سے نوازا تھا، اور وہ اللہ کی دی ہوئی دولت نیکی کے کاموں میں خوب کشادہ دستی سے خرچ کرتا تھا اور تیسرا شخص ایک شہید ہوگا جو جہاد کے میدان میں دشمن کی تلواروں سے شہید ہوا ہوگا ـــــ لیکن ان تینوں آدمیوں نے یہ اعمال خالصاً لوجہ اللہ نہیں کئے تھے، بلکہ دنیا میں ناموری اور شہرت و عزت حاصل کرنے کے لئے کئے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن جب یہ تینوں قسم کے آدمی اللہ تعالیٰ کے حضور میں پیش ہوں گے تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ ہم دلوں اور نیتوں کا حال جانتے ہیں۔ تم لوگوں نے یہ اچھے اور نورانی اعمال ہماری رضا کے لئے نہیں کئے تھے، بلکہ دنیا میں ناموری اور شہرت کے لئے کئے تھے اور یہ چیز تمہیں دنیا میں مل چکی، اب تمہارے لئے یہاں کچھ نہیں۔ اس کے بعد ان کو ان کے انہی اعمال کی وجہ سے گھسیٹ کے جہنم میں پھکوا دیا جائے گا۔ بلکہ حدیث میں یہ بھی ہے کہ یہی پہلے وہ جہنمی ہوں گے جن کے لئے سب سے پہلے جہنم کا فیصلہ کیا جائے گا (العیاذ باللہ) سوچئے تو کس قدر لرزا دینے والی ہے یہ حدیث۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اس حدیث

کو روایت فرماتے تو کبھی کبھی مارے خوف کے ان کی چیخیں نکل جاتیں اور ان پر بیہوشی کا دورہ پڑ جاتا تھا۔ اور ایک دفعہ جب ایک تابعی نے یہی حدیث حضرت ابو ہریرہؓ سے سن کر حضرت معاویہؓ کے سامنے نقل کی تو حضرت امیر معاویہ اتنے روئے کہ لوگوں کو انکی جان کا خطرہ ہو گیا۔ بہت دیر کے بعد ان کی حالت ٹھیک ہوئی اور انھوں نے فرمایا:۔

صَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا نُوَفِّ اِلَيْهِمْ اَعْمَالَهُمْ فِيْهَا وَهُمْ فِيْهَا لَا يُبْخَسُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا النَّارُ وَحَبِطَ مَا صَنَعُوْا فِيْهَا وَبٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝

اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں سچ فرمایا ہے اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کیطرف سے بالکل صحیح پہونچایا ہے کہ جو کوئی اپنے اعمال سے دنیا اور دنیا کی زیب و زینت چاہے گا اسکو اسکے اعمال کا پورا نتیجہ دنیا میں ہم دیدینگے اور ان کیلئے اسمیں بالکل کمی نہیں کیجائیگی۔ ان لوگوں کیلئے آخرت میں سوائے دوزخ کی آگ کے اور کچھ نہ ہوگا اور جو عمل انھوں نے کئے تھے وہ ضائع ہو جائیں گے، اور بے کار و لاحاصل ہوں گے ان کے اعمال۔"

بہر حال نورانی اعمال نور پیدا کرنے کا ذریعہ اسی صورت میں ہو سکتے ہیں جبکہ وہ خالصًا اللہ کی رضا کیلئے اور آخرت کیلئے کئے جائیں اسلئے آپکو ایک طرف تو اپنے تمام اوقات انہی اعمال میں مشغول رکھنے ہیں اور دوسری طرف اسکا بھی اہتمام کرنا ہے کہ نیت صحیح رہے شیطان جب کسی بندہ کو اچھے عمل سے ہٹا نہیں سکتا تو اس کی نیت میں فساد ڈالنے کی کوشش کرتا ہے ــــ اللہ والے عمل اگر غیر اللہ کیلئے کئے جائیں تو ان میں اللہ والی نسبت نہیں رہتی۔ اور اگر اللہ کی رضا کیلئے وہ اعمال کئے جائیں جو درحقیقت رضا والے اعمال نہیں ہیں تو انمیں اللہ کی نسبت نہیں آتی اور وہ رضائے الٰہی کا وسیلہ نہیں بنتے۔ اس لئے دونوں کوششیں ضروری ہیں ایک اللہ کی رضا والے اعمال میں مشغولیت، ہر دم ایسی مشغولیت کہ ان کا رنگ چڑھ جائے اور نیت کی صحت کا اہتمام، جس کا مطلب یہ ہے کہ ہر عمل سے مقصد اللہ کی رضا ہو۔ ساری کامیابی بس اللہ کی رضا میں ہے، اور اس کی ناراضی میں تمام ناکامی اور نامرادی ہے۔

میں بتا چکا ہوں کہ اس نکلنے کے زمانہ میں بس چار کاموں میں اپنے آپ کو مشغول رکھنا

ہے سب سے اچھی چیز ہے۔ ایمان و یقین کی اور ایمان والے اعمال کی دعوت۔ اس دعوت کیلئے عمومی گشت ہوں گے، خصوصی گشت ہوں گے۔ جن کے اصول و آداب گشت کیلئے نکلتے وقت بتلائے جائیں گے۔ ان کو دھیان سے سنا جائے۔ پھر جب آپ دعوت کیلئے گلیوں اور بازاروں میں نکلیں گے تو شیطان آپ کو وہاں کے نقشوں کی طرف متوجہ کرے گا۔ اس لئے سب سے پہلے دعا کرنی چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ شیطان و نفس کے شر سے بچائے اور اپنی مرضی کے مطابق کام کرنے کی توفیق دے۔ پورے گشت میں اس کا اہتمام رہے کہ بس اللہ کے جلال اور جمال پر اور اس کی صفات عالیہ پر نظر رہے۔ نگاہیں نیچی رہیں اور اپنا مقصد نگاہ کے سامنے رہے، جس طرح جب کسی مریض کو اسپتال لے کر جاتے ہیں تو خود مریض اور اس کے ساتھی اسپتال کی عالی شان عمارتوں کو اور وہاں کے نقشوں کو دلچسپی سے نہیں دیکھتے بلکہ ان کے سامنے بس مریض کا علاج ہوتا ہے۔

خصوصی گشت میں اگر دیکھا جائے کہ وہ صاحب جن سے آپ ملنے گئے ہیں اس وقت توجہ سے بات سننے کے لئے تیار نہیں ہیں تو مناسب طریقہ سے جلدی بات ختم کرکے ان کے پاس سے اٹھ آنا چاہیئے اور ان کے لئے دعا کرنی چاہیئے اور اگر دیکھا جائے کہ وہ صاحب متوجہ ہیں تو پھر پوری بات ان کے سامنے رکھنی چاہیئے اور وقت فارغ کرنے کے لئے بھی کہنا چاہیئے۔

خصوصی گشت میں جب دینی اکابر کی خدمت میں حاضری ہو تو ان سے صرف دعا کی درخواست کی جائے۔ اور ان کی توجہ دیکھی جائے تو کام کا کچھ ذکر کر دیا جائے۔ عمومی گشت کرکے لوگوں کو مسجد میں جمع کیا جائے اور ان کے سامنے ایمان و یقین، نماز، ذکر اللہ، علم دین، اخلاق اور دینی جد و جہد کی بات رکھی جائے اور تشکیل کی کوشش کی جائے۔ پھر تشکیل کرکے مطمئن نہ ہو جائیں بلکہ جن لوگوں نے وعدے کئے ہیں اور نام لکھائے ہیں ان کو اللہ کے راستہ میں نکال دینے کی اور وعدوں کو عمل میں لے آنے کی پوری کوشش کریں اور اپنے امکان بھر اس کا انتظام کریں کہ ان کا وقت اچھی طرح گزرے ۔۔۔ جو لوگ اس وقت نکلنے کا فیصلہ نہ کر سکیں انکو مقامی گشت مقامی اجتماع، تعلیم، نماز، ذکر کی پابندی پر آمادہ کیا جائے اور ان کاموں کا نظام بنا دیا جائے۔

جب دعوت کے سلسلہ کی یہ ساری محنت کر چکیں تو اس کسان کی طرح جو زمین میں بیج بکھیر دیتا ہے اور پھر اللہ سے لو لگاتا ہے پورے الحاح کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں

وہی مقلب القلوب ہے، وہی جس کو چاہتا ہے ایمان اور ایمان والے اعمال دیتا ہے۔ اور جس کے لئے نہیں چاہتا اس کو محروم رکھتا ہے۔

دعوت کے بعد دوسرا کام تعلیم کا ہے جب تعلیم کیلئے بیٹھیں تو ادب سے بیٹھیں دل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے علم کی عظمت سے دبا ہوا ہو، فضائل کا مذاکرہ ہو، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم فرمائی ہوئی دعائیں یاد کی جائیں۔

جو وقت دعوت اور تعلیم سے خالی ہو اور کوئی دوسرا ضروری کام بھی اس وقت نہ ہو اس میں نوافل پڑھے جائیں، یا قرآن مجید کی تلاوت کی جائے یا ذکر و تسبیح میں مشغول کیا جائے۔ یا اللہ کے کسی بندہ کی خدمت کی جائے۔

جس طرح نماز میں آدمی یا قیام میں ہوتا ہے، یا رکوع میں یا سجدہ میں یا قعدہ میں اسی طرح اللہ کے راستہ میں نکلنے کے بعد آدمی یا دعوت میں لگا ہو، یا تعلیم اور تعلم میں، یا ذکر و عبادت میں، یا اللہ کی کسی مخلوق کی خدمت میں —— یہ چار کام اس پورے زمانے میں بطور اصل مقصد کے کئے جائیں گے اور اتنے کئے جائیں گے کہ یہی عادت و مزاج بن جائے۔ یہ اجتماعی بھی کئے جائیں گے اور انفرادی بھی۔ اجتماعی سے مطلب وہ ہے جو جماعتی نظام کے تحت ہو، جیسے خصوصی گشت اور عمومی گشت میں دعوت اور جماعت کی تعلیم کے وقت میں تعلیم اور جماعت کے ساتھ فرض نمازیں اور ان کے آگے پیچھے کی سنتیں اور جماعتی تقسیم کار کے مطابق کھانے وغیرہ کے انتظامات کی دوڑ دھوپ، یہ سب اعمال اجتماعی ہیں۔ انفرادی دعوت، انفرادی تعلیم، انفرادی عبادت، انفرادی خدمت وہ ہو گی جو جماعتی پروگرام کے علاوہ کوئی شخص اپنے اس خالی وقت میں کرے جس میں کوئی اجتماعی کام نہیں ہے، مثلاً دوپہر کے کھانے کے بعد ظہر تک کوئی جماعتی کام دعوت یا تعلیم وغیرہ کا نہیں ہے، ہر شخص کو اجازت ہے کہ وہ اس میں آرام کرے۔ اب اگر کوئی اللہ کا بندہ اپنے اس وقت میں آرام کرنے کے بجائے کسی شخص کے پاس جا کر دعوت ایمان کی باتیں کرے یا کسی اللہ کے بندہ کو کوئی دعا یاد کرائے یا اس کی نماز صحیح کرائے یا مسجد کے کسی کونہ میں کھڑے ہو کر نوافل پڑھنے لگے یا کسی ساتھی کی کوئی خدمت کرنے لگے تو یہ سب صورتیں انفرادی عمل کی ہوں گی۔

بہرحال اللہ کے راستہ میں نکلنے کے زمانہ میں یہ چار کام اصل مقصد کے طور پر کئے جائیں۔ اور حاجات بشری کے علاوہ اپنے کل اوقات ان ہی کاموں میں مشغول رکھے جائیں تب ان کے ذریعہ زندگی میں نور آئے گا اور پھر انشاء اللہ وہ نور متعدی ہوگا اور پھیلے گا۔

ان چار کاموں کے علاوہ چار ہی کام ناگزیر ضرورت کے طور پر کئے جائیں گے اور صرف بقدر ضرورت ہی کئے جائیں گے۔ وہ چار یہ ہیں۔

۱۔ کھانا پینا ۲۔ قضاء حاجت ۳۔ سونا ۴۔ باہم بات چیت کرنا۔

یہ ناگزیر ضرورتیں ہیں ان کو بس اتنا ہی وقت دیا جائے جتنا ضروری اور ناگزیر ہو، سونے کے لئے دن رات میں بس چھ گھنٹے کافی ہیں۔

۴ باتیں وہ ہیں جن سے پورے اہتمام کے ساتھ بچا جائے۔

۱۔ کسی سے سوال نہ کیا جائے بلکہ کسی کے سامنے اپنی کوئی ضرورت ظاہر بھی نہ کی جائے یہ بھی ایک طرح کا سوال ہی ہے۔ ۲۔ اشراف سے بھی بچا جائے۔ اشراف یہ ہے کہ زبان سے تو سوال نہ کرے لیکن دل میں کسی بندہ سے کچھ حاصل ہونے کی طمع ہو، گویا بجائے زبان کے دل میں سوال ہو۔ ۳۔ اسراف سے بچا جائے۔ اسراف یعنی فضول خرچی ہر حال میں معیوب اور مضر ہے، لیکن اللہ کے راستہ میں نکلنے کے زمانہ میں اس کے نتیجے اپنے حق میں بھی بہت برے ہوتے ہیں اور دوسرے ساتھیوں کے حق میں بھی۔ ۴۔ بغیر اجازت کسی ساتھی کی بھی کوئی چیز استعمال نہ کی جائے۔ بعض اوقات دوسرے آدمی کو اس سے بڑی ایذا پہونچتی ہے۔ اور شرعاً یہ قطعاً حرام ہے۔ ہاں اجازت لے کر استعمال کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

بس یہ ہیں ضروری باتیں جن کی پابندی اس راستہ میں نکلنے والوں کیلئے ضروری ہے۔ آپ لوگوں کے ۲۴ گھنٹے ان پابندیوں کے ساتھ گزرنے چاہئیں۔ ان اعمال کی پوری پابندی کرتے ہوئے آپ اللہ کی زمین میں اور اللہ کی مخلوق میں پھریں اور اپنے لئے اور پوری امت مسلمہ کے لئے اور عام انسانوں کے لئے اللہ تعالیٰ سے ہدایت مانگیں۔ بس یہی آپ کا عمل اور آپ کا وظیفہ ہو۔ اگر آپ نے ایسا کیا تو اللہ تعالیٰ جو ارحم الراحمین ہے ہرگز محروم نہیں رکھے گا۔

حضرت مولانا محمد یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی دعا

جن لوگوں نے حضرت مولانا مرحوم کو دعا کرتے ہوئے نہیں دیکھا اور نہیں سنا وہ بالکل اندازہ نہیں کر سکتے کہ کسی کا دعا میں یہ حال بھی ہوتا ہے اور کوئی اس طرح مجسم دعا بن کے بھی اللہ تعالیٰ سے مانگتا ہے حق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مولانا مرحوم کو جن نعمتوں سے نوازا تھا ان میں سے ایک عظیم ترین نعمت حقیقتِ دعا تھی ـــــ ہماری بڑی آرزو تھی کہ اللہ کے کسی بندہ نے کسی اجتماع میں مولانا کی دعا کو لفظ بلفظ لکھا ہو اور وہ ہم کو مل جائے، لیکن اس کی امید اس لئے نہ تھی کہ ان کی دعا کے وقت ہر شخص اپنے امکان کی حد تک ظاہر و باطن سے ان کی دعا میں شریک ہونا چاہتا تھا اس لئے جو حضرات تقریروں کا لفظ لفظ لکھنا چاہتے تھے وہ دعا کا ایک لفظ بھی نہیں لکھتے تھے ـــــ لیکن اللہ تعالیٰ نے ہماری یہ آرزو اس طرح پوری فرمائی کہ ہمیں معلوم ہوا کہ مرادآباد کے آخری اجتماع میں آپ کی دعا کے وقت ایک صاحب نے خفیہ طور پر ریکارڈ مشین لگا کر آپ کی دعا ریکارڈ کرلی تھی، اس کی مدد سے آپ کی دعا لفظ بلفظ قلمبند کرلی گئی اور وہ بالکل حضرت مولانا مرحوم کے الفاظ میں ایک لفظ کی کمی بیشی کے بغیر ذیل میں درج کی جا رہی ہے. اللہ تعالیٰ مرادآباد کے ان احباب کو جزائے خیر عطا فرمائے جنھوں نے اس کو اہتمام اور محنت سے قلمبند کر کے مرحمت فرمایا۔ دعا میں جو الفاظ مکرر سہ کرر ہیں وہ اصل دعا میں اسی طرح تھے۔ (درود شریف کے بعد بالجہر دعا اس طرح شروع فرمائی)

اللہ لا الٰہ الا ھو الحی القیوم، الم اللہ لا الٰہ الا ھو الحی القیوم وعنت الوجوہ للحی القیوم لا الٰہ الا انت سبحانک انی کنت من الظالمین، یا احد الصمد الذی لم یلد ولم یولد

ولم یکن له کفوًا احد، یا ارحم الرحمٰن، یا ارحم الراحمین، یاذا الجلال والاکرام یا ربنا یا سیدنا یا مولٰنا و یا غایته رغبتنا یا خالق انفسنا ظلمنا انفسنا وان لم تغفرلنا وترحمنا لنکونن من الخاسرین۔ ربنا اغفرلنا وتب علینا انک انت التواب الرحیم۔ رب اغفر وارحم وتجاوز عما تعلم انک انت الاعز الاکرم۔ اللّٰهم مصرف القلوب صرف قلوبنا علی طاعتک اللّٰهم مصرف القلوب صرف قلوبنا علی طاعتک اللّٰهم مصرف القلوب صرف قلوبنا علی طاعتک، یا مقلب القلوب ثبت قلوبنا علی دینک یا مقلب القلوب ثبت قلوبنا علی دینک یا مقلب القلوب ثبت قلوبنا علی دینک، اللّٰهم ان قلوبنا ونواصینا وجوارحنا بیدک لم تملکنا منها شیئًا فاذا فعلت ذالک بنا فکن انت ولیّنا واهدنا الی سواء السبیل، اللّٰهم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعه وارنا الباطل باطلًا وارزقنا اجتنابه، اللّٰهمّ ارزقنا حبک وحب رسولک وحبّ من ینفعنا حبه عندک والعمل الذی یبلغنا حبک اللّٰهم اجعل حبک احب الاشیاء الیّ واجعل خشیتک اخوف الاشیاء عندی۔ اللّٰهم لاسهل الا ما جعلته سهلا وانت تجعل الحزن سهلا اذا شئت لا اله الا اللّٰه الحلیم الکریم سبحان اللّٰه رب العرش العظیم الحمد للّٰه رب العلمین اسئلک موجبات رحمتک وعزائم مغفرتک والعصمة من کل ذنب والغنیمة من کل برّ والسلامة من کل اثم لاتدع لنا ذنبا الا غفرته ولا همّا الا فرّجته ولا کربا الا نفّسته ولا ضرّا الا کشفته ولا حاجة هی لک رضی الا قضیتها یا ارحم الراحمین۔ الیک رب فحببنا وفی انفسنا فذللنا وفی اعین الناس فعظمنا ومن سیّئی الاخلاق فجنبنا وعلی صالح الاخلاق فقومنا وعلی الصراط المستقیم فثبتنا وعلی الاعداء اعدائک اعداء الاسلام فانصرنا اللّٰهم انصرنا ولاتنصر علینا اللّٰهم اکرمنا ولاتهنا اللّٰهم آثرنا ولاتؤثر علینا اللّٰهم زدنا ولاتنقصنا اللّٰهم امکرلنا ولاتمکر علینا اللّٰهم ارحمنا ولاتسلط علینا من لایرحمنا اللّٰهم اشرح صدورنا للاسلام اللّٰهم حبب الینا الایمان وزینه فی قلوبنا وکرّه الینا الکفر والفسوق والعصیان، اللّٰهم اجعلنا من الراشدین المهدیین اللّٰهمّ اهدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیهم من النبیین والصدّیقین والشهداء

والصالحين وحسن اولئك رفيقا۔ اللهم اهد امة محمد صلى الله عليه وسلم اللهم علمهم الكتاب والحكمة اللهم الهمهم مراشد امورهم، اللهم اجعلهم دعاة اليك والى رسولك اللهم ثبتهم على ملة رسولك اللهم اوزعهم ان يشكروا نعمتك التى انعمت عليهم وان يوفوا بعهدك الذى عاهدتهم عليه اللهم انصرهم على عدوك وعدوهم اله الحق آمين اللهم اهد هذه البلدة اللهم اهد هذا الملك اللهم اهد هذه الحكومة اللهم اهد الناس جميعا اللهم اهد الناس جميعا اللهم اهد الناس جميعا۔ اللهم عليك بصناديد اليهود والنصارى والمشركين، اللهم عليك باشد اعدائهم على الاسلام والمسلمين اللهم اقطع دابرهم اللهم خذ ملكهم واموالهم اللهم فل اسلحتهم اللهم اهلكهم كما اهلكت عادا وثمود اللهم خذهم اخذ عزيز مقتدر اللهم اخرج اليهود والنصارى والمشركين من جزيرة الحبيب سيدنا محمد صلى الله عليه وسلم من جزيرة العرب۔ اللهم اخرج اليهود والنصارى والمشركين من جزيرة الحبيب سيدنا محمد صلى الله عليه وسلم من جزيرة العرب۔ اللهم اخرج اليهود والنصارى والمشركين من جزيرة الحبيب سيدنا محمد صلى الله عليه وسلم من جزيرة العرب۔ اللهم اخرج اليهود والنصارى والمشركين من جزيرة الحبيب سيدنا محمد صلى الله عليه وسلم من جزيرة العرب۔ اللهم اخرج اليهودية والنصرانية والمجوسية والشيوعية والشرك عن قلوب المسلمين يا مالك الملك تؤتى الملك من تشاء وتنزع الملك ممن تشاء وتعز من تشاء وتذل من تشاء بيدك الخير انك على كل شيء قدير اللهم ايد المسلمين فى مشارق الارض ومغاربها بالامام العادل والخير والطاعات واتباع سنن سيد الموجودات اللهم وفقهم لما تحب وترضى واجعل اخرتهم خيرا من الاولى۔ اللهم انصر الاسلام والمسلمين فى مشارق الارض ومغاربها اللهم اعز الاسلام والمسلمين فى العرب والعجم اللهم اعل كلمة الاسلام والمسلمين فى المملكة الهندية وغيرها من الممالك الملحقة اللهم ربنا آتنا فى الدنيا حسنة وفى الآخرة حسنة وقنا عذاب النار اللهم انا نسئلك العفو والعافية والفوز فى الدنيا والآخرة اللهم احسن عاقبتنا فى الامور كلها واجرنا من خزى الدنيا وعذاب الآخرة اللهم ارحمنا بترك المعاصى ابدا ما ابقيتنا اللهم اعنا على تلاوة القرآن وذكرك

وشکرک وحسن عبادتک اللھم جنبنا الفواحش ما ظھر منھا وما بطن اللھم جنبنا واولادنا
احبابنا واقاربنا وجمیع المبلغین والمعلمین والمتعلمین عن الفواحش ما ظھر منھا وما بطن وجنبنا
الحرام حیث کان واین کان وعند من کان وحل بیننا وبین اھلہ۔ اللھم انا نسئلک من
خیر ما سئلک منہ نبیک محمد صلی علیہ وسلم ونعوذ بک من شر ما استعاذک منہ نبیک
محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللھم انا نسئلک رضاک والجنۃ اللھم انا نسئلک الجنۃ
وما قرب الیھا من القول والعمل۔ اللھم انا نعوذ بک من عذاب جہنم ونعوذ بک من
عذاب القبر ونعوذ بک من فتنۃ المسیح الدجال ونعوذ بک من فتنۃ
المسیح الدجال ونعوذ بک من فتنۃ المسیح الدجال نعوذ بک من فتنۃ المحیا والممات ونعوذ بک من
الماثم والمغرم ونعوذ بک من ان اموت فی سبیلک مدبرا اللھم تثبیتا کتثبیت موسیٰ
علیہ السلام اللھم تثبیتا کتثبیت موسیٰ علیہ السلام اللھم تثبیتا کتثبیت موسیٰ علیہ السلام
اللھم واقیۃ کواقیۃ الولید اللھم واقیۃ کواقیۃ الولید اللھم نصرا کما نصر محمد صلی اللہ
علیہ وسلم ونصر اصحابہ اللھم نصرا کما نصر محمد صلی اللہ علیہ وسلم ونصر اصحابہ اللھم نصرا کما
نصر محمد صلی اللہ علیہ وسلم ونصر اصحابہ اللھم ربنا اتنا فی الدنیا حسنۃ وفی الاخرۃ
حسنۃ وقنا عذاب النار ربنا اغفر لنا ذنوبنا واسرافنا فی امرنا وثبت اقدامنا
وانصرنا علی القوم الکفرین۔

اے اللہ ہمارے گناہوں کو معاف فرما، یا اللہ ہماری لغزشوں کو معاف فرما۔ اے اللہ ہم قصوروار
ہیں ہم خطاکار ہیں ہم گنہ گار ہیں ہم مجرم ہیں۔ ہماری ساری زندگی خواہشات کی اتباع میں گذر گئی،
اے خداوند قدوس ہم دنیا کو سامنے رکھ کر اس سے متاثر ہوئے اور اسی کے یقین میں جذب ہو گئے
اور اسی کے طالب بن گئے اور اسی کے اندر اپنی ساری صلاحیتوں کو ہم نے ضائع کر دیا۔ اے خدا ہماری
محنت کے بگڑ جانے کے اس جرم عظیم کو معاف فرما جس جرم عظیم سے ہزاروں خرابیاں ہم میں پیدا
ہو گئیں اور ہزاروں ہمارے اندر کی دولتیں لٹ گئیں اے خدا اس محنت کا بدلنا یہ ہمارا جرم عظیم ہے ساری
امت کے اس جرم عظیم کو معاف فرما اے خدا ساری امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اس جرم کو معاف فرما
محمد صلی اللہ علیہ وسلم جس محنت پر ڈال کر گئے اس محنت کو چھوڑ کر ان محنتوں میں الجھ گئے جن محنتوں سے

نکال کردہ گئے تھے اے خدا اس محنت کا بدلنا یہ ہمارا سب سے بڑا جرم ہے اس کو خصوصیت کے ساتھ معاف فرما اور اس محنت کو چھوڑ دینے کی بنا پر جتنے جرائم میں ہم مبتلا ہوئے ایک ایک جرم کو اپنے کرم سے معاف فرما اور ایک ایک عصیاں کو معاف فرما ایک ایک گناہ کو معاف فرما اے اللہ کمائیوں کی لائن کی ہماری عصیاں اور خرچ کی لائن کی ہماری عصیاں اور معاشرت کی لائن کی ہماری عصیاں اے اللہ ہر لائن میں ہم عصیاں کے سمندر میں ڈوبے ہوئے ہیں اے اللہ نکلنے کی ہمارے لئے کوئی صورت نہیں ڈوبا ہوا خود کہاں نکل سکتا ہے جو ڈوبا نہیں ہے وہی نکال سکتا ہے، اے خدا ہم سب ڈوبے ہوئے ہیں اور تو ہی نکالنے والا ہے اے اللہ عصیاں کے دریاؤں میں سے ہم کو نکال لے اپنے فضل سے نکال لے اپنے کرم سے نکال دے اے کریم نافرمانیوں کے دریاؤں میں سے اپنے کرم سے نکال دے اے اللہ اپنی رحمت کی رسی ڈال اور ہمیں کھینچ لے اور ہمیں عصیاں کی دریاؤں میں سے نکال دے اور ہمیں طاعت کی سڑکوں پر ڈال دے اے اللہ ہمیں قربانیوں کی پہاڑیوں کی چوٹیوں پر پہونچا دے۔ اے اللہ ہمیں دین کی محنت کیلئے قبول فرما، ہم سب کو دین کی محنت کے لئے قبول فرما۔ اور اے اللہ سو فیصد امّتِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو دین کی محنت کے لئے قبول فرمالے علم کی محنت کیلئے ایمان کی محنت کیلئے عبادت کی محنت کیلئے ذکر کی محنت کیلئے اخلاق کی محنت کے لئے نمازوں کی محنت کیلئے حج کی محنت کیلئے روزوں کی محنت کیلئے زکواۃ کی محنت کیلئے ان سارے فرائض و عبادات کے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے طریقے پر آجانے کیلئے ہم سب کو اس کی پوری پوری توفیق و محنت نصیب فرما دے۔ اے اللہ اے اللہ ہماری زندگی کے شعبوں کی بدعملیوں کو بھی دور فرما کمائی کی بدعملیوں کو دور فرما اور کمائی کے اعمال صالحہ کو زندہ فرما گھر کی زندگی کی بدعملیوں کو دور فرما، اور اعمال صالحہ کو گھریلو زندگیوں میں زندہ فرما معاشرت کی بدعملیوں کو ختم فرما، اے اللہ عدل و انصاف والے اعمال کو ہماری معاشرت میں زندہ فرما، اے اللہ ہمیں نیک اعمال سے آراستہ فرما دے اور برے اعمال سے ہم کو نکال دے، اے خداوند قدوس جس قسم کے زمانے میں تو نے اس تبلیغ کے ذریعہ اس کلمہ و نماز پر محنت کی صورت پیدا فرما دی اور ہمارے تمام دوستوں کو اس پر جمع ہونے کی اور کہنے سننے کی اور اپنی راہ میں نکلنے کی توفیق دی اے اللہ جب تو نے اپنا کرم فرما کر اس کام کے کہنے سننے کا رخ پیدا فرما دیا اور اس کام کی نقل و حرکت کا رخ پیدا فرما دیا اے کریم اپنے کرم سے سب کو قبول فرمالے اور ان سب کی ایسی تربیت فرما کہ یہ نقل و حرکت تجھے پسند آجائے تو ہی اپنے کرم سے اس ترتیب کی اور نقل و حرکت کی تربیت فرما تو ہی مربی ہے

تو ہی تربیت کرنے والا ہے تو ہی تزکیہ کرنے والا ہے اور تو ہی پاک وصاف کرنے والا ہے، اے اللہ اس نقل
وحرکت کو قبول فرما اے اللہ اس نقل وحرکت کو قبول فرما اے اللہ اس نقل وحرکت کو قبول فرما انتہائی
رقت کے ساتھ) اے خدا ان کو اخلاص نصیب فرما، اے اللہ ان کو اخلاص نصیب فرما، اے اللہ ہم سب کو
اخلاص نصیب فرما، اے اللہ ہم سب کو اپنی قدرت پر یقین نصیب فرما، ہم سب کو یقین نصیب فرما ہم سب کو
اپنے وعدوں پر یقین نصیب فرما، یا اللہ ہمارے عقیدوں کو درست فرما دے اور اس محنت کیلئے ہمارا اندر وہ جذبہ
پیدا فرما دے! اے خدا جن قربانیوں سے اے اللہ یہ منی کے گندے قطرے کا بنا ہوا انسان تیرا دوست بن جاتا ہے اور
جن قربانیوں سے تیرا محبوب بن جاتا ہے اے خدا ان قربانیوں کی محبت ہمارے دلوں میں پیدا فرما دے اے اللہ جس
کرم سے تو نے یہ کام اٹھایا اب اس کام کو تکمیل کو پہنچا دے[1] اس کام میں لگنے والوں میں دنیا کی رغبت ان کے
دلوں سے نکال دے، ملک و مال کی رغبت انکے دلوں سے نکال دے، اقتدار کی ہوس انکے دلوں سے نکال دے
دنیا کے نقشے کے بارہ میں بے رغبتی ان کے دلوں میں پیدا فرما دے، موت کی حقیقت ان کو عطا فرما، قناعت
کی دولت ان کو نصیب فرما، اے اللہ صبر و اخلاص، مجاہدے کی طاقت انکو نصیب فرما، اے خدا جس مجاہدے
پر انسان اندر سے تیرے انوارات سے جگمگاتا ہے اور تیرے صفات اخلاق ان اعلیٰ مجاہدوں پر اے اللہ ترقیات
کے دروازے کھل جاتے ہیں اور اخلاق کی چوٹیوں پر انسان پہونچ جاتا ہے اے اللہ وہ مجاہدے کی دولت
ہم سب کو نصیب فرما، — اے اللہ جس طرح تو نے یہ کام اٹھایا اس کام کو ہدایت کے پوری دنیا میں
آجانے کا اس کام کو سو فیصد ذریعہ قرار دیدے۔ اے اللہ سارے انسانوں کیلئے اور سارے ملکوں کیلئے اور سارے
مسلمانوں کیلئے ہدایت ملنے کا سبب اسکو قرار دیدے سارے زمانوں قوموں ملکوں میں اس محنت کے پہنچنے کیلئے قبول
فرمالے! اور یا اللہ ہدایت عام فرما ہمیں اور ہمارے ساتھیوں کو ہمارے رشتہ داروں کو اور اس کام میں لگنے والوں
کو انکے متعلقین اور رشتہ داروں کو اور انسے تعلق و محبت رکھنے والوں کو اس ہدایت میں سے نصیب فرما جو تو مجاہدین
کو ہدایت دیا کرتا ہے اور تو داعیوں کو ہدایت دیا کرتا ہے اور جو تو نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھیوں کو ہدایت
نصیب فرمائی تھی اور تو نے انبیاء سابقین کو اور اولیاء اللہ کو ہدایت و قربانی عطا فرمائی تھی، اے اللہ اس
ہدایت سے ہم سب کو بھرپور حصہ نصیب فرما۔ اے اللہ ان خالی ہاتھوں کو اپنے کرم سے بھر دے اور ان
خالی دلوں کو اپنے کرم سے بھر دے، اپنے عشق سے اور اپنی محبت سے ہدایت کا فرمان ہمارے لئے فرما دے یا اللہ
پوری امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اے اللہ، اے اللہ جو انھیں ضلالت کی طرف کھینچے ان کے ہاتھوں سے

[1] یہ جملہ تین دفعہ فرمایا۔

انھیں چھوڑ دے اور جو انھیں ہدایت کی طرف کھینچے ان کے ہاتھوں کی طرف انکو منتقل کر دے، اے خدا اس امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو یہود و نصاریٰ مشرکین و ملحدین کے ہاتھوں سے چھڑا دے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بنیادوں پر انکو کھڑا کر دے، اے اللہ ان کے یقینوں کو ٹھیک کر، ان کو ہدایت نصیب فرما، انکو ایمان کی قوت نصیب فرما۔ انکو علوم نبویہ کا استقبال نصیب فرما، اسلام کی دولت انکے سینوں میں اتار دے اور اپنا ذکر ان کے دلوں کو نصیب فرما دے اور دنیا کی بے رغبتی نصیب فرما کر علم دین سیکھنے کے مطابق زندگی گذارنے کی ہدایت نصیب فرما عام انسانوں کو ہدایت نصیب فرما، اس ملک کے بسنے والوں کو ہدایت نصیب فرما، اے اللہ اس ملک کے حاکم و محکوم کو یہاں کی اقلیت و اکثریت کو، اے اللہ اس راستے کی ہدایت نصیب فرما، اے اللہ درندوں کی اور انڈھوں کی قسم سے جتنے انسان اور درندے انسان ہیں اور جنکو تجھے انسانیت سے نوازنا ہی نہیں ہے خدا ایسے ایسوں کو چن چن کر ہلاک فرما، ایسوں کو زمینوں کو اس کیلئے پھاڑ دے ایسوں کے مکانوں کو ان پر توڑ دے، ایسوں سے نعمتوں کو اپنی چھین لے، ایسی عبرتناک سزائیں عطا فرما کہ دنیا دیکھ لے کہ جو اپنی انسانیت کو بگاڑتا ہے خدا اس کی صورتوں کو اس طرح بدلتا ہے اے خدا ظالم ترین مفسد ترین انسانوں کو چن چن کر ہلاک فرما، جن ناکوں کی ہدایت سے قوموں اور ملکوں میں ہدایت آجائے ان کو ہدایت نصیب فرما اور جن ناکوں کی اے اللہ ہلاکت سے قوموں اور ملکوں کے ضلالت و فساد ختم ہو جائیں اے اللہ اس کو چن چن کر ہلاک فرما دے، اے خدا لوٹ کھسوٹ کے ماحول کو ختم کر ظلم و ستم کے ماحول کو ختم کر، عدل و انصاف کے ماحول کو قائم کر علم و ذکر کے ماحول کو قائم کر، خدمت خلق کے ماحول کو قائم کر، تعاون و ہمدردی و محبت کے ماحول کو قائم کر اے اللہ ہماری دعاؤں کو اپنے فضل و کرم سے قبول فرما، ہمارے مقروضوں کی قرضوں کی ادائیگی فرما ہمارے محتاجوں کی حاجتوں کو پورا فرما، ہمارے بیماروں کو تندرستی عطا فرما، جو آنکھ کے بیمار ہیں انکو آنکھ کی شفا عطا فرما، اے اللہ جو معدے کے بیمار ہیں ان کو معدے کی شفا عطا فرما اور بقیہ جتنے آدمیوں نے اس جلسے میں ہم سے دعاؤں کیلئے کہا یا آج تک اس سے پہلے ہم سے دعاؤں کو کہا یا آئندہ ہم سے وہ دعاؤں کو کہیں اے اللہ سب کی حاجتوں کو پورا فرما اور سب کی پریشانیوں کو ختم فرما، اے اللہ اس جلسے کو سارے ہی انسانوں کے لئے اور سارے ہی مسلمانوں کیلئے اس جلسے کو انتہائی باعث خیر و برکت باعث رشد و ہدایت، باعث لطف و رفعت اور باعث فلاح و فوز اپنے لطف و کرم سے فرما۔ ہماری دعاؤں کو اپنے فضل و کرم سے قبول فرما۔ ان نکلنے والوں کو اپنے کرم سے قبول فرما۔ آمین

چندہ سالانہ
ہندوستان سے -/15
پاکستان سے -/25
بنگلا دیش سے -/16
فی شمارہ 1/50

ماہنامہ الفرقان لکھنؤ

ممالک غیر سے سالانہ چندہ
محصول ڈاک میں زبردست اضافہ کے
بعد اب نئی شرح یہ ہے
بحری ڈاک سے ۲ پونڈ
ہوائی ڈاک سے ۴ پونڈ

جلد (۴۶) | بابت مارچ ۱۹۷۸ء مطابق ربیع الاول ۱۳۹۸ھ | شمارہ (۳)

اگر اس دائرہ میں ◯ سرخ نشان ہے، تو

اس کا مطلب ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہو گئی ہے۔ براہ کرم آئندہ کے لیے چندہ ارسال کریں یا خریداری کا ارادہ نہ ہو تو مطلع فرمائیں۔ چندہ یا کوئی دوسری اطلاع ۲۵ تاریخ تک آجائے ورنہ اگلا پرچہ بصیغہ وی پی ارسال ہوگا۔

نمبر خریداری۔ براہ کرم خط وکتابت کرتے وقت اور منی آرڈر کوپن پر اپنا خریداری نمبر ضرور لکھ دیا کیجیے جو پتہ کی چٹ پر لکھا ہوتا ہے۔

تاریخ اشاعت۔ الفرقان ہر انگریزی مہینہ کے پہلے ہفتہ میں روانہ کر دیا جاتا ہے۔ اگر مہینے کے آخر تک کسی صاحب کو پرچہ نہ ملے تو فوراً مطلع کریں اس کی اطلاع اگلے مہینے کی ۵ تاریخ تک آجانا چاہیے اسکے بعد رسالہ بھیجنے کی ذمہ داری دفتر پر نہ ہوگی۔

پاکستان میں ترسیل زر کا پتہ:۔ ناظم ادارہ اصلاح وتبلیغ آسٹریلین بلڈنگ۔ لاہور

مولوی محمد منظور نعمانی پرنٹر پبلشر و اڈیٹر نے تنویر پریس میں چھپوا کر دفتر الفرقان ۳۱ نیا گاؤں مغربی لکھنؤ سے شائع کیا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نگاہِ اوّلیں

محمد منظور نعمانی

شیخ محمد بن عبد الوہاب اور ہمارے بعض اکابر:- (۴)

اس سلسلہ کی گزشتہ قسط میں حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کے ۱۹۵۲ء کے ایک اخباری بیان کا متن اسی شمارہ میں پیش کرنے کا وعدہ کیا گیا تھا، ضروری معلوم ہوا کہ ناظرین کو اس بیان کا اور مولانا مرحوم کی اس تصنیف (الشہاب الثاقب) کا بھی پس منظر معلوم ہو جائے جس سے اس بیان کا خاص تعلق ہے۔ یہ پس منظر اگرچہ کچھ طویل ہو گا اور اس میں بعض باتیں مکرر ہو جائیں گی لیکن یقین ہے کہ ناظرین کے لیے موجبِ بصیرت بھی ہو گا اور دلچسپ بھی۔

یہ بات پہلے ذکر کی جا چکی ہے کہ حضرت مولانا کا قیام ۱۳۱۶ھ سے ۱۳۳۳ھ تک (تقریباً ۱۸ سال) مدینہ منورہ میں رہا — اس کے قریباً ڈیڑھ صدی پہلے سے شیخ محمد بن عبد الوہاب اور ان کی دعوت و جماعت کے خلاف ان کے سیاسی اور مذہبی مخالفین نے جو پروپیگنڈہ ممکن حد تک پورے عالم اسلام میں اور خاص کر ممالک عربیہ اور بالخصوص حرمین شریفین میں کیا تھا (جس کا ذکر پہلے بھی کیا جا چکا ہے) اس کا یہ نتیجہ تھا کہ وہاں کے عوام بلکہ خواص بھی (الا من شاء اللہ) "وہابیوں" کو یہود و نصاریٰ اور ہنود و مجوس سے بھی بدتر سمجھتے تھے — خود مولانا ممدوح نے اسی زمانہ میں اپنے ذاتی مشاہدہ اور تجربہ کی بنا پر وہاں کا یہ حال ان الفاظ میں لکھا ہے:-

اہلِ عرب کو خصوصاً اُس (یعنی شیخ محمد بن عبد الوہاب) اور اس کے اتباع سے دلی بغض تھا اور ہے اور اس قدر ہے کہ نہ اتنا قوم یہود سے ہے نہ نصاریٰ سے نہ مجوس سے نہ ہنود سے ....

(الشہاب الثاقب ص۴۲)

واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس پروپیگنڈہ نے ذہنوں کو اتنا متاثر کر دیا تھا کہ "وہابیوں" کے خلاف کیسی ہی غلط اور کتنی ہی لغو، بیہودہ اور ناقابل فہم بات کہی جاتی بیچارے عوام ہی نہیں خواص اور علماء کے ذہن بھی (الا من شاء اللہ) اس کو قبول کر لیتے تھے۔ مکہ مکرمہ کے بلند پایہ عالم شیخ احمد زینی دحلان (متوفی ۱۳۰۴ھ) کی "خلاصۃ الکلام" کے حوالہ سے اس سلسلہ کی پہلی قسط میں، اور ہندوستان میں مسلک اہل حدیث کے سب سے بڑے داعی اور علمبردار نواب صدیق حسن خاں صاحب مرحوم (متوفی ۱۳۰۷ھ) کی کتاب "ترجمان وہابیہ" کے حوالہ سے اس سلسلہ کی تیسری قسط یعنی گزشتہ قسط میں، شیخ محمد بن عبد الوہاب اور ان کی جماعت سے متعلق جو خرافاتی باتیں نقل کی جا چکی ہیں، ہمارے نزدیک وہ سب اسی قبیل سے ہیں۔

اس کی ایک اور عبرتناک مثال بھی ذکر کرنے کے لائق ہے ـــــ شیخ دحلان نے "خلاصۃ الکلام" ہی میں اسی زمانہ کے ایک دوسرے عالم اور مفتی شیخ عبد الرحمٰن الاہدل (مفتی زبید) کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ

"وکان محمد بن عبد الوھاب یامر ایضًا بحلق رؤس النساء التی یتبعنہ"

(خلاصۃ الکلام ص۲۳۵)

(یعنی جو عورتیں محمد بن عبد الوہاب کی دعوت اور مسلک کو قبول کرتی تھیں وہ حکم دیکر ان کے بھی سر منڈواتا تھا)
یہ بات تاریخ اور واقعہ کے لحاظ سے خالص جھوٹ اور بہتان ہونے کے علاوہ قطعاً ناقابل فہم بھی تھی، لیکن جیسا کہ عرض کیا گیا وہابیوں کے خلاف پروپیگنڈہ نے ذہنوں کو اتنا متاثر اور ایسا ماؤف کر دیا تھا کہ شیخ دحلان جیسے بلند پایہ عالم و مفتی کے ذہن نے اس کو بھی قبول کر لیا اور اپنی کتاب میں اس کو درج کر دیا۔ اللہ تعالیٰ ان سب حضرات کو معاف فرمائے۔

بہرحال جس زمانہ میں حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کا مدینہ منورہ میں قیام رہا اس

دور میں "وہابیوں" کے بارہ میں حرمین شریفین کی یہ فضا تھی اور وہاں کا یہ ماحول تھا اور قدرتی طور پر مولانا کا ذہن بھی اس سے پوری طرح متاثر تھا۔

اسی زمانہ میں یہ واقعہ پیش آیا کہ ہندوستان کے قبوری مبتدعین کے سرگروہ اور قائد و امام مولوی احمد رضا خاں صاحب بریلوی نے ـــــ ہندوستان میں مسلک توحید و سنت کی داعی و علمبردار جماعت علماء دیوبند کے اکابر و مشائخ العلامۃ الجلیل حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی، المحدث الکبیر مولانا رشید احمد گنگوہی سنن ابوداؤد کے شارح حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری اور قریباً ایک ہزار دینی کتابوں کے مصنف حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کی قطعی تکفیر کا ایک فتویٰ عربی زبان میں تیار کیا، جس میں ان حضرات کی اردو زبان میں لکھی ہوئی بعض کتابوں کی عبارتوں میں قطع برید اور تحریف کر کے اور انتہائی ناخداترسی اور بددیانتی کے ساتھ عربی زبان میں ان کا مطلب مصنفین کی مراد کے بالکل خلاف بیان کر کے اُن کی طرف نہایت خبیث کافرانہ عقائد منسوب کیے اور ان کی بنیاد پر ان حضرات کو کافر قرار دیا اور یہ بھی لکھا کہ جو کوئی ان کے کفر و ارتداد میں اشک شبہ کرے وہ بھی ایسا ہی کافر و مرتد ہے ـــــ اُنھوں نے عربی زبان میں یہ فتویٰ تیار کیا اور ہندوستانی عوام کی نگاہوں میں اس کو زیادہ معتبر اور قابل اعتماد بنانے کے لیے یہ منصوبہ بنایا کہ کسی طرح حرمین شریفین کے علماء کرام سے اس فتوے کی توثیق و تصدیق کرائی جائے ـــــ ان کو اطمینان تھا کہ وہ حضرات اردو زبان سے واقف نہ ہونے کی وجہ سے اصل حقیقت اور معاملہ کو سمجھ نہیں سکیں گے اور اس فتوے کی توثیق و تصدیق کر دیں گے ـــــ اس منصوبہ کو عمل میں لانے کے لیے انھوں نے ۱۳۲۳ھ کے آخر میں حرمین شریفین کا سفر کیا، وہ اس صورتِ حال سے بھی خوب واقف تھے کہ علماء حرمین کو "وہابیوں" سے کس قدر بغض اور کیسی نفرت و عداوت ہے، اُنھوں نے ان حضرات کو پرچانے اور اپنے تکفیری فتوے کی تصدیق پر آمادہ کرنے کے لیے بہت سی دوسری تدبیروں اور کارروائیوں کے علاوہ ایک چال یہ بھی چلی کہ ان حضرات کو باور کرایا کہ جماعت دیوبند کے یہ اکابر فلاں فلاں جن کی اس فتوے میں تکفیر کی گئی ہے محمد بن عبدالوہاب نجدی کے پیرو "وہابی" ہیں اور ہندوستان میں "وہابیت" کے علمبردار ہیں ـــــ بلاشبہ مولوی احمد رضا خاں کی اس چال نے (قرآن پاک کی زبان میں اس کید نے) حرمین شریفین کے بہت سے علماء و اصحاب فتویٰ کو متاثر کیا اور انھوں نے پورے جوش

وخروش کے ساتھ اس تکفیری فتوے کی توثیق و تصدیق کی۔ اور مولوی احمد رضا خاں صاحب کو "ہندستانی وہابیوں" کے خلاف اُن کے اِس تکفیری جہاد" پر دل کھول کے خراج تحسین بھی ادا کیا ـــــ یہی فتویٰ علمائے حرمین کی تصدیقات اور اردو ترجمہ کے ساتھ "حسام الحرمین" کے نام سے ہندوستان میں شائع ہوا" اور یہاں کے قبوری مبتدعین کی طرف سے پورے زور شور کے ساتھ پروپیگنڈہ کیا گیا کہ مکہ شریف اور مدینہ شریف کے علمائے کرام اور مفتیان عظام نے بھی علمائے دیوبند کے ان اکابر (مولانا نانوتوی مولانا گنگوہی، مولانا سہارنپوری، مولانا تھانوی) کو کافر مرتد قرار دیا ہے اور فتوے دیا ہے کہ جو کوئی ان کو کافر نہ کہے یا اُن کے کافر ہونے میں شک کرے وہ بھی کافر مرتد اور جہنمی ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ اس چال اور اس پروپیگنڈے نے ہندوستان کے بیچارے عام مسلمانوں کو جو حقیقت حال کو خود نہیں سمجھ سکتے تھے سخت فتنہ میں مبتلا کر دیا۔ اور جماعتِ علماء دیوبند پر فرض ہو گیا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اِن امتیوں کو فتنہ اور گمراہی سے بچانے کے لیے مولوی احمد رضا خاں صاحب کے لگائے ہوئے الزامات کی جواب دہی اور اپنے دینی مسلک کی وضاحت کرے ـــــ چنانچہ یہ فرض ادا کیا گیا۔ اس سلسلہ میں اکابر علمائے دیوبند کی طرف سے چند تحریری بیانات اور رسالے شائع ہوئے[1] جن سے حسام الحرمین کی فریب کاریوں اور جعل سازیوں کا پردہ چاک ہو کر حقیقت روشن، مطلع صاف اور فتنہ کافور ہوا ـــــ جاءَ الحَقُّ وَزَهَقَ البَاطِلُ، إنَّ البَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا۔ (اگرچہ بریلوی حضرات "حسام الحرمین" کے اس "تعزیہ" کو اب تک کاندھوں پہ اٹھائے پھر رہے ہیں)

اس سلسلہ میں حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ نے بھی (جو اس وقت مدینہ منورہ ہی میں مقیم تھے اور اللہ تعالیٰ کی توفیق وعنایت سے مسجد نبوی میں حدیث تفسیر وغیرہ کا درس دیتے تھے) ایک رسالہ "حسام الحرمین" کی تردید میں لکھا، اسی کا نام "الشہاب الثاقب" ہے۔ اس میں مولانا ممدوح نے پورے بسط و تفصیل کے ساتھ مولوی احمد رضا خاں صاحب کے الزامات وافتراءات کی تردید اور اپنے اکابر و مشائخ علمائے دیوبند کے عقائد و مسلک کی وضاحت کی ہے ـــــ اس ضمن میں اس الزام کی بھی پوری قوت اور شدت کے ساتھ تردید کی ہے کہ علمائے دیوبند "وہابی" یعنی شیخ محمد بن عبدالوہاب

[1] ان بیانات اور رسائل میں سے۔ "بسط البنان" "التصدیقات" "قطع الوتین" "السحاب المدرار" "الختم علی لسان الخصم" خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ (آخر میں رسالہ "معرکۃ القلم" نے حجت تمام اور بحث ختم ہی کر دی ہے)

نجدی کے پیرو ہیں —— اور ان سے جماعت علماء دیوبند کی بے تعلقی بلکہ شدید اختلاف ظاہر کرتے ہوئے اس وقت کے اپنے معلومات کے مطابق "وہابیوں" کے خلاف وہی سب باتیں لکھی ہیں جو حرمین شریفین میں عام طور سے مشہور اور زبان زدِ خاص و عام تھیں، اور جو شیخ احمد زینی دحلان وغیرہ اُن کے مخالف علماء و مصنفین نے اپنی کتابوں میں لکھی تھیں —— مثلاً یہ کہ وہ اپنی جماعت اور اپنے متبعین کے سوا تمام مسلمانوں کو مشرک و کافر اور مباح الدم سمجھتے ہیں —— اور مثلاً یہ کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان پاک میں سخت گستاخ ہیں اور کہتے ہیں کہ (معاذ اللہ) میری لاٹھی ان سے زیادہ میرے کام آنے والی ہے، میں اس سے کتے کو دفع کر سکتا ہوں اور وہ تو میرا یہ کام بھی نہیں کر سکتے —— اور مثلاً یہ کہ وہ آپ کی شفاعت کے منکر ہیں۔ درود شریف پڑھنے سے منع کرتے ہیں۔ وغیرہ وغیرہ۔

ظاہر ہے کہ یہ سب وہی باتیں ہیں جو اس سلسلہ کی پہلی قسط میں شیخ احمد زینی دحلان (مفتی شافعیہ مکہ مکرمہ) کی مشہور تصنیف "خلاصۃ الکلام" کے حوالہ سے نقل ہو کر ناظرین کرام کی نظر سے گزر چکی ہیں —— اور نواب صدیق حسن خاں صاحب مرحوم نے اپنی کتاب "ترجمان وہابیہ" میں شیخ محمد بن عبدالوہاب اور ان کی جماعت سے اپنی اور جماعت اہل حدیث کی براءت اور بے تعلقی ظاہر کرتے ہوئے اُن کے بارہ میں جو کچھ لکھا ہے وہ بھی ناظرین کرام اسی سلسلہ کی گذشتہ ہی قسط میں پڑھ چکے ہیں —— بلکہ حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے "الشہاب الثاقب" میں نواب صاحب کی تحریرات کا تو حوالہ بھی دیا ہے۔ (الشہاب الثاقب صفحہ ۴۳)

تو جیسا کہ بار بار عرض کیا گیا واقعہ یہی ہے کہ شیخ محمد بن عبدالوہاب اور اُن کی جماعت کے خلاف ان کے سیاسی اور مذہبی دشمنوں کے پروپیگنڈہ کے نتیجہ میں یہ سب باتیں (بالکل بے بنیاد ہونے کے باوجود) اتنی مشہور و عام تھیں کہ ایک طرح کے "عوامی تواتر" کا درجہ اِن کو حاصل ہو گیا تھا جس کے بعد ان کے بارہ میں کسی تحقیق و تنقید کی ضرورت نہیں سمجھی جاتی تھی —— تو مولانا حسین احمد صاحب نے بھی اسی عام شہرت کی بنا پر ان کو "حقائق" اور "واقعات" سمجھ کر نقل کر دیا۔

یہاں تک جو کچھ عرض کیا گیا اس سے "الشہاب الثاقب" کی تصنیف کا پس منظر بھی ناظرین کے سامنے آگیا اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ حضرت مولانا حسین احمدؒ نے اس میں شیخ محمد بن عبدالوہاب

اور ان کی جماعت کے بارہ میں جو کچھ لکھا تھا۔ کیوں لکھا تھا اور کس بنیاد پر لکھا تھا۔

اس کے بعد ناظرین کرام اسی معاملہ سے متعلق مولانا ممدوح کے اُس اہم اخباری بیان کا یہ منظر ملاحظہ فرمائیں جو مولانا کا ۱۹۲۵ء میں اخبارات میں شائع ہوا تھا اور جو آج کی صحبت میں نذر ناظرین کیا جا رہا ہے ـــــ مولانا نے "الشہاب الثاقب" ۱۳۲۹ھ (۱۹۱۱ء) میں لکھی تھی ـــــ اس کے قریباً ۱۴-۱۵ سال بعد یہ عظیم واقعہ رونما ہوا کہ اُس وقت کی "وہابی نجدی" حکومت کے سربراہ ملک عبدالعزیز ابن سعود نے ۱۳۴۲ھ (۱۹۲۴ء) میں اپنی فوجی طاقت سے حجاز مقدس کے اُس وقت کے حکمراں شریف حسین کو بے دخل کر کے حرمین شریفین کو بھی اپنے اقتدار و انتظام میں لے لیا۔

[یہ وہی شریف حسین تھا جو پہلے سلطنت عثمانیہ ترکی کی طرف سے (جس کے سربراہ کی حیثیت خلیفۃ المسلمین کی بھی تھی) مقرر کیے ہوئے نائب الحکومت کے طور پر حجاز مقدس کا حاکم تھا۔ اور پھر پہلی جنگ عظیم (۱۹۱۴-۱۸ء) کے دوران انگریزوں کی سازش اور مدد سے اُس نے ترکی حکومت اور خلیفۃ المسلمین سے غداری اور بغاوت کر کے اور نازک ترین وقت میں سلطنت عثمانیہ کی پیٹھ میں چھرا بھونک کے حجاز مقدس پر خود اپنی حکومت قائم کر لی تھی۔ اور انگریزی حکومت ہی کی فرمائش پر جماعت علماء دیوبند کے اس وقت کے مرشد عام اور ہندوستان کے شیخ الاسلام حضرت مولانا محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ کو (جو اُس وقت انگریزی حکومت کے خلاف ہندوستان میں مسلح جنگ برپا کرانے کا ایک منصوبہ لیکر ترکی حکومت کے ذمہ داروں سے رابطہ پیدا کرنے ہی کے لیے حجاز مقدس پہونچے ہوئے تھے۔[1]) اور ان کے ساتھ ان کے رفیق خاص مولانا حسین احمد اور چند اور رفقاء کو بھی گرفتار کر کے انگریزوں کے حوالہ کر دیا تھا اور پھر یہ حضرات ۴ سال تک جزیرہ مالٹا میں انگریزوں کی قید میں رہے تھے۔]

تو جب ۱۳۴۲ھ (۱۹۲۴ء) میں حرمین شریفین پر سلطان نجد ملک عبدالعزیز ابن سعود کا قبضہ

[1] شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ انگریزی حکومت کے خلاف حسب امکان و استطاعت جہاد کو ہندوستانی مسلمانوں کا دینی فریضہ اور اپنے لیے اعلیٰ درجہ کی عبادت سمجھتے تھے، اور مدتوں سے اس کے لیے خفیہ تیاریاں کر رہے تھے۔ جب ۱۹۱۴ء میں یورپ میں جنگ عظیم شروع ہوئی اور ترکی حکومت بھی اس جنگ میں انگریزوں کے خلاف جرمنی کی حلیف بنکر میدان میں آگئی ـــــ تو شیخ الہند نے ہندوستان میں انگریزوں کے خلاف جنگ برپا کرنے کے اپنے منصوبہ کے لیے (باقی اگلے صفحہ پر)

ہوگیا۔ اور انھوں نے اپنے دینی مسلک اور "وہابی حکومت" کی قدیم روایات کے مطابق وہاں سختی سے دینی اصلاحات نافذ کیں۔ مزارات پر بنے ہوئے قبوں کو گرایا اور مزارات کو تجارت کا وسیلہ بنانے والے اُن کے پیشہ ور مجاوروں کو سزائیں دیں اور ہر قسم کی بدعات و منکرات کے بارے میں سختی کی اور حرم شریف کے چار مصلوں کی چار جماعتوں کے بجائے بس ایک مصلے پر ایک جماعت قائم کی تو ہندوستان بھر کے قبوری مبتدعین کے تمام طبقوں نے متحد ہو کر یہاں ایک "جنگ عظیم" برپا کردی اور "وہابی" "بدعتی" کی جو جنگ ۱۹۱۹ء کے بعد سے تحریک خلافت کی طوفانی موجوں میں بالکل غائب سی ہو گئی تھی کیونکہ حضرات علماء بدایوں، علماء فرنگی محل، مولانا نثار احمد کانپوری، مولانا فاخر الہ آبادی، حتیٰ کہ مولانا احمد رضا خاں بریلوی کے بھی متعدد خلفاء مولانا نثار احمد میرٹھی وغیرہ اس وقت مولانا

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) اس موقع کو بہتر سمجھا، اور ۱۳۳۳ھ (۱۹۱۵ء) میں حج کے بہانے حجاز مقدس پہنچے تاکہ وہاں سے ترکی حکومت سے رابطہ قائم کرکے اپنے منصوبہ اور پروگرام کو آخری شکل دے کر عملی اقدام کا فیصلہ کریں ——— مدینہ منورہ میں ترکی حکومت کے ذمہ داروں[عہ] سے وہ ملاقات بھی ہوگئی جس کے لیے یہ سفر کیا گیا تھا ——— اور عملی اقدام کا پروگرام طے ہوگیا ——— ٹھیک اسی وقت "شریف حسین" نے انگریزوں کے فریب میں آکر ترکی حکومت سے غداری کرکے بغاوت کردی ——— اور انگریزوں ہی کی فرمائش پر شیخ الہند مولانا محمود حسن اور اُن کے رفقاء مولانا حسین احمد صاحب وغیرہ کو مکہ معظمہ میں گرفتار کرکے انگریزوں کے حوالہ کردیا جن کو اپنے جاسوسی ذرائع سے مولانا کے منصوبہ کے بارہ میں کچھ پتہ چل گیا تھا ——— چنانچہ یہ حضرات بحیرہ روم کے جزیرہ مالٹا میں قید کردیے گئے۔ اور قریباً ۴ برس کے بعد اُس وقت چھوڑے گئے جب حکومت برطانیہ کو اطمینان ہوگیا کہ اب اِن حضرات کے کسی باغیانہ منصوبہ کے بروئے کار لانے کا کوئی امکان باقی نہیں رہا ——— افسوس کہ انگریزوں کے فریب میں آکر شریف حسین نے اتنا بڑا گناہ کیا اور اس کے عوض "حجاز" کی جو "بادشاہی" حاصل کی تھی وہ پورے دس سال بھی اپنے ہاتھوں میں نہیں رہی ؎

دیدی کہ خونِ ناحقِ پروانہ شمع را
چنداں اماں نداد کہ شب را سحر کند

لیکن راقم سطور نے بعض معتمد حضرات سے سنا ہے کہ "شریف حسین" اپنے آخری ایام خاص کر مرض وفات میں اپنی اس غلطی پر بہت روتے تھے۔ اللہ تعالیٰ اُن کے ساتھ مغفرت و رحمت کا معاملہ فرمائے۔

عہ ترکی حکومت کے وزیر جنگ انور پاشا اور جمال پاشا۔ ۱۲

ابوالکلام آزاد، علماء دیوبند، علماء ندوہ اور علماء اہلحدیث مولانا ثناء اللہ امرتسری، مولانا داؤد غزنوی وغیرہ کے ساتھ انگریزی حکومت کے خلاف جنگ میں ایک صف میں کھڑے ہو گئے اور ایک ساتھ جیلوں میں گئے تھے۔

بہرحال تحریک خلافت کے جوش و خروش کے قریباً چار سال ایسے گذرے تھے کہ "وہابی" "بدعتی"، "دیوبندی"، "بریلوی" اور اسی طرح "اہلحدیث" اور "حنفی" کے مسلکی اختلافات کے مظاہرے اور اکھاڑے ناپید سے ہو گئے تھے ——— لیکن جیسا کہ عرض کیا گیا ۱۳۴۳ھ (۱۹۲۴ء) میں حرمین شریفین پر سلطان ابن سعود کی "نجدی وہابی" حکومت کے قبضہ اور اپنے مسلک اور روایات کے مطابق اُن کے مذکورہ بالا اصلاحی اقدامات نے یہاں "وہابیوں" اور "وہابیت" کے خلاف ملک گیر پیمانے پر ایک طوفانی "جنگ عظیم" برپا کر دی اور یہاں کے مبتدعین کے تمام حلقے اور اکثر مزاراتِ اولیاء کرام اور درگاہوں کے مجاورین اور مختلف سلسلوں اور خانقاہوں کے سجادہ نشین حضرات اپنے سارے فروق و اختلافات نظر انداز کر کے اس محاذ پر متحد ہو گئے اور ملک بھر کے شیعہ صاحبان بھی پورے جوش و خروش کے ساتھ ان کے ساتھ ہو گئے ——— اس "متحدہ محاذ" کی طرف سے "وہابیوں" کے خلاف پوسٹر اور اشتہارات شائع ہوتے تھے، اخبارات میں مضامین نکلتے تھے۔ شہروں شہروں قصبوں قصبوں اور محلوں محلوں جلسے ہوتے تھے اور عوام کو بڑے درد انگیز انداز میں بتایا جاتا تھا کہ حرمین شریفین پر "وہابیوں" کا قبضہ ہو گیا ہے اور وہاں انھوں نے حضرات اہل بیت اور صحابہ کرام وغیرہ کے مزارات اور قبے ڈھا دیے اور یہ کیا ہے وہ کیا ہے۔ عجیب قسم کی آتشین اور شعلہ بار تقریریں ہوتی تھیں ——— ملک بھر میں وہ سماں تھا جس کا اب آسانی سے تصور نہیں کیا جا سکتا۔

اس سلسلہ میں پنجاب کے سید حبیب مرحوم کا اخبار "روزنامہ سیاست لاہور" جو اس زمانہ میں ملک کا ایک وسیع اردو روزنامہ تھا، وہ اس "متحدہ محاذ" کا گویا خاص آرگن تھا ——— اس کے بالمقابل مولانا ظفر علی خاں مرحوم کا روزنامہ "زمیندار لاہور" ابن سعود کی حکومت کا اور "وہابیوں" کا پورا وکیل اور حامی تھا۔

اسی زمانہ میں ابن سعود کی حکومت اور "وہابیوں" کے خلاف جنگ کرنے والے اس "متحدہ محاذ" کی طرف سے زور شور کے ساتھ ملک گیر پیمانے پر یہ تحریک شروع ہوئی کہ چونکہ مکہ شریف

اور مدینہ شریف پر نجدی وہابیوں کا قبضہ ہو گیا ہے اور وہ دنیا بھر کے کافروں سے بدتر قسم کے کافر ہیں اور (معاذ اللہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اہل بیت اور اولیاء کرام کے دشمن ہیں۔ اس لیے جب تک ان کا قبضہ ہے کوئی مسلمان حج کو نہ جائے [1]

اس سلسلہ میں "نجدی وہابیوں" کے خلاف "الشہاب الثاقب" کی وہ عبارتیں بھی پیش کی جاتی تھیں جن کا اوپر ذکر کیا جا چکا ہے ـــــ اس طرح مسلمانوں کو حج سے روکنے کے لیے حضرت مولانا حسین احمدؒ کی عبارتیں اور ان کا نام بھی استعمال ہو رہا تھا ـــــ اُس وقت لوگوں نے اِس بارے میں مولانا سے سوالات کیے تو آپ نے اس مسئلہ پر از سرِ نو غور اور مطالعہ کرنے کی ضرورت محسوس کی اور اس کے بعد آپ نے مندرجہ ذیل اخباری بیان دیا۔

یہ بیان روزنامہ "زمیندار لاہور" کی ۱۰ مئی ۱۹۲۵ء کی اشاعت میں شائع ہوا تھا، اور اُسی کے حوالہ سے مولوی حافظ عزیز الدین مرادآبادی مرحوم نے اپنی کتاب "اکمل البیان" میں نقل کیا تھا ـــــ یہ "اکمل البیان" اب سے تقریباً نصف صدی پہلے، بریلوی مسلک کے مشہور عالم مولوی نعیم الدین صاحب مرادآبادی کی "اطیب البیان فی رد تقویۃ الایمان" کے جواب میں لکھی گئی تھی، یہ پہلے کئی سال تک ہفتہ وار "اہلحدیث امرتسر" میں قسط وار شائع ہوئی تھی۔ اس کے بعد کتابی شکل میں چھپی تھی (جیسا کہ اس سلسلہ کی گزشتہ قسط میں ذکر کیا جا چکا ہے) اِسی "اکمل البیان" سے نقل کر کے اس بیان کا متن حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کے شاگرد اور مسترشد ہماری جماعت کے مشہور درویش عالم جناب مولانا سید شاہ صبغۃ اللہ بختیاری (استاذ حدیث "باقیات الصالحات" ویلور۔ مدراس) نے بھیجا ہے۔ وہ بلفظہ درج ذیل ہے۔

---

[1] راقم سطور کے ایک چچا مولوی حکیم محمد ایوب صاحب مرحوم بڑے ذہین اور ظریف تھے، وہ اہل بدعت اور شیعوں کے اس متحدہ محاذ کی مسلمانوں کو حج سے روکنے کی اس تحریک پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا کرتے تھے کہ کوئی صاحب تھے، رمضان کی ایک رات میں ان کا وہ دودھ جو سحری میں ان کو استعمال کرنا تھا بلی پی گئی، تو ان صاحب نے غصہ میں روزہ نہیں رکھا۔ اور اللہ میاں سے فرمایا "کہ جس بلی کو دودھ پلایا ہے اسی سے روزہ رکھوائیے!" تو یہ متحدہ محاذ" اسی طرح اللہ میاں سے احتجاج کر رہا ہے اور کہہ رہا ہے کہ جن وہابیوں کو آپ نے مکہ مدینہ کی حکومت دیدی ہے بس اب انہی سے حج کرائیے!!

حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کے بیان کا متن

"مجھکو اس امر کے اعلان کرنے میں ذرہ پس و پیش نہیں کہ میری وہ تحقیق جس کو میں مخلاف اہل نجد رجوم المذنبین اور الشہاب الثاقب میں لکھ چکا ہوں اُس کی بنا اُن کی کسی تالیف پر نہ تھی بلکہ محض افواہوں یا اُن کے مخالفین کے اقوال پر تھی، اب ان کی معتبر تالیف بتا رہی ہے کہ ان کا خلاف اہل سنت والجماعت سے اس قدر نہیں جیسا کہ ان کی نسبت مشہور کیا گیا ہے، بلکہ چند جزوی امور میں صرف اس درجہ تک ہے کہ جس کی وجہ سے اُن کی تکفیر، تفسیق یا تضلیل نہیں کی جا سکتی۔ واللہ اعلم

اکمل البیان ص۹ (بحوالہ روزنامہ زمیندار لاہور مورخہ ۱۷ مئی ۱۹۲۵ء)

راقم سطور عرض کرتا ہے کہ حضرت مولانا حسین احمدؒ نے "الشہاب الثاقب" میں شیخ محمد بن عبدالوہاب کے بارہ میں جو لکھا تھا خود اس میں بھی اس کا قرینہ بلکہ دلیل موجود ہے کہ اس کی بنیاد ذاتی تحقیق اور مطالعہ پر نہیں تھی ——— مولانا نے اس میں لکھا ہے کہ ——— "محمد بن عبدالوہاب نجدی ابتدا تیرھویں صدی میں نجد، عرب سے ظاہر ہوا" (الشہاب الثاقب ص۴۶)

حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ وہ ۱۱۱۵ھ میں پیدا ہوئے، اور جب اُن کی عمر صرف ۴۰ سال کے قریب تھی اُسی زمانہ میں انھوں نے اپنے وطن عیینہ اور اس کے آس پاس میں قبر پرستی وغیرہ کے خلاف زبانی جہاد شروع کر دیا تھا، اس کے بعد وہ اس میدان میں برابر آگے ہی بڑھتے رہے اور علاقہ نجد کے مختلف شہروں میں اُن کے ماننے والوں اور قبر پرستی وغیرہ کے خلاف اُن کے جہاد میں جان و مال سے ان کا ساتھ دینے والوں کی تعداد بڑھتی گئی، یہاں تک ۱۱۵۷ھ میں درعیہ کے حکمراں محمد بن سعود نے ان کو اپنا دینی رہنما تسلیم کر کے اور گویا بیعت کر کے اپنی ریاست کے سارے وسائل ان کی دینی دعوت اور جد وجہد کے لیے وقف کر دیے اور بارھویں صدی ختم ہونے سے پہلے نجد کا پورا علاقہ اور اس کے آس پاس کے بہت سے علاقے اُن کی دعوت و جد وجہد کا میدان بن گئے اور درعیہ کی سعودی حکومت کا دائرہ بہت وسیع ہو گیا اور وہ ایک چھوٹی اور معمولی سی ریاست سے ترقی کر کے ایک طاقتور حکومت بن گئی ———

اور اس سب کے بعد تیرھویں صدی شروع ہونے پر ۹۰ سال سے زیادہ عمر پا کر ۱۲۰۶ھ میں شیخ محمد بن عبدالوہاب

کی وفات ہو گئی، ــــ اس تفصیل سے معلوم ہو جاتا ہے کہ حضرت مولانا حسین احمدؒ نے شیخ محمد بن عبد الوہاب کے متعلق ۱۳۲۹ھ میں "الشہاب الثاقب" میں جو یہ لکھا تھا کہ ــــ "اُن کا ظہور نجد عرب سے ابتداء تیرھویں صدی میں ہوا" یہ تحقیق واقفیت اور مطالعہ کی بنیاد پر نہیں لکھا تھا ــــ الغرض یہ بھی اس بات کا واضح قرینہ ہے کہ واقعہ وہی ہے جو حضرت مولانا نے ۱۹۲۵ء کے مندرجہ بالا اخباری بیان میں بتلایا ہے کہ انھوں نے "الشہاب الثاقب" میں شیخ عبد الوہاب نجدی اور اُن کی جماعت کے بارہ میں جو لکھا تھا وہ اُن کی تصانیف کے مطالعہ اور اپنی ذاتی تحقیق کی بنیاد پر نہیں، بلکہ اُن کے مخالفین کی کتابوں کے مطالعہ اور عام شہرت کی بنیاد پر لکھا تھا ــــ

علامہ شامی کا معاملہ

اسی طرح علامہ ابن عابد شامی کی اُس عبارت میں جس کا ذکر اس سلسلہ کی پہلی قسط میں "التصدیقات" کے اقتباس کے ضمن میں کیا جا چکا ہے جس میں علامہ ممدوح نے "وہابیوں" کو ایک طرح کا "خارجی" قرار دیا ہے اور لکھا ہے کہ وہ اپنے سوا سب مسلمانوں کو کافر اور مباح الدم سمجھتے ہیں ــــ تو علامہ کی اس عبارت ہی میں اس کا بہت واضح قرینہ موجود ہے کہ انھوں نے جو کچھ اُن کے بارہ میں لکھا ہے وہ تحقیق و واقفیت کی بنیاد پر نہیں بلکہ حضرت مولانا حسین احمدؒ ہی کی طرح افواہوں ہی سے متاثر ہو کر لکھا ہے ــــ ملاحظہ ہو "رد المحتار" میں اُن کی عبارت یہ ہے۔

"کما وقع فی زماننا فی اتباع عبد الوہاب الذین خرجوا من نجد وتغلبوا علی الحرمین وکانوا ینتحلون مذہب الحنابلۃ لکنہم اعتقدوا انہم ہم المسلمون الخ

(رد المحتار ص ۳۰۹ ج ۳)

اس عبارت سے ظاہر ہے کہ علامہ شامی کو یہ بھی صحیح طور پر معلوم نہیں ہے کہ نجد کی اس وہابی تحریک کا قائد یا داعی کون تھا وہ "وہابیوں" کو "عبد الوہاب" کے "اتباع" اور پیرو کار لکھ رہے ہیں اور عوام میں یہی مشہور تھا ــــ (بلکہ ہمارے ہاں کے عام قبوری مبتدعین اب تک یہی جانتے ہیں اور "عبد الوہاب نجدی" ہی کو وہابیت کا بانی یا موجد سمجھتے ہوئے انھی کو گالیاں دیتے ہیں۔ حالانکہ یہ ایک مسلم و معلوم تاریخی حقیقت ہے کہ صاحبِ دعوت اور قائد تحریک شیخ عبد الوہاب

نجدی کے بیٹے شیخ محمد تھے۔ اُن کے والد شیخ عبدالوہاب جو اُس علاقہ کے بڑے عالم اور عیینہ اور حریملا کے قاضی تھے اپنے سکون پسند مزاج کی وجہ سے اُن کی داعیانہ سرگرمیوں اور ہنگامہ خیز جد وجہد سے الگ رہے ــــــ بلکہ وہابیوں کے سخت مخالفین شیخ دحلان وغیرہ نے تو لکھا ہے کہ وہ اپنے بیٹے محمد کی اس دعوت وتحریک کے سخت خلاف تھے (ملاحظہ ہو خلاصۃ الکلام ۲۲۹)

الغرض علامہ ابن عابدین شامی کا "وہابیوں کو "اتباع عبدالوہاب" لکھنا اِس بات کی صریح دلیل ہے کہ انھوں نے جو کچھ لکھا ہے وہ کسی تحقیقی واقفیت کی بنیاد پر نہیں لکھا بلکہ وہ بھی اس زمانہ کے بہت سے دوسرے مصنفین کی طرح عام شہرت سے غلط فہمی میں مبتلا ہوئے اور وہابیوں کے بارہ میں اپنے سوا سب مسلمانوں کو کافر مشرک اور مباح الدم سمجھنے والی وہی بات لکھی جس کی خود شیخ محمد بن عبدالوہاب اور ان کے بعد ان کے جانشینوں اور تحریک کے علمبرداروں نے اپنی کتابوں میں مسلسل تردید کی ہے (جیسا کہ اس سلسلہ کی دوسری قسط میں اُن کی کتابوں سے نقل کیا جا چکا ہے)۔

یقین ہے کہ اگر علامہ شامی کو اپنی زندگی میں "وہابیوں" کی دینی دعوت وتحریک اور اُن کے مسلک کے بارہ میں صحیح معلومات حاصل ہو جاتیں جس طرح حضرت مولانا حسین احمدؒ کو ۱۹۲۵ء میں ان کی کتابوں کے مطالعہ سے اور قریباً اسی زمانہ میں حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ کو مدینہ طیبہ کے زمانہ قیام میں اُن کے اکابر علماء ومشائخ قاضی عبداللہ بن بلیہد وغیرہ کی ملاقاتوں اور ذاتی واقفیت سے حاصل ہوئے (جس کے بعد آپ نے "التصدیقات" میں ظاہر کی ہوئی اپنی رائے کے خلاف رائے ظاہر کی جو مولانا ظفر علی خاں کے نام لکھے ہوئے اُس خط سے ناظرین کرام کو معلوم ہو چکی ہے جو اس سلسلہ کی پہلی قسط میں نقل کیا جا چکا ہے) تو یقیناً علامہ شامی بھی اسی طرح اُس رائے سے رجوع فرما لیتے جو انھوں نے "رد المحتار" کی مندرجہ بالا عبارت میں غلط معلومات کی بنا پر ظاہر فرمائی تھی۔

حضرت سہارنپوریؒ کا ایک اور مکتوب

حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ کے مکتوب بنام مولانا ظفر علی خاں مرحوم کے علاوہ (جس کا ذکر ابھی کیا گیا ہے) اسی موضوع اور اسی مسئلہ سے متعلق اُسی زمانہ کا لکھا ہوا حضرت ممدوح کا ایک اور نہایت اہم مکتوب بعد میں دریافت ہوا جو حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت مولانا گنگوہیؒ کے نواسے

حضرت حافظ محمد یعقوب صاحب کو ان کے ایک خط کے جواب میں ربیع الثانی ۱۳۴۵ھ میں مدینہ طیبہ سے لکھا تھا (اور وہ "ماہنامہ النور تھانہ بھون" کے رجب ۱۳۴۵ھ کے شمارہ میں شایع بھی ہو گیا تھا) ——

یہ وہی زمانہ تھا جب ہندوستان میں اہل بدعت اور شیعوں کے "متحدہ محاذ" کی طرف سے ابن سعود کی وہابی حکومت اور وہابیوں کے خلاف پروپیگنڈے کا طوفان برپا تھا اور لوگوں کو حج سے روکا جا رہا تھا۔

اسی فضا اور اسی ماحول میں حضرت حافظ محمد یعقوب گنگوہیؒ نے حضرت سہارنپوریؒ کو مدینہ طیبہ خط لکھ کر "ابن سعود کی وہابی حکومت" کے بارہ میں دریافت کیا تھا —— حضرتؒ نے اس کے جواب میں جو مکتوب ارسال فرمایا۔ اس کا جو حصہ سوال سے متعلق ہے وہ بلفظہٖ درج ذیل ہے، تحریر فرماتے ہیں۔

"میرے خیال میں یہ حکومت نہایت اس زمانہ کے اعتبار سے دیندار واقع ہوئی ہے اور نیک نیتی کے ساتھ کام کر رہی ہے جس قدر بڑے بڑے کام ہوئے ہیں کوئی بھی میرے نزدیک ایسا نہیں جس میں دین کا پہلو نہ ہو اور بعضے امور صغار جس میں کچھ فروگذاشت ہو رہی ہے جہاں تک میں غور کرتا ہوں اسکی وجہ یہ ہے کہ حکومت کے پاس لائق منتظم دیندار آدمی نہیں، اس وجہ سے بعض انتظامات میں کوتاہی ہو رہی ہے اپنی ذات سے سلطان ابن سعود نہایت دیندار حلیم متحمل مزاج واقع ہوا ہے مگر ایک آدمی تنہا بدون اس کے باتھ بیر نہ ہوں کیا کر سکتا ہے امن کی حالت تو یہ ہے کہ ایک ایک دو دو اونٹ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ اور ینبوع اور جدہ کے درمیان آ جا رہے ہیں کسی کو کوئی شکایت پیدا نہیں ہوئی۔ جہاں تک شکایت کا خیال کیا جا رہا ہے اس کا مبنیٰ قُبّہ شکنی ہے جس کو جہال نے روافض کے ساتھ مل کر اپنا دین و ایمان قرار دے رکھا ہے۔ میرے نزدیک اُن کا انہدام یقیناً واجب ہے اور حکومت نے بھی علماء مدینہ سے استفتاء کر کے جب یہاں کے علماء نے جواز کا فتویٰ دیدیا ہے اس وقت انہدام کی جرأت کی ہے۔ مولوی...... صاحب نے جو آپ کو یہ لکھا کہ حکومت سے جو توقعات تھیں ویسی نہ نکلی معلوم نہیں کہ ان کے کانوں میں کیا باتیں پہونچائی

ــــــــــــــــــــ

۱ حضرت سہارنپوریؒ کا یہ مکتوب بھی "خطوط اکابر" کے مرتب و ناشر شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا دامت برکاتہم کے نواسے عزیز مکرم مولوی محمد شاہد صاحب مظاہری سہارنپوری کی تلاش و محنت سے دریافت ہوا ہے، اور راقم سطور کو اس کی نقل انہی سے دستیاب ہوئی ہے —— جزاہم اللہ تعالیٰ نعمانی عفی لہ

گئیں۔ میری طرف سے مولوی صاحب کو لکھ دیجیو...... کہ میرا جو وہاں خیال تھا اور وہ یہاں پہونچکر اور حالات دیکھ کر میں کچھ زیادہ احسان کی نظر سے حکومت کے رنگ ڈھنگ دیکھ رہا ہوں۔ فقط

خلیل احمد از مدینہ طیبہ ۱۲ ربیع الثانی ۱۳۴۵ھ

ماخوذ از ماہنامہ النور تھانہ بھون

ماہ رجب المرجب ۱۳۴۵ھ ص ۲۳

واقعہ یہ ہے کہ شیخ محمد بن عبدالوہاب اور اُن کی دعوت کو سمجھنے کے لیے خود اُن کی اور اُن کے جانشینوں اور ان کی جماعت کے علماء کی بے شمار کتابوں کے علاوہ ایک بڑی جلی کتاب "سعودی حکومت" بھی ہے جو اب سے قریباً ڈھائی سو برس پہلے اُن کی دینی رہنمائی میں درعیہ (نجد) میں قائم ہوئی تھی اور جس نے کلمہ "لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ" کو اپنے دین و ایمان کے علاوہ اپنی "حکومت" کی بھی بنیاد قرار دیا تھا ـــــ وہی اس حکومت کا شعار اور وہی نشان اور جھنڈا تھا۔ اور اب بھی ہے ـــــ آج بھی جبکہ بیسویں صدی عیسوی کا آخری رُبع شروع ہو چکا ہے جہاں تک اپنا علم ہے روئے زمین پر یہی ایک حکومت ہے جس میں صرف قرآن و حدیث کی فرمانروائی ہے۔ شریعت اسلامی ہی سرکاری قانون ہے۔ چور کا ہاتھ کاٹا جاتا ہے، غیر شادی شدہ زانی کو قرآن مجید کے حکم کے مطابق دُرّے لگائے جاتے ہیں۔ اگر شادی شدہ آدمی زنا کا مرتکب ہو تو شرعی معیار کے مطابق جرم ثابت ہو جانے کی صورت میں سنگسار کیا جاتا ہے۔ ابھی حال کا یہ واقعہ یہاں کے اخبارات میں بھی آچکا ہے کہ شاہی خاندان سے تعلق رکھنے والی ایک عورت جدہ میں اس گناہ کی مرتکب ہوئی، تو قاضی شریعت کے حکم سے وہ اور اس کا مرد دونوں قتل کیے گئے ـــــ ہر جاننے والے کو یہ بھی معلوم ہے کہ اس حکومت کے فرمانروا بادشاہ بھی الحمد للہ ابھی تک صوم و صلوٰۃ وغیرہ فرائض دینی کے پابند ہیں ـــــ بلاشبہ یہ سب صدقہ ہے شیخ محمد بن عبدالوہاب کی دینی دعوت اور جد و جہد کا۔

شیخ محمد بن عبدالوہاب کے سلسلہ میں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ عالم اسلام میں ایسے خاندان شاذ و نادر ہوں گے جن میں ان آخری صدیوں میں بھی علم دین اور دینی زندگی اور دین کی خدمت ایسے تسلسل سے رہی ہو جیسے تسلسل سے شیخ کے خاندان میں رہی ہے۔ بارھویں صدی کے وسط سے

ابتک ڈھائی سو برس ہو چکے ہیں۔ شیخ کی نسل میں مسلسل علماء، فضلاء اور صلحاء ہوتے رہے ہیں جیسا کہ ان حضرات کی تصانیف اور تاریخ سے ظاہر ہے ۔۔۔ بلاشبہ یہ اللہ تعالیٰ کا خاص الخاص فضل ہے۔

راقم سطور اُس بے انتہا افسوسناک تغیر اور دینی و اخلاقی انحطاط و فساد سے ناواقف نہیں ہے جو دولت کی فراوانی اور یورپ و امریکہ میں تعلیم پانے والے نوجوانوں کے ساتھ آنے والے زہریلے جراثیم اور ایمان کش ہواؤں کے نتیجہ میں اب اس "نجدی وہابی" جماعت میں پیدا ہو گیا ہے اور پورے معاشرے اور نظام حکومت پر بھی اس کے اثرات پڑ رہے ہیں ۔۔۔ لیکن میں نے اس جماعت کے اکابر علماء و مشائخ کو اس تغیر و فساد پر روتے ہوئے دیکھا ہے ۔۔۔ جس طرح خود اپنے اکابر و اساتذہ و مشائخ کو اپنے حلقہ کے انحطاط و فساد پر روتا دیکھا ہے۔

جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کے ایک متعلم کے استفسار کے جواب میں اس موضوع پر جو لکھنے کا ارادہ کیا تھا، الحمد للہ وہ سب کا سب پورا آگیا ۔۔۔ میں نے شروع ہی میں عرض کیا تھا کہ شیخ محمد بن عبدالوہاب اور اُن کی جماعت کے بارہ میں ہمارے شیخ المشائخ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے اپنے فتوے میں (جو پہلی قسط میں نقل کیا جا چکا ہے) جو کچھ تحریر فرمایا ہے وہ صحیح متوازن اور واقع کے بالکل مطابق ہے ۔۔۔ اس فتوے کے آخر میں یہ بھی تھا کہ ۔۔۔ "ان کے لوگوں میں جو حد سے بڑھ گئے اُن میں فساد آگیا"

اس سلسلہ میں اس سے زیادہ کچھ عرض کرنے کی ضرورت نہیں کہ شیخ عبداللہ بن محمد عبدالوہاب کے جس رسالہ سے دوسری قسط میں طویل اقتباسات نقل کیے گئے ہیں اس میں شیخ موصوف نے خود اس کا اعتراف کیا ہے کہ اُن کے لشکر کے لوگوں نے طائف میں کتابیں جلائیں۔ اور اس بارہ میں معذرت کی ہے کہ یہ ان کی جہالت تھی اور لکھا ہے کہ اُن کو سخت تنبیہ کی گئی ۔۔۔ الہدیۃ السنیہ صہ۴۰

اسی طرح قاضی شوکانیؒ نے جو شیخ محمد بن عبدالوہاب کے قریباً ہم مسلک ہیں اور مداح ہیں اپنی کتاب "البدر الطالع" میں نقل کیا ہے کہ ہمارے علاقہ یمن کے حجاج کا ایک قافلہ حج کو گیا ہوا تھا اس کو "وہابی جماعت" کی ایک ٹولی ملی تو اس نے اس یمنی قافلہ کو "کفار" کہہ کے مخاطب کیا (خاطبوہ

...... یا ذہم کفار" (البدر الطالع صہ۲۷)

اور شیخ محمد بن عبدالوہاب کی سوانح میں بھی کھلے لفظوں میں اس کا اعتراف کیا گیا ہے کہ اُن کے متبعین میں کچھ لوگ بہت غالی بھی تھے وہ حدود سے تجاوز کرتے تھے۔ (دیکھیے "محمد بن عبدالوہاب" لاحمد عبدالغفور عطار صہ۱۲۳، ۱۶۵، ۱۶۵)

اور غالباً جماعت کے اس غالی عنصر ہی کی وجہ سے جماعت زیادہ بدنام ہوئی اور اچھے اچھے لوگوں نے یہ بات لکھی ہے کہ شیخ محمد بن عبدالوہاب اور ان کی جماعت والے، اپنے سوا سب مسلمانوں کو کافر مشرک اور مباح الدم سمجھتے ہیں۔ حالانکہ خود شیخ اور اُن کے جانشینوں کی کتابوں میں بڑی صراحت کے ساتھ اس کی تردید کی گئی ہے اور تکفیر اور قتال کے بارہ میں دلائل اور پوری وضاحت کے ساتھ اپنا موقف بیان کیا ہے۔ جس سے دلیل کے ساتھ اختلاف تو کیا جا سکتا ہے، لیکن اُن کے بارہ میں جو مشہور کیا گیا ہے وہ یقیناً غلط اور بہتان ہے۔

سلسلۂ ولی اللّٰہی کے ہمارے اکابر و مشائخ اور شیخ محمد بن عبدالوہاب کی جماعت کے دینی فکر اور مسلک و مشرب میں ایک خاص فرق "تصوف" اور "صوفیہ" کے بارہ میں ہے اس موضوع پر انشاء اللہ آئندہ کسی وقت مستقلاً لکھا جائے گا۔ واللہ الموفق

وآخر دعوانا أن الحمد للہ رب العالمین وصلی اللہ علیہ وسلم علی سیدنا محمد وآلہ وصحبہ اجمعین والتابعین لھم باحسان الی یوم الدین۔

نوٹ: اس مضمون میں حضرت شیخ الہندؒ اور حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کی گرفتاری اور جزیرۂ مالٹا میں نظر بندی وغیرہ کے بارہ میں جو کچھ لکھا گیا ہے وہ حافظہ ہی سے لکھا گیا ہے ممکن ہے سنین وغیرہ میں کوئی غلطی ہو گئی ہو اس کو راقم

الفرقان کی ملکیت و دیگر تفصیلات کے متعلق اعلان

(مطابق فارم ۴ دیکھیے قاعدہ ۸)

مقام اشاعت ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ لکھنؤ

وقفۂ اشاعت ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ماہانہ

ایڈیٹر، پرنٹر، پبلشر اور پروپرائٹر کا نام محمد منظور نعمانی

قومیت ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ہندوستانی

پتہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۳۱- نیا گاؤں مغربی۔ لکھنؤ ۱

میں محمد منظور نعمانی اعلان کرتا ہوں کہ مندرجہ بالا تفصیلات میرے علم و یقین میں بالکل صحیح ہیں۔

یکم مارچ ۱۹۷۰ء (دستخط) محمد منظور نعمانی

مولانا سید جلال الدین عمری

والدین کی اخلاقی ذمّہ داریاں کتاب و سنت کی روشنی میں

(۲)

اچھا نام رکھنا نام انسان کے تعارف کا ذریعہ ہے۔ اسی سے وہ پہچانا جاتا ہے۔ اچھے نام سے اچھا تعارف ہوتا ہے اور برا نام برا تعارف کراتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ قیامت میں تمھیں فلاں بن فلاں کہہ کر پکارا جائے گا، اس لیے پسندیدہ اور اچھا نام رکھو۔ چنانچہ حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا۔

انکم تدعون یوم القیامۃ باسمائکم واسماء اٰبائکم فاحسنوا اسماءکم[1]

قیامت کے روز تمھیں تمھارے ناموں سے اور تمھارے باپوں کے ناموں سے بلایا جائے گا لہٰذا اپنے (اور اپنی اولاد وغیرہ کے) اچھے نام رکھو

مطلب یہ کہ جس طرح اس دنیا میں انسان اپنے چھوٹے سے حلقہ میں اس بات سے پہچانا جاتا ہے کہ وہ کون ہے اور کس کی اولاد ہے، کل قیامت کے روز بھی جب کہ سارے جہاں کے انسان جمع ہوں گے، اسے اس کے اور اس کے باپ کے نام سے بلایا جائے گا، اس لیے آدمی کا نام اچھا ہونا چاہیے، تاکہ ایسا نہ ہو کہ ساری مخلوق کے سامنے اسے بُرے یا بے ڈھنگے نام سے یاد کیا جائے۔

ماں باپ کی یہ ذمہ داری ہے کہ بچہ کا اچھے سے اچھا نام رکھیں۔ بیہقی کی روایت ہے حضرت عبد اللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا کہ ہمیں باپ کے

---

[1] ابو داؤد، کتاب الادب، باب فی تغییر الاسماء

ق کا تو علم ہے لیکن یہ نہیں معلوم کہ بچہ کا حق کیا ہے؟ آپ نے فرمایا

ان یحسن اسمہ و یحسن ادبہ[1] — وہ اس کا اچھا نام رکھے اور اچھا ادب سکھائے

نام کب رکھا جائے؟

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ بچہ کا نام پیدائش کے ساتویں دن رکھنا چاہیے۔ عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا عبداللہ بن عمروؓ سے روایت کرتے ہیں۔

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم امر بتسمیۃ المولود یوم سابعہ ووضع الاذی والعق[2] — نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ ساتویں دن بچہ کا نام رکھا جائے، سر کے بال اتار دیے جائیں اور عقیقہ کیا جائے۔

طبرانی کی روایت ہے۔

اذا کان یوم السابع للمولود فاھریقوا عنہ دما و امیطوا عنہ الاذی وسموہ[3] — جب بچہ کا ساتواں دن ہو تو اس کی طرف سے عقیقہ کرو بال اتارو اور اس کا نام رکھو۔

اس سلسلہ کی بعض اور روایتیں بھی آتی ہیں جن میں سے بعض کا ذکر آگے آئے گا، لیکن تحنیک کے سلسلہ میں جو روایات اس سے پہلے گزر چکی ہیں ان سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ بچہ کے پیدا ہونے کے فوراً بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نام رکھا اور تحنیک فرمائی۔ اس سلسلہ کی ایک خاص روایت صحیح مسلم میں ہے۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے پیدا ہوئے تو آپ نے اطلاع دی کہ رات میرے ایک لڑکا ہوا ہے۔ میں نے اس کا نام اپنے باپ کے نام پر ابراہیم رکھا ہے[4]۔

امام نووی فرماتے ہیں کہ "یہ اس بات کی دلیل ہے کہ بچہ جس دن پیدا ہو اس دن نام رکھنا جائز ہے[5]۔

امام بیہقی فرماتے ہیں کہ "بچہ کے پیدا ہوتے ہی نام رکھنے کے سلسلہ میں جو حدیثیں آتی ہیں وہ

---

[1] اس حدیث کی سند میں ضعف ہے۔ تحفۃ المودود صفحہ ۱۳۴ [2] ترمذی، ابواب الاستیذان، باب ما جاء فی تعجیل اسم المولود [3] قال الحافظ سندہ حسن فتح الباری ۹/۵۰۶

[4] مسلم، کتاب الفضائل، باب رحمۃ الصبیان والعیال الخ [5] شرح مسلم ۲/۲۵۴

ان احادیث کے مقابلہ میں زیادہ صحیح ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ساتویں دن نام رکھنا چاہیئے [۱]

بزار، ابن حبان اور حاکم نے صحیح سند کے ساتھ حضرت عائشہؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ کا ساتویں دن عقیقہ کیا اور نام رکھا۔[۲]

اس حدیث کے بارے میں ایک بات تو یہ کہی جاسکتی ہے کہ حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ کا نام تو پہلے ہی دن رکھا گیا تھا البتہ عقیقہ کے روز اس کا خاص طور پر اعلان ہوا تھا اس سے بعض لوگوں نے یہ سمجھا کہ اسی دن نام رکھا گیا۔ اس سے یہ استدلال بھی کیا جاسکتا ہے کہ جسے عقیقہ کرنا ہو وہ بچہ کا نام ساتویں دن رکھ سکتا ہے۔ مختلف روایات کی بنا پر امام بخاری کی رائے یہی ہے کہ جو شخص عقیقہ کرنا چاہے وہ ساتویں دن نام رکھ سکتا ہے البتہ جو عقیقہ کرنا نہ چاہے اسے تاخیر کی ضرورت نہیں ہے۔ پہلے ہی دن اسے نام رکھ دینا چاہیے[۳]

حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں۔ مختلف روایات کے درمیان یہ اچھی تطبیق ہے۔[۴]

امام ابن قیمؒ فرماتے ہیں۔ "نام کسی بھی چیز کے تعارف کا ذریعہ ہے۔ اس سے وہ پہچانی جاتی ہے۔ انسان جس دن پیدا ہو اسی دن بھی یہ تعارف ہوسکتا ہے۔ اس میں تین دن کی تاخیر بھی ہوسکتی ہے اور عقیقہ کے دن بھی تعارف ہوسکتا ہے۔ اس سے پہلے اور اس کے بعد ہو تو بھی کوئی حرج نہیں ہے شریعت نے اس معاملہ میں گنجائش رکھی ہے"[۵]

کس قسم کے نام رکھے جائیں

نام کی دینی، اخلاقی اور نفسیاتی پہلو سے بڑی اہمیت ہے۔ احادیث میں تفصیل سے بتایا گیا ہے کہ نام رکھنے کے سلسلہ میں کن باتوں کا خیال رکھنا چاہیے، کس قسم کے نام رکھنے چاہییں اور کس قسم کے نام رکھنے سے اجتناب کرنا چاہیے۔ اس موضوع سے متعلق احادیث کا مطالعہ کرنے سے حسب ذیل اصول سامنے آتے ہیں۔

احادیث میں ان ناموں کو پسند کیا گیا ہے جن سے انسان کی عبدیت کا اظہار ہو۔ اس لیے کہ یہی اس کی اصلی اور حقیقی حیثیت ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

---

[۱] فتح الباری ۹/۴۶۶ [۲] حوالہ سابق [۳] چنانچہ امام بخاری نے کتاب العقیقہ میں باب باندھا ہے۔ باب تسمیۃ المولود غداۃ یولد لمن لم یعق عنہ وتحنیکہ [۴] فتح الباری ۹/۴۶۵ [۵] تحفۃ المودود ص ۶۵، ۶۶

انّ احبّ اسمائکم الی اللّٰہ عبد اللّٰہ وعبد الرحمٰن[1]	تمھارے ناموں میں اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ پسندیدہ نام عبداللہ اور عبدالرحمٰن ہیں۔

علامہ قرطبی کہتے ہیں کہ ان ناموں کو سب سے زیادہ پسندیدہ اس لیے کہا گیا ہے کہ ان سے بیک وقت تین باتیں ظاہر ہوتی ہیں۔ ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ معبود اور رحمٰن ہے، دوسری یہ کہ انسان اس کا بندہ ہے اور عبادت اور بندگی اس کا فرض ہے۔ تیسری یہ کہ اللہ تعالیٰ ہی معبود برحق ہے۔ اس کے سوا کوئی دوسرا عبادت کے لائق نہیں ہے۔ عبداللہ اور عبدالرحمٰن ہی کا حکم عبدالرحیم، عبدالملک، عبدالصمد اور ان کے ہم معنی دوسرے ناموں کا ہے۔ اس کی تائید بعض ان روایتوں سے بھی ہوتی ہے جن میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ایسے نام پسند ہیں جن سے انسان کی عبدیت ظاہر ہو ــــ لیکن یہ روایات سند کے لحاظ سے قوی نہیں ہیں۔

بعض لوگوں نے کہا ہے کہ عبداللہ اور عبدالرحمٰن کو دوسرے ناموں کے مقابلہ میں بہرحال ایک خاص فضیلت حاصل ہے۔ وہ یہ کہ قرآن شریف میں عبد کی نسبت اللہ اور رحمٰن کی طرف تو کی گئی ہے۔ دوسرے اسماء حسنیٰ کی طرف نہیں کی گئی ہے۔[2]

آدمی کو جس شخص سے عقیدت اور محبت ہوتی ہے، جس کے افکار و خیالات سے وہ رہنمائی حاصل کرتا ہے اور جسے وہ اپنے لیے اسوہ اور نمونہ تصور کرتا ہے، اس کے نام سے بھی اسے لگاؤ ہوتا ہے۔ وہ اس سے اپنی عقیدت اور محبت کا اظہار جہاں اور طریقوں سے کرتا ہے وہیں اس کے نام پر اپنا اور اپنے بچوں کا نام رکھ کر بھی اپنے تعلق خاطر کو ظاہر کرتا ہے۔ ایک مسلمان کو خدا کے پیغمبروں سے جو محبت ہوتی ہے یا ہو سکتی ہے وہ کسی دوسرے سے نہ ہوئی ہے اور نہ ہو سکتی ہے۔ انہی کا اسوہ اس کے لیے اسوہ ہے اور ان ہی کے نقش قدم پر چل کر وہ فخر محسوس کرتا ہے۔ ان کے نام سے بھی اسے قوت عمل حاصل ہوتی ہے اور ان کی اتباع کا جذبہ اس کے اندر ابھرتا ہے۔ اس لیے پیغمبروں کے نام پر نام رکھنا بھی پسندیدہ ہے۔ ابن ابی شیبہ نے صحیح سند کے ساتھ حضرت سعید بن مسیبؒ سے روایت کی ہے

---

[1] مسلم، کتاب الادب۔ ملا علی قاری کہتے ہیں حدیث کا مطلب یہ ہے کہ تم لوگ جو نام رکھتے ہو ان میں سب سے زیادہ پسندیدہ نام عبداللہ و عبدالرحمٰن ہیں۔ ورنہ ان کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ پیغمبروں کے نام ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم گرامی "محمد" سے افضل کوئی دوسرا نام نہیں ہے۔ مرقاۃ ۱۴

[2] فتح الباری ۱۰/ ۴۴۳

احب الاسماء الی اللہ اسماء الانبیاء[۴] — اللہ کے نزدیک ناموں میں سب سے زیادہ پسندیدہ نبیوں کے نام ہیں

ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی اسرائیل کے بارے میں فرمایا!

انھم کانوا یسمون بانبیاءھم والصالحین قبلھم[۵] — وہ اپنے پیغمبروں کے ناموں پر اور پہلے گزرے ہوئے صالحین کے ناموں پر نام رکھتے تھے۔

امام نوویؒ فرماتے ہیں اس سے بعض لوگوں نے یہ استدلال کیا ہے کہ انبیاء کے نام رکھے جاسکتے ہیں۔ اس کے جواز پر علماء کا اجماع ہے۔ خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صاحبزادے کا نام ابراہیمؑ رکھا اور آپ کے صحابہ میں بہت سوں کے نام پیغمبروں کے نام پر تھے"[۳]

یوسف بن عبداللہ بن سلامؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا نام یوسف رکھا، اپنی گود میں مجھے بٹھایا اور میرے سر پر ہاتھ پھیرا[۴]

حضرت طلحہؓ کے سات لڑکے تھے۔ ان میں سب سے بڑے کا نام محمدؐ تھا۔ انھوں نے حضرت عمرؓ سے بیان کیا کہ یہ نام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رکھا ہے[۵]

ابن ابی خیثمہ کی روایت ہے کہ حضرت طلحہؓ کے دس لڑکے تھے۔ ان میں سے ہر ایک کا نام کسی پیغمبر کے نام پر تھا۔ حضرت زبیرؓ کے دس لڑکے تھے ان میں سے ہر ایک کا نام کسی شہید کے نام پر تھا۔ حضرت طلحہؓ نے حضرت زبیرؓ سے کہا کہ میں نے اپنے بچوں کے نام وہ رکھے ہیں جو پیغمبروں کے نام تھے اور آپ نے شہیدوں کے نام منتخب کیے ہیں، حضرت زبیرؓ نے کہا اپنے اس عمل سے میں چاہتا ہوں کہ میرا ہر بچہ شہادت سے سرفراز ہو لیکن آپ کسی بچہ کے نبی ہونے کی توقع نہیں کرسکتے[۶]

---

[۱] حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ ابن ابی شیبہ نے اس مفہوم کی موصول اور معلق دونوں طرح کی گیارہ حدیثیں روایت کی ہیں۔ فتح الباری: ۱۰/۴۳۹ [۲] مسلم، کتاب الادب۔ [۳] شرح مسلم ۲/۲۰۷

[۴] الادب المفرد مع شرح فضل اللہ الصمد: ۲/۲۹۶

[۵] فتح الباری: ۱۰/۴۳۵۔ مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو۔ الاصابہ فی تمیز الصحابہ ۳/۳۰۶

[۶] تحفۃ المودود باحکام المولود ص ۵۰

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شہداء اور صالحین کے نام رکھنا بھی پسندیدہ ہے۔

جن ناموں سے کوئی دینی پہلو نمایاں ہو وہ بھی پسندیدہ ہیں۔ منذر بن اسیدؓ پیدا ہوئے تو انھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لیجایا گیا۔ آپ نے انھیں گود میں لیا اور نام دریافت فرمایا۔ جب نام بتایا گیا تو آپ نے فرمایا یہ نہیں! اس بچہ کا نام "منذر" (خدا کے عذاب سے ڈرانے والا) ہے۔[۱]

ایسے نام بھی رکھے جا سکتے ہیں جن سے محنت، پیشہ اور واقعیت کا اظہار ہوا اور جن کا معنی و مفہوم دینی لحاظ سے غلط نہ ہو۔ ابو وہب جشمیؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

تسموا باسماء الانبیاء واحب الاسماء الی اللہ عبد اللہ وعبد الرحمن واصدقہا حارث وہمام واقبحہا حرب ومرۃ[۲]

پیغمبروں کے ناموں پر نام رکھو۔ اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ نام عبد اللہ اور عبد الرحمن ہیں اور سب سے زیادہ سچے اور واقعہ کے مطابق نام حارث (محنت کرنے والا) اور ہمام ہے، سب سے برے نام حرب (جنگ) مرۃ (تلخ) ہیں۔

(باقی)

---

[۱] بعض لوگوں نے کہا ہے کہ حضرت اسیدؓ کے چچازاد بھائی منذر بن عمرو، بیرمعونہ کے حادثہ میں شہید ہو گئے تھے ... لیے آپ نے بچہ کا نام تفاؤل کے طور پر منذر رکھا تاکہ ان میں بھی منذر بن عمرو کی خوبیاں اور اسلام کے لیے جان دینے کا جذبہ پیدا ہو (نووی: شرح مسلم ۲/ ۲۰۰) ہو سکتا ہے کہ یہ بات بھی ہو لیکن فی نفسہ اس نام میں بڑی معنویت ہے۔ انذار و تبشیر پیغمبر کا وصف ہے۔ اسی لیے آپ نے اس نام کو پسند فرمایا ہوگا۔ [۲] ابو داؤد، کتاب الادب ... فی تغییر الاسم القبیح

ڈاکٹر مولوی ماجد علی خاں

جامعہ ملیہ دہلی

تصوّف کی حقیقت

(۳)

حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانیؒ کی تجدید تصوف :-

حضرت مجدد الف ثانیؒ کی دعوت تجدید کا بنیادی رکن شریعت کی ترویج تھا۔ آپ نے تصوف کو پوری طرح شریعت کا پابند بنایا۔ ایک مکتوب میں حضرت مجدد تحریر فرماتے ہیں :

"شریعت کے تین جزو ہیں۔ علم، عمل اور اخلاص، ان کا حصول، اللہ کی رضا کا حصول ہے اور یہی رضا دنیا و آخرت کی تمام سعادتوں سے بڑھ کر ہے، کوئی ایسا مطلب نہیں جس کے حاصل کرنے کے لیے شریعت کے سوا کسی اور چیز کی ضرورت پڑے۔ طریقت اور حقیقت شریعت کے تیسرے جزو یعنی اخلاص کے کامل کرنے میں شریعت کے خادم ہیں یعنی ان دونوں کی تکمیل سے مقصود شریعت کی تکمیل ہے۔ کوئی اور امر اس کے علاوہ مطلوب نہیں۔ احوال و مواجید اور علوم و معارف، جو صوفیاء کو اثنائے راہ میں حاصل ہوتے ہیں، اصلی مقصود نہیں ہیں بلکہ "خیالات" ہیں جن سے "اطفال طریقت کی تربیت کی جاتی ہے۔ ان سب سے گزر کر مقام رضا تک پہنچنا ہے جو جذبہ و سلوک کا منتہا ہے" تاکہ اخلاص حاصل ہو جائے۔ اخلاص مقام رضا کا آخری نتیجہ ہے مگر ہزاروں میں سے کوئی کسی ایک کو اس دولت سے مشرف کرتے ہیں۔ بے سمجھ لوگ احوال کو اصل مقصود سمجھ لیتے ہیں اور یوں شریعت کے کمالات سے محروم رہ جاتے ہیں۔"[1]

[1] مکتوبات دفتر اول مکتوب ۳۶ بنام ملا حاجی محمد لاہوری

اس سلسلہ میں حضرت مجدد صاحبؒ کے چند اور مکتوبات کے اقتباسات ذیل میں پیش کیے جاتے ہیں۔ ان سے ہر شخص محسوس کرے گا کہ حضرت مجدد الفؒ ثانی نے طریقت یا اصلاح باطن (یعنی تصوف) کو شریعت کا ایک اہم جزء اور خادم بتایا ہے اور طریقت کو شریعت سے الگ کرنا الحاد اور زندقہ قرار دیا ہے۔

(۱) "اپنے ظاہر کو ظاہر شریعت اور اپنے باطن کو باطن شریعت یعنی حقیقت سے آراستہ پیراستہ رکھیں کیونکہ حقیقت اور طریقت دونوں شریعت ہی کی حقیقت ہیں۔ نہ یہ کہ شریعت اور ہے اور طریقت و حقیقت کچھ اور۔ انھیں علاحدہ علاحدہ کرنا الحاد اور زندقہ ہے"۔[1]

(۲) "آدمی کو تین چیزوں سے چارہ نہیں تاکہ ابدی نجات حاصل ہو۔ علم و عمل و اخلاص۔ علم دو قسم کا ہے ایک وہ علم جس سے مقصود عمل ہے جس کا متکفل علم فقہ ہے۔ دوسرا وہ علم جس سے مقصود صرف اعتقاد اور دل کا یقین ہے۔ جو علم کلام میں مفصل مذکور ہے اور علم کلام وہی مفید اور مقبول ہے جو فرقہ ناجیہ اہل سنت و جماعت کے عقیدے کے موافق ہو۔ نجات ان کے اتباع کے بغیر محال ہے۔ ذرا سی مخالفت بھی بڑے خطرے کی حامل ہے۔ یہ بات کشف صحیح اور الہام صریح سے یقینی طور پر حاصل ہو چکی ہے۔ (انہی کی متابعت سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحابؓ کی بزرگی کا علم حاصل ہوتا ہے اور اہل بیت کی محبت نصیب ہوتی ہے۔)...... غرض علم و عمل دونوں شریعت سے حاصل ہوتے ہیں۔ اور (تیسرے امر) اخلاص کا حاصل ہونا، جو علم و عمل کے لیے روح کی طرح ہے، طریق صوفیہ پر چلنے پر منحصر ہے۔ جب تک سیر الی اللہ نہ قطع کریں اور سیر فی اللہ کے ساتھ متحقق نہ ہو جائیں حقیقتِ اخلاص سے دور اور مخلصوں کے کمالات سے مہجور رہتے ہیں۔ اگرچہ عام مومنین کو بھی اہتمام اور تکلف سے بعض اعمال میں مجمل طور پر اخلاص حاصل ہو جاتا ہے مگر وہ اخلاص جس کا ہم ذکر کر رہے ہیں وہ ہے جو تمام اقوال و افعال اور حرکات و سکنات میں حاصل ہو اور اس میں کسی تکلف اور تصنع کی ضرورت نہ ہو۔ یہ اخلاص نفسی اور آفاقی معبودوں کے فنا پر منحصر ہے۔ جو فنا و بقا

[1] مکتوبات دفتر اول مکتوب ۵۰ بنام شیخ محمد یوسف

اور ولایت خاصہ کے درجہ تک پہنچنے سے وابستہ ہے۔ جو اخلاص تکلف اور اہتمام کا محتاج ہے وہ ہمیشہ نہیں رہتا۔ اخلاص کا دوامی طور پر حاصل ہونا جو مرتبۂ حق الیقین میں ہے اس میں بے تکلف ہونا ضروری ہے[ل۵]

(۳) "شریعت اور حقیقت ایک دوسرے کا عین ہیں، اور حقیقت میں ایک دوسرے سے جدا نہیں ہیں، فرق صرف اجمال و تفصیل، کشف و استدلال، غیبت و حضوری، تعمل و عدم تعمل کا ہے۔ وہ احکام و علوم جو شریعتِ روشن کے موافق ظاہر اور معلوم ہوئے ہیں حق الیقین کی حقیقت ثابت ہونے کے بعد یہی احکام و علوم بعینہ تفصیل کے طور پر منکشف ہو جاتے ہیں۔ اور غیبت سے حضوری (و شہادت) میں آجاتے ہیں اور کسب کا تکلف اور عمل کی بناوٹ درمیان سے اٹھ جاتی ہے۔...... اور مشائخ طریقت میں جس کسی سے علم و عمل میں خلاف شریعت صادر ہوا ہے تو وہ سکر ہے جو اثنائے راہ میں واقع ہوا کرتا ہے۔ نہایت النہایت کے منتہیوں کو سب صحو اور ہوشیاری ہے اور وقت ان کا مغلوب ہے اور حال و مقام ان کے کمال کے تابع ہے۔

صوفی ابن الوقت آمد در مثال لیک صافی فارغ است از وقت و حال

(یعنی صوفی وقت و حال کا پابند ہے لیکن صافی (منتہی) ہر وقت فارغ البال اور مطمئن ہے)......

کسی شخص نے حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہٗ سے سوال کیا کہ سیر و سلوک سے مقصود کیا ہے تو فرمایا کہ معرفت اجمالی تفصیلی ہو جائے اور استدلالی کشفی بن جائے۔....."[۵۲]

(۴) "شریعت کے اعمال اور طریقت و حقیقت کے احوال سے مقصود نفس کا پاک کرنا اور دل کا صاف کرنا ہے۔ جب تک نفس پاک اور دل تندرست نہ ہو جائے ایمان حقیقی جس پر نجات کا مدار ہے حاصل نہیں ہوتا۔ اور دل کی سلامتی دل سے غیر اللہ کے خیال کے مکمل طور پر دور ہو جانے سے ملتی ہے۔ اور اس طرح دل پر غیر کا گزر ہزار سال میں بھی تکلف کے باوجود نہیں ہوتا۔ کیونکہ اس وقت دل کو نسیان ماسوائے پورے طور پر حاصل ہوتا ہے۔ اور اگر تکلف سے بھی اس کو

ل۵ مکتوبات دفتر اول مکتوب ۹۵ بنام سید محمود ۵۲ مکتوبات دفتر اول مکتوب ۴۸ بنام سید احمد قادری

یاد دلائیں تو یاد نہ کرے۔ یہ حالت فنا سے تعبیر کی گئی ہے اور اس راہ میں یہ پہلا قدم ہے وَبِدُوْنِہٖ خَرْطُ الْقَتَادِ (اور اس کے بغیر بے فائدہ تکلیف ہے۔)"[1]

(۵) "طریق صوفیہ کے سلوک سے یہ مقصود ہے کہ احکام فقہیہ کے ادا کرنے میں آسانی ہو جائے۔ اور وہ مشکل دور ہو جائے جو نفس کی ناآمادگی سے پیدا ہوتی ہے۔ اور اس فقیر کا یہ یقین ہے کہ طریق صوفیہ حقیقت میں علوم شرعیہ کا خادم ہے نہ شریعت کے مخالف کوئی اور امر....."[2]

(۶) "جو لوگ شریعت کو پوست خیال کرتے ہیں اور حقیقت کو مغز کہتے ہیں وہ اصل معاملہ سے بے خبر ہیں اور صوفیا کی بے ہودہ باتوں پر مغرور اور مقامات و احوال پر دل لگائے بیٹھے ہیں...... "[3]

(۷) "آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی ملت کو صراط مستقیم کہا اور اس کے ماسوائے کو ٹیڑھے راستوں میں داخل فرمایا اور ان پر چلنے سے منع فرمایا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے خدا کا شکر کرتے ہوئے اور خلق کو ہدایت کا نشان بتلاتے ہوئے فرمایا ہے کہ خَیْرُ الْھُدٰیِ ھَدْیُ مُحَمَّدٍ سب طریقوں سے بہتر ہدایت محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی ہے اور نیز آپؐ نے فرمایا کہ اَدَّبَنِیْ رَبِّیْ فَاَحْسَنَ تَادِیْبِیْ مجھے میرے رب نے ادب سکھایا اور میری تعلیم اور تادیب اچھی طرح کی۔ اور باطن ظاہر کی تکمیل کرنے والا ہے۔ اور بال برابر بھی ایک دوسرے کے ساتھ مخالفت نہیں رکھتے۔ مثلاً زبان سے جھوٹ نہ بولنا شریعت ہے اور دل سے جھوٹ کا خطرہ دور کرنا طریقت، اور حقیقت ہے یعنی اگر یہ نفی تکلف اور بناوٹ سے ہے تو طریقت ہے اور اگر تکلف کے بغیر حاصل ہے تو حقیقت ہے۔ پس حقیقت میں باطن جس کو طریقت اور حقیقت کہتے ہیں ظاہر کو جو شریعت ہے پورا اور کامل کرنے والا ہے۔ پس اگر طریقت و حقیقت کی راہ پر چلنے والوں سے اثنائے راہ میں ایسے امور سرزد ہوں جو بظاہر شریعت کے مخالف ہیں تو وہ سُکرِ وقت اور غلبۂ حال پر مبنی ہیں اور اگر اس مقام سے گزر کر صحو میں آ جائیں

---

[1] مکتوبات دفتر اول مکتوب ۱۰ بنام شیخ کبیر
[2] مکتوبات دفتر اول مکتوب ۲۱۰ بنام ملا شکیبی اصفہانی
[3] مکتوبات دفتر اول مکتوب ۴۰ بنام شیخ محمد خیری

تو وہ مخالفت رفع ہو جاتی ہے اور وہ ایک دوسرے کے مخالف علوم سب کے سب دور ہو جاتے ہیں .... محبوب کے تابع ہونے کی وجہ سے وہ چیز بھی محبوب ہو جاتی ہے۔ یہ اس رمز کا بیان ہے جو اس آیت کریمہ میں ہے فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تابعداری میں کوشش کرنا مقام محبوبیت تک لے جانے والا ہے۔ پس ہر ایک دانا اور عقل مند پر واجب ہے کہ ظاہر و باطن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کمال تابعداری میں کوشش کرے ...."[۱]

(۸) "بعض مشائخ نے سکر کے وقت کہا ہے کہ "ولایت افضل ہے نبوت سے" اور بعض دوسروں نے اس ولایت سے نبی کی ولایت مراد لی ہے تاکہ نبی پر ولی کے افضل ہونے کا وہم دور ہو جائے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ نبی کی نبوت اس کی ولایت سے افضل ہے۔ ولایت میں سینہ کی تنگی کے باعث خلق کی طرف توجہ نہیں کر سکتے (برخلاف اس کے) نبوت میں کمال شرح صدر ہوتا ہے اس لیے نہ تو حق تعالیٰ کی طرف توجہ خلق کی طرف توجہ سے مانع ہوتی ہے اور نہ ہی خلق کی طرف توجہ حق تعالیٰ کی طرف توجہ سے مانع ہوتی ہے۔ نبوت میں صرف خلق کی طرف ہی توجہ نہیں (ہوتی بلکہ حق تعالیٰ کی طرف بھی کامل توجہ ہوتی ہے) پھر کیوں ولایت کو، (جس میں صرف حق کی طرف توجہ ہوتی ہے (اور خلق کی طرف توجہ نہیں ہوتی) اس پر ترجیح دیں۔ نعوذ باللہ

صرف خلق کی طرف توجہ کا ہونا عوام کالانعام کا مرتبہ ہے۔ نبوت کی شان اس سے اعلیٰ و بالا ہے۔ ان مطالب کا سمجھنا ارباب سکر کے لیے دشوار ہے لیکن مستقیم الاحوال بزرگوار اس معرفت سے ممتاز ہیں ع هَنِیْئًا لِاَرْبَابِ النَّعِیْمِ نَعِیْمُهَا"[۲]

(۹) "علماء کے علوم چراغ نبوت سے لیے ہوئے ہیں جن کی وحی قطعی سے تائید کی گئی ہے۔ اور صوفیا کے علوم کا سرچشمہ کشف والہام ہے جو غلطی اور خطا کے امکان سے محفوظ نہیں۔ اور کشف و الہام کی صحت کا معیار اہل سنت کے علوم کے ساتھ ان کا مطابق ہونا ہے اگر سرِ مُو بھی مخالفت ہے تو دائرہ صواب سے باہر ہیں۔ یہ ہی علم صحیح اور حق صریح ہے اور اس کے سوا گمراہی

---

[۱] مکتوبات دفتر اول مکتوب ۴۱ بنام شیخ درویش		[۲] مکتوبات دفتر اول مکتوب ۲۰۰ بنام میاں سید احمد

رزقنا اللہ سبحانہٗ وایاکم الاستقامۃ علیٰ متابعۃ سید المرسلین ظاہراً وّ باطناً عملاً واعتقاداً علیہ وعلیٰ آلہ من الصلوٰت اکملہا ومن التسلیمات افضلہا۔ والسلام علیکم وعلیٰ من اتبع الہدیٰ [1]

(۱) "بزرگی سنت کی تابعداری سے وابستہ ہے۔ (اور تمام فسادوں کی جڑ شریعت کی مخالفت ہے) .... اہل ہنود نے بہت ریاضتیں اور سخت مجاہدے کیے ہیں لیکن شریعت کے موافق نہ ہونے کی وجہ سے سب بے اعتبار اور خوار ہیں۔ اگر ان سخت اعمال پر کچھ اجر ہو بھی تو وہ دنیاوی نفع ہی ہوگا جس کا کیا اعتبار ہے .... شریعت کے تابعداروں کی مثال ایسی ہے کہ وہ قیمتی جواہرات کا کام کرتے ہیں۔ کام تھوڑا اور محنت مزدوری زیادہ ...." [2]

(۲) "........ بندہ کا لایعنی میں مشغول ہونا بندہ کی طرف سے خدا کی روگردانی کی علامت ہے فرض کو چھوڑ کر نفل میں مشغول ہونا لایعنی میں داخل ہے۔ پس اپنے حالات کی تفتیش کرنا ضروری ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ وہ کس چیز میں مشغول ہے نفل میں یا فرض میں۔ ایک نفلی حج کے لیے اتنے ممنوعات کا مرتکب نہ ہونا چاہیے ...." [3]

(۳) "........ اے فرزند! جو بات کل قیامت کے دن کام آئے گی وہ صاحب شریعت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی متابعت ہے۔ احوال و مواجید اور اشارات و رموز اگر اس متابعت کے ساتھ جمع ہو جائیں تو بہتر اور زہے قسمت ورنہ سوائے خرابی اور استدراج کے کچھ نہیں ...." [4]

(۴) "........ وجد و حال کو جب تک شرع کی میزان پر نہ تولیں نیم چیتل (دمڑی) سے بھی نہیں خریدتے۔ اور کشف و الہام کو جب تک کتاب و سنت کی کسوٹی پر نہ پرکھ لیں نیم جو کے برابر بھی نہیں پسند کرتے۔ طریق صوفیہ پر چلنے سے مقصود یہ ہے کہ معتقدات شرعیہ کا جو ایمان کی حقیقت ہیں زیادہ یقین حاصل ہو جائے اور فقہیہ احکام کے ادا کرنے میں آسانی میسر ہو نہ کہ اس کے علاوہ کوئی اور امر۔ کیونکہ رویت کا وعدہ آخرت میں ہے اور دنیا میں ہرگز واقع نہیں ہے۔ وہ مشاہدات اور تجلیات جن کے ساتھ صوفیہ خوش ہیں۔ وہ صرف ظلال سے آرام پانا اور شبہ و مثال سے

[1] مکتوبات دفتر اول مکتوب ۱۱۲ بنام شیخ عبدالجلیل [2] مکتوبات دفتر اول مکتوب ۱۱۴ بنام صوفی قربان
[3] مکتوبات دفتر اول مکتوب ۱۰۲ بنام ملا طاہر بدخشی [4] مکتوبات دفتر اول مکتوب ۱۰۴ بنام تلیبع اللہ۔

تسلی حاصل کرنا ہے۔ حق تعالیٰ وراء الوراء ہے ...." [۱]

(۱۴) "لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ یہ کلمہ طیبہ طریقت و حقیقت و شریعت کا جامع ہے۔ جب تک سالک نفی کے مقام میں ہے طریقت میں ہے اور جب نفی سے پورے طور پر فارغ ہو جاتا ہے اور ہر ماسوا اس کی نظر سے منتفی ہو جاتا ہے تو طریقت کا معاملہ ختم ہو جاتا ہے اور مقام فنا میں پہنچ جاتا ہے .... باقی رہا اس کلمہ مقدسہ کا دوسرا جزو جو حضرت خاتم الرسل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رسالت کو ثابت کرتا ہے۔ یہ دوسرا جزو شریعت کو کامل اور تمام کرنے والا ہے .... شریعت کی اصل حقیقت اس مقام میں حاصل ہوتی ہے جو مرتبہ ولایت کے حاصل ہونے کے بعد حاصل ہوتا ہے اور کمالات نبوت جو کامل تابعداروں کو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی وراثت اور تبعیت کے طور پر حاصل ہوتے ہیں، وہ بھی اس مقام میں حاصل ہوتے ہیں۔ طریقت و حقیقت کمالات نبوت کے حاصل ہونے کے لیے گویا شرائط ہیں۔ ولایت کو طہارت یعنی وضو سمجھنا چاہیے اور شریعت کو نماز کی طرح۔ طریقت میں حقیقی نجاستیں دور ہوتی ہیں اور حقیقت میں حکمی نجاستیں مدفع ہوتی ہیں۔ تاکہ کامل طہارت کے بعد احکام شرعیہ کے بجالانے کے لائق ہو جائیں اور اس نماز کے ادا کرنے کی قابلیت حاصل ہو جائے جو مراتب قرب کی نہایت، اور دین کا ستون اور مومن کی معراج ہے۔" [۲]

(۱۵) "...... جاننا چاہیے کہ "ذکر" سے مراد یہ ہے کہ غفلت دور ہو جائے، خواہ کسی طرح ہو۔ نہ یہ کہ "ذکر" نفی اثبات یا اسم ذات کی تکرار پر ہی منحصر ہے، جیسا کہ گمان کیا جاتا ہے۔ پس اوامر کا بجالانا اور نواہی سے ہٹ جانا "ذکر" ہی میں داخل ہے۔ حدود شرعی کو مدنظر رکھ کر خرید و فروخت کرنا بھی ذکر ہے۔ اسی طرح حدود شرع کی پابندی کے ساتھ نکاح و طلاق بھی ذکر ہے۔ رعایت شرعی کے ساتھ ان امور میں مشغول ہونے کے وقت آمر و ناہی یعنی حق تعالیٰ ان امور کے کرنے والے کی آنکھوں کے سامنے ہوتا ہے۔ پھر غفلت کی کہاں گنجائش ہوتی ہے۔ لیکن وہ "ذکر" جو مذکور کے اسم و صفت کے ساتھ واقع

---

[۱] مکتوبات دفتر اول مکتوب ۳۰۰ بنام مرزا حسام الدین۔ [۲] مکتوبات دفتر دوم مکتوب ۵۴ بنام مولانا حمید الدین بنگالی

جو وہ سریع التاثیر ہوتا ہے اور مذکور کی زیادتِ محبت بخشنے والا اور مذکور تک جلدی پہنچانے والا ہوتا ہے برخلاف اس ذکر کے جو اوامر کے بجالانے اور نواہی سے ہٹ جانے پر واقع ہو ......" ۵

اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت مجدد الف ثانیؒ نے تصوف کے اندر نکھار پیدا کر کے اس کو خالص شرعی بنیادوں پر پیش کیا۔ آپ کی تعلیمات کے اثرات اب بھی باقی ہیں۔

(باقی)

---

۵ دفتر دوم مکتوب ۴۲ بنام مولانا حمید الدین بنگالی

[نوٹ] یہ اقتباسات قاضی عالم الدین صاحب کے ترجمہ مکتوبات امام ربانی (مطبوعہ اللجنۃ العلمیہ) سے لیے گئے ہیں کہیں کہیں لفظی ترمیم بھی کی گئی ہے۔

مولانا نسیم احمد فریدی امروہی

کاروانِ اہلِ فضل و کمال

تلامذہ حضرت شاہ محمد اسحٰق محدث دہلوی مہاجرؒ

(۴)

حضرت مولانا محمد مظفر حسین کاندھلویؒ

صاحب نزہۃ الخواطر نے آپ کے بارے میں جو کچھ تحریر کیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے۔

الشیخ العالم الفقیہ الصالح مظفر حسین بن محمود بخش الحنفی الکاندھلوی۔

آپ تورع، استقامۃ علی الشریعۃ اور اتباع سنت میں اپنے زمانے کے اندر ممتاز تھے آپ مشتبہ لقمہ کبھی نہیں کھاتے تھے۔ اور اگر ناواقفیت کی بناء پر مشتبہ لقمہ کھا لیتے تھے تو معدہ قبول نہیں کرتا تھا۔ ابتداءً آپ نے اپنے عم محترم مفتی الٰہی بخش کاندھلویؒ سے پڑھا اور مدتوں ان کی خدمت میں رہ کر تحصیلِ علم کرتے رہے۔ پھر ان کی وفات کے بعد دہلی کا سفر کیا اور شاہ محمد یعقوب دہلویؒ[1] سے علم حاصل کیا۔ آپ نے حضرت سید احمد شہیدؒ سے بھی ملاقات کی اور ان سے استفادہ کیا۔ آپ نے نکاحِ بیوگان کی اشاعت کے سلسلہ میں بڑی کوشش کی اور اس سلسلہ میں بہت سی مشقتیں جھیلیں۔ آپ نے دو حج کیے[2]۔ پہلا حج کر کے ہندوستان واپس ہو گئے اور دوبارہ سفر حرمین شریفین کیا

---

[1] غالباً شاہ محمد اسحٰق دہلوی کی جگہ سہواً شاہ محمد یعقوبؒ کا نام لکھا گیا ہے۔ دراصل مولانا مظفر حسین کاندھلویؒ، شاہ محمد اسحٰقؒ کے شاگرد تھے۔ ممکن ہے شاہ محمد یعقوب سے بھی کچھ پڑھا ہو۔ البتہ شاہ محمد یعقوب دہلویؒ مولانا مظفر حسین کاندھلویؒ کے شیخ طریقت اور پیر و مرشد تھے۔

[2] مولانا احتشام الحسن صاحب کاندھلوی نے حالات مشائخ کاندھلہ میں لکھا ہے کہ آپ نے چھ حج کیے تھے۔ واللہ اعلم بالصواب

جب دوسرا سفر حج کیا اور مکہ معظمہ پہونچے اس وقت ان کے پیر و مرشد شاہ محمد یعقوب دہلوی مہاجر مکی کا وصال ۱۲۸۲ھ میں ہوا۔ آپ نے ان کی تجہیز و تکفین کی اور نماز جنازہ پڑھی۔ پھر (بعد ادائے حج) مدینہ منورہ کو روانہ ہوئے اور اثناء راہ میں مریض ہو گئے۔ جب مدینہ منورہ پہونچے تو اس دنیائے فانی سے انتقال کر کے آغوشِ رحمت الٰہی میں پہونچ گئے۔ تاریخ انتقال ۱۰ محرم ۱۲۸۳ھ شب پنجشنبہ ہے۔[1]

مولانا احتشام الحسن صاحب کاندھلوی مرحوم نے حالاتِ مشائخ کاندھلہ میں مولانا مظفر حسین کا جو ذکر کیا ہے اس کا خلاصہ حسب ذیل ہے:

آپ ۱۲۲۰ھ میں کاندھلہ ضلع مظفر نگر میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے عم محترم حضرت مولانا مفتی الٰہی بخش کاندھلوی سے حاصل کی۔ بعدہٗ دہلی گئے اور وہاں حضرت شاہ محمد اسحاق دہلوی سے حدیث پڑھی، اور ظاہری و باطنی تعلیم سے فراغت حاصل کی۔

حضرت مولانا مظفر حسین کے یہاں درس و تدریس کا سلسلہ نہ تھا۔ ایک سیدھی سادی زندگی بسر کرتے تھے۔ کبھی کبھی مسجد میں اور کبھی گھر میں وعظ فرماتے تھے۔ انداز بیان سادہ ہوتا تھا مگر قلوب میں اترتا جاتا تھا اور تمام تشکیک و شبہات سے دل کو صاف کر دیتا تھا ——— مجلس وعظ میں ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا رحمت خداوندی بارش کی طرح آسمان سے برس رہی ہے اور پژمردہ قلوب کو سرسبز و شاداب کر رہی ہے۔

آپ ریاضات، مجاہدات اور عبادات و طاعات میں مشغول اور سرگرم رہتے تھے۔ رمضان المبارک میں تمام رات عبادات میں گذارتے اور ایک لمحے کے لیے نہ سوتے تھے اور نہ بستر پر لیٹتے تھے۔ روزِ حشر کے خوف سے ہر وقت آنسو آنکھوں سے جاری رہتے تھے۔ کبھی جلال ایزدی کے خوف سے چہرے کا رنگ زرد ہو جاتا اور کبھی جمال رحمانی کے تصور سے چہرہ گلاب کی طرح سرخ ہو جاتا تھا۔ زہد و تقویٰ خصوصی شعار تھا جو بچپن سے طبیعت میں ودیعت رکھا ہوا تھا۔ کبھی طاعت خداوندی اور اتباع سنت نبوی سے تجاوز نہ کرتے تھے اور اپنے تمام دینی اور دنیوی امور اور ظاہری و باطنی مہمات اور مشکلات کو ہمیشہ قرآن و حدیث کے موافق پورا کرتے تھے اور مخلوق کے حقوق کی ادائیگی

[1] نزہۃ الخواطر جلد ہفتم (مؤلفہ حکیم سید عبد الحی حسنیؒ)

میں ہمیشہ سرگرم رہتے تھے اور سنت نبویہ کے احیاء میں اپنی ساری مساعی اور پوری جد و جہد کو صرف کرتے تھے اور یہ کوشش کرتے تھے کہ کوئی کام اللہ اور رسولؐ کی رضاء کے خلاف سرزد نہ ہو اور کوئی قدم سنت کے خلاف زمین پر نہ رکھتے تھے۔ (ماخوذ از سفینۂ رحمانی)

ایک مرتبہ آپ کے پیر و مرشد حضرت شاہ محمد یعقوبؒ سے کسی آدمی نے سوال کیا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی وضع قطع کیسی تھی؟ شاہ صاحب نے فرمایا ذرا صبر کرو۔ تھوڑی دیر بعد مولانا مظفر حسین آگئے۔ حضرت شاہ محمد یعقوبؒ نے اس سائل کو طلب فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ اصحاب پاکؓ کا نمونہ اس وقت دنیا میں مولوی مظفر حسین موجود ہیں۔ جس شخص کو وضع اور لباس اور صورت و سیرت اصحاب کرامؓ سے اپنی آنکھوں کو منور کرنا منظور ہو وہ مولوی مظفر حسین کو دیکھ لے۔

(منقول از اوراق مولانا محمد سلیمان کاندھلوی)

حالات مشائخ کاندھلہ میں بحوالہ ارواح ثلٰثہ یہ واقعہ بھی درج ہے:-

ایک مرتبہ نواب قطب الدین خاں صاحب نے شاہ محمد اسحٰق صاحب، مولانا (شاہ) محمد یعقوب صاحب، مولوی مظفر حسین صاحب اور چند دوسرے احباب کی دعوت کی۔ شاہ محمد اسحٰق صاحب نے دعوت منظور فرمائی اور مولوی (شاہ) محمد یعقوب صاحب نے بھی، مگر مولوی مظفر حسین صاحب نے منظور نہ فرمائی۔ اس سے نواب قطب الدین خاں کو ملال ہوا اور انھوں نے شاہ محمد اسحاق صاحب سے شکایت کی کہ میں نے مولوی مظفر حسین صاحب کی بھی دعوت کی تھی مگر انھوں نے انکار کر دیا۔ شاہ محمد اسحاق صاحب نے مولوی مظفر حسین صاحب پر عتاب فرمایا اور فرمایا ارے مظفر حسین! کیا نواب قطب الدین کا کھانا حرام ہے؟ انھوں نے فرمایا حاشا وکلاّ مجھے نواب صاحب پر اس قسم کی بدگمانی نہیں ہے۔ شاہ صاحب نے فرمایا پھر تو کیوں انکار کرتا ہے؟ انھوں نے عرض کیا کہ حضرت، نواب صاحب نے آپ کی بھی دعوت کی ہے اور (آپ کے بھائی) مولوی محمد یعقوب صاحب کی بھی اور ان کے علاوہ اتنے اور آدمیوں کی —— اور وہ آپ کو پالکی میں لے جائیں گے۔ اس میں بھی ضرور صرف ہوگا۔ اور نواب صاحب گو بگڑ گئے ہیں مگر پھر نواب زادہ ہیں۔ دعوت میں ضرور نوابانہ تکلف بھی کریں گے، اور یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ نواب صاحب مقروض بھی ہیں —— پس یہ مقروض ہیں اور جتنا روپیہ وہ دعوت میں صرف کریں وہ

ان کی حاجت سے زائد بھی ہے۔ تو یہ روپیہ وہ اپنے قرض میں کیوں نہیں دیتے ؟ ایسی حالت میں ان کا کھانا کراہت سے خالی نہیں۔ یہ بات شاہ صاحب کے ذہن میں بھی آگئی اور شاہ صاحب نے فرمایا میاں قطب الدین! اب ہم بھی تمھارے یہاں کھانا نہ کھائیں گے۔

حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب نے بیان فرمایا کہ مولانا مظفر حسین کہیں تشریف لے جارہے تھے۔ راستہ میں ایک بوڑھا ملا۔ جو بوجھ لیے ہوئے جاتا تھا۔ بوجھ کسی قدر زیادہ تھا اس وجہ سے اس سے مشکل سے چلتا تھا۔ مولانا مظفر حسین صاحب نے جب یہ حال دیکھا تو آپ نے اس سے وہ بوجھ لے لیا اور جہاں وہ لے جانا چاہتا تھا وہاں پہنچا دیا۔ اس بوڑھے نے ان سے پوچھا کہ اجی تم کہاں رہتے ہو؟ انھوں نے کہا میں کاندھلہ رہتا ہوں۔ اس نے کہا وہاں مولوی مظفر حسین صاحب بڑے ولی ہیں اور ان کی بہت تعریف کی۔ مولانا مظفر حسین صاحب نے فرمایا اور تو اس میں کوئی بات نہیں البتہ نماز ضرور پڑھ لیتا ہے۔ اس نے کہا واہ میاں تم ایسے بزرگ کو ایسا کہتے ہو۔ مولانا نے فرمایا میں ٹھیک کہتا ہوں۔ اس پر وہ بوڑھا ان کے سر ہوگیا! اتنے میں ایک اور شخص آگیا۔ جو مولانا مظفر حسین صاحب کو جانتا تھا۔ اس نے اس بوڑھے سے کہا بھلے مانس مولوی مظفر حسین یہی تو ہیں۔ اس پر وہ بوڑھا ان سے لپٹ کر رونے لگا مولانا بھی اس کے ساتھ رونے لگے۔

مولانا مظفر حسین صاحب انتہائی سادہ اور بے تکلف تھے۔ ایک مرتبہ گنگوہ میں حضرت گنگوہیؒ سے ملنے گئے۔ چلتے وقت حضرت گنگوہیؒ نے کہا کھانا تناول فرما لیجیے۔ فرمایا بھائی دور کا سفر ہے میری منزل کھوٹی ہوگی۔ حضرت گنگوہیؒ نے کہا جو کچھ رکھا ہے وہی سہی۔ مولانا راضی ہوگئے اور فرمایا کہ بس وہی لے آنا جو گھر میں موجود ہو۔ گھر میں باسی روٹی اور دال رکھی تھی۔ حضرت گنگوہیؒ وہی ہاتھ پر رکھ کر لے آئے۔ دال بھی روٹی پر رکھی تھی پھر نہیں معلوم مولانا نے کھائی یا ساتھ باندھ لی۔ پھر مولانا مظفر حسین صاحب نے رام پور منہیاران پہونچ کر حضرت حکیم ضیاء الدین صاحب سے فرمایا کہ مولوی رشید احمد صاحب بڑے اچھے آدمی ہیں۔ انھوں نے کہا ہاں حضرت بہت اچھے آدمی ہیں۔ پھر فرمایا اجی بہت ہی اچھے آدمی ہیں۔ انھوں نے عرض کیا کہ ہاں بہت ہی اچھے آدمی ہیں۔ پھر فرمایا اجی تم سمجھے تو ہو نہیں ایسے اچھے ہیں کہ بہت ہی

اچھے ـــــ حکیم صاحب نے عرض کیا کہ حضرت ایسی کیا خاص بات ہوئی؟ فرمایا کیا کہوں انھوں نے تھوڑا سا ناشتہ کرنے کے لیے راستہ میں مجھ سے کہا۔ میں نے کہا جو کچھ گھر میں موجود ہو وہ لے آؤ۔ انھوں نے باسی روٹی اور دال لے کر دیدی۔ سبحان اللہ! کیسے اچھے آدمی ہیں۔

حضرت مولانا مظفر حسین صاحب ایک مرتبہ نانوتہ تشریف لے گئے۔ وہاں اس وقت حضرت مولانا رشید احمد صاحب حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب اور حضرت مولانا محمد قاسم صاحب موجود تھے۔ فرمایا بھائی ایک مسئلہ میں تردد ہے میں نے سنا تھا کہ سب صاحبزادے جمع ہیں۔ اس لیے مسئلہ پوچھنے آیا ہوں۔ وہ مسئلہ یہ ہے کہ چلتی ریل میں نماز پڑھنے میں علماء اختلاف کرتے ہیں بس تم لوگ آپس میں گفتگو کرکے ایک منقح (صاف) بات بتلادو کہ جائز ہے یا نہیں؟ میں دلائل نہیں سنوں گا۔ چنانچہ سب حضرات نے گفتگو کی اور مولانا نے ادھر التفات بھی نہ فرمایا۔ گفتگو کرکے ان حضرات نے عرض کیا کہ حضرت طے ہوگیا جائز ہے۔ فرمایا اچھا تو میں جاتا ہوں۔ ان بزرگوں کو حضرت مولانا مظفر حسین صاحب سے خاص عقیدت و محبت تھی اور سب ان کو اپنا بزرگ سمجھتے تھے ـــــ

حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتوی فرماتے ہیں کہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب ابتداء میں امامت سے بھی گھبراتے تھے اور وعظ کبھی نہ کہتے تھے۔ حضرت مولانا مظفر حسین صاحب نے اول وعظ کہلوایا اور خود بھی بیٹھ کر سنا اور بہت خوش ہوئے۔ پھر تحریر فرمایا ہے حضرت مولانا مظفر حسین صاحب اس آخری زمانے میں قدماء کا نمونہ تھے ـــــ تقویٰ، اللہ اکبر! ایسا تھا اور اس سے وہ نسبت پیدا تھی کہ مشتبہ چیز اگر معدے میں پہونچ گئی تو اسی وقت قے ہو جاتی تھی اور اتباع سنت تو نہ ایسا دیکھا اور نہ ایسا سنا ـــــ سبحان اللہ!

(بحوالہ سوانح قاسمی)

حضرت مولانا مملوک علی صاحب نانوتوی، جو حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب کے والد اور حضرت مولانا رشید احمد صاحب اور حضرت مولانا محمد قاسم صاحب کے استاد تھے دہلی میں سرکاری مدرسہ دار البقاء میں مدرس تھے ـــــ نانوتہ اور دہلی کے درمیان آمد و رفت میں راستہ میں کاندھلہ پڑتا تھا۔ حضرت مولانا مظفر حسین نے ان سے کہہ رکھا تھا کہ کاندھلہ میں مل کر جایا کرو۔

حضرت مولانا مملوک علی صاحب نے کہا تکلف نہ کرنا۔ صرف ملنے کے لیے کچھ دیر ٹھہر جایا کروں گا۔ چنانچہ مولانا مملوک علی صاحب ہمیشہ دہلی آتے اور جاتے جب کاندھلہ سے گذرتے تو باہر سڑک پر گاڑی کو چھوڑ کر ملنے آتے۔ حضرت مولانا مظفر حسین صاحب اوّل یہ پوچھتے کہ کھانا کھا چکے یا کھاؤ گے اگر کہا کھا چکا تو پھر کچھ نہیں،۔ اور اگر نہ کھائے ہوئے ہوتے تھے تو کہہ دیتے کہ میں کھاؤں گا۔ مولانا پوچھتے کہ رکھا ہوا لادوں یا تازہ پکوا دوں۔ چنانچہ ایک مرتبہ یہ فرمایا کہ رکھا ہوا لادو۔ اس دفعہ صرف کھچڑی کی کُھرچن تھی، اسی کو لے آئے اور فرمایا رکھی ہوئی تو یہی تھی۔ انھوں نے کہا بس یہی کافی ہے۔ پھر جب رخصت ہوتے تو مولانا مظفر حسین صاحب ان کو گاڑی تک پہونچانے جاتے تھے۔ یہی ہمیشہ کا معمول تھا۔

حضرت مولانا مظفر حسین صاحب بالکل سادہ وضع قطع رکھتے تھے۔ ایک گاڑھے کا کرتا، ایک پاجامہ، ایک نیلی لنگی ــــــ یہ آپ کا لباس اور کل اثاثہ ہوتا تھا ــــــ میری دادی صاحبہ (مولانا احتشام الحسن کی، یعنی حضرت مولانا کی صاحبزادی فرماتی تھیں کہ ایک بار میں نے موٹی ململ کا کرتا حضرت کے لیے سیا۔ اول تو زیب تن کرنے سے انکار فرمایا۔ پھر میری خوشنودگی کو پہنا۔ مگر جمعہ کی نماز پڑھ کر فوراً اتار دیا اور فرمایا کہ میرا گاڑھے کا کرتا دے دو۔ اس میں عُجب پیدا ہوتا ہے ــــــ

آپ سواری پر کم سوار ہوتے تھے اور اکثر پیدل سفر کرتے تھے۔ سامانِ سفر لوٹا، لنگی اور مشکیزہ ہوتا تھا۔ جہاں شام ہو جاتی وہیں شب بسر فرمایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ شام ایک ایسے گاؤں میں ہوئی جہاں سب ہندو تھے، مسلمان کوئی نہ تھا۔ وہاں والوں سے کہا کہ رات کو رہنے کے لیے کوئی جگہ بتادو، تو ایک شخص نے گاؤں کے باہر کولہو پر بتادیا۔ آپ کے پاس روٹی تھی، اس کو تناول فرمایا اور اسی جگہ قیام کیا۔ اتفاقاً وہی شخص رات کو کسی کام کے لیے جنگل میں آیا تو حضرت کو قرآن پڑھتے سنا۔ تمام رات بیتابی سے گذاری اور صبح کو حاضر خدمت ہو کر عرض کیا کہ رات جو تو پڑھ رہا تھا وہی جلدی سے مجھے بھی پڑھادے۔ اس کے بعد آپ کو اپنے گھر لے گیا، اور اس کے بیوی بچے وغیرہ سب مسلمان ہو گئے ــــــ آپ بہت منکسر المزاج تھے۔ اپنا ہر ایک کام خود کیا کرتے تھے بلکہ دوسروں کے کام بھی کیا کرتے تھے ــــــ عادت شریفہ تھی کہ اشراق کی نماز پڑھ کر مسجد سے نکلا کرتے تھے اور جو جو

گھر اپنے اقارب کے تھے ان میں تشریف لے جاتے اگر کسی کو بازار سے کچھ منگوانا ہوتا تو پوچھ کر وہ لا دیتے تھے۔ پیسہ اس زمانے میں کم تھا۔ جو شے آتی تھی وہ غلہ کی آتی تھی۔ آپ غلہ کبھی کرتے کے پلّے میں لیجاتے اور کبھی لنگی میں ـــــــ

بیوہ کے نکاح کو بہت معیوب سمجھا جاتا تھا۔ آپ کو فکر ہوئی کہ اس رسم کو توڑنا چاہئیے۔ چنانچہ آپ نے اس رسم کو توڑا۔ (اس سلسلہ میں ایک واقعہ بھی لکھا ہے)۔

حضرت مولانا مملوک علی صاحب کے صاحبزادے حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب بیان فرماتے ہیں کہ بیواؤں کے نکاح کی بنا ان اطراف میں اوّلاً حضرت مولانا مظفر حسین صاحب سے ہوئی اور والد صاحب مرحوم نے اس کو نہایت خوبصورتی سے اجراء فرمایا اور ان دونوں بزرگوں کے قدم بقدم حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نے اس کو پورا شائع کیا۔ یہ اجر ان صاحبوں کے نامۂ اعمال میں تا قیامت رہے گا۔

آپ نے چھ حج کیے آخری حج کے متعلق مولانا احتشام الحسن صاحب لکھتے ہیں حضرت شاہ محمد یعقوب صاحب کا خط آیا کہ تم یہاں چلے آؤ۔ اس خط کو مولانا نور الحسن صاحب نے چھپا لیا تھا۔

دادی صاحبہ فرماتی تھیں[1] کہ تیرے دادا نے ایک مرتبہ ململ کا کرتا سلوایا۔ اس میں گریبان میں تکمہ اور گھنڈی کے بجائے سیپ کے بٹن لگوائے جس کو وہ جمعہ کے دن پہنتے تھے اور نماز پڑھتے ہی اتار دیتے تھے کہ کہیں والد صاحب (مولانا مظفر حسین) کی نظر نہ پڑ جائے۔ ایک دفعہ میں اس کو رکھنا بھول گئی اور چارپائی پر پڑا رہا۔ والد صاحب تشریف لائے تو ان کی نظر پڑ گیا۔ بہت غور اور افسوس کے ساتھ اس کو دیکھا اور فرمایا کہ بی اب اس گھر میں فیشن آ گیا۔ ہمارا اب یہاں گذر نہیں ہو سکتا اور حج کا ارادہ فرما لیا۔ تب مولانا نور الحسن صاحب نے حضرت شاہ صاحب کا مکتوب گرامی بھی دکھلا دیا۔ یہ روانگی روز شنبہ ۲۳ر جمادی الثانیہ ۱۲۸۲ھ کو ہوئی۔ روانگی سے قبل اپنے خاندان کی مستورات کو جمع کیا اور فرمایا ـــــــ

ـــــــ تم ان چار کتابوں پر مضبوطی کے ساتھ قائم رہنا۔ اور مولویوں کی انھیں باتوں کو

[1] مولانا احتشام الحسن صاحب کی دادی مولانا ضیاء الحسن ابن مولانا نور الحسن کاندھلوی، مولانا مظفر حسین کاندھلوی کے داماد تھے

ماننا جو ان کے موافق ہوں اور انھیں کتابوں کو قبول کرنا جو ان کے موافق ہوں۔ وہ چار کتابیں یہ ہیں: (۱) تفسیر موضح قرآن تصنیف حضرت شاہ عبد القادر محدث دہلویؒ (۲) مظاہر حق ترجمہ مشکوٰۃ شریف (۳) ترجمہ مشارق الانوار (۴) ترجمہ ہدایہ

یہاں سے روانگی کے بعد ابھی آپ مکہ مکرمہ نہ پہنچے تھے کہ مرض اسہال لاحق ہوگیا۔ مکہ مکرمہ میں آپ نے حضرت حاجی امداد اللہ صاحب سے فرمایا کہ میرا جی چاہتا تھا کہ مدینہ منورہ میں موت آئے۔ مگر بظاہر اب میری موت کا وقت قریب آگیا۔ آپ مراقبہ کیجیے۔ انھوں نے مراقبہ کے بعد فرمایا کہ نہیں آپ مدینہ منورہ پہنچ جائیں گے۔ کچھ روز کے بعد آپ اچھے ہوگئے۔ جب آپ مدینہ منورہ گئے تو ایک منزل باقی تھی کہ آپ پھر بیمار ہوگئے اور ۱۰ محرم ۱۲۸۳ھ مطابق ۲۵ مئی ۱۸۶۶ء بروز جمعہ انتقال فرمایا۔ اور نزدیک قبر حضرت عثمان غنیؓ مدفون ہوئے۔ ۴۲ سال کے قریب عمر ہوئی۔ کرتا، پاجامہ، لنگی، لوٹا، مشکیزہ آپ نے چھوڑا۔ حسب وصیت لوٹا اور مشکیزہ بیت المال میں داخل کر دیا گیا اور لنگی مریدین میں تقسیم کردی گئی اور کرتا و پاجامہ صاحبزادیوں کے پاس بھیج دیا گیا جس میں کرتہ مبارک موجود ہے۔

حضرت مولانا مظفر حسین صاحب نے وہاں پہونچ کر جو خط صاحبزادیوں کے پاس بھیجا وہ میرے (مولانا احتشام الحسن کے) پاس موجود ہے۔ تبرکاً اس کو نقل کیے دیتا ہوں:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العٰلمین والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین۔

امّا بعد ــــــ از اضعف العباد محمد مظفر حسین بہ برخوردار یہا راحت ولی بی امۃ السبحان وامۃ الرحمٰن وامۃ المنّان بعافیت باشند۔ بعد السلام علیکم واشتیاق ملاقات کے معلوم کریں ــــــ میں اس جگہ بخیریت پہونچا اور بخیریت ہوں۔ اور حاجی امداد اللہ صاحب نے واسطے جانے میرے کے ہندوستان کو ہرچند حضرت پیر و مرشد صاحب (شاہ محمد یعقوب صاحب) کو کہا لیکن اجازت نہ پائی۔ اس واسطے میں لاچار ہوں اور تمھارا خیال اکثر رہتا ہے اور تم کو چاہیے کہ تم خدا سے دعا کرو کہ جو میرے حق میں دین اور دنیا میں بہتر ہو وہ ظہور میں لاوے اور تم کو چاہیے کہ اللہ کی رضامندی ہر کام میں لحاظ رکھو اور خدا کے حکم کے آگے اور اتباع سنت

کے (آگے) کسی کا خیال نہ کرو۔ اور یہی بات آخرت میں کام آوے گی۔ باقی سب قصے جھگڑے یہاں کے یہیں رہیں گے۔ جو کام اللہ کے واسطے کیا وہی ساتھ جائے گا۔ اور صبر اور تسلی سے رہنا کہ صبر آدھا ایمان ہے۔ اور یہی مضمون والدہ امۃ الرّنان کو بھی معلوم ہووے اور بخدمت سب صاحبوں کے سلام کہنا اور سب سے دعا کے واسطے کہنا کہ میرے واسطے دعا کریں۔ .... زیادہ والسلام

حضرت مولانا مظفر حسین صاحب کے یہاں بیعت و تلقین کا سلسلہ جاری تھا اور ہر جگہ بکثرت لوگ آپ سے مرید ہو کر کتاب و سنت کے شیدائی بن جاتے تھے۔

حافظ محمد یوسف صاحب (نانا شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کے) اور ان کے بھائی حافظ محمد یونس صاحب فرمایا کرتے تھے کہ حضرت مولانا مظفر حسین صاحب کی یہ خاص کرامت (اور برکت) تھی کہ جو بھی ان سے مرید ہو گیا اس کی پھر تہجد کی نماز کبھی قضا نہیں ہوئی۔ اس ناچیز (احتشام الحسن) کو بھی حضرت مولانا کے جس مرید سے ملنے کا اتفاق ہوا اس کو تہجد اور نوافل مسنونہ اور اوراد مسنون کا پابند پایا جن کی صورتوں سے ایمانیت اور نورانیت عیاں نظر آتی تھی۔

حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ مولانا مظفر حسین کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں:

اما الشیخ مظفر حسین الکاندھلوی فکان ورعاً تقیاً آمراً بالمعروف وناھیاً عن المنکر اخذ عن عمہ المفتی الٰہی بخش وعن الصدر الحمید مولانا محمد اسحٰق واسترشد عن مولانا محمد یعقوب الدھلوی وکان نائبہ فی الھند۔ وھو الذی اجلس شیخ الاسلام مولانا محمد قاسم الدیوبندی علی منبر الوعظ۔

(ماخوذ از کتاب التمہید حاشیہ شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک ص۱۸۲)

(ترجمہ) شیخ مظفر حسین کاندھلوی بہت متقی و پرہیزگار بزرگ تھے۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے عامل تھے۔ انھوں نے اپنے عم محترم مفتی الٰہی بخش صاحبؒ اور صدر حمید مولانا شاہ

محمد اسحٰقؒ سے علم حاصل کیا اور شاہ محمد یعقوب دہلویؒ سے فیض باطن حاصل کیا۔ اور ہندوستان میں وہ ان کے نائب و خلیفہ تھے۔ مولانا مظفر حسین وہ ہیں جنھوں نے شیخ الاسلام مولانا محمد قاسم (نانوتوی) دیو بندیؒ کو سب سے پہلے منبرِ وعظ پر بٹھایا۔"

حضرت مولانا مظفر حسین صاحب نے تین صاحبزادیاں یادگار چھوڑیں:

(۱) بی بی اُمۃ السبحان (۲) بی بی اَمۃ الرحمٰن (۳) بی بی اَمۃ المنّان —— بی بی اَمۃ السبحان اور بی بی اَمۃ المنّان لاولد فوت ہوئیں۔ بی بی اَمۃ الرحمٰن کی شادی مولانا ضیاء الحسن ابن مولانا نور الحسن صاحب سے ہوئی جو اپنے والد بزرگوار کا صحیح نمونہ تھیں اور اپنے زمانہ کی رابعہ بصریہ تھیں۔[1]

آخر میں دہلی کے مشہور واعظ مولانا محمد حسین فقیر دہلویؒ کے حضرت مولانا مظفر حسین کاندھلویؒ کی مدح میں چند اشعار پیش کیے جاتے ہیں ؎

میرے مرشد میرے کامل پیشوا — عالمِ دیں نائب خیر الوریٰ
نام ان کا ہے مظفرؔ اس لیے — حق کے منصور و مظفر آپ تھے
عالمِ عارف تھے صاحب دل تھے وہ — علم ظاہر میں بڑے کامل تھے وہ
وعظ میں ان کے عجب تاثیر تھی — ہر نصیحت آپ کی اکسیر تھی
ان سے عالم سیکھتے تھے دینِ حق — ان سے سب درویش لیتے تھے سبق
اور بھی ہیں اتنے اوصاف ان کے نیک — یہ ہوئے گویا یاں سو میں سے ایک
ایسے کم ہوتے ہیں ذیشان و رفیع — تھے جو وہ مغفور مدفونِ بقیع

([illegible])

[1] یہ بی بی جی کہلاتی تھیں اور مولانا محمد الیاس صاحب کی نانی اور مولانا احتشام الحسن صاحب کی دادی تھیں۔

مولانا محمد برہان الدین سنبھلی
ناظم مجلس تحقیقات شرعیہ استاذ دار العلوم
ندوۃ العلماء، لکھنؤ

کیا اہل کتاب کے لیے ____ اسلامی شریعت کی پیروی ضروری نہیں؟

(تیسری قسط)

نئے "فاضل" صاحب کے دلائل کا جائزہ

مضمون کے شروع ہی میں اس کا ذکر ہم نے کر دیا ہے کہ موصوف کے دلائل نئے نہیں ہیں اور نہ ان کا پیش کیا ہوا خیال ہی بالکل نیا ہے۔ پچھلے چالیس پینتالیس سال کے درمیان متعدد بار ان آیتوں کی بنیاد پر کچھ لوگوں کی طرف سے یہ دعویٰ کیا گیا کہ اہل کتاب کو۔ بلکہ بعض لوگوں نے تو یہ بھی کہا کہ اہل کتاب ہی کو نہیں، کسی بھی مذہب کے ماننے والے کو نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم پر نہ ایمان لانے کی ضرورت ہے اور نہ ان کی شریعت پر عمل کرنا ہی نجات کے لیے ضروری ہے۔ مگر "فاضل" موصوف محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر "ایمان" لانے کو ضروری قرار دیتے ہیں لیکن شریعت محمدی پر عمل کرنے کو "نجات اخروی کے لیے" ضروری نہیں سمجھتے۔ موصوف کی اس جدت سے انھیں کوئی فائدہ پہنچا ہو یا نہ پہنچا ہو، البتہ یہ نقصان یقیناً پہنچ گیا کہ "ان کی تحقیق" غلط اور غیر علمی ہونے کے ساتھ "غیر منطقی" بھی بن گئی۔ کیوں کہ (جیسا کہ اوپر دلائل کے ساتھ بیان ہوا) کسی نبی پر ایمان لانے کے مفہوم میں اس کی اطاعت کا عہد کرنا بھی شامل ہوتا ہے ____

اس سے کسی کے ذہن میں یہ الجھن نہ پیدا ہونی چاہیے کہ گذشتہ انبیاء پر ایمان لانے کا تو ہم سب ــــ امت محمدیہ کے افراد کو بھی حکم ہے، تو کیا ہمارے لیے بھی گذشتہ انبیاء کی اطاعت کا عہد کرنا ضروری ہے۔ الجھن نہ ہو سکنے کی وجہ یہ ہے کہ شریعت محمدی پر عمل کرنے والے حقیقۃً پچھلے انبیاء کی بھی اطاعت کر رہے ہیں جیسا کہ ہمیں قرآن مجید نے اطلاع دی ہے (جو سب انبیاء کی صحیح تعلیمات اور پیغامات کو ٹھیک ٹھیک نقل کرتا ہے) کہ ان سب نے یہی تعلیم دی کہ نبی آخر الزماں کی بعثت کے بعد صرف آپؐ ہی کی پیروی کی جائے ــــ اس بنا پر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرنا ان تمام انبیاء کی اطاعت کرنا بھی ہے اور آپؐ کی پیروی نہ کرنے سے گذشتہ انبیاء کی نافرمانی بھی ہوتی ہے (اس مضمون کی آیات دوسری قسط میں پیش کی جا چکی ہیں)

تو کہنا یہ ہے کہ موصوف کے دلائل تو نئے نہیں ہیں اگرچہ دعویٰ میں تھوڑا سا نیا پن ضرور ہے ــــ بہر حال موصوف کے ان "دلائل" (اگر انھیں دلائل کہنا درست ہو) کے جوابات یوں تو بہت سے ہیں لیکن ان سب کا خلاصہ یہ ہے کہ جو آیات انھوں نے پیش کی ہیں ان کا نہ تو وہ مفہوم ہے اور نہ ان کی وہ مراد ہی ہے۔ جو اس طرح کے محققین نے ــــ سمجھ کر اپنا دعویٰ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔

دلائل کا تفصیلی جواب:۔

"محقق صاحب کی طرف سے دلیل کے طور پر پیش کی گئی آیتوں میں سے پہلی دو آیتیں (انّ الذین آمنوا والذین ھادوا والنصاریٰ والصّٰبئین من آمن باللہ والیوم الآخر وعمل صالحاً فلھم اجرھم عند ربھم ولا خوفٌ علیھم ولا ھم یحزنون) ــــ اور ــــ انّ الذین آمنوا ..... والصّٰبئون والنصٰری ...... وعمل صالحاً فلا خوفٌ علیھم (مائدہ) سے غلط فہمی پیدا ہونے کا سبب دراصل یہ ہے کہ "ایمان" اور "عمل صالح" کا مفہوم من مانا لے لیا جاتا ہے، یعنی "ایمان" ہر اس عقیدہ کے تسلیم کرنے کو سمجھ لیا جاتا ہے جسے کوئی بھی شخص "ایمان" کا نام دیکر قبول کرلے[1]، یا کوئی بھی نام نہاد "مومن" جس نظریہ کو بھی "ایمان" سمجھ کر اختیار کرلے، اسی طرح "عمل صالح" کو بھی موم

[1] حالانکہ قرآن مجید نے ایک سے زیادہ موقعہ پر بہت سے ایسے لوگوں کے صاحب "ایمان" ہونے کی نفی کی ہے جو "ایمان" کے مدعی تھے، مثلاً سورہ بقرہ میں ہے:۔ "ومن الناس من یقول آمنا باللہ وبالیوم الآخر وما ھم بمومنین" (بقرہ آیت ۸)

کی مانند خیال کر کے اسے جو شکل جاہتے ہیں، اس طرح کے رنگ دے لیتے ہیں ـــــ حالانکہ یہ دونوں لفظ بھی دیگر شرعی الفاظ اور قرآنی کلمات کی طرح ـ اپنا ایک متعین مفہوم رکھتے ہیں ـ مثال کے طور پر عرض ہے کہ "اللہ" کی ذات کا ایک تصور تو وہ ہے جو قرآن و حدیث سے معلوم ہوتا ہے ـ اور ایک وہ ہے جو دیگر اقوام و ملل کے یہاں پایا جاتا ہے ـ مثلاً یہودیوں کے یہاں خدا کا تصور ایسا پست گھٹیا بلکہ مضحکہ خیز ہے کہ اسے بیان کرتے ہوئے شرم آنی چاہیے ـ مثلاً یہ کہ ان کا "لاہا" یا "ایل" (یعنی اللہ) رو بھی سکتا ہے، اس کی آنکھیں دکھ بھی سکتی ہیں جیسا کہ علامہ شہرستانی نے (جن کی مذہب کی تاریخ پر گہری نظر تھی) اپنی شہرہ آفاق کتاب "الملل والنحل" میں یہودیوں کا ایک عقیدہ یہ نقل کیا ہے: اشتکت عیناہ فعادتہ الملٰئکۃ وبکیٰ علیٰ طوفان نوح حتیٰ رمدت عیناہ (اللہ تعالیٰ کی آنکھوں میں تکلیف ہو گئی تو فرشتوں نے مزاج پرسی کی ـ اور طوفان نوح کے برپا ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ اتنا رویا کہ اس کی آنکھیں دکھ آئیں) (العیاذ باللہ) (الملل والنحل ص۲۲۶ مطبوعہ مصر ۱۳۱۷ھ) اور وہ کشتی بھی لڑ سکتا ہے اور کشتی میں زیر بھی ہو سکتا ہے (یہود کی موجودہ مذہبی کتابوں میں خدا کی طرف ان تمام باتوں کا انتساب ملتا ہے) جیسا کہ مشہور مصری مصنف "عقاد" نے، یہود کا عقیدہ، اپنی کتاب "اللہ" میں، بیان کرتے ہوئے لکھا ہے "ظلوا (الیہود) .... ینسبون إلی الالٰہ اعمال الانسان وحرکاتہ فذکروا .... انہ کان یصارع .... (بحوالہ الاسرائیلیات ص۴۹) اور عصر حاضر کے مشہور مصری عالم محمد الغزالی نے "قذائف الحق" میں توریت (الاصحاح) کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ ـــ "القصۃ الجدیدۃ تحکی امصارعۃ بین "اللہ" و عبدہ "یعقوب" وھذہ المصارعۃ دامت لیلا طویلا .... الخ (یعنی ـ توریت میں ذکر کردہ حکایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے بندہ "یعقوب" کے درمیان پوری رات کشتی جاری رہی، اور قریب تھا کہ یعقوب کو فتح (اللہ تعالیٰ کو شکست) ہو جائے لیکن اللہ تعالیٰ ایک اور داؤ استعمال کرنے پر مجبور ہوا جس کی وجہ سے وہ شکست سے بچ گیا اور یعقوب کو شکست ہوئی ـ (قذائف الحق ص۲۵)

تو کیا خدا پر ایمان لانے کا یہ مطلب بھی کہ اسے صرف کشتی لڑنے والا ہی نہیں کشتی میں ہار جانے کے قریب پہنچنے والا بھی سمجھ لیا جائے (العیاذ باللہ) تو کیا یہ عقیدہ بھی "لا خوف علیھم ولا ھم یحزنون" (یعنی جنت میں داخلہ کے استحقاق) کا نتیجہ پیدا کرے گا؟ اگر جواب اثبات میں ہے تو پھر

کچھ کہنا نہیں ہے بلکہ اپنی غلطی کا اعتراف کرتے ہوئے اب تک جو کچھ کہا ہے اسے بھی واپس لیے لیتے ہیں۔ کیونکہ ہمیں جو کچھ کہنا ہے ان لوگوں سے کہنا ہے جن کی سمجھ بوجھ اور معقولیت وحق پسندی بالکل رخصت نہیں ہو گئی ہے، لیکن اگر جواب نفی میں ہے۔ تو پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ "ایمان باللہ" سے مراد کیا ہے؟ اس کا جواب اگر موجودہ توراۃ وانجیل (بلکہ اناجیل) میں ڈھونڈھا جائے تو اس جیسا ہی ملے گا جس کی ایک جھلک اوپر نظر آئی، بلکہ قرآن مجید نے بھی یہود ونصاریٰ کے عقائد کے جو نمونے دکھلائے ہیں اُن سے بھی ان کے انہی عقائد کی تصدیق نکلتی ہے۔ مثلاً قرآن مجید نے بتلایا ہے قالت الیھود عزیر ابن اللہ وقالت النصاریٰ المسیح ابن اللہ (یہودی عزیر کو خدا کا بیٹا کہتے ہیں اور نصاریٰ مسیح کو) "لقد کفر الذین قالوا ان اللہ ھو المسیح ابن مریم" (یقیناً وہ لوگ کافر ہیں جو کہتے ہیں کہ مسیح ابن مریم ہی خدا ہیں)۔ اتخذوا احبارھم ورھبانھم اربابا من دون اللہ" (یہود و نصاریٰ نے اپنے علماء وصوفیا کو رب بنا رکھا ہے، خدا کے علاوہ)۔ قالوا ان اللہ فقیر ونحن اغنیاءٌ (یہود، کہتے ہیں کہ اللہ فقیر ہے اور ہم دولت مند ہیں)۔ قالت الیھود ید اللہ مغلولۃ" (یہود نے کہا کہ اللہ کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں)۔ "نحن ابناء اللہ" (یہود و نصاریٰ کہتے ہیں کہ ہم اللہ کی اولاد ہیں)۔

تو کیا خدا کے ایسے تصور کو (جو یہود و نصاریٰ کا قرآن کی مذکورہ آیتوں سے معلوم ہو رہا ہے) خدا پر ایمان لانا سمجھ لیا جائے؟ ظاہر ہے کہ کوئی مسلمان اسے ایمان باللہ نہیں کہہ سکتا اس لیے سوال باقی رہا کہ اصل "ایمان باللہ" کیا ہے؟ اس کا جواب اس کے علاوہ اور کیا ہو سکتا ہے کہ "ایمان باللہ" وہی ہے جو قرآن وحدیث نے بتلایا ہے۔ اگر یہ سورج کی طرح روشن بات مان لی جاتی ہے تو ہمارا کوئی اختلاف ہی نہیں رہ جاتا کیونکہ اس کے بعد قرآن وحدیث کو معیار بنانے کے معنی اس کے سوا اور کیا ہوں گے کہ اہل کتاب بھی نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم پر اور قرآن پر پوری طرح ایمان لے آئیں۔

یہ گفتگو "ایمان باللہ" کے معنی کے بارے میں تھی، اس کے بعد عمل صالح کے بارے میں غور کیا جائے تو ٹھیک یہی سوال پیدا ہو گا کہ "عمل صالح" کسے سمجھا جائے؟ (وہ عمل صالح جس پر اللہ تعالیٰ نے جنت میں داخل کرنے کا وعدہ فرمایا ہے) کیا روٹی پر شراب کا پلاسٹر چڑھا کر کھا لینے اور اس کے تقسیم کرنے کو، عیسائیوں کے یہاں اسے سب سے افضل "عمل صالح" سمجھا جاتا ہے) ظاہر ہے کہ اس "عمل" کو

لہ (حاشیہ اگلے صفحہ پر)

"عمل صالح" کوئی معقولیت پسند انسان کبھی نہیں قرار دے سکتا تو پھر اس سوال کا جواب (کہ عمل صالح کیا ہے؟) کہاں ڈھونڈھا جائے کیا گذشتہ آسمانی کتابوں میں؟ —— توریت، انجیل اور زبور (جن کا مجموعہ بائبل کہلاتا ہے) کے علاوہ نام کے لیے بھی اور کوئی آسمانی کتاب اب موجود نہیں، لیکن کیا موجودہ "بائبل" سے کوئی حق کا ڈھونڈھنے والا اس "عمل صالح" کا سراغ لگا سکتا ہے جس پر اللہ کی طرف سے جنت کا وعدہ ہے؟ کم سے کم قرآن و حدیث کا معمولی علم رکھنے والے بھی اس کا جواب نفی ہی میں دیں گے، کیونکہ احادیث نبوی ہی نہیں، قرآن بھی بانگ پکارے جگہ جگہ کہہ رہا ہے کہ اہل کتاب یہود و نصاریٰ نے انہی آسمانی کتابوں میں تحریف و تبدیل کی ہے۔ یحرفون الکلم عن مواضعہ...... یبدلون کلام اللہ...... فویل للذین یکتبون الکتاب بأیدیھم ثم یقولون ھذا من عند اللہ..... اشتروا بآیات اللہ ثمنا قلیلا...... یکتمون ما انزل اللہ...... و یفترون علی اللہ الکذب .... یحرفون الکلم عن مواضعہ ونسوا حظا مما ذکروا بہ۔ الغرض ان آیات کی موجودگی میں (نیز کتب سابقہ کی یقینی تحریف کے بعد، جواب سورج کی طرح روشن اور دوست و دشمن سب کے نزدیک تسلیم شدہ حقیقت بن گئی ہے[2]) بھلا کون ذی ہوش یہ کہنے کی جرأت کر سکے گا کہ ہر وہ کام "عمل صالح" ہے جسے آج کے یہودی یا عیسائی "عمل صالح" سمجھیں اگر کوئی یہی سمجھتا یا کہتا ہے تو اسے چاہیے کہ "عمل طالح" (غیر صالح) کا وجود نہ صرف دنیا بلکہ ڈکشنری میں بھی تسلیم نہ کرے

---

[1] (حاشیہ صفحہ گذشتہ) ایک مشہور عیسائی عالم "جسٹن مارٹن" بیان کرتا ہے: "ہر اتوار کو کلیسا میں ایک اجتماع ہوتا ہے، شروع میں کچھ دعائیں اور نغمے پڑھے جاتے ہیں...... پھر روٹی اور شراب لائی جاتی ہے اور صدر مجلس اس کو لیکر باپ بیٹے اور روح القدس سے برکت کی دعا کرتا ہے جس پر تمام حاضرین آمین کہتے ہیں۔ پھر کلیسا کے خدام روٹی اور شراب کو تمام حاضرین میں تقسیم کر دیتے ہیں، اس عمل سے فوراً روٹی مسیح کا بدن بن جاتی ہے اور شراب مسیح کا خون، اور تمام حاضرین اسے کھا پی کر اپنے عقیدۂ کفارہ کو تازہ کرتے ہیں۔" (بحوالہ "بائبل سے قرآن تک" جلد اول ص[illegible])

[2] یہاں مولانا عبدالماجد دریابادی مرحوم کی تفسیر ماجدی سے ایک اقتباس پیش کر دینا شاید نامناسب نہ ہوگا۔ موصوف لکھتے ہیں: "توریت کی تحریف اب کوئی اختلافی یا نزاعی مسئلہ نہیں، دوست دشمن سبھی کو اب تسلیم ہو چکا ہے کہ یہ (موجودہ توریت) کلام الٰہی نہیں...... کسی جامد یہودی میں بھی اب یہ ہمت باقی نہیں کہ توریت کو قرآن کی طرح تنزیل لفظی قرار دے...... بائبل کی تنقید عالیہ ایک مستقل فن کی صورت اختیار کر چکی ہے، جرمن، فرنچ، انگریزی وغیرہ میں صد بلکہ ہزارہا کتابیں تیار ہو چکی ہیں۔" (تفسیر ماجدی ص۱۴۲ ۔ ۱۷)

اور اس لفظ "صالح" کو ہی لغت سے کھرچ ڈالئے کیونکہ موجودہ یہودیت و نصرانیت کی رو سے شاید ہی کوئی عمل ایسا ہو جو "صالح" نہ قرار دیا جا سکتا ہو۔

مذکورہ تفصیل سے جب یہ ثابت ہو چکا کہ موجودہ یہودیت و عیسائیت[1] کو، معیار بنانا صحیح نہیں ہے تو پھر بتائیے "عمل صالح" جاننے کے لیے اب سوائے قرآن و حدیث کے اور کس جگہ جستجو کی جائے اور کہاں اس کی حقیقت دریافت کی جائے، اس لیے تسلیم کرنا پڑے گا کہ عمل صالح کے لیے بھی قرآن و حدیث کو راہ نما بنائے بغیر چارہ نہیں، بس اسی کا نام شریعت محمدی کا اتباع ہے۔ امید ہے کہ جنھیں پہلے معلوم نہیں تھا انھیں بھی تفصیل بالا سے ضرور معلوم ہو گیا ہو گا کہ "من آمن باللہ" ...... اور "عمل صالحاً" کا مطلب بعثت محمدی کے بعد، یہی ہو سکتا ہے کہ نبی آخر الزماں کی بتائی ہوئی تفصیل کے مطابق خدا کی ذات و صفات پر ایمان لایا جائے اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)، کو آخری نبی مانا جائے اور صرف شریعت محمدی کی عملی پیروی کی جائے، اس کے علاوہ عقلاً بھی ان آیتوں کا اور کوئی مطلب نہیں ہو سکتا۔

یہی بات اور زیادہ واضح انداز میں "ومن یبتغ غیر الاسلام دیناً فلن یقبل منہ" (اسلام کے علاوہ جو بھی دین اختیار کرے گا قبول نہیں کیا جائے گا، یعنی آخرت میں نجات نہیں ہوگی) میں بتادی گئی، تاکہ اگر کسی کو یہ غلط فہمی ہو گئی ہو کہ "یہود" کے لیے "عمل صالح" کے معنی کچھ اور ہوں گے اور نصاریٰ و صٰبئین کے لیے دوسرے، تو اس کی یہ غلط فہمی دور ہو جائے اور معلوم ہو جائے کہ "عمل صالح" اب سب کے لیے یکساں ہے اور وہ وہی ہے جو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے بتایا ہے۔

بہر حال ان آیتوں کا اصلی مطلب گہرے غور و فکر کے بعد ہی سمجھ میں آسکتا ہے، اور بغیر غور کیے یہ غلط فہمی ہو سکتی ہے کہ ہر اک ملت کے لیے "عمل صالح" بھی الگ مقرر کیا گیا ہو گا، اس کے برخلاف "ومن یبتغ غیر الاسلام ...... الخ" کا مطلب بہت آسان اور واضح ہے، اور جو "ان الذین آمنوا والذین ھادوا ...... الخ" کے ظاہری مفہوم سے کچھ مختلف نظر آتا ہے، اس لیے ممتاز صحابیٔ رسول حضرت عبداللہ بن عباس کا ارشاد ہے کہ "ان الذین آمنوا الخ" کا مفہوم "ومن یبتغ غیر الاسلام دیناً ...... الخ" کی روشنی میں سمجھا جائے۔ اسی بات کو ان الفاظ میں بیان فرمایا کہ: "آیت" ان الذین آمنو ...... الخ" ومن

---

[1] موجودہ یہودیت و عیسائیت" کا مفہوم، حضرت محمدؐ کی بعثت کے بعد یہودیت و عیسائیت کے تمام زمانوں پر پھیلا ہوا ہے۔

یبتغ غیر الاسلام دینا...... الخ سے منسوخ ہو گئی (تفسیر قرطبی ص۴۳۶ ج۱، در منثور ص۷۴ ج۱)

یہاں ایک اور بات قابل توجہ ہے، وہ یہ کہ آیت کے شروع میں "ان الذین آمنوا" ہونے کی وجہ سے ایسی غلط فہمی کا امکان جیسی کہ ہمارے "فاضل" صاحب۔ اور اسی طرح کے دوسرے بعض لوگوں کو ہوئی ہے اہل علم کے لیے بہت کم بلکہ ختم ہو گیا تھا، کیونکہ "ان الذین آمنوا" کے بارے میں تو غلط فہمی کا شکار ہونے والے بھی یہی کہتے ہیں کہ اس سے مراد "مسلمان" ہیں۔ اور پھر یہ لوگ بھی یہ بات تسلیم کرتے ہیں کہ "مسلمان" کی نجات نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے بغیر نہیں ہو سکتی، اسی طرح یہ بھی مانتے ہیں کہ ہر مسلمان کو شریعت محمدی پر عمل کرنا بھی ضروری ہے۔ یعنی "من آمن باللہ" اور "عمل صالحا" کا مطلب ــــ کم سے کم مسلمانوں کی حد تک۔ ان لوگوں کے نزدیک بھی محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا اور آپ کی شریعت کی پیروی کرنا ہی ہے۔ اس سے خود بخود ثابت ہوا کہ آیت کے یہ معنی تو متفق علیہ ہیں۔ اور اہل علم جانتے ہی ہیں (بلکہ یہ بات کامن سنس سے بھی بآسانی سمجھی جا سکتی ہے) کہ ایک وقت میں ایک لفظ کے ایک ہی معنی مراد ہوتے ہیں، کئی معنی، ایک لفظ کے، نہیں لیے جا سکتے، کیونکہ اگر بیک وقت ایک لفظ سے کئی معنی مراد لیے جائیں تو کلام ایسا مہمل اور فضول ہو جائے کہ اس سے مخاطب کچھ بھی نہ سمجھ سکے، حالانکہ گفتگو سے مقصود مخاطب کو سمجھانا ہی ہوتا ہے، اس بنا پر جب یہاں "ایمان" اور "عمل صالح" کے ایک معنی متعین ہو گئے تو اس کے علاوہ دوسرے کسی معنی کے لینے کی گنجائش خود بخود ختم ہو گئی۔

غالباً یہی وجہ ہے کہ۔ کم سے کم اس آیت سے۔ کسی ایک بھی ایسے شخص کو۔ جو علوم عربیہ اور شرعیہ پر گہری نظر رکھتا ہو، اس طرح کی غلط فہمی نہیں ہوئی۔ بس وہی لوگ اس غلط فہمی کا شکار ہوئے جو نہ علوم عربیہ میں دستگاہ رکھتے تھے نہ علوم شرعیہ میں۔ (باقی)

---

[1] یہاں یہ بتا دینا فائدے سے خالی نہ ہوگا کہ علماء متقدمین یعنی صحابہ و تابعین وغیرہ کے نزدیک نسخ کا مفہوم بہت وسیع ہے یعنی کسی آیت کے مفہوم میں دوسری کی بنا پر معمولی سی تبدیلی بھی ہو جاتی تو اسے بھی وہ نسخ کہہ دیتے تھے، بلکہ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ نے لکھا ہے کہ کسی آیت کا ظاہری مفہوم دوسری آیت سے تھوڑا سا مختلف نظر آتا تو اسے بھی نسخ کہتے (یا صرف کلام از معنی متبادر بغیر متبادر ــ الفوز الکبیر ص۱۷)

چندہ سالانہ

ہندوستان سے -/۱۵

پاکستان سے -/۲۵

بنگلا دیش سے -/۱۶

فی شمارہ ۱/۵۰

ماہنامہ الفرقان لکھنؤ

ممالک غیر سے سالانہ چندہ

محصول ڈاک میں زبردست اضافہ کے

بعد اب نئی شرح یہ ہے

بحری ڈاک سے ۲ پونڈ

ہوائی جہاز سے ۴ پونڈ

جلد (۴۶) | بابت اپریل ۱۹۷۸ء مطابق ربیع الثانی ۱۳۹۸ھ | شمارہ (۴)

اگر اس دائرہ میں ◯ سُرخ نشان ہے، تو

اس کا مطلب ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہوگئی ہے۔ براہ کرم آئندہ کے لیے چندہ ارسال کریں یا خریداری کا ارادہ نہ ہو تو مطلع فرمائیں چندہ یا کوئی دوسری اطلاع مہینے کے آخر تک آجائے ورنہ اگلا پرچہ بصیغۂ وی پی ارسال ہوگا۔

نمبر خریداری۔ براہ کرم خط و کتابت کرتے وقت اور منی آرڈر کوپن پر اپنا خریداری نمبر ضرور لکھ دیا کیجیے جو پتہ کی چٹ پر لکھا ہوتا ہے۔

تاریخ اشاعت۔ الفرقان ہر انگریزی مہینہ کے پہلے ہفتہ میں روانہ کردیا جاتا ہے۔ اگر مہینے کے آخر تک کسی صاحب کو پرچہ نہ ملے تو فوراً مطلع کریں اس کی اطلاع اگلے مہینے کی ۱۰ تاریخ تک آجانا چاہیے اسکے بعد رسالہ بھیجنے کی ذمہ داری دفتر پر نہ ہوگی۔

پاکستان میں ترسیل زر کا پتہ:۔ ناظم ادارۂ اصلاح و تبلیغ آسٹریلین بلڈنگ۔ لاہور

(مولوی) محمد منظور نعمانی پرنٹر پبلشر و اڈیٹر نے تنویر پریس میں چھپوا کر دفتر الفرقان ۳۱۔ نیا گاؤں مغربی لکھنؤ سے شائع کیا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نگاہِ اوّلیں

محمد منظور نعمانی

جو حضرات "تبلیغی جماعت" اور اس کی دینی دعوت اور کام سے کچھ بھی واقف ہوں گے وہ یہ ضرور جانتے ہوں گے کہ اس جماعت کے ذمہ دار حضرات اور وہ سب کارکن بھی جو جماعت کے اصول اور طریق کار سے واقف ہیں، نہ صرف یہ کہ اپنے کام کی تشہیر نہیں کرتے بلکہ اس سے سخت پرہیز کرتے ہیں بڑے سے بڑے علاقائی، ملکی اور عالمی اجتماعات ہو جاتے ہیں لیکن ان کے لیے نہ کوئی اشتہار شائع ہوتا ہے نہ اخبارات کے ذریعہ اعلان کیا جاتا ہے، نہ بعد میں کارروائی شائع ہوتی ہے ـــــ اگر کسی اخبار یا رسالہ میں کسی کی طرف سے تحسین و تعریف کے ساتھ کچھ شائع ہو جاتا ہے تو اُس سے ان حضرات کو خوشی نہیں ہوتی بلکہ فکر پیدا ہو جاتی ہے ـــــ حالانکہ کام کوئی راز داری کا نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ اور رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) پر ایمان (حقیقی ایمان) اور ایمان والی زندگی، اور اس کے لیے جد و جہد کرنے کی کھلی دعوت ہے اور دل و جان سے اسکی کوشش ہو کہ ہر شخص تک یہ دعوت پہنچ جائے اور امتِ محمدیہ کا ہر فرد اس میں حصہ لے۔ لیکن وہ حضرات اس کے لیے یہی طریقہ بہتر سمجھتے ہیں کہ یہ دعوت عملِ دعوت ہی کے ذریعہ اور اللہ کے داعی بندوں ہی کے ذریعہ پہنچے۔ اشتہارات یا اخباری اعلان جیسے تشہیر کے رائج الوقت ذریعوں کو وہ اپنے کام کے لیے مناسب نہیں سمجھتے ـــــ راقم سطور کے نزدیک بھی ان حضرات کا یہ رویہ صحیح ہے۔ اللہ تعالیٰ جو کام ان حضرات سے لے رہا ہے اس کے لیے یہی طریق کار اور طرز عمل بہتر ہے ـــــ اسی لیے اس تبلیغی کام سے کھلی محبت اور قلبی تعلق کے باوجود

الفرقان میں "جماعت" کے کام وغیرہ کا کوئی ذکر نہیں کیا جاتا ــــــ لیکن کچھ دن ہوئے (غالباً شروع جنوری میں) بمبئی کے رہنے والے راقم سطور کے ایک مخلص دوست کا خط امریکہ سے آیا تھا جہاں وہ اس "تبلیغی کام" ہی کے سلسلہ میں ایک جماعت کے ساتھ گئے ہوئے تھے اُس میں وہاں کے جو حالات ذکر کیے گئے ہیں اُن میں عام ناظرین کے لیے بھی عبرت کا بڑا سامان ہے اس لیے، مناسب معلوم ہوا کہ "الفرقان" میں اس کو شائع کر دیا جائے اللہ تعالیٰ لکھنے والے مخلص بھائی کو جزائے خیر عطا فرمائے اور اس کے مطالعہ کو ناظرین کے لیے نفع مند بنائے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

LOS ANGELES ۳۰ر دسمبر ۶۹ء بروز منگل

...... السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بحمد اللہ ہندوستان کی تبلیغی جماعت کے چھ افراد کے ساتھ بندہ ...... اس وقت امریکہ کے مغربی ساحل سے یہ خط لکھ رہا ہے ہندسے فاصلے کے اعتبار سے پندرہ ہزار میل دور ہیں اور وقت کے اعتبار سے یہاں اس وقت منگل کی شام کے تین بجے ہیں جبکہ ہند میں بدھ کی صبح کے چار بج رہے ہوں گے۔ پوری جماعت بہت خیریت سے ہے ساتھی بڑے قیمتی ملے ہیں ان میں سے ایک .... ہیں اللہ نے بڑی صفات سے نوازا ہے اللہ تعالیٰ اور زیادہ عطا فرمادے اور ہمیں بھی مستفید فرمادے۔

ہم نیویارک میں جو امریکہ کا مشرقی ساحل ہے، ۲۰ر اکتوبر کو داخل ہوئے وہاں سے مغربی ساحل پر کیلی فورنیا میں جو تین ہزار میل دور ہے بذریعہ کار پہونچے اللہ تعالیٰ نے سفر بسہولت طے کرایا اور قدم قدم پر نصرت ومدد کا معاملہ فرمایا، بے شک اللہ ضعفا کا رب ہے فلہ الحمد والشکر راستے میں تین چار شہروں میں کام کرتے ہوئے ہم لوس اینجلس کیلی فورنیا پہونچے یہاں دعوت کے اس کام کا سرسری تعارف تو ہو چکا ہے لیکن مستقل تین چلّے کی یہ پہلی جماعت یہاں آئی ہے اللہ تعالیٰ قبول فرمادے اور ہم ناکارہ اور نااہل لوگوں کو ذریعے اور سبب کے طور پر قبول فرماکر دین کا کام لے لے اور ہدایت کی ہوائیں اپنے کرم سے چلادے آمین

امریکہ جو مادیت کا قائد اعظم ہے اس میں دو متضاد باتیں ہم نے پائیں یہاں ہم کو ایسے حالات بھی ملے کہ شیطان بھی ان سے پناہ مانگتا ہوگا، اور یہیں امید کی ایسی کرنیں بھی دکھائی دیں کہ انشاء اللہ دین ممکن ہے یہیں سے چمک جاوے۔ یہاں کے لوگوں کی زندگی مشینی زندگی ہے۔ دنیا کمانا مقصد زندگی بنا ہوا ہے۔ خلاصہ کے طور پر یہ کہا جائے تو ٹھیک ہے کہ "محنت کرنا ڈالر حاصل کرنا، پھر اس کمائی سے عیاشی کرنا اور نتیجہ کے اعتبار سے اپنی زندگی کو بد سے بدتر اور بے چین و بے قرار بنانا اور پھر اس بے چینی اور بے قراری کو دور کرنے کے لیے سرگرداں پھرنا ——— کمائی کی رقم کے اعتبار سے یہاں کا ادنیٰ نوکر اور ہندوستان کا بڑا افسر برابر ہے۔ نوکر نہیں ملتے اس لیے ہر شخص خود ہی جھاڑو دینے والا، خود ہی دھوبی، خود ہی سیٹھ، خود ہی چپراسی، خود ہی قلی بنا پھرتا ہے۔ بے چاروں کو دیکھ کر بڑا رحم آتا ہے۔ ہال ٹورنٹے میں زندگی کا وہ منظر سامنے آتا ہے کہ الامان الحفیظ! سود ہی سود ہر جگہ نظر آتا ہے ——— عورتوں کا برا حال ہے۔ شراب، بے حیائی، فحاشی، ننگا پن، بے مروتی کا دور دورہ ہے۔ اس شہر کے وسط سے جو بمبئی جیسا گنجان شہر ہے گذشتہ ڈیڑھ دو ماہ میں گیارہ نوجوان لڑکیوں کی لاشیں ننگی حالت میں ملیں۔ یہاں کے لوگوں نے بتایا کہ ۲۰ لاکھ سے زائد مرد عورتیں بغیر شادی کے ایک دوسرے کے ساتھ رہ رہی ہیں۔ یہاں کی زبان میں اسے LIVE IN کہتے ہیں شادی کے بندھن کو یہ بے کار سمجھتے ہیں۔ گھر کرایہ پر نہیں مل سکتا اگر آپ کے دو سے زیادہ بچے ہوں۔ گھروں پر لکھا ہوتا ہے PETS ARE ALLOWED CHILDREN ARE NOT. استغفر اللہ! افسوس تو یہ ہے کہ ہمارے ملک سے آئے ہوئے کچھ مسلمان بھی اس آزادی اور بے راہ روی کی زندگی سے مرعوب ہیں اور ان کی اقتدا کرنے میں فخر محسوس کرتے ہیں۔ کچھ مسلمان دوستوں کو دیکھا کہ ہفتے میں ایک بار، ایک غیر عالم سے تفسیر قرآن سنتے ہیں۔ گویا دین کا حق ادا ہو گیا۔ اور ایک صاحب شراب کو اپنے اجتہاد سے مکروہ ثابت کرتے ہیں۔ کیوں کہ قرآن میں لفظ حرام نہیں ہے بلکہ "اجتنبوا" ہے ——— ایسے حالات دیکھ کر واقعی افسوس ہوتا ہے اور اپنے بزرگوں کی قدر ہوتی ہے جو بتلاتے

ہیں کہ قرآن کو صرف تفسیر کی کتابوں اور ترجموں سے اور غیر عالموں سے سمجھنا خطرناک ہے ـــــ پھر بھی اللہ تعالیٰ نے کچھ مسلمان گھرانوں کو ایسے ایمان سوز ماحول میں بھی محفوظ رکھا ہے۔ اور وہ دین کی دعوت کے کام میں ہماری خوب نصرت کرتے ہیں۔ ساتھ ہی ساتھ یہاں کے مقامی نیگرو (کالے) صحیح اسلام کی طرف آرہے ہیں ـــــ یہ لوگ کافی تعداد میں اسلام قبول کر رہے ہیں۔ ان کے اسلام قبول کرنے کے بعد منجانب اللہ ان کی رہنمائی ہو رہی ہے اللہ پاک ان کے دلوں میں اپنی اور اپنے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ایسی محبت ڈال رہا ہے کہ ہم پیدائشی مسلمان شرما جائیں ـــــ ان کی عورتیں پردہ کررہی ہیں اور گھروں میں رہنا پسند کرتی ہیں ان کے مرد امریکہ کے اس گندے ماحول میں سڑکوں پر عمامہ اور پنڈلی تک لنگی باندھے پھرتے ہیں۔ ہاتھوں میں عصا، ساتھ میں جانماز، اور قرآن ہوتا ہے۔ عربوں کے لباس کو یہود ونصاریٰ کے لباس پر ترجیح دیتے ہیں۔ ایک شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نعلین شریف کا نقشہ دیکھ کر ویسی ہی چپل بنوائی، ایک شخص نے تو اپنے بہترین پکے مکان کے اندر باقاعدہ خیمہ لگایا ہے اور اس میں رہتا ہے کیوں کہ حضور کی یہ بھی سنت ہے۔ ایک دوسرے شخص نے ٹیلی ویژن کے بارے میں جب اسلامی احکام سنے تو گھر جا کر پہلے منزلے سے ٹیلی ویژن اٹھا کر سڑک پر پٹخ دیا (حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کا شال جلا دینے کا واقعہ یاد آگیا) ایک نوجوان بدنگاہی سے بچنے کے لیے مسجد میں بیٹھ کر مراقب رہتا ہے اور نہ دیکھنے کی مشق کرتا ہے۔ ایسا چند روز تک کا اس کا مجاہدہ ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ ایک نوجوان جس کا باپ عیسائی تھا اس کے انتقال کے بعد جماعت کے پاس آیا اور بڑی حسرت سے کہنے لگا کہ میرا باپ مسلمان ہوئے بغیر مرگیا، کیا میں اس کی قبر میں قرآن رکھ دوں! جب اسے منع کیا گیا تو افسوس کرنے لگا کہ کیا میرا باپ ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں جلے گا پھر کہنے لگا کہ میں حافظ قرآن بنوں گا اور اس کی شفاعت کروں گا ـــــ علم کی بہت کمی ہے تربیت کا مسئلہ بڑا اہم ہے ویسے قوت عملی بہت زیادہ ہے اور مستقبل میں امید ہے کہ یہی سیدھے سادے (جو میواتیوں سے بہت مشابہت رکھتے ہیں) دین کی دعوت کے کام میں بہت مفید ثابت ہوں گے۔ انشاء اللہ!

آپ ہمارے لیے بھی دعا کریں اور ان نیک بھائیوں کے لیے بھی۔ بے چارے غریب ہیں لیکن متمنی ہیں کہ ہند میں آکر چار ماہ لگا کر کام سکھیں اللہ آسان فرما دے مدد فرما دے آمین! امید ہے آپ کا حال پہلے سے بہتر ہو گا۔ والسلام

بمبئی کے رہنے والے جن مخلص دوست کا مکتوب اوپر درج ہوا، انہی کے ایک دوسرے رفیقِ سفر جو بنگام (کرناٹک) کے رہنے والے ہیں اور اسی جماعت کے ساتھ ہیں (اور وہ بھی راقم سطور کے عزیز دوستوں میں ہیں) اُن کے مکتوب کی بھی چند سطریں ناظرین کرام کے مطالعہ کے لائق ہیں

"امریکہ میں آنے کے بعد اپنی غفلت کا بہت احساس ہوا کہ امت اور انسانیت جہنم کے کتنے قریب پہنچ چکی ہے اور ہم دین کی اس مبارک محنت میں کتنی سستی برت رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ معاف فرمائے اور زندگی کے بچے ہوئے لمحات اپنے دین کی دعوت کی مبارک محنت میں استعمال فرمائے ـــــ آمین!"

ایک محترم بزرگ جو حجاز مقدس میں مقیم ہیں اور اللہ کی توفیق سے وہاں اس تبلیغی دعوت و محنت کے کام میں لگے ہوئے ہیں اور ان کی خالص آرزو اور دعا اور کوشش یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ عربوں اور خاصکر حجاز مقدس کے عربوں کو اس کی توفیق دے کہ وہ اپنی نسلی مبارک خصوصیات کے ساتھ دین کی اس دعوت کو اپنا لیں جو در اصل اُن کے آباء اجداد کی اور اُس سے اوپر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام کی میراث ہے ـــــ انھوں نے اپنے ایک گرامی نامہ میں جو اسی مہینے مارچ میں موصول ہوا وہاں کے کام کی رفتار اور اس سلسلہ کے احوال کا تذکرہ کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے

"ہم ضعفاء دعا کے بہت محتاج ہیں اس لیے کہ حرمین شریفین میں جو ایک مادی انقلاب آرہا ہے وہ سب پر اثر کر رہا ہے گو عرب حضرات کام میں خوب آگے بڑھ رہے ہیں لیکن ان کی تعداد بہت کم ہے ان کے مقابلہ میں جو مادیت میں ڈوب کر مغربیت کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ دعا فرمائیں اللہ تعالیٰ اہل حرمین کو اپنے دین کا داعی بنا کر یورپ و امریکہ کی قوموں کو اُن کے ذریعہ ہدایت عطا فرمائے۔

عجیب بات یہ ہے کہ مدارس عصریہ (یعنی سرکاری اسکولوں، کالجوں، یونیورسٹیوں) کے بعض طلبہ کے عزائم اور اُن کی محنت جو دعوت دین کے لیے امریکہ اور یورپ میں ہو رہی ہے اُس کو دیکھ کر بہت امیدیں بڑھ جاتی ہیں کہ حق تعالیٰ ان غریبوں ہی کو ان کی ہدایت کا ذریعہ بنائیں گے۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

شیخ محمد بن عبد الوہاب اور ہمارے اکابر:-

اس عنوان کے تحت "الفرقان" کی گزشتہ چار اشاعتوں میں جو کچھ لکھا گیا الحمد للہ جماعت کے اکابر اور ممتاز اہل علم کی طرف سے، راقم سطور کی توقع سے زیادہ اس کی تحسین و تصویب کی گئی، ہمارے مرکز "دار العلوم دیوبند" کے عربی ترجمان "الداعی" میں اہتمام سے اس کا عربی ترجمہ شائع ہوا، اور پاکستان کے اپنی جماعت کے موقر جرائد نے اس کو اپنے صفحات میں خاص اہتمام سے شائع کیا فللہ الحمد والمنہ

اس سلسلہ کی تیسری قسط میں اُن چند مشہور مسائل کا ذکر کیا گیا تھا جنکے بارہ میں شیخ محمد بن عبد الوہاب کی جماعت اور ہمارے اکابر کے مسلک و موقف میں اختلاف ہے، مثلاً روضۂ اقدس نبوی (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) کی زیارت ہی کی نیت سے مدینہ منورہ کا سفر کرنا ——— اور مثلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا امت کے وفات یافتہ صالحین کے توسل سے اللہ تعالیٰ سے دعا کرنا وغیرہ وغیرہ ——— "الفرقان" کے ناظرین میں سے ایک صاحب نے لکھا ہے کہ ان مسائل کے بارہ میں اپنی جماعت کا جو مسلک ہے اُس کے دلائل بھی پیش کرنے چاہیے تھے ——— واقعہ یہ ہے کہ ان مسائل کا ذکر اُس موقع پر صرف اس غرض سے کیا گیا ہے کہ دونوں جماعتوں کے مسلکی اختلاف کی نوعیت اور اُس کا درجہ سامنے آجائے اور کم از کم اہل علم اور ارباب دانش کو معلوم ہو جائے کہ ان میں کوئی مسئلہ بھی ایسا نہیں ہے جس کی بنا پر کوئی فریق خدا ترسی کے ساتھ کتاب و سنت کی روشنی میں دوسرے فریق کی تکفیر، تفسیق یا تضلیل کر سکے ——— رہا دلائل اور علمی بحث مباحثہ کا معاملہ، تو ساتویں اور آٹھویں صدی ہجری کے شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہؒ اُن کے تلامذہ ——— اور ان کے بالمقابل اُن کے معاصرت کے جلیل القدر عالم شیخ تقی الدین سبکی شافعی اور ان کے حلقہ کے اہل علم سے لیکر ہماری اس چودھویں صدی کے آغاز میں شیخ احمد زینی دحلان مکی، مولانا محمد بشیر سہسوانی، نواب صدیق حسن خاں اور مولانا عبد الحی فرنگی محلی اور شیخ محمد بن عبد الوہاب نجدی کے سلسلے کے درجنوں علماء مصنفین اور پھر ہمارے اس دور تک کے دونوں مسلکوں کے عرب و عجم کے اہل علم و اصحاب قلم نے قریباً سات سو سال کی طویل مدت میں ان مسائل پر جو بے گنتی کتابیں لکھی ہیں،

اگر اُن کا صرف ایک ایک نسخہ لیا جائے تو اچھا خاصہ کتب خانہ بن جائے گا ــــ راقم سطور کے نزدیک اس کے بعد بالکل ضرورت نہیں ہے کہ ان مسائل کو علمی بحث مباحثہ کا موضوع بنایا جائے ــــ جیسا کہ لکھا جا چکا ہے یہ اسی قسم کے مسائل ہیں جن میں اہل سنت کے مختلف طبقات میں مسلک و موقف کا اختلاف رہا ہے اور رہے گا۔ اور یقین ہے کہ اس اختلاف رائے کی وجہ سے دونوں میں سے کوئی فریق بھی جہنم میں نہیں ڈالا جائے گا۔

حضرت مولانا محمد یوسف نمبر" ــــ جدید اڈیشن

شمسی حساب سے اب سے ٹھیک ۱۳ سال پہلے (اپریل ۱۹۶۵ء میں) داعی الی اللہ حضرت مولانا محمد یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا وصال دینی دعوت اور جد و جہد کے میدان ہی میں اچانک لاہور میں ہوا تھا ــــ اُس وقت مولانا مرحوم کو خراج تحسین و عقیدت پیش کرنے کے لیے نہیں، بلکہ اُس دینی دعوت کی خدمت ہی کی نیت سے جس کی راہ میں انھوں نے جان دی تھی، الفرقان کا ایک خاص نمبر "حضرت مولانا محمد یوسف نمبر" کے عنوان سے شائع کیا گیا تھا

یہ نمبر جس مقصد سے شائع کیا گیا تھا، اللہ تعالیٰ کے خاص کرم سے اُس کے لیے بہت مفید ثابت ہوا اور رب کریم نے اس کو توقع سے بہت زیادہ قبولیت بخشی ــــ الفرقان کے اُس وقت کے خریداروں کی تعداد سے وہ چھ ہزار زیادہ چھپوایا گیا تھا لیکن تھوڑی ہی مدت میں سب ختم ہو گیا۔ برسوں سے الفرقان کے دفتر میں کسی طالب کے لیے اس کی ایک کاپی بھی نہیں تھی ــــ مخلص اہل طلب اصرار کے ساتھ اس کی فرمائش کرتے تھے (بلکہ راقم سطور کو بھی اس کے لیے ذاتی طور پر خطوط لکھے تھے) لیکن سب حضرات سے موجود نہ ہونے کی معذرت کر دی جاتی تھی ــــ اس کی مسلسل طلب اور غیر معمولی افادیت کے پیش نظر چند مہینے پہلے اس کا نیا اڈیشن شائع کرنے کا فیصلہ کیا گیا ــــ اور الحمد للہ وہ تیار ہو کر شائع ہو گیا ــــ اس اڈیشن میں حضرت مولانا مرحوم کی بعض وہ اہم تقریریں اور آپ کی شخصیت اور دعوت سے متعلق بعض وہ اہم مضامین بھی شامل کر دیے گئے ہیں جو ۱۹۶۵ء میں شائع ہونے والے نمبر میں شائع نہیں ہو سکے تھے اور بعد میں ایک مستقل شمارہ میں نمبر کے ضمیمہ کی حیثیت سے شائع کیے گئے تھے ــــ یہ عاجز اپنے اس احساس اور تاثر کے اظہار میں تکلف صحیح نہیں سمجھتا کہ تبلیغی جماعت کی دینی دعوت، اس کے اصول و طریق کار اور حضرت مولانا محمد یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی سبق آموز اور قابل تقلید داعیانہ و مجاہدانہ زندگی سے واقفیت اور رہنمائی حاصل کرنے کے لیے یہ مجموعہ بہترین ذریعہ اور وسیلہ ہے ــــ خاصکر جو حضرات اس تبلیغی کام سے تعلق رکھتے ہیں، ان کو اس کے مطالعہ سے ضرور فائدہ اٹھانا چاہیے۔!

تحدیث نعمت اور دلالت علی الخیر ہی کی نیت سے اس واقعہ کے اظہار میں بھی راقم سطور کوئی مضائقہ نہیں سمجھتا (بلکہ اپنے رب کریم سے اس پر اجر کی امید رکھتا ہے) کہ یہ نیا اڈیشن جب تیار ہوا اور اس عاجز نے اس کا مطالعہ کیا تو اللہ کی توفیق سے ایمانی کیفیت میں اضافہ ہوا اور اپنی عملی

کوتاہیوں پر رونا نصیب ہوا اور بہت سے بھولے ہوئے سبق یاد آئے۔ اللہ تعالیٰ تلافی اور انابت کی توفیق دے۔

کتاب المعاملات

معارف الحدیث

(مسلسل)

خرید و فروخت کے متعلق احکام و ہدایات (۴۷)

[گزشتہ مہینے مارچ کے شمارہ میں اس سلسلہ "معارف الحدیث" کی قسط شائع نہیں ہوسکی تھی ———— اس سے پہلے فروری کے شمارہ میں جو قسط شائع ہوئی تھی، اس میں زیرِ عنوان "خرید و فروخت کا معاملہ فسخ کرنے کا اختیار" ———— وہ حدیثیں درج ہوئی تھیں جن سے "خیارِ شرط" اور "خیارِ مجلس" کے بارہ میں شریعت کا حکم معلوم ہوا تھا (وہیں ان دونوں فقہی اصطلاحوں کی وضاحت بھی کردی گئی تھی) ———— خیار کی ایک تیسری قسم "خیارِ عیب" بھی ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ خرید فروخت کا معاملہ طے ہوجانے اور لین دین ہوجانے کے بعد اگر خریدی ہوئی چیز میں کوئی عیب معلوم ہوجائے، جو خریدار کو بتلایا نہیں گیا تھا تو خریدار کو اس چیز کے واپس کردینے اور معاملہ فسخ کرنے کا اختیار ہوگا، اسی کو شریعت اور فقہ کی زبان میں "خیارِ عیب" کہا جاتا ہے ———— اس سے متعلق حدیثیں آج کی صحبت میں پیش کی جارہی ہیں۔]

خیارِ عیب یعنی عیب کی وجہ سے معاملہ فسخ کرنے کا اختیار :-

عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ رَجُلًا اِبْتَاعَ غُلَامًا فَاَقَامَ عِنْدَهُ مَا شَاءَ اللّٰهُ ثُمَّ

وَجَدَ بِهِ عَيْبًا فَخَاصَمَهُ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرَدَّهُ عَلَيْهِ فَقَالَ الرَّجُلُ يَا رَسُولَ اللهِ قَدْ اسْتَغَلَّ غُلَامِي فَقَالَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْخَرَاجُ بِالضَّمَانِ ——— رواه ابوداؤد والترمذی والنسائی وابن ماجة

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک شخص نے کسی دوسرے سے ایک غلام خریدا، اور وہ (کچھ دن) جتنے اللہ نے چاہا اُس کے پاس رہا، پھر اسے معلوم ہوا کہ غلام میں ایک عیب ہے، تو وہ شخص اس معاملہ کو لیکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچا اور آپ سے فیصلہ چاہا، تو آپ نے (اُس عیب کی بنیاد پر) غلام واپس کردینے کا فیصلہ فرمادیا مدعا علیہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ اس بھائی نے (اتنے دن تک) میرے غلام سے کام لیا ہے اور فائدہ اٹھایا ہے (لہذا مجھے اُس کا معاوضہ بھی ملنا چاہیے) آپ نے ارشاد فرمایا "الخراج بالضمان" (یعنی نفع کا مستحق وہی ہے جو نقصان کا ضامن ہے)

(سنن ابی داؤد، جامع ترمذی، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ)

(تشریح) حدیث کے آخر میں آپ کا ارشاد "الخراج بالضمان" شریعت کے اُن اصولی قواعد میں سے ہے جن سے فقہا نے سیکڑوں مسئلوں کا حکم نکالا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ منفعت کا مستحق وہی ہوتا ہے جو نقصان کا ذمہ دار ہوتا ہے — اگر بالفرض غلام خریدنے والے کے پاس یہ غلام مرجاتا یا کسی حادثہ سے اس کا کوئی عضو ٹوٹ پھوٹ جاتا تو یہ نقصان خریدنے والے ہی کا ہوتا۔ اس لیے ان دنوں میں جو فائدہ خریدنے والے نے غلام سے اٹھایا وہ اسی کا حق تھا لہٰذا اس کے معاوضے کا کوئی سوال نہیں۔

یہاں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا ایک واقعہ بھی قابل ذکر ہے جس کو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے موطا میں نقل کیا ہے —— واقعہ یہ ہے کہ —— حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے اپنا ایک غلام آٹھ سو درہم میں کسی شخص کے ہاتھ بیچا اور یہ وضاحت کردی کہ اس غلام میں کوئی عیب نہیں ہے —— بعد میں غلام خریدنے والے نے کہا کہ اس کو تو فلاں بیماری ہے جس کے بارہ میں آپ نے بتلایا نہیں تھا —— (حضرت عبداللہ بن عمر نے غالباً کہا کہ یہ بیماری اس کو میرے ہاں نہیں تھی) بہرحال یہ مقدمہ خلیفۂ وقت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی عدالت میں پیش ہوا۔

آپ نے معاملہ سن کے (اور یہ دیکھ کے کہ خریدار اس بات کے گواہ پیش نہیں کر سکتا کہ غلام کو یہ بیماری پہلے سے تھی) "قانون شریعت کے مطابق حضرت ابن عمرؓ سے کہا کہ آپ قسم کے ساتھ یہ بیان دیدیں کہ غلام کو یہ مرض آپ کے ہاں نہیں تھا ــــــ حضرت ابن عمرؓ نے قسم کے ساتھ یہ بیان دینے سے معذرت کر دی اور اپنا غلام واپس لے لیا ــــــ پھر اللہ نے کیا کہ بیماری کا اثر ختم ہو کے غلام بالکل صحیح تندرست ہو گیا اور اس کے بعد وہی غلام حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے پندرہ سو درہم میں فروخت کیا۔

ائمہ فقہا کا اس مسئلہ پر اتفاق ہے کہ اگر خریدی ہوئی چیز میں کوئی عیب نکل آوے (جس کی وجہ سے اس کی قیمت اور حیثیت کم ہو جائے) تو یہ ثابت ہو جانے پر کہ یہ عیب خرید و فروخت کے معاملے سے پہلے کا ہے، خریدار کو معاملہ فسخ کر دینے اور خریدی ہوئی چیز واپس کر کے اپنی ادا کی ہوئی قیمت واپس لینے کا اختیار ہے ــــــ اسی کو "خیار عیب" کہا جاتا ہے۔

مکان وغیرہ جائداد کی فروخت کے بارہ میں ایک مشفقانہ ہدایت:-

مکان، باغ، یا کاشت کی زمین جیسی غیر منقولہ چیزوں کی یہ خصوصیت ہے کہ نہ اُن کو کوئی چرا سکتا ہے نہ اُن پر اُس طرح کے دوسرے حادثے آسکتے ہیں جو اموالِ منقولہ پر آتے رہتے ہیں۔ اس لیے دانشمندی کا تقاضا یہ ہے کہ بغیر کسی خاص ضرورت اور مصلحت کے ان چیزوں کو فروخت نہ کیا جائے، اور اگر فروخت کیا جائے تو بہتر یہ ہو گا کہ اُس قیمت سے کوئی غیر منقولہ جائداد ہی خرید لی جائے ــــــ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو امت کے حال پر جو شفقت تھی اس کی بنا پر آپ نے اس طرح کے مشورے بھی دیے ہیں ــــــ مندرجہ ذیل حدیث اسی قبیل سے ہے۔

عَنْ سَعِيدِ بْنِ حُرَيْثٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ بَاعَ مِنْكُمْ دَارًا أَوْ عَقَارًا قَمِنٌ أَنْ لَا يُبَارَكَ لَهُ إِلَّا أَنْ يَجْعَلَهُ فِي مِثْلِهِ۔

ــــــ رواہ ابن ماجہ والدارمی

حضرت سعید بن حریث رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرماتے تھے کہ تم میں سے جو کوئی اپنا گھر یا جائداد بیچے تو وہ سزاوار ہے کہ اُس کے

اس عمل میں برکت اور فائدہ نہ ہو ـــــ البتہ اگر وہ اُس کی قیمت کو اسی طرح کی کسی جائداد میں لگا دے تو پھر ٹھیک ہے۔ (سنن ابن ماجہ، مسند دارمی)

(تشریح) جیسا کہ اوپر تمہید میں عرض کیا گیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی حیثیت ایک مشفقانہ ہدایت اور مشورہ کی ہے۔ یہ شرعی مسئلہ نہیں ہے ـــــ اللہ تعالیٰ ہم امتیوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس طرح کے مشفقانہ مشوروں بلکہ اشاروں پر بھی چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

کاروبار میں شرکت کا جواز اور دیانتداری کی تاکید:۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَفَعَهٗ اِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ یَقُوْلُ اَنَا ثَالِثُ الشَّرِیْکَیْنِ مَالَمْ یَخُنْ اَحَدُهُمَا صَاحِبَهٗ فَاِذَا خَانَهٗ خَرَجْتُ مِنْ بَیْنِهِمَا ـــــ

ـــــ رواہ ابو داؤد

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے کہ جو دو آدمی شرکت میں کاروبار کریں تو تیسرا میں ان کے ساتھ ہوتا ہوں (یعنی میری رحمت اور برکت اُن کے ساتھ ہوتی ہے) جب تک کہ اُن میں سے کوئی اپنے ساجھے دار کے حق میں خیانت اور بددیانتی نہ کرے ـــــ پھر جب کسی شریک کی طرف سے خیانت اور بددیانتی کا صدور ہوتا ہے تو میں اُن سے الگ ہو جاتا ہوں (اور وہ میری رحمت کی برکات سے محروم ہو جاتے ہیں) (سنن ابی داؤد)

(تشریح) علماء مصنفین کی اصطلاح کے مطابق یہ "حدیث قدسی" ہے کیونکہ اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کا ارشاد نقل فرمایا ہے۔ اس سے ضمناً یہ بھی معلوم ہو گیا کہ تجارت اور کاروبار میں شرکت جائز ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے تجارت اور کاروبار کی شرکت ہی کے باب میں زُہرہ بن مَعبد تابعی کی روایت سے یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ میرے دادا عبد اللہ بن ہشام کو اُن کے بچپن ہی میں اُن کی والدہ (زینب بنت حُمید) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لیکر حاضر ہوئیں اور درخواست کی کہ حضرت میرے اس بچے کو بیعت فرمالیں آپ نے فرمایا کہ "ھو صغیر"

یعنی یہ ابھی بہت کم عمر ہے بچہ ہے اور آپ نے اُن کے سر پر اپنا دستِ مبارک پھیرا اور ان کے لیے دعا فرمائی (آگے زہرہ بن معبد بیان کرتے ہیں کہ) پھر میرے یہ دادا عبداللہ بن ہشام جب تجارت اور کاروبار کرنے لگے تو میں اُن کے ساتھ بازار اور منڈی جایا کرتا تھا تو بسا اوقات ایسا ہوتا کہ وہ تجارت کے لیے غلّہ کی خریداری کرتے تو حضرت عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن الزبیر (دونوں بزرگ صحابی) اُن کو ملتے اور ان سے کہتے کہ ہم کو بھی شریک کرلو اور حصہ دار بنالو کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہارے لیے برکت کی دعا فرمائی تھی (تو اس دعا کی برکت سے انشاء اللہ خوب نفع ہوگا) تو میرے دادا عبداللہ بن ہشام سودے میں ان دونوں صاحبوں کو بھی شریک کرلیتے تھے، تو بسا اوقات اتنا نفع ہوتا کہ پورا ایک اونٹ بھرا غلّہ نفع میں بچ جاتا جس کو وہ اپنے گھر بھیج دیتے۔　　(صحیح بخاری کتاب الشرکۃ)

تجارت اور کاروبار میں کسی کو وکیل بنانا بھی جائز ہے۔

عَنْ عُرْوَةَ بْنِ اَبِي الْجَعْدِ الْبَارِقِيِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَعْطَاهُ دِيْنَارًا لِيَشْتَرِيَ شَاةً فَاشْتَرٰى لَهٗ شَاتَيْنِ فَبَاعَ اِحْدَاهُمَا بِدِيْنَارٍ وَاَتَاهُ بِشَاةٍ وَدِيْنَارٍ فَدَعَا لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ بَيْعِهٖ بِالْبَرَكَةِ فَكَانَ لَوِ اشْتَرٰى تُرَابًا لَرَبِحَ فِيْهِ ــ (رواه البخاری)

عروہ بن الجعد بارقی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اس مقصد سے ایک دینار دیا کہ وہ آپ کے لیے ایک بکری خرید لائیں۔ وہ گئے اور انھوں نے اس ایک دینار کی دو بکریاں خرید لیں۔ پھر ان میں سے ایک، ایک دینار کی بیچ دی اور واپس آکر حضور کی خدمت میں ایک بکری بھی پیش کردی اور دینار بھی (اور واقعہ بتلا دیا) تو آپ نے اُن کے واسطے (خاص طور سے) خرید و فروخت میں یعنی تجارت میں برکت کی دعا فرمائی ــــ راوی کہتے ہیں کہ اس دعا کی برکت سے اُن کا حال یہ تھا کہ اگر مٹی بھی خرید لیتے تو اُس میں بھی ان کو نفع ہو جاتا　　(صحیح بخاری)

(تشریح) عروہ بن ابی الجعد بارقی نے بکریوں کی یہ خرید فروخت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کی طرف سے آپ کے وکیل کی حیثیت سے کی تھی اس سے معلوم ہوا کہ ایسا کرنا جائز ہے ـــــ اور چونکہ پہلے خریدی ہوئی دو بکریوں میں سے ایک حضور سے اجازت لیے بغیر فروخت کر دی اور حضور نے اُن کے اس فعل کو غلط اور خلاف شریعت قرار نہیں دیا بلکہ شاباشی اور دعا دی، تو اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ وکیل اپنے موکل کی چیز اُس کی اجازت کے بغیر بھی فروخت کر سکتا ہے۔ اور موکل اگر اس کو قبول کر لے اور رد نہ کرے تو وہ بیع جائز اور نافذ ہو گی ـــــ

عَنْ حَكِيمِ بْنِ حِزَامٍ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَ مَعَهُ بِدِينَارٍ يَشْتَرِي لَهُ بِهِ أُضْحِيَةً فَاشْتَرَى كَبْشًا بِدِينَارٍ وَبَاعَهُ بِدِينَارَيْنِ فَرَجَعَ فَاشْتَرَى أُضْحِيَةً بِدِينَارٍ فَجَاءَ بِهَا وَبِالدِّينَارِ الَّذِي اسْتَفْضَلَ مِنَ الْأُخْرَى فَتَصَدَّقَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالدِّينَارِ فَدَعَا لَهُ أَنْ يُبَارَكَ لَهُ فِي تِجَارَتِهِ۔ رواہ الترمذی وابوداؤد

حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ایک دینار دے کر اس کام کے لیے بھیجا کہ وہ آپ کے لیے قربانی کا جانور خرید لائیں۔ تو انھوں نے اس دینار سے ایک مینڈھا (یا دنبا) خرید لیا اور پھر وہیں اس کو (کسی خریدار کے ہاتھ) دو دینار میں فروخت کر دیا، پھر لوٹے اور اُن میں سے ایک دینار میں قربانی کا جانور خرید لیا اور آ کر حضور کی خدمت میں قربانی کے جانور کے ساتھ وہ دینار بھی پیش کر دیا جو دوسرا جانور (یعنی پہلا خریدا ہوا مینڈھا یا دنبا) فروخت کر کے بچا لیا تھا ـــــ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ دینار صدقہ کر دیا اور حکیم بن حزام کے لیے تجارت اور کاروبار میں برکت کی دعا فرمائی۔ (جامع ترمذی و سنن ابی داؤد)

(تشریح) حکیمؓ بن حزام کی اس حدیث کا مضمون بھی قریب وہی ہے جو اس سے پہلے والی حضرت عروہ بارقیؓ کی حدیث کا ہے لیکن ظاہر ہے کہ یہ دونوں الگ الگ واقعے ہیں اور دونوں ہی سے وہ مسئلہ معلوم ہو جاتا ہے جو اس سے پہلے والی حدیث کی تشریح میں ذکر کیا گیا۔

ـــــ

[1] یہ حکیم بن حزام ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بھتیجے تھے۔ قریش کے بڑے لوگوں میں تھے دولت مند بھی تھے اور فیاض بھی۔ سنہ ۸ ہجری میں فتح مکہ کے موقع پر قریبًا ۶۰ سال کی عمر میں اسلام قبول کیا، اس کے بعد بھی قریبًا ساٹھ سال زندہ رہے کچھ کم

مولانا سید جلال الدین عمری

والدین کی اخلاقی ذمہ داریاں

کتاب و سنت کی روشنی میں

(گزشتہ سے پیوستہ)

کس قسم کے نام نہیں رکھنے چاہیے

ایسے نام نہیں رکھنے چاہیے جو شان عبودیت کے منافی ہوں۔ حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اخنی۔ وفی روایۃ۔ اخنع۔ الاسماء یوم القیامۃ عند اللہ رجل تسمی ملک الاملاک	قیامت کے روز اللہ کے ہاں سب سے زیادہ ذلیل اور حقیر وہ نام ہے جو کسی کا "ملک الاملاک" رکھا جائے (اور وہ اس سے خوش رہے اور باقی رکھے)

ایک اور روایت میں یہ اضافہ ہے کہ آپ نے فرمایا۔

لا مالک الا اللہ	مالک تو صرف اللہ ہے

حضرت سفیان ثوری وغیرہ نے ملک الاملاک کی تفسیر شاہان شاہ (بادشاہوں کے بادشاہ) سے کی ہے۔ شاہان شاہ فارسی لفظ ہے۔ اس سے وہ یہ اشارہ کرنا چاہتے ہیں کہ اس مفہوم کا نام جس زبان میں بھی رکھا جائے وہ بدترین نام ہوگا۔

امام نووی فرماتے ہیں۔ جس طرح ملک الاملاک نام رکھنا حرام ہے اسی طرح وہ اسماء حسنیٰ جو

لـه بخاری، کتاب الادب، باب ابغض الاسماء، مسلم، کتاب الادب

اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہیں انسانوں کے لیے ان کا استعمال بھی حرام ہے۔ جیسے رحمٰن، قدوس مہیمن، خالق الخلق وغیرہ۔[۱]

شریح بن ہانی کہتے ہیں کہ ان کے والد ہانی اپنی قوم کا وفد لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے۔ آپ نے دیکھا کہ ان کی قوم ان کو ابو الحکم کہتی ہے۔ آپ نے فرمایا۔

ان اللہ ھو الحکم والیہ الحکم　　　اللہ ہی حاکم (مطلق) ہے اور اسی کی طرف اقتدار پلٹتا ہے۔

(اس لیے یہ کنیت مناسب نہیں ہے) اس کنیت کی وجہ آپ نے پوچھی تو انھوں نے کہا میری قوم میں جب کوئی اختلاف ہوتا ہے تو میری طرف رجوع کرتی ہے اور میں جو فیصلہ کرتا ہوں اس سے وہ خوش اور مطمئن ہو جاتی ہے۔ اس وجہ سے اس نے مجھے ابو الحکم کا خطاب دیا ہے۔ آپ نے فرمایا یہ تو بڑی اچھی بات ہے۔ کیا تمھارے بچے بھی ہیں؟ انھوں نے کہا۔ ہاں شریح، مسلم اور عبد اللہ تین ہیں۔ آپ نے پوچھا ان میں بڑا کون ہے؟ انھوں نے کہا، شریح، آپ نے فرمایا تمھاری کنیت ابو شریح ہے۔[۲]

ابن ابی شیبہ کی روایت ہے۔ خیثمہ کہتے ہیں۔ ہمارے والد کا دورِ جاہلیت کا رکھا ہوا نام عزیز (غالب) تھا آپ نے اسے بدل کر عبد الرحمٰن کر دیا۔[۳]

امام ابن قیم فرماتے ہیں کہ جو نام اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہیں۔ جیسے احد، صمد، خالق، رزاق وغیرہ۔ وہ نام انسانوں کے رکھنا جائز نہیں ہے۔ اسی طرح بادشاہوں اور حاکموں کو قاہر، ظاہر، جبار، متکبر، اول، آخر، ظاہر، باطن، علام الغیوب وغیرہ ناموں سے یاد کرنا بھی صحیح نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کے جن اسماء کا اطلاق مخلوق پر بھی ہوتا ہے جیسے سمیع، بصیر، رؤف، رحیم وغیرہ تو انسانوں کے لیے ان کا استعمال ہو سکتا ہے لیکن علی الاطلاق ان کا استعمال جس طرح خدا کے لیے ہوتا ہے صحیح نہیں ہے۔[۴]

نام سے بعض اوقات انسان کے دین و ایمان اور عقیدہ کا اظہار ہوتا ہے۔ اس لیے ایسا نام نہیں رکھنا چاہیے جو اسلام کے عقائد کے خلاف ہو۔ علامہ ابن حزم کہتے ہیں کہ اس پر سب کا اتفاق ہے کہ ایسے نام رکھنا حرام ہے جن سے یہ ظاہر ہو کہ اللہ کے سوا ان کا کوئی اور معبود ہے اور وہ اس کی عبادت کرتا ہے۔ جیسے عبد العزیٰ،

۱؎ شرح مسلم ۲/۲۰۸　۲؎ ابوداؤد، کتاب الادب، باب فی تغییر الاسم القبیح

۳؎ تحفۃ المودود باحکام المولود ص ،،　۴؎ تحفۃ المودود ص ۴۲، ۵۰،

عبد ہبل، عبد عمرو، عبد الکعبہ وغیرہ۔ علامہ ابن قیم فرماتے ہیں اسی طرح عبد علی اور عبد حسین وغیرہ بھی حرام ہے۔ ابن ابی شیبہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک وفد آیا۔ آپ نے دیکھا اس میں ایک شخص کو لوگ عبد الحجر بلا رہے ہیں۔ آپ نے اس سے نام پوچھا۔ اس نے نام بتایا تو آپ نے فرمایا تمھارا نام عبد اللہ ہے۔[۱]

ایسے نام بھی نہیں رکھنے چاہیئے جن سے کبر و غرور اور بڑائی کا اظہار ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح کے نام بدل دیے۔ حضرت زینب بنت ابو سلمہ، جو آپ کی پروردہ تھیں، فرماتی ہیں کہ میرا نام 'برّہ' (نیک) تھا۔ آپ نے فرمایا: لا تزکوا انفسکم اللہ اعلم باھل البر منکم (اپنی بڑائی مت کرو۔ تم میں جو نیک ہے اسے اللہ خوب جانتا ہے۔) آپ سے دریافت کیا گیا کہ کیا نام رکھا جائے۔ فرمایا۔ زینب رکھو۔[۲]

اسی طرح ام المومنین حضرت زینب بنت جحشؓ کا نام بھی 'برّہ' تھا آپ نے اسے بھی بدل کر زینب رکھا۔[۳]

حضرت عبد اللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ام المومنین حضرت جویریہؓ کا نام بھی 'برّہ' تھا آپ نے اسے بدل کر جویریہ رکھا۔[۴]

عرب میں تکبر اور بڑائی کے اظہار کے لیے عاصی اور عاصیہ (نافرمان) نام رکھنے کا بھی رواج تھا۔ اس سے ان کا مقصد یہ ہوتا تھا کہ یہ شخص کسی کے سامنے نہیں جھکے گا اور کوئی اس سے اپنی بات نہیں منوا سکے گا۔ ایک تو یہ جذبہ خود بھی غلط ہے اور دوسرے یہ کہ اس سے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا بھی اظہار ہوتا ہے اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بدل دیا۔ چنانچہ عاص بن اسود عدوی مسلمان ہوئے تو آپ نے ان کا نام 'مطیع' رکھا۔[۵]

حضرت عمرؓ کی ایک صاحبزادی کا نام بھی 'عاصیہ' تھا۔ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام بدل دیا فرمایا تمھارا نام 'جمیلہ' ہے۔[۶]

انسان کی زبان سے اچھا یا برا جو لفظ بھی نکلتا ہے مخاطب پر اپنا اثر ڈالتا ہے۔ اچھے لفظ سے وہ فرحت اور خوشی محسوس کرتا ہے اور برے لفظ سے اس کو تکلیف اور اذیت ہوتی ہے۔ یہی حال اچھے اور برے نام کا ہے۔ جس نام کے ساتھ اچھی روایات اور اچھی تاریخ وابستہ ہو اور جس کا مفہوم پسندیدہ ہو مخاطب پر اس کا اثر بھی اچھا پڑتا ہے۔ اس کے برخلاف جن ناموں کا مفہوم

---

[۱] حوالہ سابق ص ۶۶ [۲] مسلم، کتاب الادب، باب استحباب تغییر الاسم القبیح [۳] حوالہ سابق
[۴] حوالہ سابق [۵] الادب المفرد ۲/۲۰۹ [۶] ابو داؤد، کتاب الادب، باب فی تغییر الاسم القبیح

ناپسندیدہ ہو اور جن کے ساتھ ذلت اور رسوائی چپک گئی ہو ان کو سن کر مخاطب پر بُرا اثر پڑتا ہے[1]

یہ تو مخاطب کے پہلو سے ہے۔ انسان خود بھی اپنے نام کا اثر لیتا ہے۔ جس نام سے ہمیشہ اسے یاد کیا جاتا ہے اس کا اس کی نفسیات اور ذہن و مزاج پر گہرا اثر پڑتا ہے۔ اس لیے یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ برے اور بھلے نام اپنے اثرات رکھتے ہیں، اور انسان ان اثرات کو قبول بھی کرتا ہے۔ اس وجہ سے ایسے نام نہیں رکھنے چاہییں جن کا مفہوم ناپسندیدہ ہو۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یغیرُ الاسمَ القبیحَ[2] — نبی صلی اللہ علیہ وسلم بُرے نام کو بدل دیا کرتے تھے۔

اسامہ بن اخدری کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک وفد آیا۔ وفد کے ایک شخص سے آپ نے نام پوچھا تو اس نے کہا 'احرم' آپ نے فرمایا نہیں! تمھارا نام 'زرعہ' ہے[3]

'احرم' کے معنی ہیں کاٹ دینے والا۔ اس سے امور خیر کے کاٹنے کا بھی تصور پیدا ہوتا ہے۔ اس لیے آپ نے 'زرعہ' نام تجویز فرمایا جس کے معنی ہیں کاشت کرنے اور بونے والا۔ اس میں نیکی اور بھلائی کے بیج بونا بھی داخل ہے۔

اسی طرح ایک صحابی کا نام 'صرم' تھا۔ اسے بدل کر آپ نے 'سعید' نام رکھا[4]

حضرت سعید بن مسیبؒ کے دادا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے نام دریافت فرمایا تو انھوں نے 'حزن' بتایا۔ آپ نے فرمایا اسے بدل دو اور 'سہل' اپنا نام رکھ لو۔ (حزن کے معنی ہیں سخت اور سہل کے معنی ہیں نرم) انھوں نے اسے قبول نہیں کیا اور کہا

---

[1] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ناموں سے اثر قبول فرمایا ہے۔ اچھے ناموں سے اچھی توقعات قائم کی ہیں اور بُرے ناموں سے بُرے نتائج کا خدشہ ظاہر فرمایا ہے۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو تحفۃ المودود ص ۰۰۔ ۱۰ [2] ترمذی، ابواب الاستیذان، باب ماجاء فی تغییر الاسماء [3] ابوداؤد، کتاب الادب، باب فی تغییر الاسم القبیح۔ [4] الادب المفرد ۲/ ۲۰۶

کہ یہ میرے باپ کا رکھا ہوا نام ہے۔ میں اسے بدلنا نہیں چاہتا۔ انھوں نے مزید کہا کہ 'سہل' تو نرم زمین کو کہا جاتا ہے جسے آسانی سے روندا جاسکتا ہے اس کے برخلاف 'حزن' سخت زمین کو کہتے ہیں جس میں کوئی شخص اپنا قدم دھنسا نہیں سکتا۔

حضرت سعید بن مسیب فرماتے ہیں کہ اس سے میں نے یہ سمجھا کہ ہمارے ہاں اخلاق کی سختی باقی رہے گی چنانچہ یہ سختی باقی رہی [1]

حضرت علیؓ بیان کرتے ہیں کہ حسنؓ پیدا ہوئے تو میں نے ان کا نام 'حرب' (جنگ، تباہی) رکھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ فرمایا۔ لاؤ، میں اپنے بچہ کو دیکھوں۔ اس کا تم نے کیا نام رکھا ہے؟ میں نے عرض کیا 'حرب' رکھا ہے۔ آپ نے فرمایا نہیں! وہ 'حسن' ہے۔ اسی طرح حسینؓ پیدا ہوئے تو ان کا نام بھی میں نے 'حرب' ہی رکھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ فرمایا۔ میرے بچہ کو لاؤ۔ دیکھیں تم نے اس کا کیا نام رکھا ہے؟ ہم نے عرض کیا 'حرب' رکھا ہے تو آپ نے فرمایا یہ نہیں۔ اس کا نام 'حسین' ہے۔ تیسرا بچہ پیدا ہوا تو بھی میں نے 'حرب' ہی نام رکھا۔ اس بار بھی آپ تشریف لائے۔ بچہ کو دیکھنے کے لیے کہا اور نام دریافت فرمایا۔ جب نام بتایا گیا تو فرمایا نہیں۔ اس کا نام 'محسن' ہے۔ میں نے ان بچوں کے نام حضرت ہارونؑ کے بچوں کے نام پر رکھے ہیں۔ وہ نام یہ تھے۔ شبر، شبیر، مشبر [2]

رائطہ بنت مسلم بیان کرتی ہیں کہ میرے والد نے کہا کہ میں جنگ حنین میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک تھا۔ آپ نے میرا نام دریافت فرمایا۔ میں نے کہا 'غراب'، آپ نے فرمایا نہیں تمھارا نام 'مسلم' ہے [3]

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ایک شخص کے بارے میں آپ کو بتایا گیا کہ اس کا نام 'غراب' ہے تو آپ نے فرمایا آئندہ تمھارا نام ہشام ہوگا [4]

'غراب' کے معنی دوری کے ہیں۔ یہ دوری خیر وصلاح اور اپنی حقیقی منزل سے بھی ہوسکتی ہے۔ جو نامطلوب اور ناپسندیدہ ہے۔ 'غراب' کوے کو بھی کہا جاتا ہے۔ ایک تو گندگی اور

---

[1] بخاری، کتاب الادب، [2] الادب المفرد ۲/۲۰۶-۲۰۸۔ حضرت علیؓ کے تیسرے صاحب زادے کا انتقال غالباً بچپن ہی میں ہوگیا۔ ملاحظہ ہو۔ الاصابہ فی تمیز الصحابہ ۳/۴۷۱، [3] الادب المفرد ۲/۲۰۸، [4] حوالہ سابق ۲۰۹

غلاظت اس کی غذا کا جزو ہے۔ اور دوسرے یہ کہ کسی اعلیٰ وصف کی بنا پر اس کی شہرت نہیں ہے۔

بشیر بن نہیک کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا نام دریافت فرمایا میں نے 'زحم' (تنگ کرنے اور ٹکرانے والا) بتایا تو آپ نے اسے بدل کر بشیر رکھا[1]

امام ابو داؤد فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عاص، عزیز، عَتَلہ، شیطان، حکم، غراب اور حباب وغیرہ نام بدل دیے۔ اسی طرح آپ نے شہاب کو ہشام، حرب کو سلم اور مضطجع کو منبعث کر دیا[2]

ان میں سے بعض کا ذکر پہلے آچکا ہے اور بعض کا نہیں آیا ہے۔ عَتَلہ کے معنی ہیں کسی چیز کو سختی سے کھینچنا۔ ایک مومن کی صفت درشتی اور سختی نہیں بلکہ نرمی اور عاجزی ہے۔ 'حباب' کے معنی سانپ کے بھی آتے ہیں اور حباب شیطان کو بھی کہا جاتا ہے۔ دونوں ہی انسان کے لیے موذی اور خطرناک ہیں۔ شہاب کے معنی 'شعلہ' کے ہیں اس کی نسبت اگر دین کی طرف کر دی جائے اور 'شہاب الدین' نام رکھا جائے تو اس کی کراہت ختم ہو جاتی ہے۔ 'حرب' جنگ کو کہتے ہیں جو سخت ناپسندیدہ ہے 'سلم' امن کو کہا جاتا ہے جو مطلوب و محمود ہے۔ 'مضطجع' کے معنی ہیں لیٹنے والا۔ لیٹنا سستی اور کاہلی کی نشانی ہے جو انسان کے لیے تباہ کن ہے۔ اس کے برخلاف 'منبعث' کے معنی ہیں کھڑا ہونے والا۔ اس سے چستی اور آمادگی ظاہر ہوتی ہے۔ اس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ تمام نام بدل دیے جن کے معنی غلط اور ناپسندیدہ تھے۔ ان کی جگہ آپ نے وہ نام بتائے جن کے اندر اچھا مفہوم پایا جاتا ہے اور جن سے اعلیٰ صفات ظاہر ہوتی ہیں۔

یہ وہ نام ہیں جن کا مفہوم ہی غلط اور ناپسندیدہ ہے۔ جن ناموں کا معنی و مفہوم تو پسندیدہ ہو لیکن ان کے استعمال میں قباحت ہو تو ان کا رکھنا بھی پسندیدہ نہیں ہے۔ حضرت سمرہ بن جندبؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

لاتسم غلامک رباحا ولا یسارا	اپنے غلام (اور بچہ کا بھی) کا نام رباح، یسار
ولا افلح ولا نافعا	افلح اور نافع مت رکھو۔

ان ناموں کے معنی یہ ہیں رباح، نفع۔ یسار، آسان۔ افلح، فلاح یاب۔ نافع، فائدہ مند۔

---

[1] حوالہ سابق ص ۲۹۰ [2] ابو داؤد، کتاب الادب، باب تغییر الاسم القبیح

ان کے معنی میں فی نفسہ کوئی خرابی نہیں ہے لیکن بعض اوقات ان کا استعمال بہت ہی ناگوار لگتا ہے۔ اسے اوپر کی حدیث میں ایک مثال سے سمجھایا گیا ہے کہ اگر یہ پوچھا جائے کہ کیا وہاں (فلاح) موجود ہے اور وہ وہاں موجود نہ ہو تو جواب یہ ہوگا کہ یہاں "فلاح" نہیں ہے۔ اس میں بولنے والے کو بھی تکلف ہوتا ہے اور سننے والے پر بھی برا اثر پڑتا ہے۔

اس طرح کے ناموں کے سلسلہ میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں۔

اراد النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان ینھی عن ان یسمی بیعلی و ببرکۃ، وبافلح و بیسار وبنافع ونحو ذالک ثم رایتہ سکت بعد عنھا فلم یقل شیئا ثم قبض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولم ینہ عن ذالک ثم اراد عمر ان ینھی عن ذالک ثم ترکہ[1]	نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے چاہا کہ یعلی، برکت، افلح یسار، نافع اور اس جیسے نام رکھنے سے منع فرمادیں پھر میں نے دیکھا کہ آپ نے سکوت اختیار کرلیا اور اس سلسلہ میں کچھ نہیں فرمایا۔ پھر آپ کی وفات ہوگئی اور آپ نے اس سے منع نہیں فرمایا۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ نے بھی اس سے منع کرنا چاہا لیکن انھوں نے بھی خاموشی اختیار کرلی۔

مطلب یہ کہ حضرت جابرؓ نے یہ محسوس کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح کے نام رکھنے سے منع فرمانا چاہتے تھے لیکن آخر وقت تک آپ نے منع نہیں فرمایا۔ حضرت عمرؓ نے بھی منع کرنا چاہا لیکن منع نہیں کیا۔ ہوسکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان ناموں کے سلسلہ میں جو ممانعت فرمائی تھی اس کا حضرت جابرؓ کو علم نہ ہو۔ اس کا بھی امکان ہے کہ ممانعت سے حضرت جابرؓ کی مراد ان ناموں کی حرمت ہو۔ امام نووی نے اسی دوسرے امکان کو لیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ "حضرت جابرؓ کا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح کے ناموں کو حرام ٹھہرانا چاہتے تھے لیکن ایسا آپ نے نہیں کیا۔ باقی رہا ان ناموں کا مکروہ تنزیہی ہونا تو یہ دوسری حدیثوں سے ثابت ہے"[2] ———— ان ناموں کی فقہی حیثیت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں "ہمارے علماء نے لکھا ہے کہ حضرت سمرہ بن جندب کی حدیث میں جن ناموں کا ذکر آیا ہے صرف ان ہی کا رکھنا مکروہ نہیں ہے بلکہ ان کے ہم معنی ناموں کا رکھنا بھی مکروہ ہے۔ یہ کراہت تنزیہی ہے تحریمی نہیں ہے۔ اس کی وجہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمادی ہے کہ اس طرح کا نام ہے کہ جب کسی کو بلایا جائے اور

---

[1] مسلم، کتاب الادب　[2] حوالہ سابق

وہ موجود نہ ہو تو جواب بہت خراب لگتا ہے۔ بعض لوگ اس سے بدشگونی بھی لے سکتے ہیں۔[۱]

امام ابن قیمؒ نے بھی یہی بات کہی ہے۔ فرماتے ہیں "حدیث میں جن ناموں کا ذکر آیا ہے ان ہی کے حکم میں مبارک، مفلح، خیر، سرور، نعمت جیسے نام داخل ہیں۔ اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو وجہ بتائی ہے وہ ان میں بھی موجود ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ خیر نہیں ہے، سرور نہیں ہے، برکت نہیں ہے اس لیے طبیعت میں انقباض پیدا ہوتا ہے اور بہت سے لوگ اس سے بدفالی بھی لیتے ہیں۔ یہ ایک طرح سے ناپسندیدہ بات کرنے کے حکم میں آتا ہے۔"[۲]

اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی کا نام اس قسم کا ہو تو اسے بدل دینا اچھا ہے۔ نہ بدلے تو گناہ گار نہ ہوگا۔ حضرت سعید بن مسیب کے دادا کا نام 'حزن' (سخت) تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ اسے بدل کر اپنا نام 'سہل' (نرم) رکھ لیں۔ لیکن انھوں نے نہیں بدلا۔ محدث ابن بطال کہتے ہیں

فیہ ان الامر بتحسین الاسماء و بتغییر الاسم الی احسن منہ لیس علی الوجوب[۳]	اسمیں اس بات کی دلیل ہے کہ اچھے نام رکھنے اور بُرے نام کو اچھے نام سے بدل دینے کا حکم وجوب کے لیے نہیں ہے۔

نام رکھنے کے سلسلہ میں جو ہدایات ملتی ہیں ان کی روشنی میں امام طبری فرماتے ہیں۔

لا ینبغی التسمیۃ باسم قبیح المعنی ولا باسم یقتضی التزکیۃ ولا باسم معناہ السب[۴]	نہ تو ایسا نام رکھنا چاہیے جس کا معنی برا ہو اور نہ ایسا نام جس سے آدمی کی بڑائی ظاہر ہو۔ اسی طرح وہ نام بھی نہیں رکھنا چاہیے جس کے اندر سب و شتم کا مفہوم ہو۔

نام کبھی کبھی شرعی نقطہ نظر سے بالکل غلط ہوتے ہیں اور کبھی ناپسندیدہ۔ بعض اوقات بالکل بے معنی نام بھی رکھے جاتے ہیں۔ احادیث میں جن آداب کی تعلیم دی گئی ہے ان کا اگر خیال رکھا جائے تو ان خرابیوں سے بچا

---

۱ شرح مسلم ۲/۲۰۶ ۲ تحفۃ المودود ص ۶۰ ۳ فتح الباری ۱۰/۴۳۳ ۴ حوالہ سابق ص ۴۳۸

ڈاکٹر مولوی ماجد علی خاں
جامعہ ملیہ دہلی

تصوّف کی حقیقت

(آخری قسط)

حضرت مجدد الف ثانیؒ کے بعد کے مشائخ کے نظریات:۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ کے بعد حضرت شاہ ولی اللہؒ، حضرت سید احمد شہید، مولانا شاہ اسمٰعیل شہید، حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ، مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اور حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ وغیرہ مشائخ نے تصوف کو شریعت کے دائرے میں رکھتے ہوئے تزکیہ نفس اور اصلاح باطن کی زبردست خدمت انجام دی اور لاکھوں افراد کا تعلق اللہ سے وابستہ کرنے کا ذریعہ بنے۔ ان حضرات کے کام کو سراہتے ہوئے مولانا ابوالحسن علی الحسنی تحریر فرماتے ہیں:۔

"پیران پیر شیخ عبد القادر جیلانیؒ اور شیخ شہاب الدین سہروردیؒ سے لیکر مجدد الف ثانیؒ حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ، حضرت سید احمد شہیدؒ، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اور حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ سب نے قشر و لُباب مقصود و غیر مقصود میں پوری وضاحت کے ساتھ امتیاز پر زور دیا اور ان رسومات و عادات کی اس شدت سے تردید کی جو غیر مسلموں کے اختلاط یا صوفیائے خام کے اثر سے داخل ہوگئی تھیں اور ان کو تصوف اور طریقت کا جزء سمجھ لیا گیا تھا۔ حضرت شیخ عبد القادر جیلانیؒ کی فتوح الغیب ہو یا غنیۃ الطالبین، یا شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کی عوارف المعارف، حضرت مجدد صاحبؒ کے مکتوبات امام ربانی ہوں یا حضرت شاہ ولی اللہؒ کی تصنیفات، یا حضرت سید احمد شہیدؒ

کی صراط مستقیم، حضرت گنگوہیؒ کے مکتوبات یا مولانا تھانویؒ کی تربیت السالک وقصد السبیل، ہر جگہ یہ مضامین بکثرت ملیں گے کہ انھوں نے دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ کردیا اور جہاں تک حضرت شاہ ولی اللہؒ کا تعلق ہے انھوں نے تو یہاں تک لکھدیا ہے کہ

"نسبت صوفیا کبریت احمر است و رسوم ایشاں ہیچ نمی ارزد"

(صوفیاء کرام کی نسبت باطنی تو نعمت عظمیٰ ہے اور کبریا ہے لیکن ان کے رسوم (جن کا شریعت سے ثبوت نہیں) کوئی قیمت نہیں رکھتے۔)

اس طرح ان سب حضرات نے بلا استثناء اخلاق ومعاملات حقوق العباد کی اہمیت پر پورا زور دیا ہے اور اس کو اصلاح و قرب کے لیے شرط قرار دیا ہے۔ ان حضرات کی تصانیف بھی اس مضمون سے بھری ہوئی ہیں اور ان کی مجالس اس تذکیر و تبلیغ سے ہمیشہ معمور ہیں۔"[1]

حضرت مولانا شاہ محمد اسماعیل شہیدؒ "صراط مستقیم" کے مقدمہ میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"جاننا چاہیے کہ شریعت اور طریقت کا ثمرہ اور حقیقت و معرفت کی بنا حضرت حق جل وعلا کی محبت کو حاصل کرنا ہے۔ چنانچہ (فقرہ حدیث) من کان اللہ ورسولہ احب الیہ مما سواھما الخ (یعنی جس کے نزدیک اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے سب ماسوا کی نسبت زیادہ تر محبوب ہوں اس نے ایمان کا مزہ چکھا) اس امر کی تصریح ہے اور آیت وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ (یعنی ایمان والے اللہ تعالیٰ کی محبت میں زیادہ تر مضبوط ہیں) اسی کی طرف اشارہ ہے۔۔۔۔۔"[2]

حضرت سید احمد شہیدؒ کشف و شہود کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں:۔

"۔۔۔۔۔ جو کشف اور شہود سلوک کے اعمال میں اور اشغال میں کوشش کرنے کے باعث پیش آتا ہے کافر اور مومن اور بدعتی اور متبع سنت کے درمیان مشترک ہوتا ہے لیکن مومن کا ایمان اور اتباع سنت کا ارادہ اس کی مقبولیت کا سبب ہے اور کافر کا کفر

---

[1] "اکابر کا سلوک و احسان" (مقدمہ از سید ابوالحسن علی ندوی) صفحہ ۱۱-۱۲

[2] صراط مستقیم صفحہ ۲

اور ملحد کا الحاد اور مبتدع کی بدعت اس کے رد کرنے والی چیزیں ہیں۔ پس صرف اسی کشف اور شہود کو وہ کمال سمجھ لینا جو انسان سے مطلوب ہے محض خطا ہے۔ ہاں مومن کے حق میں یہ ایک کارآمد چیز ہے جو کمال مطلوب کا ذریعہ اور راستہ ہے۔۔۔۔"[1]

ایک دوسری جگہ حضرت سید احمد شہیدؒ فرماتے ہیں:۔

"۔۔۔۔۔ راہ حق کے بڑے خلل انداز وہ صوفی شعار ملحد ہیں جو شریعت کی مخالفت سے نہیں ڈرتے بلکہ مخالفت کے التزام کو اپنا طریق سمجھتے ہیں اور بڑے بڑے مبتدع شرک آمیز اشغال سیکھتے سکھاتے ہیں اور الحاد کا کام لوگوں میں پھیلا دیتے ہیں۔۔۔۔۔"[2]

تہذیب اخلاق کے موضوع پر حضرت سید صاحبؒ کا ارشاد ہے:۔

"بخل اور حسد اور تکبر اور حرام اور غیبت اور کینہ اور ریا اور کذب اور طمع اور حرص جیسی بدعادتوں کے ساتھ سالکان راہ حق کے نفوس کا آلودہ ہو جانا اُن پر رحمانی فیض کے اترنے اور خدائی عنایات کے وارد ہونے کا بڑا ہی قوی مانع ہے۔ سلف صالح ان رذائل کا تزکیہ نہایت ضروری جانتے تھے۔۔۔۔۔۔"[3]

وہ امراء اور حکام جو اس راستہ میں چلنا چاہتے ہیں اُن کو حضرت سید صاحبؒ کی خصوصی نصیحت یہ تھی:۔

"جو شخص امراء میں اور حکام میں سے اللہ تعالیٰ کی توفیق سے راہ سلوک میں اگر وہ قدم رکھے تو اُن امور شرعیہ کے اہتمام کے ساتھ جو سالکان کو چاہئیں عدالت اور انصاف کا اہتمام بھی اُن کے واسطے ضروری ہے کیونکہ اُن کے حق میں عدالت سب عبادتوں سے بہتر ہے۔ عدالت میں گزشتہ بادشاہوں کے طریق کی رعایت نہ کرے بلکہ عدالت اور سیاست میں خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کی پیروی کرے اور شیخین یعنی حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ رضی اللہ عنہما کی سیرت اس کے واسطے کافی ہے اور خلفاء اور بادشاہوں میں فرق یہی ہے کہ بادشاہ تو دنیا کی اصلاح کو مقدم رکھتے ہیں اور آخرت

---

[1] صراط مستقیم صفحہ [2] ایضاً صفحہ [3] ایضاً صفحہ

کی کچھ پرواہ اور اُس کا کچھ اہتمام نہیں کرتے اور خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین دنیاوی کمال انتظام کے باوجود دین کو جانے نہیں دیتے اور اس کی اصلاح اور ازدیاد کو مقدم و ضروری جانتے ہیں ...." [1]

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ تصوف کی حقیقت کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:-

"صوفیہ کا علم نام ہے ظاہر و باطن علم دین اور قوت یقین کا اور یہی اعلیٰ علم ہے۔ صوفیا کی حالت اخلاق کا سنوارنا اور ہمیشہ خدا کی طرف لو لگائے رکھنا ہے۔ تصوف کی حقیقت اللہ تعالیٰ کے اخلاق سے مزین ہونا اور اپنے ارادہ کا فنا جاننا اور بندہ کا اللہ تعالیٰ کی رضا میں بالکلیہ مصروف ہو جانا ہے۔ صوفیا کے اخلاق وہی ہیں جو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خُلق ہے۔ حسب فرمان خداوند تعالیٰ "انک لعلیٰ خلق عظیم" (بیشک تم بڑے خلق پر (پیدا کیے گئے) ہو) اور نیز جو کچھ حدیث میں آیا ہے (اس پر عمل اخلاق صوفیہ میں داخل ہے) صوفیا کے اخلاق کی تفصیل اس طرح ہے کہ اپنے آپ کو کمتر سمجھنا اور اس کی ضد ہے تکبر، مخلوق کے ساتھ تلطف کا برتاؤ کرنا اور خلقت کی ایذاؤں کو برداشت کرنا، نرمی اور خوش خلقی کا معاملہ کرنا اور غیظ و غضب کو چھوڑ دینا ہمدردی اور دوسروں کو ترجیح دینا، خلق پر فرط شفقت کے ساتھ جس کا یہ مطلب ہے کہ مخلوق کے حقوق کو اپنے حظ نفسانی پر مقدم رکھا جائے، سخاوت کرنا، درگزر اور خطا کا معاف کرنا، خندہ روئی اور بشاشتہ جسم، سہولۃ اور نرم پہلو رکھنا۔ تصنع اور تکلف کا چھوڑ دینا، خرچ کرنا بلا تنگی اور بغیر اتنی فراخی کے کہ احتیاج لاحق ہو، خدا پر بھروسہ رکھنا، تھوڑی سی دنیا پر قناعت کرنا، پرہیزگاری، اور جنگ و جدل اور عتاب نہ کرنا مگر حق کے ساتھ۔ بغض و کینہ و حسد نہ رکھنا، عزت و جاہ کا خواہشمند نہ ہونا، وعدہ پورا کرنا، بردباری، دور اندیشی، بھائیوں کے ساتھ موافقت رکھنا اور اغیار سے علیحدہ رہنا، محسن کی شکرگزاری، اور جاہ کا مسلمانوں کے لیے خرچ کرنا، صوفی اخلاق میں اپنا ظاہر و باطن مہذب بنا لیتا ہے اور تصوف سارا ادب ہی کا نام

[1] صراط مستقیم" ص۱"

ہے۔ بارگاہ احدیت کا ادب یہ ہے کہ ماسوئی سے منہ پھیر لینا، شرم کے مارے حق تعالیٰ کے اجلال و ہیبت کے سبب بدترین معصیت ہے تحدیث نفس یعنی نفس سے باتیں کرنا اور ظلمت کا سبب ہے۔" [له]

حقیقتِ طریقت اور خلاصہ سلوک کے سلسلہ میں حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ تحریر فرماتے ہیں :۔

"(۱) نہ اس میں کشف و کرامت ضروری ہے (۲) نہ قیامت میں بخشوانے کی ذمہ داری ہے (۳) نہ دنیا کی کاربرآری کا وعدہ ہے کہ تعویذ گنڈوں سے کام بن جاویں یا مقدمات دعا سے فتح ہو جایا کریں یا روزگار میں ترقی ہو یا جھاڑ پھونک سے بیماری جاتی رہے یا ہونے والی بات بتلادی جایا کرے (۴) نہ تصرفات لازم ہیں کہ پیر کی توجہ سے مرید کی از خود اصلاح ہو جاوے۔ اس کو گناہ کا خیال ہی نہ آوے، خود بخود عبادت کے کام ہوتے رہیں۔ مرید کو زیادہ ارادہ بھی نہ کرنا پڑے یا علم دین و قرآن میں ذہن و حافظہ بڑھ جائے (۵) نہ ایسے باطنی کیفیات پیدا ہونے کی کوئی میعاد ہے کہ ہر وقت یا عبادت کے وقت لذت سے سرشار ہے۔ عبادت میں خطرات ہی نہ آویں خوب رونا آوے، ایسی محویت ہو جاوے کہ اپنی پرائی خبر نہ رہے (۶) نہ ذکر و شغل میں انوار وغیرہ کا نظر آنا یا کسی آواز کا سنائی دینا ضروری ہے (۷) نہ عمدہ عمدہ خوابوں کا نظر آنا یا الہامات کا صحیح ہونا لازمی ہے۔ بلکہ اصل مقصود حق تعالیٰ کا راضی کرنا ہے جس کا ذریعہ شریعت کے حکموں پر پورے طور سے چلنا ہے۔ ان حکموں میں سے بعضے متعلق ظاہر کے ہیں جیسے نماز روزہ حج و زکوٰۃ وغیرہ اور جیسے نکاح و طلاق و ادائے حقوق زوجین کفارہ قسم وغیرہ اور جیسے لین دین و پیروی مقدمات و شہادت و وصیت و تقسیم ترکہ وغیرہ اور جیسے سلام و کلام و طعام و منام و قعود و قیام و مہمانی و میزبانی وغیرہ ان مسائل کو علم فقہ کہتے ہیں اور بعضے متعلق باطن کے ہیں جیسے خدا سے محبت رکھنا، خدا سے ڈرنا خدا کو یاد رکھنا، دنیا سے محبت کم ہونا، خدا کی مشیت پر راضی رہنا، حرص نہ کرنا، عبادت میں دل کا حاضر

[له] تذکرۃ الرشید، دوسرا حصہ، صفحہ ۱۲۷

رکھنا، دین کے کاموں کو اخلاص سے کرنا، کسی کو حقیر نہ سمجھنا، خود بینی نہ ہونا، غصہ کو ضبط کرنا وغیرہ۔ ان اخلاق کو سلوک کہتے ہیں اور مثل احکام ظاہری کے ان احکام باطنی پر عمل کرنا بھی فرض و واجب ہے .... "[1]

غرض تصوف کا مقصد رذائل اخلاق ذمیمہ، شہوت، آفاتِ لسانی، غضب، حسد، حُبّ دنیا، حُبّ جاہ، بخل، حرص، ریا، عُجب، غرور سے پاک کرنا اور فضائل یعنی اخلاق حمیدہ، توبہ، صبر، شکر، خوف، رجا، زہد، توحید و توکل، محبت، شوق، اخلاص، صدق، مراقبہ، محاسبہ و تفکر سے آراستہ کرنا ہے تاکہ تعلق باللہ قائم ہو کر توجہ الی اللہ پیدا ہو جائے۔ اس طرح تصوف و طریقت دین و شریعت کے قطعاً منافی نہیں۔ مجھ سے کچھ ذمہ دار حضرات نے دریافت کیا کہ موجودہ دور میں تصوف پر عمل کس طرح کیا جائے ان کا مختصر جواب یہ ہے کہ اگر باطن کا جلا اور تزکیہ نفس اور مذکورہ بالا اخلاق ذمیمہ سے چھٹکارا پانا اور اخلاق حمیدہ کی تحصیل اس دور میں بھی شریعت کا جزو ہیں (اور یقینی ہیں) تو اس جزو پر عمل کرنا ناگزیر ہے اور یہی تصوف ہے۔ اللہ تعالیٰ مجھے بھی اس پر عمل کرنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔

[1] التکشف ص۳۳

مولانا نسیم احمد فریدی امروہی

کاروانِ اہلِ فضل و کمال

تلامذہ حضرت شاہ محمد اسحٰق محدث دہلوی مہاجر رح

(۵)

حضرت مولانا شاہ فضل رحمٰن گنج مرادآبادیؒ

صاحبِ نزہۃ الخواطر حضرت مولانا حکیم سید عبد الحیٔ الحسنی آپ کے تذکرہ میں رقمطراز ہیں

الشیخ العلامۃ المحدث المسند المعمر صاحب المقامات العلیۃ ذو الکرامات المشرقۃ الجلیلۃ شرف الاسلام فضل رحمٰن بن اہل اللہ بن محمد فیاض بن برکت اللہ بن عبد القادر بن سعد اللہ بن نور اللہ المعروف بہ نور محمد بن عبد اللطیف بن عبد الرحیم بن محمد الصدیقی الملاانوی ثم المرادآبادی۔

آپ ۱۲۰۸ھ میں ملاانواں میں پیدا ہوئے آپ نے مولانا نور ابن انوار انصاری لکھنوی فرنگی محلیؒ وغیرہ سے علم حاصل کیا۔ پھر شیخ حسن علی محدث لکھنویؒ کی ہمراہی میں دہلی کا سفر کیا وہاں شاہ عبد العزیز دہلویؒ، شاہ غلام علی دہلویؒ اور شاہ محمد آفاق وغیرہم سے ملاقات کی، اور حدیث مسلسل بالاولیۃ اور حدیث مسلسل بالمحبۃ کو حضرت شاہ عبد العزیزؒ سے سنا۔ ان سے صحیح بخاری کا کچھ حصہ بھی سنا۔ پھر اپنے وطن لوٹ آئے اور وہاں پر کچھ عرصے ٹھہرے۔ پھر شاہ عبد العزیز صاحبؒ کی وفات کے بعد دوبارہ دہلی کا سفر کیا اور ان کے نواسے شاہ محمد اسحٰق کی خدمت میں رہے اور ان سے کتب صحاح ستہ پڑھیں۔ اور سلوکِ طریقت حضرت شاہ محمد آفاق نقشبندی دہلویؒ سے طے کیا۔ آپ اُن کی خدمت میں مدتوں رہے یہاں تک کہ علم و معرفت میں حصہ وافر پایا۔ — پھر اپنے وطن کو لوٹے اور وہاں پر ایک

زمانے تک مقیم رہے۔ جب آپ کی اہلیہ محترمہ کا انتقال ہوگیا تو آپ گنج مراد آباد کو منتقل ہوگئے، جو ملاتواں سے چار میل کے فاصلہ پر ہے اور وہاں پر نکاح کرکے سکونت پذیر ہوگئے۔ اس زمانے میں آپ سفر کو اقامت پر ترجیح دیتے تھے۔ اکثر اوقات آپ لکھنؤ، کانپور، بنارس اور قنوج وغیرہا کی طرف جاتے تھے۔ اس زمانے میں آپ اکثر مطابع میں تصحیح مصحف کا کام کرتے اور تدریس حدیث میں مشغول رہتے تھے۔ جب آپ کی عمر زیادہ ہوگئی تو آپ نے سفر کرنا ترک کردیا اور گنج مراد آباد ہی میں یکسو ہوکر بیٹھ گئے وہاں آپ کے پاس لوگوں کا اس طرح ہجوم ہوتا تھا جس طرح پیاسوں کا پانی کے چشموں پر ہوتا ہے۔ تحفے اور ہدیے پے درپے آپ کی طرف آتے تھے۔ بڑے بڑے امراء و رؤسا آپ کے سامنے سر تواضع خم کرتے تھے۔ لوگ ہر طرف سے آپ کے پاس آتے تھے یہاں تک کہ آپ ہندوستان میں اپنے زمانے کی ایک منفرد شخصیت بن گئے تھے، اللہ کی طرف سے آپ کو جو قبولیت عامہ حاصل ہوئی وہ آپ کے زمانے کے مشائخ میں سے کسی کو بھی حاصل نہ ہوسکی۔ میں نے جن لوگوں کو دیکھا ہے اور جن کو جانتا ہوں اُن میں آپ اتباع سنت اور پیروی اخلاق محمدی میں سب سے اعلیٰ تھے۔ آپ سنت کا کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کرتے تھے۔ ساتھ ہی ساتھ پرہیزگاری، قناعت، استغناء، سخاوت، کرم اور زہد میں ممتاز تھے۔ آپ مال کو جمع نہیں کرتے تھے۔ آپ کو ہزاروں روپے حاصل ہوتے تھے لیکن اسی دن لوگوں پر بانٹ دیتے تھے، یہاں تک کہ آپ کوئی رات ایسی نہیں گزارتے تھے کہ جس میں آپ کے پاس کوئی درہم و دینار (روپیہ پیسہ) ہو۔ آپ معمولی لباس پہنتے اور معمولی کھانا کھاتے تھے۔ ایسا لباس کبھی آپ نہیں پہنتے تھے جس سے عالمانہ شان و شوکت ظاہر ہو۔ آپ قول حق اور کلمۂ صدق کہنے میں کسی کا خوف نہیں کرتے تھے۔ آپ کے اوپر علم و عمل، زہد و ورع، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی امامت و سیادت ختم ہوگئی تھی۔ ساتھ ہی ساتھ حسن اعتدال، حسن اخلاص اور ابتہال الی اللہ کی دولت سے مالا مال تھے۔ آپ کے اندر دوام مراقبہ دعا، حسن اخلاق اور احسان الی الخلق کی خصوصیات تھیں۔ اگر میں رکن و مقام یعنی خانہ کعبہ کے سامنے حجر اسود اور مقام ابراہیم کے درمیان کھڑا ہوکر قسم کھاکر یہ کہوں کہ میں نے دنیا میں اُن سے زیادہ کوئی صاحب کرم، دینار و درہم سے بے پروا اور کتاب و سنت کا پابند نہیں دیکھا تو میں حانث نہیں ہوں گا۔ میں نے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کا ان سے زیادہ جاننے والا کوئی نہیں دیکھا۔ آپ درمیانی قد کے، صاف رنگ اور

بڑے سروالے تھے۔ مسجد میں لوگوں کی امامت کرتے تھے اور مسجد کے حجرے ہی میں رہتے تھے اپنے اصحاب ورفقاء کے ساتھ ان کے کاموں میں سعی وکوشش کرتے تھے۔ ان کا لباس عام آدمیوں جیسا تھا۔ ظہر سے پہلے درس قرآن وحدیث دیتے تھے۔ ظہر وعصر کے بعد بھی اغلب اوقات میں درس دیتے تھے۔

اس کے بعد (حکیم سید عبد الحی الحسنی فرماتے ہیں کہ) میں نے ان سے حدیث مسلسل بالاولیۃ اور حدیث مسلسل بالمحبۃ اور کچھ حصہ صحیح بخاری شریف کا سنا تھا۔ آپ خود ہی حدیث کی قرأت کرتے تھے اور اثناء قرأت میں احادیث پر تقریر بھی فرماتے جاتے تھے۔ جہاں تک آپ کے کشف وکرامات کا تعلق ہے وہ حد تواتر کو پہونچ گئی تھیں۔ (آپ نے ۱۰۵ سال کی طویل عمر پائی) اور آپ کی وفات ۲۲ ربیع الاول ۱۳۱۳ھ کو گنج مرادآباد میں ہوئی، مراد خاں کے مقبرے میں دفن ہوئے۔

(ماخوذ از نزہۃ الخواطر جلد ہشتم)

مولوی رحمٰن علی، صاحب تذکرہ علمائے ہند نے آپ کے بارے میں جو کچھ تحریر فرمایا ہے اس کے کچھ حصہ کا ترجمہ یہ ہے:-

حضرت موصوف (شاہ فضل رحمٰنؒ) ۱۲۰۸ھ میں پیدا ہوئے چنانچہ فضل رحمٰن (بغیر الف لام اور بغیر الف بعد میم) ان کا تاریخی نام ہے۔ اس حساب سے عمر شریف ۱۳۰۸ھ تک، جو کہ اس مجموعہ (تذکرہ علمائے ہند) کی تالیف کا زمانہ ہے، ۱۰۰ سال ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی طویل زندگی سے مسلمانوں کو فائدہ پہونچائے ــــــ انھوں نے درسی مروجہ علوم کی تحصیل اپنے زمانے کے مشہور اساتذہ مولانا شاہ عبد العزیزؒ (محدث دہلویؒ)، مرزا حسن علی کبیر محدث لکھنویؒ اور مولانا شاہ محمد اسحٰق دہلوی سے کی۔ زہد واتقاء اور اتباع فقہ وحدیث (وقرآن) ان کا دستور وطریق ہے۔ مرید وخلیفہ حضرت شاہ محمد آفاق دہلویؒ اور حضرت شاہ غلام علی دہلویؒ کے ہیں۔ آپ شروع میں تذکیر ووعظ بھی فرماتے تھے۔ اب جسمانی ضعف کی وجہ سے جو اس عمر کا تقاضہ ہے وہ بھی نہیں ہوتا ہے۔ پھر بھی اس زمانے مخلوق ان کی طرف رجوع کرتی ہے۔ چھوٹے بڑے، مالدار، مفلس، مشہور اور غیر مشہور نزدیک و دور سے

لہ تذکرہ مولانا فضل رحمٰن مولفہ ابو الحسن علی ندوی کے صفحہ ۱ پر تاریخ وفات ۲۰ ربیع الاول لکھی ہے جو صحیح نہیں ہے۔ اسی کتاب کے صفحہ پر ۲۲ ربیع الاول لکھی ہے جو صحیح ہے۔

لہ جہاں تک میرے علم میں ہے حضرت شاہ فضل رحمٰن، حضرت شاہ غلام علی کے خلیفہ نہیں تھے بلکہ ان سے باقاعدہ بیعت ہونا بھی مستند نہیں ہے۔

آتے ہیں اور بیعت سے سرفراز ہوتے ہیں۔ مؤلف اوراق (رحمٰن علی) ماہ ذی الحجہ ۱۳۰۰ھ میں اپنے وطن مالوف (ریواں) سے ملاقات کی غرض سے کانپور تک گیا وہاں معلوم ہوا کہ اٹاوہ سے گنج مرادآباد تک بارش کی وجہ سے سخت طغیانی ہے۔ گاڑی اور پالکی وغیرہ سواری کا عبور کرنا سخت دشوار ہے۔ اس لیے یہ مشہور شعر پڑھ کر ریواں واپس آگیا ؎

تہی دستانِ قسمت را چہ سود از رہبر کامل
کہ خضر از آبِ حیواں تشنہ می آرد سکندر را

صاحب الروض الممطور مولانا ذوالفقار احمد بھوپالیؒ آپ کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں: "حضرت مولانا فضل رحمٰن صاحب دام فیضہم شاگرد رشید حضرت مولانا (شاہ) محمد اسحٰق صاحب کے ہیں۔ ساری کتب حدیث انھیں سے پڑھیں۔ جس وقت خاکسار شرف ملازمت و بیعت سے مشرف ہوا تو درخواست، اجازت حدیث شریف کی، کی ــــ فرمایا کہ مجھے زبانی اجازت ہے میں بھی زبانی اجازت دیتا ہوں "پڑھو، پڑھاؤ" الحمد للہ علی ذلک

حضرت مولانا شاہ فضل رحمٰن کے حالات وسوانح نیز ملفوظات واقوال بہت سی کتابوں اور رسالوں میں جمع کیے گئے ہیں جن میں چند کے اسماء حسب ذیل ہیں:

(۱) ارشاد رحمانی مولفہ مولانا سید محمد علی مونگیریؒ (۲) فضل رحمانی (۳) کمالات رحمانی یہ دونوں کتابیں مولانا سید تجمل حسین بہاریؒ کی تالیف ہیں۔ (۴) رسائل نواب سید نور الحسن خاں (۵) ہدیہ عشاق رحمانی مؤلفہ مولوی عبد الغفار آسیونی (۶) افضال رحمانی (مؤلف کا نام معلوم نہ ہوسکا) (۷) ذکر رحمانی غالباً یہ قاضی ابرار حسین مرادآبادی کی تالیف ہے۔
(۸) نیل المراد فی السفر الیٰ گنج مرادآباد مؤلفہ حکیم الامۃ مولانا اشرف علی تھانویؒ[1]۔
(۹) تذکرہ حضرت مولانا فضل رحمٰن گنج مرادآبادی (مؤلفہ مولانا ابوالحسن علی ندوی)۔

---

[1] حضرت مولانا تھانویؒ نے حضرت گنج مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ سے دو مرتبہ ملاقات کی ہے۔ اس رسالہ میں ان دونوں ملاقاتوں کی روداد ہے۔ یہ تذکرہ حضرت مولانا فضل رحمٰن گنج مرادآبادی" (مولفہ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی) میں یہ پورا رسالہ درج کر دیا گیا ہے اور کتاب "ارواح ثلاثہ" میں بھی یہ رسالہ شامل کر دیا گیا ہے۔

یہ تذکرہ بہت جامع ہے اور اس کا انداز بیان بھی بڑا دلکش ہے۔ یہ مذکورہ بالا کتابوں اور ان کے علاوہ دیگر بہت سی کتابوں کو سامنے رکھ کر اور ان سے اخذ کر کے لکھا گیا ہے۔ ان تمام کتابوں کا کتب خانوں میں یکجا ملنا مشکل ہے۔ گویا کہ یہ کتاب حضرت مولانا گنج مرادآبادی کے حالات و سوانح میں "عطر مجموعہ" کا حکم رکھتی ہے۔

مولانا حافظ مجیب اللہ صاحب ندوی اعظم گڑھ

مجلس

بقیۃ السلف حضرت مولانا محمد احمد صاحب پرتاپگڈھی مدظلہ

ادھر ایک مدت سے بعض موانع کی بنا پر حاضری کی سعادت نصیب نہیں ہوئی اس لیے ناظرین "الفرقان" کے سامنے حضرت کے اقوال زریں نہ آسکے۔ اکتوبر ۱۹۷۷ء کے آخر میں دو دن کے لیے الٰہ آباد حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا خیال تھا کہ کئی ماہ کی غیبوبت کی وجہ سے حضرت کو کچھ ملال نہ ہو مگر جیسا کہ مجلس میں ہر جانے والے کو محسوس ہوتا ہے محسوس ہوا کہ حضرت والا کے شیشۂ دل پر یہی نہیں کہ کوئی غبار نہیں بلکہ وفور محبت کی وجہ سے میری حاضری سے حضرت کو انتہائی خوشی ہوئی ہے۔ اس سفر میں حضرت کے ساتھ مئو آئمہ بھی جانے کا اتفاق ہوا۔ مئو آئمہ ایک مخلص کی دعوت پر تشریف لے گئے تھے، وہاں مدرسہ عربیہ کے ایک ذمہ دار مدرس بھی الٰہ آباد اسی غرض سے آگئے تھے کہ حضرت مولانا کچھ دیر کے لیے مدرسہ بھی تشریف لے چلیں، مئو آئمہ تقریباً ۲۴ گھنٹے قیام رہا اور اس وقت جو ملفوظات پیش کیے جا رہے ہیں اس میں زیادہ تر حصہ مئو آئمہ کی مجالس اور وعظ کا ہے۔ حضرت نے مدرسہ میں جو مختصر بیان کیا تھا وہ بڑا رقت انگیز تھا مگر اپنی کوتاہی کی وجہ سے وہ قلم بند نہ ہو سکا۔

جیسا کہ اس سے پہلے کئی بار ذکر آچکا ہے حضرت مولانا پرتاب گڈھی مدظلہٗ کی سب سے بڑی خصوصیت ان کا بے پایاں جذبۂ محبت ہے جو خالق سے لیکر مخلوق کے تعلق تک پھیلا ہوا ہے۔ آپ کی مجلس میں پہنچ کر آدمی محسوس کرتا ہے کہ وہ کسی وادئ محبت میں پہنچ گیا ہے۔ خدا کی محبت، رسول کی محبت، صحابہ کرام کی محبت، بزرگوں کی محبت اور عام بندگان خدا کی محبت کے ذکر سے کوئی مجلس خالی نہیں ملے گی، گویا ہر مجلس میں زبان حال سے یہ شعر سنائی دے گا۔ ؎

در خرمن عالم کردیم نگاہ		یک دانہ محبت است باقی ہمہ کاہ

چنانچہ ایک مجلس میں فرمایا کہ محبت بڑی نازک چیز ہے، اس کا نباہنا بہت مشکل کام ہے، میں اپنے دوستوں سے خدا کے لیے ایسی ہی محبت کرتا ہوں اس لیے ان کی جدائی بہت شاق ہوتی ہے مگر حتی الامکان جذبات پر قابو رکھتا ہوں، ورنہ دوستوں کے جانے کا بہت قلق ہوتا ہے۔ بھوپال میں جب میں رہتا تھا، یہاں سے لوگ ادھر اُدھر سے آیا کرتے تھے تو باہر ہی میں ان کے لیے جائے بنایا کرتا تھا اور جب وہ چلے جاتے تھے تو اس جگہ سے بھی محبت محسوس ہوتی تھی۔

فرمایا کہ ذکر و اذکار اور نوافل کی کثرت سے اکثر لوگوں کے دل میں غرور پیدا ہوتا ہے، وہ بھی اپنے کو بزرگ سمجھنے لگتے ہیں، اور دوسرے لوگ بھی انھیں بزرگ سمجھنے لگتے ہیں اور بعض فرائض و واجبات اور سنن کی ادائیگی سے غرور نہیں پیدا ہوتا بلکہ آدمی اپنے کو کچھ نہیں سمجھتا، امام ابن تیمیہ اور بعض دوسرے بزرگوں نے یہ بات لکھی بھی ہے اور مشاہدہ بھی ہے۔

فرمایا کہ بڑے لوگوں کی زندگی کے بہت سے پہلو راز میں رہتے ہیں اور بہت دنوں کے بعد ان کے کچھ قریبی دوستوں کے ذریعہ وہ راز فاش ہوتا ہے، صاحب ہدایہ کئی سال تک ہدایہ کی تصنیف میں مشغول رہے اور جب تک تصنیف کرتے رہے روزہ سے رہتے تھے مگر کسی پر ظاہر نہیں ہونے دیا روزانہ گھر سے کھانا آتا تھا اور فقراء کو تقسیم کر دیتے تھے گھر والوں کو بھی اس کا علم نہیں تھا بہت دنوں کے بعد پھر ان کے دوستوں کے ذریعہ یہ راز فاش ہوا۔

فرمایا کہ شادی بیاہ وغیرہ تقریبات میں اپنا ذاتی ذوق یہ ہے کہ شرکت نہ کی جائے حضرت مولانا فضل رحمن صاحب گنج مراد آبادی قدس سرہ فرماتے تھے اگر دعوت میں مفاسد نہ ہوں تو "جانا شرط ہے کھانا شرط نہیں"

فرمایا کہ علماء کو چاہئے کہ اپنے کو ذلیل نہ کریں، مولانا تھانوی نے کسی دنیا دار سے صحیح فرمایا تھا کہ "جس طرح کھانے پینے کو تمھیں ملتا ہے مولوی کو بھی ملتا ہے مگر علم دین جو مولوی کو ملا ہے اس سے تمھیں اللہ تعالیٰ نے محروم کیا ہے اس لیے جو دولت مولوی کے پاس ہے وہ تمھارے پاس نہیں ہے۔"

فرمایا کہ بعض بزرگوں نے فرمایا ہے کہ جو خطیب خطبہ سے پہلے تھوڑی دیر اپنے حجرہ میں تنہائی میں بیٹھ

جاتا ہے پھر خطبہ کے لیے عین وقت پر نکلتا ہے تو اس تھوڑی سی خلوت سے کبھی اس کے خطبہ میں اثر پیدا ہو جاتا ہے، حضرت نظام الدین اولیاءؒ سے کسی نے پوچھا کہ ذکر و اذکار کے ذریعہ آدمی جلد خدا تک پہنچتا ہے یا قرآن کے ذریعہ؟ فرمایا کہ ذکر اذکار کے ذریعہ جلد پہنچتا ہے مگر زوال کا خطرہ بھی رہتا ہے اور قرآن کے ذریعہ دیر میں پہنچتا ہے مگر زوال کا خطرہ نہیں رہتا۔

ایک صاحب نے مجلس میں ایمان پر خاتمہ کی دعا کی درخواست کی، اُس پر فرمایا کہ ساری کوششوں کا حاصل ایمان پر خاتمہ ہے، حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ اس کے لیے بے حد روتے تھے، کسی نے پوچھا کہ کیا آپ گناہوں کی وجہ سے اتنا روتے ہیں فرمایا کہ نہیں سوء خاتمہ کے خوف سے روتا ہوں پھر بڑے پرسوز انداز میں حضرت مولانا نے یہ آیت تلاوت کی

فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَنْتَ وَلِیّٖ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ، تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ،

فرمایا کہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے اے عالم اپنے کو جاہل سے بہتر نہ سمجھ کیونکہ نہیں معلوم کہ "خدا کے یہاں کس کا کیا درجہ ہے۔"

اللہ کے صالح بندے معصوم تو نہیں ہوتے مگر محفوظ ہوتے ہیں حضرت اسمٰعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ بھی اس کی دلیل میں فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا۔

اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَکَ عَلَیْہِمْ سُلْطَانٌ (میرے بندوں پر تیرا (شیطان) کا زور نہیں چلے گا، مگر محفوظ ہونے کے باوجود وہ بے خوف نہیں ہوتے بلکہ ہر وقت اللہ کے سامنے روتے گڑگڑاتے رہتے ہیں۔

فرمایا کہ تواضع مسکنت، انکساری اور افتقار کا نام ہے، اس کی ضد تکبر ہے، ہم نے انانیت اور ظلم اختیار کیا ہے تواضع اختیار نہیں کی ہے۔

فرمایا بزرگوں کے یہاں جائیے تو بات صاف صاف کہیے، وہ برا نہیں مانتے مگر دل میں کچھ ہو اور زبان سے کچھ کہیں یہ اچھا نہیں ہے، لوگ آئیں گے تو پہلے یہ کہیں گے کہ آپ سے ملنے کے لیے بس زیارت کے لیے ہیں مگر تھوڑی دیر میں دس ضرورتیں بیان کر دیں گے، پہلے ہی یہ ضرورتیں کہہ دینی چاہیے۔

فرمایا مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ بزرگوں کے پاس جو اپنے کو بھرا ہوا سمجھ کر آئے گا وہ خالی جائے گا اور جو خالی آئے گا وہ بھرا ہوا جائے گا۔ حضرت نے اس پر اپنا یہ شعر سنایا

جب تک فنا ئے رائے کی ہمت نہ پائے
کیوں آپ اہل عشق کی محفل میں آئے

پھر یہ شعر بھی پڑھا

کھل گئی جب سے چشم بصیرت
اپنی نظروں سے خود گر گئے ہم

حضرت جب اپنی مجلس میں توحید کا بیان کرتے ہیں تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ در و دیوار بلکہ ساری فضا سے توحید کی صدا بلند ہو رہی ہے، حضرت نے توحید کے بیان کے بعد بہت سی آیات قرآنی اور اشعار پڑھے جو محفوظ نہ کر سکا۔ توحید پر ایک سہل ممتنع غزل حضرت سے گزارش کر کے میں نے حاصل کی جو پیش خدمت ہے۔

آپ ہی ہیں مقصود ہمارے
دل کے اجالے آنکھ کے تارے

آپ پہ میری جاں ہے قرباں
آپ ہیں مجھ کو جاں سے پیارے

کس کو خبر ہے کون بتائے
آنکھوں نے دیکھے جو نظارے

دن کا سہارا ہی ہے سہارا
اور غلط ہیں سارے سہارے

خوب سمجھ لیں اہل محبت
جیتے نہیں غیروں کے سہارے

جس کو انھوں نے اپنا بنایا
ان کے سروں پر چلتے ہیں آرے

قصۂ عشق سنایا لیکن
مشتے نمونہ از خروارے

بس تو کہیں کا ہوتا نہ لیکن
یاد وہ آئے مجھ کو بارے

ہم کو سنانے عشق کی باتیں
آ گئے خود احمد بیچارے

مولانا محمد برہان الدین سنبھلی

ناظم مجلس تحقیقات شرعیہ استاذ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

کیا اہل کتاب کے لیے — اسلامی شریعت کی پیروی ضروری نہیں؟

(۴)

اور سورۂ مائدہ والی آیت (اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوا الَّذِیْنَ ھَادُوا والصّٰبِئُوْنَ والنصاریٰ الا)[1] میں تو ہمارے "فاضل محقق" کی اس غلط فہمی کی گنجائش اس سے پہلی (ملی ہوئی) آیت کے ساتھ ملا کر پڑھنے سے بالکل ہی ختم ہو جاتی ہے۔ لیکن مقام حیرت (بلکہ مقام عبرت) ہے کہ موصوف نے اس آیت کو بھی، نہ جانے کس طرح[1]۔ اپنے دعوے کی دلیل کے طور پر پیش کر دیا حالانکہ۔ جیسا کہ آگے کی تفصیل سے واضح ہوگا۔ اس آیت میں تو اس نظریہ کی پوری تردید موجود ہے۔

سورۂ مائدہ کی "ان الذین آمنوا" سے پہلے والی وہ آیت یہ ہے:-

قل یا اھل الکتاب لستم علی شئی	آپ (اے محمدؐ) کہہ دیجیے کہ اہل کتاب! تم کسی
حتی تقیموا التوراۃ والانجیل	بھی (نجات) کی بنیاد پر نہیں ہو جب تک تم

---

[1] اندازہ ہوتا ہے کہ موصوف کی نظر صرف "حتی تقیموا التوراۃ والانجیل" پر ٹھہر گئی اور "ما انزل الیکم" انھوں نے نہیں دیکھا، یا دیکھنے کے باوجود "مصلحۃً" اسے نظر انداز کر دیا، اس لیے یہ استدلال "لا تقربوا الصلوٰۃ" کے روایتی استدلال کی طرح ہو گیا کہ جس سے نماز کا ممنوع ہونا ثابت کیا گیا تھا۔

وما أنزل إليكم من ربكم ولیزیدن کثیراً منهم ما انزل الیک من ربك طغیانا وکفرا فلا تأس علی القوم الکافرین۔

(مائدہ آیت ۶۸)

توریت وانجیل (کے ساتھ) اور اس کتاب کو قائم نکرو (اپنے اوپر اس کے احکام جاری نکرو) جو تمھارے پروردگار کی طرف سے تم پر (تمھارے عمل کرنے کے لیے) اتاری گئی ہے، اور جو کچھ آپ (محمد) پر آپ کے پروردگار کی طرف سے اتارا گیا ہے وہ یقیناً ان (اہل کتاب) میں سے بہت سوں کی سرکشی اور کفر کو بڑھائے گا، تو آپ ایسے کافروں پر افسوس نہ کیجیے۔

یہاں صاف طریقہ پر یہ فرما دیا گیا ہے، کہ اے اہل کتاب! تم اس وقت تک قطعاً کسی بنیاد پر (یعنی صحیح راہ پر چلنے والے) نہیں سمجھے جا سکتے اور نجات کے مستحق نہیں ہو سکتے جب تک تم توراۃ وانجیل کے ساتھ "ما انزل الیکم من ربکم" (قرآن) کے احکام کو بھی پوری طرح اپنے اوپر نافذ نہ کر لو۔۵؎

آیت کے آخری و درمیانی حصہ میں جو کچھ کہا گیا ہے اس میں تو یہ بھی ضمناً بتا دیا گیا کہ اس کے علاوہ جو کوئی راہ اختیار کریں گے اس سے "سرکشی" اور "کفر" میں ہی اضافہ ہو گا اور وہ "کافرین" بن جائیں گے، اس آیت کے بعد ہی (زیر بحث) آیت یعنی "ان الذین آمنو" ہے، اس تفصیل کے بعد بھلا کیا گنجائش رہ جاتی ہے اس غلط فہمی کی کہ "اہل کتاب کو شریعت محمدی کی پیروی کے بغیر بھی "محض نجات" حاصل ہو جائے گی" ـــــ رہی سورہ بقرہ والی آیت سو وہ تو نازل ہی ہوئی ہے

۵؎ یہاں قرآن مجید کے لیے "ما انزل الیکم من ربکم" (جو کتاب تمھاری طرف نازل کی گئی) کی تعبیر غالباً اسی غرض سے اختیار کی گئی ہے کہ اہل کتاب خاص طور پر سمجھیں کہ قرآن کریم ان کے لیے بھی اترا ہے اور اس غلط فہمی میں مبتلا نہ ہو جائیں کہ "ان کے لیے صرف توراۃ وانجیل اتری تھیں"، اور یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ یہاں "ما انزل الیکم" سے مراد قرآن کے علاوہ اور کچھ ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ توریت وانجیل کا ذکر نام کے ساتھ آ ہی گیا ہے۔ اگر "ما انزل الیکم" سے بھی وہی دونوں مراد لی جائیں تو فضول تکرار لازم آئے گی جو بلاغت کے خلاف اور قرآنی اسلوب کے منافی ہے۔

ایسی سورہ میں اور ایسے موقع پر جہاں مرکزی مضمون توحید خالص کی دعوت ہے اسی کے ساتھ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا اثبات اور آپؐ کی لائی ہوئی شریعت کی پیروی کو ضروری قرار دینا ہے، ایسے سیاق و سباق میں بلاغت ہی کے نہیں حکمت کے بھی خلاف ہوتا اگر "من آمن" اور "عمل صالحا" سے مراد توحید خالص اور شریعت محمدی کی پیروی کے علاوہ کسی اور چیز کی طرف دعوت دی جاتی۔[1] لامحالہ اس سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ یہاں توحید کا اثبات اور شریعت محمدیؐ کی پیروی پر زور دینا اور اس کی یہ تاثیر بتانا مقصود ہے کہ کوئی شخص خواہ کسی گروہ، کسی مذہب اور کسی قبیلہ سے تعلق رکھتا ہو اور اس نے کیسے ہی خراب کام اور شرمناک حرکتیں یا کتنے ہی سنگین جرم کیے ہوں اگر وہ شریعت محمدی کو مکمل طور پر قبول کر لیتا ہے تو اس کی سب غلطیاں معاف ہو جائیں گی اور سارے گناہ مٹ جائیں گے اور نہ صرف یہ کہ ان گناہوں کی پاداش میں ان کو سزا اور ان کی پکڑ نہ ہوگی، بلکہ پچھتانے اور ان کو کوئی خوف و خطر اور کسی طرح کا رنج و غم نہ ہوگا۔ اور مزید یہ کہ انعامات سے بھی نوازا جائے گا ——— اس آیت سے متصل پہلے منافقین اور یہود کے جن کالے کرتوت اور جرائم کا ذکر کیا گیا ہے (گوسالہ پرستی سے لیکر قتل انبیاء تک کون سا جرم تھا جو انھوں نے نہیں کیا تھا؟ ان سب کا ماقبل کی آیتوں میں تفصیلی بیان ہے) ان کے پیش نظر یہ خیال پیدا ہو جانا بعید نہ تھا کہ ایسے لوگوں اور گروہوں کی (جن کا نامۂ اعمال اور دامن کردار پوری طرح سیاہ تھا۔ ان کی نجات اور بخشش کا اب سوال ہی نہیں۔ اور بعید نہیں تھا کہ خود ان لوگوں پر بھی۔ اپنے گناہوں کی وجہ سے مایوسی چھا گئی ہو تو عین ایسی ناامیدی کی حالت میں مایوسی کا شکار لوگوں کو، یہ مسرت بخش اطلاع دی جاتی اور حیات بخش پیغام سنایا جاتا ہے: ———————————

---

[1] یہ جو باتیں ابھی پیش کی گئی ہیں تقریباً سب نسبتہً زیادہ استدلالی انداز میں، مگر مختصر طور پر علامہ ابو السعودؒ صاحب تفسیر "ارشاد العقل السلیم" نے ذکر فرمائی ہیں: "واما ما قیل فی تفسیر "من کان منہم فی دینہ قبل أن ینسخ مصدقا بقلبہ بالمبدأ والمعاد عاملا بمقتضی شرعہ" فمما لا سبیل الیہ اصلا لأن مقتضی المقام ھو الترغیب فی دین الإسلام واما بیان حال من مضی علی دین آخر قبل انتساخہ فلا ملابسۃ لہ بالمقام قطعا بل ربما یخل بمقتضاہ من حیث دلالتہ علی حقیقۃ فی زمانہ علی ان المنافقین والصابئین لا یتسنی فی حقہم ما ذکر"

تفسیر ابی السعود برحاشیہ تفسیر کبیر ج۱ ص۳۲۳

کہ — من آمن باللہ والیوم الآخر وعمل صالحاً فلھم اجرھم عند ربھم ولا خوفٌ علیھم ولا ھم یحزنون " یعنی " جو کوئی بھی اللہ اور آخرت کے دن پر حقیقی ایمان لائے گا اور اچھے کام کرے گا (وہ چاہے پہلے کیسی ہی خراب زندگی گذار چکا ہو اب) اسے اللہ کے یہاں اجر ملے گا اور (آخرت میں) اسے نہ کسی قسم کا اندیشہ ہوگا، اور نہ رنج و افسوس ہوگا "۔ اللہ تعالیٰ امام فخر الدین رازی کو جزائے خیر دے کہ موصوف نے آیت کے اس پہلو پر بھی بہت اچھی طرح روشنی ڈالی ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھیے تفسیر کبیر ج ۱ ص ۳۸۱ (الطبعۃ الاولیٰ ۱۳۰۸ھ)

ص ۴۰۳ ان دو آیتوں کے علاوہ " محقق صاحب نے " وقالوا لن یدخل الجنۃ الا من کان ھودا او نصاریٰ الخ — اور — لیس بامانیکم ولا امانی اھل الکتاب الخ " بھی دلیل کے طور پر پیش کی ہیں، لیکن اندازہ ہوتا ہے کہ اپنا " عقیدہ " ثابت کرنے کے جوش میں۔ یا پھر معقول دلائل نہ ملنے کی وجہ سے۔ یہ آیتیں پیش کرتے ہوئے موصوف کو یہ بھی احساس نہ ہوا کہ ان سے تو وہ حقیقت ثابت ہوتی ہے جو ان کے عقیدہ کے عین ضد ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے ان آیتوں میں یہود و نصاریٰ کا پہلے تو یہ خیال خام نقل کیا کہ " ہمارے علاوہ اور کوئی جنت میں ہرگز داخل نہ ہوگا " — اس کے بعد " تلک امانیھم " (یہ خیالی پلاؤ ان کی خوش فہمی ہے) فرما کر ظاہر کر دیا کہ یہ لوگ اپنے بارے میں حقیقت پسندی سے بالکل کام نہیں لے رہے ہیں، اور " قل ھاتوا برھانکم " کہہ کر جتا دیا کہ ان کا یہ عقیدہ بالکل بے بنیاد اور بے دلیل ہے۔

اس کے بعد وہ " نسخہ " یا وہ طریقہ بتایا جس سے ہر شخص — بلا قید رنگ و نسل — جنت حاصل کر سکتا ہے۔ اور نسخہ وہی ہے جو پورے قرآن میں بے شمار جگہ مختلف انداز میں بتایا گیا ہے، یعنی اللہ کے (احکام کے) سامنے کامل طور پر خود سپردگی، اور اخلاصِ نیت (" بلیٰ من اسلم وجھہ للہ وھو محسن ") یہاں پر " اسلم وجھہ " کی موجودگی نے سرے سے اس خوش فہمی کی گنجائش ہی ختم کر دی کہ موجودہ یہودی یا عیسائی مذہبوں پر عمل کر کے بھی کوئی نجات حاصل کر سکتا ہے۔ کیونکہ موجودہ یہودیت اور عیسائیت " توحید خالص " اور " محض اللہ کی اطاعت سے (اخلاص سے) یکسر خالی ہو چکی ہیں (در اصل آیت میں ان کی اسی کمزوری کی طرف اشارہ کیا گیا ہے) اور یہاں یہ بات بالکل اسی معنی اور انہی الفاظ میں کہی گئی ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اللہ تعالیٰ

نے اُس وقت کہلوائے تھے جبکہ "اہل کتاب" آپؐ کی بات "إن الدين عند الله الاسلام" (اللہ کے یہاں مقبول، اور آخرت میں نجات دلانے والا دین صرف وہ "اسلام" ہے جس کی طرف محمدؐ دعوت دیتے ہیں) ماننے کے لیے تیار نہیں ہوئے بلکہ حجت بازی اور جھگڑا کرنے پر آمادہ ہوگئے تھے۔ یہ پوری تفصیل سورۂ آل عمران (آیت ۱۹، ۲۰) میں اس طرح بیان کی گئی ہے "ان الدين عند الله الاسلام وما اختلف الذين اوتوا الكتاب الا من بعد ما جاءهم العلم بغيا بينهم ومن يكفر بآيات الله فان الله سريع الحساب. فان حاجوك فقل اسلمت وجهي لله ومن اتبعن وقل للذين اوتوا الكتاب والاميين ءاسلمتم فان اسلموا فقد اهتدوا وان تولوا فانما عليك البلاغ والله بصير بالعباد"

غلط فہمی دراصل اس لیے ہوتی ہے کہ پورے قرآن پر نظر نہیں ہوتی۔ زیر بحث آیت (لن يدخل الجنة ـــ تا ـــ بلى من اسلم وجهه لله الخ.....) میں بھی اسی وجہ سے محقق صاحب کو اپنے "عقیدہ" کی گنجائش نکلتی نظر آئی کہ سورۂ آل عمران کی ان دو آیتوں پر بھی ان کی نظر نہیں تھی ـــ یا جان بوجھ کر ان سے نگاہ بچائی گئی۔

اگر "اسلم وجهه لله" کا مطلب ان دو آیتوں (خاص طور پر "...... اسلمت وجهي لله اور "ومن اتبعن") کو سامنے رکھ کر سمجھنے کی کوشش کی جاتی تو یہ غلط فہمی نہیں ہوسکتی کہ "شریعت محمدیؐ کی پیروی کے بغیر بھی، محض نجات حاصل ہوسکتی ہے" کیونکہ "ومن اتبعن" میں صاف طور پر یہ بات بتادی گئی ہے کہ آخری نبیؐ کی اتباع کے بغیر کوئی بھی شخص "اللہ تعالیٰ کے احکام کے سامنے کامل طور پر خود سپردگی کرنے والا" نہیں بن سکتا۔

آل عمران کی ان آیتوں سے یہ بات بھی زیادہ وضاحت سے معلوم ہو رہی ہے کہ "اہل کتاب" اور "اُمّیین" (مشرکین عرب) دونوں ایک ہی "اسلام" کے مخاطب ہیں تو اگر یہ دونوں وہی "الاسلام" قبول کرلیتے ہیں جس کی طرف محمدؐ دعوت دیتے ہیں تب تو ہدایت یاب ہوسکیں گے (فان اسلموا فقد اهتدوا) ورنہ ہرگز انھیں ہدایت حاصل نہ ہوگی۔ اس صراحت کے بعد تو اس امتیاز کی گنجائش ہی ختم ہوجاتی ہے جو "اہل کتاب" کے لیے "موصوف" روا رکھتے ہیں ـــــ یا رکھنا چاہتے ہیں۔

اس سلسلہ کی دوسری آیت "لیس بامانیکم" الخ کا پیش کرنا بھی اسی ناقص مطالعہ اور غلط مطلب اخذ کر کے اپنا مدعا ثابت کرنے کی نہایت بھونڈی مثال ہے اگرچہ آیت کا مطلب بہت واضح اور صاف ہے مگر پھر بھی اس سے وہ "عقیدہ" ثابت کر دیا گیا جس کا آیت سے دور کا بھی تعلق نہیں، دراصل یہاں بتایا یہ جارہا ہے کہ آخرت میں نہ گروہ بندیاں کام آئیں گی اور نہ نام ہی کام آئیں گے اس لیے نہ تو نام کا "مسلمان ہونا" کام آئے گا نہ "موسوی وعیسوی" ہونا بلکہ جو بھی بُرے کام کرے گا اسے سزا دی جائے گی اور یہ گروہی نسبت کسی کو سزا سے نہ بچا سکے گی۔ کیونکہ وہاں صرف اس اعلان کے مطابق عمل ہو گا کہ "ومن یعمل من الصلحت من ذکر او انثی الخ" یعنی جو بھی "اعمال صالحہ" میں سے (تمام مطلوب اکام) "ایمان" کے ساتھ کرے گا وہ جنت میں جائے گا"۔۔۔۔

دیکھیے! یہاں بھی اسی "ایمان" اور "عمل صالح" کا ذکر آیا جس کا مطلب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق ہی ایمان لانا اور عمل صالح کرنا ہے —— اور لطف یہ ہے کہ اس سے اگلی آیت میں یہاں بھی وہی (جو اوپر کی آیت میں تھا یعنی) "اسلم وجھہ للہ اور وھو محسن" موجود ہے۔ مزید برآں یہ کہ اسی کے ساتھ واتبع ملۃ ابراھیم حنیفاً بھی موجود ہے (ومن احسن دینا ممن اسلم وجھہ للہ وھو محسن واتبع ملۃ ابراھیم حنیفا) تعجب یہ ہے کہ یہاں "واتبع ملۃ ابراھیم حنیفا" پر بھی "فاضل صاحب کی نظر نہیں گئی اگر چلی گئی ہوتی تو شاید پھر اپنے مدعا کے لیے اسے پیش کرنے کی جرأت نہ ہوتی کیونکہ "اتباع ملت ابراہیمی" کا مطلب اتباع شریعت محمدی کے علاوہ اور کچھ ہو ہی نہیں سکتا (قرآن مجید میں متعدد جگہ اس کا ذکر ملتا ہے) اس سے ثابت ہوا کہ اہل کتاب سے بھی شریعت محمدی کے اتباع کرنے پر ہی جنت کا وعدہ ہے کیونکہ "ومن یعمل من الصلحت" کی شرط پر جنت کا وعدہ ہے، اور اتباع محمدی کے بغیر اب اس شرط کے پورا ہونے کی کوئی شکل نہیں رہ گئی ہے۔ اسی بات کو یہاں "واتبع ملۃ ابراھیم حنیفا" سے اور زیادہ واضح کر دیا گیا ہے۔

(۵) "محقق" موصوف نے پانچویں آیت اپنے دعوے کے ثبوت میں "لیسوا سواء من اھل الکتاب امۃ قائمۃ یتلون ایات اللہ اناء اللیل وھم یسجدون یؤمنون باللہ والیوم الاخر و یأمرون بالمعروف وینھون عن المنکر ویسارعون فی الخیرات واولئک من الصلحین وما

یفعلوا من خیر فلن یکفروہ واللہ علیم بالمتقین (سورہ آل عمران آیت ۱۱۳ تا ۱۱۵) پیش کی ہے۔

ان آیتوں سے غلط فہمی پیدا ہونے کا بنیادی سبب بھی وہی ہے جس کا ذکر اوپر کئی بار کیا جا چکا ہے۔ موصوف "یؤمنون باللہ" کے معنیٰ یہ سمجھے ہوئے ہیں کہ "اہل کتاب اپنے نزدیک جس طرح کے عقیدہ کو بھی "ایمان باللہ" قرار دے لیں بس وہی نجات کے لیے کافی ہو جائے گا"[1] حالانکہ گذشتہ صفحات میں دلائل سے یہ بات ثابت کی جا چکی ہے کہ قرآن حکیم میں ایسی ہر جگہ وہ ایمان مراد لیا گیا ہے جسے حضرت محمدؐ نے ایمان قرار دیا ہے، ورنہ کسی بھی مذہبی گروہ کو۔ حتیٰ کہ ہندوؤں اور تمام مشرکین کو بھی "ایمان" سے خالی نہیں سمجھا جا سکتا کیونکہ یہ سب بھی کسی نہ کسی طرح کا خدا پر "ایمان" رکھتے ہیں ـــــ لہذا یہاں بھی "یومنون باللہ والیوم الآخر" سے مراد شریعت محمدیؐ کو قبول کر لینا ہی ہو گا چنانچہ یہی بات مفسرین نے بتائی ہے اور اسی کی تائید آیت کے شانِ نزول سے بھی ہوتی ہے۔ اور قرآن کریم کی اسی موقعہ پر داخلی شہادتوں سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ اور کوئی مطلب لیا جانا تکلف سے خالی نہ ہو گا ـــــ زیر بحث آیت کا شانِ نزول، حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان کردہ متعدد مفسرین نے یہ نقل کیا ہے کہ[2] جب حضرت عبداللہ ابن سلام اور ان کے ساتھی یہودی مذہب چھوڑ کر یا یہ کہیے کہ اصلی یہودیت کے تقاضے سے اسلام لائے تو ان کے خلاف یہودیوں نے الزام تراشی شروع کی، اور نفرت انگیز پروپگنڈہ کا بازار گرم کرتے ہوئے یہ کہنا شروع کیا کہ یہ لوگ تو ہم میں سب سے گھٹیا اور خراب لوگ تھے، جب ہی تو انھوں نے اسلام قبول کر لیا۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے اس مقدس گروہ کو "صالحین" اور "متقین" میں سے بتایا اور ثبوت کے (یا علامت کے) طور پر ان حضرات کے چند اوصاف حمیدہ بھی بیان کیے کہ یہ لوگ...... راتوں کو نمازوں میں تلاوتِ قرآن کرتے، ہر بھلائی کی طرف لپکتے ہیں۔ نیز بھلائیوں کی ترغیب

---

[1] حالانکہ ایسا سمجھنا قرآن مجید کی صریح تردید کرنے کے مرادف ہے کیونکہ قرآن نے یہودیوں کے اس دعوے "آمنا باللہ وبالیوم الآخر" کے جواب میں صاف کہدیا۔ "وماھم بمؤمنین" (یعنی یہ لوگ بالکل ایمان نہیں رکھتے)

[2] مثلاً دیکھیے تفسیر خازن ص ۲۵۴ ج ۱

دیتے اور برائیوں سے روکتے ہیں"...... تاکہ غیر جانبدار اور منصف مزاج افراد خود فیصلہ کرلیں کہ یہ لوگ..... کیسے ہیں اور ان کے دشمن کیسے افترا پرداز اور غیر ذمہ دار ہیں! اور قرآن کی داخلی شہادتیں اس سے بھی زیادہ قوی اور یقینی نتیجہ تک پہنچانے والی ہیں۔ مثلاً ان کی صفات "یؤمنون باللہ" کے علاوہ "یأمرون بالمعروف وینھون عن المنکر الخ" بتائی گئی ہیں۔ اور یہ مستقل قرینہ ہے شریعت محمدی قبول کرلینے کا، خاص طور پر "یأمرون بالمعروف وینھون عن المنکر" کہ وہ تو اسی امت کی خصوصیت بتائی گئی ہے، جیسا کہ اس سے قبل کی دو آیتوں[ل] میں گزر چکا ہے۔ اس کے ساتھ ایک یہ بھی ان کی صفت بیان کی گئی ہے:۔ یتلون آیات اللہ آناء اللیل وھم یسجدون اس کے بعد تو ان لوگوں کے اسلام قبول کرلینے کے علاوہ اور کسی مفہوم کی گنجائش ہی نہیں رہ جاتی اس لیے کہ اللہ کی آیات (قرآن) کی تلاوت، رات کے وقت، وہ بھی نماز میں، سوائے امت محمدیہ کے اور کون کرتا ہے؟ رات کی نماز تو امتِ محمدیہ کے علاوہ کسی امت پر فرض ہی نہیں تھی (بلکہ کسی اور نبی کے امتی سے غالباً مطلوب بھی نہیں تھی جیسا کہ صحیح احادیث میں بتایا گیا ہے۔ صحیح مسلم (ص ۲۲۹ ج ۱) میں یہ الفاظ ہیں:۔ "ما ینتظرھا اھل دین غیرکم"۔ نسائی میں۔ "لا یصلی ھذہ الصلاۃ احد من اھل الکتاب" اور طبرانی میں ہے "انھا صلاۃ لم یصلھا احد ممن کان قبلکم من الامم"[ع] مزید برآں یہ کہ اس آیت میں "وھم یسجدون" (وہ سجدہ کی حالت میں) بھی ہے۔ اس کا بھی مطلب یہی ہو سکتا ہے کہ وہ نماز شریعت محمدیہ والی ہی تھی کیونکہ یہود کی نماز میں سجدہ کا ثبوت نہیں ملتا[ع]۔ عصر حاضر کے عالمی شہرت رکھنے والے نامور عالم حضرت مولانا سید ابو الحسن علی مدظلہ نے اپنی معرکۃ الآراء کتاب، ارکان اربعہ میں یہود کی نماز کی جو تفصیل یہودی علماء کے حوالوں سے نقل کی ہے اس سے موصوف نے یہی نتیجہ

ع نسائی اور طبرانی کے حوالے "روح المعانی" سے لیے گئے ہیں۔ ل یعنی "کنتم خیر امۃ اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنھون عن المنکر الخ" ع اسی طرح موجودہ عیسائیت تو گویا سرے سے اس طرح کی نماز کے تصور ہی سے نا آشنا ہے جس میں سجدہ ہو، بلکہ اس میں "نماز" نام ہے اس حمد خوانی کا جس میں "زبور" کے کچھ حصے گا کر، ہو کر ترنم کے ساتھ پڑھے جاتے ہیں۔ اور زبور کے ہر نغمے کے اختتام پر گھٹنے جھکا کر دعا کی جاتی ہے (بحوالہ بائبل سے قرآن تک" ص ۳۰۶)

اخذ کیا ہے کہ یہود کے یہاں نماز میں سجدہ نہیں تھا۔ اور قرآن کی ایک آیت بھی پیش کی ہے۔ فرماتے ہیں "یظہر ان الصلوٰۃ عند الیہود لم یکن فیہا سجود، وقد اکتفی القرآن فی ذکر صلاتہم بالرکوع فقط فقال: ارکعی مع الراکعین (الارکان الاربعہ ص۶۵ حاشیہ طبع ثانیہ بیروت)

اور عصر حاضر کے قرآنی علوم کے ماہر ایک دوسرے عظیم شخص مولانا حمید الدین فراہیؒ کی تحقیق ان کے لائق و نامور شاگرد مولانا امین احسن اصلاحی نے، یہ نقل کی ہے "یہود اپنے اوپر سال بھر میں صرف ایک مرتبہ سجدہ کرنا واجب سمجھتے تھے اور اس کے لیے بھی ان کے علماء نے یہ اجازت دے رکھی تھی کہ اگر کوئی شخص کھڑے کھڑے کسی دیوار یا کھمبے پر اپنی پیشانی رکھ دے تو ادائے فرض کے لیے یہ بھی کافی ہے۔" (تدبر قرآن ص۱۴۳ ج۱)

واضح رہے اس آیت سے قبل کی آیتوں میں یہود کے جرائم ــ کفر، قتل انبیا، عصیان و اعتداء کے علاوہ ذلت و مسکنت ان پر مسلط کیے جانے کا ذکر ہے۔ اس کے بعد یہ آیت ہے "لیسوا سواء...... الخ یعنی سارے یہودی ایسے نافرمان نہیں ہیں بلکہ ان میں کچھ ایسے اچھے بھی ہیں (منہم المومنون واکثرہم الفسقون سے معلوم ہوا کہ اچھے بہت تھوڑے سے ہیں) جو...... ایمان لے آئے ہیں اور تلاوت کرتے ہیں...... قرآن کا یہ طرز بیان اس بات کا مستقل قرینہ ہے کہ یہاں وہی چند لوگ مراد ہیں جو مسلمان ہو گئے تھے"۔ (حضرت عبد اللہ ابن سلام وغیرہ) بہرحال معلوم ہوا کہ یہ آیتیں بھی "محقق" صاحب کے دعوے کی دلیل نہیں بن سکتیں۔

۷۔ موصوف نے ایک آیت یہ بھی اپنے استدلال میں پیش کی ہے:۔ کنتم خیر امۃ اخرجت للناس الخ (آل عمران) اس آیت کے پہلے جز میں تو ان کے مطلب کی کوئی بات نظر نہیں آتی البتہ اس کے اگلے جز یعنی "ولو اٰمن اہل الکتاب لکان خیراً لہم" سے موصوف نے جس طرح استدلال کیا ہے وہ ان کے الفاظ میں یہ ہے:۔ (اس کا ذکر شروع میں بھی ہو چکا ہے)

"اگر اہل کتاب پوری طرح ایمان لے آئیں (یعنی شریعتِ محمدی پر معمل (کذا؟) بھی ہو جائیں تو ان کے حق میں سب سے اچھا ہو۔"

واضح رہے کہ اس جگہ موصوف نے "امن" کا ترجمہ ــ "پوری طرح ایمان لے آئیں" کیا ہے، اور اس کی تشریح "شریعت محمدیؐ پر عامل (جسے انھوں نے "معمل" لکھا ہے) بھی ہو جائیں"

کی ہے۔ یہی دراصل "امن" کا صحیح ترجمہ ہے اور ہر جگہ یہی کرنا چاہیے تھا، مگر اس ترجمہ سے موصوف کے مسلک پر چونکہ کھلی زد پڑتی ہے اس لیے انھوں نے یہ صحیح ترجمہ کرنے کے بجائے (اس جگہ کے علاوہ) تمام جگہ "اجمالی ایمان" کے الفاظ میں ترجمہ کرکے اپنی غلطی یا غلط فہمی پر پردہ ڈالنے کی کوشش کی ہے۔ لیکن یہاں صحیح ترجمہ کرنے کے باوجود ایک اور غلط بات کہدی گئی جس کے نتیجہ میں ترجمہ صحیح کرنے کے باوجود بھی غلطی کی اصلاح نہ ہو سکی، وہ دوسری غلطی یہ ہو گئی کہ "خیرًا" کا ترجمہ "سب سے اچھا ہو" کرکے یہ مطلب سمجھ لیا کہ اس کے خلاف کرنا (یعنی بدستور عملاً یہودی یا عیسائی بنے رہنا) بھی "کچھ اچھا ضرور ہے (اگرچہ "سب سے اچھا" نہیں ہے۔)

لیکن موصوف کے مطالعہ کی خامی پھر یہاں ظاہر ہوئی، کیونکہ ٹھیک انہی الفاظ میں قرآن مجید ہی کے اندر "الناس" (مشرکین) کو مخاطب بنا کر بھی ایمان کی دعوت دی گئی ہے:۔ "یا ایہا الناس قد جاء کم الرسول بالحق من ربکم فآمنوا خیرًا لکم" (سورہ نساء آیت ۱۷۰) تو کیا یہاں بھی موصوف الناس (مشرکین) کے بارے میں یہ فرمائیں گے کہ اگر یہ لوگ بھی پوری طرح ایمان نہ لائیں (یعنی بدستور عملاً مشرک بنے رہیں) تو ان کے حق میں یہ "کچھ اچھا ضرور" ہے (اگرچہ "سب سے اچھا" نہیں ہے)۔

قرآن مجید ہی سے اس کے علاوہ بھی ایسی مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں جن سے صاف معلوم ہو رہا ہے کہ "خیر" کا ترجمہ "سب سے اچھا" (محقق صاحب کے مفہوم میں) کرنا قرآن کی غلط ترجمانی ہو گی۔ مثلاً اس آیت کے بعد۔ اہل کتاب ہی (نصاریٰ) کو مخاطب بنا کر — کہا گیا ہے "یا اھل الکتاب لا تغلوا فی دینکم ولا تقولوا علی اللہ الا الحق انما المسیح عیسی بن مریم رسول اللہ وکلمتہ القاھا الی مریم وروح منہ فآمنوا باللہ ورسلہ ولا تقولوا ثلٰثۃ انتھوا خیرًا لکم (۱۷۱)" یہاں تثلیث (تین خدا ماننے) سے منع کرتے ہوئے اس سے رکنے کو "خیر" کہا گیا ہے — تو کیا

لے قرآن مجید میں یہود کے مشہور جرم "گوسالہ پرستی" کی ایک سزا "فاقتلوا انفسکم" کا حکم دے کر اسی کے بارے میں کہا گیا ہے "ذٰلکم خیر لکم عند بارئکم" اگر وہاں "خیر" محقق صاحب کے مفہوم میں ہوتا تو زندگی بچانے کے لیے یہود کو "کچھ اچھا" نسخہ ضرور استعمال کرنا چاہیے تھا، لیکن یہ نسخہ نہ موسیٰ علیہ السلام کو معلوم تھا نہ مجرمین کو۔

یہاں بھی یہ کہنا درست ہوگا کہ تثلیث سے بچنا تو "بہت اچھا" ہے مگر نہ بچنا بھی (یعنی تین خدا ماننا بھی) "کچھ اچھا" ضرور ہے ؟؟ ان مثالوں کی روشنی میں موصوف غور فرمائیں کہ ان کے کیے ہوئے ترجمہ سے کتنے سنگین اور خطرناک نتائج برآمد ہو رہے ہیں، کیا اب بھی انھیں اپنے ترجمہ کی غلطی کا احساس نہیں ہوگا؟ آیتِ بالا کا صحیح ترجمہ یہ ہے کہ "اہل کتاب کی خیریت بھی اسی میں تھی کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر پوری طرح ایمان لے آتے" (جس کا لازمی تقاضہ آپؐ کی کامل اطاعت ہے) ورنہ ان کے حق میں بہت برا ہوگا ـــــ کہ آخرت میں نجات نہ پاسکیں گے اور جہنم میں جھونکے جائیں گے ـــــ ایسے لوگوں کے بارے میں قرآن مجید کے اندر بار بار مختلف انداز میں اسی بات کا صاف اعلان کر دیا گیا ہے، مثلاً سورۂ نساء (آیت ۱۱۵) میں ہے۔

"ومن یشاقق الرسول من بعد ما تبین لھم الھدیٰ ویتبع غیر سبیل المؤمنین نولہ ما تولیٰ ونصلہ جھنم ـــ (یہ آیت اور اس کا ترجمہ دونوں اوپر گذر چکے ہیں۔)

آیت کا صحیح ترجمہ معلوم ہو جانے کے بعد اُس غلط فہمی کی گنجائش ہی ختم ہو جاتی ہے جو موصوف کے ترجمہ سے پیدا ہو سکتی ہے اور اس کے نتیجہ میں موصوف کا استدلال بھی غلط ٹھہرتا ہے کیونکہ اس کی بنیاد ہی غلط ترجمہ پر تھی۔

(باقی)

ممالک غیر سے سالانہ چندہ

محصول ڈاک میں از بودست اضافہ کے

بعد اب نئی شرح یہ ہے

بحری ڈاک سے ۲ پونڈ

ہوائی ڈاک سے ۴ پونڈ

ماہنامہ الفرقان لکھنؤ

چندہ سالانہ

ہندوستان سے	۱۵/-
پاکستان سے	۲۵/-
بنگلا دیش سے	۱۶/-
فی شمارہ	۱/۵۰

جلد (۴۶) بابت جون ۱۹۷۶ء مطابق جمادی الاخریٰ ۱۳۹۶ھ شمارہ (۶)

اگر اس دائرہ میں ◯ سُرخ نشان ہے، تو

اس کا مطلب ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہو گئی ہے براہ کرم آئندہ کے لیے چندہ ارسال کریں یا خریداری کا ارادہ نہ ہو تو مطلع فرمائیں چندہ یا کوئی دوسری اطلاع مہینے کے آخر تک ورنہ اگلا پرچہ بصیغۂ وی پی ارسال ہو گا۔

نمبر خریداری: براہ کرم خط و کتابت کرتے وقت اور منی آرڈر کوپن پر اپنا خریداری نمبر ضرور لکھ دیا کیجیے جو پتہ کی چٹ پر لکھا ہوتا ہے۔

تاریخ اشاعت: الفرقان ہر انگریزی مہینہ کے پہلے ہفتہ میں روانہ کر دیا جاتا ہے۔ اگر مہینے کے آخر تک کسی صاحب کو پرچہ نہ ملے تو فوراً مطلع کریں اس کی اطلاع اگلے مہینے کی دس تاریخ تک آجانا چاہیے اسکے بعد رسالہ بھیجنے کی ذمہ داری دفتر پر نہ ہوگی۔

پاکستان میں ترسیل زر کا پتہ: ناظم ادارۂ اصلاح و تبلیغ آسٹریلین بلڈنگ — لاہور

(مولوی) محمد منظور نعمانی پرنٹر پبلشر و اڈیٹر نے تنویر پریس میں چھپوا کر دفتر الفرقان ۳۱ نیا گاؤں مغربی لکھنؤ سے شائع کیا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نگاہِ اوّلیں

محمد منظور نعمانی

شیخ محمد بن عبد الوہاب اور ہمارے بعض اکابر:۔

گزشتہ شمارہ کے انہی صفحات میں اسی عنوان کے تحت "فیض الباری" کی اُس عبارت پر گفتگو کی گئی تھی جس میں شیخ محمد بن عبد الوہاب نجدیؒ کا ذکر کیا گیا ہے اور اُن پر سخت اور ناگوار درجہ کی تنقید کی گئی ہے ــــ یہ بات پہلے لکھی جا چکی ہے کہ شیخ محمد بن عبد الوہاب کا ذکر فیض الباری صفحہ ۷۱ کی جس چند سطری عبارت میں آیا ہے وہ درسی تقریر کے سلسلہ سے الگ (فائدہ) کا مستقل عنوان قائم کر کے لکھی گئی ہے اور راقم سطور یقین کے ساتھ یہ نہیں سمجھ سکا کہ وہ حضرت استاذ مولانا محمد انور شاہؒ کی تقریر کا جز ہے یا ہمارے محترم فیض الباری کے فاضل مرتب مولانا میرٹھی علیہ الرحمہ کا افادہ ہے ــــ گزشتہ شمارہ کے صفحات میں گنجائش نہ رہنے کی وجہ سے بحث کا آخری حصہ روک لینا پڑا تھا وہ آج کی صحبت میں نذر ناظرین کیا جا رہا ہے۔ ــــ

"فیض الباری" کی منقولہ بالا عبارت میں تیسری اور آخری بات شیخ محمد بن عبد الوہابؒ کے بارہ میں یہ کہی گئی ہے کہ ــ "کان یتسارع الی الحکم بالکفر .... الخ جس کا حاصل یہ ہے کہ وہ تکفیر کے بارہ میں بہت جلد باز اور غیر محتاط تھے اور یہ تکفیر کا باب ایسا اہم اور نازک ہے کہ اس میں صرف اُسی عالم کو دخل دینے کا حق ہے جو صاحبِ بصیرت، راسخ العلم ہو اور کفر کے موجبات و اسباب

کے بارہ میں اس کو پوری معرفت حاصل ہو، جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے۔ راقم سطور کو اس بارہ میں کچھ علم نہیں ہے کہ شیخ محمد بن عبد الوہاب اور ان کی جماعت کے معتمد علماء کی کتابیں حضرت استاذؒ کی نظر سے گزری تھیں یا نہیں، اگر ہمارے دوسرے اکثر اکابر کی طرح حضرت استاذ نے بھی ان کی کتابیں ملاحظہ نہ فرمائی ہوں (اور یہ فرض کر لیا جائے کہ ان کے بارہ میں تکفیر میں جلد بازی اور بے احتیاطی والی یہ بات حضرت استاذؒ کی فرمودہ اور ان کی تقریر کا جز ہے) تو یہی سمجھا جائے گا کہ علمی اور دینی حلقوں میں شیخ موصوف کے متعلق یہ بات چونکہ عام طور سے ایک مسلّمہ واقعہ کے طور پر مشہور تھی اس لیے اس شہرت ہی کی بنیاد پر انھوں نے یہ بات فرمائی ہوگی۔ واللہ اعلم۔

اس شہرت کا اندازہ اس بات سے بھی کیا جا سکتا ہے کہ یمن کے محدث علامہ قاضی شوکانیؒ نے جو شیخ محمد بن عبد الوہاب کی دعوتِ اخلاصِ توحید و اتباعِ شریعت اور اس راستہ میں ان کی جد و جہد اور اس کے مبارک اثرات و نتائج کے معترف اور بڑے قدر داں ہیں اپنی کتاب "البدر الطالع" میں ایک جگہ اس دعوت کی علمبردار نجدی حکومت کا ذکر کرتے ہوئے پہلے دعوت کے اثرات کے بارہ میں اپنی اطلاعات اور تاثرات کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

> ہمیں تواتر کے ساتھ یہ بات پہنچی ہے کہ —— بہت سے علاقوں کے لوگ جو پہلے بالکل جاہلیت کی زندگی گزار رہے تھے، اسلام اور اس کے ارکان و فرائض سے ان کو کوئی تعلق نہیں تھا، کلمۂ شہادت بھی ٹھیک سے نہیں پڑھ سکتے تھے، اس دعوت اور حکومت کے دائرہ میں آجانے کے بعد ان میں یہ تبدیلی آئی کہ اب وہ وقت پر نمازیں پڑھتے ہیں اور دوسرے ارکان اسلام بھی بہت اچھے طریقہ سے ادا کرتے ہیں
> ...... (ملخصاً)

لیکن پھر اس کے آگے متصلاً لکھتے ہیں کہ

ولکنهم یرون ان من لم یکن داخلاً تحت دولة صاحب نجد و ممتثلاً لا وامره خارج عن الاسلام	لیکن ان لوگوں کا خیال ہے کہ جو لوگ اُن کی جماعت اور نجدی حکومت کے دائرہ میں شامل نہیں ہیں اور نجد کے سعودی حکمران کے احکام کی تابعداری نہیں کرتے وہ اسلام سے خارج ہیں۔

پھر چند سطر کے بعد لکھتے ہیں :-

ومن جملة ما يبلغنا عن صاحب نجد انه يستحل سفك دم من لم يحضر الصلوٰة فی جماعة وهذا ــــ ان صح ــــ غير مناسب لقانون الشرع

اور نجدی حکومت کے بارہ میں جو باتیں ہم تک پہنچی ہیں اُن میں سے ایک بات یہ بھی ہے کہ وہ ایسے آدمی کو قتل کر دینا درست سمجھتے ہیں جو نماز جماعت کے ساتھ ادا نہ کرے (اگرچہ منفرداً نماز ادا کرتا ہو) اور یہ بات جو ہم تک پہنچی ہے ــــ اگر صحیح اور واقعی ہے ــــ تو یہ یقیناً قانون شریعت کے خلاف ہے۔

آگے اس مسئلہ کی وضاحت کرنے کے بعد علامہ قاضی شوکانی نے لکھا ہے :-

وتبلغ امور غير هذه والله اعلم بصحتها وبعض الناس يزعم انه يعتقد اعتقاد الخوارج وما اظن ان ذالك صحيحًا (البدر الطالع ص ۶ ج ۲)

اور ان کے علاوہ بھی بہت سی باتیں اس نجدی جماعت اور حکومت کے بارہ میں ہم تک پہنچی ہیں، اللہ ہی جانتا ہے کہ وہ کہاں تک صحیح ہیں اور بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ جماعت خارجیوں کے عقائد رکھتی ہے۔ اور میں گمان نہیں کرتا کہ یہ بات صحیح ہوگی۔

جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا علامہ قاضی شوکانی یمنیؒ کے متعلق معلوم ہے کہ وہ شیخ محمد بن عبدالوہاب اور اُن کی دعوت کے مخالفین میں سے نہیں تھے بلکہ ایک درجہ میں اُس کے معترف اور قدردان تھے اور اُن کا علاقہ بھی بہ نسبت ہندوستان کے نجد سے بہت قریب تھا اور جس زمانہ میں انھوں نے "البدر الطالع" لکھی ہے وہ نجد کی اس دعوت و جد و جہد کے شیوع اور عروج کا خاص دور تھا اور وہ بڑے وسیع النظر اور وسیع المطالعہ بھی تھے۔ اس سب کے باوجود ان کی مندرجہ بالا عبارتوں سے معلوم ہوا کہ اُن کی نظر سے بھی شیخ محمد بن عبدالوہاب کی کوئی کتاب نہیں گزری تھی اور مختلف ذریعوں سے انھیں یہی معلوم ہوا تھا کہ اُن کی جماعت کے لوگ اپنے علاوہ سب مسلمانوں کو کافر اور خارج از اسلام سمجھتے ہیں اور صرف جماعت کے تارک کو بھی کافر و مباح الدم قرار دیتے ہیں اور اُن کے عقائد

خارجیوں والے ہیں ـــــ الغرض جب قاضی شوکانی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ حال تھا تو بالکل مستبعد نہیں کہ استاذنا حضرت مولانا محمد انور شاہ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی طرح کی مشہور اطلاعات کی بنا پر شیخ محمد بن عبدالوہابؒ کے متعلق یہ رائے ظاہر کی ہو کہ وہ تکفیر کے معاملہ میں جلد باز اور غیر محتاط تھے۔

اور اس کا بھی امکان ہے کہ شیخ موصوف اور اُن کے حلقہ کے علماء کی کچھ کتابیں حضرت استاذؒ کی نظر سے گزری ہوں اور اُن کے مطالعہ کے بعد یہ رائے قائم ہوئی ہو کہ وہ تکفیر کے بارہ میں غیر محتاط اور جلد باز تھے ـــــ یہ واقعہ ہے کہ خاص کر "تکفیر" کے مسئلہ میں بہت سے اُن اکابر علماء نے بھی اُن کے رویہ سے اپنا اختلاف ظاہر کیا ہے اور اُن کو حد سے متجاوز کہا ہے جو اُن کے معاندین و مخالفین میں سے نہیں تھے۔ اور جنھوں نے ان کی کتابوں کا مطالعہ بھی کیا تھا۔

نواب صدیق حسن خاں مرحوم نے "اتحاف النبلا" میں شیخ محمد بن عبدالوہاب کے تذکرہ ہی میں ذکر کیا ہے کہ تیرھویں ہی صدی کے ایک عالم سید داؤد بن سلیمان بغدادی نے شیخ محمد بن عبدالوہاب کے رد میں ایک رسالہ "صلح الاخوان" کے نام سے لکھا تھا، جس میں اُن کے ساتھ شیخین ابن تیمیہ اور ابن القیم پر بھی خوب لے دے کی گئی تھی، ـــــ علامہ قاضی شوکانیؒ کے ایک فاضل شاگرد شیخ محمد بن ناصر حازمی نجدی (م ۱۲۸۳ھ) نے بطور محاکمہ کے ایک رسالہ لکھا جس کا نام تھا "فتح المنان فی ترجیح الراجح و تزئیف الزائف من صلح الاخوان" اس میں مصنف (شیخ محمد بن ناصر حازمی) نے اولاً شیخ محمد بن عبدالوہاب کے مختصر سوانح حیات کا اچھے انداز میں تذکرہ کیا ہے ـــــ اس کے بعد رسالہ کے اصل موضوع کے سلسلہ میں یہ رائے ظاہر کی ہے کہ "تکفیر" اور "قتال" کے بارہ میں سید داؤد نے شیخ محمد بن عبدالوہاب کے خلاف جو لکھا ہے وہ صحیح اور مبنی بر انصاف ہے ـــــ اور شیخین (ابن تیمیہ و ابن قیم) کے بارہ میں "صلح الاخوان" کے مصنف نے جو لکھا تھا اس کی پوری قوت سے تردید کی ہے اس سلسلۂ کلام میں اُن کے آخری الفاظ یہ ہیں:-

هما عالمان عاملان تقيان	یہ دونوں بزرگ عالم باعمل ہیں۔ صاحب تقویٰ
نقيان ثقتان منصفان	ہیں اور بے لوث ہیں، ثقہ ہیں اور صاحب عدل و انصاف
تعبا لا نفسهما وادّيا	ہیں انھوں نے دین کی راہ میں تکلیفیں اٹھائیں اور

ما علیھما .... اپنا فرض ادا کر کے اللہ کے ہاں پہنچ گئے .....

بہر حال شیخ محمد بن ناصر حازمی جو شیخ محمد بن عبدالوہاب سے عناد رکھنے والے مخالفین میں نہیں تھے، بلکہ فی الجملہ ہمدردی رکھتے تھے اور اُن کی کتابوں سے ناواقف بھی نہیں تھے (جیسا کہ اُن کے رسالہ "فتح المنان" سے ظاہر ہوتا ہے) تکفیر کے بارہ میں وہ بھی اُن کے رویہ کو قابل اعتراض اور قابل نکیر سمجھتے تھے۔ بس ہو سکتا ہے کہ یہی حال اور یہی موقف اِس مسئلہ میں ہمارے استاذ حضرت مولانا محمد انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا رہا ہو۔

شیخ محمد بن ناصر حازمی کا رسالہ "فتح المنان" جس کا اوپر حوالہ دیا گیا ہے اُس کا طویل اقتباس نواب صدیق حسن خاں مرحوم نے شیخ محمد بن عبدالوہاب ہی کے ترجمہ اور تذکرہ میں اپنی کتاب "اتحاف النبلاء" میں نقل کیا ہے بلکہ گویا اُسی سے ان کی زندگی کے حالات لکھے ہیں —— راقم سطور نے یہاں جو کچھ لکھا ہے وہ اسی سے ماخوذ ہے۔

(اتحاف النبلاء صـ۴۱۳ ترجمہ شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی)

نواب صاحب مرحوم نے "اتحاف" میں شیخ محمد بن ناصر حازمی کا ترجمہ بھی لکھا ہے (ملاحظہ ہو صـ۴۴۲) اس کے علاوہ ہندوستان کے اکابر علماء اہلحدیث کا موقف بھی یہی تھا کہ وہ "تکفیر" اور "قتال" کے مسئلہ میں شیخ محمد بن عبدالوہاب اور اُن کی جماعت سے اپنا اختلاف اور براءت ظاہر کرتے تھے مرحوم مولانا مسعود عالم ندوی سلفی جنھوں نے ہندوستان میں سب سے پہلے بڑی تحقیق اور محنت و کاوش سے شیخ محمد بن عبدالوہاب کی سیرت لکھی، جو اب سے قریباً ۳۰ سال پہلے شائع ہوئی تھی (اور جو شیخ موصوف کو امت کے اصحاب عزیمت مجددین میں شمار کرتے ہیں۔) انھوں نے اپنی اس کتاب (محمد بن عبدالوہاب) کے صفحہ ۵ا کے حاشیہ میں جماعت اہلحدیث کے قدیم ترجمان رسالہ "اشاعۃ السنہ" کا حوالہ دیتے ہوئے لکھا ہے کہ:۔

"رسالہ اشاعۃ السنہ (صـ۵ جلد ۱۱ ۱۳۰۶ھ) نے ہندوستان کے اہلحدیث حضرات کا اختلاف اس مسلک سے (یعنی شیخ محمد بن عبدالوہاب کی جماعت کے مسلک سے) ان الفاظ میں ظاہر کیا ہے۔

"اہل حدیثِ ہند، وہابیہ نجدیہ سے تکفیر و قتل اہل مخالفین میں مخالف ہیں"۔ صـ۲۱

اور یہ بات ناقابلِ فہم ہے کہ اِن "اکابر علماء اہلحدیث" نے شیخ محمد بن عبدالوہاب رح اور ان کی جماعت کے علماء کی کتابیں نہ دیکھی ہوں۔ بہرحال ہو سکتا ہے کہ یہی حال اور موقف حضرت استاذؒ کا رہا ہو۔

آخر میں راقم سطور عرض کرتا ہے کہ اس عاجز نے شیخ محمد بن عبدالوہاب اور ان کے فاضل فرزندوں اور تلامذہ کی جو تحریریں پڑھی ہیں —— اور خاص کر ان چند مہینوں میں زیادہ پڑھی ہیں اور اپنے امکان کی حد تک غور سے پڑھی ہیں —— اُن کے مطالعہ سے راقم سطور نے یہ محسوس نہیں کیا کہ وہ تکفیر کے بارہ میں بیباک اور غیر محتاط ہیں۔ اگر ان کی بعض عبارتوں سے ایسا محسوس ہوتا ہے تو انہی کی دوسری عبارتیں اس کو صاف کر دیتی ہیں —— لیکن اُن کے حلقہ کے بعض اور مصنفین کی تحریروں میں اس مسئلہ میں یقیناً کھلا ہوا غلو محسوس ہوتا ہے —— اور اس تاریخی حقیقت میں تو شک شبہ کی گنجائش ہی نہیں ہے کہ اُن کے جاہل متبعین میں جہالت کے ساتھ سخت غلو بھی تھا، اُن کے رویہ سے یہی محسوس کیا جاتا تھا کہ وہ اُن مسلمانوں کو جو اُن کے حلقہ میں نہیں تھے کافر و مشرک سمجھتے تھے —— اسی سلسلہ کی ایک گزشتہ قسط میں (جو مارچ کے شمارہ میں شائع ہوئی ہے) علامہ قاضی شوکانی رح کی "البدر الطالع" کے حوالہ سے اُن کا یہ بیان ذکر کیا جا چکا ہے کہ

> "ہمارے یمن کے حاجیوں کے قافلہ کے امیر الحاج السید محمد بن حسین المراجلی نے خود مجھ سے (علامہ شوکانی سے) بیان کیا کہ ہمارے قافلہ کو نجدی جماعت کی ایک ٹولی ملی تو اُس نے مجھے اور میرے ساتھ والے یمن کے سارے حاجیوں کو "کفار" کہہ کے خطاب کیا (ان جماعۃً منھم خاطبوہ ھو و من معہ فی حجاج الیمن بانّھم کفار۔ البدر الطالع ص ۲۶)

اور اسی قسط میں یہ بھی ذکر کیا جا چکا ہے کہ شیخ محمد بن عبدالوہاب سے عقیدت رکھنے والے اُن کے سوانح نگاروں نے اس کا اعتراف کیا ہے کہ اُن کے متبعین میں کچھ بدو لوگ بہت غالی بھی تھے وہ حدود سے تجاوز کرتے تھے۔

راقم سطور کا خیال ہے کہ غالباً اُن کی جماعت کے اس جاہل اور غالی عنصر کی وجہ سے جماعت زیادہ بدنام ہوئی اور اچھے اچھے لوگوں نے یہ بات لکھی کہ شیخ محمد بن عبدالوہاب اور ان کی

جماعت والے اپنے سوا سب مسلمانوں کو کافر، مشرک اور مباح الدم سمجھتے ہیں ـــــ علامہ قاضی شوکانی یمنی اور ان کے ہمعصر علامہ ابن عابدین شامی اور ان جیسے جن دوسرے علماء نے یہ بات لکھی ہے اُن سب کی بنیاد غالباً اس جاہل اور غالی عنصر کا رویہ تھا ـــــ اب جبکہ خود شیخ اور اُن کے فرزندوں اور تلامذہ کی کتابیں ہر صاحب علم کو ہر جگہ آسانی سے دستیاب ہو سکتی ہیں تو براہ راست ان کو دیکھ کر حقیقت معلوم کی جاسکتی ہے۔

اس بحث کو ختم کرتے ہوئے راقم سطور پھر عرض کرتا ہے کہ "فیض الباری" ص۱۰؎ پر (فائدہ) کے مستقل عنوان کے تحت جو عبارت ہے (جس میں حضرت شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کی تقویۃ الایمانؒ اور شیخ محمد بن عبدالوہاب کے بارہ میں اظہار خیال کیا گیا ہے) خود راقم سطور نہیں سمجھ سکا کہ وہ حضرت استاذؒ کی درسی تقریر کا جز ہے یا فاضل مرتب مولانا میرٹھیؒ کا "افادہ" ہے۔ اگرچہ اس عاجز نے اس کو درسی تقریر کا جز فرضؒ کر کے اس کے بارہ میں گفتگو کی ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس میں جو بات جس انداز میں کہی گئی ہے وہ حضرت استاذؒ کے مزاج و انداز اور آپ کے بلند مقام سے بالکل مناسبت نہیں رکھتی۔ واللہ اعلم

رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝

کتاب المعاملات

معارف الحدیث

(مسلسل)

عاریت (منگنی):-

تمدنی زندگی میں اس کی بھی ضرورت پڑتی ہے کہ وقتی ضرورت کے لیے کسی سے کوئی چیز (بغیر اجرت اور معاوضہ کے) استعمال کے لیے مانگ لی جائے اور ضرورت پوری ہو جانے پر واپس کردی جائے، اسی کو "عاریت" کہا جاتا ہے، یہ ایک طرح کی اعانت اور امداد ہے اور بلاشبہ کسی ضرورت مند کو عاریت پر اپنی چیز دینے والا اجر و ثواب کا مستحق ہے۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ضرورت کے موقعوں پر بعض چیزیں بطور عاریت کے لیکر استعمال فرمائی ہیں اور اس کے بارہ میں ہدایات بھی دی ہیں جیسا کہ مندرجہ ذیل حدیثوں سے معلوم ہوگا۔

عَنْ أَنَسٍ قَالَ كَانَ فَزَعٌ بِالْمَدِينَةِ فَاسْتَعَارَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عليه وَسَلَّمَ فَرَسًا مِنْ أَبِي طَلْحَةَ يُقَالُ لَهُ الْمَنْدُوبُ، فَرَكِبَ فَلَمَّا رَجَعَ قَالَ مَا رَأَيْنَا مِنْ شَيْءٍ وَإِنْ وَجَدْنَاهُ لَبَحْرًا ——

—— رواہ البخاری ومسلم

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ (کسی شبہ کی بنا پر) مدینہ میں گھبراہٹ پیدا ہو گئی (غالباً دشمن لشکر کی آمد کا شبہ پیدا ہو گیا تھا جس کی وجہ سے مدینہ طیبہ کے عوام میں گھبراہٹ اور خطرہ کے احساس کی کیفیت پیدا ہو گئی) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوطلحہ انصاری

رضی اللہ عنہ سے اُن کا گھوڑا عاریتہً مانگا جس کو "مندوب" کہا جاتا تھا (جس کے معنی ہیں سست رفتار اور مٹھا) اور آپ اُس پر سوار ہو کر (اُس جانب تشریف لے گئے جدھر سے خطرہ کا شبہ تھا) جب آپ واپس تشریف لائے تو آپ نے فرمایا کہ ہم نے کچھ نہیں دیکھا (یعنی کوئی خطرہ والی بات نظر نہیں آئی لہذا لوگوں کو مطمئن ہو جانا چاہیے۔ اس کے ساتھ آپ نے ابو طلحہ کے اُس گھوڑے کے بارہ میں فرمایا کہ) ہم نے اِس کو بحرِ رواں پایا۔

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ضرورت کے اُس موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کا گھوڑا عاریتہً لیکر اس پر سواری کی — نیز اس واقعہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شجاعت اور احساس ذمہ داری کی صفت بھی سامنے آئی کہ خطرہ کے موقع پر تحقیق و تجسس کے لیے تن تنہا تشریف لے گئے، اور واپس آکر لوگوں کو مطمئن کر دیا تاکہ وہ بے خوف ہو کر اپنے کاموں میں لگیں — ضمنی طور پر اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت طلحہ کا وہ گھوڑا جو اتنا سست رفتار اور مزاج کا مٹھا تھا کہ اُس کا نام ہی لوگوں نے "مندوب" (مٹھا) رکھ دیا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری میں آکر ایسا تیز رو اور سبک رفتار ہو گیا کہ آپ نے فرمایا کہ ہم نے تو اس کو "بحرِ رواں" پایا۔ (بہترین تیز رفتار گھوڑے کو "بحر" کہا جاتا تھا۔)

عَنْ اُمَیَّۃَ بْنِ صَفْوَانَ عَنْ اَبِیْہِ اَنَّ النَّبِیَّ صلی اللہ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِسْتَعَارَ مِنْہُ اَدْرَاعَہٗ یَوْمَ حُنَیْنٍ فَقَالَ اَغَصْبًا یَا مُحَمَّدُ قَالَ بَلْ عَارِیَۃٌ مَضْمُوْنَۃٌ — رواہ ابوداؤد

حضرت امیہ بن صفوان اپنے والد صفوان بن امیہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ حُنین کے موقع پر اُن کی زرہیں اُن سے مانگیں (یعنی آپ نے اُن سے فرمایا کہ اپنی زرہیں جنگ میں استعمال کے لیے ہم کو دیدو) تو صفوان نے (جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے) کہا کہ کیا (میری زرہیں) غصب کے طور پر لینا چاہتے ہو؟ (یعنی چونکہ تم فاتح ہو اور قوت و اقتدار تمہارے ہاتھ میں ہے اس لیے زبردستی

لے لینا چاہتے ہو؟) آپ نے فرمایا نہیں بلکہ عاریت کی طور پر (لینا چاہتا ہوں) جس کی واپسی کی ذمہ داری ہے۔ (سنن ابی داؤد)

(تشریح) یہ صفوان بن امیہ قریش مکہ کے سردار اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سخت دشمنوں میں تھے، ۸ھ ہجری میں جب مکہ معظمہ فتح ہو گیا اور وہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اور اسلام کا اقتدار قائم ہو گیا تو یہ صفوان اُس دن مکہ مکرمہ سے فرار ہو گئے ــــــ ان سے تعلق رکھنے والے بعض صحابہ نے اِن کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے امان کی درخواست کی، آپ نے قبول فرمالی، وہ اِن کی تلاش میں نکلے اور یہ مل گئے تو وہ ان کو واپس لے آئے، لیکن یہ اپنے کفر پر قائم رہے۔ پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ سے فارغ ہو کر حُنین کا قصد کیا تو مکہ کے ایسے بہت سے لوگ بھی آپ کی اجازت سے اس سفر میں آپ کے ساتھ ہو گئے جنھوں نے ابھی اسلام قبول نہیں کیا تھا، ان میں یہ صفوان بن امیہ بھی تھے ــــــ اسی موقعہ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے آہنی زرہیں عاریۃً مانگی تھیں، تو ان کو یہ شبہ ہوا کہ شاید اب میری یہ زرہیں غصب اور ضبط کر لی جائیں گی اور مجھے واپس نہیں ملیں گی، انھوں نے صفائی سے اپنے شبہ کا اظہار بھی کر دیا، آپ نے ان کو اطمینان دلادیا کہ "یہ زرہیں تم سے صرف عاریت کے طور پر مانگی جارہی ہیں ان کی واپسی کی ذمہ داری ہے" تو انھوں نے وہ زرہیں آپ کے حوالہ کر دیں۔

اسی غزوہ حنین کے سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہ کر اور آپ کے طور طریقوں اور خاص کر اپنے جیسے قدیمی اور خون کے پیاسے دشمن کے ساتھ آپ کا غیر معمولی حسن سلوک دیکھ کر آپ کے نبیِ صادق ہونے کا اُن کو یقین ہو گیا اور انھوں نے اسلام قبول کر لیا ــــــ بہرحال یہ صحابی ہیں اور اُن سے اِس واقعہ کے نقل کرنے والے اُن کے بیٹے اُمیہ بن صفوان بھی صحابی ہیں۔ رضی اللہ عنہما وعن سائر الصحابۃ اجمعین

عَنْ أَبِي أُمَامَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ الْعَارِيَةُ مُؤَدَّاةٌ وَالْمِنْحَةُ مَرْدُودَةٌ وَالدَّيْنُ مَقْضِيٌّ وَالزَّعِيمُ غَارِمٌ

ــــــ رواہ الترمذی وابوداؤد۔

حضرت ابو امامہ باہلی سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ ارشاد فرما رہے تھے کہ عاریت (والی چیز لازماً) واپس کی جائے گی ——— اور منحہ (یعنی جو چیز فائدہ اٹھانے کے لیے دی گئی ہو وہ عرف کے مطابق فائدہ اٹھا کر مالک کو) لوٹائی جائے گی ——— اور قرض (حسب قرارداد) ادا کرنا ہوگا ——— اور کفالت کرنے والا ادائیگی کا ذمہ دار ہوگا۔ (جامع ترمذی، سنن ابی داؤد)

(تشریح) اس حدیث میں شریعت کے چار حکم بیان کیے گئے ہیں ——— ایک یہ کہ اگر اپنی ضرورت اور استعمال کے لیے کسی کی کوئی چیز عاریت کے طور پر لی جائے، تو اس کا واپس کرنا لازم ہے، اس میں تساہل نہیں کرنا چاہیے ———

دوسرا حکم یہ بیان فرمایا گیا کہ "منحہ" کا لوٹانا ضروری ہے ——— عرب میں رواج تھا کہ فیاض اور فراخ حوصلہ لوگ جن کو اللہ تعالیٰ توفیق دیتا اپنی ملکیت کی کوئی چیز صرف فائدہ اٹھانے اور استعمال کرنے کے لیے دوسرے کسی بھائی کو دیدیتے ——— مثلاً اپنا اونٹ سواری کے لیے یا اونٹنی یا بکری دودھ پینے کے لیے دیدیتے تھے کہ اس کو اپنے پاس رکھو اور کھلاؤ پلاؤ اور اس سے فائدہ اٹھاؤ یا پھلوں سے فائدہ اٹھانے کے لیے اپنا باغ یا کاشت کے لیے اپنی زمین بغیر کسی معاوضہ کے دیدیتے۔ اس کو "منحہ" کہا جاتا تھا ——— تو اس کے بارے میں حکم دیا گیا کہ جس شخص کو "منحہ" کے طور پر کوئی چیز دی گئی وہ اس کو اپنی ملک نہ بنالے بلکہ عرف کے مطابق اس سے فائدہ اٹھا کے اصل مالک کو واپس کردے ——— بلاشبہ بڑا مبارک تھا یہ رواج اور کچھ دن پہلے تک ہمارے علاقوں میں بھی یہ رواج تھا۔ لیکن اب اس طرح کی ساری خوبیاں اور نیکیاں اٹھتی اور سمٹتی جارہی ہیں، خود غرضی اور نفسی نفسی کا دور دورہ ہے۔ فالی اللہ المشتکی۔

تیسرا حکم اس حدیث میں یہ بیان فرمایا گیا کہ جس کسی نے اللہ کے کسی بندہ سے قرض لیا ہو وہ اس کے ادا کرنے کا اہتمام کرے ——— (قرض کی ادائیگی کے بارہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سخت تاکیدی ارشادات اور شدید وعیدیں، اسی سلسلۂ معارف الحدیث میں قرض کے زیر عنوان پہلے ذکر کی جاچکی ہیں)

چوتھا حکم یہ بیان فرمایا گیا کہ کسی شخص کے ذمہ اگر کسی دوسرے کا قرض یا کسی قسم کا مالی حق ہو اور کوئی اُس کا کفیل اور ضامن بن جائے تو وہ ادائیگی کا ذمہ دار ہے، یعنی اگر بالفرض اصل مدیون ادا نہ کرے تو اس کفیل اور ضامن کو ادا کرنا پڑے گا۔

غصب (کسی دوسرے کی چیز ناحق لے لینا)

اگر کسی کی کوئی چیز قیمت دے کر لی جائے تو شریعت اور عرف میں اُس کو "بیع وشرا (خرید فروخت)" کہا جاتا ہے، اور اگر اجرت اور کرایہ معاوضہ دے کر کسی کی چیز استعمال کی جائے تو شریعت اور عرف میں وہ "اجارہ" ہے۔ اور اگر بغیر کسی معاوضہ اور کرایہ کے کسی کی چیز وقتی طور پر استعمال کے لیے لی جائے اور استعمال کے بعد واپس کر دی جائے تو وہ "عاریت" ہے ____ یہ سب صورتیں جائز اور صحیح ہیں اور ان کے بارہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات وارشادات گزشتہ صفحات میں ناظرین کی نظر سے گزر چکے ہیں۔

کسی دوسرے کی چیز لے لینے کی ایک شکل یہ بھی ہے کہ اس کی مرضی کے بغیر زبردستی اور ظالمانہ طور پر اس کی مملوکہ چیز لے لی جائے ____ شریعت کی زبان میں اس کو "غصب" کہا جاتا ہے اور یہ حرام اور سخت ترین گناہ ہے۔ اس کے بارہ میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مندرجہ ذیل چند ارشادات ناظرین کرام پڑھ لیں۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم مَنْ أَخَذَ مِنَ الْأَرْضِ شَيْئًا بِغَيْرِ حَقِّهٖ خُسِفَ بِهٖ يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِلٰى سَبْعِ أَرَضِيْنَ ____ رواہ البخاری

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے کسی دوسرے کی کچھ بھی زمین ناحق لے لی تو قیامت کے دن وہ اس زمین کی وجہ سے (اور اس کی سزا میں) زمین کے ساتوں طبق تک دھنسایا جائے گا۔

(صحیح بخاری)

(تشریح) یہ مضمون رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک، دو لفظوں کے فرق کے ساتھ متعدد

صحابہ کرام سے مروی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کا حاصل یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے کسی دوسرے کی زمین کا چھوٹے سے چھوٹا ٹکڑا بھی ناحق غصب کیا (ایک روایت میں ہے کہ اگر صرف بالشت بھر بھی غصب کیا) تو قیامت کے دن اس گناہ کی سزا میں وہ زمین میں دھنسایا جائے گا اور آخری حد تک کو یا تحت الثریٰ تک دھنسایا جائے گا ——— اللہ کی پناہ

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ایک بڑا عبرت آموز واقعہ زمین کے غصب ہی کے بارہ میں روایت کیا گیا ہے جس کا تعلق اس حدیث ہی سے ہے اور وہ یہ کہ ایک عورت نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ کے خلاف (جو عشرہ مبشرہ میں سے ہیں) مدینہ کے اس وقت کے حاکم مروان کی عدالت میں دعویٰ کیا کہ انھوں نے میری فلاں زمین دبالی ہے۔ حضرت سعید رضی اللہ عنہ کو اس جھوٹے الزام سے بڑا صدمہ پہنچا انھوں نے مروان سے کہا کہ میں اس عورت کی زمین دباؤں گا اور غصب کروں گا؟ میں نے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارہ میں یہ سخت وعید سنی ہے .... (یہ بات حضرت سعیدؓ نے دل کے کچھ ایسے تاثر کے ساتھ اور ایسے انداز سے کہی کہ خود مروان بہت متاثر ہوا) اور اس نے کہا کہ اب میں آپ سے کوئی دلیل اور ثبوت نہیں مانگتا ——— اس کے بعد حضرت سعید رضی اللہ عنہ نے (دکھے ہوئے دل سے) بددعا کی کہ اے اللہ اگر تو جانتا ہے کہ اس عورت نے مجھ پر یہ جھوٹا الزام لگایا ہے تو اس کو آنکھوں کی روشنی سے محروم کر دے اور اس کی زمین ہی کو اس کی قبر بنا دے ——— (واقعہ کے راوی حضرت عروہ کہتے ہیں کہ) پھر ایسا ہی ہوا۔ میں نے خود اس عورت کو دیکھا، وہ آخر عمر میں نابینا ہو گئی اور خود کہا کرتی تھی کہ سعید بن زید کی بددعا سے میرا یہ حال ہوا ہے، اور پھر ایسا ہوا کہ وہ ایک دن اپنی زمین ہی میں چلی جا رہی تھی کہ ایک گڑھے میں گر پڑی اور بس وہ گڑھا ہی اس کی قبر بن گیا ——— (صحیح بخاری و صحیح مسلم) اللہ تعالیٰ اس واقعہ سے سبق لینے کی توفیق دے۔

عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَنَّهُ قَالَ مَنِ انْتَهَبَ نُهْبَةً فَلَيْسَ مِنَّا ——— رواہ الترمذی

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

ارشاد فرمایا جس نے کسی کی کوئی چیز چھین لی اور لوٹ لی وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

(جامع ترمذی)

(تشریح) اگر دل میں ایمان کا کوئی ذرہ ہو تو یہ وعید انتہائی سخت وعید ہے کہ کسی کی چیز کا چھیننے والا اور غصب کرنے والا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جماعت اور آپ کے لوگوں میں سے نہیں ہے جس کو آپ نے اپنے سے الگ اور دور کر دیا وہ بڑا محروم اور بدبخت ہے۔

عَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيْدَ عَنْ اَبِيْهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَاْخُذْ اَحَدُكُمْ عَصَا اَخِيْهِ لَاعِبًا جَادًّا فَمَنْ اَخَذَ عَصَا اَخِيْهِ فَلْيَرُدَّهَا اِلَيْهِ ـــــ رواه الترمذی وابوداؤد

سائب بن یزید اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کوئی اپنے دوسرے بھائی کی لکڑی اور چھڑی کبھی نہ لے نہ ہنسی مذاق میں اور نہ کینے کے ارادہ سے ـــ بس اگر لیوے تو اس کو واپس لوٹائے۔

(جامع ترمذی سنن ابی داؤد)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ کسی بھائی کی لکڑی اور چھڑی کی طرح کی حقیر اور معمولی چیز بھی بغیر اس کی مرضی اور اجازت کے نہ لی جائے، ہنسی مذاق میں بھی نہ لی جائے اور اگر غفلت یا غلطی سے لے لی گئی ہو تو واپس ضرور لوٹائی جائے۔ یہ نہ سمجھا جائے کہ ایسی معمولی چیز کا واپس کرنا کیا ضروری ہے ـــــ اللہ تعالیٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ان ہدایات کی اہمیت محسوس کرنے کی توفیق دے۔

عَنْ اَبِيْ حُرَّةَ الرَّقَاشِيِّ عَنْ عَمِّهٖ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلَا لَا تَظْلِمُوْا اَلَا لَا يَحِلُّ مَالُ امْرِءٍ اِلَّا بِطِيْبِ نَفْسٍ مِنْهُ ـــــ رواه البیہقی فی شعب الایمان والدارقطنی فی المجتبیٰ

ابو حرہ رقاشی اپنے چچا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خبردار کسی پر ظلم و زیادتی نہ کرو! خبردار کسی آدمی کی ملکیت کی کوئی چیز اس کی دلی رضامندی کے بغیر لینا حلال اور جائز نہیں ہے۔ (شعب الایمان بیہقی، مجتبیٰ للدارقطنی)

عَنْ جَابِرٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ وَاَصْحَابُهٗ بِامْرَأَةٍ فَذَبَحَتْ لَهُمْ شَاةً وَاتَّخَذَتْ لَهُمْ طَعَامًا فَاَخَذَ لُقْمَةً فَلَمْ يَسْتَطِعْ اَنْ يُّسِيْغَهَا فَقَالَ هٰذِهٖ شَاةٌ ذُبِحَتْ بِغَيْرِ اِذْنِ اَهْلِهَا فَقَالَتِ الْمَرْأَةُ يَا رَسُوْلَ اللهِ اِنَّا لَا نَحْتَشِمُ مِنْ اٰلِ مُعَاذٍ نَاْخُذُ مِنْهُمْ وَيَاْخُذُوْنَ مِنَّا ـــــ رواہ احمد

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے چند اصحاب ورفقا کا گزر ایک خاتون کی طرف سے ہوا (اس نے آپ سے کھانا تناول فرمانے کی درخواست کی آپ نے قبول فرما لیا) تو اُس نے ایک بکری ذبح کی اور کھانا تیار کیا (اور آپ کے اور آپ کے رفقا کے سامنے حاضر کر دیا) آپ نے اُس میں سے ایک لقمہ لیا مگر اُس کو آپ حلق سے نہیں اتار سکے، تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ (واقعہ یہ معلوم ہوتا ہے) یہ بکری اصل مالک کی اجازت کے بغیر ذبح کر لی گئی ہے۔ اُس خاتون نے عرض کیا کہ ہم لوگ (اپنے پڑوسی) معاذ کے گھر والوں سے کوئی تکلف نہیں کرتے ہم ان کی چیزیں لے لیتے ہیں اور اسی طرح وہ ہماری چیزیں لے لیتے ہیں۔ (مسند احمد)

(تشریح) جیسا کہ دعوت کرنے والی خاتون کے جواب سے معلوم ہوا واقعہ یہی تھا کہ وہ بکری جو ذبح کی گئی تھی پڑوس کے ایک گھرانے آلِ معاذ کی تھی اور باہمی اعتماد و تعلق اور رواج و چلن کی وجہ سے اُن سے اجازت لینے کی ضرورت نہیں سمجھی گئی اور بکری ذبح کر کے اور کھانا تیار کر کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے رفقاء کے سامنے پیش کر دیا گیا، لیکن آپ نے جب پہلا ہی لقمہ اُس میں سے لیا تو آپ کی طبیعت مبارک نے اس کو قبول نہیں کیا اور وہ حلق سے اتر ہی نہیں سکا اور آپ پر یہ منکشف کر دیا گیا کہ یہ بکری اصل مالک کی اجازت کے بغیر ذبح کر لی گئی ہے۔۔۔

جس طرح اللہ تعالیٰ نے کھانے پینے کی چیزوں کے بارہ میں عام انسانوں کو ایک ذوق اور احساس دیا ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ کڑوی کسیلی چیزوں کا کھانا اور حلق سے اتارنا مشکل ہوتا ہے اسی طرح وہ اپنے بعض خاص بندوں کو جن کی وہ ناجائز غذاؤں سے

حفاظت فرمانا چاہتا ہے ایسا ذوق عطا فرما دیتا ہے کہ ناجائز غذا نہ اُن سے کھائی جاسکتی ہے اور نہ حلق سے اتاری جاسکتی ہے۔ مذکورہ بالا واقعہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا لقمہ منہ میں لے لینے کے باوجود نہ کھا سکنا اللہ تعالیٰ کی اسی خاص الخاص عنایت کا ظہور تھا ـــــ اُمّت کے بعض اولیاء اللہ سے بھی اس طرح کے واقعات منقول ہیں۔ "ذالك فضل الله يؤتيه من يشاء"ـــــ

اس واقعہ میں یہ بات خاص طور سے قابل غور ہے کہ بکری نہ چرائی گئی تھی نہ غصب کی گئی تھی بلکہ باہمی اعتماد و تعلق اور رواج و چلن کی وجہ سے اجازت لینے کی ضرورت نہیں سمجھی گئی تھی اور ذبح کرلی گئی تھی، اس کے باوجود اس میں ایسی خباثت اور خرابی پیدا ہوگئی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کو نہیں کھا سکے اور حلق سے نہیں اتار سکے ـــــ اس میں سبق ہے کہ دوسروں کی چیز بغیر اجازت لینے اور استعمال کرنے کے بارہ میں کس قدر احتیاط کرنی چاہیے۔

مولانا سید جلال الدین عمری

والدین کی اخلاقی ذمہ داریاں

کتاب و سنت کی روشنی میں

(گزشتہ سے پیوستہ)

عقیقہ واجب نہیں ہے

عقیقہ کو واجب یا فرض قرار دینا صحیح نہیں ہے اس لیے کہ اس سلسلہ کی دوسری احادیث اس کی تردید کرتی ہیں۔

موطا کی روایت ہے۔

سئل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن العقیقۃ فقال لا احب العقوق وکانہ انما کرہ الاسم وقال من ولد لہ ولد فاحب ان ینسک عن ولدہ فلیفعل[1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عقیقہ کے بارے پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا میں عقوق (نافرمانی) کو پسند نہیں کرتا۔ (ایک راوی حدیث کہتے ہیں) آپ نے گویا یہ نام پسند نہیں کیا۔ آپ نے فرمایا جس کے ہاں بچہ ہو اور وہ اس کی طرف سے قربانی کرنا چاہے تو کرے۔

---

[1] اس کی سند میں ایک راوی مجہول ہے۔ اسی مفہوم کی ایک اور روایت ابو داؤد کتاب الاضاحی میں ہے لیکن اس میں ارسال کا شبہ ہے۔ یہ روایت نسائی (کتاب العقیقہ) میں بھی موجود ہے اس سے یہ شبہ دور ہو جاتا ہے۔ حافظ ابن قیمؒ فرماتے ہیں امام عبد الرزاق نے اسے جس طرح روایت کیا ہے اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ سلسلۂ سند متصل ہے۔ (تحفۃ المودود ص ۳۳-۳۴) حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ یہی حدیث بزار اور ابو الشیخ نے حضرت ابو سعید خدریؓ سے بھی روایت کی ہے (فتح الباری ۹/۴۶۵) اس طرح یہ سب روایتیں ایک دوسری کی تائید کرتی ہیں اور اس کے بعد حدیث کی صحت میں کوئی شبہ نہیں رہتا۔

اس حدیث سے عقیقہ کی فقہی حیثیت متعین ہوتی ہے، اس لیے اس پر کسی قدر تفصیل سے بحث کی ضرورت ہے۔ اس سلسلہ میں پہلا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عقیقہ کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا 'لا احب العقوق' (میں نافرمانی کو پسند نہیں کرتا)، کیا یہ اس بات کی دلیل ہے کہ عقیقہ مکروہ یا غیر مشروع ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ان میں سے کوئی بات اس سے ثابت نہیں ہوتی اس لیے کہ اس کے بعد والے جملے سے معلوم ہوتا ہے کہ عقیقہ مستحب یا کم از کم جائز ہے۔ اگر مکروہ ہوتا تو اس کی اسی طرح مطلق اجازت نہ دی جاتی بلکہ کراہت کا اظہار ہوتا۔

'لا احب العقوق' کا یہ مطلب نہیں ہے تو پھر اس کا صحیح مطلب کیا ہے؟ حدیث کے راویوں میں سے ایک کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فی نفسہ عقیقہ کو ناپسند نہیں کیا بلکہ لفظ عقیقہ کے استعمال کو ناپسند فرمایا ـــــ قاضی شوکانی فرماتے ہیں:۔

"عقیقہ" یعنی ذبیحہ اور "عقوقِ امہات" یعنی ماں (باپ) کی نافرمانی، ان دونوں کا مادہ "عق" ہے جس کے اندر پھاڑنے اور کاٹنے کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ عقیقہ سے متعلق سوال کے جواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ میں 'عقوق' کو پسند نہیں کرتا، یہ ظاہر کرتا ہے کہ 'عقیقہ' کا لفظ آپ کو ناپسند ہے اس لیے کہ عقیقہ اور عقوق دونوں کی اصل لغوی لحاظ سے ایک ہے۔ اس کے بعد کے جملہ سے یہ بات نکلتی ہے کہ آپ عقیقہ کی جگہ 'نَسِیکہ' کا لفظ پسند فرماتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ دوسری حدیثوں میں خود آپ نے عقیقہ کا لفظ استعمال فرمایا ہے۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ اس کا جواب قاضی شوکانی نے یہ دیا ہے کہ عقیقہ کا لفظ ہی اہل عرب میں متعارف تھا۔ عقیقہ کا حکم بیان کرنے کے لیے آپ نے یہی متعارف لفظ استعمال فرمایا۔ ایک بات یہ بھی کہی جاسکتی ہے کہ عقیقہ کا لفظ شاید آپ نے اس لیے استعمال فرمایا تاکہ یہ معلوم ہو کہ اس کا استعمال جائز ہے۔ کراہت اپنی جگہ باقی ہے[۱] ـــــ علامہ خطابی کہتے ہیں:۔

قولہ لا احب العقوق لیس فیہ	آپ کے ارشاد 'لا احب العقوق' میں نہ تو
توھین لامر العقیقۃ ولا اسقاط	عقیقہ کے حکم کو کمزور کیا گیا ہے اور نہ اس کے
لوجوبھا وانما استبشع الاسم	وجوب ہی کو ختم کیا گیا ہے آپ نے تو اس نام

[۱] نیل الاوطار ۵/۱۲۸

واحب ان یسمیه باحسن منه فلیسمها النسیکه او الذبیحة[1]	سے کراہت محسوس فرمائی' اور یہ چاہا کہ اسے اس سے اچھا نام دیں۔ اسی لیے عقیقہ کو نسیکہ یا ذبیحہ کہنا چاہیے۔

علامہ ابن اثیر نے بھی یہی الفاظ دوہرائے ہیں۔ مزید فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ طریقہ تھا کہ جو نام اپنے معنی و مفہوم کے لحاظ سے غلط ہوتا اسے آپ بدل دیتے۔[2]

علامہ ابن اثیر (اور ان سے پہلے خطابی) نے 'لا احب العقوق' کی جو تشریح کی ہے اس سے علامہ توربشتی کو اختلاف ہے۔ وہ کہتے ہیں بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سائل کے نزدیک یہ بات واضح نہیں تھی کہ عقیقہ مکروہ ہے یا مستحب، واجب ہے یا مندوب۔ اس لیے وہ چاہ رہا تھا کہ اس کا یہ اشتباہ دور ہو جائے اور اس کی اگر افضلیت ہے تو معلوم ہو جائے۔ چونکہ عقیقہ کی فضیلت اور اس کی حیثیت امت پر پوشیدہ نہیں تھی اس لیے آپ نے اس کے ذکر کی جگہ یہ تنبیہ فرمائی کہ اللہ تعالیٰ اس سلسلہ میں جس چیز کو ناپسند کرتا ہے وہ عقوق اور نافرمانی ہے عقیقہ نہیں ہے۔

اس بات کا بھی امکان ہے کہ سائل نے یہ سمجھا ہو کہ عقیقہ اور عقوق کا مادہ اشتقاق ایک ہے اس لیے عقیقہ (ناپسندیدہ ہوگا یا کم از کم) اس کی کوئی خاص اہمیت نہیں ہوگی۔ آپ نے اسے بتایا کہ معاملہ اس کے برعکس ہے۔ عقوق ناپسندیدہ چیز ہے اور عقیقہ پسندیدہ عمل ہے۔

فرماتے ہیں ایک تیسرا امکان بھی ہے وہ یہ کہ عقوق کا لفظ اصلاً اولاد کی نافرمانی کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ جو بچہ ماں باپ کا حق نہ پہچانے اور ادا نہ کرے تو اسے عاق کہا جاتا ہے۔ حدیث میں گویا اسی لفظ کو باپ کی نافرمانی کے لیے بھی مستعار لیا گیا ہے۔ مطلب یہ کہ اگر باپ بچہ کا حق ادا نہ کرے (جس میں عقیقہ بھی شامل ہے) تو یہ نافرمانی ہے اور اللہ تعالیٰ اسے ناپسند کرتا ہے۔[3]

ملا علی قاری نے بھی یہی تیسرا مفہوم لیا ہے۔ فرماتے ہیں جو شخص یہ چاہے کہ اس کا بچہ

---

[1] معالم السنن ۴/۲۸۶ [2] النہایہ فی غریب الحدیث ۳/۱۱۶ مادہ عق [3] مرقاۃ المفاتیح ۴/۳۵۹

بڑا ہو کر عاق یعنی نافرمان نہ ہو اسے اس کا عقیقہ کرنا چاہیے۔ اس لیے کہ باپ جب شریعت کی نافرمانی کرتا ہے تو بچہ میں نافرمانی سرایت کر جاتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نافرمانی کو پسند نہیں کرتا، اسی حدیث کے بعد والے فقرہ کی یہ ایک طرح سے تمہید بھی ہے[1]

یہی مفہوم زیادہ قرین قیاس معلوم ہوتا ہے۔ اسے سادہ الفاظ میں اس طرح بیان کیا جا سکتا ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عقیقہ کے بارے میں معلوم کیا تو آپ نے فرمایا عقیقہ ہونا چاہیے۔ اس کا ترک مجھے پسند نہیں ہے۔ اس لیے کہ شریعت کے کسی بھی حکم کی نافرمانی اولاد پر اثر انداز ہوتی ہے اور وہ بھی ماں باپ کی نافرمان بن کر ابھرتی ہے۔

عقیقہ مستحب ہے اس کے بعد حدیث کا دوسرا فقرہ ہمارے سامنے آتا ہے :-

من ولد له ولد فاحب ان ينسك عنه فليفعل	جس کے ہاں بچہ پیدا ہو اور وہ اس کی طرف سے عقیقہ کرنا چاہے تو کرے۔

علامہ ابن رشد نے لکھا ہے کہ ان الفاظ کا یہ بھی مطلب ہو سکتا ہے کہ عقیقہ مندوب ہے اور یہ بھی کہ ہو سکتا ہے کہ وہ مباح ہے۔ یعنی الفاظ میں دونوں باتوں کی گنجائش ہے پس جس نے ان الفاظ سے یہ سمجھا کہ عقیقہ مندوب ہے اس نے اسے سنت قرار دیا اور جس نے اسے اباحت پر محمول کیا اس نے کہا عقیقہ نہ تو سنت ہے نہ فرض ہے[2]

امام طحاوی کے نزدیک عقیقہ ایک اختیاری عمل ہے۔ فرماتے ہیں دور جاہلیت میں عقیقہ ضروری تھا۔ بڑی سختی سے اس کی پابندی ہو رہی تھی۔ اسلام نے شروع میں اس کی اس حیثیت کو باقی رکھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد "الغلام مرتھن بعقیقتہ" کو وہ اسی پر محمول کرتے ہیں ان کے نزدیک اس سے عقیقہ کا وجوب نکلتا ہے۔ لیکن زیر بحث روایت اس حکم کو منسوخ کرتی ہے (اس لیے کہ یہ بعد کی ہے) اس میں عقیقہ کا وجوب ختم کر دیا گیا ہے اور اسے آدمی کے اختیار پر چھوڑ دیا گیا ہے[3]

---

[1] حوالہ سابق [2] بدایۃ المجتہد ۱/۴۴۸ [3] ملاحظہ ہو مشکل الآثار ۱/۴۶۱-۴۶۲

میرے خیال میں عقیقہ اس معنی میں اختیاری ہے کہ وہ واجب یا فرض نہیں ہے۔ لیکن بہت سے اعمال اختیاری ہونے کے باوجود مستحب اور پسندیدہ ہوتے ہیں۔ عقیقہ اسی نوعیت کا عمل ہے۔ اس کی ایک دلیل یہ ہے کہ حدیث کا پہلا فقرہ 'لا احب العقوق' ہے۔ اس میں جیسا کہ محدثین نے بیان کیا ہے عقیقہ کی اہمیت واضح کی گئی ہے یا یہ کہ کم از کم اس کی فضیلت سے انکار نہیں کیا گیا ہے۔ اس لیے یہ ناقابل تصور بات ہے کہ ایک جملہ میں عقیقہ کی اہمیت بیان کی جائے اور فوراً بعد دوسرے جملہ میں اسے غیر اہم اور غیر ضروری قرار دیا جائے۔ اس طرح دونوں جملوں میں بے ربطی پیدا ہو جائے گی، جس کی توقع کسی سمجھ دار انسان سے، جسے اظہار خیال پر بھی قدرت ہو، نہیں کی جا سکتی۔ کلام نبوت تو اس سے بدرجہا بلند ہے۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ ان الفاظ کا بظاہر منشا یہ نہیں ہے کہ عقیقہ کرنا اور نہ کرنا دونوں برابر ہے بلکہ ان میں جو بات کہی گئی ہے وہ یہ ہے کہ جس شخص کا ارادہ عقیقہ کا ہو وہ جانور ذبح کرے یہ اسی طرح کا جملہ ہے جیسے کہا جائے جو شخص قربانی کرنا چاہے وہ اپنے ناخن نہ کٹوائے اور بال نہ اتروائے اور جانور ذبح کرے یا کہا جائے کہ جو شخص نماز پڑھنا چاہے وہ وضو کرے اور نماز ادا کرے۔ اس سے نماز کی فرضیت اور قربانی کے وجوب کی نفی نہیں ہوتی بلکہ یہ بتانا مقصود ہوتا ہے کہ نماز پڑھنے والے اور قربانی کرنے والے کو کیا کرنا چاہیے[1]

تیسری دلیل یہ ہے کہ حدیث کے اس فقرہ میں 'نسک' کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ اس میں عبادت اور اطاعت کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ وہ تمام اعمال جو اللہ کے تقرب کے لیے کیے جائیں اس میں داخل ہیں۔ نسیکہ قربانی کو کہا جاتا ہے۔ کیونکہ یہ بھی اللہ تعالیٰ سے تقرب کا ذریعہ ہے[2] اس میں عقیقہ کے عبادت اور کار ثواب ہونے کی طرف صاف اشارہ ہے۔ علامہ زرقانی کے نزدیک عقیقہ کو نسک سے تعبیر کرنا اس کی غیر معمولی اہمیت کو ظاہر کرتا ہے لیکن اس کے ساتھ اسے بچہ سے باپ کی محبت اور تعلق پر چھوڑ دینا اس کے استحباب کی دلیل ہے۔ چنانچہ

---

[1] اس پر تفصیلی بحث کیلئے دیکھی جائے التعلیق الممجد علی موطا امام محمد ص ۲۹۰

[2] النسك والنسك العبادة والطاعة وكل ما تقرب به الى الله تعالىٰ ..... النسيكة الذبيحة ...... النسك ما امرت به الشريعة .... والورع ما نهت عنه ۔ لسان العرب مادہ

فرماتے ہیں:۔

وفی جعل ذالک موکولا الی المحبة مع تسمیتہ نسکا اشارۃ الی الاستحباب[1]	عقیقہ کو نسک کا نام دینے کے باوجود اسے باپ کی محبت پر چھوڑ دینا اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ وہ مستحب ہے۔

چوتھی دلیل یہ ہے کہ ایک طرف وہ احادیث ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ عقیقہ واجب ہے دوسری طرف یہ روایت ہے۔ اگر اس سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ عقیقہ واجب نہیں ہے تو بھی اس کے استحباب سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ اگر کوئی عمل واجب معلوم ہو رہا ہو اور دوسرے دلائل کی بنا پر اسے واجب قرار دینا مشکل ہو تو فطری طور پر اسے اس سے کمتر درجہ میں رکھا جائے گا۔ یعنی یہ کہا جائے گا کہ وہ ضروری نہیں ہے بلکہ مستحب اور پسندیدہ ہے۔
علامہ زرقانی اسی حدیث کے ذیل میں لکھتے ہیں۔

ان القاعدۃ ان الامر اذا لم یصلح حملہ علی الوجوب حمل علی الندب[2]	قاعدہ یہ ہے کہ جب کسی حکم کو واجب ٹھہرانا درست نہ ہو تو اسے ندب و استحباب پر محمول کیا جائے گا۔

فقہاء کا مسلک ان مختلف روایات کی بنا پر فقہاء نے عقیقہ کو فرض یا واجب نہیں قرار دیا ہے بلکہ سنت کہا ہے۔ چنانچہ ابن قدامہ حنبلی کہتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت عائشہ رضوان کے بعد دور تابعین کے فقہاء اور مختلف ممالک کے ائمہ غرض عام اہل علم کی رائے میں عقیقہ سنت ہے۔ ایک جگہ اس کے استحباب پر اجماع کا بھی دعویٰ کیا ہے[3]

امام مالکؒ فرماتے ہیں:۔

لیست العقیقۃ بواجبۃ ولکنہا یستحب العمل بہا[4]	عقیقہ واجب تو نہیں ہے البتہ یہ بات پسندیدہ ہے کہ اس پر عمل کیا جائے۔

---

[1] زرقانی علی الموطا ۳/۲۶۱ [2] حوالہ سابق ص ۲۶۲ [3] ابن قدامہ: المغنی ۵/۱۱۹-۱۲۰
[4] موطا، کتاب العقیقۃ

ابن عبد البرؒ فرماتے ہیں کہ امام مالک کے نزدیک عقیقہ 'سنت واجبہ' ہے جس پر عمل ضروری ہے۔
امام ابن قیمؒ نے لکھا ہے کہ مالکیہ کے نزدیک 'سنت واجبہ' اس سنت کو کہا جاتا ہے جس کا استحباب قوی دلائل سے ثابت ہوا اور جس کا ترک کرنا ناپسندیدہ ہو۔ اسی بنیاد پر وہ غسل جمعہ اور قربانی کو بھی سنن واجبہ میں شمار کرتے ہیں۔

امام مالکؒ سے سوال کیا گیا کہ کیا عقیقہ واجب ہے؟ انھوں نے جواب دیا یہ تو میں نہیں جانتا کہ وہ واجب ہے یا نہیں البتہ اس سلسلہ میں یہ سخت ترین الفاظ آئے ہیں۔ الغلام مرتھن بعقیقتہ (بچہ اپنے عقیقہ کے عوض رہن رہتا ہے)

ایک اور موقع پر کہا عقیقہ سنت ہے۔ یہ بات پسندیدہ ہے کہ اسے زندہ رکھا جائے۔ اگر کسی کی اتنی حیثیت نہیں ہے کہ عقیقہ کر سکے تو اس کے چھوڑنے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔ ہاں اگر کوئی غریب قرض لے کر عقیقہ کرے تو امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی مدد کرے گا اور اس کا قرض پورا کرائیگا۔[۱]

فقہ شافعی میں کہا گیا ہے کہ جس کا نفقہ انسان پر واجب ہے اس کی طرف سے عقیقہ کرنا سنت موکدہ ہے۔ بشرطیکہ اس کی اتنی حیثیت ہو جس میں کہ صدقۂ فطر واجب ہوتا ہے۔ اسے قربانی پر بھی قیاس کیا گیا ہے۔ شریعت میں ایک تو کسی غلطی یا کوتاہی کی تلافی پر جانور ذبح کرنے کا حکم ہے۔ یہ فرض ہے۔ دوسرے محض تقرب کے لیے اس کا حکم دیا گیا ہے۔ یہ سنت ہے۔ جیسے فقہ شافعی کی رو سے قربانی۔ عقیقہ کسی گناہ کا فدیہ نہیں ہے۔ اس لیے اسے بھی گویا سنت ہی ہونا چاہیے۔[۲]

فقہ حنبلی میں اسے مستحب کہا گیا ہے۔ ابن قدامہ حنبلی کہتے ہیں اسے 'سنت موکدہ'، یعنی ایسا پسندیدہ عمل جس کی تاکید کی گئی ہے، کہا جائے تو دونوں طرح کی روایتوں میں تطبیق ہو جاتی ہے۔ اس کی ایک دلیل انھوں نے یہ بھی دی ہے کہ عقیقہ ایک خوشی کے موقعہ پر جانور ذبح کرنے کا نام ہے۔ اسے واجب نہیں کہا جا سکتا جیسے ولیمہ یا کسی کی آمد پر (ضیافت کے لیے) جانور ذبح کرنا پسندیدہ تو ہے لیکن فرض اور واجب نہیں ہے)[۳]

۱۔ تحفۃ المودود ص ۳۰-۳۱-۳۹　　۲۔ قلیوبی علی شرح المنہاج ۲۵۵/۴
۳۔ المغنی ۱۲۰/۵

فقہ حنفی کا مسلک

کہا جاتا ہے کہ عقیقہ سے متعلق صریح احادیث کے باوجود فقہ حنفی میں اسے کوئی اہمیت نہیں دی گئی ہے بلکہ اسے جاہلیت کا ایسا عمل قرار دیا گیا ہے جسے اسلام نے منسوخ کر دیا۔ اس بنا پر بعض بزرگوں نے امام ابو حنیفہؒ اور فقہ حنفی پر بڑی سخت تنقید کی ہے۔ یہ تنقید کہیں کہیں ظلم و زیادتی کی حدود میں پہونچ گئی ہے[1]۔ اس لیے فقہ حنفی کے مسلک پر کسی قدر تفصیل سے بحث کی جا رہی ہے تاکہ یہ معلوم ہو کہ فقہ حنفی کا حقیقتاً مسلک کیا ہے اور اس کے تعین میں کہاں غلطی ہوئی ہے۔

حضرت ابراہیم نخعی اور محمد بن الحنفیہؒ فرماتے ہیں۔

ان العقیقۃ کانت فی الجاھلیۃ فلما جاء الاسلام رفضت	عقیقہ کا رواج جاہلیت میں تھا۔ جب اسلام آیا تو اسے ترک کر دیا گیا۔

امام محمدؒ ان بزرگوں کا قول نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔

وبہ ناخذ وھو قول ابی حنیفۃ[2]	اسی کو ہم نے لیا ہے اور یہی امام ابو حنیفہؒ کی بھی رائے ہے۔

موطا میں فرماتے ہیں۔

اما العقیقۃ فبلغنا انھا کانت فی الجاھلیۃ وقد فعلت فی اول الاسلام ثم نسخ الاضحیٰ کل ذبح کان قبلہ و نسخ صوم شہر	عقیقہ کے بارے میں ہم تک یہ روایت پہنچی ہے کہ اس کا رواج جاہلیت میں تھا اسلام کے ابتدائی دور میں بھی اس پر عمل کیا گیا۔ پھر قربانی کے حکم نے تقرب کے لیے ذبح کے دوسرے طریقوں کو

[1] علامہ ابن قدامہ حنبلی کہتے ہیں وجعلھا ابو حنیفۃ من امر الجاھلیۃ وذالک لقلۃ علمہ ومعرفتہ بالاخبار المغنی ۵/۱۲۰۔ یہ لکھتے وقت کم از کم یہ سوچنا چاہیے تھا کہ یہی رائے امام ابو حنیفہؒ کے شاگرد امام محمدؒ کی بھی ہے جو امام شافعی کے براہ راست اور امام احمد کے بالواسطہ استاذ ہیں۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ایک اونٹ جتنا وزن اٹھا سکتا ہے اتنے وزن کی کتابیں میں نے امام محمد سے سنی ہیں۔ امام احمدؒ سے پوچھا گیا کہ شریعت کے ان دقیق مسائل کا علم آپ نے کیسے حاصل کیا۔ فرمایا امام محمد کی کتابوں سے۔ ملاحظہ ہو الجواہر المضیہ فی طبقات الحنفیہ ۲/۴۳-۴۲ اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ان دونوں بزرگوں نے امام محمد سے کس قدر وسیع استفادہ کیا تھا۔

[2] کتاب الآثار ص ۱۱۶

رمضان كل صوم كان قبله ونسخ غسل الجنابة كل غسل كان قبلها ونسخت الزكوٰة كل صدقة كان قبلها كذا لك بلغنا[۱]

نسوخ کردیا۔ اسی طرح رمضان کے روزوں نے اس سے پہلے جن روزوں کا رواج تھا ان کو نسوخ کردیا غسل جنابت کے حکم نے ان سے پہلے (شرعی اہمیت کے) جتنے غسل تھے انہیں نسوخ کردیا زکوٰۃ کے حکم نے صدقات کے (وجوب) کو نسوخ کردیا۔ اسی طرح روایت ہم تک پہونچی ہے۔

سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ موطا کی اس عبارت میں جس حدیث کا حوالہ دیا گیا ہے وہ سنداً ضعیف ہے[۲] دوسرے یہ کہ اس سے یہ استدلال بھی صحیح نہیں ہے کہ عقیقہ مسنون اور مستحب نہیں ہے یا یہ کہ وہ مکروہ ہے اس لیے کہ جس طرح رمضان کے روزوں یا زکوٰۃ کے فرض ہونے کے بعد نفل روزوں اور نفل صدقات کا استحباب ختم نہیں ہوا، اسی طرح قربانی کے واجب ہونے کے باوجود عقیقہ کا استحباب باقی رہ سکتا ہے[۳] اس پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ رمضان کے روزے اور زکوٰۃ چونکہ فرض ہیں اس لیے دوسرے روزے اور صدقات فرض نہیں رہے۔ مستحب ہو گئے! لیکن قربانی کے جتنے طریقے تھے وہ سب مستحب ہی تھے اس لیے عید الاضحیٰ کی قربانی کے بعد ان کا استحباب

---

[۱] موطا امام محمد باب العقیقہ ص ۲۹۱، ۲۹۲ [۲] یہ حدیث دار قطنی اور بیہقی میں حضرت علیؓ سے مروی ہے۔ دونوں نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔ اس کی ایک سند میں مسیب بن شریک ہے جس کے بارے میں دار قطنی فرماتے ہیں وہ متروک ہے۔ ایک اور سند میں مسیب بن شریک کے ساتھ عقبہ بن یقظان ہے وہ بھی متروک ہے۔ دار قطنی، باب الصید والذبائح ص ۵۴۲ - ۵۴۳۔ بیہقی: السنن الکبریٰ ۲۶۲/۹ - امام زیلعی نے جن کی نظر فقہ حنفی اور حدیث پر بڑی گہری ہے اس جرح کو بغیر کسی تنقید کے نقل فرمایا ہے۔ مسیب بن شریک کے بارے میں یہاں تک کہا گیا ہے کہ اس کے ترک پر اجماع ہے۔ امام زیلعی فرماتے ہیں کہ مصنف عبدالرزاق میں بھی یہ روایت موجود ہے لیکن وہ موقوف ہے۔ نصب الرایہ ۲۰۸/۴ [۳] حافظ ابن حجر اس حدیث کے ذیل میں لکھتے ہیں۔ وعلی تقدیر انھا کانت واجبة ثم نسخ وجوبها فيبقى الاستحباب كما جاء فی صوم یوم عاشوراء (فتح الباری ۵/۹ ۴۔ مطلب یہ کہ اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ عقیقہ پہلے واجب تھا پھر اس کا وجوب منسوخ ہو گیا تو بھی اس کا استحباب بہرحال باقی رہتا ہے جیسا کہ عاشوراء کے روزہ کے بارے میں آتا ہے کہ وہ واجب تھا رمضان کے روزے فرض ہونے کے بعد مستحب قرار پایا۔

بھی جاتا رہا اور وہ مکروہ ہو گئے۔ اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ مذکورہ بالا حدیث کے سیاق وسباق سے یہ بات مناسبت نہیں رکھتی۔ دوسری یہ کہ استحباب کے ختم ہونے سے کراہت نہیں ثابت ہوتی بلکہ اباحت ظاہر ہوتی ہے۔ یعنی پہلے جو عمل مستحب اور پسندیدہ تھا اب وہ مباح اور جائز ہو گیا[1]

یہ بات کہ عقیقہ ابتداءً میں تھا قربانی کے وجوب کے بعد اسے منسوخ کر دیا گیا تاریخی لحاظ سے بھی صحیح نہیں ہے۔ اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور آپ کی اتباع میں صحابہ کرامؓ نے ۲ھ میں قربانی کی۔ اس کے بعد حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا عقیقہ ۳ھ میں اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا عقیقہ ۴ھ میں ہوا۔ صلح حدیبیہ ۶ھ میں ہوئی۔ اسی موقع پر حضرت ام کرزؓ اسلام لائیں۔ انھوں نے عقیقہ کے بارے میں دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ لڑکے کی طرف سے دو بکریاں اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری ذبح ہوگی۔ اسی طرح آپ کے صاحبزادے حضرت ابراہیمؓ کی ولادت ۸ھ میں ہوئی۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے ان کا بھی عقیقہ کیا۔ یہ واقعات اس بات کا ثبوت ہیں کہ قربانی کے حکم کے باوجود عقیقہ سنت ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آخری دور تک اس پر عمل فرمایا ہے۔[2]

پھر یہ کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی صحابہ و تابعین کے دور میں اس سنت پر مسلسل عمل ہوتا رہا ہے۔ چنانچہ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کے بارے میں آتا ہے۔

لم یکن یسألہ احد من اھلہ عقیقۃ الا اعطاھا[3]	ان کے گھر والوں میں سے جو بھی ان سے عقیقہ (کے لیے جانور) مانگتا تو اسے وہ ضرور دیتے۔

مشہور تابعی عروہؒ بن زبیرؓ (المتوفی ۹۴ھ) کے بارے میں ان کے صاحب زادے ہشام کی روایت ہے کہ وہ اپنے لڑکوں اور لڑکیوں کا عقیقہ کیا کرتے تھے[4]

یحییٰ بن سعید انصاری (المتوفی ۱۴۳ھ) فرماتے ہیں:

---

[1] اس پر تفصیلی بحث کے لیے دیکھیے جائے التعلیق الممجد علی موطا محمد ص ۲۹۰-۲۹۱ [2] ملاحظہ ہو۔ التعلیق المغنی علی سنن الدارقطنی ص ۵۴۲-۵۴۳ [3] موطا، کتاب العقیقہ [4] السنن الکبریٰ ۹/۳۰۲

ادرکت الناس وما یدعون العقیقة	میں نے لوگوں کو دیکھا کہ وہ لڑکے اور لڑکی
عن الغلام والجاریة [1]	کا عقیقہ چھوڑتے نہیں تھے۔

ابوالزناد (عبداللہ بن ذکوان المتوفی ۱۳۱ھ) جن کے بارے میں آتا ہے کہ وہ عقیقہ کو واجب سمجھتے تھے، فرماتے ہیں۔

العقیقة من امر المسلمین الذین	عقیقہ مسلمانوں کا طریقہ ہے۔ وہ اس کے ترک
کانوا یکرھون ترکہ [2]	کو پسند نہیں کرتے تھے۔

امام مالک (المتوفی ۱۷۹ھ) فرماتے ہیں۔

وھی من الامر الذی لم یزل	یہ ہمارے نزدیک ان امور میں سے ہے
علیہ الناس عندنا [3]	جن پر ہمیشہ لوگوں کا عمل رہا ہے۔

یہ بیانات اس بات کی صریح شہادت دیتے ہیں کہ صحابہ و تابعین کا عقیقہ پر عمل تھا۔ یہ اس کے سنت ہونے کا ایک اور ثبوت ہے۔ اگر یہ مکروہ اور ناپسندیدہ ہوتا تو یقیناً اس سے وہ اجتناب کرتے۔

جب عقیقہ ثابت ہے اور اس کے سنت ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے تو کیا فی الواقع امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ نے اور ان سے پہلے حضرت ابراہیم نخعیؒ نے اس کے ثبوت سے انکار کیا ہے۔ میرے خیال میں عقیقہ ان بزرگوں کے نزدیک بھی جمہور علماء کی طرح سنت ہے۔ اس کا انھوں نے انکار نہیں کیا ہے۔ اوپر ان بزرگوں کی جو عبارتیں گزری ہیں ان کا منشا میرے نزدیک یہ ہے کہ عقیقہ کا رواج جاہلیت میں تھا اور اس کی بڑی اہمیت تھی۔ اسلام نے اس کی یہ اہمیت ختم کر دی۔ اسے محض ایک سنت کی حیثیت سے باقی رکھا۔ فرض یا واجب نہیں قرار دیا۔

بلاشبہ یہ عبارتیں اس سلسلہ میں پوری طرح واضح نہیں ہیں۔ اسی وجہ سے متاخرین نے، جنھوں نے فقہ حنفی کی ترتیب اور تہذیب کا فریضہ انجام دیا، ان ائمہ کی طرف مختلف رائیں منسوب کر دی ہیں۔ کہیں کہا گیا ہے کہ وہ ایک مباح فعل ہے سنت یا واجب نہیں ہے۔

[1] تحفۃ المودود ص ۱۹ [2] حوالہ سابق ص ۳۰ [3] موطا، کتاب العقیقہ

کہیں کہا گیا ہے وہ تطوع اور نفل ہے۔ بعض لوگوں نے یہاں تک لکھ دیا ہے کہ امام ابو حنیفہؒ اور اہل کوفہ کے نزدیک وہ بدعت ہے۔ علامہ بدرالدین عینی نے جن کی فقہ حنفی اور حدیث دونوں پر یکساں نظر ہے، اس کی سخت تردید کی ہے۔ فرماتے ہیں۔

هذا افتراء فلا يجوز نسبته الى ابي حنيفة وحاشاه ان يقول مثل هذا وانما قال ليست بسنة فمراده اما ليست بسنة ثابتة واما ليست بسنة مؤكدة

یہ امام ابو حنیفہؒ پر ایک تہمت ہے۔ ان کی طرف اسے منسوب کرنا صحیح نہیں ہے۔ ناممکن ہے کہ وہ اس طرح کی بات کہیں۔ انہوں نے تو یہ کہا ہے کہ وہ سنت نہیں ہے۔ اس کے دو مطلب ہو سکتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ وہ سنت ثابتہ نہیں ہے۔ دوسرا یہ کہ وہ سنت موکدہ نہیں ہے۔

امام صاحب کا منشا بظاہر یہی دوسرا ہوگا۔ فقہ حنفی میں سنت موکدہ کی اہمیت واجب کی سی ہے غالباً امام صاحب نے عقیقہ کو یہ اہمیت نہیں دی۔

اس کے بعد علامہ عینی نے مصنف عبدالرزاق کے حوالہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ "جو شخص اپنے بچہ کا عقیقہ کرنا چاہے اسے کرنا چاہیے"۔ فرماتے ہیں هذا يدل على الاستحباب آپ کا یہ ارشاد عقیقہ کے استحباب پر دلالت کرتا ہے[۱]

اسی طرح امام محمدؒ کی ایک عبارت سے یہ نتیجہ بھی اخذ کیا گیا ہے کہ عقیقہ مکروہ ہے[۲]۔ اس عبارت کی بھی کوئی مناسب توجیہ کی جانی چاہیے۔ اگر توجیہ نہ ہو سکے اور اس سے وہی نتیجہ نکلتا ہو تو اسے چھوڑ دینا چاہیے[۳]

---

[۱] عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری ۹/۱۱، [۲] فتاوی عالمگیری ۴/۱۱۵

[۳] امام محمدؒ نے عقیقہ کو تطوع، مباح یا مکروہ وغیرہ صراحت کے ساتھ نہیں کہا ہے بلکہ یہ سب کچھ ان کی عبارتوں سے نکالا گیا ہے۔ ظاہر ہے دونوں باتوں میں بڑا فرق ہے۔ ایک خاص بات یہ ہے کہ علامہ ابن عابدین شامی نے

علامہ انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں۔ امام ابو حنیفہؒ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ عقیقہ کے قائل نہیں تھے۔ یہ شبہ موطا میں امام محمد کی ایک عبارت سے ہوتا ہے۔ لیکن امر حق یہ ہے کہ عقیقہ ہمارے (حنفیہ) مسلک کی رو سے مستحب ہے۔[1]

اسی مضمون میں حضرت شاہ ولی اللہ، ملا علی قاری، علامہ توربشتی اور آخر میں مولانا عبد الحئی فرنگی محلی کے حوالے گزر چکے ہیں جو فقہ حنفی کے اساطین اور بہترین شارح ہیں۔ یہ سب عقیقہ کو سنت اور مستحب قرار دیتے ہیں۔ ان کی رائے ان لوگوں کی رائے کے مقابلہ میں قابل ترجیح ہے جنھوں نے اسے سنت نہیں مانا ہے یا ناپسند کیا ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

جن کی کتاب فقہ حنفی کی دائرۃ المعارف ہے، عقیقہ کے بارے میں دو رائیں نقل کی ہیں۔ ایک یہ کہ وہ تطوع ہے دوسری یہ کہ وہ مباح ہے۔ اس کے مکروہ ہونے کا ذکر تک نہیں کیا ہے۔ رد المحتار ۵/۲۹۳۔ کیا یہ محض اتفاق ہے یا اس کی کوئی وجہ بھی ہو سکتی ہے؟

لہ العرف الشذی، ص ۴۰۸۔ یہی بات کسی قدر تفصیل کے ساتھ فیض الباری ۴/۳۳۷ میں بھی کہی گئی ہے۔

مولانا نسیم احمد فریدی امروہی

کاروان اہل فضل وکمال

تلامذہ حضرت شاہ محمد اسحٰق صاحب محدث دہلوی مہاجرؒ

(۷)

مولانا نصیر الدین حنفی غازی دہلویؒ [1]

مولانا حکیم سید عبد الحی حسنیؒ نے نزہتہ الخواطر جلد ہفتم میں مولانا نصیر الدین دہلویؒ کا جو تذکرہ کیا ہے اس کا ترجمہ حسب ذیل ہے:

الشیخ العالم الکبیر المجاھد نصیر الدین بن نجم الدین الحسینی السونی بتی الدھلوی ـــــــ

آپ امام ناصر الدین حسینی سونی پتی کی نسل سے تھے اور شاہ رفیع الدین دہلویؒ کے نواسے تھے۔ دہلی میں پیدا ہوئے اور وہیں نشو ونما پائی۔ آپ نے حضرت شاہ محمد اسحاق محدث دہلویؒ اور دیگر علماء سے علم حاصل کیا۔ آپ شاہ محمد اسحاق صاحب کے داماد بھی تھے۔ (تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد) حضرت شاہ محمد آفاق عمری نقشبندی دہلویؒ سے بیعت ہو کر اخذ طریقہ کیا اور ایک مدت تک ان کی خدمت میں رہے۔ پھر ۱۲۵۰ھ میں ایک قافلے کے ساتھ ہجرت فرمائی۔ آپ نے سندھ کے علاقے میں ایک مدت تک قیام کیا اور بعدہٗ مقام

[1] مولانا سید نصیر الدین، حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کے مرشد اول تھے۔ حاجی صاحب نے آپ سے سلسلہ نقشبندیہ میں اجازت وخرقہ بھی حاصل کر لیا تھا۔ (شمائم امدادیہ صلا)

استھانہ پہونچے جو اُس وقت حضرت سید احمد شہیدؒ کے رفقاء اور مجاہدین کا مرکز تھا۔ سب مجاہدین نے آپ کو اپنا امیر مانا اور بیعت جہاد کی۔ آپ صاحب ہمت عالیہ اور کثیر الدعا تھے امر بالمعروف و نہی عن المنکر میں بھی آپ کو امتیاز حاصل تھا۔ تقریباً ۱۲۵۶ھ میں آپ نے انتقال کیا۔

جناب غلام رسول مہر نے اپنی کتاب سرگذشت مجاہدین میں مولانا نصیر الدین دہلوی کے حالات بڑی تفصیل سے لکھے ہیں جو اسلامی تاریخ کے ہر طالب علم کے لیے قابل مطالعہ ہیں۔ یہاں پر اس کتاب کی کچھ عبارتیں بطور اقتباس نقل کی جاتی ہیں۔

"سید صاحب کی تحریک جہاد کے کارفرماؤں کو ضرورت محسوس ہوئی کہ دوبارہ ایک بڑی جماعت تیار کر کے آزاد علاقے میں بھیج دی جائے جس سے سید صاحب کے شروع کیے ہوئے کام میں جوش و خروش کی نئی روح پیدا ہو جائے۔ اس اہم فرض کی بجا آوری کا شرف روز ازل سے مولوی سید نصیر الدین دہلویؒ کے لیے مقدر ہو چکا تھا جنھوں نے سید صاحب کے نقش قدم پر چلتے ہوئے ملک کے مختلف حصوں کا دورہ کیا، دعوت جہاد سے ایک جماعت تیار کی اور سید صاحب کی طرح وطن مالوف سے ہجرت کر کے کاروبار جہاد کی تجدید کا انتظام فرمایا۔

مولوی سید نصیر الدین دہلوی حضرت سید ناصر الدینؒ کی اولاد میں سے تھے اور شاہ رفیع الدین محدث دہلوی کے نواسے تھے۔ ننھیالی رشتہ کی وجہ سے دہلی ہی میں تربیت پائی لیکن ابتداءً تحصیل علم کی طرف چنداں توجہ نہ تھی خود فرماتے ہیں کہ شاہ محمد اسحاق محدث دہلوی کی صاحبزادی سے نکاح کے لیے والدہ نے درخواست کی مگر علوم سے بے التفاتی کے باعث درخواست منظور نہ ہوئی۔ اس واقعہ نے مولوی سید نصیر الدین کے دل میں خاص جوش پیدا کر دیا اور اس ذوق و شوق سے پڑھنے لگے کہ تھوڑی ہی مدت میں ایک ممتاز عالم بن گئے۔ شاہ محمد اسحاق محدث دہلوی نے یہ دیکھتے ہی اپنی صاحبزادی کا نکاح ان سے کر دیا۔

مولوی صاحب نے تکمیل علوم کے لیے پورب کا سفر کیا اور کلکتہ میں بھی خاصی دیر ٹھہرے جس زمانے میں سید صاحب ایک بڑے قافلے کے ساتھ بقصد حج کلکتہ پہونچے تھے، مولوی نصیر الدین وہیں مقیم تھے سنہ ۱۲۴۷ھ میں شاہ محمد اسحاق صاحب (دہلی میں) وعظ فرماتے تھے تو مولوی نصیر الدین مدرسہ کے دروازہ پر فراہمی زر اعانت میں مصروف رہتے تھے آخر میں (واقعہ بالاکوٹ کے بعد)

آپ نے خود جہاد کا عزم کرلیا۔

حاجی سید عبدالرحیم سورتی، مولوی بہاء الدین چینا بیٹی، احمد سادہ کار، امام الدین موزن ساز وغیرہ رفیقانِ خاص سے مشورہ کیا اور کہا کہ اپنے میں سے کسی ایک کو امیر بنالو۔ سب رفیقوں نے خود مولوی صاحب ہی کی امارت پر اتفاق کیا اس کے بعد آپ نے ٹونک، اجمیر، میرٹھ، امروہہ رام پور اور اطرافِ دہلی میں دعوت و تبلیغ کی غرض سے دورے کیے تاکہ مجاہدین کی ایک جماعت فراہم ہو جائے اس سلسلہ میں احیاء دین اور ردِّ بدعات کا کام انجام دیتے رہے۔ چھوٹے چھوٹے معاملات کے متعلق اختلافات مٹانے اور مسلمانوں کو اصول و اساساتِ دین پر متحد کرنے کا خاص اہتمام تھا۔ ایک موقع پر کسی نے کہا کہ مذہبی معاملات میں اختلاف نیا نہیں، یہ صحابہ کے زمانے میں بھی موجود تھا۔ مولوی سید نصیر الدین نے فرمایا کہ ہم اکابر کی لغزشوں کے اتباع پر مامور نہیں۔ بے شک صحابہ میں بہ اقتضاء بشریت اختلاف کی مثالیں بھی ملتی ہیں لیکن ہمیں ان کے مکارم کی پیروی کرنی چاہیے۔ مولوی نصیر الدین منگلوری کی شہادت کے بعد صرف تہتّر اسّی مجاہدین باقی رہ گئے تھے جن کا انتظام میر اولاد علی عظیم آبادی نے سنبھال رکھا تھا۔

مولوی سید نصیر الدین استھانہ پہونچے تو وہ امیر بن گئے لیکن وہاں ابھی کوئی کارنامہ انجام نہ دینے پائے تھے کہ خدا کی طرف سے بلاوا آگیا۔ صحیح تاریخ معلوم نہیں لیکن یہ یقینی ہے کہ ان کی وفات ۱۸۴۰ء میں ہوئی اور استھانہ میں دفن ہوئے۔ ان کی قبر ۱۸۴۱ء کی طغیانی دریائے سندھ میں بہہ گئی تھی۔

نواب وزیر الدولہ نے لکھا ہے کہ جب ان پر نزع کی حالت طاری ہوئی تو خدا کی قدرت کا عجیب نقشہ نظر آیا۔ اس حالت میں انسان کے ہوش و حواس گم ہو جاتے ہیں لیکن حضرت مولانا لیٹے لیٹے یکایک اٹھے اور اطمینان سے بیٹھ گئے۔ اگرچہ ان کا جسم انتہائی ضعف اور بے طاقتی کا شکار ہو چکا تھا لیکن آنکھیں کھولیں، انگشت شہادت اٹھائی اور بلند آواز سے عربی اور ہندی (اردو) میں ایمان و اسلام کے متعلق نہایت عمدہ باتیں بہت اچھے انداز میں بیان فرماتے رہے۔ مولوی سید نصیر الدین کا ممتاز ترین کارنامہ یہ ہے کہ جب سید صاحب اور ان کے دوسرے بلند منزلت رفقاء کی شہادت کے بعد جہاد کی گرم جوشیوں پر افسردگی طاری ہو گئی تو

مولوی صاحب موصوف نے عزم وہمت سے کام لے کر اس کاروبار کو تازہ رونق بخشی ہندوستان کے طول وعرض میں مسلمان بے حسی کا شکار ہو چکے تھے۔ انگریزوں نے ملک کی حکومت ان سے چھین لی تھی اور نظم ونسق کو اپنی مصلحتوں کے مطابق چلانے لگے تھے۔ گویا عام اسلامی فضا کی جگہ سراسر غیر اسلامی فضا پیدا ہو رہی تھی سید صاحبؒ اٹھے، مسلمانوں کا جمود توڑا اور ان کے سامنے یہ نصب العین پیش کیا کہ جانفشانی وجانبازی سے کام لے کر کھوئی ہوئی عزت وعظمت دوبارہ حاصل کی جا سکتی ہے اور اسلامیت کا وقار از سر نو قائم کیا جا سکتا ہے۔

مولوی سید نصیر الدین نے جب دیکھا کہ تحریک کا جوش وخروش ختم ہو رہا ہے تو جواں مردانہ میدان میں آ گئے اور اپنی ذات کو بے تامل قربانی کے لیے پیش کر دیا۔

نواب وزیر الدولہ بالکل بجا فرماتے ہیں کہ سید صاحب کی شہادت کے بعد خلق خدا کی ہدایت، شریعت کے احیا اور جہاد کا کاروبار بے آب وتاب ہو رہا تھا۔ خدا کی رحمت سے مولوی سید نصیر الدین کی بدولت اس کاروبار میں بے اندازہ رونق اور جلا پیدا ہو گئی۔

مولوی نصیر الدین کی دعوت میں بڑی تاثیر تھی۔ یہ ان کی حق پرستی، عشقِ کتاب وسنت اور اخلاص کا روشن ثبوت تھا۔

مولوی صاحب کی شادی شاہ محمد اسحاق محدث دہلویؒ کی صاحبزادی سے ہوئی تھی اور ان کے دو فرزند تھے۔ ایک کا نام عبد اللہ تھا اور دوسرے کا عبد الحکیم ——— مولوی صاحب جہاد کے لیے نکلے تھے تو ان کے دونوں فرزند تعلیم پا رہے تھے۔ چنانچہ بعض مکاتیب میں ان کی تعلیم کے لیے تاکید فرمائی ہے۔ ایک مکتوب میں اپنی اہلیہ کو لکھتے ہیں :- " خدا سے قوی امید رکھیے کہ وہ ہم کو اور آپ کو اس دنیا میں حسب مراد ملا دے گا۔ ہر کام میں خدا پر بھروسہ رکھنا چاہیے۔ فرض نماز اور تلاوت قرآن پر استقامت ضروری ہے۔ ادائے زکوٰۃ میں غفلت نہ ہو ——— عبد اللہ اور عبد الحکیم کی تعلیم کے لیے کوشش کیجیے۔ دل دونوں بیٹوں میں لگائیے اٹھتے بیٹھتے خدا کا نام لیتی رہیے "۔

سید صاحب کی طرح مولوی نصیر الدین کو بھی اس دنیا میں بیوی اور بال بچوں سے ملاقات کی نوبت نہ آئی۔ اغلب ہے مولوی صاحب کی اہلیہ اور بیٹے شاہ محمد اسحاق محدث دہلویؒ کے

کے ساتھ ہجرت کر کے مکہ معظمہ چلے گئے ہوں۔

مولانا سید عبد الحیٔ رائے بریلویؒ نے (اپنی کتاب دہلی اور اس کے اطراف میں) لکھا ہے کہ مولانا سید نصیر الدین کے اولاد نہ چلی۔ البتہ ان کے بھائی سید ناصر الدین کے ایک فرزند سید معز الدین تھے اور سید معز الدین کے فرزند سید ظہیر الدین احمد تھے جن سے مولانا سید عبد الحیٔ نے ۱۸۹۵ء میں ملاقات کی تھی۔ ان ہی سید ظہیر الدین احمد نے ولی اللٰہی خاندان کی بیشتر تصنیفات چھپوائی تھیں بلکہ اس غرض سے ایک مطبع بھی قائم کر لیا تھا۔"

حکیم محمود احمد برکاتی اپنی کتاب "شاہ ولی اللہ اور ان کا خاندان" میں تحریر فرماتے ہیں:

"شاہ رفیع الدین کی صاجزادی امۃ اللہ کا عقد مولوی سید نجم الدین سونی پتی سے ہوا تھا۔ ان سے دو صاجزادے تھے (۱) سید ناصر الدین اور (۲) سید نصیر الدین سید ناصر الدین کے صاجزادے سید معز الدین تھے اور سید معز الدین کے صاجزادے مولوی سید ظہیر الدین احمد (عرف مولوی سید احمد مؤلف یادگار دہلی) جنھوں نے اپنے اسلاف کی بہت سی کتابیں شائع کر کے ان کو ضائع ہونے سے بچا لیا۔

مولوی سید نصیر الدین کا عقد شاہ محمد اسحاق محدث دہلویؒ کی دختر سے ہوا تھا۔ ان سے دو صاجزادے تھے ایک عبد اللہ اور دوسرے مولوی عبد الحکیم —— یہ دونوں اپنے نانا کے ساتھ مکہ معظمہ ہجرت کر گئے تھے۔ اس لیے ان کے بعد کی نسلوں کے حالات سے ہم بے خبر ہیں۔

مولانا حافظ حبیب اللہ صاحب ندوی (اعظم گڑھ)

مجلسے

بقیۃ السلف حضرت مولانا محمد احمد صاحب پرتابگڈھی مدظلہ

(۳)

ایک ماہ بعد ۲۴؍ فروری ۱۹۸۰ء کو ایک اچانک حادثہ کے سلسلہ میں حضرت مولانا مدظلہ کے وطن پھولپور جانے کا اتفاق ہوا وہ جانکاہ حادثہ یہ تھا کہ حضرت مولانا کے سب سے بڑے خویش لاہور میں کسی بڑے عہدے پر فائز تھے، اچانک ان کا انتقال ہو گیا اور تار کے ذریعہ حضرت مولانا کو اطلاع ملی، حضرت مولانا نے از راہ محبت اس عاجز کو بھی حادثہ کی پھولپور سے اطلاع دی، حضرت مولانا کا گرامی نامہ شام کو ملا اور صبح کو بغرض تعزیت پھولپور روانہ ہو گیا، حادثہ بہت شدید تھا اس لیے کہ صاحبزادی کے بطن سے کوئی اولاد نہیں تھی اور وہ وہاں تنہا تھیں اس لیے ذہن میں یہ بات بیٹھ گئی کہ حضرت مولانا جن کو مرض نے یوں بھی نڈھال کر دیا ہے نہ جانے اس وقت ان کا کیا حال ہوگا، گھر پہنچا، دو چار صاحبان باہر بیٹھے ہوئے تھے، صاحب سلامت کے بعد میں بھی بیٹھ گیا، مولانا زنان خانہ میں تھے، اطلاع کی ہمت نہیں ہوئی۔

تھوڑی دیر میں خود ہی تشریف لے آئے دیکھتے ہی انتہائی محبت میں معانقہ کی سعادت بخشی اور پھر مسکراتے ہوئے فرمایا کہ یکایک کیسے آگئے؟ میں نے گرامی نامہ کا ذکر کیا تو فرمایا کہ ناحق زحمت کی، تمھاری طبیعت ابھی ٹھیک نہیں تھی جب میں الٰہ آباد جاتا تو آجاتے، میں نے عرض کیا حضرت یہ کیسے ممکن تھا کہ اس جانکاہ حادثہ کی خبر سنکر میں حاضر نہ ہوتا، فرمایا کہ بھائی جس وقت اطلاع آئی بس دو قطرے آنسو گرے پھر اللہ تعالیٰ نے ایسا صبر دیا کہ لوگ دن بھر آتے رہے مگر میں نے اپنی زبان سے کسی سے اس حادثہ کا ذکر نہیں کیا لوگ ایک دوسرے کو بتاتے رہے اور اللہ تعالیٰ

کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ انتہائی غم کے باوجود اپنے معمول میں کوئی فرق نہیں ہوا ہے ـــــ پھر خود اندر تشریف لے گئے، حالانکہ خدام موجود تھے میں ان کا ادنیٰ خادم ہوں مگر اکرام ضیف میں چائے وغیرہ کے لیے وہ کئی بار اندر گئے اور باہر تشریف لائے میں نادم ہو رہا تھا مگر وہ اپنے اخلاق کریمانہ سے مجبور تھے صبر و ضبط کی یہ کیفیت دیکھ کر اور سنکر میرے دل کا بوجھ بھی ہلکا ہوگیا اور جب حضرت دوبارہ اندر تشریف لے گئے تو بے ساختہ میں نے حاضرین کے سامنے وہ شعر پڑھا جو حضرت مولانا سید سلیمان صاحب ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت تھانوی کے بارے میں کہا تھا

جی بھر کے دیکھ لو یہ جمال جہاں فروز
پھر یہ جمال نور دکھایا نہ جائے گا

وسط جنوری ۱۹۶۶ء میں دو دن الہ آباد میں راقم حاضر خدمت رہا اور اس کے ایک ماہ بعد پھولپور ۱۵ گھنٹے کے لیے حاضری رہی دونوں موقعوں پر حضرت نے جو قیمتی باتیں فرمائیں وہ ذیل میں درج ہیں۔

فرمایا کہ مٹی کا ڈھیلا اور سونا دونوں جب تک کسی کی نظر میں برابر نہیں ہو جاتے اس وقت تک اللہ تعالیٰ کی محبت اسے نہیں مل سکتی ـــــ مولانا فضل رحمٰن صاحب گنج مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں ایک ایک لاکھ روپیہ آجاتا تھا اور جب تک وہ تقسیم نہیں ہو جاتا تھا انھیں چین نہیں پڑتا تھا۔ ایک بار ایسا ہوا کہ کوئی بڑی رقم آئی، اُن کے صاحبزادے موجود نہیں تھے اور ساری رقم تقسیم ہوگئی جب وہ واپس آئے تو عرض کیا کہ بابا میرا حصہ! فرمایا کہ اب تو روپیہ ختم ہوگیا پھر آئے گا تو دوں گا۔ بانگر مئو میں حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی کھیتی تھی وہیں سے غلہ آتا تھا حضرت خود باجرہ کی روٹی اور ماش کی دال کھایا کرتے تھے اور یہ ان کو مرغوب تھی۔

قادری سلسلہ کا کچھ بیان تھا راقم الحروف سے اثنائے گفتگو میں سوال کیا کہ قادری سلسلہ کے کوئی ممتاز بزرگ اس وقت موجود ہیں یا نہیں؟ عرض کیا کہ مجھے علم نہیں۔ اس کے بعد فرمایا کہ لوگوں نے ان سلسلوں کو مستقل بالذات سمجھ لیا ہے اگر کوئی ایک سلسلہ میں بیعت ہوتا ہے تو یہ سمجھا جاتا ہے کہ وہ دوسرے سلسلہ کا مخالف ہے حالانکہ یہ چاروں سلسلے ایک طریقہ اعلاج ہیں ـــــ مستقل بالذات تو شریعت ہے۔

فرمایا کہ قرآن پاک نے اس آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت علی الناس کا ذکر کیا ہے۔

لقد جاءکم رسول من انفسکم	اے لوگو تمھارے پاس ایک ایسے رسول آگئے
عزیز علیہ ما عنتم حریص علیکم	ہیں جن کو تمھارے نقصان کی بات گراں گزرتی ہے
بالمؤمنین رؤف رحیم	اور تمھارے نفع کے وہ خواہش مند رہتے ہیں خاص طور
(توبہ)	پر اہل ایمان کے بارے میں تو انتہائی مہربان اور رحیم ہیں۔

آپ کو مخلوق کے ساتھ اتنی شفقت تھی کہ ہر وقت ان کی ہدایت اور نفع کا غم اور فکر اور دل سوزی رہا کرتی تھی اس وجہ سے آپ متواصل الاحزان، دائم الفکرۃ ہمیشہ غمگین اور فکرمند رہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے بار بار تسکین کے لیے "مَا اَنزَلْنَا علیک القرآن لتشقیٰ" اور "لَسْتَ عَلَیْهِمْ بِمُصَیْطِرٍ" وغیرہ کے ذریعہ تسلّی دی مگر پھر بھی آپ کی یہی کیفیت باقی رہتی تھی، علماء ورثۃ الانبیاء ہیں ان میں بھی یہی شفقت ہونی چاہیے اور ان میں بھی مخلوق کی ہدایت اور ان کے نفع کی فکر اور دل سوزی ہونی چاہیے ہم میں بہت کم لوگ ہیں جو ان باتوں کے لیے فکرمند رہتے ہوں اور اللہ تعالیٰ کے حضور روتے گڑگڑاتے ہوں۔

فرمایا کہ آجکل جو لوگ عوام کے مزاج کے مطابق ان کو خوش کرنے کے لیے تقریریں کرتے ہیں ایسا کرنا حقیقت میں خیانت ہے مقصد نفع اور ہدایت اور اللہ کی رضا ہونا چاہیے۔

فرمایا کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم میں الرحمٰن اور الرحیم ہی کو بطور صفت کیوں رکھا گیا ہے؟ وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی جتنی دوسری صفات ہیں وہ سب الرحمٰن اور الرحیم کا پرتو ہیں اور انھی صفتوں سے ساری مخلوق فیضیاب ہوتی ہے، اسی سے خلق ہے اسی سے رزق، اسی سے ربوبیت ہے، اسی سے کفالت وحفاظت ہے، حدیث قدسی میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ رحمت کا سواں حصہ میں نے دنیا میں اتارا ہے اور اسی سویں حصہ کی وجہ سے ساری مخلوق ایک دوسرے پر رحم کرتی ہے حتیٰ کہ جانوروں میں بھی یہ رحمت ہے۔

شروانی صاحب کے گھر کی ایک جوان لڑکی جل کر مر گئی، لوگوں کو بڑا غم ہوا، تسکین کے لیے لوگوں نے حضرت کا بیان کروایا۔ حضرت نے فرمایا کہ میں نے اس آیت کا مضمون بیان کیا

وَلَنَبْلُوَنَّكُم بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنفُسِ وَالثَّمَرَاتِ وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُم مُّصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ۔	ہم تم لوگوں کو آزمائیں گے کچھ خوف دیکر اور فاقہ سے اور مال وجان اور پھلوں کی کمی سے اور آپ صبر کرنے والوں کو بشارت دیجیے جن پر جب کوئی مصیبت آتی ہے تو وہ کہتے ہیں وا قعی یہ چیزیں اللہ کی ملک ہیں اور یہ لوگ اسی کی طرف لوٹ کر جائیں گے۔

فرمایا۔ پورا بیان تو یاد نہیں مگر اس میں میں نے ایک بات یہ کہی کہ غور کیجیے کہ اللہ تعالیٰ نے وبشر الصابرین بھی کہا ہے اور اس کو ذرا بلند اور پرشوق انداز میں فرمایا کہ وبشر الصٰبرین کے لفظ میں کتنی لذت ہے اللہ تعالیٰ بندہ کی تکلیف کے موقع پر فرماتے ہیں کہ یہ زحمت نہیں بلکہ بشارت کا ذریعہ ہے۔ حضرت نے جس انداز سے اس پہلو پر توجہ دلائی ایسا معلوم ہونے لگا کہ اس سے پہلے یہ نکتہ نظر سے گزرا ہی نہیں، پھر فرمایا کہ میں نے یہ بھی کہا کہ ایک شہادت تو حقیقی ہوتی ہے۔ جو اللہ کے راستہ میں لڑتے ہوئے اپنی جان دے دیتا ہے، وہ شہید ہے اور دوسری شہادت حکمی ہے اس بچی نے حکمی شہادت پائی ہے، حدیث میں بار بار ذکر ہے کہ اچانک موت، کسی حادثہ کی موت شہادت ہے تو یہ موت شہادت ہے اور شہادت کا بھی اللہ کے یہاں بڑا درجہ ہے۔ اس وعظ کے بعد لڑکی کی ماں نے کہلایا کہ مجھے تسکین ہو گئی اور میرا غم بالکل ہلکا ہو گیا۔

فرمایا کہ ایک بار کسی مجلس میں بہت سے علماء موجود تھے سب نے اس کی صدارت کے لیے مولانا قاری محمد طیب صاحب کا نام پیش کیا صدارت کی کرسی پر بیٹھ کر قاری صاحب نے جو بات کہی وہ مجھے بہت پسند آئی۔ انھوں نے کہا جس وقت حضرت عمرؓ بیت المقدس تشریف لے جا رہے تھے تو راستہ میں کچھ دور اونٹ پر خود سوار ہوتے اور پھر کچھ دور غلام کو سوار کر دیتے تو جس وقت غلام اونٹ پر ہوتا تھا اور حضرت عمرؓ نیچے ہوتے تو کیا اس وقت اس کے دل میں یہ خیال پیدا ہو سکتا تھا کہ وہ حضرت عمرؓ سے افضل ہے وہ تو ان کے حکم پر سوار ہو گیا تھا، بس یہی صورت کرسی صدارت کی ہے کہ یہاں افضلیت کا سوال نہیں ہے بلکہ آپ حضرات کے حکم کی تعمیل میں بیٹھ گیا ہوں۔

یادِ رفتگاں

ماہر القادری رحمۃ اللہ

۱۳؍مئی کی صبح حسب معمول مقامی روزنامہ "قومی آواز لکھنؤ" دیکھنے کے لیے ہاتھ میں لیا تو پہلے ہی صفحہ پر ماہنامہ فاران کراچی" کے ایڈیٹر مشہور و ممتاز اسلامی شاعر و ادیب، ماہر القادری صاحب کے انتقال کی خبر نظر پڑی جس سے معلوم ہوا کہ مرحوم کسی مشاعرہ کے سلسلہ میں جدّہ گئے ہوئے تھے وہیں انتقال ہوا، نماز جنازہ مکہ معظمہ میں حرم شریف میں پڑھی گئی اور وہیں جنۃ المعلیٰ میں سپرد خاک کیے گئے۔

بعد میں بعض دوسرے اخبارات و رسائل سے حادثہ کی تفصیل یہ معلوم ہوئی کہ ۱۱؍مئی کو جدّہ میں مشاعرہ ہونے والا تھا، اس کے لیے ماہر صاحب بھی مدعو تھے وہ ۹؍مئی کی پرواز سے کراچی سے جدّہ روانہ ہوئے۔ پہلے مکہ معظمہ حاضر ہو کر عمرہ ادا کیا اور جدّہ واپس آ گئے — ۱۱؍اور ۱۲؍کی درمیانی رات (شب جمعہ) میں مجلس مشاعرہ منعقد ہوئی جس میں رات کو ۲ بجے کے بعد ماہر صاحب نے اپنا کلام پڑھا — اس کے تھوڑی ہی دیر بعد انھوں نے اچانک اپنے سینہ میں درد محسوس کیا، جو در اصل دل کا دورہ اور پیام اجل تھا اور بس چند ہی منٹ میں طائر روح داعیٔ اجل کو لبیک کہہ کر عالم بالا کی طرف پرواز کر گیا۔ اِنّا للہ وَاِنّا الیہ راجعون ٥

سعودی حکومت کا عام قانون اور رواج یہ ہے کہ جس کا جہاں انتقال ہو وہ وہیں کے قبرستان میں دفن کیا جائے — مرحوم کے اہل خاندان کی خواہش پر جدّہ کے پاکستانی سفارت خانہ نے کوشش کی کہ ماہر صاحب کی میت کو مکہ معظمہ منتقل کرنے اور جنت المعلیٰ میں

تدفین کی اجازت مل جائے۔ چنانچہ اجازت حاصل ہوگئی، حسن اتفاق سے دن بھی جمعہ کا تھا۔ نمازِ مغرب کے بعد حرم شریف میں جنازہ کی نماز پڑھی گئی اور وہاں کے قدیمی قبرستان "جنۃ المعلیٰ" میں تدفین ہوئی۔ اللّٰھم اغفر لہ وارحمہ وتقبل حسناتہ وتجاوز عن سیئاتہ۔

اپنے بعض بندوں پر اللہ تعالیٰ کی ایسی عنایت و نوازش اور ایسا فضل و کرم ہوتا ہے جس پر جتنا بھی رشک کیا جائے بجا ہے، اس کی ایک تازہ مثال مرحوم ماہر القادری بھی ہیں —— اب سے دو سال پہلے انھوں نے مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی سے متعلق ایک کتاب پر تبصرہ کرتے ہوئے خود اپنا ابتدائی حال لکھا تھا، اُن کا یہ مضمون اُن کے ماہنامہ "فاران کراچی" کے جولائی ۷۶ء کے شمارہ میں شائع ہوا تھا —— اور اُسی کے حوالہ سے "الفرقان" کے اکتوبر ۷۶ء کے شمارہ میں بھی شائع کیا گیا تھا —— اس میں موصوف نے لکھا تھا کہ:-

راقم الحروف جس گاؤں[۱] میں پیدا ہوا اور پلا بڑھا ہے وہاں صرف صد مسلمان بریلوی عقائد رکھتے تھے۔ ہم بچوں کو بچپن ہی سے یہ بتایا گیا تھا کہ وہابی درود شریف نہیں پڑھتے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس سے کد و عناد رکھتے ہیں۔ ...... یہ باتیں سن سن کر راقم الحروف کے دل میں اہلحدیث اور دیوبندیوں کے خلاف شدید نفرت بیٹھ گئی تھی، میں کسی کتاب پر علماء دیوبند کا نام تعظیمی القاب کے ساتھ لکھا ہوا دیکھتا تو ان الفاظ کو کاٹ کر اپنے قلم سے گالیاں لکھ دیتا......

ہمیں بتایا گیا تھا کہ اولیاء اللہ کو اللہ تعالیٰ نے قدرت عطا فرمائی ہے کہ دنیا کا نظام وہ چلاتے ہیں اور ہر کسی کی دور و نزدیک سے عرض و معروض اور فریاد سنتے ہیں، جب اولیاء اللہ کے بارہ میں ان کا یہ عقیدہ تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تو وہ "علیٰ کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْر" سمجھتے تھے۔......

ماہر صاحب نے اپنے اسی مضمون میں آگے چل کر یہ بھی بتلایا تھا کہ پھر کس طرح اُن کے عقائد و خیالات کی اصلاح ہوئی اور کیونکر انھیں ہدایت نصیب ہوئی اور شرک و بدعت اور خرافیت کی اس موروثی دلدل سے وہ کس طرح نکالے گئے۔ بلاشبہ یہ اُن پر اللہ تعالیٰ کا خاص فضل ہوا۔

---

[۱] یہ گاؤں یوپی کے ضلع بلند شہر میں ہے اور اس کا نام کیسر کلاں بتایا گیا ہے۔

اس کے بعد ایک وقت آیا کہ ملک کی تقسیم کے بعد وہ پاکستان منتقل ہو گئے، اور کراچی سے انھوں نے ماہنامہ "فاران" جاری کیا جو پاکستان کا بلند معیار دینی اور ادبی ماہنامہ تھا ـــــ وہ اصلاً بہت ممتاز درجہ کے شاعر و ادیب تھے لیکن ان کی روح اور قلب پر دینی فکر کا غلبہ تھا۔ موصوف سے راقم سطور کی پہلی ملاقات کراچی ہی میں ۱۳۵۲ھ میں ہوئی جبکہ یہ عاجز حضرت مولانا سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی بلائی ہوئی "عالمی موتمر علماء اسلام" میں شرکت کے لیے وہاں گیا تھا۔ یاد ہے کہ وہ بڑی محبت سے پیش آئے تھے اور اپنے رویہ سے انھوں نے گہرے قلبی تعلق کا ثبوت دیا تھا۔

ماہر صاحب مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب سے بہت متاثر بلکہ کہنا چاہیے کہ اُن کے گرویدہ اور فدائی تھے، اور "حُبُّكَ الشَّيْئَ يُعْمِي وَيُصِمّ" کے عام قانون فطرت کے مطابق ان کی کسی علمی و فکری غلطی کو بھی غلطی سمجھنا اُن کے لیے قریباً ناممکن تھا ـــــ لیکن راقم سطور کے نزدیک وہ اس معاملہ میں پورے مخلص تھے، مولانا موصوف کی ہر رائے، ہر اقدام اور ہر بات کو وہ دل سے صحیح و صواب سمجھتے اور اور مجاہدانہ جوش و جذبہ کے ساتھ پوری قوت سے اس کی حمایت کرتے تھے، اور اس کو فی سبیل اللہ جہاد سمجھتے تھے ـــــ یاد آتا ہے کہ مولانا موصوف کی صرف ایک غلطی کی وہ حمایت نہیں کر سکے، اور وہ پاکستان کے مختلف شہروں میں غلاف کعبہ کے گشت اور نمائش والی غلطی تھی جو فی الحقیقت اُن کے لیے بہت ہی نازیبا اور ان کے بہت سے معترفین اور معتقدین کے نزدیک بھی حیرت انگیز اور ناقابل تاویل غلطی تھی (جو غالباً اُس وقت کے سیاسی تقاضوں نے اُن سے کرائی تھی) ـــــ بہرحال ماہر صاحب مولانا مودودی کے اس عمل اور اقدام کی حمایت نہیں کر سکے اور ادب و لحاظ کے ساتھ انھوں نے اپنے اس حال اور موقف کا اظہار بھی کر دیا تھا۔

ماہر صاحب پر اللہ تعالیٰ کا ایک خاص فضل یہ تھا کہ اپنے خاندانی و موروثی عقائد اور رسوم و خرافات سے بغاوت کے بعد اُن کی روح نے قرآن پاک اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم فرمائی ہوئی "توحید خالص" کو پوری طرح جذب کر لیا تھا اور وہ اُن کے ریشہ ریشہ میں پیوست ہو گئی تھی، نعت و منقبت اور شعر و شاعری میں بھی وہ شرک کا شائبہ اور واہمہ برداشت نہیں کر سکتے تھے اور اُس پر جرح و تنقید ضروری سمجھتے تھے، اس سلسلہ میں تاویل و توجیہ

کے بھی وہ قائل نہیں تھے ـــــ عجب نہیں کہ یہی چیز عند اللہ ان کی مقبولیت کا خاص وسیلہ بنی ہو اور اسی کے طفیل اُن پر یہ انعام ہوا ہو کہ آخری وقت وہ ہوا کے دوش پر کراچی سے بلا لیے گئے۔ مکہ معظمہ حاضر ہوئے عمرہ کیا جس کے بارہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ وہ کفارۂ ذنوب یعنی گناہوں کی گندگی اور معصیات کے میل کچیل کی صفائی کا ذریعہ ہے۔ اور اچانک اٹھا لیے گئے۔ حرم شریف میں کعبۃ اللہ کے زیر دیوار ان کی نماز جنازہ پڑھی گئی اور جنۃ المعلیٰ میں دفن ہوئے ـــــ بلاشبہ بڑی قابل رشک ہے یہ موت۔ ع

"مرگے کہ زاہداں بدعا آرزو کنند"

ماہر القادری کا آخری پیغام :-

مرحوم ماہر صاحب کے حادثۂ انتقال کی اطلاع راقم سطور کو ۱۰ رمئی کے مقامی روزنامہ "قومی آواز" سے ملی تھی ـــــ اُس کے ۳-۴ دن کے بعد اُن کے ماہنامہ "فاران" کا مئی کا شمارہ پہنچا۔ جس کو مرحوم نے غالباً اپنے حجاز مقدس روانہ ہونے سے پہلے حوالۂ ڈاک کرایا ہوگا ـــــ مرحوم کا دستور تھا کہ وہ ہر شمارہ کے افتتاحیہ کے ختم پر اپنے دستخط کے ساتھ تحریر کی تاریخ بھی لکھتے تھے۔ مئی کے اس افتتاحیہ کے خاتمہ پر ۲۰ راپریل تاریخ تحریر لکھی ہوئی ہے ـــــ اس کے لکھتے وقت انہیں اس کا واہمہ بھی نہ ہوگا کہ "فاران" کیلئے یہ میرا آخری افتتاحیہ اور اسکے ناظرین کے لیے میرا آخری پیغام ہو سکتا ہے۔ لیکن اُس میں جو کچھ انھوں نے لکھا ہے، بلکہ کہنا چاہیے کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے اُن کے قلم سے لکھوایا ہے، وہ ایسا ہے کہ اگر بالفرض اُن کو بتا دیا جاتا کہ قضا و قدر کا یہ فیصلہ ہو چکا ہے اور تم کو یہ آخری افتتاحیہ لکھنا ہے تو وہ آخری اور الوداعی پیغام کے طور پر وہی لکھتے جو اس افتتاحیہ میں لکھا گیا ہے ـــــ

اگرچہ اس میں اُن کے خاص مخاطب پاکستان کے موجودہ ارباب اقتدار اور ملک و ملت کے وہ خواص و زعما ہیں جن پر پاکستانی معاشرہ کی دینی و اخلاقی اصلاح کی خصوصی ذمہ داری عائد ہوتی ہے اور ماہر صاحب کا روئے سخن اس افتتاحیہ میں انہی حضرات کی طرف ہے لیکن جو پیغام ہے وہ در اصل پوری امت مسلمہ کے لیے ہے لہذا اُس کا حق ہے کہ زیادہ سے زیادہ مسلمانوں تک اس کو پہنچایا جائے اسی لیے اس کو

الفرقان کے ان صفحات میں پیش کیا جا رہا ہے۔

ماہر صاحب نے شروع کی چند سطروں میں پاکستان کے عام دینی اور اخلاقی فساد و بگاڑ کا ذکر کیا ہے، اور جنرل ضیاء الحق صاحب کے بارہ میں اس سلسلہ میں بھی اچھی توقع کا اظہار کر کے اُن کو اور سب ذمہ داروں کو توجہ دلائی ہے کہ دینی اور اخلاقی اصلاح کے سلسلہ میں کیا کیا کام کرنے کے ہیں جن کے بغیر پاکستان حقیقی معنی میں اسلامی ملک نہیں بن سکتا ——— اور الاہم فالاہم کے اصول پر انھوں نے سب سے پہلے شرک و توحید اور سنت و بدعت کے مسئلہ سے بات شروع کی ہے ——— آگے ناظرین اُن کا پیغام اور مضمون انہی کے الفاظ میں پڑھیں۔

"اچھے خاصے دیندار لوگ بھی بعض رسموں کو دین سمجھے ہوئے ہیں اور ناواقفیت اور بے خبری کے سبب بعض مشرکانہ عقائد اور بدعتیں مسلمانوں میں عام ہو گئی ہیں! کسی غلط عقیدے اور غیر شرعی رسم ورواج کی اصلاح فرقہ واریت نہیں ہے! اس خوف سے تو پھر اصلاح و انقلاب کے لیے کوئی اقدام ہی نہیں ہو سکتا! عقیدہ توحید مسلمانوں کی وحدت کا ضامن ہے، توحید کی حدوں سے تجاوز دراصل مسلمانوں کی وحدت کو پارہ پارہ کرتا اور فرقوں کی بنیاد ڈالتا ہے!

اللہ تعالیٰ کو ارض وسموات کا خالق تو مشرکین مکہ بھی مانتے تھے مگر انھوں نے غیر اللہ کو بھی مشکل کشا، کارساز، دستگیر اور الوہی صفات کا حامل سمجھ رکھا تھا، اس لیے اللہ تعالیٰ کو محض خالق ماننا مشرکین مکہ کو صاحب ایمان نہ بنا سکا، اللہ تعالیٰ کو اس طرح ماننا چاہیے کہ اس کے سوا کوئی دوسرا نبی، ولی، یا فرشتہ اللہ کے حکم اور عطا کی بنا پر بھی ساری کائنات کا فریادرس اور دستگیر و مشکل کشا نہیں ہے! اللہ کے اذن نے کسی انسان کو اس منصب پر فائز نہیں کیا کہ وہ دور و نزدیک سے بر آوازِ التجا اور دعا کو سُن سکے اور ساری دنیا کی مشکل کشائی اور حاجت روائی کر سکے!

قرآن کریم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ایک حرف بھی اللہ کی طرف سے اس قسم کے اذن وعطا اور کائنات کے مالک ومتصرف رہونے کا نہیں ملتا اور نہ کوئی حدیث الوہی اختیار و اقتدار کی طرف کوئی اشارہ کرتی ہے۔ اس کے برخلاف قرآن کریم میں ایسی آیتیں آئی ہیں جو حضور سے الوہی اختیارات کی نفی کرتی ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی سے وہی عقیدت ومحبت اللہ تعالیٰ کے نزدیک معتبر اور مقبول و پسندیدہ ہے جو کتاب و سنت کے مطابق ہو،

کتاب وسنت سے تجاوز کے بعد عقیدت کا غلو اللہ اور رسول کی خوشنودی کا سبب نہیں بن سکتا!
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت ومحبت کے بغیر ایمان بے رُوح ہے اور حضورؐ کی اطاعت کا یہ تقاضا ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے دُعا نہ کریں! اور صرف اُسی کو داتا، فریادرس، غریب نواز، مشکل کشا اور مالک و مقتدر سمجھیں۔

اسلامی معاشرہ توحید و اخلاق کی بنیادوں پر استوار ہونا چاہیے۔ "توحید" اگر غبار آلود ہو جائے تو پھر عمل خیر اپنی قدر و قیمت کھو دیتا ہے! شعر و ادب کا بھی معاشرے سے بہت کچھ تعلق ہے اس میں بھی "توحید" کی بھرپور جھلک ہونی چاہیے۔ ریڈیو اور ٹیلی ویژن سے بھی "توحید" کو پیش کرنا ضروری ہے۔ نشر و اشاعت کا شعبہ اندازہ بہت کچھ اصلاحِ حال کر سکتا ہے وعظ اور شاعری نے "توحید" کے تقاضوں سے تجاوز کیا ہے مثلاً عوام میں یہ عقیدہ واعظوں اور شاعروں ہی نے پھیلایا ہے کہ شبِ معراج اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عرش پر بلا کر اپنے قریب بٹھایا تھا! حالانکہ نہ تو اللہ تعالیٰ عرش پر بیٹھا ہوا ہے اور نہ کوئی اللہ کا ہم نشین ہے۔ اللہ تعالیٰ تجسم و تشکل اور بندوں کی اجسام کی طرح تمکن سے ماوراء ہے! سبحان اللہ عما یصفون! اللہ تعالیٰ کی صفت تنزیہ کامل ہے جہاں کسی شے سے اتصال، حلول اور جسمانی قربت نہیں ہے۔

اے برتر از خیال و قیاس و گمان و وہم

ہاں اللہ تعالیٰ نے شبِ اسراء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آیاتِ الٰہی کا مشاہدہ کرایا اور مقامات وراء الوراء کی سیر کرائی اور یہ معراج روح و جسم کے ساتھ تھی جس کی کیفیات کا ہم ادراک نہیں کر سکتے! ہم اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہیں مگر اُس کی ذات کی معرفت کے باب میں اپنے عجز و جہالت کا اعتراف کرتے ہیں۔ اور یہ اعتراف ہی ہمارے شعور کی معراج ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرام، تابعین اور تبع تابعین نے کسی قبر پہ پھول اور چادریں نہیں چڑھائیں۔ اور نہ کسی قبر کو غلاف اُڑھایا نہ صندل مالی اور عطر پاشی کی! حضورؐ کا خود اپنی قبر مبارک کے بارے میں ارشاد ہے کہ اسے "صنم" نہ بنانا اور اُس پر میلے نہ لگانا۔ قبروں کی زیارت کی غایت یہ ہونی چاہیے کہ موت و آخرت کی یاد تازہ ہو کہ ایک دن ہمیں بھی مرنا ہے اور خدا کے سامنے جانا ہے اور اہل قبور کے لیے دعائے مغفرت کرنی چاہیے۔

تصویر کشی کی بھی اسلام میں اجازت نہیں ہے، شاید ناگزیر ضرورت کی صورتوں میں "کراہت" کا پہلو نکل آئے اور مجسمہ سازی اور بت تراشی تو قطعاً حرام ہے۔ اس لیے "آرٹ گیلریوں" کا افتتاح اُن کا قیام اور ان کی تصویروں اور مجسموں کی تعریف و توصیف اور ان فنکاروں کی حوصلہ افزائی اسلامی شریعت کی رو سے ناپسندیدہ اقدام ہے جس سے دلچسپی نہیں لینی چاہیے۔ بلکہ دامن کشی کی ضرورت ہے! یہ باتیں اہل مغرب کو زیب دیتی ہیں جن کے یہاں فحاشی اور عریانی بھی آرٹ ہے۔

رقص و سرود اور مزامیر کے ساتھ غنا اسلام میں ناجائز ہے۔ دورِ صحابہ میں قوالیاں نہیں ہوتی تھیں اور نہ وجد و کیف کے لیے سماع کی محفلیں برپا ہوتی تھیں۔ اُمت کی اصلاح صرف اسی طرح ہو سکتی ہے کہ عقائد و اعمال میں قرن اول کی مشابہت اختیار کی جائے! اس مشابہت کے بعد ہی ملت اسلامیہ اللہ تعالیٰ کے اکرام و فضل کی سزاوار ہو سکتی ہے۔

ایک اسلامی حکومت میں آمدنی کے تمام ناجائز ذرائع ختم ہونے چاہئیں! ناجائز کمائی سے کسی ملک کی خوشحالی اللہ تعالیٰ کے غضب کو دعوت دیتی ہے۔ خاص طور سے سود، وہ انفرادی ہو یا اجتماعی (بنکوں کا سود اور تجارتی سود) اس لعنت کا استیصال ضروری ہے، سود کے بغیر بھی بنک چل سکتے ہیں اور تجارت ہو سکتی ہے!

انقلاب و اصلاح کی راہ میں موانع رکاوٹیں اور طرح طرح کی مشکلات بھی آتی ہیں، مگر مشکلات سے گھبرانا نہیں چاہیے۔ عزم راسخ ہو تو ان مشکلات پر قابو پایا جا سکتا ہے۔ اس دنیا میں ہر اچھے اقدام کی مخالفت کی جاتی ہے۔ مخالفت سے اگر محفوظ رہتے تو انبیاء کرام محفوظ رہتے۔ ان نفوس قدسیہ کی تو سب سے زیادہ مخالفت کی گئی۔ پاکستان کو اسلام و اخلاق کا گہوارہ بنانا ہے تو پھر عہدِ رسالت اور دورِ صحابہ کی طرف واپس ہونا پڑے گا! یہ رجعت نہیں بلکہ اپنے "مرکز" اور "منبع" کی طرف واپسی ہے! اور یہ واپسی امت کے عروج و ترقی کی علامت ہے!

کتاب و سنت موجود ہے، آثار صحابہ پائے جاتے ہیں، تابعین، تبع تابعین اور ائمہ فقہ و حدیث اور تزکیہ نفس کے داعیوں کی زندگیاں اور اُن کے اقوال محفوظ ہیں! ان کے مطالعہ سے دین کا صحیح نقشہ سامنے آتا ہے ——— یہ کہ ان خطوط پر امت مسلمہ کے معاشرے کو استوار کرنا ہے۔ اُن رسموں کو چھوڑنا ہے جن کا پتہ اسلامی لٹریچر میں نہیں ملتا، بزرگانِ دین اور شیوخ کے ملفوظات

کو بھی کتاب و سنت کی کسوٹی پر جانچنا اور پرکھنا ہوگا، جہاں مطابقت ہوگی اُس کو مانا جائے گا۔ جہاں ابہام، ادعاء معنویت، علم کلام کی پیچیدہ نزاکتیں اور ژولیدگی ہوگی اُس کو موضوع فکر نہ بنانے سے دین کا ذرہ برابر بھی نقصان نہیں ہو سکتا۔ توحید خالص کے بارے میں کسی ابہام اور اشتباہ کو گوارا نہیں کیا جاسکتا! منصور حلاج کی "کتاب الطواسین" اور ان کے اذکار سے ملتی جلتی کتابیں اُن کی اشاریت رمزیت اور انداز بیان میں طرح طرح کے خطرات اور مزلات ہیں! خطرات سے بچنا ہی چاہیے، چاہے چاہیے اُن میں بظاہر کتنا ہی غموض اور عمق کیوں نہ ہو! غیرت توحید الوہیت کے بارے میں اشتباہات کو گوارا نہیں کر سکتی! کوئی شریف آدمی ایسی رمزیت اور اشاریت کو انگیز نہیں کر سکتا جس سے اُس کے باپ کے باپ ہونے میں کسی دوسرے شخص کو شریک کر دینے کا امکان اور اشتباہ ہو!

اللہ کا دین بڑا آسان، عام فہم اور قابل عمل ہے اُس میں کوئی پیچیدگی اور ابہام نہیں! مسلمان کتاب اللہ کو نہیں پڑھتے مکاشفات اور اشراقیات کو پڑھتے ہیں اور ان سے بڑا شغف رکھتے ہیں۔ قرآن کریم کے مطالعہ سے توحید کے تقاضے سامنے آتے ہیں، انبیا، اولیا اور ملائکہ کا موقف واضح ہوتا ہے، معبود اور عبد، رب اور مربوب، مالک اور مملوک، رازق اور مرزوق کا فرق سمجھ میں آتا ہے! قرآن کریم میں اولیاء اللہ کے بارے میں صرف یہ کہا گیا ہے کہ ان کو خوف اور حزن نہیں ہوگا یہ نہیں فرمایا گیا کہ اولیا، اللہ دنیا والوں کے خوف و حزن دور کرنے پر مامور کر دیے گئے ہیں۔ حالانکہ یہی وہ مقام تھا جہاں اللہ تعالیٰ اولیا، اللہ کی دستگیری اور قدرت و اختیار کو بیان کر سکتا تھا! —— احادیث رسول کے مطالعہ اور سنت نبوی میں تفکر و تعمق سے یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ اسلام میں صرف دو تیوہار ہیں —— عید الفطر اور عید الاضحیٰ! ان کے علاوہ غم و مسرت کی کوئی تقریب رسم اور تیوہار نہیں ہے! اگر گریہ و غم کا کوئی تیوہار ہوتا تو غزوہ احد کا دن "یوم عزا" قرار پاتا اور اگر مسرت و شادمانی کی کوئی تقریب اسلام میں ہوتی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت مقدس پر خلفاء راشدین اور صحابہ کرام جشن مناتے!

یہ چند ضروری باتیں عرض کی گئی ہیں، مقصود بحث و نزاع نہیں بلکہ اصلاح حال ہے، پاکستان بن جانے کے بعد اصلاح حال کے لیے بہت کچھ ہو سکتا ہے، عوام صاحبان اقتدار کو دیکھتے ہیں کہ اُن کا عمل کیا ہے! اس طرح جن کے ہاتھوں میں زمام حکومت ہوتی ہے اُن پر بڑی ذمہ داری عاید

ہوتی ہے قیامت کے دن محکوموں کے مقابلہ میں حاکموں سے شدید باز پرس ہوگی کہ تم نے ملت کے سامنے اپنے کردار و عمل سے کیا نمونہ پیش کیا اور ان کی اصلاح حال کے لیے کیا جدوجہد کی؟ اور حکومت کے ذرائع اور وسائل کو کس طرح استعمال کیا؟

عوام و خواص سب سُن لیں کہ آخرت میں ہر کسی کے اعمال کی جانچ پڑتال ہوگی، ہر صاحب ایمان سے پوچھا جائے گا کہ تم نے اللہ کے دین کو غالب کرنے کیلئے کیا کوشش کی، اپنی توانائیوں سے تم نے کیا کام لیا! کس بدعت اور منکر کو مٹایا اور کس سنت اور معروف کو قائم کیا۔

تصادم و نزاع کی جگہ پاکستان میں اخوت و محبت کی فضا پیدا کرنے کی ضرورت ہے اور یہ فضا اسلامی اخلاق سے پیدا ہوسکتی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ذات اقدس کے بارے میں ناگواری کو گوارا اور برداشت فرماتے تھے مگر دین و شریعت کے خلاف کسی قول و عمل سے فرط جلال کا یہ عالم کہ چہرہ مبارک سُرخ انار کی مانند ہو جاتا، یہی دینی غیرت اُمت مُسلمہ کے ثبات و استحکام کی روح ہے ـــــ کتاب اللہ، سنت رسولؐ، اور اجماع صحابہ سے دین کے جس نقشہ کی تائید ہوتی ہے اسی کو نافذ قائم اور برپا کرنا ہے۔

ماہر القادری

۲۷ اپریل ۷۸ء

Regd. No. 1 LW/NP-62

Monthly "ALFURQAN" 31, Naya Gaon West Lucknow (U.P.)

VOL. 46 NO. 6 JUNE, 1978 Phone : 45547

الفرقان لکھنؤ

مُدیر

محمد منظور نعمانی

ماہنامہ
الفرقان لکھنؤ

چندہ سالانہ
ہندوستان سے -/۱۵
پاکستان سے -/۲۵
بنگلادیش سے -/۱۶
فی شمارہ ۱/۵۰

ممالک غیر سے چندہ سالانہ
محصول ڈاک میں زبردست اضافہ کے بعد اب نئی شرح یہ ہے۔
بحری ڈاک سے ۲ پونڈ
ہوائی ڈاک سے ۴ پونڈ

جلد (۴۶) | بابت جولائی سنہ ۱۹۷۸ء مطابق رجب المرجب سنہ ۱۳۹۸ھ | شمارہ (۷)

اگر اس دائرہ میں ⭘ سرخ نشان ہے، تو

اس کا مطلب ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہوگئی ہے براہ کرم آئندہ کے لیے چندہ ارسال کریں یا خریداری کا ارادہ نہ ہو تو مطلع فرمائیں۔ چندہ یا کوئی دوسری اطلاع مہینے کے آخر تک آجانا چاہیے ورنہ اگلا پرچہ بصیغۂ وی پی ارسال ہوگا۔

نمبر خریداری: براہ کرم خط و کتابت کرتے وقت اور منی آرڈر کوپن پر اپنا خریداری نمبر ضرور لکھ دیا کیجیے جو پتہ کی چٹ پر لکھا ہوتا ہے۔

تاریخ اشاعت: الفرقان ہر انگریزی مہینے کے پہلے ہفتہ میں روانہ کر دیا جاتا ہے۔ اگر مہینے کے آخر تک کسی صاحب کو پرچہ نہ ملے تو فوراً مطلع کریں اس کی اطلاع اگلے مہینے کی ۱۰ تاریخ تک آجانا چاہیے اس کے بعد رسالہ بھیجنے کی ذمہ داری دفتر پر نہ ہوگی

پاکستان میں ترسیل زر کا پتہ: ناظم ادارۂ اصلاح و تبلیغ آسٹریلین بلڈنگ، لاہور

(مولوی) محمد منظور نعمانی پرنٹر پبلشر و اڈیٹر نے تنویر پریس میں چھپوا کر دفتر الفرقان اسونیا گاؤں مغربی لکھنؤ سے شائع کیا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نگاہِ اوّلیں

محمد منظور نعمانی

ہمارے اس برصغیر (ہند، پاکستان اور بنگلہ دیش) ہی میں نہیں، بلکہ پورے ایشیا اور یورپ اور افریقہ و امریکہ وغیرہ میں بھی غالباً اب کوئی ملک اور علاقہ ایسا نہ ہوگا جہاں مسلمانوں کی قابل لحاظ آبادی ہو اور "تبلیغی جماعت" والے دین کی محنت اور جد و جہد کی دعوت لیکر وہاں نہ پہنچے ہوں اور اس سلسلہ میں وہاں کوئی کام نہ ہو رہا ہو، —— جن لاکھوں بلکہ کروڑوں بندوں سے دین کے ان خادموں کا واسطہ پڑتا ہے وہ اپنی اپنی سطح اور سمجھ کے مطابق اتنا ضرور جانتے ہیں کہ ان کا مقصد اور ان کی بنیادی دعوت یہ ہے کہ ہم مسلمان حقیقی مسلمان بن جائیں، اور امت محمدیہ میں وہ ایمان اور ایمان والی زندگی عام ہو جائے جس کی دعوت لیکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تھے اور قرآن مجید میں جس کا مطالبہ ان آیات میں کیا گیا ہے "یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا آمِنُوْا" —— اور —— "یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوا ادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ کَافَّة ...... الآیہ"

اس کام کے لیے اُن کا ایک خاص پروگرام اور طریق کار ہے وہ سب سے پہلے دعوت دیتے ہیں کہ مسلمان کلمہ شریف (لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ) کی اہمیت اور حقیقت کو سمجھیں، اس کلمہ میں جو کچھ فرمایا گیا ہے اس کا یقین اپنے اندر پیدا کرنے اور بڑھانے کی کوشش کریں، اس کو اپنی زندگی کی بنیاد بنائیں، اللہ تعالیٰ کے ساتھ لاشریک عبدیت و عبادت کا ہمارا وہ تعلق اور معاملہ ہو جو "لا الٰہ الا اللہ" کا تقاضا ہے، اور سیدنا حضرت محمد

صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اتباع و اطاعت اور محبت کا وہ رویہ ہو جو "محمد رسول اللہ" پر ایمان لانے کا مقتضیٰ ہے ___ الغرض اپنی دعوت کی بات وہ کلمہ شریف سے شروع کرتے ہیں، اس کے بعد اسلامی اعمال میں سے وہ خصوصیت سے نماز پر زور دیتے ہیں کہ ہر مسلمان نماز پابندی سے ادا کرے جیسا کہ اللہ و رسول کا حکم ہے، اور ظاہر و باطن کے لحاظ سے حتی الامکان اُس طرح نماز پڑھنے کی کوشش کرے جس کی تعلیم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دی تھی اور جس کی یہ تاثیر ہے کہ وہ آدمی کو پاک صاف اور اللہ و رسول کی فرمانبرداری اور آخرت کی فکر اور تیاری کا عادی بنا دیتی ہے۔

اس کے بعد وہ اس پر زور دیتے ہیں کہ ہر مسلمان اپنے حالات کے مطابق بقدر ضرورت دین سیکھنا ضروری سمجھے۔ (خواہ جاننے والوں اور دینداروں کی صحبت سے یا کتابی تعلیم سے) اسی طرح ہر مسلمان اس کی کوشش کرے کہ ذوق شوق کے ساتھ اللہ پاک کا ذکر اس کی عادت اور زندگی کا وظیفہ اور لذیذ مشغلہ بن جائے ("علم" سے راستہ معلوم ہوتا ہے اور "ذکر" چلنے کی قوت اور اس کا داعیہ پیدا کرتا ہے ___ اس ذکر میں اللہ تعالیٰ کی حمد و تسبیح، قرآن مجید کی تلاوت، استغفار، درود شریف اور دعا سب شامل ہیں۔)

اس کے ساتھ وہ یہ بھی دعوت دیتے ہیں کہ ہم سب مسلمان اس کی کوشش کریں کہ ہمارے اخلاق اور ہمارا برتاؤ اللہ کے سب بندوں کے ساتھ خاصکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے امتیوں کے ساتھ ان کے حق اور مرتبہ کا لحاظ کرتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم و ہدایت کے مطابق ہو ___ اور ہم دنیا کے لیے اسلامی اخلاق کا نمونہ بن جائیں۔

اور ایک اہم بات اس سلسلے میں وہ یہ کہتے ہیں کہ خود اپنے اندر یہ سب چیزیں پیدا کرنے کے لیے اور امت محمدیہ میں ایمان اور ایمانی صفات اور ایمان والی زندگی اور دعوت کو پھر سے عام اور برپا کرنے کے لیے جماعتوں کی شکل میں سفر و ہجرت اور اس راہ میں اپنے چین و آرام اور وقت اور مال کی قربانی کو ہم سب اپنی زندگی کا جز بنائیں اور خاصکر ان دنوں میں انہی مشاغل میں مشغول رہیں اور "لایعنی" سے بھی پرہیز کریں۔

اور آخری بات اس سلسلہ میں وہ یہ کہتے ہیں کہ یہ سب کچھ اور ہماری زندگی کے سارے

ہی کام صرف اللہ تعالیٰ کی رضا اور ثواب آخرت کے لیے ہوں کوئی دنیوی مفاد یا مصلحت مقصد کے طور پر ہمارے سامنے نہ ہو ــــــ ہم کوشش اور مشق کریں کہ یہ ہمارا حال ہو جائے۔

قُلْ اِنَّ صَلٰوتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَبِذٰلِکَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ ۝

یہ لوگ اس تبلیغی کام کے سلسلہ میں کسی "شیخ" سے بیعت ہونے یا کسی سلسلہ اور حلقہ سے وابستہ ہونے، یا کسی جماعت اور انجمن کا ممبر یا معاون بنے یا کسی مخصوص فقہی مسلک یا صوفیانہ مشرب کو اختیار کرنے کی دعوت نہیں دیتے۔ بلکہ جماعت کے اکابر کی طرف سے تاکید کی جاتی ہے کہ ایسی باتوں سے پرہیز کریں اور صرف اللہ و رسول کی طرف اور دینی زندگی اور دین کی دعوت و محنت کی دعوت دیں ــــــ راقم سطور نے بار بار حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ سے خود اپنے کانوں سے سنا وہ تاکید فرمایا کرتے تھے کہ جہاں تک ہو سکے اس کی کوشش کرو کہ دین کی اس دعوت کے سلسلہ میں میری ذات اور میرے نام کا ذکر نہ آئے۔

بہرحال تبلیغی جماعتیں جہاں جاتی ہیں وہ انہی مذکورہ بالا باتوں کی دعوت دیتی ہیں، جماعت کے اہل علم حضرات یہی باتیں اپنے علمی انداز میں کہتے ہیں اور دوسرے لوگ جن میں بعض بہت کم پڑھے لکھے بھی ہوتے ہیں، یہی باتیں اپنی سطح اور سمجھ کے مطابق اپنی زبان میں کہنے کی کوشش کرتے ہیں۔ (یہ جماعتی سلسلہ ہی ان کا مدرسہ اور ان کی تربیت گاہ ہے)

ان تبلیغی سفروں میں عام طور سے ہر شخص اپنا خرچ حتی الوسع خود اٹھاتا ہے، ان میں وہ بھی ہوتے ہیں جو آخرت کے اجر و ثواب کی امید پر ہزاروں خرچ کر کے ہوائی جہازوں یا بحری جہازوں سے دور دراز ملکوں کا سفر کرتے ہیں، وہ بھی ہوتے ہیں جو ٹرینوں اور بسوں سے جاتے ہیں، وہ بھی ہوتے ہیں جو اپنا سامان سروں پہ رکھ کے مہینوں مسلسل پیدل پھرتے ہیں ــــــ اللہ کے یہ بندے ان سفروں میں عموماً مسجدوں میں قیام کرتے اور زمین

پر سوتے ہیں ۔۔۔ جن بیچاروں کو کلمہ نہیں آتا وہ اِن سفروں میں کلمہ اور نماز سیکھتے ہیں۔ جنھوں نے قرآن شریف نہیں پڑھا وہ ساتھیوں سے قرآن شریف پڑھتے ہیں۔ نوافل اور ذکر اللہ کی عادت ڈالتے ہیں، اچھے اخلاق کی اور دوسروں کی خدمت اور اکرام کی مشق کرتے ہیں۔ راتوں کو اٹھ کر اللہ کے حضور میں رونے اور توبہ و استغفار اور دعائیں کرنے والے ساتھیوں کو دیکھ کر اُن کے دلوں میں بھی اس کا شوق پیدا ہوتا ہے اور وہ بھی یہ دولت حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں، اور بہت سوں کو اللہ تعالیٰ نصیب فرماتا ہے۔

یہ سب باتیں وہ سب مسلمان جانتے ہیں جن سے تبلیغی جماعت والوں کا واسطہ پڑتا ہے اور جو اُن کے ساتھ وقت گزارتے ہیں ۔۔۔ اللہ ہی جانتا ہے کہ اس کے کتنے لاکھ یا کتنے کرور بندوں کی زندگیاں اس دعوت و محنت اور اس تبلیغی کام کے نتیجہ میں بدل چکی ہیں۔

دین اور عقل و خرد کا بدیہی تقاضا تھا کہ مسلمانوں کے کسی حلقہ کی طرف سے کبھی اللہ کے ان بندوں کی اور ان کے اس کام اور اس دینی دعوت اور محنت کی مخالفت نہ کی جاتی، سب اُن کے لیے کم از کم دعاگو ہوتے ۔۔۔ اور اگر بالفرض کسی جماعت میں علم یا فہم کی کمی کی وجہ سے کوئی غلطی نظر آتی تو ہمدردی اور خیر خواہی کے ساتھ اُس کی اصلاح کی کوشش کی جاتی یا جماعت کے اکابر اور ذمہ داروں کو اس کی طرف توجہ دلائی جاتی ۔۔۔ لیکن واقعات کی دنیا میں ہو یہ رہا ہے کہ جن علاقوں میں جماعتیں جا کر کام کرتی ہیں وہاں ایک خاص طبقہ کی طرف سے جلسے کیے جاتے ہیں، اشتہارات اور پمفلٹ شائع کیے جاتے ہیں جن کے ذریعہ بیچارے عام مسلمانوں کو بتایا جاتا ہے کہ یہ "تبلیغ والے" دیوبندی وہابی ہیں، ۔۔۔ معاذ اللہ ۔۔۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اولیاء کرام کے دشمن ہیں، اُن کی شان میں بے ادبیاں اور گستاخیاں کرتے ہیں اور ان کی یہ تبلیغ اور چلت پھرت صرف اس لیے ہے کہ سب مسلمانوں کو ایسا ہی بنا دیں۔ یہ دین کے ڈاکو ہیں، مسلمانوں سے کہا جاتا ہے کہ ان تبلیغ والوں کو نہ اپنی مسجدوں میں آنے دو نہ بات کرنے کا موقعہ دو۔ راقم سطور کے پاس اس قسم کی اطلاعات انگلستان اور افریقہ کے مختلف ملکوں سے بھی آئی ہیں۔

اور صورت حال یہ ہے کہ تبلیغی جماعتوں میں اب زیادہ تر غالباً ۹۰ فیصدی سے بھی

زیادہ) وہ سیدھے سادے مسلمان ہوتے ہیں جو بریلوی دیوبندی" جیسے اختلافات سے بالکل ناواقف اور بے خبر ہوتے ہیں، خواہ وہ ناتعلیم یافتہ غریب کسان یا مزدور ہوں یا تعلیم یافتہ گریجویٹ، پروفیسر، انجینیر، وکیل، ڈاکٹر وغیرہ ہوں —— ان بیچاروں کو جب معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے بارہ میں کیا کیا کہا جا رہا ہے اور خود مسلمان ہمیں مسجدوں سے نکالتے ہیں تو انھیں قدرتی طور پر بڑی حیرت اور بڑا دُکھ ہوتا ہے —— ایسے حضرات اس عاجز کو بھی خطوط لکھتے ہیں اور اس "بلا" کا علاج پوچھتے ہیں —— اس وقت یہ سطریں دراصل ایسے ہی حضرات کے لیے لکھی جا رہی ہیں۔

واقعہ یہ ہے کہ جس خاص طبقہ اور حلقہ کی طرف سے آج کل تبلیغی جماعت کے خلاف اس طرح کا پروپیگنڈہ کیا جا رہا ہے —— "راقم سطور اس حلقہ کو اور اس کی پوری تاریخ کو ۵۰-۶۰ سال سے جانتا ہے۔ یہ وہی حلقہ ہے جس نے "ندوۃ العلماء" کے قیام کے وقت اس کے خلاف اسی طرح کے پروپیگنڈے کا ایک طوفان برپا کر دیا تھا —— پھر جب اللہ تعالیٰ نے دارالعلوم دیوبند کو مقبولیت بخشی اور اس کے مخلص فضلاء کے ذریعہ توحید و سنت کی دعوت اور مسلمانوں کو مشرکانہ رسوم و بدعات سے نکالنے کی جد و جہد کا کام وسیع پیمانہ پر ہونے لگا تو اسی حلقہ نے جماعت علماء دیوبند اور اس کے اکابر حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اور حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ وغیرہ کو اسی طرح کے ناخدا ترسانہ پروپیگنڈے کا خاص نشانہ بنایا جس کا سلسلہ ابتک جاری ہے۔

اب جبکہ اللہ تعالیٰ کی توفیق اور مشیت سے "تبلیغی جماعت" کے ذریعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین کی دعوت کا کام وسیع پیمانہ پر ہونے لگا اور پورا عالم اس کا میدان بن گیا اور اللہ کے وہ لاکھوں بندے جن کو شیطان نے دین سے بالکل غافل اور آخرت کی طرف سے بے پروا بے فکر اور عملی زندگی میں اللہ و رسول سے بے تعلق کر دیا تھا، شیطان کے جال سے نکل کر دینی زندگی کی طرف آنے لگے بلکہ دین کے داعی بن کر اس کے لیے محنت اور قربانی کرنے لگے —— تو شیطان نے اسی حلقہ کو جس کا ہمیشہ سے "صَدٌّ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ" اب نگان خدا کو اللہ

کے راستہ سے روکنا مشغلہ رہا ہے اب تبلیغی جماعت کی طرف متوجہ کر دیا ہے۔ قرآن مجید کی زبان میں یہ "حزب الشیطان" ہے۔ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ الشَّیْطٰنِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝

جیسا کہ ابھی عرض کیا، راقم سطور اس حلقہ کو ۵۰۔۔۔۶۰ سال سے جانتا ہے۔ اس طویل مدت کے علم و تجربہ کے بعد یہ سمجھنے پر مجبور ہو گیا ہے کہ —— یہ لوگ اہل حق اور دین کے سچے خادموں کے خلاف جان بوجھ کر یہ افترا پردازیاں کرتے ہیں۔

حدیث اور سیر کی کتابوں میں عام طور سے یہ واقعہ مذکور ہے کہ نبوت کے ابتدائی دور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عربوں کے مختلف اجتماعات اور میلوں میں دین کی دعوت و تبلیغ کے لیے تشریف لے جاتے اور لوگوں کو توحید اور دین حق کی دعوت دیتے تھے —— آپ مجمعوں کو مخاطب کر کے فرماتے تھے یا ایها الناس قولوا لا اله الا الله تفلحوا (یعنی اے لوگو! شرک چھوڑ دو، توحید اختیار کر لو اس میں دنیا اور آخرت کی کامیابی ہے) تو بدنصیب ابو لہب آپ کا تعاقب کرتا اور جن لوگوں کو آپ توحید اور دین حق کی دعوت دیتے انہی کے پاس پہنچ کے کہتا کہ لوگو! تم اس کی باتوں میں نہ آ جانا، (معاذ اللہ) یہ بد دین اور گمراہ ہو گیا ہے باپ دادا کے دین سے پھر گیا ہے تم کو بھی گمراہ کرنا چاہتا ہے، یہ جھوٹ کہتا ہے کہ میں خدا کا نبی ہوں (اِنَّهٗ صَابِئٌ کَاذِبٌ) حالانکہ یہ ابولہب آپ کا چچا تھا۔ آپ کی ۴۰ سالہ زندگی اُس کے سامنے تھی، آپ کی صداقت میں اس کو شبہ کبھی نہیں ہو سکتا تھا۔ یہی حال مکہ کے اکثر ان لوگوں کا تھا جو آپ کے خلاف صف آرا تھے، یہ سب جان بوجھ کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹے بہتان لگاتے تھے۔ آپ کو "ساحر" "کذاب" اور کاہن و مجنون وغیرہ کہتے تھے، حالانکہ اُن کے دل گواہی دیتے تھے کہ آپ صادق و امین اور خدا کے سچے رسول ہیں۔

راقم سطور کو ابولہب اور دوسرے کفار مکہ کے اس رویہ سے ان لوگوں کا حال سمجھنا آسان ہو گیا ہے جن کا خاص مشغلہ اور پیشہ دین کے داعیوں اور مخلص خادموں کے خلاف افترا پردازی کرنا اور اس طرح اللہ کے بندوں کو اللہ کے راستہ سے روکنا ہے —— واقعہ یہ ہے کہ اولادِ آدم اور دین حق کا ازلی دشمن جو شیطان، ابولہب وغیرہ سے یہ کام لیتا تھا وہ آج بھی زندہ ہے اور اُس کا کام یہی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کے داعیوں اور خادموں کے خلاف

اسی طرح کی افترا پردازیاں کرائے اور لوگوں کو راہ ہدایت سے روکنے کی کوشش کرے —— اور یہ سلسلہ اسی طرح جاری رہے گا، قرآن مجید میں بار بار ذکر فرمایا گیا ہے کہ شیطان نے آدم علیہ السلام کی آفرینش ہی کے وقت، مردود بارگاہ خداوندی ہو جانے کے بعد چیلنج کیا تھا کہ میں اس کی ذریت اور نسل کو گمراہ کرنے اور راہ ہدایت سے دور رکھنے کی کوشش برابر کرتا رہوں گا، اور اس کے لیے ہر ممکن تدبیر استعمال کروں گا —— بس یہ جو کچھ ہو رہا ہے اسی کا ظہور ہے۔ ؎

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز   چراغ مصطفوی سے شرار بولہبی

تبلیغی کام کرنے والے دوستوں کا رویہ اپنے اصول کے مطابق اس بارہ میں یہی رہنا چاہیے کہ "سَلَامٌ عَلَيْكُمْ لَا نَبْتَغِي الْجَاهِلِينَ" کہہ کے ان لوگوں کی خرافات کو بالکل نظر انداز کرتے ہوئے اپنے اصل کام میں لگے رہیں اور ان لوگوں کے لیے بھی دعا کریں —— اللہ تعالیٰ نے جس کو جس کام کے لیے پیدا کیا ہے وہ کر رہا ہے اور کرے گا۔

"مہ نور می فشاند سگ بانگ میزند"

حدیث شریف میں ہے "كُلٌّ مُيَسَّرٌ لِمَا خُلِقَ لَهُ" (ہر شخص سے وہ کام لیا جائے گا جس کے لیے اس کی تخلیق ہوئی ہے ؎

ہر کسے را بہر کارے ساختند   میل او را در دلش انداختند

رمضان مبارک سے متعلق

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا مدظلہ کا ایک پیغام:۔

راقم سطور (محمد منظور نعمانی) عرض کرتا ہے کہ اب سے صرف ۳۰-۴۰ سال پہلے کی بات ہے حکیم الامت حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہٗ بھی اس دنیا میں رونق افروز تھے اور تھانہ بھون کی "خانقاہ امدادیہ" خاصکر شمالی ہند میں اصلاح و ارشاد کا خاص مرکز تھا۔ اور اس کے قریب ہی ایک دوسرا مرکز رائے پور ضلع سہارنپور میں "خانقاہ رحیمیہ" کی شکل میں تھا جہاں حضرت مولانا شاہ عبد القادر رائے پوری قدس سرہٗ کا دریائے فیض جاری تھا —— دیوبند میں حضرت مولانا سید حسین احمد

مدنی رحمۃ اللہ علیہ تشریف فرما تھے اور آپ کی ذات ہدایت و ارشاد کا ایک مستقل مرکز تھی ——
ان کے علاوہ مختلف علاقوں میں اور بھی اکابر و مشائخ تھے۔ جن کی طرف اصلاح و تزکیہ کے طالبین رجوع کرتے تھے۔ خاصکر رمضان مبارک میں اللہ کے بہت سے طالب بندے اپنی اصلاح اور اکتساب فیض کی نیت سے یا کم از کم "لا یشقی جلیسھم" والی برکت ہی کی امید میں دور دور سے سفر کر کے ان حضرات کی خدمت میں حاضری اور حسب توفیق قیام کا اہتمام کرتے تھے۔ اور ان میں سے اکثر ان ایام میں دوسرے تمام مشاغل سے یکسو اور منقطع ہو کر، ذکر و عبادت، قرآن پاک کی تلاوت اور مجالس خیر و برکت میں شرکت وغیرہ اشغال میں مشغول رہتے تھے جن کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور اُس کا قرب نصیب ہو۔

اس عاجز و عاصی راقم سطور کو اللہ تعالیٰ کی توفیق سے رمضان مبارک کی "خانقاہ امدادیہ" کی بہار بھی دیکھنی نصیب ہوئی اور رائے پور کی خانقاہ "گلشن رحیمی" میں بھی رمضان المبارک میں حاضری اور قیام کی سعادت نصیب ہوئی اور الحمد للہ بار بار نصیب ہوئی اور وہ سماں آنکھوں میں ہے اور خدا کرے آخر دم تک رہے۔

پھر ہمارے یہ سب اکابر و مشائخ اللہ تعالیٰ کے مقرر فرمائے ہوئے قانون کے مطابق اپنا اپنا وقت پورا اور کام ختم کر کے اپنے مالک کے حضور میں پہنچ گئے تو طالبین کی بہت بڑی تعداد خاصکر رمضان مبارک میں سہارنپور شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا مدظلہ کی خدمت میں آنے لگی —— گزشتہ بعض رمضانوں میں تو ان طالبین کی تعداد سیکڑوں سے متجاوز ہو کر ہزار سے بھی اوپر پہنچ جاتی تھی، اور چونکہ خود حضرت ممدوح پورے رمضان مبارک کا اعتکاف فرماتے تھے اس لیے ان طالبین کی بڑی تعداد بھی پورے مہینے کا اعتکاف کرتی تھی، یہ سب حضرات پورا مہینہ حضرت شیخ مدظلہ کے مہمان رہتے تھے۔ جنھوں نے وہ منظر نہیں دیکھا وہ کسی کے بتلانے اور بیان کرنے سے اُس کا صحیح تصور بھی نہیں کر سکتے۔

اکثر حضرات کو معلوم ہوگا کہ کئی سال سے حضرت شیخ الحدیث مدظلہ کا قیام زیادہ تر مدینہ منورہ میں رہتا تھا سعودی حکومت کی طرف سے حضرت کو "اقامہ" یعنی قیام کا اجازت نامہ ملا ہوا تھا، لیکن ان طالبین حق ہی کی وجہ سے حضرت رمضان مبارک کے لیے سہارنپور تشریف

لے آتے تھے۔ حتیٰ کہ گزشتہ سال بھی جبکہ سعودی حکومت کی طرف سے حضرت کو حجازِ مقدس کی "شہریت" قانونی طور پر مل گئی تھی اور اس کے بعد حضرت نے ہجرت کی نیت فرمالی تھی، اس کے باوجود آپ حکومت ہند کے ویزا پر رمضان مبارک حسب معمول سہارنپور ہی میں گزارنے کے لیے تشریف لے آئے تھے۔ اس سال بھی آپ کے اہل محبت اور طالبین آپ کی تشریف آوری کے منتظر اور امیدوار تھے ـــــــ لیکن بمبئی سے حضرت کے خاص معتمد بھائی حاجی محمد یعقوب صاحب کا خط راقم سطور کو ۲۶ جون کو ملا جس میں موصوف نے لکھا تھا کہ مدینہ منورہ سے حضرت شیخ مدظلہٗ کا والا نامہ ملا ہے جس میں تحریر فرمایا گیا ہے کہ "مسلسل دورانِ سر اور ضعف بہت زیادہ بڑھ جانے کی وجہ سے ہندوستان نہ آنے کا فیصلہ کرلیا ہے، دوستوں کو یہ پیغام پہنچا دیا جائے کہ وہ اپنی اپنی جگہ رمضان مبارک اہتمام سے گزارنے کی کوشش کریں، جیسا کہ اس کا حق ہے۔"

اس کے بعد دوسری ڈاک سے اسی دن (۲۶ جون کو) خود حضرت شیخ مدظلہٗ کا گرامی نامہ اس عاجز کو ملا، اس میں بھی یہی اطلاع دی گئی ہے۔

راقم سطور، حضرت شیخ مدظلہٗ کے اہل محبت اور اہل تعلق کو ان سطروں کے ذریعہ حضرت کا یہ پیغام پہنچاتے ہوئے عرض کرتا ہے کہ گزشتہ سالوں میں جن طالبین نے سہارنپور میں حضرت کے ساتھ رمضان گزارا اور اس سال بھی اُن کی یہی نیت تھی وہ کوشش کریں کہ اپنی ہی جگہ یا وہیں کی کسی مسجد میں، جس کو مقصد کے لیے مناسب سمجھیں، رمضان مبارک کے دن اور رات حتی الوسع اُسی طرح گزاریں جس طرح حضرت شیخ الحدیث کے ساتھ گزارتے تھے ـــــــ اس سلسلہ میں عام اہل طلب کو خود حضرت شیخ کے دو رسالوں "فضائل رمضان" اور "حضرات اکابر کا رمضان" سے انشاء اللہ کافی رہنمائی مل سکے گی۔ واللہ الموفق

کتاب المعاملات

معارف الحدیث

(مسلسل)

ہدیہ تحفہ:-

تمدنی زندگی میں لین دین کی ایک شکل یہ بھی ہے کہ اپنی کوئی چیز ہدیہ اور تحفہ کے طور پر کسی کو پیش کر دی جائے ـــــ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ارشادات میں اس کی بڑی ترغیب دی ہے۔ اس کی یہ حکمت بھی بتلائی ہے کہ اس سے دلوں میں محبت و الفت اور تعلقات میں خوشگواری پیدا ہوتی ہے جو اس دنیا میں بڑی نعمت اور بہت سی آفتوں سے حفاظت اور عافیت و سکون حاصل ہونے کا وسیلہ ہے۔

ہدیہ وہ عطیہ ہے جو دوسرے کا دل خوش کرنے اور اس کے ساتھ اپنا تعلقِ خاطر ظاہر کرنے کے لیے دیا جائے اور اس کے ذریعہ رضائے الٰہی مطلوب ہو ـــــ یہ عطیہ اور تحفہ اگر اپنے کسی چھوٹے کو دیا جائے تو اس کے ساتھ اپنی شفقت کا اظہار ہے، اگر کسی دوست کو دیا جائے تو یہ ازدیادِ محبت کا وسیلہ ہے اگر کسی ایسے شخص کو دیا جائے جس کی حالت کمزور ہے تو یہ اس کی خدمت کے ذریعہ اس کی تطییب خاطر کا ذریعہ ہے اور اگر اپنے کسی بزرگ اور محترم کو پیش کیا جائے تو اُن کا اکرام ہے اور "نذرانہ" ہے۔

اگر کسی کو ضرورت مند سمجھ کر اللہ کے واسطے اور ثواب کی نیت سے دیا جائے تو یہ ہدیہ نہ ہوگا صدقہ ہوگا۔ ہدیہ جب ہی ہوگا جبکہ اس کے ذریعہ اپنی محبت اور اپنے تعلقِ خاطر

کا اظہار مقصود ہو اور اُس کے ذریعہ رضائے الٰہی مطلوب ہو ـــــ ہدیہ اگر اخلاص کے ساتھ دیا جائے تو اس کا ثواب صدقہ سے کم نہیں بلکہ بعض اوقات زیادہ ہوگا ـــــ ہدیہ اور صدقہ کے اس فرق کا نتیجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہدیہ شکریہ اور دعا کے ساتھ قبول فرماتے اور اس کو خود بھی استعمال فرماتے تھے ـــــ اور صدقہ کو بھی اگرچہ شکریہ کے ساتھ قبول فرماتے اور اس پر دعائیں بھی دیتے لیکن خود استعمال نہیں فرماتے تھے دوسروں ہی کو مرحمت فرما دیتے تھے۔

افسوس ہے کہ امت میں باہم مخلصانہ ہدیوں کے لین دین کا رواج بہت ہی کم ہوگیا ہے بعض خاص حلقوں میں بس اپنے بزرگوں، عالموں، مرشدوں کو ہدیہ پیش کرنے کا تو کچھ رواج ہے لیکن اپنے عزیزوں قریبوں، پڑوسیوں وغیرہ کے ہاں ہدیے بھیجنے کا رواج بہت ہی کم ہے حالانکہ قلوب میں محبت و الفت اور تعلقات میں خوشگواری اور زندگی میں چین و سکون پیدا کرنے اور اسی کے ساتھ رضائے الٰہی حاصل کرنے کے لیے یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بتلایا ہوا "نسخۂ کیمیا" تھا۔ اس تمہید کے بعد ہدیہ سے متعلق رسول اللہ علیہ وسلم کے مندرجہ ذیل چند ارشادات پڑھیے:

ہدیہ دلوں کی کدورت دور کر کے محبت پیدا کرتا ہے:-

عَنْ عَائِشَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ تَهَادَوْا فَإِنَّ الْهَدِيَّةَ تُذْهِبُ الضَّغَائِنَ ـــــ رواہ الترمذی

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتی ہیں کہ آپ نے فرمایا ـــــ "آپس میں ہدیے تحفے بھیجا کرو، ہدیے تحفے دلوں کے کینے ختم کردیتے ہیں۔" (جامع ترمذی)

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ تَهَادَوْا فَإِنَّ الْهَدِيَّةَ تُذْهِبُ وَحَرَ الصَّدْرِ وَلَا تُحَقِّرَنَّ جَارَةٌ لِجَارَتِهَا وَلَوْ شِقَّ فِرْسَنِ شَاةٍ ـــــ رواہ الترمذی

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے

ارشاد فرمایا کہ آپس میں ہدیے تحفے دیا کرو، ہدیہ سینوں کی کدورت و رنجش دور کر دیتا ہے، اور ایک پڑوسن دوسری پڑوسن کے ہدیہ کے لیے بکری کے کھر کے ایک ٹکڑے کو بھی حقیر اور کمتر نہ سمجھے۔

(تشریح) ہدیے تحفے دینے سے باہمی رنجشوں اور کدورتوں کا دور ہونا، دلوں میں جوڑ تعلقات میں خوشگواری پیدا ہونا بدیہی بات ہے ـــــ اللہ تعالیٰ اس زریں ہدایت پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے ـــــ حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث میں جو یہ اضافہ ہے کہ ایک پڑوسن دوسری پڑوسن کے لیے بکری کے کھر کے ٹکڑے کے ہدیہ کو بھی حقیر نہ سمجھے ـــــ اس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد بظاہر یہ ہے کہ ہدیہ دینے کے لیے یہ ضروری نہیں کہ بہت بڑھیا ہی چیز ہو، اگر اس کی پابندی اور اس کا اہتمام کیا جائے گا تو ہدیہ دینے کی نوبت بہت کم آئے گی۔ اس لیے بالفرض اگر گھر میں بکری کے پائے پکے ہیں تو پڑوسن کو بھیجنے کے لیے اس کے ایک ٹکڑے کو بھی حقیر نہ سمجھا جائے وہی بھیجا دیا جائے۔

(واضح رہے کہ یہ ہدایت اس حالت میں ہے جب اطمینان ہو کہ پڑوسن خوشی کے ساتھ قبول کرے گی اور اس کو اپنی توہین و تذلیل نہ سمجھے گی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں حول ایسا ہی تھا۔)

ہدیہ کا بدلہ دینے کے بارہ میں آپ کا معمول اور آپ کی ہدایت:۔

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْبَلُ الْهَدِيَّةَ وَيُثِيبُ عَلَيْهَا ـــــ رواہ البخاری

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول و دستور تھا کہ آپ ہدیہ تحفہ قبول فرماتے تھے اور اس کے جواب میں خود بھی عطا فرماتے تھے۔ (صحیح بخاری)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کوئی محب و مخلص ہدیہ پیش کرتا تو آپ خوشی سے قبول فرماتے تھے اور اللہ تعالیٰ کے ارشاد "هَلْ جَزَاءُ الْإِحْسَانِ إِلَّا الْإِحْسَانُ" کے

مطابق اُس ہدیہ دینے والے کو خود بھی ہدیے اور تحفے سے نوازتے تھے (خواہ اسی وقت عنایت فرماتے یا دوسرے وقت) —— آگے درج ہونے والی بعض حدیثوں سے معلوم ہوگا کہ آپ نے امت کو بھی اس طرز عمل کی ہدایت فرمائی ہے اور بلا شبہ مکارم اخلاق کا تقاضا یہی ہے، لیکن افسوس ہے کہ امت میں بلکہ خواص امت میں بھی اس کریمانہ سنت کا اہتمام بہت کم نظر آتا ہے۔

عَنْ جَابِرٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ أُعْطِيَ عَطَاءً فَوَجَدَ فَلْيَجْزِ بِهِ وَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَلْيُثْنِ فَإِنَّ مَنْ أَثْنٰى فَقَدْ شَكَرَ وَمَنْ كَتَمَ فَقَدْ كَفَرَ وَمَنْ تَحَلّٰى بِمَا لَمْ يُعْطَ كَانَ كَلَابِسِ ثَوْبَيْ زُوْرٍ

—— رواہ الترمذی وابوداؤد

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص کو ہدیہ تحفہ دیا جاوے تو اگر اُس کے پاس بدلہ میں دینے کے لیے کچھ موجود ہو تو وہ اُس کو دیدے اور جس کے پاس بدلہ میں تحفہ دینے کے لیے کچھ نہ ہو تو وہ (بطور شکریہ کے) اُس کی تعریف کرے اور اُس کے حق میں کلمۂ خیر کہے، جس نے ایسا کیا اُس نے شکریہ کا حق ادا کر دیا اور جس نے ایسا نہیں کیا اور احسان کے معاملہ کو چھپایا تو اُس نے ناشکری کی۔ اور جو کوئی اپنے کو آراستہ دکھائے اُس صفت سے جو اُس کو عطا نہیں ہوئی تو وہ اُس آدمی کی طرح ہے جو دھوکے فریب کے دو کپڑے پہنے۔ (جامع ترمذی، سنن ابی داؤد)

(تشریح) اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہدایت فرمائی ہے کہ جس کو کسی محب کی طرف سے ہدیہ تحفہ دیا جائے۔ تو اگر ہدیہ پانے والا اس حال میں ہو کہ اُس کے جواب اور صلہ میں ہدیہ تحفہ دے سکے تو ایسا ہی کرے اور اگر اس کی مقدرت نہ ہو تو اس کے حق میں کلمہ خیر کہے اور اس کے اس احسان کا دوسروں کے سامنے بھی تذکرہ کرے۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کو بھی شکر سمجھا جائے گا۔ (اور آگے درج ہونے والی ایک حدیث سے معلوم ہوگا کہ "جزاک اللہ" کہنے سے بھی یہ حق ادا ہو جاتا ہے)۔ اور جو شخص ہدیہ تحفہ پانے کے بعد اُس کا اخفا کرے، زبان سے ذکر تک نہ کرے "جزاک اللہ" جیسا کلمہ بھی نہ کہے تو وہ کفران نعمت اور ناشکری کا مرتکب ہوگا۔ حدیث کے آخری جملے "ومن تحلّی الخ" کا مطلب بظاہر یہ ہے کہ جو شخص اپنی زبان یا طرز عمل

یا خاص قسم کے لباس وغیرہ کے ذریعے اپنے اندر وہ کمال (مثلاً عالمیت یا شیخیت) ظاہر کرے جو اُس میں نہیں ہے تو وہ اُس دھوکہ باز اور فریبی بہروپیے کی طرح ہے۔ جو لوگوں کو دھوکہ دینے کے لیے باعزت اور باوقار لوگوں کا سا لباس پہنے ـــــ بعض شارحین حدیث نے لکھا ہے کہ عرب میں کوئی شخص تھا جو نہایت گھٹیا اور ذلیل درجہ کا آدمی تھا لیکن وہ باعزت اور باوقار لوگوں کے سے نفیس، اور شاندار کپڑے پہنتا تھا تاکہ اُس کو معززین میں سے سمجھا جائے اور اس کی گواہی پر اعتبار کیا جائے، حالانکہ وہ جھوٹی گواہیاں دیتا تھا۔ اُسی کو "لابس ثوبے زور" کہا گیا ہے ـــــ ہدیہ تحفہ سے متعلق مذکورۂ بالا ہدایت کے ساتھ اِس آخری جملہ کے فرمانے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد غالباً یہ ہے کہ کوئی شخص جس میں وہ کمالات اور وہ اوصاف نہ ہوں جنکی وجہ سے لوگ ہدیہ وغیرہ پیش کرنا سعادت سمجھتے ہیں۔ ایسا شخص اگر لوگوں کے ہدیے تحفے حاصل کرنے کے لیے اپنی باتوں اور اپنے لباس اور اپنے طرز زندگی سے وہ کمالات اور اوصاف اپنے لیے ظاہر کرے تو یہ فریب اور بہروپیا بن ہوگا اور یہ آدمی اُس روایتی "لابس ثوبے زور" کی طرح مکار اور دھوکے باز ہوگا۔ واللہ اعلم

محسنوں کا شکریہ اور اُن کے لئے دعائے خیر:۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ لَّمْ یَشْکُرِ النَّاسَ لَمْ یَشْکُرِ اللّٰهَ ـــــ رواہ احمد والترمذی

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے احسان کرنے والے بندہ کا شکریہ ادا نہیں کیا اس نے اللہ کا بھی شکر ادا نہیں کیا۔

(مسند احمد، جامع ترمذی)

(تشریح) بظاہر حدیث کا مطلب یہ ہے کہ چونکہ اللہ تعالیٰ کا یہ حکم ہے کہ جس بندے کے ہاتھ سے کوئی ہدیہ تحفہ کوئی نعمت ملے یا وہ کسی طرح کا بھی احسان کرے تو اُس کا شکریہ ادا کیا جائے اور اُس کے لیے کلمہ خیر کہا جائے، تو جس نے ایسا نہیں کیا اُس نے خدا کی بھی ناشکری اور نافرمانی کی ـــــ بعض شارحین نے اس حدیث کا یہ مطلب بھی بیان کیا ہے کہ جو احسان کرنے والے

بندوں کا شکر گزار نہ ہوگا وہ ناشکری کی اس عادت کی وجہ سے اللہ کا بھی شکر گذار نہ ہوگا۔

عَنْ اُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صُنِعَ اِلَيْهِ مَعْرُوْفٌ فَقَالَ لِفَاعِلِهٖ جَزَاكَ اللّٰهُ خَيْرًا فَقَدْ اَبْلَغَ فِي الثَّنَاءِ ——— رواه الترمذی

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جس آدمی پر کسی نے کوئی احسان کیا اور اس نے اس محسن کے لیے یہ کہہ کے دعا کی کہ "جزاك الله خيرًا" (اللہ تعالیٰ تم کو اس کا بہتر بدلہ اور صلہ عطا فرمائے) تو اُس نے (اس دعائیہ کلمہ ہی کے ذریعہ) اُس کی پوری تعریف بھی کر دی۔ (جامع ترمذی)

(تشریح) "جزاك الله خيرًا" بظاہر صرف دعائیہ کلمہ ہے لیکن اللہ کا بندہ جب کسی احسان کرنے والے کے لیے ان الفاظ میں دعا کرتا ہے تو گویا وہ اس کا اظہار و اعتراف کرتا ہے کہ میں اس کا بدلہ دینے سے عاجز ہوں بس میرا کریم پروردگار ہی تم کو اس کا اچھا بدلہ دے سکتا ہے میں اُسی سے عرض و استدعا کرتا ہوں کہ تمہارے اس احسان کا وہ اپنی شان عالی کے مطابق بہتر بدلہ عطا فرمائے۔ اس طرح اس دعائیہ کلمہ میں اُس احسان کرنے والے کی تعریف اور اس کے احسان کی قدر شناسی بھی مضمر ہے۔

عَنْ اَنَسٍ قَالَ لَمَّا قَدِمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِيْنَةَ اَتَاهُ الْمُهَاجِرُوْنَ فَقَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا رَاَيْنَا قَوْمًا اَبْذَلَ مِنْ كَثِيْرٍ وَلَا اَحْسَنَ مُوَاسَاةً مِنْ قَلِيْلٍ مِنْ قَوْمٍ نَزَلْنَا بَيْنَ اَظْهُرِهِمْ لَقَدْ كَفَوْنَا الْمُؤْنَةَ وَاَشْرَكُوْنَا فِي الْمَهْنَا حَتّٰى لَقَدْ خِفْنَا اَنْ يَّذْهَبُوْا بِالْاَجْرِ كُلِّهٖ فَقَالَ لَا مَا دَعَوْتُمُ اللّٰهَ لَهُمْ وَاَثْنَيْتُمْ عَلَيْهِمْ ——— رواه الترمذی

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے (اور مہاجرین نے انصار کی میزبانی اور اُن کے ایثار کا تجربہ کیا) تو ایک دن مہاجرین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ ہم نے کہیں ایسے لوگ نہیں دیکھے جیسے یہ لوگ ہیں جن کے ہاں آ کے ہم اترے ہیں (یعنی انصار مدینہ) زیادہ ہو تو

اس کو (فراخ حوصلگی اور دریا دلی سے ہماری میزبانی پر) خوب خرچ کرنے والے اور (کسی کے پاس) تھوڑا ہو تو اس سے بھی ہماری غم خواری اور مدد کرنے والے، انھوں نے محنت مشقت کی ساری ذمہ داری ہماری طرف سے بھی اپنے ذمہ لے لی ہے اور منفعت میں ہم کو شریک کرلیا ہے (اُن کے اس غیر معمولی ایثار سے) ہم کو اندیشہ ہے کہ سارا اجر و ثواب انھی کے حصہ میں آجائے (اور آخرت میں ہم خالی ہاتھ رہ جائیں) آپ نے فرمایا نہیں ایسا نہیں ہوگا جبتک اس احسان کے عوض تم اُن کے حق میں دعا کرتے رہوگے اور اُن کے لیے کلمۂ خیر کہتے رہوگے۔ (جامع ترمذی)

(تشریح) جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ معظمہ سے ہجرت فرما کے مدینہ پاک تشریف لے گئے اور آپ کے ساتھ مہاجرین کی بھی اچھی خاصی جماعت تھی جو آپ سے پہلے یا آپ کے بعد اپنے اپنے گھر چھوڑ کے مدینہ طیبہ آئے، تو جیسا کہ معلوم ہے ابتدائی ایام میں ان سب کو مدینہ طیبہ کے انصار نے بِللہ فی اللہ اپنا مہمان بنا لیا۔ کھیتی باڑی اور دوسرے کاموں میں خود محنت کرتے اور جو کچھ حاصل ہوتا اُس میں مہاجرین کو شریک کر لیتے۔ ان انصار میں اچھے دولت مند بھی تھے اور نادار غربا بھی لیکن اپنی اپنی حیثیت کے مطابق مہاجرین کی خدمت میں سب حصہ لیتے، جو دولت مند تھے وہ پوری دریا دلی سے مہاجرین پر اپنی دولت بے دریغ خرچ کرتے اور جو غربا تھے وہ بھی اپنا پیٹ کاٹ کے اُن کی خدمت اور مہمانداری کرتے تھے —— اس صورت حال سے مہاجرین کے دلوں میں یہ خیال آیا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ انصار کے اس غیر معمولی ایثار و احسان کی وجہ سے ہماری ہجرت اور عبادات وغیرہ کا ثواب بھی ہمارے انھی محسن میزبانوں کے حصہ میں آجائے اور ہم خسارہ میں رہیں —— انھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اپنا یہ خدشہ عرض کیا تو آپ نے اطمینان دلایا کہ ایسا نہ ہوگا، شرط یہ ہے کہ تم اُن کے اس احسان کے عوض اُن کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعائیں اور دل و زبان سے اُن کے احسان کا اعتراف اور شکر گزاری کرتے رہو۔ اللہ تعالیٰ تمہارے اتنے ہی عمل کو اُن کے احسان کے بدلے اور شکریے کے طور پر قبول فرمائے گا۔ اور تمہاری طرف سے اُن کے اس احسان و ایثار کا پورا بدلہ اپنے خزانۂ کرم سے عطا فرمائے گا۔

وہ چیزیں جن کا ہدیہ قبول ہی کرنا چاہیے :-

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ عُرِضَ عَلَیْهِ رَیْحَانٌ فَلَا یَرُدَّهٗ فَاِنَّهٗ خَفِیْفُ الْمَحْمَلِ طَیِّبُ الرِّیْحِ

——— رواہ مسلم

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کسی کو ہدیہ کے طور پر خوشبو دار پھول پیش کیا جائے تو اُس کو چاہیے کہ وہ اس کو قبول ہی کرے واپس نہ کرے کیونکہ وہ بہت ہلکی اور کم قیمت چیز ہے اور اس کی خوشبو باعث فرحت ہے۔

(صحیح مسلم)

(تشریح) پھول جیسی کم قیمت چیز قبول کرنے سے اگر انکار کیا جائے تو اس کا بھی اندیشہ ہے کہ بیچارے پیش کرنے والے کو خیال ہو کہ میری چیز کم قیمت ہونے کی وجہ سے قبول نہیں کی گئی اور اس سے اس کی دلشکنی ہو ——— اور ترمذی کی ایک روایت میں ہے کہ "جس کو خوشبودار پھول کا ہدیہ دیا جائے وہ واپس نہ کرے کیونکہ خوشبودار پھول جنت کا تحفہ ہے اور صحیح بخاری میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معمول بھی منقول ہے کہ آپ خوشبو کا ہدیہ واپس نہیں فرماتے تھے

عَنْ اِبْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ ثَلٰثٌ لَا تُرَدُّ، اَلْوَسَائِدُ وَالدُّهْنُ وَاللَّبَنُ

——— رواہ الترمذی

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تین چیزیں (بالخصوص) ایسی ہیں جن کو رد نہیں کرنا چاہیے قبول ہی کر لینا چاہیے۔ تکیے، اور تیل، اور دودھ۔

(جامع ترمذی)

(تشریح) ان تینوں چیزوں کی خصوصیت یہی ہے کہ دینے والے پر ان کا زیادہ بار نہیں پڑتا اور جس کو دی جائیں وہ ان کو استعمال کر کے ان سے فائدہ اٹھاتا ہے جس سے دینے والے کا جی خوش ہوتا ہے ——— اور بھی جو چیزیں اس حیثیت کی ہوں اُن کو بھی انہی پر قیاس کر لینا چاہیے۔

ہدیہ دے کر واپس لینا بڑی مکروہ بات :-

عَنِ ابْنِ عُمَرَ وَابْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَحِلُّ لِلرَّجُلِ أَنْ يُعْطِيَ عَطِيَّةً ثُمَّ يَرْجِعُ فِيهَا إِلَّا الْوَالِدُ فِيمَا يُعْطِي وَلَدَهُ، وَمَثَلُ الَّذِي يُعْطِي الْعَطِيَّةَ ثُمَّ يَرْجِعُ فِيهَا كَمَثَلِ الْكَلْبِ أَكَلَ حَتَّى إِذَا شَبِعَ قَاءَ ثُمَّ عَادَ فِي قَيْئِهِ

—— رواہ ابو داؤد والترمذی والنسائی وابن ماجہ

حضرت عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کسی آدمی کے لیے یہ جائز اور درست نہیں ہے کہ وہ کسی کو کوئی چیز عطیہ کے طور پر دیدے پھر اس کو واپس لے —— ہاں اگر باپ اپنی اولاد کو کچھ دے تو وہ اس سے مستثنیٰ ہے (یعنی اس کے لیے واپسی کی گنجائش ہے۔ کیونکہ اولاد پر باپ کا ہر طرح کا حق ہے۔) —— اس کے بعد آپ نے ہدیہ اور عطیہ کی واپسی کی قباحت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ جو شخص ہدیہ اور عطیہ دے کر واپس لے اس کی مثال اس کتے کی سی ہے کہ اس نے ایک چیز کھائی، یہاں تک کہ جب خوب پیٹ بھر گیا تو اس کو قے کر کے نکال دیا، پھر اپنی اس قے ہی کو کھانے لگا۔ (سنن ابی داؤد، جامع ترمذی، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ)

تشریح) ہدیہ دے کر واپس لینے کے لیے اس سے زیادہ صحیح اور موثر کوئی مثال نہیں ہو سکتی۔

کن لوگوں کو ہدیہ لینا منع ہے :-

عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَدَايَا الْإِمَامِ غُلُوْلٌ

—— رواہ الطبرانی فی الاوسط

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ امام وقت (یعنی حاکم اور فرمانروا) کے ہدیے "غُلُول" (یعنی ایک طرح کی خیانت و رشوت اور ناجائز استحصال کے قبیل سے ہیں)۔ (معجم اوسط للطبرانی)

عَنْ اَبِیْ اُمَامَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ شَفَعَ لِاَحَدٍ شَفَاعَۃً فَاَھْدٰی لَہٗ ھَدِیَّۃً عَلَیْھَا فَقَبِلَھَا فَقَدْ اَتٰی بَابًا عَظِیْمًا مِنْ اَبْوَابِ الرِّبَا ـــــ رواہ ابوداؤد

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس نے کسی شخص کے لیے (کسی معاملہ میں) سفارش کی تو اگر اس شخص نے اس سفارش کی بنا پر سفارش کرنے والے کو کوئی ہدیہ پیش کیا اور اس نے وہ ہدیہ قبول کر لیا تو وہ سود کی ایک بڑی خراب قسم کے گناہ کا مرتکب ہوا۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح ؛ حضرت جابر اور حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہما کی ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوا کہ ہدیہ وہی قابل قبول ہے جو اخلاص کے ساتھ ہو اور غلط قسم کی اغراض کا شبہ اور شائبہ بھی نہ ہو ـــــ اللہ تعالیٰ ہم مسلمانوں کو توفیق دے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لین دین کے سلسلہ کی ان تمام ہدایات کی روح کو سمجھیں اور ان کی پابندی اور پیروی کو اپنی زندگی کا اصول بنائیں۔

مولانا نسیم احمد فریدی امروہی

کاروانِ اہلِ فضل وکمال

تلامذہ حضرت شاہ محمد اسحٰق صاحب محدث دہلوی مہاجرؒ

(۸)

مولانا شیخ محمد محدث تھانویؒ

صاحب نزہۃ الخواطر مولانا حکیم سید عبدالحیٔ حسنیؒ آپ کے تذکرہ میں رقمطراز ہیں:۔

(الشیخ الفاضل الکبیر محمدؒ ابن احمد اللہ العمری التھانوی

آپ تھانہ بھون ضلع مظفر نگر میں پیدا ہوئے۔ آپ نے مولانا عبدالرحیم تھانویؒ اور مولانا محمد قلندر محدث جلال آبادیؒ سے تعلیم حاصل کی۔ پھر دہلی گئے اور وہاں مولانا مملوک علی نانوتویؒ سے علوم متعارفہ پڑھے۔ منطق وحکمت مولانا فضل حق خیرآبادیؒ سے پڑھی۔ بعدہٗ شاہ محمد اسحٰق محدث دہلویؒ کی خدمت میں آئے اور علم حدیث حاصل کیا۔ آپ مُفرطُ الذکاء، سریع الادراک، قوی الحفظ اور شیریں کلام تھے۔ بچپن میں حضرت سید احمد شہیدؒ سے بیعت ہوئے۔ جب سن رشد کو پہونچے تو پھر میاں جی نور محمد جھنجھانویؒ سے طریقہ سیکھا۔ آپ ٹونک بھی گئے اور وہاں تعلیم وتدریس پر مقرر ہوئے۔ ایک عرصہ تک ٹونک میں رہنے کے بعد اپنے وطن لوٹے اور اپنی پوری عمر ارشاد وتلقین میں صرف کی۔ آپ کی بہت سی تصنیفات ہیں جن میں سے چند حسب ذیل ہیں:۔

---

[۱] مولانا کا نام درحقیقت شیخ محمد تھا۔ لفظ شیخ ان کے نام کا جزو ہے جیسا کہ خود حضرت مولانا کی تحریروں سے اور ان کے بعض اشعار اور حالات محمدیہ مؤلفہ حکیم محمد عمر صاحب تھانوی سے معلوم ہوتا ہے۔

(۱) دلائل الاذکار (۲) القسطاس فی اثر ابن عباس (۳) ارشاد محمدی
(۴) المکاتبۃ المحمدیہ (۵) المناظرۃ المحمدیہ (۶) تفضیل الختنین (۷) حاشیہ
شرح عقائد۔

۱۲۹۶ھ میں آپ کا وصال ہوا۔ ۶۶ سال کی عمر پائی۔ آپ کی تاریخ وفات اور مدت عمر مولانا اشرف علی تھانویؒ نے مجھے بتائی تھی۔ (نزہۃ الخواطر جلد ہفتم)

حالات محمدیہ مؤلفہ مولانا محمد عمر تھانوی میں آپ کے سوانح و حالات تفصیل سے لکھے گئے ہیں۔ ذیل میں اس کتاب سے اخذ کرکے آپ کے کچھ حالات پیش کیے جاتے ہیں[۱]:۔

مولانا شیخ محمد صاحب کے والد کا نام نامی مولانا احمد اللہ تھا۔ آپ تھانہ بھون میں ۲۰ جمادی الاولیٰ ۱۲۳۰ھ کو پیر کے دن پیدا ہوئے۔ آپ پانچ سال کے تھے کہ آپ کی والدہ کا اور دس سال کے تھے کہ والد کا انتقال ہو گیا۔ آپ کا سلسلہ نسب حضرت عمر فاروقؓ سے ملتا ہے۔ گیارہ سال کی عمر میں آپ نے قرآن مجید حفظ کیا۔ بعد ازاں فارسی شروع کی اور پھر مولانا عبدالرحیم صاحب سے عربی صرف و نحو کی کتابیں پڑھیں۔ آپ نے مولانا محمد قلندر جلال آبادیؒ سے بھی تعلیم حاصل کی۔ مولانا پندرہ سال کے تھے کہ دہلی میں حضرت شاہ محمد اسحٰق محدثؒ سے حدیث پڑھی ۱۹ سال کی عمر میں تمام علوم وفنون مثلاً حدیث، فقہ، تفسیر، اصول، فرائض، کلام، منطق، ریاضی اور فلسفہ سے فراغت کی سند حاصل کی۔

حصول تعلیم کے بعد آپ نے اپنے وطن تھانہ بھون میں قیام کیا اور اہل وطن کو وعظ اور تعلیم و تدریس کے ذریعہ فیض پہونچایا۔ آپ نے پہلے حافظ محمد ضامن شہیدؒ سے جو کہ رشتہ میں آپکے ماموں ہوتے تھے، روحانی فیض حاصل کیا۔ بعد ازاں میاں جی نور محمد جھنجھانویؒ سے بیعت کی اور ان کے خلیفہ مجاز ہوئے۔ جس زمانے میں حضرت مولانا سید احمد شہیدؒ تھانہ بھون پہونچے تو آپکے بزرگوں نے مولانا کو بھی برکت کے طور پر حضرت سید صاحبؒ سے بیعت کرا دیا۔

---

[۱] حالات محمدیہ کو پیش نظر رکھ کر احقر نے حضرت شیخ محمد محدث تھانویؒ پر ایک مفصل و مبسوط مقالہ لکھا تھا جو ماہنامہ تذکرہ دیوبند بابتہ اپریل ۱۹۶۲ء میں شائع ہو چکا ہے۔

۱۲۶۲ھ میں ٹونک کے نواب وزیر الدولہ کی خواہش پر احادیث تہذیبِ اخلاق کا کام ٹونک میں رہ کر انجام دیا۔ بعد ازاں ۱۲۶۳ھ میں حرمین شریفین کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ مکہ معظمہ میں حضرت شاہ محمد اسحٰق محدث دہلویؒ (المتوفی ۱۲۶۲ھ) کے چھوٹے بھائی شاہ محمد یعقوب صاحب مہاجر (م ۱۲۸۲ھ) سے سندِ علوم پائی اور خرقۂ خلافت حاصل کیا۔

حج کے بعد مدینہ منورہ تشریف لے گئے اور پھر ۱۲۶۴ھ میں حدیدہ اور عدن کے راستے سے بمبئی پہونچے۔ اثنائے راہ میں امام ابوالحسن شاذلی یمنیؒ کے مزار پر حاضری اور فاتحہ پڑھنے کی سعادت حاصل ہوئی۔ ۱۲۶۴ھ سے ۱۲۷۰ھ تک آپ میرٹھ میں مسجد خیر المساجد واقع خیر نگر میں مقیم رہے جہاں بہت سے لوگوں نے آپ سے بیعت کی۔ میرٹھ میں آپ نے ذکر و فکر اور درس و تدریس کا شغل جاری رکھا۔ ۱۲۷۰ھ میں نواب وزیر الدولہ مرحوم کے صاحبزادے نواب محمد علی خاں کی خواہش پر ٹونک تشریف لے گئے، جہاں نواب صاحب نے آپ سے حدیث پڑھی۔ آپ کا قیام اس مرتبہ ٹونک میں ۱۲۸۰ھ تک رہا۔

جہاد ۱۸۵۷ء میں آپ کو اپنے رفقاء[1] حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ اور حضرت حافظ ضامن صاحب شہیدؒ کی رائے سے اختلاف تھا، لیکن یہ اختلاف ایسا نہ تھا جس سے آپس میں کوئی رنجش پیدا ہوتی آپ نے نہ تو مجاہدین کی مخالفت کی اور نہ مجاہدین نے آپ کے اختلاف سے نفرت کا اظہار کیا۔ بلکہ یہ ایک اجتہادی اختلاف تھا۔ آپ کے اخلاق و عادات کے متعلق آپ کے مرید حکیم محمد عمر چرتھانوی حالاتِ محمدیہ میں لکھتے ہیں:-

"آپ ہمیشہ پاک و صاف، نفیس و شفاف کپڑے پہنا کرتے تھے اور لطیف و قلیل کھانا کھاتے

---

[1] حضرت حافظ ضامن شہیدؒ، حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر اور حضرت شیخ محمد محدث، مسجد پیر محمد کے تین حجروں میں رہتے تھے اور تینوں حضرات کے متوسلین کا اجتماع رہتا تھا۔ ذکر و فکر کی محفلیں آباد تھیں۔ اسی وجہ سے اس تاریخی مسجد کو دکانِ معرفت، کہا جاتا تھا۔ اسی مسجد کے جنوب میں خانقاہ امدادیہ اب تک موجود ہے جس میں حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے آخری وقت تک تزکیۂ نفس، تہذیب اخلاق، اور تصنیف و تالیف کا کام جاری رکھا اور ذکر و شغل کے انوار سے مسجد و خانقاہ کے در و بام کو بدستور سابق منور کیا۔

تھے، دوسرے تیسرے دن جاڑوں میں اور گرمیوں میں اکثر روزانہ نہاتے تھے۔ آپ کسی حالت میں کسی فرد بشر کی عیب بینی اور اس پر نکتہ چینی نہیں کرتے تھے۔ کبھی کسی کو بُرا نہ کہتے اور کسی وقت بے وضو نہیں رہتے تھے۔ آٹھ پہر میں کل چار گھنٹے آرام فرماتے۔ ہر امر میں اتباعِ سنّت فرماتے تھے۔
آپ سے مسائل معلوم کرنے والوں میں بعضا آدمی بے تکے سوال کرتا اور بہت سمع خراشی کرتا تھا۔ مگر آپ جواب میں ذرا بھی سختی کو کام میں نہ لاتے تھے، نہایت نرمی سے مکرّر سہ کرّر سمجھاتے۔ کبھی کسی سے ترش روئی یا خفگی سے پیش نہ آتے تھے۔ بلا وجہ کسی سے بغض نہیں رکھتے تھے۔ بلا ضرورت شرعی کہیں نہ جاتے۔ ہر وقت اپنی قیام گاہ میں بیٹھا رہنا پسند فرماتے اور سفر میں باوجود سواری موجود ہونے کے کوسوں تک پیدل چلتے تھے۔ آپ کی صورت بہت حسین تھی۔ آپ کا حافظہ بھی بہت اچھا تھا۔ جو کتاب ایک دفعہ دیکھ لی آخر تک از بر تھی۔ تفسیر، اصول فقہ اور حدیث میں خاص ملکہ تھا۔

یوں تو آپ کے سیکڑوں شاگرد اور ہزاروں مرید تھے لیکن ان مریدوں میں آپ کے خلیفہ قاضی محمد اسمٰعیل[1] منگلوریؒ حکیم محمد عمر جیؒ تھالویؒ اور شاگردوں میں نواب محمد علی خاں والی ٹونک، دیوان شمس الدین نائب ریاست ٹونک اور قاضی شیخ محمد محدث مچھلی شہری (قاضی بھوپال) خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ آپ اپنے زمانے کے زبردست صاحب نسبت بزرگ اور بلند مرتبہ محدث تھے ——
آپ نے تصنیفات کا ایک اچھا خاصہ ذخیرہ چھوڑا ہے جو حسب ذیل ہے:-
(۱) دلائل الافکار (۲) مناظرہ محمدیہ مصنفہ ۱۲۶۴ھ (بجواب رسالہ مولانا عبد الحق خیر آبادیؒ جو کہ انھوں نے امام رازیؒ کے بعض اقوال کی تردید میں لکھا تھا) (۳) مکاتیب محمدیہ" جواب اعتراض مولوی بشیر الدین قنوجی (۴) ارشاد محمدی (فی الاشغال والاعمال) (یہ رسالہ ۱۲۷۰ھ میں میرٹھ کے قیام کے زمانہ میں طبع ہو کر شائع ہوا تھا) (۵) انوار محمدی فی المراقبات والمشاہدات (یہ رسالہ مطبع ضیائی میرٹھ میں طبع ہوا) (۶) رسالہ صلوٰۃ (۷) الہامات محمدیہ (۸) قسطاس فی موازنۃ اخراجن

---

[1] قاضی محمد اسمٰعیل منگلوریؒ کے صاحبزادے قاضی عبد الغنی منگلوری تھے۔ ہندوستان کے دو مشہور و معروف شاعر اصغر گونڈویؒ اور جگر مرادآبادیؒ قاضی عبد الغنی منگلوریؒ سے ہی بیعت تھے۔

عباس (یہ کتاب مولانا عبدالحی فرنگی محلی کی کتاب دافع الوسواس کے جواب میں تحریر فرمائی ہے) (۹) بیاض محمدی حصہ اول (یہ کتاب مجرب اعمال و نقوش میں ہے اور مسلم پریس دہلی میں چھپ چکی ہے) (۱۰) بیاض محمدی حصہ دوم (۱۱) شرح نسائی (۱۲) رسالہ گل و لالہ (یہ رسالہ فن تصوف میں ہے اور میاں جی نور محمد جھنجھانوی کی زندگی میں لکھا گیا ہے) (۱۳) فتاویٔ محمدی (۱۴) سماع موتیٰ (یہ رسالہ آخر ماہ صفر ۱۲۹۶ھ میں لکھا گیا ہے اور آپ کی آخری تصنیف ہے جو بوجہ کمزوری حکیم محمد عمر تھانوی کو بول کر لکھائی اور مولانا رحم الٰہی منگلوری کو جو اس روز اتفاق سے رک گئے تھے سنائی۔ یہ رسالہ دراصل سماع موتیٰ کے ایک استفسار کے جواب میں ہے) (۱۵) تنبیہ دقتر بنفشم حکیم محمد عمر صاحب نے مولانا کی ۳۲ کتابوں کا ذکر کیا ہے جو انھوں نے تصنیف کی تھیں لیکن دیگر کتابوں کے نام نہیں لکھے۔

قاضی محمد اسمٰعیل منگلوری نے اپنے رسالے تنبیہ کے حاشیے میں ایک اور کتاب کا حوالہ دیا ہے جس کا نام فیضان محمدی ہے۔

کتب مذکورہ میں رسالہ "گل و لالہ" اور "فتاویٰ محمدی" نہیں چھپیں بقیہ مذکورہ بالا کتابیں چھپ چکی تھیں۔ آپ کے پاس ایک بڑا کتب خانہ تھا جو ورثا میں منتقل ہوا۔ مولانا کے بڑے صاحبزادے مولانا محمود احمد[1] تھے جن کے چار لڑکے میاں مسعود احمد، میاں محمد احمد، میاں محمد اعلیٰ اور حافظ محمد افضل تھے۔ —— پہلے دونوں صاحبزادے پاکستان چلے گئے تھے، موخرالذکر یعنی حافظ محمد افضل کے دو لڑکے میاں اسلم اور میاں اکمل، مولوی عبدالاحد صاحب مالک مطبع مجتبائی دہلی کے نواسے تھے۔ ۱۹۴۷ء تک یہ کتب خانہ جناب اسلم صاحب کے پاس تھا، لیکن جب وہ پاکستان چلے گئے تو ان کے جاتے ہی پناہ گزین حضرت مولانا کے مکان پر قابض ہو گئے اور انھوں نے تمام کتب خانہ ردّی میں کسی دوسری جگہ جاکر فروخت کر دیا[2]۔

---

[1] مولانا کی کنیت ابو المحمود آپ کے ان ہی صاحبزادے کے نام پر تھی۔ حضرت مولانا شیخ محمدؒ نے کئی نکاح کیے تھے۔ آپ کی ایک بیوی سے مولانا محمود احمد اور ایک صاحبزادی پیدا ہوئیں۔ دوسری بیوی سے مولانا محمد عمر اور ایک لڑکی تھیں اور تیسری بیوی سے حافظ محمد صدیق صاحب تھے۔ [2] اس کتب خانہ کا یہ حال مجھے مولانا سید حامد حسن صاحب امروہی خلیفہ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے ایک خط سے معلوم ہوا جو انھوں نے احقر کے جواب میں لکھا تھا۔

اسلم صاحب کے مکان کے برابر میں جامعہ اشرفیہ کے ایک مدرس رہتے تھے، جو کتابیں باقی رہ گئی تھیں انھوں نے خرید لیں۔ اس طرح یہ نادر کتب خانہ ختم ہو گیا ـــــــ باقی رہے نام اللہ کا ـــــــ آپ نے ۱۰ ربیع الثانی ۱۲۹۶ھ کو بروز سہ شنبہ تھانہ بھون میں انتقال فرمایا۔

شیخ محمد مرحوم سے آپ کی تاریخ وفات نکلتی ہے۔
۱۲۹۶ھ

مولانا جمال الدین دہلویؒ

(مولانا منشی جمال الدین ابن وحید الدین ابن محی الدین ابن حسام الدین صدیقی کوتانوی دہلوی)

آپ ۱۲۱۷ھ میں بمقام کوتانہ جو کہ دہلی سے ۳۰ میل پر واقع ہے پیدا ہوئے اور وہیں نشو ونما پائی۔ پھر بغرض تحصیل علوم دہلی کا سفر کیا اور یہاں پر مولانا مملوک علی نانوتویؒ، شاہ محمد یعقوب دہلویؒ اور ان کے بڑے بھائی شاہ محمد اسحٰق محدث سے پڑھا۔ شاہ رفیع الدین محدث دہلوی اور ان کے بڑے بھائی شاہ عبد العزیزؒ محدث نیز حضرت شاہ غلام علی مجددی دہلویؒ سے بھی علمی و روحانی استفاضہ کیا تھا۔ اولاً آپ شاہ محمد آفاق نقشبندیؒ سے بیعت تھے، پھر شاہ محمد یعقوب دہلویؒ سے اپنا تعلق قائم کیا اور عرصے تک ان کی خدمت میں رہے۔

۳۳ سال کی عمر میں تقدیر آپ کو بھوپال لے آئی۔ یہاں سکندر بیگم والیۂ بھوپال نے آپ سے نکاح کیا اور آپ کو بھوپال کا مدار المہام بنا دیا۔ ۱۲۶۳ھ سے آپ تمام عمر سکندر بیگم اور ان کی صاحبزادی شاہجہاں بیگم کے نائب رہے۔ آپ بہت حلیم، سخی، متواضع، کثیر العبادت اور صاحب صدق و اخلاص تھے۔ برابر تدریس قرآن اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر میں مشغول رہتے تھے۔ یتیموں اور ضعیفوں کی خبر گیری رکھتے تھے۔ نیز بیوگان اور تجہیز دوشیزگان کا خاص خیال رکھتے تھے۔ اشاعتِ سنّت اور نشرِ قرآن آپ کا محبوب مشغلہ تھا۔ خود قرآن کی تلاوت کرتے، قرآن کا درس دیتے۔ .. ..

.. .. .. قرآن کے نسخوں کو بڑی بڑی قیمتیں دے کر خریدتے تھے اور مستحقین پر تقسیم کر دیتے

تھے آپ کے آثار باقیہ میں سے یہ بات بھی ہے کہ آپ نے شیخ علی مہائمی کی تفسیر رحمانی کو کئی جلدوں میں طبع کرایا۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی دو مشہور اور معرکۃ الآرا کتابیں حجۃ اللہ البالغہ اور ازالۃ الخفا، آپ ہی نے طبع کرائیں اور ان کتابوں کو محققین پر تقسیم کر دیا۔ آپ کے آثار باقیہ میں سے یہ بھی ہے کہ آپ نے ترکی اور افغانی زبانوں میں قرآن کی تفسیر کو اپنا مال کثیر خرچ کر کے طبع کرایا اور بلاد ترکستان و افغانستان و روم میں شائع کیا۔

آپ کے آثار خیر میں سے یہ بھی ہے کہ آپ نے بڑے بڑے مدارس اور اونچی اونچی مسجدیں شہر بھوپال میں بنوائیں۔ یہاں پر مسجدوں کی کثرت اور ان کی آبادی، کثرت تلاوت قرآن، کثرت درس حدیث، اشاعت تشریع اور تورع میں آپ کا بہت کچھ حصہ ہے۔ آپ صورت و سیرت دونوں میں یگانۂ روزگار تھے۔ آپ مسجد میں اہتمام کے ساتھ جماعت کی نماز ادا کرتے تھے۔ مسجد میں اپنا جوتا خود اٹھاتے تھے۔ آپ کے محل سرائے میں دربانوں اور پاسبانوں کا کوئی کام نہ تھا۔ جو شخص جس وقت آپ کے پاس جانا چاہتا بے تکلف جا سکتا تھا اور اپنا مقصد پیش کر سکتا تھا۔

خلاصہ یہ ہے کہ آپ صحابہ کرامؓ کے اخلاق کا نمونہ تھے۔ آپ کا انتقال ۱۲۹۹ھ میں ہوا۔ (کما فی روز روشن)

(ماخوذ از نزہۃ الخواطر جلد ہفتم)

مولانا مفتی عتیق الرحمان عثمانی

حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ

مختصر حالات زندگی

[ناچیز مدیر الفرقان نے جناب مولانا مفتی عتیق الرحمٰن صاحب عثمانی زید مجدہم سے درخواست کی تھی کہ وہ اپنے عم محترم استاذنا حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات زندگی پر ایک مقالہ تحریر فرما دیں ــــ یہ عاجز شکر گزار ہے کہ انھوں نے گوناگوں مصروفیات کے باوجود مندرجہ ذیل مقالہ ارقام فرما دیا جو بلا مبالغہ دریا بکوزہ کی مثال ہے، مفتی صاحب نے یہ مقالہ ایک سفر میں عجلت میں تحریر فرمایا ہے اس لیے حضرت مولاناؒ کی زندگی کے بعض اہم واقعات اس میں ذکر سے رہ گئے ہیں، راقم سطور کے توجہ دلانے پر مفتی صاحب نے ایک مکتوب میں تحریر فرمایا ہے کہ اگر توفیق ملی تو انشاء اللہ کبھی اس کا تکملہ لکھ دیا جائے گا۔]

عم محترم کا پہلا نام فضل اللہ تھا، دوسرا نام جس سے مشہور ہوئے شبیر احمد ہوا جو شاید عشرۂ محرم میں پیدائش کی وجہ سے رکھا گیا تھا ــــ فوائد قرآن مجید کے ختم پر تحریر فرمایا ہے۔

"العبد الفقیر فضل اللہ الموعوبہ شبیر احمد ابن مولانا فضل الرحمٰن عثمانی وکان ابی سمانی فضل اللہ وکان ینشد

ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاءُ ولو کرہ الاعداء من کل حاسد

ولادت تاریخ ولادت، محرم الحرام ۱۳۰۵ھ مطابق ۱۸۸۵ء ہے، دادا مرحوم مولانا فضل الرحمان عثمانی ان دنوں بریلی کے علاقے میں ڈپٹی انسپکٹر مدارس تھے۔ مولانا کی ولادت وہیں ہوئی ہے۔ شجرۂ نسب حضرت عثمان ذی النورین رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے جو معلوم ومعروف ہے۔ والد ماجد حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحب مفتی اعظم دار العلوم دیوبند

اور بڑے چچا حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند، آپ کے بڑے بھائی تھے۔ اور دوسرے بھائی مولوی محبوب الرحمٰن صاحب (مولوی یعقوب الرحمٰن مرحوم سابق لیکچرر دینیات جامعہ عثمانیہ حیدرآباد کے والد) اور مولانا مطلوب الرحمٰن (میاں عامر عثمانی مرحوم کے والد تھے) جو دونوں ان سے بڑے تھے۔ بابو سعید احمد پوسٹل مینشنر اور سابق ناظم محاسبی دارالعلوم دیوبند اور بابو فضل حق پوسٹ ماسٹر چھوٹے بھائی تھے۔ بابو فضل حق فضلی کی لڑکی عزیزہ منیبہ مولانا کی زیر پرورش رہی گویا یہی ان کی اولاد تھی، بھائیوں میں اب کوئی نہیں سب رخصت ہو چکے ہیں، مولوی محبوب الرحمٰن صاحب ملک کی تقسیم سے بہت پہلے فوت ہو گئے تھے، بابو سعید احمد تقسیم کے بعد ہندوستان میں اور بابو فضل حق فضلی پاکستان میں فوت ہوئے۔

ابتدائی تعلیم

۱۳۱۲ھ میں دارالعلوم دیوبند کے درجہ قرآن کے استاذ حافظ محمد عظیم صاحب دیوبندی کے سامنے "بسم اللہ" کی تقریب ہوئی اور قرآن مجید کے ساتھ اردو کی بعض کتابیں بھی پڑھیں یہاں یہ بات لائق ذکر ہے کہ مرحوم اگرچہ بہت صاف اور رواں قرآن پڑھتے تھے لیکن باضابطہ حافظ نہیں تھے، ایک زمانہ کے بعد حفظ قرآن کا شوق ہوا اور ۲۰ پارے یاد کر لیے، ۱۶ پارے شروع کے اور ۴ آخر کے، قرآن مجید پہلے ہی سے خوب رواں تھا باقاعدہ حفظ کے بعد تو اس روانی میں عجیب کیفیت پیدا ہو گئی تھی، ایک سال ہماری مسجد (چھوٹی مسجد) میں پورے مہینے کا اعتکاف کیا، دن، رات کے بڑے حصے میں تلاوت ہی کرتے تھے، میں نے ایک دفعہ عرض کیا "بیس پارے تو آپ نے باقاعدہ حفظ کر لیے ہیں، باقی دس بھی ہو جاتے تو اچھا تھا" فرمایا "اب متشابہے قابو میں نہیں آتے اور کچا حفظ اچھا نہیں لگتا، انھیں بیس پاروں کو قابو میں رکھتا ہوں۔ حضرت والد ماجد کی رحلت کے بعد ایک مرتبہ چھوٹی مسجد میں پورا قرآن پاک تراویح میں بڑے شوق سے سنا، میں نے چاہا ختم کی تقریب یوں ہی سادہ طریقے سے ہو جائے، شیرینی وغیرہ کا اہتمام نہ کیا جائے، فرمایا "اس خشکی اور سختی کی ضرورت نہیں ہے، شیرینی تقسیم ہو گی" چنانچہ حکم کی تعمیل کی گئی۔

۱۳۱۶ھ میں حساب کے مشہور استاذ (مولانا ظہور احمد صاحب استاذ درجہ علیا دارالعلوم دیوبند کے والد) جناب منشی منظور احمد صاحب سے حساب اور فارسی کی ابتدائی کتابیں پڑھیں

اور فارسی کی بڑی کتابیں اُستاذ الکل مولانا محمد یٰسین صاحب (والد ماجد مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مرحوم
سے پڑھیں، میری ولادت کے سال سنہ ۱۳۱۹ھ میں دار العلوم میں عربی کی تعلیم شروع کی۔

فراغت اور تدریس کا آغاز

سنہ ۱۳۲۵ھ میں فراغت پائی، دورۂ حدیث میں اول نمبر آئے، فراغت کے بعد چند ماہ دار العلوم میں درس دیا، اور پھر مدرسہ عالیہ فتح پوری دہلی میں صدر مدرس ہو کر تشریف لے گئے، مرحوم کے پرانے ساتھی علامہ محمد ابراہیم صاحب بلیاوی مرحوم اور مولانا عبد السمیع صاحب مرحوم دیوبندی بھی اسی مدرسہ میں مدرس مقرر ہو کر پہونچ گئے اور اس طرح تینوں قدیم دوست یکجا ہو گئے۔

سنہ ۱۳۲۵ھ میں جدِ محترم مولانا فضل الرحمٰن صاحب کا انتقال ہو گیا، میری عمر اس وقت ۶ سال کی تھی، اس وقت کی بہت سی باتیں یاد ہیں، دادا مرحوم کے انتقال پر اُن کی اور مولانا مطلوب الرحمان صاحب کی گریہ وزاری بھی یاد ہے، یہ بھی یاد ہے کہ دادا مرحوم ڈولے میں بیٹھ کر پنشن لینے جایا کرتے تھے اور واپس آکر بچوں کو پیسے تقسیم کرتے تھے۔ مجھے بھی دو آنے دیا کرتے تھے۔

دار العلوم کا جلسہ دستار بندی اور اس میں مولانا کی تقریر

سنہ ۱۳۲۸ھ مطابق سنہ ۱۹۱۰ء میں دار العلوم دیوبند کا عدیم النظیر تاریخی جلسہ دستار بندی ہوا تھا، اسی اجتماع سے دار العلوم کی غیر معمولی شہرت کا آفتاب بام عروج پر پہونچا، اور نشاۃ ثانیہ کی ابتدا ہوئی، مرحوم کی پہلی وہ تقریر جس سے تقریر و بیان میں ان کا تفوق و امتیاز ظاہر ہوا، اسی اجتماع میں ہوئی تھی، اسی تقریر پر ایک بزرگ نے فرمایا تھا "شبیر کو اچھی تقریر کرنے کا ڈھنگ آگیا ہے" اس وقت کس کو خبر تھی کہ آگے چل کر یہی "شبیر" ملک بلکہ دنیائے اسلام کے عظیم خطیب اور عدیم المثال مقرر ہوں گے۔

دار العلوم میں باضابطہ استاذ کی حیثیت سے تقرر

اسی سال سنہ ۱۳۲۸ھ میں آپ کے استاذ حضرت شیخ الہندؒ اور دار العلوم کے دوسرے ذمہ دار حضرات نے دار العلوم میں استاذ کی حیثیت سے آپ کے باضابطہ تقرر کا فیصلہ کیا اور شروع ہی سے اہم اسباق آپ کے سپرد ہوئے اور ۵-۶ سال کے بعد جب حضرت شیخ الہندؒ نے سنہ ۱۳۳۳ھ میں حجاز مقدس کا سفر کیا تو اس کے بعد سے بالخصوص مسلم شریف کا درس آپ ہی سے متعلق رہا جس کی ملک کے درسی حلقوں میں غیر معمولی شہرت تھی۔

مؤتمر الانصار کا اجلاس مراد آباد اور مرحوم کا زبردست مقالہ

شوال ۱۳۲۹ھ مطابق اپریل ۱۹۱۱ء میں مؤتمر الانصار مراد آباد کے باوقار اور عظیم الشان اجلاس میں مولانا عبید اللہ سندھی مرحوم کی فرمائش پر مولانا نے اپنا مشہور علمی مقالہ "الاسلام" پڑھا۔ اس مقالے میں وجود باری، توحید، رسالت، حشر، نشر، اثبات ملائکہ اور دوسرے اہم مسائل پر جدید محققانہ رنگ میں بحث کی گئی تھی، اس ماحول اور اس وقت کے لحاظ سے یہ مقالہ غیر معمولی تھا علمی دنیا میں اس کے انداز بیان اور طریق استدلال کی خوب خوب داد دی گئی، یہ کہنا بے محل نہ ہوگا کہ اس مقالے کی اشاعت کے بعد مرحوم کی قوت تحریر و تقریر کی پورے ملک میں دھوم مچ گئی تھی۔

العقل والنقل اور دوسرے اہم مضامین و رسائل

۱۳۳۴ھ مطابق ۱۹۱۶ء میں "العقل والنقل" کے نام سے ایک اہم معیاری کتاب تالیف فرمائی، اس کتاب میں نہایت دلکش اور دل پذیر انداز میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ عقل سلیم اور نقل صحیح میں کبھی اختلاف نہیں ہو سکتا اور کبھی عقل کی کوتاہی یا نقل کی صحت میں قصور کی وجہ سے اختلاف پیش آجائے تو اس کا فیصلہ کس طرح ہونا چاہیے ـــــ در اصل یہ مقالہ اس وقت کی خاص فضا اور عقل زدہ ماحول کے ہنگاموں سے متاثر ہو کر لکھا گیا تھا۔ اس کے بعد مولانا مرحوم نے تصنیف و تالیف کے میدان میں تیزی سے قدم بڑھائے "الدار الآخرہ، اعجاز القرآن، الشہاب، تحقیق خطبہ جمعہ، سجود الشمس، حجاب شرعی، خوارق عادات، الروح فی القرآن" وغیرہ متعدد تصانیف اور مقالے لکھے۔

"الدار الآخرہ" ـــــ مؤتمر الانصار کے اجلاس میرٹھ ربیع الثانی ۱۳۳۰ھ مطابق اپریل ۱۹۱۲ء میں یہ مقالہ پڑھا گیا تھا، اس اجلاس میں میں بھی شریک تھا یہ میری عمر کا بارھواں سال تھا، اس اجلاس میں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی بھی بڑی غیر معمولی تقریر ہوئی تھی۔ الدار الآخرہ فلسفیانہ رنگ میں ہے اور آخرت کے وجود اور اثبات کے لیے اس کے دلائل دل پذیر اور تقاضائے وقت کے مطابق ہیں مولانا مرحوم نے یہ مقالہ بھی حضرت مولانا عبید اللہ سندھی مرحوم کی فرمائش اور مسلسل تقاضوں پر تحریر فرمایا تھا، مقالے کے دیباچے میں لکھتے ہیں کہ ہمارے محترم

بزرگ مولانا عبید اللہ ناظم جمعیۃ الانصار، جنھوں نے کسی نامعلوم مصلحت اور حسنِ ظن کی بنا پر یہ عنوان میرے سپرد کیا ہے اس کے گواہ ہیں کہ میں نے اس جلسے سے تین روز پہلے بنام خدا یہ تحریر لکھنا شروع کر دی۔

(القاسم جمادی الاولیٰ ۱۳۳۰ھ)

"اعجاز القرآن" ــــ اپنی نوعیت اور اپنے رنگ کا نہایت مدلل رسالہ ہے، جس میں قرآن کریم کے اعجاز اور اس کے خدا کا کلام ہونے پر ادبی اسلوب بیان میں فاضلانہ بحث کی گئی ہے۔ اور قرآن پاک کے معجزہ ہونے کے دلائل ایسے انداز میں پیش کیے گئے ہیں جس کے بعد کسی سلیم الفطرت کو شک و شبہ نہیں رہ سکتا۔

"الشہاب" ــــ قتل مرتد کے ثبوت میں یہ ایک محققانہ رسالہ ہے، کوٹھی (دار الاہتمام دار العلوم دیوبند) میں تمام اساتذہ کی موجودگی میں جب یہ مضمون پڑھا گیا تو ایک عجیب طرح کا سماں پیدا ہو گیا تھا، میں بھی اس اجتماع میں شریک تھا، مولانا کے پڑھنے کا طریقہ ایسا دل آویز و دلکش ہوتا تھا کہ زبان یا قلم سے اس کو الفاظ میں ادا نہیں کیا جا سکتا۔

"سجود الشمس" ــــ یہ مقالہ ماہنامہ "القاسم ربیع الاول ۱۳۳۳ھ" میں شائع ہوا تھا، بعد میں مستقل رسالہ کی شکل میں بھی شائع ہوا۔ اس مضمون کا حوالہ "فوائد القرآن" میں حسب ذیل الفاظ میں دیا ہے۔ ــــ "حدیث میں ہے کہ سورج شام کو جب غروب ہوتا ہے تو عرش کے نیچے جا کر سر بسجود ہوتا ہے اور طلوع سے پہلے بارگاہ خداوندی میں عرض کرتا ہے میں اب کہاں سے طلوع ہوں، حکم ہوتا ہے کہ حسب دستور مشرق سے، تا آنکہ ایک روز وہ وقت آئے گا کہ اس کو مغرب سے طلوع ہونے کا حکم ہوگا، اس آیت "وَالشَّمْسُ تَجْرِي لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ذَٰلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ ٥" کی تفسیر میں ایک حدیث آئی ہے جس میں شمس کے تحت العرش سجدہ کرنے کا ذکر ہے یہاں اس کی تشریح کا موقع نہیں۔ اس پر ہمارا مستقل مضمون "سجود الشمس" کے نام سے چھپا ہوا ہے، ملاحظہ کر لیا جائے۔"

"حجاب شرعی" ــــ یہ مضمون قیام ڈابھیل کے زمانے میں تحریر فرمایا تھا، ۱۳۴۶ھ مطابق ۱۹۲۷ء میں ہم سب جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں مدرس تھے اور مرحوم کے ساتھ ایک بلڈنگ میں رہتے تھے، تحریر مضمون کا خاص داعیہ یہ ہوا تھا کہ شاہ امان اللہ خاں امیر کابل ۱۹۲۷ء کے شروع میں

اپنی اہلیہ ثریا بیگم کے ہمراہ یورپ گئے تھے۔ ملکہ ثریا کے متعلق افواہیں پھیلیں کہ وہاں انھوں نے پردہ ترک کر دیا ہے، اس پروپیگنڈے نے اتنا زور پکڑا کہ افغانستان میں بغاوت پھوٹ پڑی اور امیر امان اللہ خاں کو تخت سے دست بردار ہونا پڑا۔ ان حالات سے متاثر ہو کر مولانا نے یہ بصیرت افروز مضمون تحریر فرمایا تھا، اس میں اپنے خاص رنگ میں دلائل شرعیہ سے پردۂ شرعی کے مسئلے پر روشنی ڈالی گئی ہے، مجھے خوب یاد ہے کہ اساتذۂ جامعہ کے اجتماع میں مرحوم نے یہ مضمون ایک خاص جذبے کے ساتھ پڑھا تھا۔ مضمون میں شرعی دلائل کے علاوہ مصلحت عامہ کے فلسفے سے بھی بحث کی گئی ہے اور اس طرح یہ مقالہ مدلل ہونے کے ساتھ دل چسپ بھی ہو گیا ہے۔ "فوائد قرآن" میں آیات حجاب کی تفسیر کے سلسلے میں مولانا نے تحریر فرمایا ہے کہ تفصیل ہمارے رسالے "حجاب شرعی" میں ہے۔"

"خوارق عادات" —— یہ رسالہ بھی ۱۳۴۶ھ مطابق ۱۹۲۷ء میں تحریر فرمایا تھا، اس میں معجزات وکرامات اور قانون قدرت کے باہمی تعلق پر عقلی ونقلی دلائل کی روشنی میں جدید طرز پر گفتگو کی ہے اور اس سے مرحوم کی قدیم وجدید معلومات کی وسعتوں کا پوری طرح اندازہ ہوتا ہے، اس مضمون کو پڑھ کر حضرت سیدی واستاذی مولانا محمد انور شاہ صاحب قدس سرہٗ نے جو تقریظ تحریر فرمائی تھی وہ پڑھنے کے لائق ہے۔ خود مولانا نے "فوائد قرآن" میں اس مضمون کا حوالہ دیتے ہوئے لکھا ہے "خوارقِ عادات پر ہم نے ایک مستقل مضمون لکھا ہے، اسے پڑھ لینے کے بعد اس قسم کی جزئیات میں اُلجھنے کی ضرورت نہیں رہتی۔"

"الروح فی القرآن" —— اس رسالے میں مسئلہ روح پر نہایت لطیف اور فلسفیانہ پیرائے بیان میں فاضلانہ بحث کی گئی ہے، مولانا عبید اللہ سندھی نے مکہ معظمہ کے قیام کے زمانے میں مرحوم کا یہ مقالہ پڑھ کر یہ رائے تحریر فرمائی تھی کہ "اس کتاب کا ایک ایک لفظ میرے لیے بصیرت افروز ثابت ہوا اور اس مشکل مسئلے کو اس قدر آسان بیان کرنے کی داد جس قدر میرا دل دے رہا ہے، اس برعظیم میں ایسے بہت کم لوگ ملیں گے، میں حضرت علامہ کو حضرت مولانا محمد قاسم صاحب قدس سرہٗ کی قوت بیانیہ کا ممثل جانتا ہوں۔"

تفسیر عثمانی یعنی فوائد قرآن کریم —— یہ ایک متوسط حجم کی نہایت جامع تفسیر ہے،

جس کی غیر معمولی خصوصیات کا اندازہ مطالعہ کے بعد ہی ہو سکتا ہے، حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن قدس سرہ کے ترجمہ قرآن پاک کے ساتھ یہ تفسیری فوائد حاشیہ پر چڑھے ہوئے ہیں، اس تفسیر کو پڑھ کر بڑی بڑی ضخیم تفسیروں کے دیکھنے کی ضرورت نہیں رہتی۔ مسلک کی مضبوطی اور اعتدال و میانہ روی کے ساتھ اس کا اسلوب اور انداز بیان بھی دور اور وقت کے تقاضے کے مطابق ہے اور غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ صاحب تفسیر نے ان فوائد میں تمام قابل ذکر تفسیروں کا عطر کشید کر کے رکھ دیا ہے۔ مختصر تفسیروں میں یہ اپنے رنگ کی بہترین تفسیر سمجھی گئی ہے جس میں سلف صالحین کے مسلک قدیم کی پوری پوری رعایت کی گئی ہے اور زبان بھی ایسی صاف و شگفتہ استعمال کی گئی ہے کہ معلوم ہوتا ہے اس کے جملے آب کوثر سے دھوئے گئے ہیں۔"

مولوی مجید حسن صاحب مرحوم مالک اخبار مدینہ بجنور نے حضرت شیخ الہند کا ترجمہ اُن کے وارثوں سے معقول معاوضہ دے کر لے لیا تھا۔ تفسیری فوائد مولانا عثمانی سے لکھائے اور باضابطہ ماہ بہ ماہ مالی خدمت کرتے رہے۔ —— اس قرآن مجید کے بہت سے ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ افغانستان سے تفسیر و ترجمے کا فارسی ایڈیشن بھی شائع ہوا ہے، یہ پوری تفسیر مولانا نے قیام ڈابھیل کے زمانہ میں تحریر فرمائی تھی، دوران تالیف میں حضرت الاستاذ مولانا محمد انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بھی خوب خوب استفادہ کیا تھا، خاص طور پر مشکلات القرآن کے متعلق —— غالباً ساڑھے تین سال کی محنت شاقہ کے بعد ۱۳۵۰ھ میں یہ کام مکمل ہوا اور ۱۳۵۱ھ میں مدینہ پریس بجنور سے اس کا پہلا ایڈیشن شائع ہوا۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے ان کے مرض وفات میں مولانا کی ملاقات ہوئی تو فرمایا میں نے اپنا تمام کتب خانہ وقف کر دیا ہے، البتہ دو چیزیں جن کو میں زیادہ محبوب رکھتا ہوں، اپنے پاس رکھ لی ہیں، ایک آپ کی تفسیر والا قرآن مجید اور دوسری کتاب "جمع الفوائد"۔

حضرت الاستاذ علامہ محمد انور شاہ صاحب قدس سرہ نے فرمایا تھا "مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی نے یہ تفسیر لکھ کر دنیائے اسلام پر بڑا احسان کیا ہے" —— مولانا عبید اللہ سندھی مرحوم نے جب پہلی مرتبہ یہ تفسیر دیکھی تو مفسر کو تحریر فرمایا "آپ نے قرآنِ کریم کی جو تفسیر لکھی ہے۔ اس میں

حضرت شیخ الہند کی روح کار فرما ہے، ورنہ اس جیسی تفسیر کا لکھا جانا میرے خیال سے باہر ہے۔"
——— حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر عثمانی پر جو مبسوط تقریظ تحریر فرمائی تھی، اس میں لکھتے ہیں "اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے علامۂ زماں، محقق دوراں حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی کو دنیائے اسلام کا درخشندہ آفتاب بنا دیا ہے، مولانا موصوف کی بے مثل ذکاوت، بے مثل تقریر، بے مثل تحریر، عجیب و غریب حافظہ وغیرہ کمالات علیہ ایسے نہیں ہیں کہ کوئی منصف مزاج ان میں تامل کر سکے؛ قدرت نے مولانا موصوف کی توجہ تکمیل فوائد اور ازالۂ مغلقات کی طرف منعطف فرما کر تمام عالم اسلامی اور بالخصوص اہل ہند کے لیے عدیم النظیر حجت بالغہ قائم کر دی ہے، یقیناً مولانا نے بہت سی ضخیم تفسیروں سے مستغنی کر کے سمندروں کو کوزے میں بھر دیا ہے۔" ——— مولانا سید سلیمان ندوی مرحوم نے فرمایا "حقیقت یہ ہے کہ ان کے علمی اور تصنیفی کمالات کا نمونہ اردو میں ان کے قرآن کے حواشی ہیں۔ ان حواشی سے مرحوم کی قرآن فہمی اور تفسیروں پر عبور اور عوام کے دل نشین کرنے کے لیے ان کی قوتِ تفہیم حدِ بیان سے بالاتر ہے۔

"فتح الملہم شرح صحیح مسلم" ——— صحاح ستہ کی مشہور و معروف کتاب مسلم شریف جس کا درجہ بخاری شریف کے بعد سب سے اعلیٰ اور بلند سمجھا گیا ہے یہ اسی کی عربی شرح ہے۔ مرحوم نے سالہا سال تک دار العلوم دیوبند میں مسلم شریف کا شاندار درس دیا تھا، غالباً اسی زمانۂ تدریس میں اس کی شرح لکھنی شروع کر دی تھی، یہ بات ۱۳۳۶ھ مطابق ۱۹۱۷ء کی ہے۔ پھر یہ سلسلہ شاید اس وجہ سے منقطع ہو گیا کہ اتنے عظیم کام کی تکمیل اور پھر طباعت کے وسائل سامنے نہیں تھے، اور برسوں تک یہ انقطاع قائم رہا۔ یہاں تک کہ مولاناؒ کے تعلقات ریاست حیدرآباد سے قائم ہو گئے اور ان کی دل پذیر اور بصیرت افروز تقریروں سے ریاست کے در و دیوار گونجنے لگے، اب وقت آگیا تھا کہ شرح مسلم شریف کے رکے ہوئے کام کا نظام حیدرآباد سے تعارف کرایا جائے اور علم و دین کی اس خدمت کی اہمیت واضح کی جائے، ریاست کے اس وقت کے بڑے بڑے افسروں اور ذمہ داروں نے اس نیک کام سے دلچسپی لی اور بالآخر نظام کی طرف سے اس کام کی تکمیل کے لیے ماہانہ وظیفہ مقرر ہو گیا اور یہ بھی طے ہو گیا کہ کتاب کی جو جلد تیار ہو اس کی طباعت کا پورا خرچ دیا جائیگا ——— اس کے

بعد اطمینان سے کام ہونے لگا۔ اور ساڑھا سال کی مسلسل محنت کے بعد اس ضخیم شرح کی تین جلدیں طبع ہوگئیں، تیسری جلد ابواب نکاح پر ختم ہوئی ہے، چوتھی جلد کی ابتدا کتاب الرضاع سے ہوتی، افسوس ہے ایسی اہم اور بہترین شرح نامکمل رہ گئی، شیخ محی الدین نووی شافعی کی شرح مسلم معروف و مشہور ہے، لیکن صحیح مسلم کی حنفیوں کی کوئی شرح نہیں تھی، مرحوم نے یہ کمی پوری کرنی چاہی اور مطالب حدیث کی تحقیق کے ساتھ مسلکِ احناف کے دلائل کے بھی انبار لگا دیے۔ دیگر خصوصیات، حسن ترتیب وغیرہ کے علاوہ، مسلم شریف کی سب سے اہم خصوصیت اس کا محققانہ مقدمہ اور کتاب الایمان اور ابواب ایمان کی جامعیت، دل کشی و دل پذیری ہے، واقعہ یہ ہے کہ شارح علامہ مرحوم نے صحیح مسلم کے مقدمہ اور ان اہم ابواب کی شرح و تحقیق کا حق ادا کر دیا ہے۔ پھر فن حدیث اور صحیح مسلم سے متعلق خود بھی ایک مبسوط مقدمہ تحریر فرمایا ہے۔ ——— فتح الملہم جس پایہ کی شرح ہے اس کا بیان اس بہت چھوٹے سے مضمون میں جس کا تعلق مرحوم کے صرف مختصر سوانح حیات سے ہے، نہیں ہوسکتا اس کے لیے کسی دوسری فرصت کا انتظار کرنا چاہیے۔ "فتح الملہم" کے متعلق اس وقت کے اکابر علماء، حضرت الاستاذ علامہ محمد انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت مولانا حسین احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب عثمانی مرحوم اور دنیائے اسلام کے مشہور فاضل اور محقق علامہ شیخ محمد زاہد الکوثری مرحوم نے جو اظہار رائے کیا ہے وہ مطالعہ کے قابل ہے۔ خاص طور پر حضرت علامہ انور شاہ صاحب اور علامہ شیخ محمد زاہد کوثری نے کتاب کی غیر معمولی خصوصیات کے متعلق جو کچھ تحریر فرمایا ہے اس سے اس اہم کتاب کا مقام اور پایۂ تحقیق پوری طرح واضح ہوجاتا ہے۔ (تفصیل کے لیے تجلیات عثمانی کا مطالعہ کرنا چاہیے)

مولانا مرحوم کی ملی، سیاسی اور ملکی خدمات

سوانح حیات کے اس چھوٹے سے پیمانے میں مرحوم کی سیاسی بصیرت، ملی خدمات اور عام اجتماعی زندگی پر لکھنے کی گنجائش نہیں ہے، پھر بھی یہ اشارہ کرنا ضروری ہے کہ علامۂ مرحوم ایک جلیل القدر اور بلند پایہ عالم دین ہونے کے ساتھ سیاسی اور اجتماعی مسائل میں بھی غیر معمولی درک رکھتے تھے اور ایک وقت میں ان کی سیاسی باریک بینی اور سوجھ بوجھ کی دھاک سارے ملک میں بیٹھی ہوئی تھی۔ سنہ ۱۹۲۰ء میں حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن قدس سرہٗ مالٹا سے واپس

تشریف لائے تو ملک ترک موالات اور خلافت کے نعروں سے گونج رہا تھا۔ یہ جون ۱۹۲۰ء کی بات ہے کہ حضرت اسارتِ مالٹا سے رہا ہو کر ایسی حالت میں تشریف لائے تھے کہ قوائے جسمانی جواب دے چکے تھے اور یہ جسمِ پُرنور صرف ہڈیوں کا ڈھانچہ ہو کر رہ گیا تھا۔ ضعف و اضمحلال کی اسی حالت میں حضرت نے یوپی کے بڑے بڑے شہروں کا دورہ کیا، اور تحریک ترک موالات کی حمایت کے ساتھ برطانوی حکومت کی جراتِ رندانہ اور بے باکانہ مخالفت کی راہ ہموار کی۔ ان تاریخی اسفار میں حضرت کے جذبات اور دل کی باتوں کو جس نے عامۃ المسلمین کے سامنے رکھا وہ انہی علامہ عثمانی کی زبانِ حق ترجمان تھی، مرحوم ہی نے اپنے مُرشد اور اُستاذ کے پاکیزہ خیالات کی ترجمانی کی اور ایسی کی کہ مسلمانوں کی حرارتِ ایمانی میں جوش آ گیا مرحوم کی اُس وقت کی سہارنپور، کانپور، غازی پور، الہ آباد اور بنارس وغیرہ کی ولولہ انگیز تقریریں ان شہروں کی فضا میں آج بھی پیوست ہیں، حضرت شیخ الہند اسی کیفیت اضمحلال میں علی گڑھ تشریف لے گئے اور جامعہ ملیہ اسلامیہ کی بنیاد رکھی، اس تاریخی موقع پر حضرت کی طرف سے جو درد انگیز اور ایمان افروز پیغام پڑھا گیا تھا وہ (شیخ الہند کے حکم سے) علامہ مرحوم ہی کا تحریر فرمودہ تھا اور مرحوم ہی نے اسے پڑھ کر سنایا تھا، پھر نومبر ۱۹۲۰ء میں حضرت کی صدارت میں جمعیۃ علماء ہند کا جو اجلاس دہلی میں ہوا تھا اور جس میں غیر معمولی نقاہت کی وجہ سے حضرت بہ نفس نفیس شریک بھی نہیں ہو سکے تھے بلکہ برائے علاج ڈاکٹر انصاری مرحوم کی کوٹھی پر تشریف فرما تھے۔ اس اجلاس میں ترک موالات کے متعلق حضرت کی طرف سے جو آخری تحریر پڑھی گئی تھی وہ بھی حضرت کے حکم سے علامہ مرحوم ہی نے تحریر فرمائی تھی۔

ترک موالات اور تحریک خلافت کی ہنگامہ خیزیوں کے اس دور میں، جذبات اسلامی میں ڈوبی ہوئی ان کی جو معرکۃ الآراء تقریریں ہوا کرتی تھیں ان کا نقشہ آج تک آنکھوں میں گھوم رہا ہے، نصف شب کے سناٹے میں ہزاروں کا مجمع جذبات سے سرشار بیٹھا ہے اور پوری خطیبانہ شان کے ساتھ مرحوم کی تقریریں ہو رہی ہیں۔ کبھی کبھی اشعار کی کیف آور شیرینی کی بھی آمیزش ہو جاتی ہے۔ ایک دفعہ سہارنپور کے محلہ قاضی میں ایک عظیم الشان اجتماع تھا میں بھی اس میں شریک تھا، مرحوم کی ساحرانہ خطابت کا آفتاب بامِ عروج پر تھا کہ مضمون کی مناسبت سے

ذوق دہلوی کا یہ شعر پڑھا ؎

شعلۂ آہ میں بجلی کی طرح چمکاؤں
پر مجھے ڈر ہے کہ وہ دیکھ کے ڈر جائیں گے

پھر اسی غزل کے مقطع کے متعلق فرمانے لگے کہ حضرت شیخ الہندؒ مرزا ابراہیم ذوق کے اس مقطع کو یوں بدل کر پڑھا کرتے تھے۔ ذوق کا مقطع ہے۔

ذوق جو مدرسوں کے بگڑے ہوئے ہیں مُلّا نے
مے کدے میں انھیں لے آؤ سنور جائیں گے

حضرت اس کو یوں پڑھتے تھے۔

ذوق جو مدرسوں کے بگڑے ہوئے ہیں مُلّا نے — لاٹ میں انھیں لے آؤ سنور جائیں گے

اور ساتھ ہی اس غزل کے یہ شعر بھی پڑھے۔

اب تو گھبرا کے یہ کہتے ہیں کہ مر جائیں گے — مر کے بھی چین نہ پایا تو کدھر جائیں گے
آگ دوزخ کی بھی ہوجائے گی پانی پانی — جب یہ عاصی عرقِ شرم میں تر جائیں گے

مرحوم نے جمعیۃ علماء ہند اور خلافت کے پلیٹ فارم سے جو زبردست سیاسی اور اجتماعی خدمت کی ہے وہ ناقابل فراموش ہے۔ ۱۹۲۱ء میں جمعیۃ علماء ہند کے اجلاس لاہور، ۱۹۲۲ء میں اجلاس گیا، ۱۹۲۵ء میں اجلاس مرادآباد، اور یونیٹی کانفرنس الہ آباد میں جو تقریریں ہوئیں اُن سے اُن کی غیر معمولی سیاسی بصیرت کا پوری طرح اندازہ ہوسکتا ہے۔ ان دنوں میں ریکارڈنگ کا انتظام نہیں تھا ورنہ آج بھی یہ تقریریں سنی جاسکتی تھیں۔ سچ تو یہ ہے کہ ایک زمانہ دراز تک جمعیۃ علماء کا پلیٹ فارم انہی کی تقریروں سے گرم اور پُر رونق رہا —— یہ واقعہ ہے کہ ملک کی تقسیم سے چند سال پہلے وہ جمعیۃ کے طریق کار سے آزردہ بلکہ بددل ہو گئے تھے اور ان کی یہ پختہ رائے ہوگئی تھی کہ اب جب کہ ملک کی آزادی سامنے ہے، ہمیں کانگریس کے واسطے سے اس ملک کی اکثریت سے باضابطہ معاہدہ کرنا چاہیے، اس مرحلے پر کانگریس کی غیر مشروط حمایت کو وہ پسند نہیں کرتے تھے، بلکہ ملت کے لیے مضرت رساں خیال کرتے تھے۔ اس سلسلہ میں دوسرے حضرات سے بار بار گفت گوؤں کی بھی نوبت آئی لیکن افسوس ہے کہ اختلاف اور بُعد بڑھتا ہی گیا اور بالآخر ایک

قابل فخر ہستی کو جمعیۃ علماء ہند کے اُس وقت کے نظام سے بے تعلق ہونا پڑا۔ ایک بات طے شدہ ہے کہ حالات کی انتہائی پیچیدگی کے باوجود اگر جمعیۃ کے اس وقت کے بعض دوسرے اور تیسرے درجہ کے اصحاب وہ نامناسب طرزِ عمل اختیار نہ کرتے جو اُس وقت انھوں نے اختیار کیا تو مفاہمت کی راہ پیدا ہوسکتی تھی اور اُس صورت میں دین وملت کا یہ قدیم پلیٹ فارم مولانا جیسے عالم دین و سیاست کی خدمات سے محروم نہ رہتا۔ بہر حال جو مقدر تھا وہ ظہور میں آیا ملک تقسیم ہوگیا اور ہم اس خزانۂ علم ودانش سے محروم ہوگئے۔

وفات ۸ر دسمبر ۱۹۴۹ء کو بہاولپور کے وزیر اعظم کی درخواست پر جامعہ اسلامیہ کے افتتاح کے لیے تشریف لے گئے، ۱۲ر دسمبر کی شب میں بخار ہوا، صبح کو طبیعت بہتر ہوگئی ۹ بجے صبح پھر سینے میں تکلیف محسوس ہوئی، سانس میں رکاوٹ ہونے لگی، ۱۳ر دسمبر ۱۹۴۹ء مطابق ۲۱ر صفر المظفر ۱۳۶۹ھ سہ شنبہ کے روز ۱۱ بج کر ۴۰ منٹ پر یہ آفتاب علم وفضل غروب ہوگیا۔ بوقت وفات ۶۴ سال ایک ماہ اور ۱۲ یوم کی عمر تھی۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ الابرار الصالحین

حضرت مولانا شاہ وصی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی ایک مجلس

علم، علماء اور تواضع

آج کی مجلس میں باہر سے تشریف لائے ہوئے بہت سے علماء حضرات بھی تشریف رکھتے تھے پہلے تو حضرتؒ نے ان کو اپنے قریب بلا کر قالین پر بیٹھنے کے لیے فرمایا پھر اس کے بعد خادم سے ارشاد فرمایا کہ تفسیر بیضاوی دے دو چنانچہ بیضاوی شریف سے آیتہ وَلَقَدْ اٰتَیْنَا دَاوٗدَ وَ سُلَیْمٰنَ عِلْمًا وَ قَالَا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ فَضَّلَنَا عَلٰی كَثِیْرٍ مِّنْ عِبَادِهِ الْمُؤْمِنِیْنَ[1] تلاوت فرما کر اس کی تفسیر فرمائی۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤدؑ اور سلیمانؑ کو جب علم عطا فرمایا تو ان دونوں حضرات نے زبان سے کہا اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ فَضَّلَنَا الآیۃ یہاں وقالا میں واو عطف کا لا کر اس طرف اشارہ فرمایا کہ ان دونوں حضرات نے جو کچھ زبان سے کہا تھا وہ صرف ایک جزو تھا اس کا جو کہ انھوں نے اس نعمت کے مقابلہ میں کیا تھا یعنی ان حضرات نے صرف زبان ہی سے شکر نہیں ادا کیا بلکہ جوارح سے بھی شکر ادا کیا۔ چنانچہ تقدیر عبارت کی یوں ہو گی کہ ففعلا شکراً له ما فعلا وقالا الحمد للہ الذی الخ یعنی ان حضرات نے بطور شکر کے کیا جو کچھ کہ کیا اور زبان سے بھی کہا الحمد للہ الذی الخ کیونکہ جب واو عاطفہ سے کلام کو شروع

---

[1] ترجمہ: ہم نے داؤد اور سلیمان کو علم عطا کیا (اس پر انھوں نے بطور شکر کے کیا جو کچھ کیا) اور زبان سے بھی کہا کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے ہم کو اپنے بہت سے بندوں پر فضیلت بخشی ہے۔

فرمایا تو یہ قرینہ ہے کہ اس کا معطوف علیہ مقدر اور محذوف ہے اور وہ یہی ہے کہ "ففعلا شکراً لہ" ما فعلا و قالا" اور چونکہ معطوف اور معطوف علیہ میں مغایرت بھی ہوتی ہے اس لیے وقالا کا معطوف علیہ ففعلا مقدر مانا گیا۔ پس انھوں نے فعل سے بھی شکر ادا کیا اور قول سے بھی۔
آگے فرماتے ہیں اَلَّذِیْ فَضَّلَنَا عَلٰی کَثِیْرٍ مِّنْ عِبَادِہِ الْمُؤْمِنِیْنَ یعنی ہم کو فضیلت دی اپنے بہت سے مومن بندوں پر۔ یعنی اُن پر جن کو علم ہی نہیں دیا گیا تھا یا کم از کم ان حضرات جیسا علم نہیں تھا۔

اس کے تحت قاضی بیضاوی فرماتے ہیں کہ اس آیت میں علم کی فضیلت اور اہل علم کے شرف پر دلیل ہے، اس لیے کہ ان دونوں حضرات نے صرف علم ہی پر شکر ادا فرمایا اور اسی کو فضل کا اساس قرار دیا۔ اور اس کے علاوہ جو دوسرے انعامات ان پر تھے مثلاً ایسے ملک کا ملنا جو ان کے علاوہ دوسرے کو نہیں دیا گیا تھا، اس کا اعتبار نہیں فرمایا۔ آگے فرماتے ہیں اور اس آیت میں اہل علم کو تحریض ہے کہ اللہ تعالےٰ نے اپنے فضل سے ان کو جو علم بخشا ہے اس پر وہ اس کا شکر کریں اور تواضع کریں۔ شکر پر تحریض (ابھارنا) تو بالکل واضح ہے اور تواضع پر اس طرح ہوئی کہ اس میں یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے فضیلت دی عَلٰی کَثِیْرٍ مِّنْ عِبَادِہِ الْمُؤْمِنِیْنَ (اپنے بہت سے مومن بندوں پر) اس سے معلوم ہوا کہ بہت سے اللہ تعالےٰ کے بندے ایسے بھی ہوں گے جن پر ان کو فضیلت نہ ہوگی جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد فرمایا ہے کہ وَفَوْقَ کُلِّ ذِیْ عِلْمٍ عَلِیْمٌ (یعنی ہر جاننے والے سے بڑھ کر کوئی جاننے والا ہوتا ہے)، تو جب بندہ اس کا اعتقاد رکھے گا تو سمجھے گا کہ میں اگرچہ بہت سوں سے افضل ہوں لیکن بہت سے اللہ کے بندے ایسے بھی ہیں جو مجھ سے بھی افضل ہیں۔ بس یہی سمجھنا کہ میں سب سے افضل نہیں ہوں بلکہ بہت سوں سے مفضول بھی ہوں یہی تواضع ہے۔ مگر اس آیت سے شکر پر تحریض (ابھارنا) تو لوگوں کی سمجھ میں آتی ہے لیکن تواضع پر تحریض واضح طور پر نہیں معلوم ہوتی۔ چنانچہ کوئی شخص تواضع کا استحسان ثابت کرنے کے لیے اس آیہ کو نہیں پڑھتا۔ نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ علم کی دولت دنیوی دولتوں سے کہیں بڑھی ہوئی ہے۔ اس پر ایک واقعہ سنیے۔ ایک بادشاہ کا باز اڑ گیا تھا اس نے

اپنے لوگوں سے کہا کہ شہر کا دروازہ بند کر دو۔ ایک بزرگ نے یہ سنکر کہا کہ دروازہ بند کرنے سے کیا وہ اوپر سے اڑ کے نہیں جاسکتا؟ یہ کہکر آسمان کی طرف دیکھا اور کہا کہ یا اللہ! ایسے ایسے لوگوں کو تو نے حکومت دی ہے کہ جن کو اتنی بھی عقل و تمیز نہیں کہ باز کے لیے دروازہ بند کرنے سے کیا فائدہ وہ تو اڑ کر اوپر سے بھی باہر جاسکتا ہے، اور ہمارے جیسے لوگ ایسی خستہ حالی میں ہیں۔ اُدھر سے یہ جواب ملا کہ کیا تم تبادلہ پر راضی ہو کہ تمھارا علم و فہم اس کو دیدیا جائے اور اس کی سلطنت تم کو دیدی جائے۔ یہ سن کر ڈر گئے اور بہت توبہ استغفار کیا۔

میں کہتا ہوں کہ عالم اگر اہل دنیا کے مال و ثروت پر رتجھے اور اپنے علم کی کچھ بھی قدر نہ کرے اور طالب دنیا ہو جائے تو یہ اس کا تبادلہ ایسا ہی ہے جیسے بنی اسرائیل نے من وسلویٰ کو چھوڑ کر اس کے بدلہ میں لہسن پیاز کی خواہش کی تھی کیونکہ یہ علم کی دولت بھی اہل علم کے لیے من وسلویٰ سے کچھ کم نہیں ہے۔

ایک بادشاہ نے یہ وصیت کی کہ میرے بعد میری جگہ اس شخص کو بٹھایا جائے جو صبح کو شہر کے دروازے میں سب سے پہلے داخل ہو۔ چنانچہ صبح کو سب سے پہلے جو شخص باہر سے شہر کے اندر آیا وہ ایک فقیر تھا حسب وصیت اسی کو لوگوں نے کپڑے وغیرہ پہنا کر بادشاہ کی جگہ بٹھا دیا۔ لوگوں نے سلامی دی اور سارے رسومات ادا کیے۔ جب دربار عام برخاست ہونے لگا تو دونوں جانب جو وزیر بیٹھے ہوئے تھے ان کے کندھوں پر ہاتھ کو ٹیک کر شاہی طریقہ پر اٹھا۔ وزیروں کو یہ دیکھ کر بڑا تعجب ہوا انھوں نے کہا حضور! اس سے پہلے تو شاید آپ کا شاہی دربار میں کبھی آنے کا بھی اتفاق نہ ہوا ہوگا۔ یہ آداب شاہی آپ نے کہاں سے سیکھا؟ اس نے جواب دیا کہ جس خدا نے مجھے بادشاہت دی ہے اسی نے یہ آداب بھی سکھا دیئے ہیں۔ اسی طرح سے ہم بھی کہتے ہیں کہ جو خدا ہمیں علم عطا فرماتا ہے وہی اس کے آداب بھی سکھا دیتا ہے ——— اور علم کے آداب کیا ہیں؟ یہی شکر اور تواضع ہے۔

کانپور میں ایک عالم مولوی رشید صاحب حضرت (حکیم الامت رح) کے شاگرد تھے اور

بہت بڑے فقیہہ تھے، ان کو فالج ہوا سب بھول گئے، جب کچھ صحت ہوئی تو بڑی مشکل سے بہت دنوں میں صرف سورۂ فاتحہ یاد کر سکے اور جب یہ ختم ہوئی تو انھوں نے خوشی میں مٹھائی تقسیم کی۔ بعد میں کہتے تھے کہ میں پہلے یہ سمجھتا تھا کہ مجھے بھی کچھ آتا ہے۔ لیکن معلوم ہوا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا عطیہ ہے جب چاہیں اس کو لے لیں اپنا کچھ بھی اختیار نہیں ہے۔

اسی طرح سے (حضرت حکیم الامت رح کے مشہور خلیفہ) حکیم مولوی مصطفٰے صاحب (بجنوری مرحوم) پر فالج ہوا انھوں نے بھی حضرت رح کو لکھا کہ حضرت سب بھول گیا ہوں۔ حضرت نے فرمایا تو پھر کیا حرج ہے؟ میں کہتا تھا کہ دیکھیے حکیم صاحب تو سب کچھ پڑھنے لکھنے کے بعد بھول گئے اور حضرت رح فرماتے ہیں کیا حرج ہے؟ مقصود تو حاصل ہے پھر سمجھ میں یہ آیا کہ آدمی خدا کا مسخر ہے خدا جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ آدمی اپنے فعل اختیاری کا ذمہ دار ہے۔ اب اگر معصیت سے وہ علم سلب ہوا ہے تب تو بہت برا ہے اور ڈرنے کی چیز ہے لیکن اگر مرض وغیرہ سے جاتا رہے تو یہ مضر نہیں ہے اسی کو حضرت رح فرماتے تھے کہ مقصود تو محفوظ ہے اور وہ مقصود کیا ہے؟ خدا تعالیٰ کی رضا ہے۔ جب یہ حاصل ہے تو پھر کچھ نقصان نہیں، چاہے علم رہے یا نہ رہے۔ نیازؔ کہتے ہیں ؎

جو پڑھا لکھا تھا نیازؔ نے اسے صاف دل سے بھلا دیا

تو لوگوں نے اسے صاف دل سے بھلایا بھی ہے۔ اب اگر کسی سے بلا کسی معصیت کے بطور مرض کے ایسا ہو جائے تو اس میں کیا حرج ہے؟ جس ذات نے عطا فرمایا تھا اسی نے لے لیا تو اس میں کیا چارہ ہے اس پر راضی رہنا چاہیے۔ اللہ والوں کی نظر تو ہمیشہ اپنے مالک کی مرضی پر رہتی ہے۔ مولانا مونگیری رح بہت بڑے عالم اور متبع سنت تھے، مولانا سے کسی نے پوچھا کہ حضرت کیسا مزاج ہے؟ سبحان اللہ کیسا عمدہ جواب دیا، فرمایا کہ بھائی اس کا مزاج کیا پوچھتے ہو جو بین الخوف والرجا ہو۔ مزاج تو ہم قیامت میں بتائیں گے جب جنت میں داخلہ ہو جائے گا۔

تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ تواضع اختیار کرنا یہ بھی علم کا شکریہ ہے اس لیے کہ اس کی وجہ سے علم بڑھتا ہے اور درحقیقت بندہ تو اضع اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں کرتا ہے تاکہ علم کو

اپنا کمال نہ سمجھے بلکہ عطیۂ خداوندی سمجھے کیونکہ علم اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اس میں سے جس کو جتنا چاہا دیدیا جو کچھ قدرت اور دسترس علم پر انسان کو حاصل ہے وہ محض خدا تعالیٰ کا فضل ہے۔ حضرات انبیاءؑ کے پیش نظر یہی مضمون حال کے درجہ میں ہوتا تھا۔ اسی لیے فرمایا کہ الحمد للہ الذی فضلنا علی کثیر من عبادہ المومنین اب چونکہ اللہ تعالیٰ کے بندے بہت ہیں اس لیے کسی کا یہ سمجھنا کہ میں سب سے بڑا ہوں نہایت بُری بات ہے اب جس میں تواضع ہوگی وہ پہلے تو اللہ تعالیٰ سے ہوگی پھر اللہ تعالیٰ کے بندوں سے بھی ہوگی یعنی جو اُن سے درجہ میں زیادہ ہیں ان سے تو ہوگی ہی ان لوگوں سے بھی ہوگی جو ان سے درجہ میں کم ہیں۔ یہی نعمت کا شکر ہے کہ جو لوگ علم و ہنر نہیں دیے گئے ہیں ان سے بھی تواضع کرے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جتنے بھی اخلاق تھے ان میں سب سے بڑی چیز تواضع تھی اور اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ کو اللہ تعالیٰ کی معرفت زیادہ حاصل تھی اور جس کو جس قدر زیادہ معرفت ہوجاتی ہے اسی قدر اس میں تواضع بھی آجاتی ہے، یہ اس لیے کہ اگر تواضع نہ ہوئی تو کیا ہوگا تکبر ہوگا اور یہ بہت بُری خصلت ہے۔

بلاشبہ علم محض عطیۂ خداوندی ہے اس پر کسی کو ناز اور فخر زیبا نہیں ہے۔ حضرت حکیم الامتؒ نے ایک دفعہ کسی مجمع میں وعظ فرمانا چاہا خطبہ پڑھنے کے بعد بہت دیر تک سوچا کیے کوئی مضمون ہی یاد نہ آیا۔ خود فرماتے تھے کہ میں نے خیال کیا کہ لاؤ اپنی کسی پچھلی تقریر ہی کو دہرا دوں مگر ہرچند سوچا کوئی تقریر بھی یاد نہ پڑی۔ پھر سوچا کوئی آیت یا حدیث ہی تلاوت کرکے اس کا ترجمہ کردوں مگر کوئی آیت اور حدیث بھی یاد نہ پڑی۔ بالآخر جب مجبور ہوگیا تو لوگوں سے کہدیا کہ آپ لوگ جائیے کچھ مضمون ہی سمجھ میں نہیں آتا۔ صاف کہدیا اور یہ انھیں کا کام تھا کہ کہدیا کہ نہیں آتا، آج کسی کی ہمت اس کہنے کی پڑ سکتی ہے؟ —— پھر فرمایا کہ اس کے بعد سے مجھ کو کچھ وسوسہ بھی نہیں آتا کہ مجھ کو کچھ آتا ہے۔

ایک مرتبہ (حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے والد ماجد) شاہ عبدالرحیم صاحبؒ سعدی علیہ الرحمہ کے ان اشعار کو نہایت ذوق و حال کے ساتھ پڑھ رہے تھے

جز یاد دوست ہرچہ کنی عمر ضائع است　　جز سر عشق ہرچہ بخوانی بطالت است

سعدی بشوئے لوح دل از نقش غیر حق
. . . .

گو تین ہی مصرعے یاد آتے تھے چوتھا یاد ہی نہ پڑتا تھا جس کی وجہ سے بڑی ضیق سی ہو رہی تھی واقعی آپ کسی شعر کو پڑھنا چاہیں اور آپ کو وہ یاد بھی ہو مگر کسی وقت بھول جائیں تو دیکھیے کیسی ضیق ہوتی ہے۔ اسی طرح سے شاہ صاحبؒ بھی کسی حال میں تھے اور یہ مصرع یاد نہیں آتا تھا کہ اتنے میں ایک بزرگ نمودار ہوئے اور انھوں نے چوتھا مصرع پڑھ دیا وہ یہ ہے کہ۔ ع

علمے کہ رہ بحق نہ نماید جہالت است

شاہ صاحبؒ کو مسرت ہوئی ان سے پوچھا کہ آپ کون ہیں؟ انھوں نے کہا کہ "مرا مصلح الدین شیرازی گویند" شاہ صاحب نے چاہا کہ بڑھ کر ان سے مصافحہ کریں مگر قدم ہی نہ اٹھے اور وہ بزرگ یہ جا وہ جا نظروں سے غائب ہو گئے۔ شاہ صاحبؒ نے پان بھی پیش فرمائے مگر انھوں نے فرمایا "ما تنبول نمی خوریم" (میں پان نہیں کھاتا)۔

میں یہ کہہ رہا تھا کہ کیا کوئی شخص اپنے علم و فضل پر ناز کرے کچھ خبر نہیں کس وقت سلب ہو جائے۔ اس لیے بس اللہ تعالیٰ کا شکر کرنا چاہیے اور اس کے آداب ادا کرنا چاہیے اور بہت ڈرنا چاہیے۔

حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب ہی کا واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ کہیں جا رہے تھے راستہ میں ایک نالا پڑا جس سے گندہ پانی بہتا تھا اس پر گذرنے کے لیے پتھر یا لکڑی رکھی ہوئی تھی اور وہ ایسی تنگ تھی کہ دو شخص بیک وقت اس پر سے گذر نہیں سکتے تھے اتفاق ایسا کہ ادھر سے شاہ صاحب اس پل سے چلے اور سامنے سے ایک کتا آ گیا درمیان میں ملاقات ہو گئی شاہ صاحب بھی رک گئے وہ کتا بھی رک گیا ایسا موقع بھی نہیں تھا کہ گھوم کر واپس ہو جائیں اور نہ دونوں بیک وقت گذر ہی سکتے تھے سوا اس کے کوئی صورت نہیں تھی کہ کوئی ایک نالے میں کودتا۔ شاہ صاحبؒ نے کتے سے کہا کہ میں اگر کودتا ہوں تو میرے کپڑے وغیرہ سب خراب اور ناپاک ہو جائیں گے مجھے نہانا دھونا پڑے گا اور تو تو اعمال شرعیہ کا مکلف ہے نہیں لہٰذا تو ہی کود جا۔ اللہ تعالیٰ نے

کتے کو زبان ہی اس نے کہا کہ یہ تو صحیح ہے کہ آپ کو دیں گے تو آپ کا کپڑا اور بدن ناپاک ہو جائے گا لیکن وہ بعد میں ایک لوٹے پانی سے پاک بھی تو ہو سکتا ہے اور میرے کودنے کی وجہ سے آپ کے قلب میں جو گندگی پیدا ہو جائے گی (یعنی یہ کہ میں کتے سے اچھا ہوں) یہ ایسی گندگی ہوگی کہ سات سمندر کے پانی سے بھی دھونے سے پاک نہ ہوگی

اُس سے یہ سننا تھا کہ شاہ صاحبؒ پر ایک کیفیت طاری ہوئی اور دھڑام سے نالہ میں کود گئے اور کتا سڑے نکل گیا۔ جب حضرتؒ پاک وصاف ہو لیے تو اللہ تعالیٰ نے الہام فرمایا کہ کہو عبدالرحیم ہم نے کیسا علم دیا؟ اور فرمایا کہ جانتے ہو اس کتے کے ذریعہ سے کیوں یہ علم دیا ایک مرتبہ ایک کتے ہی کا بچہ سردی سے ٹھٹھر رہا تھا اور تم نے اس پر اپنا کمبل ڈال کر اس کو گرمی پہونچائی تھی اور تمھاری یہ ادا مجھ کو پسند آئی تھی اس لیے میں نے چاہا کہ اسی نوع سے تم کو اس احسان کا بدلہ دوں۔

یہ میں اس پر بیان کر رہا ہوں کہ سب خُلق سے بڑھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق میں سے تواضع تھی اسی لیے علما و مشائخ نے ہر زمانہ میں اس کو اختیار فرمایا ہے۔

حضرت جنیدؒ کا واقعہ بوستاں میں ہے کہ ؎

شنیدم کہ بر دشت صنعا جنیدؒ — سگے دید بر کندہ دندانِ صید
ز نیروے سر پنجہ شیر گیر — فرو ماندہ عاجز چو روباہ پیر
پس از غرم و آہو گرفتن بہ پے — لگد خوردہ از گوسپنداں حی
چو مسکین بے طاقتش دید و ریش — بدو داد یک نیمہ از زاد خویش

میں نے سنا کہ صنعاء کے جنگل میں حضرت جنیدؒ نے ایک کتے کو دیکھا جس کے شکار کرنے والے دانت ٹوٹے ہوئے تھے۔ چنانچہ جس پنجہ سے کبھی وہ شیر تک پر حملہ کر دیتا تھا آج اسی میں طاقت نہ ہونے کی وجہ سے بوڑھی لومڑی ہو رہا تھا۔ یا تو جنگلی بکرے اور ہرن کو دوڑا کر پکڑ لیتا تھا یا اب قبیلے کی بکریوں کی لات کھاتا تھا۔ جب حضرت نے اس کو اس درجہ مسکین اور بے بس دیکھا تو اپنے توشہ میں سے آدھا اس کو بھی دیدیا ؎

شنیدم کہ می گفت و خوں می گریست ۔۔۔ کہ داند کہ بہتر زما ہر دو کیست
بظاہر من امروز ازیں بہترم ۔۔۔ دگر تا چہ راند قضا بر سرم
گرم پائے ایماں نہ لغزد ز جائے ۔۔۔ بسر بر نہم تاج عفو خدائے
دگر کسوت معرفت در برم ۔۔۔ نماند بہ بسیار ازیں کمترم
کہ سگ با ہمہ زشت نامی چو مرد ۔۔۔ مراورا بدوزخ نخواہند برد

میں نے سنا کہ حضرت جنیدؒ یہ منظر دیکھ کر فرماتے تھے اور خون کے آنسو روتے تھے کہ معلوم ہم دونوں میں سے کون بہتر ہے۔ گو بظاہر آج میں اس سے افضل معلوم ہوتا ہوں مگر کل کی کچھ خبر نہیں کہ قضا و قدر سے کیا ظہور میں آئے ہاں اگر میرا ایمان کا قدم اپنی جگہ سے لغزش نہ کھائے تو بیشک اللہ تعالیٰ کی عفو و بخشش کا تاج سر پر رکھوں گا اور اگر خدانخواستہ اللہ تعالیٰ کی معرفت کا لباس نہ ہو یعنی ایمان نہ ہو تو اس کتے سے ہزار درجہ بدتر ہوں گا اس لیے کہ کتا لاکھ برا سہی لیکن مرنے کے بعد اس کو دوزخ میں تو نہ لیجائیں گے کیونکہ وہ مکلف نہیں ہے اور ہم تو مکلف ہیں۔ آگے بطور نتیجہ کے فرماتے ہیں کہ ؎

رہ این است سعدی کہ مردان راہ ۔۔۔ بعزت نکردند در خود نگاہ
ازیں بر ملائک شرف داشتند ۔۔۔ کہ خود را بہ از سگ نہ پنداشتند

اے سعدی طریق یہی ہے کہ اس طریق کے چلنے والے اپنے اندر عزت کی نگاہ نہیں کرتے اور اسی وجہ سے یہ لوگ فرشتوں سے مرتبہ میں بڑھے ہوئے ہیں کہ اپنے کو کتے سے بہتر نہیں سمجھتے۔

علماء نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ تک پہونچنے کے کچھ اصول ہیں۔ ان میں سے ایک تواضع ہے اور تکبر کا ترک کرنا ہے ؎

تکبر عزازیل را خوار کرد ۔۔۔ بزندانِ لعنت گرفتار کرد

تواضع ہی کے بیان میں بوستاں میں ہے کہ "عید کی صبح کو حضرت بایزید بسطامیؒ حمام سے نہا کر اور کپڑے بدل کر نکلے۔ اتنے میں کسی شخص نے اوپر سے ایک طشت راکھ پھینک دی

وہ ساری کی ساری حضرتؒ کے اوپر پڑی۔ میں نے سنا کہ شکرانہ کا ہاتھ چہرہ پر پھیر رہے تھے اور اپنے عمامہ اور بال سے راکھ کو صاف کرتے جاتے تھے اور فرماتے تھے کہ اے نفس تو تو آگ کے لائق تھا پھر راکھ پڑنے سے جبین بر جبیں کیوں ہوتا ہے آگے فرماتے ہیں کہ ؎

بزرگان نکردند در خود نگاہ | خدا بینی از خویشتن بیں مخواہ
بزرگی بہ ناموس و گفتار نیست | بلندی بہ دعوی و پندار نیست
قیامت کسے بینی اندر بہشت | کہ معنی طلب کرد و دعوی بہشت
تواضع سر رفعت افرازدت | تکبر بخاک اندر اندازدت
بگردن فتد سرکش تند خوئے | بلندیت باید بلندی مجوئے

حضرت بایزیدؒ نے بجائے اس کے کہ راکھ پھینکنے والے پر کچھ خفا ہوتے اپنے ہی نفس کو مخاطب کرکے یہ جو کہا تو اس کی وجہ بیان فرماتے ہیں کہ ان بزرگان دین کی نظر اپنے اوپر ہوتی نہیں یہ حضرات اپنے کو کسی لائق سمجھتے ہی نہیں اسی لیے خدا تک پہونچتے ہیں، ورنہ تو خویشتن بیں سے خدا بینی کی توقع نہیں رکھنی چاہیے۔ (معرفت حق الہ آباد کے شکریہ کے ساتھ)

چندہ سالانہ
ہندوستان سے -/۱۵
پاکستان سے -/۲۵
بنگلا دیش سے -/۱۶
فی شمارہ ۱/۵۰

ماہنامہ الفرقان لکھنؤ

ممالک غیر سے سالانہ چندہ
محصول ڈاک میں زبردست اضافہ
کے بعد اب نئی شرح یہ ہے
بحری ڈاک سے ۲ پونڈ
ہوائی ڈاک سے ۴ پونڈ

جلد (۴۶) بابت اگست ۱۹۷۸ء مطابق شعبان المعظم و رمضان المبارک ۱۳۹۸ھ شمارہ (۸)

اگر اس دائرہ میں ◯ سُرخ نشان ہے، تو

اس کا مطلب ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہوگئی ہے براہ کرم آئندہ کے لیے چندہ ارسال کریں یا خریداری کا ارادہ نہ ہو تو مطلع فرمائیں۔ چندہ یا کوئی دوسری اطلاع مہینے کے آخر تک آجانا چاہیے ورنہ اگلا پرچہ بصیغۂ وی پی ارسال ہوگا۔

نمبر خریداری: براہ کرم خط وکتابت کرتے وقت اور منی آرڈر کوپن پر اپنا خریداری نمبر ضرور لکھ دیا کیجیے جو پتہ کی چٹ پر لکھا ہوتا ہے۔

تاریخ اشاعت: الفرقان ہر انگریزی مہینے کے پہلے ہفتہ میں روانہ کردیا جاتا ہے۔ اگر مہینے کے آخر تک کسی صاحب کو پرچہ نہ ملے تو فوراً مطلع کریں اس کی اطلاع اگلے مہینے کی ۱۰ تاریخ تک آجانا چاہیے اس کے بعد رسالہ بھیجنے کی ذمہ داری دفتر پر نہ ہوگی۔

پاکستان میں ترسیل زر کا پتہ: ناظم ادارۂ اصلاح و تبلیغ آسٹریلین بلڈنگ، لاہور

(مولوی) محمد منظور نعمانی پرنٹر پبلشر و ایڈیٹر نے تنویر پریس میں چھپوا کر دفتر الفرقان ۳۱ نیا گاؤں مغربی لکھنؤ سے شائع کیا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نگاہِ اوّلیں

محمد منظور نعمانی

ضروری اطلاع - اس شمارہ کے بعد ستمبر اکتوبر کا مشترک شمارہ اکتوبر میں شائع ہوگا۔

الفرقان کے انہی صفحات میں اپنے اس حال کا بار بار ذکر کیا جا چکا ہے کہ بائیں کولھے کی ہڈی کے مجروح و شکستہ ہونے کی وجہ سے میں چلنے پھرنے سے کسی قدر معذور ہو گیا ہوں اسی لیے گزشتہ دو سالوں میں قریب یا دور کا کوئی سفر نہیں کیا، رابطۂ عالم اسلامی (مکہ مکرمہ) کے سالانہ اجلاس میں بھی شرکت نہیں کر سکا۔

اب سے قریباً تین مہینے پہلے "رابطہ" کے دفتر (مکہ مکرمہ) سے اطلاع ملی کہ جولائی کے پہلے ہفتہ میں "رابطۂ عالم اسلامی" کی "ایشیائی اسلامی کانفرنس" حکومت پاکستان کے تعاون سے کراچی میں منعقد کرنے کا فیصلہ کیا گیا ہے۔ اسی کے ساتھ اُس میں شرکت کا دعوت نامہ بھی جس کے ساتھ یہ اطلاع بھی دی گئی تھی کہ آپ کے سفر کے سارے انتظامات حکومت پاکستان اور رابطہ کی طرف سے کیے جائیں گے۔

پاکستان میں راقم سطور کے اگرچہ خاندانی عزیز قریب نہیں ہیں، لیکن دینی و روحانی رشتہ سے اور اللہ کے لیے محبت و مودت کا تعلق رکھنے والے اکابر و احباب کی بڑی تعداد ہے، مگر بدقسمتی سے ہندوستان و پاکستان کے تعلقات کی جو نوعیت اب تک رہی ہے اس کی وجہ سے ہم جیسے ہندوستانیوں کے لیے پاکستان جانا اور اسی طرح پاکستانی بھائیوں کے لیے یہاں آنا امریکہ اور افریقہ جیسے دور دراز ملکوں کی آمد و رفت سے بھی زیادہ مشکل ہے۔ اسی صورتِ حال

کی وجہ سے یہ عاجز ۲۰-۲۱ سال سے پاکستان نہیں جا سکا۔ اس مدت میں بہت سے اکابر و احباب اس دنیا سے رخصت بھی ہو گئے اور بہت سے بظاہر پا برکاب ہیں، خود اپنا بھی یہی حال ہے، قمری حساب سے عمر کا پچھترواں سال قریب الختم ہے، اللہ ہی جانتا ہے کتنا وقت اور باقی ہے۔ —— اس لیے شدید خواہش تھی کہ زندگی ختم ہونے سے پہلے پاکستان کے اپنے اکابر و احباب کی زیارت و ملاقات کی کوئی صورت پیدا ہو۔ —— جب رابطہ کی طرف سے کراچی میں منعقد ہونے والی ایشیائی اسلامی کانفرنس کا دعوت نامہ آیا اور معلوم ہوا کہ یہ کانفرنس "رابطہ عالم اسلامی" اور حکومتِ پاکستان کے تعاون سے ہو رہی ہے اور مدعوین کے سفر وغیرہ کی ذمہ داری حکومتِ پاکستان نے لی ہے اور لکھنؤ سے کراچی تک کا واپسی ہوائی ٹکٹ اور ویزا وغیرہ ساری ضروری چیزیں گھر بیٹھے آجائیں گی اور اس سفر کے لیے خود کوئی فکر اور کوشش نہیں کرنی پڑے گی تو اپنی معذوری کے باوجود میں بھی کانفرنس میں شرکت اور اس کے لیے سفر کے بارہ میں سوچنے لگا اور استخارہ کے بعد طے کر لیا کہ اگر سفر کے سارے قانونی مراحل بلا فکر و زحمت طے ہو جائیں اور میری موجودہ معذوری کی حالت میں جس طرح کے رفیق سفر کی مجھے ضرورت ہے وہ رفیق سفر بھی مل جائے تو متوکلاً علی اللہ مجھے یہ سفر کر لینا چاہیے۔

میرے چھوٹے لڑکے مولوی خلیل الرحمان سجاد، "جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ" میں زیر تعلیم ہیں وہ میرے لیے سب سے اچھے رفیق اور خادم ہو سکتے تھے لیکن مجھے امید نہیں تھی کہ وہ کانفرنس کی تاریخ (یکم شعبان ۵ جولائی) تک اپنے امتحان سے فارغ ہو کر کراچی پہنچ سکیں گے۔ تاہم میں نے ان کو لکھا کہ اگر تمہارے لیے اس کا امکان ہو کہ ۵ جولائی تک تم کراچی پہنچ سکو تو میں بھی سفر کی ہمت کروں! —— انھوں نے لکھا کہ مجھے امتحان سے فراغت جون ہی میں ہو جائے گی اور میں ۵ جولائی کو انشاء اللہ کراچی پہنچ جاؤں گا پھر انھوں نے مجھے اطلاع دی کہ پاکستان کا ویزا بھی میں نے حاصل کر لیا ہے اور ۵ جولائی کے لیے سیٹ بھی رزرو کرالی۔

اس کے بعد مجھے لکھنؤ سے کراچی تک کے چند گھنٹے کے سفر کے لیے ایک ایسے رفیق کی ضرورت تھی جس کو میں حسب ضرورت کوئی زحمت دے سکوں —— رفیق محترم مولانا سید ابوالحسن علی میاں کے برادر زادے، دارالعلوم ندوۃ العلماء کے عربی ماہنامے "البعث الاسلامی" کے مدیر مولانا

محمد الحسنی بھی کانفرنس میں مدعو تھے، انھوں نے طے کیا کہ اگر راقم سطور کانفرنس کی شرکت کے لیے سفر کرے تو وہ ایک رفیق کے طور پر میرے ساتھ ہی سفر کریں گے۔ لکھنؤ سے کراچی تک کے لیے بھی اللہ تعالیٰ نے میری ضرورت کے مطابق بہترین رفیق عطا فرما دیا ــــــ اس کے بعد بنام خدا سفر کا تہیا کر لیا گیا۔

دارالعلوم ندوۃ العلماء کے ایک بڑے فعال اور با صلاحیت کارکن مولوی قمر علی ندوی ــــ جو راقم سطور کے ساتھ عزیزانہ تعلق رکھتے ہیں ــــ اِن دنوں دارالعلوم ہی کے کسی کام کے سلسلہ میں دہلی مقیم تھے، اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے وہاں کے سارے قانونی اور انتظامی مراحل انھوں نے طے کیے ــــ اب صرف اتنا کام رہ گیا کہ مقررہ وقت پر لکھنؤ کے ہوائی اڈہ پہنچکر میں دہلی کے لیے ہوائی جہاز پر سوار ہو جاؤں یا سوار کرا دیا جاؤں ــــ چنانچہ ۵ رجولائی ۲ بجے سہ پہر کو ہوائی جہاز سے دہلی کے لیے روانگی ہو گئی، مولانا محمد میاں حسنی میرے ساتھ تھے ــــ لکھنؤ سے دہلی تک کی قریباً تین سو میل کی مسافت صرف ۵۰ منٹ میں طے کر کے ہوائی جہاز دہلی کے ہوائی اڈہ پر اتر گیا ــــ عزیزم مولوی قمر علی ندوی سلمہ وہاں موجود تھے اور انھوں نے میرے لیے پہیے دار کرسی کا بھی انتظام کر لیا تھا۔

کراچی جانے والا ہوائی جہاز قریباً ڈھائی گھنٹے لیٹ آیا اس لیے رات کے ۱۲ بجے کے قریب کراچی اترنا ہوا، مہمانوں کی سہولت کے لیے ہوائی اڈہ پر بہت اچھے انتظامات تھے سفر سے متعلق ضروری قانونی کارروائیوں سے فارغ ہونے کے بعد ہم لوگ رات کے ایک بجے کے قریب انٹر کانٹی نینٹل ہوٹل پہنچے جہاں کانفرنس کے تمام مدعوین کے قیام کا انتظام تھا۔ ہندوستان کے قریباً سب ہی مدعوین، اسی طیارہ سے پہنچے تھے۔

رفیق محترم مولانا سید ابوالحسن علی ندوی جو اواخر جون میں "جامعہ اسلامیہ، مدینہ منورہ" کی مجلس اعلیٰ کی شرکت کے لیے مدینہ منورہ تشریف لے گئے تھے، وہاں سے براہ راست کراچی اسی روز (۵ رجولائی کو) دن میں پہنچ چکے تھے، خلیل الرحمٰن سجاد سلمہ بھی مولانا کے ساتھ ہی پہنچ گئے تھے ــــ کانفرنس کے منتظمین نے میرا قیام بھی اسی کمرہ میں تجویز کیا تھا جس میں مولانا کا قیام تھا۔

اگلے دن ۱۷ر جولائی (جمعرات) کو کانفرنس کا اجلاس شروع ہوا ــــــ افتتاح حکومتِ پاکستان کے موجودہ سربراہ جنرل ضیاء الحق صاحب کو کرنا تھا، انھوں نے اردو میں لکھا ہوا اپنا افتتاحیہ خطبہ پڑھا جو حمد وصلوٰۃ سے شروع ہوتا تھا ــــــ موصوف کے متعلق سنا بھی تھا اور اخبارات میں بھی بار بار پڑھا تھا کہ وہ اپنی ذات سے صرف "دین پسند" نہیں بلکہ عملی زندگی میں اچھے خاصے دیندار فوجی جنرل ہیں، صوم وصلوٰۃ کے پابند ہیں اور چاہتے ہیں کہ دینی زندگی مسلمانوں میں عام ہو جائے، اُن کا خطبہ اس شہرت کے مطابق تھا ــــــ بعض باتیں غالباً ملکی سیاست کے تقاضے سے بھی کہی گئی تھیں۔

جنرل ضیاء الحق صاحب کے افتتاحیہ خطبہ کے بعد حکومت پاکستان کے وزیر امور مذہبی اے، کے بروہی صاحب نے اپنا خطبہ استقبالیہ پڑھا، یہ خطبہ بھی اُردو میں تھا اور اپنی دینی روح کے لحاظ سے ہم جیسوں کے لیے باعث مسرت تھا ــــــ اس کے بعد رابطہ عالم اسلامی کے جنرل سکریٹری شیخ محمد علی الحرکان نے اپنی مکتوب تقریر پیش کی جو عربی میں تھی، اس میں وہ سب کچھ کہا گیا تھا جو رابطہ عالم اسلامی کے جنرل سکریٹری اور کانفرنس کے داعی کی حیثیت سے ان کو کہنا تھا اور کانفرنس کے مقاصد اور طریق کار وغیرہ کی وضاحت کی گئی تھی۔

کانفرنس کی پہلی نشست اسی پر ختم ہو گئی اور کچھ وقفہ کے بعد دوسری نشست شروع ہوئی ــــــ پہلے مسٹر اے کے بروہی کو کانفرنس کا صدر منتخب کیا گیا اور تین نائب صدر منتخب ہوئے ــــــ اول ہمارے رفیق محترم مولانا سید ابو الحسن علی ندوی، دوسرے انڈونیشیا کے عبدالرشید صاحب اور تیسرے فلپائن کے مسٹر عبد الباقی ابو بکر صاحب ــــــ اس کے بعد کارروائی شروع ہوئی اور پوری کارروائی "رابطہ عالم اسلامی" کے سکریٹری شیخ صفوت سقا امینی صاحب نے چلائی ــــــ کانفرنس کے ایجنڈے میں جن مسائل کا ذکر کیا گیا تھا ان پر غور و بحث اور تجاویز مرتب کرنے کے لیے، کمیٹیاں بنا دی گئیں اور اعلان کر دیا گیا کہ جو صاحب جس کمیٹی میں چاہیں شریک ہو سکتے ہیں ــــــ اس دن کے بقیہ حصہ میں اور اگلے دن ان کمیٹیوں کے جلسے ہوتے رہے۔ راقم سطور اور رفیق محترم مولانا علی میاں کسی کمیٹی میں شرکت نہیں کر سکے۔

کانفرنس کے آخری دن مندوبین کے عمومی اجلاس میں کمیٹیوں کی مرتب کی ہوئی تجاویز پیش ہوئیں، مختلف مقررین نے اپنے اپنے نقطۂ نظر کے مطابق تجاویز سے متعلق تقریریں کیں اور کانفرنسوں کے معمول کے مطابق یہ تجاویز بلا ترمیم یا کسی ترمیم کے ساتھ منظور ہوئیں۔ اس اجلاس پر کانفرنس کی کارروائی ختم ہوگئی ——— کانفرنس کے صدر مسٹر کے۔ اے بروہی اور رابطہ عالم اسلامی کے جنرل سکریٹری شیخ محمد علی الحرکان کی فرمائش پر اختتامی تقریر رفیق محترم مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے فرمائی۔ آخر میں خود شیخ محمد علی الحرکان نے مختصر تقریر فرمائی جس میں اللہ تعالیٰ کا شکر اور کانفرنس کے انعقاد و انتظامات میں تعاون کرنے والے تمام عناصر خصوصاً حکومت پاکستان اور اس کے سربراہ جنرل ضیاء الحق کا شکریہ ادا کرنے کے ساتھ اچھی امیدوں کا اظہار فرمایا اور عملی جدوجہد کی دعوت دی۔

جہاں تک شان و شوکت اور ایشیا کے مختلف ممالک کی نمائندگی کا تعلق ہے بلاشبہ یہ کانفرنس بہت کامیاب رہی۔ لیکن، یہ بات مستقبل بتائے گا کہ اسلام اور ملت اسلامیہ کو اس عظیم الشان کانفرنس نے کیا دیا، ——— اس طرح کی کانفرنسوں کے بارہ میں نتائج اور حاصلات کے لحاظ سے راقم سطور کا پچاس سال سے زیادہ کا تجربہ بہت ہی مایوس کن ہے۔ خدا کرے یہ تجربہ پہلے تجربوں سے مختلف خوش کن اور مسرت بخش ہو۔

کانفرنس میں دو چیزیں شدت سے محسوس ہوئیں، اُن کا ذکر نہ کرنا ایک طرح کی خیانت ہوگی۔

ایک انتہائی اسراف جس کی کم از کم راقم سطور کوئی وجہ جواز نہیں سمجھ سکا جس ہوٹل میں تمام مدعوین کا قیام تھا ——— جن کی تعداد دو سو کے قریب تھی ——— انھی میں سے بعض واقف حضرات نے بتلایا کہ اس ہوٹل میں ہم میں سے ہر ایک کے قیام و طعام کے مصارف کا اوسط ایک ہزار روپیہ یومیہ کے قریب ہے۔ انھی صاحب نے بتلایا کہ ایک پیالی چائے جو ہم پیتے ہیں یا کسی مہمان کے لیے منگواتے ہیں، اس کی قیمت سات روپئے ہوتی ہے ——— بعد میں پاکستان ہی کے ایک صاحب نے یہ بھی بتلایا کہ اس ہوٹل کے مالک پاکستانی مسلمان نہیں ہیں

بلکہ یہ امریکہ کی کسی کمپنی کا ہے —— اگر یہ بات صحیح ہے تو اور بھی زیادہ رنج و افسوس کی بات ہے —— آجکل پاکستان میں اسلامی قانون کے نفاذ —— معاشرہ کی اصلاح اور مسلمانوں میں اسلامی زندگی عام کرنے کا مسئلہ سب مخلص اور دین پسند اہل فکر کے سامنے ہے اور اس کو دوسرے سب مسئلوں سے زیادہ اہمیت دی جا رہی ہے اور بیشک یہ اس کا مستحق ہے۔ لیکن سوچنے کی بات ہے کہ کیا ہمارا یہ طرز عمل اور امریکہ وغیرہ کی تقلید میں ہماری یہ مسرفانہ زندگی ہماری ان نیک اور مبارک آرزوؤں سے کچھ مطابقت رکھتی ہے، کیا اس بارہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات، آپ کے اسوۂ حسنہ اور امت کی تاریخ میں ہمارے لیے کوئی رہنمائی نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بصارت اور بصیرت عطا فرمائے۔

دوسری چیز جو شدت سے محسوس ہوئی وہ بعض مقررین کا وہ جوشِ خطابت تھا جس سے محسوس ہوتا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو حقیقت پسندی کا کوئی حصہ عطا نہیں فرمایا ہے اور وہ صرف خیالی دنیا میں رہتے ہیں اور شاید اپنے کو اور اپنے دور کے مسلمانوں کو وہ قرونِ اولیٰ کے فاتح مجاہدین سمجھتے ہیں اور دنیا کی بساط پر اس وقت مسلمانوں کی جو واقعی حالت ہے اس کی طرف سے انھوں نے آنکھیں بند رکھنے کا فیصلہ کر لیا ہے (حالانکہ صرف اسرائیل کا وجود اور اس کی تاریخ ہی ہمکو سب کچھ بتلانے اور سبق دینے کے لیے کافی ہے) —— الغرض ان پر جوش مقررین کی ہنگامہ خیز تقریریں سنکر شدت سے یہ احساس ہوا کہ یہ تقریریں عام مسلمانوں کو حقیقت پسند اور فکرمندی کے ساتھ عملی آدمی بننے کے راستہ میں ہمیشہ رکاوٹ بنتی رہیں گی —— کانفرنس کے آخری دن کے اجلاس میں ایک مرحلہ پر رفیق محترم مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے بڑی دلسوزی کے ساتھ تقریر فرمائی جس میں ان مقررین کو اس طرف توجہ بھی دلائی اور بتلایا کہ اس رویہ سے ہم نے کھویا بہت اور پایا کچھ نہیں ہے —— لیکن بعد کی تقریروں سے اندازہ ہوا کہ مولانا نے جو کچھ فرمایا وہ "صدا بصحرا" کے سوا کچھ نہ تھا۔ فالی اللہ المشتکیٰ

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے متعلق روایات میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد جب وہ خلیفہ منتخب کیے گئے، اور انھوں نے پہلا خطبہ دیا جو بہت مختصر تھا تو اس کے آخر میں یہ بھی فرمایا کہ

انتم اليوم الى امام فعّال	آج تمہیں بولنے والے امام و رہنما سے زیادہ
احوج منكم الى امام	ضرورت فعّال (بہت کرنے والے) امام و
قوّال	رہنما کی ہے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی یہ بات ہمارے اس زمانہ سے جیسی مطابقت رکھتی ہے شاید ایسی مطابقت کسی دور میں نہ رہی ہوگی ــــــ واقعہ یہ ہے کہ "قوّالیت" اور "قوّالیت پسندی" اس وقت ہم مسلمانوں کی بیماریوں میں بڑی قابل فکر بیماری ہے۔

۸ر جولائی کو کانفرنس ختم ہو جانے کے بعد ۹ر کی صبح ہم سب لوگ ہوٹل سے "نیوٹاؤن" منتقل ہو گئے ــــــ نیوٹاؤن جامع مسجد کے ساتھ ہی حضرت مولانا محمد یوسف بنوری علیہ الرحمہ کے قائم فرمائے ہوئے "جامعۃ العلوم الاسلامیہ" کی عمارتیں اور متعلقہ حضرات کے رہائشی مکانات ہیں ــــــ حضرت مولانا بنوریؒ کے مکان کے ساتھ ہی جامع مسجد کے موجودہ خطیب و امام مولانا قاری رشید الحسن صاحب کا رہائشی مکان ہے موصوف، رفیق محترم مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے قریبی عزیز ہیں ــــــ مولانا نے انہی کے ہاں قیام کا فیصلہ فرمایا، قاری رشید الحسن صاحب کا اس عاجز سے بھی بڑا مخلصانہ تعلق ہے اور اس کا حق تھا کہ میں بھی ان کے ہاں قیام کرتا لیکن میں نے حضرت مولانا محمد یوسف بنوری علیہ الرحمہ والرضوان کے تعلق سے اُن کے صاحبزادے عزیزم مولوی محمد بنوری سلمہم اللہ تعالیٰ اور حضرت مولانا مرحوم کے قائم مقام اور خویش مولانا مفتی احمد الرحمٰن صاحب (مہتمم جامعہ عربیہ اسلامیہ نیوٹاؤن کراچی) کا مہمان بننا طے کیا کیونکہ اگر حضرت مولانا بنوری علیہ الرحمہ چند مہینے پہلے اس دنیا سے رخصت نہ ہو گئے ہوتے تو میں انہی کا مہمان ہوتا ــــــ میرا قیام اُسی کمرہ میں رہا جو مولانا کی نشستگاہ تھی ــــــ اگر عالم ارواح میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت مولانا مرحوم کو اُن کے کمرہ اور ان کی نشستگاہ میں اس عاجز کے قیام کی اطلاع دی گئی ہوگی تو یقین ہے کہ ان کی روح کو بڑی مسرت ہوئی ہوگی ــــــ اُن کے صاحبزادے عزیزم مولوی محمد بنوری اور صاحبزادی صاحبہ مولانا مفتی احمد الرحمٰن صاحب کی اہلیہ مکرمہ، اور خود مفتی صاحب موصوف نے مہمان نوازی

میں جو غیر معمولی اہتمام فرمایا اُس سے دل بہت متاثر رہا اور انشاء اللہ رہے گا ——— اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں ان حضرات کو اس کا بہتر سے بہتر صلہ عطا فرمائے ——— حضرت مولانا بنوریؒ کے بڑے داماد مولانا طفیل بھی (جن کا قیام اب نیو ٹاؤن سے بہت فاصلہ پر ہے) برابر تشریف لاتے رہے۔ اُن سے اس عاجز کا تعارف اور تعلق قدیم ہے۔ بڑا اچھا علم اور بہت وسیع مطالعہ ہے۔ "مجلس علمی" کے کاموں کی غالباً وہی دیکھ بھال کرتے ہیں ——— اس قیام کے دوران یہ معلوم کرکے بڑی مسرت ہوئی کہ "جامعۃ العلوم الاسلامیہ" کا کام جس منوال و منہاج پر حضرت مولانا بنوریؒ علیہ الرحمہ کے سامنے چل رہا تھا اسی منہاج پر اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے چل رہا ہے اور انشاء اللہ چلتا رہے۔ مزید یہ معلوم کرکے بے حد خوشی ہوئی کہ مولانا مرحوم کے رفقاء اور تلامذہ ان کی تصنیف "معالم السنن" کی تکمیل و اتمام کا بھی عزم رکھتے ہیں ——— اللہ تعالیٰ ان کی پوری مدد فرمائے اور یہ خدمت اُن سے لے لے (وما ھو علیہ بعزیز)

حسن اتفاق تھا کہ ان دنوں مرشدنا حضرت رائے پوری قدس سرہ کے خلیفہ حضرت مولانا حافظ عبدالعزیز رائے پوری دامت فیوضہم کراچی میں "جامعۃ العلوم الاسلامیہ" (نیو ٹاؤن) کے مہمان خانہ ہی میں قیام فرما تھے ان کی خدمت میں بھی حاضری اور زیارت کی سعادت نصیب ہوئی۔ اور چونکہ پہلے سے اس کا کوئی گمان نہ تھا اس لیے یہ نعمت غیر مترقبہ معلوم ہوئی۔

ہوٹل میں جب تک قیام رہا وہاں ملاقات کی سخت پابندیوں اور سرکاری انتظامات کی وجہ سے بہت کم احباب آکر مل سکے تھے۔ لیکن اب نیو ٹاؤن آکر احباب و مخلصین کا گویا تانتا بندھا رہا ——— کانفرنس کے بعد کراچی میں ۵ دن قیام رہا۔ ان دنوں میں صبح سویرے سے رات گئے تک ظہر و عصر کے درمیان آرام کے وقت کو مستثنیٰ کرکے برابر لوگوں کا ہجوم رہتا۔ یہ سب وہ تھے جن کی محبت صرف اللہ کے لیے اور دین کے رشتے سے تھی ——— بارہا ایسا ہوا کہ ملاقات کے وقت وفور مسرت سے آنسو جاری ہو گئے ——— یہ اللہ کے لیے محبت کا تعلق "بہت ہی عظیم نعمت ہے۔ اللہ تعالیٰ راقم سطور کو اور ان سب محبین کو اس کی برکات

ارزانی فرمائے ـــــ بہت سے حضرات تھے جو اپنے مکان لے جانے کے خواہشمند تھے۔ بہت سوں نے تو میرا حال دیکھ کر کہا ہی نہیں۔ اور بہت سوں نے فرمائش کی لیکن میں خود اپنی خواہش اور ان حضرات کے حقوق کے احساس کے باوجود تعمیل سے معذور تھا۔ ان مخلصوں میں بہت سے وہ تھے جو میری طرح عمر کی آخری منزل میں ہیں (جیسے "اشرف منزل" جودھپور والے بھائی نجم الاسلام صاحب اور بریلی کے ہمارے پروفیسر خلیق احمد صاحب اور مرزا حکیم عبدالحمید صاحب وغیرہ) بظاہر بہت کم امید ہے کہ زندگی میں ان حضرات سے پھر ملاقات ہو۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کا ایمان پر خاتمہ اور مغفرت فرما کر اپنے دارِ رحمت جنت میں ملاقات مقدر فرما دے جس کے بعد مفارقت اور جدائی کا سوال ہی نہیں۔

اس موقع پر چند اہم ملاقاتوں اور مجلسوں کا ذکر کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے ـــــ میں کراچی میں ہمارے سلسلے کے تین بڑے مدارس ہیں۔ ایک نیو ٹاؤن کا "جامعۃ العلوم الاسلامیہ" جس میں گویا قیام تھا[1] ـــــ دوسرا حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا قائم کردہ "دارالعلوم کورنگی" ـــــ اور تیسرا "جامعہ فاروقیہ" جس کے ذمہ دار اور غالباً بانی بھی مولانا سلیم اللہ خاں صاحب ہیں ـــــ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ تو اب اس دنیا میں نہیں رہے ان کے صاحبزادگان مولانا محمد رفیع صاحب اور مولانا محمد تقی صاحب ہی اُن کے علمی و دینی کمالات کے وارث اور دارالعلوم کے ذمہ دار ہیں۔ مولانا محمد تقی خاص طور پر علم و ذہانت اور تحریری صلاحیتوں میں ہمارے حلقے میں ممتاز اور اس عاجز سے استحقاق سے بہت زیادہ تعلق رکھتے ہیں، مجھے بھی ان سے بہت قلبی تعلق اور مزاجی مناسبت ہے ـــــ انھوں نے مجھے بہت پہلے لکھا بھی تھا کہ میں وہاں کا سفر کروں اور کچھ دن "دارالعلوم" میں قیام کروں ـــــ لیکن وقت کی تنگی اور اپنی معذوری کی وجہ سے قیام تو نہ کر سکا، ہاں ان حضرات کی فرمائش پر ایک دن وہاں حاضر ہوا ـــــ اور طلبہ و اساتذہ اور عوام کی خاصی تعداد کے سامنے کچھ عرض بھی کیا۔ خصوصی مخاطب چونکہ دارالعلوم کے طلبہ تھے اس لیے کچھ

---

[1] انشاء اللہ الفرقان کے آئندہ شمارہ میں "جامعۃ العلوم الاسلامیہ" پر ایک مفصل مضمون ناظرین کرام پڑھیں گے۔

اپنی طالب علمی کی داستان اور کچھ اپنے حضرات اساتذہ واکابر کا تذکرہ ہی بنیادی مضمون تھا ـــــ حضرت مفتی صاحبؒ کے دست مبارک سے لگے ہوئے اس پودے کو پھلتا پھولتا دیکھ کر دلی خوشی ہوئی۔ اور اخلاص و للّٰہیت اور قبولیت کے لیے دل سے دعائیں نکلیں۔

مولانا سلیم اللہ خاں صاحب کے "جامعہ فاروقیہ" میں صحیح بخاری کے ختم کے سلسلے میں ایک اجتماع تھا، ہمارے دارالعلوم دیوبند کے مہتمم حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہ نے آخری درس دے کر ختم کرایا ـــــ مجھے اس دن کچھ نزلہ زکام کا زور ہوگیا تھا، بارشیں بھی خوب ہو رہی تھیں لیکن ایفاءِ وعدہ کی غرض سے اجتماع میں حاضر ہوا۔ ایک صاحب نے مجھے دیکھ کر میری تقریر کا بھی اعلان کر دیا ـــــ حالانکہ اس وقت میں اس حال میں نہیں تھا۔ مجبوراً چند کلمات (رفیق محترم مولانا سید ابوالحسن علی میاں سے اجازت لیکر جن کی اُس وقت تقریر کا اعلان ہوچکا تھا) عرض کر دیے اور حاضرین سے اپنا حال بتلا کے اور معذرت کر کے واپس آگیا ـــــ اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے مولانا سلیم اللہ خاں صاحب کو انھوں نے مجھے معذور سمجھ کر بطیب خاطر واپسی کی اجازت دیدی۔

نیو ٹاؤن کے "جامعۃ العلوم الاسلامیہ" میں بھی ۱۳ر جولائی کو جو کراچی کے قیام کا آخری دن تھا اور اسی دن جامعہ کا سالانہ امتحان ختم ہوا تھا ایک اجتماع میں کچھ عرض کرنے کا موقع ملا۔ وہاں گفتگو علوم نبوی اور ان کے طالبین اور معلمین کے مقام اور اس کے تقاضوں پر ہوئی ـــــ اللہ تعالیٰ ان سب مجالس اور اجتماعات اور وہاں کی گفتگوؤں کو خود میرے اور سب بھائیوں کے لیے باعث خیر و فلاح بنائے۔

کراچی میں سب سے قدیم تعلق مخلص ترین دوست حاجی عبدالجبار صاحب مرحوم کے گھرانے سے تھا، اُن کے خلف الصدق بھائی ابراہیم عبدالجبار میرے لیے اُن کے قائم مقام اور تبلیغی کام سے ان کے تعلق کے بھی پورے وارث ہیں، ان کے گھر جانا بھی ضروری تھا، انہی کے مشورے کے مطابق اور انہی کے ساتھ ۱۱ر جولائی چہارشنبہ کو پہلے کراچی کے تبلیغی مرکز کی مسجد گئے۔ وہاں ہمارے قاضی عبدالقادر صاحب دامت فیوضہم مقیم تھے، جو چند ہفتے پہلے ایک ایکسیڈنٹ سے سخت مجروح ہوگئے تھے۔ ان کی زیارت و عیادت کی۔ انھوں نے

میرا لاہور کا پروگرام اور اپنے ساتھ ہی ڈاکٹر منیر الحق صاحب کے مکان پر قیام بھی طے فرمادیا۔ جو بھائی افضل صاحب کے داماد ہیں۔ میرا ارادہ بھائی افضل صاحب کے ہاں قیام کا تھا، لیکن قاضی صاحب نے بتلایا کہ وہ آجکل لندن اجتماع میں تشریف لے گئے ہیں ——— مکی مسجد ہی سے بھائی ابراہیم عبدالجبار صاحب اپنے مکان لے آئے اس رات وہیں کھانا کھایا ——— دوسرے دن جمعرات کو ہفتہ وار تبلیغی اجتماع تھا اُس دن بھر مکی مسجد حاضری ہوئی بہت ہی بڑی تعداد میں اور ہر طبقے کے لوگ موجود تھے ——— اللہ نے تبلیغی دعوت ہی سے متعلق کچھ عرض کرنے کی توفیق دی۔ دعوت اور ایمان و یقین کی محنت و جدوجہد کے اصول، اس کے مخصوص مزاج، حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ کے درد و کرب اور اس سلسلہ کے اُن کے بعض سبق آموز حالات و واقعات اور ارشادات کا خصوصیت سے ذکر آیا۔ تبلیغی کام کی عنداللہ مقبولیت اور انبیاء علیہم السلام کے مزاج اور طریقۂ کار سے اُس کی گہری مشابہت و مناسبت کے بارے میں بھی کچھ عرض کیا، اور جو غلطیاں، بے اصولیاں اور دعوتی مزاج سے مطابقت نہ رکھنے والی باتیں کام کرنے والوں سے بسا اوقات ہو جاتی ہیں اور جن سے کام کو بہت نقصان پہونچتا ہے اُن کے بارے میں بھی کچھ عرض کیا گیا ——— اللہ تعالیٰ ان باتوں سے نفع پہنچائے اور قبول فرمائے ——— تبلیغی کام کی رفتار اور مختلف طبقات خاصکر جدید تعلیم یافتہ حضرات کے گہرے تعلق کو دیکھ کر اور دینی زندگی کو عالم میں فروغ دینے کی فکر و جدوجہد کا حامل پاکر اور خود ان کی زندگی میں اُس کے غیر معمولی اثرات محسوس کر کے بہت ہی خوشی ہوئی ——— بلاشبہ یہ جو کچھ ہو رہا ہے محض اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور صرف اس کی توفیق سے ہو رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ کام کرنے والوں کو اخلاص و استقامت عطا فرمائے اور اپنے دین کی راہ میں زیادہ سے زیادہ قربانیوں کی توفیق دے، خود ان کو کامل ہدایت سے نوازے اور عالم میں ہدایت کے فروغ کا اُن کو وسیلہ بنائے اور ہر طرح کے شرور و فتن سے اُن کی اور کام کی حفاظت فرمائے۔

مولانا مفتی محمود صاحب کی ملاقات اس وقت پاکستان میں خاص کر ملی و ملکی معاملات میں ہمارے حلقہ کے قائد و ترجمان کی حیثیت مولانا مفتی محمود صاحب ہی کی ہے۔

جو "جمعیۃ علمائے اسلام" کے رہنما اور "قومی اتحاد" کے صدر ہیں۔

مجھے اُن سے کبھی ملاقات یاد نہیں تھی۔ اُن کے بارے میں جو کچھ سنا یا اخبارات و رسائل میں پڑھا تھا اُسکی بنا پر دل میں ان کے لیے محبت و احترام کے جذبات تھے اللہ تعالیٰ کی مشیت وہ مدت سے ذیابیطس وغیرہ چند سنگین امراض میں مبتلا ہیں اور اس وقت ان پر مرض کا غلبہ ہے، ان دنوں وہ کراچی کے ایک بڑے اسپتال میں زیر علاج تھے۔ ان کی ملاقات وعیادت کے لیے عزیزم مولوی محمد بنوری کے ساتھ میں ایک شام کو اسپتال گیا۔ مفتی صاحب سے ملاقات ہوئی، بیحد مسرت اور قلبی تعلق کا اظہار اُن کے رویہ سے ہو رہا تھا ——— گفتگو ہوئی تو معلوم ہوا کہ وہ مجھ سے بارہا مل چکے ہیں۔ لیکن یہ ملاقاتیں یا تو اُس وقت ہوئیں جب وہ طالب علمی کے دور میں تھے۔ یا، پھر اُس زمانہ میں جب وہ صرف ایک نوجوان عالم اور مدرس تھے "مولانا مفتی محمود" نہیں تھے۔ اس لیے مجھے اُن کی کوئی ملاقات یاد نہیں تھی۔ مفتی صاحب کافی دیر تک پاکستان کے عام دینی اور سیاسی حالات پر گفتگو فرماتے رہے۔ اُن سے بہت سی وہ اہم باتیں معلوم ہوئیں جو کسی اور سے معلوم نہ ہوسکتی تھیں، ان باتوں سے وہاں کے موجودہ حالات کو صحیح صحیح سمجھنے میں بہت مدد ملی ——— ان کے اخلاص اور درویشانہ زندگی کے تذکرے تو پہلے بھی سنے تھے، اُن کی سیاسی فہم و بصیرت اور اس باب میں اُن کے امتیازی مقام کا پورا اندازہ اب اس ملاقات سے ہوا ——— اللہ تعالیٰ ان کو صحت و عافیت کے ساتھ سلامت رکھے۔ اور ان کی مخلصانہ اور مدبرانہ قیادت سے ملت کو فائدہ اٹھانے کی توفیق دے۔

اسی شام قومی اتحاد کے جنرل سکریٹری اور جماعت اسلامی پاکستان کے اہم رکن پروفیسر غفور احمد صاحب نے رفیق محترم مولانا سید ابو الحسن علی ندوی کو اپنے مکان پر استقبالیہ دیا تھا، اور اس عاجز کو بھی خصوصیت سے شرکت کی دعوت دی تھی ——— لیکن مفتی صاحب سے ملاقات طویل ہو گئی۔ اسپتال ہی میں مغرب کا وقت ہو گیا، اس لیے میں استقبالیہ میں شریک نہ ہو سکا۔ اس کا خیال رہا کہ پروفیسر صاحب کو میری عدم شرکت محسوس ہوئی ہوگی اور میں خود ان سے ملنا بھی چاہتا تھا ——— عزیزم مولوی محمد بنوری نے اس کو محسوس کر کے اس کی تلافی کی صورت یہ پیدا کی ——— کہ ایک صبح پروفیسر صاحب کو میرے ساتھ ناشتے کی دعوت دیدی۔

اور انھوں نے بڑی خوشی سے دعوت قبول کی اور تشریف لے آئے۔ مختلف حضرات سے اُن کے خلوص، فہم و فراست اور دوسری خوبیوں کے بارہ میں جو کچھ سنا تھا ملاقات سے اس کی تصدیق ہوئی اور دل کو اُن سے تعلق پیدا ہوا ــــــ انھوں نے بتلایا کہ انھوں نے لکھنؤ یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کی ہے، اور مولانا علی میاں سے اور مجھ سے لکھنؤ کے قیام کے زمانہ میں وہ برابر ملتے تھے۔ مولانا علی میاں کے درس قرآن میں اور ہمارے تبلیغی اجتماعات میں بھی شریک ہوتے تھے ــــــ یہ دیکھ کر خاص طور پر بہت خوشی ہوئی کہ مولانا مفتی محمود صاحب اور اُن کے درمیان پورے اعتماد و خلوص کا تعلق ہے۔ اللہ تعالیٰ اس فضا کو قائم رکھے۔ بظاہر پاکستان کی خیر و فلاح اس سے وابستہ ہے۔

بریلی کے عزیزوں سے ملاقات:-

راقم سطور کا قیام بریلی میں ۱۳ سال رہا۔ محلہ شاہ آباد شرقی میں چند گھروں کا ایک احاطہ تھا جو گھیر مولوی عبد القیوم صاحب کے نام سے معروف تھا، اس کے ایک مکان میں میری رہائش رہی۔ اس گھیر کے سب باشندے بفضلہ تعالیٰ صحیح العقیدہ اور ہم مسلک تھے۔ ۱۳ سالہ قیام کی وجہ سے سب سے عزیزداری کا سا تعلق ہو گیا تھا ــــــ راقم سطور قیام پاکستان سے قریبًا ایک سال پہلے بریلی سے لکھنؤ منتقل ہو گیا تھا، پھر پاکستان بن جانے کے بعد گھیر کے قریبًا سب ہی گھرانے دیر سویر پاکستان منتقل ہو گئے اور کراچی کو وطن بنا لیا۔

اس موقع پر میری بھی خواہش تھی کہ ان سب سے ملاقات ہو جائے۔ اور وہ سب بھی اس کے بڑے خواہشمند تھے۔ ان میں سے ایک عزیز مسٹر عبد الرؤف (جو میرے بریلی کے قیام کے زمانے میں نوخیز نوجوان تھے اور مجھ سے بہت تعلق رکھتے تھے اور اب ماشاء اللہ متعدد عالمی اخبارات کے نمایندے ہیں) ہوٹل میں آکر ملے تھے اور اُن سے یہ طے ہو گیا تھا کہ کسی دن گھیر کے سب عزیز ایک جگہ جمع ہو جائیں اور میں وہاں پہنچ کر سب سے مل لوں، چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ ان حضرات نے باہم مشورہ سے بھائی جمیل الدین صاحب کے مکان پہ جمع ہونا طے کر لیا۔ عزیزم عبد الرؤف ہی مقررہ دن اور وقت پر نیو ٹاؤن سے مجھے وہاں لے گئے ــــــ وہاں سب ہی

لوگ جمع تھے۔ جو تھوڑا سا وقت ان عزیزوں کے ساتھ گذرا وہ بڑی غیر معمولی مسرت اور خوشی کا وقت تھا، اس صحبت میں کچھ دینی باتیں بھی ہوئیں اور دعا پر یہ نشست ختم ہوئی۔ ماسٹر حنیف صاحب کی خواہش پر ان کے گھر بھی گیا ـــــ بریلی میں انھی کے مکان میں کرایہ دار کی حیثیت سے میرا قیام تھا، اور بالکل برادرانہ اور عزیزانہ تعلق رہا تھا، سب کو خوشحال دیکھ کر خوشی بھی ہوئی اور دل سے دعا نکلی کہ اللہ تعالیٰ شکر کی توفیق دے اور دولت سے پیدا ہونے والے شر سے حفاظت فرمائے۔

فیصل آباد اور لاہور:-

لکھنؤ سے میری روانگی کے ایک دو ہی دن پہلے مدینہ منورہ سے آنے والے ایک صاحب کے ذریعہ میرے نہایت مخلص دوست جناب حکیم عبد الرحیم اشرف صاحب کا اخلاص نامہ مجھے ملا تھا، جس میں انھوں نے تحریر فرمایا تھا کہ میں یہاں ایک ضروری کام سے آیا ہوا تھا، میرا پروگرام آخر شعبان تک یہاں رہنے کا تھا، لیکن مجھے معلوم ہوا کہ آپ عازم پاکستان ہیں لہذا میں کام کو نا تمام چھوڑ کر جلد ہی کراچی واپس ہو کر آپ سے ملوں گا۔ فیصل آباد کے قیام کی مدت میرے پہنچنے کے بعد ہی طے ہوگی۔ (فیصل آباد لائیلپور کا جدید نام ہے)

اس گرامی نامے کے ملنے سے پہلے میرے ذہن میں کراچی اور لاہور کے علاوہ کہیں اور کا سفر نہیں تھا۔ کراچی پہنچنے کے بعد مختلف شہروں سے مخلص دوستوں کے ٹیلیفون آنے لگے کہ اس سفر میں آپ کو ہمارے یہاں بھی آنا ہے۔ راولپنڈی سے میرے نہایت مخلص اور محترم دوست مولانا غلام اللہ خاں صاحب نے کئی بار خود ٹیلیفون پر گفتگو فرمائی اور راولپنڈی آنے کا وعدہ لیا۔ اور میں نے کسی درجہ میں ارادہ بھی کر لیا۔ اسی طرح پشاور سے حضرت مولانا محمد اشرف صاحب دامت برکاتہم کا گرامی نامہ اور پیام لے کر ایک صاحب کراچی آئے تو ارادہ کر لیا کہ اگر راولپنڈی جانا ہوا تو ایک دن کے لیے حضرت مولانا محمد اشرف صاحب کی زیارت ہی کے لیے خدا نے چاہا تو پشاور بھی ضرور جاؤں گا۔ ویزا میں ان سب مقامات کا اضافہ بھی کرا لیا ـــــ لیکن پھر اپنی حالت اور معذوری نے اس فیصلے پر مجبور کیا کہ سفر کو مختصر کیا جائے اور کراچی سے بس لاہور ہوتے ہوئے دہلی واپسی ہو جائے۔

ہوائی جہاز کے ٹکٹ بھی اسی حساب سے بنوا لیے گئے ـــــ اس پوری کارروائی کے بعد حکیم عبدالرحیم اشرف ۱۲ر جولائی کو کراچی پہنچ گئے۔ اور میرے پاس تشریف لائے۔ اور فرمایا کہ میں صرف آپ کی وجہ سے سفر مختصر کر کے اور اپنا کام ناتمام چھوڑ کر آیا ہوں، فیصل آباد بہرحال چلنا ہوگا۔ میں نے اُن کا حق سمجھا کہ اُن کی فرمائش کی تعمیل کی جائے چنانچہ پروگرام میں یہ تبدیلی کر لی گئی کہ انشاء اللہ جمعہ ۱۴ر کی صبح کراچی سے فیصل آباد کا سفر بذریعہ طیارہ ہوگا۔ دو دن وہاں قیام کے بعد بذریعہ کار لاہور، اور وہاں ایک دن قیام کر کے ۱۷ر کی شام کو لاہور سے دہلی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

جمعہ کو علی الصبح بعد نماز فجر بھائی ابراہیم عبدالجبار صاحب اپنی گاڑی لے کر آگئے، اور یہ عاجز۔ اور خلیل الرحمٰن سجاد سلمہٗ، مولانا مفتی احمد الرحمٰن صاحب اور عزیزم مولوی محمد بنوری سلمہم اللہ تعالیٰ کے ساتھ چائے پی کر اور ان حضرات سے رخصت ہو کر بھائی ابراہیم کے ساتھ ہوائی اڈہ روانہ ہو گئے۔ تبلیغی کام سے خاص تعلق رکھنے والے بھائی عبدالحمید نوری اور ایک دوسرے بھائی اشرف صاحب بھی جن کا ہوائی محکمہ ہی سے تعلق ہے، ساتھ تھے، ان کی وجہ سے جہاز میں اتنی سہولت سے جا کر سوار ہو گئے جس طرح اپنی کار میں بیٹھ جاتے ہیں ـــــ معلوم ہوا کہ جہاز راستہ میں ملتان بھی اترے گا اور ۴۰ منٹ ٹھیرے گا، اگر پہلے سے معلوم ہوتا تو ملتان کے دوستوں کو ٹیلیفون سے اطلاع دیدی جاتی اور ہوائی اڈہ ہی پر ملاقات ہو جاتی ـــــ چنانچہ جہاز پہلے ملتان اترا اور وہاں سے پرواز کر کے اُس نے ہمیں فیصل آباد اتارا، یہاں حکیم عبدالرحیم اشرف صاحب، مولانا مفتی سیاح الدین صاحب اور لدھیانہ والے بھائی اسمٰعیل بھائی ابراہیم صاحب اور دوسرے بہت سے احباب و مخلصین موجود تھے خاصکر بھائی اسماعیل بھائی ابراہیم وغیرہ کو دیکھ کے روح میں تازگی آگئی، یہ ہمارے حضرت رائے پوری قدس سرہ کے عاشق خادموں میں ہیں۔

ہوائی اڈہ سے سیدھے حکیم صاحب کے مکان پہ پہنچے، دوستوں کی آمد شروع ہو گئی۔ تھوڑی دیر کے بعد جمعہ کی نماز کا وقت آگیا۔ قریب کی بڑی اور عالیشان مسجد میں جو اس علاقہ کی جامع مسجد ہوگی، نماز ادا کرنے کا پروگرام تھا اور معلوم ہوا کہ میری تقریر کے بارہ میں بھی

اعلان ہو چکا ہے ـــــ میرے مسجد تک جانے کے لیے پہیے دار کرسی کا انتظام کیا گیا تھا اسی سے مسجد جانا اور وہاں سے آنا ہوا ـــــ مسجد حاضرین سے بھری ہوئی تھی، مولانا مفتی سیاح الدین صاحب تقریر فرما رہے تھے، میرے پہنچنے پر انھوں نے اپنی تقریر ختم کر کے میرے بارہ میں اعلان کر دیا ـــــ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ اس وقت دل میں ڈالا وہ عرض کیا اُس وقت کی گذارش کا خاص نقطہ یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سب سے بڑی نعمتیں وہ ہیں جو امت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ملی ہیں، اور ان میں سے عظیم ترین نعمت اللہ تعالیٰ سے مانگنا اور دعا کرنا ہے پھر دعا کی حقیقت اور اس کی عظمت و اہمیت، اور اس کے طریقے اور آداب وغیرہ کے بارہ میں جو کچھ عرض کرنے کی اللہ تعالیٰ نے توفیق دی عرض کیا گیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعض خاص دعائیں بھی ذکر کی گئیں ـــــ آخر میں دعا پر بات ختم ہوئی، اس کے بعد جمعہ کی نماز ادا کی گئی۔

دوستوں کی ملاقات :-

نماز سے فارغ ہو کر حکیم صاحب کے مکان پر آئے تو ایک صاحب نے ہمارے ایک بہت ہی مخلص اور اللہ کے لیے محبت کرنے والے بزرگ مولانا محمد شریف صاحب مرحوم کی صاحبزادی کا پیام پہنچایا کہ وہ آپ کے پاس آنا اور کچھ باتیں کرنا چاہتی ہیں، ساتھ ہی بتلایا کہ وہ یہاں آئی ہوئی ہیں اور اُن کا خط بھی مجھے دیا، خط پڑھ کے میں بہت متاثر ہوا میں نے ان کو بلوا لیا اُن کے ساتھ ان کی دوسری بہن بھی تھیں جو سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کی بہو (یعنی اُن کے صاحبزادے کی اہلیہ) ہیں، انھی کی عزیزہ ایک اور خاتون بھی تھیں۔ شاہ صاحب اور مولانا محمد شریف صاحب دونوں بزرگ اس وقت بہت ہی یاد آئے اور ان کے اور اُن کے متعلقین کے لیے دعا نصیب ہوئی۔

مولانا محمد شریف صاحب کی بڑی صاحبزادی صاحبہ نے فرمایا کہ اپنی جماعت یعنی سلسلۂ دیوبند سے تعلق رکھنے والے جب بھی کوئی بزرگ یہاں آتے تھے تو والد صاحب ان کو اپنے گھر ضرور لاتے تھے۔ شاید آپ کو یاد ہو کہ اب سے کوئی ۲۰ سال پہلے جس دن میرے مرشد حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کا دیوبند میں وصال ہوا تھا، اس دن آپ لائلپور ہی میں تھے، اور جس وقت وہ خبر آئی ہے اُس وقت آپ جامع مسجد میں تقریر فرما رہے تھے۔

تو دو والد صاحب آپ کو بھی گھر پہ لائے تھے —— اب وہ نہیں ہیں لیکن آپ کو میرے یہاں آنا ہے —— میں ان کی باتوں سے بہت متاثر ہوا اور وعدہ کرلیا کہ انشاء اللہ کسی وقت ضرور حاضر ہوں گا۔ چنانچہ دوسرے دن وقت نکال کے اُن کے مکان پر خود پہنچا، اُن کی بہن شاہ صاحب علیہ الرحمہ کی بہو بھی موجود تھیں دونوں بہنوں نے پردہ سے باتیں کیں، دل بیحد متاثر ہوا —— ان کی خدمت میں کچھ ہدیہ پیش کرنے کا ارادہ تھا لیکن انھوں نے مجھے ہدیہ کے طور پر عنایت فرمانے کے لیے کئی چیزیں تیار کر رکھی تھیں جو انھوں نے پیش کر دیں —— اللہ تعالیٰ ان کو دنیا اور آخرت میں بہتر سے بہتر صلہ عطا فرمائے اور خاص فضل و رحمت سے نوازے۔

ادارۂ "جامعہ تعلیمات اسلامیہ" میں:۔

ہمارے داعی اور میزبان حکیم عبدالرحیم اشرف صاحب نے دوسرے دن (۱۵ر جولائی) اپنے ادارے "جامعہ تعلیمات اسلامیہ" میں وہاں کے طلبہ و اساتذہ سے ملاقات اور خطاب کا پروگرام طے فرما دیا تھا —— صبح ۹ بجے کے قریب ہم لوگ وہاں پہنچے —— شہر کے ہنگاموں سے دور پرسکون ماحول میں یہ ادارہ ہے۔ کچھ دیر دفتر میں بیٹھنے کے بعد ہم لوگ اجتماع گاہ پہنچے۔ وہاں حضرات اساتذہ اور طلبہ اور دوسرے اہل علم حضرات اور بعض اعیان شہر کی خاصی تعداد موجود تھی —— ابتدائیہ سے علیا تک کے طلبہ نے مختصر مختصر پروگرام پیش کیے —— اور خوشی کی بات ہے کہ سب عربی زبان میں تھے —— ادارے اور اس کے مختلف شعبوں کے بارے میں معلومات حاصل ہوئے —— اس کے بعد حکیم صاحب نے درد و سوز سے بھری ہوئی تقریر کی۔ حکیم صاحب نے اپنی تقریر میں بڑے درد و سوز کے ساتھ اپنی مدرسہ والی برادری میں اخلاص و للّٰہیت کے فقدان کا ذکر کیا —— اور مجھ سے فرمایا کہ اس مرض کی کوئی دوا بتادُ ا —— جو حضرات مجھے قریب سے جانتے ہیں انھیں اس بارے میں مایوسی کی حد تک میرے احساسات معلوم ہوں گے —— لیکن حکیم صاحب نے کچھ ایسے انداز سے مجھ سے یہ فرمائش کی اور غالباً اُن کے دل کی گرمی ہی کا اثر تھا جس نے اُس وقت میرے دل کو بھی اس بات کے لیے کھول دیا اور پھر اللہ نے جو کہلوایا عرض کیا۔ تقریباً دو گھنٹے تک بات کرتا رہا۔ اور وقت کا اندازہ

نہیں ہوا۔ گفتگو کا موضوع بنیادی طور پر دین کے کاموں میں اخلاص اور تعلق مع اللہ کی اہمیت اس کے تقاضوں اس کے حاصل کرنے کے طریقوں اور اُس کی علامتوں کا بیان تھا، خاص مخاطب دینی علمی برادری تھی۔ ساتھ ہی ساتھ عام حاضرین کی مناسبت سے دین کی دعوت و خدمت اور اس کے کرنے والوں کے لیے چند لازمی صفات کا بھی ذکر آگیا۔ اللہ تعالیٰ اس پوری گفتگو کو قبول فرمائے۔ اور کہنے والے اور سننے والے سب بھائیوں کو اچھی باتوں پر عمل کرنے کی توفیق دے۔

بھائی ابراہیم اور بھائی اسماعیل کے یہاں:۔

یہاں سے فارغ ہو کر ہمیں بھائی اسماعیل اور بھائی ابراہیم کے گھر جانا تھا، دوپہر کا کھانا اور آرام وہیں طے کیا جا چکا تھا۔ یہ دونوں بھائی جیسا کہ میں عرض کر چکا ہوں مرشدنا حضرت رائے پوری قدس سرہٗ کے خاص خادموں اور عاشقوں میں ہیں، ملک کی تقسیم اور پاکستان کے قیام سے پہلے خاص کر رمضان مبارک یہ رائے پور کی خانقاہ ہی میں گزارا کرتے تھے، پہلا وطن لدھیانہ تھا اب فیصل آباد ہے۔ ان کے ہاں پہنچے تو دیکھا کہ انھوں نے علماء اور خواص کی خاصی تعداد کو مدعو کر لیا ہے۔ سب سے مل کر اور خوشی ہوئی۔ سعودی عرب کے کچھ نوجوان طلبہ بھی تھے جو تبلیغی جماعت کے ساتھ وہاں آئے ہوئے تھے —— کھانے سے فارغ ہو کر وہیں آرام کیا۔ آرام و راحت کا پورا انتظام تھا۔ بھائی اسماعیل اور ان کے گھر والوں کی خواہش تھی کہ میں وہیں قیام کرتا اور اُن کا یہ حق بھی تھا لیکن چونکہ فیصل آباد کا یہ سفر حکیم صاحب ہی کی دعوت پر اور ان ہی کی وجہ سے ہوا تھا اس لیے میں ایسا نہ کر سکا —— عصر تک بھائی اسماعیل صاحب ہی کے ہاں قیام رہا نماز عصر وہیں ادا کی۔

قدیم شہر کی جامع مسجد میں اجتماع اور تقریر:۔

عصر کے بعد قدیم شہر کی جامع مسجد جانا تھا، وہاں اجتماع اور تقریر کا اعلان کیا جا چکا تھا۔ غالباً اس اجتماع کا اہتمام ہمارے مولانا مفتی تاج الدین صاحب اور اُن کے خاص رفقا نے کیا تھا۔ بہت بڑی تعداد میں لوگ جمع تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہی کے اخلاص و طلب کی برکت سے

وہاں بھی شرح صدر فرمایا۔ ڈیڑھ گھنٹے کے قریب بات عرض کی۔ پاکستانی مسلمانوں کو اپنی عملی زندگی میں جس تبدیلی کی ضرورت ہے اس کی طرف کسی قدر تفصیل سے توجہ دلائی گئی اور اس کے لیے تبلیغی جماعت کے طرز کار کا ذکر کیا اور ذاتی تجربہ کی بنا پر کچھ باتیں عرض کیں — اذان مغرب سے متصلاً پہلے بات ختم ہوئی۔ معلوم ہوا کہ ابھی نماز کے بعد حضرات اہل علم کا مخصوص اجتماع رکھا گیا ہے، اور اس کے لیے کافی تعداد میں حضرات علماء کرام جمع ہوگئے ہیں۔ لیکن نماز کے درمیان ہی اچانک میری طبیعت خراب ہونے لگی۔ ہائی بلڈ پریشر کا میں مریض ہوں — کبھی کبھی زیادہ بولنے سے اس میں بہت اضافہ ہوجاتا ہے اور پھر میرے لیے ضروری ہوجاتا ہے کہ بات بالکل نہ کروں، اس وقت یہی کیفیت ہوگئی، مجبوراً مولانا مفتی سیاح الدین صاحب کی وساطت سے اُن حضرات علماء کرام سے معذرت کر کے اور دل پر سخت بوجھ اور احساس ندامت لے کر حکیم صاحب کے مکان پر واپس آگیا — اللہ تعالیٰ اُن حضرات کو جزائے خیر دے کہ انھوں نے میری بیماری اور معذوری کا لحاظ کر کے مجھے اجازت دیدی — اللہ کی مشیت! خود میرا جی چاہتا تھا کہ جو باتیں صبح جامعہ تعلیمات اسلامیہ میں عرض کی تھیں وہی مزید تفصیل اور وضاحت کے ساتھ ان حضرات کی خدمت میں بھی عرض کروں — لیکن

"ماشاء اللہ کان وما لم یشأ لم یکن"

رات میں بھی ملاقات کے لیے دیر تک لوگ آتے رہے۔ لیکن میں اس وقت ایسی حالت میں تھا کہ صرف مصافحہ ہی کر سکتا تھا۔

مولانا عبد الجلیل و مولانا عبد الوحید صاحبان کی تشریف آوری:۔

فیصل آباد کے قریب ہی ضلع سرگودھا ہے جس کی تحصیل بھلوال کا ایک موضع "ڈھڈیاں" ہمارے حضرت رائے پوری قدس سرہٗ کا وطن تھا اور اب وہی مرقد و مدفن بھی ہے" اس کا محلِ وقوع ایسا ہے کہ یہ عاجز اپنی معذوری کی وجہ سے کسی طرح وہاں نہیں جا سکتا تھا" اور اس کا بڑا رنج و قلق تھا۔ حضرت کے بھتیجے مولانا عبد الجلیل صاحب اور بھانجے مولانا عبد الوحید صاحب جو رائے پور میں اکثر حضرت کے ساتھ ہی رہتے تھے، ہمارے لیے حضرت قدس سرہٗ کی

خاص یادگار ہیں۔ ۱۵ر جولائی کی شب میں ازراہ عنایت وہ خود ہی تشریف لے آئے، ان سے مل کر بے حد خوشی ہوئی رات کو ساتھ ہی قیام رہا، صبح لاہور کے لیے انھوں نے مجھے رخصت کیا، اللہ تعالیٰ اُن کو حضرت قدس سرہٗ کا پورا وارث بنائے۔

ایک اور قابل ذکر شخصیت :-

فیصل آباد میں ایک اور صاحب ملے جن کا ذکر کرنے کو جی چاہتا ہے۔ یہ ہیں کرنل مقبول الٰہی صاحب۔ مجھے کبھی پہلے ان کی ملاقات یاد نہیں۔ اُن کے مجھ سے غائبانہ تعارف اور تعلق کا ذریعہ میری کتاب "آپ حج کیسے کریں" بنی۔ جو ان کے ایک عزیز نے انھیں سفر حج کے لیے روانگی کے وقت دیدی تھی۔ اور اس مبارک سفر میں برابر ان کے ساتھ رہی، انھوں نے بتلایا کہ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آپ انگلی پکڑ کے مجھے حج کرا رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کرنل صاحب کو ان کے اخلاص و محبت کی بہترین جزا دنیا و آخرت میں عطا فرمائے ــــــ خلوص و محبت کے علاوہ ان کے اصول پسند فوجی مزاج نے بھی بہت مسرور و متاثر کیا۔ فیصل آباد میں بیٹھے بیٹھے ٹیلی فون کے ذریعہ لاہور سے دہلی اور لکھنؤ کے لیے ہوائی جہاز میں ریزرویشن کرنل صاحب ہی کی چابکدستی نے آسانی سے کرادیا، جس کے بعد اپنے سفر کے پروگرام کے بارے میں اطمینان ہوگیا۔

لاہور کے لیے روانگی :-

دوسرے دن ۱۶ر جولائی کی صبح بھائی اسمٰعیل ابراہیم کی کار سے لاہور کے سفر کا پروگرام تھا۔ کرنل صاحب ہی نے باصرار مشورہ دیا کہ صبح روانگی میں تاخیر نہ کی جائے تاکہ گرمی کے وقت سے پہلے آپ لاہور پہنچ جائیں۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور ہم لوگ وہاں کے سب حضرات سے رخصت ہو کر اور سب کے خلوص و محبت کا گہرا اثر لیے صبح ۶ بجے روانہ ہو گئے راستے میں وہاں کے تبلیغی مرکز بلالی مسجد بھی چند منٹ کے لیے صرف دعا کی غرض سے جانا ہوا۔ ــــــ لاہور تک کا فاصلہ تقریباً ڈھائی گھنٹے میں طے ہوا اور ۹ بجے کے قریب ہم لوگ ڈاکٹر منیر الحق صاحب کے مکان پر پہنچ گئے۔ انھیں اور ادارہ اصلاح و تبلیغ والے چودھری

عبدالعزیز صاحب اور بعض دوسرے احباب کو باہر ہی منتظر پایا۔

ڈاکٹر منیر الحق صاحب:۔

اوپر ذکر آچکا ہے کہ یہ ڈاکٹر منیر الحق صاحب ہمارے بھائی افضل صاحب کے خویش ہیں۔ آنکھوں کے ماہر معالج کی حیثیت سے ملک اور بیرون ملک میں بھی بہت اچھی شہرت رکھتے ہیں صورت شکل اور زندگی ایسی مومنانہ جو ہمارے مدرسوں اور خانقاہوں کی دنیا میں بھی اب کم ہی نظر آتی ہے، پورے گھرانے پر دین کا رنگ غالب، چھوٹے بچے بھی صورۃً "ملّا" — ایسے حضرات کا وجود ہم جیسوں کے لیے بڑا سبق آموز ہے — ہزاروں دوسری مثالوں کی طرح تبلیغ سے تعلق کی برکتوں کی ایک اور مثال سامنے آئی۔

لاہور میں دوستوں مخلصوں سے ملاقاتیں:۔

لاہور میں ہمارے ایک بہت پرانے اور بہت ہی مخلص رفیق اور دوست حاجی عبدالواحد صاحب ہیں — واقعہ یہ ہے کہ لاہور کے سفر کا ایک بڑا محرک اُن سے ملاقات کا اشتیاق بھی تھا، مجھے اُن کے بارہ میں یہ معلوم تھا کہ وہ قطعی طور پر عدیم البصر ہو چکے ہیں، اس لیے میں نے طے کیا کہ اگر موٹر ان کے گھر تک جا سکتی ہوگی تو میں خود ہی جا کر اُن سے ملوں گا لیکن ان کو میرے پروگرام کا علم ہو گیا تھا اور جیسے ہی میں لاہور پہنچا اُن کو اطلاع ہو گئی اور وہ اپنے دو صاحبزادوں کے ساتھ خود ہی تشریف لے آئے، ان کی ملاقات اور دید سے بڑی روحانی لذت و مسرت حاصل ہوئی، راقم سطور کے اندازہ اور تجربہ میں اللہ کے بڑے مخلص بندے ہیں، معلوم ہوا کہ آنکھ کا آپریشن کرایا تھا کچھ روشنی آگئی ہے۔ الحمد للہ — حاجی صاحب نے اگلے دن صبح کا ناشتہ اپنے یہاں ...... کرنے کی ایسے اصرار کے ساتھ فرمائش کی کہ اپنی مجبوری و معذوری کے باوجود مجھے قبول کر لینا پڑا — کافی دیر بیٹھ کر اور دوسرے دن صبح آنے کا وعدہ کر کے واپس تشریف لے گئے — دن بھر ملنے والے احباب و مخلصین کا تانتا بندھا رہا۔ شام کو بعد مغرب وہاں کے تبلیغی مرکز: بلال پارک میں اجتماع رکھ لیا گیا تھا یہ وہی جگہ تھی جہاں

حضرت مولانا محمد یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا آخری بیان ہوا تھا، جس کے بعد ان پر وہ قلبی دورہ پڑا جو ظاہری اسباب میں اُن کے وصال کا بہانہ بنا۔ ——— مغرب کی نماز وہیں ادا کی، حاضرین کی تعداد یہاں بھی کافی تھی، خصوصاً تبلیغی کام سے عملی تعلق رکھنے والے تو شاید سب ہی جمع ہوگئے تھے ——— ایک دن کے اندر اندر چل پھر کر اور گشتوں اور ملاقاتوں کے ذریعہ ہی ان سب کو اطلاع دی گئی ہوگی، نماز مغرب کے بعد دینی دعوت اور تبلیغی محنت ہی کے بارہ میں قریباً ڈیڑھ گھنٹہ کچھ عرض کیا گیا۔ دعوتی کام کی کچھ نزاکتوں اور اس تبلیغی جدوجہد اور حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ کے مزاج کی کچھ خصوصیات کی طرف خصوصیت سے توجہ دلائی جن کی رعایت و حفاظت ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ سب باتوں کو نفع مند بنائے ——— راقم سطور نے عشا کی نماز اپنی معذوری کی وجہ سے اپنی قیام گاہ ڈاکٹر منیر الحق صاحب کے مکان پر آکر پڑھی۔ اوپر ذکر آچکا ہے کہ ڈاکٹر منیر الحق صاحب کے اس مکان پر اور ان کی ضیافت میں ہمارا یہ قیام ہمارے محترم قاضی عبدالقادر صاحب مدظلہ کی تجویز بلکہ حکم سے ہوا تھا، وہ خود بھی وہیں مقیم تھے، اور ہم گویا ان کے زیر سایہ تھے۔

شب میں بارش کا سلسلہ شروع ہوگیا جو صبح تک جاری رہا، بہت تیز بارش تھی لیکن اس بارش میں ہی بھائی عبدالواحد صاحب مجھے لینے کے لیے آگئے اور اپنے ساتھ ڈاکٹر اسرار احمد صاحب (مدیر میثاق لاہور) کو بھی لے آئے۔ ڈاکٹر صاحب کو مجھے خود بھی ملنے کا اشتیاق تھا، کراچی ہی میں اُن کا یہ پیام مجھے ملا تھا کہ میں لاہور آؤں تو اُن کے پاس قیام کروں، میں نے اس سے تو معذرت کر دی تھی لیکن اُن سے ملاقات کرنا میں اپنے پر اُن کا اور اُن کے مخلصانہ تعلق کا حق سمجھتا تھا ———

بہرحال وہ حاجی عبدالواحد صاحب کے ساتھ تشریف لے آئے اور معلوم ہوا کہ انھوں نے عبدالواحد صاحب کو اس پر راضی کر لیا ہے کہ اس وقت ناشتہ کا پروگرام اُن کے مکان کے بجائے ڈاکٹر صاحب کے ہاں ہو ——— لیکن اتفاق سے اس دن مجھے صبح ہی سے ایک ایسی تکلیف عارض ہوگئی جس کی وجہ سے میں باہر نکلنے اور کہیں جانے کے حال ہی میں نہیں رہا اور فجر کے بعد ہی سے اس فکر میں تھا کہ کسی طرح حاجی عبدالواحد صاحب کو اپنی اس حالت اور ان کے گھر پر حاضری سے معذوری کی اطلاع دے سکوں ——— بہرکیف جب وہ حضرات تشریف لے آئے تو اپنا حال عرض کر کے معذرت چاہی اور انھوں نے بڑی مشکل سے اور یقیناً بادل ناخواستہ ہی میری معذرت قبول فرمائی اور قیام گاہ کی اس

ملاقات اور گفتگو ہی پر اکتفا کرنا پڑا ـــــ اللہ ہی جانتا ہے کہ آئندہ اس زندگی میں اب کبھی ملاقات ہو گی یا نہیں ـــــ اللہ تعالیٰ ہم سب کے لیے مغفرت کا فیصلہ فرما کر اپنے دارِ رحمت میں یکجائی نصیب فرمائے۔

پنجاب کے گورنر صاحب کے فرستادہ ایک صاحب تشریف لائے اور انھوں نے گورنر صاحب کا یہ پیام پہنچایا کہ "پشاور سے حضرت مولانا محمد اشرف صاحب مدظلہ نے مجھے ٹیلی فون کیا ہے کہ آپ اگر پشاور کے سفر کے لیے آمادہ ہوسکیں تو میں آپ کے سفر کا انتظام کروں" میں نے اپنی مجبوری ظاہر کر کے معذرت کی اور حضرت مولانا محمد اشرف صاحب دامت برکاتہم کی خدمت میں خط لکھدیا، لیکن مولانا کی زیارت وملاقات نہ ہوسکنے کا افسوس رہے گا (خود مولانا مجھ سے بہت زیادہ معذوری کی حالت میں ہیں) ـــــ اگر اس زندگی میں مقدر ہے تو انشاء اللہ کبھی ملاقات ہوگی ورنہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کے کرم سے آخرت میں پوری امید ہے ـــــ راقم سطور کے نزدیک مولانا ممدوح اس دور کے خاصانِ خدا میں سے ہیں ـــــ واللہ اعلم باحوال عبادہ

اس سفر میں اپنے قدیم کرم ومحترم مولانا امین احسن اصلاحی صاحب سے ملاقات کا بھی بڑا اشتیاق تھا ـــــ ٹیلی فون کے ذریعہ فیصل آباد ہی میں ان کا یہ پیام مجھے مل گیا تھا کہ "میں اتفاق سے لاہور آیا ہوا تھا، یہاں تمھاری آمد کی خبر ملی اب میں تمھارے انتظار ہی میں یہاں ٹھہرا ہوا ہوں"۔ میں نے لاہور پہنچکر مولانا کو اطلاع دلوائی اور کہلوایا کہ آپ کل تشریف لائیں۔ لیکن اگلے دن شدید بارش کی وجہ سے بہت سے راستے ناقابل عبور ہو گئے، اسوجہ سے مولانا ۱۱ بجے کے قریب تشریف لاسکے۔ ۲۰۔۲۱ سال کی طویل مدت کے بعد مولانا کو دیکھ کے اور ملکر بہت ہی مسرت ہوئی ـــــ کئی سال پہلے مولانا بہت سخت مریض ہوئے تھے جس کے بعد بظاہر اسباب اس امید کی گنجائش نہیں رہی تھی کہ وہ صحتیاب ہو کر قرآن پاک کی تفسیر کا وہ کام جاری رکھ سکیں گے جو "تدبر قرآن" کے نام سے وہ کر رہے تھے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت ورحمت سے ایسی صحت بخشی کہ اس بیماری کا کوئی اثر ہی نہیں رہا، عمر کے لحاظ سے اُن کی صحت بہت اچھی نظر آئی ـــــ الحمدللہ "تدبر قرآن" کا کام اسی طرح جاری ہے اور تکمیل کی منزل قریب ہے۔ اُس کی چار جلدیں ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے اہتمام سے شائع ہوئی تھیں اور انہی کی عنایت فرمائی ہوئی میرے پاس ہیں ـــــ

جزاہم اللہ تعالیٰ ـــــ پانچویں جلد مولانا اصلاحی نے غالباً اپنے ہی اہتمام سے طبع کرائی ہے وہ انھوں نے اب عنایت فرمائی، یہ سورۂ "زمر" پر ختم ہوئی ہے۔ مولانا نے بتلایا کہ چھٹی جلد پریس میں ہے، ساتویں بھی لکھی جا چکی ہے ـــــ اس وقت سورۂ "قلم" کی تفسیر لکھ رہے ہیں، یہ آٹھویں اور آخری جلد ہوگی، ـــــ اللہ تعالیٰ اتمام وتکمیل کی توفیق دے۔ راقم سطور کے نزدیک اردو کی جدید تفسیروں میں "تدبر قرآن" بہت ممتاز مقام رکھتی ہے ـــــ کافی دیر مولانا سے گفتگو رہی، گھریلو حالات کا بھی بڑی بے تکلفی سے ذکر فرماتے رہے ـــــ

مولانا کے تشریف لے جانے کے بعد ہم کھانے سے فارغ ہوئے اور تھوڑی دیر آرام کیا، ہوائی اڈہ جانے کا وقت آچکا تھا ظہر کی نماز پڑھ رہے تھے کہ راولپنڈی سے، مرشدنا حضرت رائے پوری قدس سرہٗ کے خادم خاص، محرم راز اور معتمد خصوصی مولانا عبدالمنان صاحب رائے پوری تشریف لے آئے ـــــ مولانا نے بتلایا کہ تمہارے راولپنڈی آنے کی اطلاع تھی، کل اچانک معلوم ہوا کہ تم نہیں آرہے ہو اور واپسی کے ارادہ سے لاہور پہنچ گئے ہو تو میں نے رات لاہور کے لیے ٹرین پکڑی اور ابھی پہنچا ہوں، ان کی اس عنایت ومحبت سے دل بیحد متاثر ہوا، عصر کی نماز انہی کی اقتدا میں پڑھی ـــــ اُن کی ملاقات اس سفر کی آخری برکت اور اللہ تعالےٰ کی بڑی نعمت تھی، ہوائی اڈہ تک مولانا ساتھ ہی تشریف لائے، اور بھی احباب ومخلصین تھے، سب سے رخصت ہوئے اور پاکستان کو الوداع کہا اور انڈین ایرلائنز کے ہوائی جہاز سے لاہور سے پرواز کر کے بخیر وعافیت دہلی آگئے۔ اللّٰھم لک الحمد

پاکستان کے موجودہ حالات اور امکانات و توقعات کے بارہ میں گفتگو اگر توفیق ملی تو آئندہ کسی صحبت میں کی جاسکے گی، سردست صرف اتنا عرض کرنے پر اکتفا کرتا ہوں کہ ہم جیسے دینی نقطۂ نظر رکھنے والوں کے لیے اچھی امیدیں قائم کرنے کی بڑی گنجائش ہے، اللہ تعالیٰ وہاں کے مسلمانوں کے ہر طبقہ کو اس سلسلہ کی اپنی ذمہ داریاں محسوس کرنے اور ادا کرنے کی توفیق دے۔

استدراک کراچی کی مجالس اور ملاقاتوں کے سلسلہ میں ایک اہم مجلس میں شرکت کا ذکر سہواً رہ گیا اور اس کا احساس اُس وقت ہوا جبکہ اس روداد سفر کی کتابت بھی ہو چکی ہے۔ اس لیے اب بہت اختصار کے ساتھ اس کا صرف ذکر کیا جا رہا ہے۔

پاکستان کے موجودہ سربراہِ حکومت جنرل ضیاء الحق صاحب نے جب ملک کی زمامِ حکومت اپنے ہاتھ میں لی تو "اسلامی نظریاتی کونسل" کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا تھا، جو مختلف مکاتبِ فکر کے چند ممتاز علماء کرام اور چند ماہرین قانون سے مرکب ہے "اسلامی دستور سازی" اس کونسل کا مقصد اور خاص کام ہے۔ اس کے صدر ایک ریٹائرڈ جسٹس محمد افضل چیمہ صاحب ہیں (جو اپنے بشری اندازہ میں ظاہراً و باطناً مومن و مسلم اور اس کام اور اس منصب کے لیے غالباً پاکستان کی موزوں ترین شخصیت ہیں) —— انھوں نے "ایشیائی اسلامی کانفرنس" کے بعد اس کونسل کا اجلاس بھی کراچی میں رکھا تھا، انہی کی دعوت و فرمائش پر اس کے ایک جلسہ میں بھی شرکت ہوئی، رفیق محترم مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے خطاب فرمایا جس میں کچھ اصولی مشورے فرمائے، راقم سطور نے بھی چند کلمات کہے —— اندازہ ہوا کہ کونسل کے صدر اور ارکان میں وہ جذبہ اور لگن موجود ہے جو ایسے مشکل کام کے لیے ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ ان حضرات کی پوری مدد فرمائے اور اس کارِ عظیم کو صحیح طور پر انجام دینے کی توفیق دے۔ رَبَّنَا اٰتِنَا مِن لَّدُنكَ رَحْمَةً وَهَيِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا ۝

جناب محمد بشیر ایم، اے۔ لاہور

آثار شاہ اسمٰعیل شہیدؒ

اسلام میں عظیم مفکرین کی ایک نمایاں خصوصیت یہ رہی ہے کہ وہ ذاتی طور پر فکر وعمل کے حسین امتزاج کا مرقع ہوتے تھے۔ اس اعتبار سے اسلامی فکر وعمل کا کوئی پہلو محض نظریاتی نہیں بلکہ ٹھیٹ عملی ہے۔ فکر وعمل کا یہ امتزاج حد درجہ بسیط اور ہمہ گیر شخصیت کی صورت میں رونما ہوتا ہے۔ شاہ اسمٰعیلؒ ملت اسلامیہ کے ایسے ہی مایۂ ناز فرزانوں میں سے ایک ہیں۔

اس سالک راہِ طریقت اور مجاہد میدانِ مبارزت کا دامن حیات پے بہ پے محیر العقول زریں کارناموں کی بدولت کہکشاں منظر ہے۔ برعظیم پاک وہند کے مقتدر ومقتدا خاندان "خانوادۂ ولی اللّٰہی" کا فرزند ارجمند ہونے کا اعزاز بلاشبہ ان کا پیدائشی حق ہے۔ مگر علم وعمل کا یہ نادرۂ روزگار گوہر اپنی فطری صلاحیتوں اور سنہری کارناموں کی بدولت خود "خانوادۂ ولی اللّٰہی" کا طغرائے امتیاز ہے۔

ان کی سیرت کا ایک ایک پہلو، ان کی مساعی کا ایک ایک گوشہ ان کے کردار کی عظمت کا امین ہے۔ ان کے حالات کا مطالعہ کیا جائے تو ان کی ہمہ جہت مساعی، ایک ہمہ گیر اثر آفرینی کے ساتھ قاری کے افقِ خیال پر چھا جاتی ہیں۔ اس کا دل ودماغ اسی میں محو ہو کر رہ جاتا ہے۔ اور قدم قدم پر یوں محسوس ہوتا ہے کہ گویا شاہ اسمٰعیل شہیدؒ بزبانِ حال کہہ رہے ہیں۔

اپنا زمانہ آپ بناتے ہیں اہل دل
ہم وہ نہیں ہیں جن کو زمانہ بنا گیا

اللہ تعالیٰ نے انھیں ایک خاص جذبۂ اصلاح وتبلیغ ودیعت کیا تھا۔ جس نے انھیں گوشہ گیری پر قانع نہ رہنے دیا۔ انھوں نے جل پھر کر مردہ دلوں کو زندہ کیا اور عمل کے میدان

میں اپنی کامیاب جدوجہد کا مظاہرہ کیا۔ سید احمد شہیدؒ سے بیعت ہونے کے بعد روحانیت میں ترقی کے ساتھ ساتھ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا احساس بھی ترقی کر گیا۔ انھوں نے دوآبہ کا طویل سفر کیا، پھر حج کے لیے تشریف لے گئے اور بعد ازاں ایک طویل سفر ہجرت در پیش آیا جس کے بعد میدانِ کارزار میں زریں کارنامے ظہور پذیر ہوئے۔[1]

اس ہجوم کار اور غلبۂ مشاغل میں تصنیف و تالیف کے لیے اپنے بلند پایہ تبحرِ علمی کے مطابق مستقل طور پر وقت نکالنا بعید از قیاس تھا، لیکن شاہ اسمٰعیل شہیدؒ نے امام ابن تیمیہؒ کی طرح ہمہ جہت مساعی کو اپنا شعار بناتے ہوئے اصلاحی نقطۂ نظر سے وقت کے اہم مسائل پر قلم اٹھایا۔

آپ کی تصانیف، مشہور علماء کے مقابلے میں تعداد اور اہمیت کے اعتبار سے خاص طور پر قابل قدر ہیں۔[2] یہ تمام تصانیف اجتہادِ علم کی تازگی، استدلال کی لطافت، نکتہ آفرینی، سلامتِ ذوق، قرآن و حدیث کے خاص تفقہ اور استحضار و خطابت کے لحاظ سے شاہ اسمٰعیلؒ، شاہ ولی اللہؒ، امام ابن قیمؒ اور امام ابن تیمیہؒ میں ایک واضح مماثلت کی آئینہ دار ہیں۔[3]

نواب صدیق حسن خاں رقمطراز ہیں:-

"تصانیف او کہ بضرورت تمام و التماس جمعی از اسلام بوجود آمدہ، غالب در اسفار تحریر پذیر رفتہ و نوبت نظر ثانی دراں صورت نبستہ مع ذلک در بلاغتِ انشاء و فصاحتِ املا و لطافت مبانی و تحقیق معانی روکش مؤلفانِ اقران و امثال، بلکہ بعض سابقین اعیان است اگر در رنگ دیگر اہل علم فرصت

ان کی تمام تصانیف جو انتہائی ضرورت کے مواقع پر اور رفقاء کی درخواست پر لکھی گئیں، اکثر دورانِ سفر ہی تحریر میں آئیں، جن پر نظر ثانی کی نوبت ہی نہیں آئی، مگر اس کے باوجود مضامین کی بلاغت و تاثیر املا کی فصاحت، زورِ کلام کی لطافت، معانی کی تحقیق تمام تصانیف میں ایسی زوردار ہے کہ ہم عصروں کے اندازِ طور سے بڑھ کر سلف کی یاد تازہ

---

[1] نسیم احمد فریدی، محمد منظور نعمانی، حضرت شاہ اسمٰعیل اور معاندین اہل بدعت کے الزامات صفحہ ۲۹، ۳۰

[2] مولانا غلام رسول مہر، دائرۂ معارف اسلامیہ ج ۲ صفحہ ۵۳

[3] سید ابوالحسن علی ندوی، سیرت سید احمد شہیدؒ (طبع دوم)، صفحہ ۳۲۸

تالیف می یافتہ و باطمینانِ خاطر در جائے نشستہ مشغول بتصنیف می شد، خدا داند چہ کار میکرد[۵۴]

کرتی ہیں، اگر اطمینانِ خاطر اور جمعیت قلبی کے ساتھ وہ یکسو ہوکر تصنیف و تالیف کا کام کرتے تو خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ وہ کیا کارنامے انجام دے ڈالتے ؟۔

شاہ اسمٰعیل شہیدؒ نے اپنے علم و عمل اور زورِ قلم کو تمامہ کتاب و سنت کی نشر و اشاعت کے لیے وقف کر دیا تھا۔ قرآن و حدیث کے مطالب سے لبریز ہونے کے باعث ان کی تصانیف یکمن در چمن کا مصداق ہیں

مولانا مفتی سید احمد حسن امروہی (متوفی ۱۳۳۰ھ / ۱۹۱۲ء) رقمطراز ہیں:۔

فی سائر تصانیفہ ھو تفصیل لما اجمل وبیان لما اضمر فی الآیات واحادیث نبیہ الکریم وذلک فضل اللّٰہ یؤتیہ من یشآء واللّٰہ ذو الفضل العظیم[۵۵]

ان کی تمام تصانیف میں تفصیل و توضیح ہے ان احکام و معانی کی جو آیات و احادیث میں موجود ہیں، ایسا علمی کارنامہ خدائی فضل ہے، وہ جسے چاہے اپنے فضل سے سرفراز کرے۔

شاہ اسمٰعیل شہیدؒ نے جس موضوع پر قلم اٹھایا علم کے دریا بہا دیے۔ عصرِ حاضر کے ممتاز عالم دین مولانا محمد یوسف بنوریؒ رقمطراز ہیں:۔

"وہ کسی بھی موضوع پر قلم اٹھائیں، یوں معلوم ہوتا ہے گویا ایک کوہِ عظیم اپنے وسیع و عریض دامن میں مستور بے شمار رصات اور حکمدار چشموں کے ذریعے ایک عالم کو سیراب کر رہا ہے"[۵۶]

مولانا محمد صدیق مرادآبادی شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کی تصانیف کی توصیف میں یوں رطب اللسان ہیں:۔

---

[۵۴] نواب صدیق حسن خاں / اتحاف النبلا المتقین باحیاء مآثر الفقہا المحدثین ص ۴۱۲

[۵۵] مولانا سید احمد حسن امروہی بحوالہ مولانا عزیز اللہ مرادآبادی اکمل البیان ص ۸۲

[۵۶] مولانا محمد یوسف بنوریؒ / شاہ اسمٰعیل شہیدؒ عبقات (عربی) ص ۳

نوید "تقویت" از بہر ایمان است تصنیفش — ندارد بہرۂ ایماں کہ برخیزد بانکارش
زایضاح الحقش ایضاح حق بر اہل حق گشتہ — شد از تنویر عینینش منور چشم نظارش
صراط مستقیمش ہادئ راہ طریقت شد — زراہ راست رفت آنکس کہ از دل کرد انکارش[۷]

برصغیر پاک و ہند کے ممتاز عالم اور سوانح نگار ڈاکٹر محمد یوسف کوکن عمری اپنی بلند پایہ تصنیف "خانوادۂ قاضی بدرالدولہ" میں شاہ اسمٰعیل شہید کی تصانیف کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"حضرت شاہ اسمٰعیل شہیدؒ نے اتباع کتاب و سنت اور توحید خالص کی تائید میں کئی کتابیں لکھی تھیں۔ جن میں سے "تنویر العینین"، صراط مستقیم، اور تقویت الایمان بہت مشہور ہیں۔ علم تصوف کے متعلق "عبقات" کے نام سے ایک مشہور کتاب لکھی ہے۔ ان کی یہ تمام کتابیں بڑی تیزی کے ساتھ ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں پھیل گئی تھیں ان کی زندگی (ہی) میں یہ کتابیں برصغیر پاک و ہند کے دور و دراز کونے مدراس (جنوبی ہند) پہنچ چکی تھیں[۸]

سطور ذیل میں ہم ان کی تصانیف کا تعارف پیش کرتے ہیں:۔

ردالاشراک عربی زبان میں شرک اور غیر مشروع مراسم کے رد میں آیات و احادیث کا بے نظیر اور قابل دید مجموعہ ہے۔

یہ رسالہ ذی قعدہ ۱۲۸۹ھ میں نواب محمد صدیق حسن خاں نے احادیث کی تخریج کے ساتھ "الادراک لتخریج احادیث ردالاشراک" کے نام سے اپنی کتاب قطف الثمر فی بیان عقیدۃ اہل الاثر" کے ساتھ ایک ہی جلد میں صفر ۱۲۹۰ھ میں کانپور سے شائع کیا تھا[۹] اب یہ رسالہ الگ بھی چھپ چکا ہے۔[۱۰] کتاب کی ترتیب سے ظاہر ہوتا ہے کہ شاہ اسمٰعیل شہیدؒ

۷ہ مولانا محمد صدیق مرادآبادی، گلستان مناقب بحوالہ عزیز الدین مرادآبادی، اکمل البیان ص۸۲
۸ہ محمد یوسف کوکن عمری، خانوادۂ قاضی بدرالدولہ "بحوالہ" الرحیم ج۱ شمارہ ۲ بابت جولائی ۱۹۶۳ء ص۹۲
۹ہ نواب صدیق حسن خاں، قطف الثمر، الادراک لتخریج احادیث ردالاشراک ص۳۲۔
۱۰ہ مولانا غلام رسول مہر، دائرۂ المعارف اسلامیہ ج ۲ ص۵۳۷

کلمہ طیبہ کی تفسیر لکھنے کے متمنی تھے۔[11]

اس رسالے پر اظہار خیال کرتے ہوئے شیخ محمد محسن ترہتی رقمطراز ہیں[12]:۔

فیہ امور فی حلاوت التوحید والعسل واخری فی مرارۃ الحنظل فمن قائل انھا دست فیہ وقائل انہ تعمدھا واللہ تعالیٰ عالم بالسرائر[12]

اس رسالہ "تقویۃ الایمان" میں کچھ باتیں ہیں جو "توحید[ع]" نامی کھجور اور شہد کی طرح شیریں ہیں اور کچھ باتیں ہیں جن میں حنظل کی سی تلخی اور کڑواہٹ ہے، تو کوئی کہتا ہے کہ وہ کڑوی باتیں اس میں ان کے کسی دشمن کی طرف سے شامل کر دی گئی ہیں اور کوئی کہتا ہے کہ خود مصنف (شاہ اسمٰعیل شہید) نے عمداً لکھی ہیں، اور پوشیدہ حقیقتوں اور نیتوں کا علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔

محسن ترہتی کے ان آخری کلمات پر تبصرہ کرتے ہوئے نواب صدیق حسن خاں لکھتے ہیں:۔

وانما ھذہ المقالۃ الصادرۃ عن صاحب "الیانع الجنی" مصدرھا تلمذہ بالشیخ فضل حق الخیر آبادی فانہ اول من قام بضدہ وتصدی لردہ فی رسائلہ التی لیست علیھا اشارۃ من

"الیانع الجنی" کے مؤلف کی یہ بات (کہ تقویۃ الایمان میں کچھ باتیں حنظل کی طرح کڑوی بھی ہیں) مولانا فضل حق خیر آبادی کی شاگردی کے اثرات میں سے ہے، مولانا فضل حق پہلے وہ شخص ہیں جو شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کے مقابلہ میں اٹھے اور ایسے رسائل کے ذریعے ان کی تردید کے درپے ہوئے جن میں کتاب و سنت کے علم کا

---

[11] نسیم احمد فریدی / محمد منظور نعمانی، حضرت شاہ اسمٰعیل اور معاندین اہل بدعت کے الزامات ص۳۶

[12] شیخ محمد محسن ترہتی، الیانع الجنی ص۶۲

ع "الفرقان": فاضل مقالہ نگار سے یہاں تسامح ہوا ہے۔ "الیانع الجنی" کی منقولہ بالا عبارت میں جو کچھ کہا گیا ہے وہ رسالہ "رد الاشراک" کے بارہ میں نہیں کہا گیا ہے بلکہ اس کی اردو شرح "تقویۃ الایمان" کے بارہ میں کہا گیا ہے۔ اسی طرح اس عبارت کے ترجمہ میں بھی صاحب مقالہ سے تسامح ہوا تھا ضروری سمجھ کر اس کی بھی تصحیح کر دی گئی ہے۔ ع "توحید" ایک نہایت ۔۔

علم الکتاب والسنۃ[13] بالکل نشان نہیں ہے۔

اس کے پہلے باب کا تشریحی اردو ترجمہ خود اسمٰعیل شہیدؒ نے "تقویۃ الایمان" کے نام سے کیا تھا۔[14] بعد ازاں تنظیم جہاد اور شہادت کے باعث دوسرے باب کے ترجمہ کی خود انھیں فرصت نہ مل سکی۔ ۱۲۵۰ھ میں مولانا محمد سلطان مرحوم نے دوسرے باب "اعتصام بالسنۃ والاجتناب عن البدعۃ" کا تشریحی اردو ترجمہ "تذکیر الاخوان بقیہ تقویۃ الایمان" کے نام سے کیا۔[15]

یہ دونوں ترجمے الگ الگ اور یکجا بے شمار دفعہ شائع ہو کر اپنے انقلاب آفریں اثرات ظاہر کر چکے ہیں۔

تقویت الایمان یہ "ردالاشراک" کے پہلے باب کا تشریحی اردو ترجمہ ہے[16] جو شاہ اسمٰعیل شہیدؒ نے سفر حج پر روانگی سے پہلے قلم برداشتہ لکھا تھا۔[17] کتاب کا موضوع توحید ہے۔ اس موضوع پر اگرچہ اس سے پہلے بھی بے شمار کتابیں لکھی جا چکی ہیں لیکن شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کا انداز بحث اور طرز استدلال سب سے نرالا ہے۔[18]

شاہ اسمٰعیل شہیدؒ جیسی حساس طبیعت اور "رگ فاروقی" رکھنے والی شخصیت کے قلم سے یہ کتاب اس وقت نکلی ہے جب چاروں طرف شرک و بدعت کا زبردست طوفان بپا تھا۔[19] ایمان و اسلام کا صحیح مفہوم نسیاً منسیاً ہو چکا تھا۔ توحید و سنت ایک بھولی بسری بات تھی۔ محدثات کے فروغ سے اصل دین گلدستہ طاق فراموشی بن چکا تھا۔[20] ہندوؤں سے

---

[13] نواب صدیق حسن خاں، ابجد العلوم ص۹۱۶ [14] ظہور الحسن کسولوی (مرتب)، ارواح ثلاثہ ص۸۱

[15] (۱) مولانا غلام رسول مہر مرحوم، مقدمہ تقویت الایمان شائع کردہ اہل حدیث اکاڈمی ص۲۱

(۲) محمد سلطان/شاہ اسمٰعیل شہیدؒ، تذکیر الاخوان بقیہ تقویت الایمان ص۲

[16] غلام رسول مہر مرحوم، مقدمہ تقویت الایمان ص۲۲ [17] ظہور الحسن کسولوی، ارواح ثلاثہ ص۸۱

[18] غلام رسول مہر مرحوم، تقویت الایمان ص۱۱

[19] نسیم احمد فریدی/محمد منظور نعمانی حضرت شاہ اسمٰعیل اور معاندین اہل بدعت کے الزامات ص۴۳

[20] سید ابو الحسن علی ندوی، سیرت سید احمد شہیدؒ ، ج۱، ص۳۴

اختلاط نے اسلام کی اصل صورت کو مسخ کر رکھا تھا۔[۲۱] ہر بوالہوس اپنی رائے کو دین میں دخیل جانتا تھا۔ ہر ہرزہ سرا اپنے ژولیدہ افکار کو ملفوظات کا عنوان دے رہا تھا۔[۲۲] خواہشاتِ نفسانی پر دین کی ملمع کاری تھی۔[۲۳] سجادوں اور علمائے سو نے اللہ کے دین کو بازیچۂ اطفال بنا رکھا تھا۔[۲۴] خانقاہوں کے گدی نشین ارباباً من دون اللہ بن بیٹھے تھے۔[۲۵] عوام کید شیطانی کا شکار تھے۔ مختصر یہ کہ اللہ کے بندے اللہ سے بیگانہ ہو چکے تھے۔[۲۶]

ان حالات میں کتاب و سنت کی روشنی میں شرک و بدعت کی دلنشین تشریح فرماتے ہوئے شاہ اسمٰعیل شہیدؒ نے معاشرے میں رواج یافتہ غیر شرعی رسوم کی حقیقی حیثیت کو نہایت بلاغت سے آشکار کر دیا۔

شاہ اسمٰعیل شہیدؒ نے "تقویت الایمان" تحریر فرما کر اسلام اور اسلام نما کفر کو بالکل جدا کر دیا۔ اس سے پہلے گویا کنوئیں میں بھنگ پڑی ہوئی تھی اور لوگ وہی بھنگ ملا پانی پی رہے تھے۔ یہ شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کا احسان ہے کہ انھوں نے آب و حشیش کو الگ الگ کر دیا۔[۲۷]

شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کے نامور معاصر مفتی محمد صدر الدین آزردہ اپنے ایک فتوے میں فرماتے ہیں اصول کے مقصود کے اعتبار سے "تقویت الایمان" خوبیوں کا گنجینہ ہے۔[۲۸]

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ رقمطراز ہیں:۔

"اس کے استدلالات قرآن و سنت کے مطابق اور اس کا مواد کتاب و حدیث کے مطالب سے مملو ہے۔"[۲۹]

شاہ اسمٰعیل شہیدؒ نے "تقویت الایمان" کے ذریعے توحید اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کو بنی آدمؑ پر نہایت خوبی کے ساتھ واضح فرمایا ہے۔

---

۲۱ (۱) شاہ عبد العزیز، ہدایت المؤمنین ص۴۳ (۲) شاہ عبد العزیز، ملفوظات شاہ عبد العزیز ص۴۴ (۳) گنا دلی بان تمدن ہند ص۱۸۱ و ۱۸۳ ۲۲ خلیق احمد نظامی، تاریخ مشائخ چشت ص۲۵۷ و ۲۵۸۔ ۲۳ سید ابوالحسن علی ندوی، سیرت سید احمد شہید ج۱ ص۳۹ ۲۴ (۱) ایضاً ص۳۷ و ۳۸ (۲) شاہ ولی اللہ تفہیمات ۲۵ ایضاً۔ الفوز الکبیر

۲۶ (۱) سید ابوالحسن علی ندوی، سیرت سید احمد شہید ج۱ ص۳۷ تا ۳۹ (۲) الفوز الکبیر ۲۷ ظہور الحسن کسولوی ارواح ثلثہ ص۸۲، ۸۳۔ ۲۸ عزیز الدین مراد آبادی، اکمل البیان ص۵۴، ۷ ۲۹ رشید احمد گنگوہی، فتاویٰ رشیدیہ ج۱ ص۲، ج۲ ص۱۴۳، ۱۶۰، ج سوم ص۱۶۰۱۵

شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ "تقویت الایمان" کی اسی خوبی کی طرف اشارہ فرماتے ہوئے رقمطراز ہیں:-

"اس میں نصوصِ صریحہ سے نہایت سلاست کے ساتھ مضامین توحید کو اچھی طرح بیان فرمایا اور قدرتِ حق تعالیٰ شانہ کو جملہ بنی آدمؑ ومخلوقات پر ثابت کر کے اہل شرک وبدعت کو ان خیالات باطلہ کی خرابی پر مطلع فرمایا اس کی وجہ سے بہت سے لوگوں کو ہدایت وصحت عقائد نصیب ہوئی۔"[30]

شیخ الکل مولانا محمد نذیر حسین محدث دہلوی تحریر فرماتے ہیں:-

"تقویت الایمان کا کلام راست اور بجا ہے"[31]

مشہور ومعروف اہل قلم ڈاکٹر ایس۔ ایم اکرام لکھتے ہیں:-

"شاہ (اسمٰعیل) صاحب نے توحید کے متعلق جو کچھ لکھا وہ آپ کے زورِ بیان اور جوش اصلاح کا نہایت عمدہ نمونہ ہے"[32]

پاکستان کے ممتاز عالم دین مولانا محمد یوسف بنوریؒ ارقام فرماتے ہیں:-

"تقویت الایمان بیان توحید اور ردِّ شرک میں سیفِ قاطع ہے"[33]

محمد یحییٰ تنہا، صاحب "سیر المصنفین" رقمطراز ہیں:-

"شاہ اسمٰعیل شہیدؒ اپنے کلام کی تائید میں قرآنِ پاک اور احادیثِ نبوی کا برابر حوالہ دیتے جاتے ہیں اور اسلام کے لیے اس سے زیادہ مدلل اور کوئی تقریر یا تحریر نہیں ہوسکتی جس کی بنیاد کلام پاک اور احادیث رسول پر ہو"[34]

مولانا غلام رسول مہر تحریر فرماتے ہیں:-

"شاہ اسمٰعیل شہیدؒ نے محض توحید کی نظری تشریح اور اس کے لیے دعوت ہی پر اکتفاء نہیں کیا بلکہ ایسا رنگ اختیار کیا کہ پڑھنے والا اس معاشرے اور ماحول میں جا پہنچتا

---

[30] مولانا محمود حسن، جہد المقل ج ۱ ص ۲ تا ۴
[31] محمد نذیر حسین فتاویٰ نذیریہ ج ۱ ص ۲
[32] ایس ایم اکرام، موج کوثر ص ۳۹
[33] مولانا محمد یوسف بنوری/شاہ اسمٰعیل شہید عبقات (عربی) ص ۳
[34] محمد یحییٰ تنہا، سیر المصنفین ج ۱ ص ۱۱۲

ہے، جس میں یہ کتاب لکھی گئی۔ اس طرح دعوت کی تاثیر و نفوذ میں بہت زیادہ اضافہ ہو گیا۔"[۳۵]

مولانا قاسم علی مفتی شہر مراد آباد اپنے تاثرات کا اظہار فرماتے ہوئے "تقویت الایمان" کو درستیٔ ایمان کے لیے اکسیر قرار دیتے ہیں۔"[۳۶]

"تاریخ مسلمانانِ پاکستان و بھارت" کے مصنف سید ہاشمی فرید آبادی لکھتے ہیں:۔

"شاہ (اسمٰعیل) شہید صاحب کے افاداتِ تحریری میں سب سے بڑھ کر عام نفع کتاب تقویت الایمان سے پہنچا۔"[۳۷]

مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کا ارشاد ہے:۔

"تقویت الایمان سے بہت ہی نفع ہوا۔ چنانچہ شاہ اسمٰعیل شہید کی زندگی ہی میں ڈھائی لاکھ آدمی درست ہو گئے تھے۔ اور ان کے بعد جو کچھ نفع ہوا، اس کا تو اندازہ ہی نہیں ہو سکتا

کعبہ را ہر دم تجلی می فزود   این از اخلاصاتِ ابراہیم بود"[۳۸]

مولانا غلام رسول مہر لکھتے ہیں:۔

"اگرچہ یہ کتاب نہایت اہم موضوع پر ہے۔ لیکن شاہ اسمٰعیل شہیدؒ نے طریق استدلال ایسا اختیار کیا ہے کہ معمولی پڑھا لکھا آدمی اور متبحر عالم اپنے اپنے ذہنی مدارج کے مطابق اس سے یکساں مستفید ہو سکتے ہیں اور مستفید ہوتے رہے۔"[۳۹]

اسی ضمن میں مولانا عبید اللہ سندھی ارقام فرماتے ہیں:

"یہ کتاب اگر پانچ سو برس پہلے لکھی جاتی تو ہندوستانی مسلمان دنیا کے مسلمانوں سے بہت آگے بڑھ جاتا۔"[۴۰]

"تقویت الایمان" اردو نثر کے بالکل ابتدائی دور میں لکھی گئی۔"[۴۱]

---

۳۵ غلام رسول مہر، مقدمہ تقویت الایمان ص۱ ۳۶ قاسم علی / رشید احمد گنگوہی، فتاویٰ رشیدیہ ج۱، ص۲ ۳۷ سید ہاشمی فرید آبادی، تاریخ مسلمانان پاکستان و بھارت ج۲ ص۳۰۴ و ۳۰۵ ۳۸ ظہور الحسن کسولوی (مرتب)، ارواح ثلٰثہ ص۷۲ ۳۹ غلام رسول مہر، مقدمہ تقویت الایمان، ص۱ ۴۰ عبید اللہ سندھی، شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک ص۴۳ و ۴۴ ۴۱ نسیم احمد فریدی / محمد منظور نعمانی حضرت شاہ اسمٰعیل اور معاندین اہل بدعت کے الزامات ص۴۳

مولانا نسیم احمد فریدی رقمطراز ہیں:۔

"یہ خاندانِ ولی اللهی کا صدقہ ہے کہ اردو زبان کو قرآن کا ترجمہ ملا اور اسی خاندان کے ایک فردِ جلیل نے توحید کے پھولوں سے (اس کے) دامنِ مراد کو بھر دیا۔ آج کی ترقی یافتہ اردو کو معیار بنا کر اس کتاب کو جانچنا ایک زبردست علمی اور تحقیقی غلطی ہوگی ویسے "تقویت الایمان" اپنی عبارت کی شستگی اور روانی کے لحاظ سے آج بھی اہل نظر کی نگاہوں میں بہترین مانی گئی ہے۔" ۴۲

ڈاکٹر ایس ایم اکرام اپنی مشہور تالیف "موج کوثر" میں لکھتے ہیں:۔

"یہ کتاب نہ صرف مذہبی بلکہ ادبی نقطۂ نظر سے بھی بڑی اہم ہے" ۴۳

اسی کتاب میں دوسری جگہ فرماتے ہیں:۔

"تقویت الایمان انھوں نے اردو زبان میں اس وقت لکھی جب اس زبان کو ابھی گھٹنوں چلنا نہ آتا تھا، حیرت ہوتی ہے کہ اس زمانے میں جب اردو نثر میں گنتی کی کتابیں تھیں ایک صاحبِ کمال نے اس میں کیا جادو بھر دیا ہے اور اس کی مدد سے اپنے خیالات کو کتنی خوش اسلوبی سے ادا کیا ہے۔" ۴۴

تقویت الایمان کا طرزِ تحریر ایسا باأثر اور پرزور ہے کہ بقول صاحب "سیر المصنفین" معلوم ہوتا ہے کہ ایک بحرِ ذخار اٹھا چلا آتا ہے۔ ۴۵

عبداللہ ملک تحریر کرتے ہیں:۔

"اس وقت جبکہ اردو زبان (ابھی) گھٹنوں چلنا سیکھ رہی تھی، شاہ اسمٰعیلؒ نے اس میں ایسا اسلوب اپنا لیا جو اس سے پہلے کسی کو نصیب نہ ہوا تھا۔" ۴۶

مولانا غلام رسول مہر رقمطراز ہیں:۔

"تقویت الایمان کی عبارت ایسی سادہ، سلیس، شگفتہ اور دلکش ہے کہ چند مخصوص الفاظ

---

۴۲ ایضاً ۴۳ ایس ایم اکرام، موج کوثر ص۳۹ ۴۴ موج کوثر ص۳۱

۴۵ محمد یحییٰ تنہا، سیر المصنفین ج ۱ ص۱۱۳ ۴۶ عبداللہ ملک، بنگالی مسلمانوں کی صد سالہ جدوجہد آزادی ص۳۵۲

(محاورات) کو چھوڑ کر آج بھی ویسی ہی دلکش کتاب لکھنا سہل نہیں یقین ہے اردو زبان نشو و ارتقاء کے مزید مدارج طے کرنے کے بعد بھی تقویت الایمان کو بلحاظ اسلوب اپنا ایک گراں بہا سرمایہ تصور کرے گی۔" [۴۷]

عبد الملک لکھتے ہیں:۔

"شاہ اسمٰعیل شہیدؒ نے ، ان تمام دینی مسائل کو جو اب تک صرف علما اور صاحبانِ علم کا حصہ سمجھے جاتے تھے، اس قدر آسان طریقے سے قلمبند کیا کہ عام لوگ بھی سر دھننے لگے، ان سے مستفید ہونے لگے، انھوں نے کلمہ طیبہ کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا:۔

"ایمان کے دو جز ہیں، خدا کو خدا جاننا اور رسول کو رسول سمجھنا۔ خدا کو خدا سمجھنا اس طرح ہوتا ہے کہ اس کا شریک کسی کو نہ سمجھے اور رسول کو رسول سمجھنا اس طرح ہوتا ہے کہ اس کے سوا کسی کی راہ نہ پکڑے، اس پہلی بات کو توحید کہتے ہیں اور اس کے خلاف کو شرک، اور دوسری بات کو اتباع سنت کہتے ہیں اور اس کے خلاف کو بدعت۔"

(تقویت الایمان، تمہید)

شاہ اسمٰعیل جب اس بات کی وضاحت کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ کس طرح مسلمان عوام کے دلوں سے ہر قسم کا خوف نکال دینا چاہتے تھے۔ ہر قسم کی توہم پرستی کا قلع قمع کرنا چاہتے تھے۔ اور اس کی جگہ صرف خدا کا خوف انسانوں کے دلوں میں بٹھانا چاہتے تھے۔" [۴۸]

مولانا غلام رسول مہر رقمطراز ہیں:۔

"یہ کتاب شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کے زمانے کی علمی، عملی اور ثقافتی حالت میں ایک نہایت عجیب مرقع ہے۔ اگر کوئی شخص جاننا چاہے کہ آج سے سوا سو سال پیشتر اس وسیع ملک کے مسلمان کن کن اعتقادی عملی اور اخلاقی امراض میں مبتلا تھے، تو تقویت الایمان اس کے لیے مستند معلومات کا ایک اچھا ذخیرہ ہوگی۔" [۴۹]

---

[۴۷] غلام رسول مہر، مقدمہ تقویت الایمان ۲ [۴۸] عبد اللہ ملک، بنگالی مسلمانوں کی صد سالہ جہد آزادی ص ۳۵۲

[۴۹] غلام رسول مہر مقدمہ تقویت الایمان ص ۱۱

زمانۂ تصنیف سے اب تک خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ یہ کتاب کتنی مرتبہ طبع ہوئی سرسری اندازہ ہے کہ چالیس پچاس لاکھ سے کم نہ چھپی ہوگی، کروڑوں آدمیوں نے اسے پڑھا اور ہدایت کی روشنی حاصل کی۔ یہ ایسا شرف ہے جو تقویت الایمان کے سوا اردو کی کسی دوسری کتاب کو نصیب نہیں ہوا[۵۰]

تقویت الایمان کی تحریر نے کفر و بے دینی کے ماحول میں تہلکہ مچا دیا۔ غلط فہمیوں اور غلط بیانیوں کے جو ہنگامے اس تصنیف اور اس کے مصنف کے خلاف بپا ہوئے وہ بھی غالباً کسی دوسری کتاب میں پیش نہیں آئے[۵۱]

مخالفت کرنے والے دو قسم کے لوگ تھے۔ چنانچہ شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسنؒ فرماتے ہیں:۔

"ان حضرات نے جن کے قلوب میں مرضِ بدعت مستحکم تھا حضرت شاہ اسمعیل شہیدؒ کی تضلیل تکفیر پر کمر باندھی، پھر ان میں ایک تو وہ ہیں جو تقویت الایمان کے پاس رکھنے کو بھی داخل امور کفریہ سمجھتے ہیں۔ دوسرے وہ صاحب کہ جن کو امورِ دینیہ میں مہارت نہ تھی اور منطق و ریاضی ہی ان کی کمائی تھی، چنانچہ مولوی فضل حق صاحب نے ابطال امکان نظیر میں ایک کتاب تحریر کی جس کا جواب مولانا شہیدؒ نے تحریر فرمایا۔"[۵۲]

مفتی محمد سعد اللہ صاحب نے ۱۲۴۹ھ میں ایک استفتاء کا جواب دیتے ہوئے فرمایا:۔

"اگر بالفرض، تقویت الایمان میں کسی جگہ مسامحت ہوگئی ہے تو وہ ایسی ہی ہے جیسی علماء سابقین اور مجتہدین زمانہ سے ہوئی۔"[۵۳]

تذکیر الاخوان بقیہ تقویت الایمان

یہ "رد الاشراک" کے دوسرے باب "الاعتصام بالسنۃ والاجتناب عن البدعۃ" کا تشریحی اردو ترجمہ ہے۔ جو مولانا محمد سلطان مرحوم نے شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کی شہادت کے بعد ۱۲۵۰ھ میں کیا[۵۴]

---

۵۰ ایضاً ص۱۶۔ ۵۱ ایضاً ص۱۔ ۵۲ مولانا محمود حسن، جہد المقل ج۱ ص۲ تا ۴۔ ۵۳ محمد سعد اللہ، بحوالہ عزیز الدین مراد آبادی اکمل البیان ص۱۹۔ ۵۴ محمد سلطان، تذکرہ الاخوان بقیہ تقویت الایمان ص۲

ہمارے پیش نظر مطبع صدیقی دہلی کا مطبوعہ نسخہ ہے۔ جو ۱۲۷۱ھ میں شائع ہوا تھا۔ بقول ایک بصر کے تقویت الایمان کلمۂ طیبہ کے پہلے جز "لا الٰہ الا اللہ" اور تذکیر الاخوان اس کے دوسرے جز "محمد رسول اللہ" کی تفسیر ہے۔ [۵۵]

شاہ اسمٰعیل شہیدؒ نے اس میں سنت کی تعریف اس کی اہمیت اور اس کے بالمقابل بدعت کی تعریف اور اس کے ارتکاب پر وارد شدہ مواعید بڑے دلنشین انداز میں مرتب فرمائی ہیں۔

اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے اللہ تعالیٰ کے رسول مقبولؐ کی سیرت مبارکہ مسلمانوں کے لیے زندگی گذارنے کا بہترین نمونہ ہے۔ اسی پر کاربند ہو کر صحابہ کرام نے رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ کا تابندہ اور سدا بہار اعزاز حاصل کیا۔ اسی پر تابعینؒ اتباع تابعینؒ اور دیگر اسلاف نے اپنی زندگیاں گذاریں اور دوسروں کے لیے زریں مثالیں چھوڑتے ہوئے اللہ سے جا ملے۔

رفتہ رفتہ مرورِ وقت اور اغوائے شیطانی سے عملی زندگی میں مُحدثات (نو ایجاد بدعات) کا اس قدر زور ہو گیا کہ "سنت" کا لفظ تشنۂ معنی ہو کر رہ گیا۔ جا بجا بدعات کے اشاعت کدے کھل گئے۔ مسلمانوں کی پوری زندگی سنت رسول اللہ سے مزین ہونے کے بجائے بدعات سے آلودہ و مُلوث ہو گئی۔ عوام الناس کے ذہن تمیز حق و باطل سے بیگانہ ہو گئے۔ اس وقت کے مسلمانوں کی زندگی کا نقشہ دیکھ کر قلب سلیم انھیں مسلمان تسلیم کرنے سے گریزاں نظر آتا ہے۔ اسی حالت پر تبصرہ کرتے ہوئے لوتھراپ سٹاڈرڈ رقمطراز ہے:۔

"فی الجملہ اسلام کی جان نکل چکی تھی۔ اور محض بے روح رسمیات اور تبدل توہمات کے سوا کچھ نہ رہا تھا۔ اگر محمدؐ پھر دنیا میں آتے تو وہ اپنے پیروؤں کے ارتداد اور بُت پرستی پر بیزاری کا اظہار فرماتے۔ [۵۶]

اپنے مسلمان بھائیوں کو اس طرح اغوائے شیطانی کا شکار ہوتے دیکھ کر شاہ اسمٰعیل شہیدؒ جیسا حساس اور ہمدرد ملت انسان ماحول سے چشم پوشی کرنا جرم عظیم خیال کرتا ہے۔

---

[۵۵] نسیم احمد فریدی / محمد منظور نعمانی، حضرت شاہ اسمٰعیل اور معاندین اہل بدعت کے الزامات ص ۳۶

[۵۶] سٹاڈرڈ، لوتھراپ، دی نیو ورلڈ آف اسلام / محمد جمیل اللہ (مترجم)، جدید دنیائے اسلام ص ۴۲

انھوں نے کامل خلوص اور نہایت بلیغ انداز میں زیر تبصرہ رسالہ تصنیف فرمایا۔

اس رسالے میں شاہ اسمٰعیل شہیدؒ نے مسلمانوں کو صحیح اسلامی زندگی اختیار کرنے کی دعوت دیتے ہوئے اسوۂ رسولؐ سے مستفیر ہونے کی دعوت دی ہے۔ بدعات کی نشان دہی کرتے ہوئے ان پر عقلی و نقلی دونوں حیثیتوں سے جرح و تنقید کی ہے اور دین کے معاملے میں صرف اور صرف سنتِ رسولؐ کو اختیار کرنے اور فرمودۂ حق اور احادیث مصطفےٰؐ کو حکم بنانے کا مشورہ دیا ہے۔[۱]

(باقی)

مولانا نسیم احمد فریدی امروہی

کاروانِ اہلِ فضل و کمال

تلامذہ حضرت شاہ محمد اسحٰق صاحب محدث دہلوی مہاجرؒ

(۹)

مولانا مفتی قاضی محمد ایوب ابن قمر الدین صدیقی پھلتیؒ

آپ ۱۲۴۱ھ یا ۱۲۴۴ھ میں پھلت ضلع مظفر نگر میں پیدا ہوئے۔ آپ نے مظفر نگر میں مولانا نصر اللہ خاں خورجویؒ سے مختصرات پڑھیں اور پھر دہلی گئے جہاں مولانا سید محمد دہلویؒ، مولانا سدید الدین ابن مولانا رشید الدین دہلویؒ مولانا محمد عمر ابن مولانا اسمٰعیل دہلویؒ، مولانا مملوک علی نانوتویؒ، مولانا شاہ عبد الغنی مجددی دہلویؒ، شاہ احمد سعید مجددی دہلوی، علامہ ملّا نوابؒ اور مفتی عبد القیوم محدث بڈھانویؒ وغیرہم سے علوم حاصل کیے۔

آپ حضرت شاہ محمد اسحٰق محدث دہلویؒ کی خدمت میں کبھی جاتے رہتے تھے اور ان کی مجالس وعظ میں بھی آپ حاضر ہوتے تھے اور ان سے پڑھا بھی تھا۔ دو مرتبہ حرمین شریفین گئے۔ شریف محمد ابن ناصر ابن حسین حازمی قنیریؒ سے اور شاہ محمد یعقوب دہلویؒ سے مکہ معظمہ میں اجازت حدیث حاصل کی۔

سنہ ۱۲۶۶ھ میں بھوپال گئے اور وہیں سکونت اختیار کر لی — اپنے خالہ زاد بھائی حضرت مولانا مفتی عبد القیومؒ کی جگہ سنہ ۱۲۹۶ھ میں ریاست بھوپال کے مفتی مقرر ہوئے اور تقریباً سنہ ۱۳۰۲ھ میں وہاں کے قاضی ہوئے۔ آپ اخلاق حسنہ کا مجموعہ تھے۔ تعبیر رویا میں مشہور و معروف تھے۔ درس و افادہ میں برابر مشغول رہتے۔

مولانا حکیم سید عبد الحی حسنیؒ فرماتے ہیں کہ میں ان سے بھوپال میں ملا ہوں اور ان کے حلقۂ درس میں بھی حاضر ہوا ہوں۔ وہ مجھ سے بہت محبت کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ ان پر رحمت نازل کرے اور ان کی برکات سے ہمیں نفع پہونچائے۔ آپ نے ۱۳۱۵ھ میں بھوپال ہی میں وفات پائی۔ (ماخوذ از نزہۃ الخواطر جلد ہشتم)

مولانا عبد الرشید نقشبندی مجددی مہاجرؒ

الشیخ العالم الصالح عبد الرشید بن احمد سعید بن ابی سعید العمری الدہلوی المہاجر

آپ حضرت مجدد الف ثانیؒ کی اولاد میں حضرت شاہ احمد سعید مجددی مہاجرؒ کے صاحبزادے تھے۔ ۱۲۳۲ھ میں لکھنؤ میں پیدا ہوئے اور قرآن حفظ کیا۔ مولانا حبیب اللہؒ اور مولانا فیض احمدؒ سے علم حاصل کیا اور صحاح ستہ کو حضرت شاہ محمد اسحٰق محدث دہلویؒ سے پڑھا۔ پھر اپنے والد کی خدمت میں رہے اور سلوک طے کیا۔ اپنے والد کے ساتھ ۱۲۷۴ھ میں حجاز گئے اور حج و زیارت سے فارغ ہو کر مدینہ منورہ میں سکونت پذیر ہوئے۔ اپنے والد کی وفات کے بعد ۱۲۷۷ھ میں ان کے جانشین ہوئے اور مسند مشیخت پر بیٹھے۔ آپ صاحب ورع و تقویٰ، کثیر البکاء، شدید الخشیہ اور صاحب معارف و مواجید بزرگ تھے۔ مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ منتقل ہو گئے تھے۔ وہاں تاحیات تربیت طالبین اور تسلیک سالکین میں مشغول رہے۔ ۱۷ ذی الحجہ ۱۲۸۷ھ کو مکہ معظمہ ہی میں وفات پائی اور جنت المعلیٰ میں حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کے مزار مقدس کے سامنے دفن ہوئے۔

(ماخوذ از نزہۃ الخواطر جلد ہفتم)

انوار العارفین مؤلفہ صوفی محمد حسین مرادآبادیؒ میں بھی آپ کا تذکرہ موجود ہے۔ اس تذکرہ میں سے یہ چند باتیں خاص طور پر قابل ذکر ہیں:

(۱) "آپ کے پدر بزرگوار حضرت شاہ احمد سعید مجددیؒ نے آپ کو حفظ کلام اللہ اور فراغت علوم ظاہری کے بعد تحصیل سلوک کے لیے اپنی نگرانی میں رکھا اور نقشبندی طریق اور دیگر طرق کے اذکار و افکار اور اشغال طریقہ تعلیم و تلقین فرمائے۔"

(۲) حجاز کو ہجرت کرنے سے پہلے آپ اپنے رشتہ کے چچا مولانا ارشاد حسین مجددی کے پاس

ایک مرتبہ دہلی سے رام پور تشریف لے گئے تھے جو کہ آپ کا آبائی وطن تھا۔ نواب کلب علی خاں کی ولی عہدی کا زمانہ تھا ظاہری تعلیم حاصل کرنے کے بعد نواب صاحب کو کسی مرشد کامل کی تلاش و جستجو ہوئی۔ جب مولانا عبدالرشید مجددی کی آمد کی خبر سنی تو بکمال نیازمندی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور مولانا ارشاد حسین مجددی کی وساطت سے مرید ہونا چاہا۔ آپ نے نواب صاحب کو بیعت فرمالیا اور طریقہ مجددیہ کے سلوک کی رہنمائی فرمائی اور اس طریق کے حاصل کرنے کا طریقہ تعلیم فرمایا۔"

(ماخوذ از انوار العارفین صفحہ ۵۰۸ - ۵۰۹)

مولانا عبداللطیف ویلوری مدراسیؒ (قطب ویلور)

الشیخ الامام العالم الصالح عبد اللطیف بن ابی الحسن الحسینی النقوی الاحمد آبادی

آپ ۱۲۰۰ھ میں پیدا ہوئے، بچپن میں قرآن مجید حفظ کیا، پھر اپنے والد مولانا ابوالحسن سے نیز مولانا محمد حسین اور مولانا علاؤ الدین ملک العلماء مدراسی سے تعلیم حاصل کی۔ ۱۲۴۳ھ میں ان علماء سے سندِ فراغت حاصل کی۔ بعد کو ۱۲۶۰ھ میں حجاز گئے اور حج و زیارت سے سرفراز ہو کر مکہ معظمہ میں حضرت شاہ محمد اسحٰق محدث دہلوی مہاجرؒ کی خدمت اقدس میں رہے اور علم حدیث حاصل کیا۔ ۱۲۶۲ھ میں حضرت شاہ صاحب موصوف نے آپ کو اجازت حدیث عطا کی۔ پھر آپ ہندستان واپس آئے اور اپنی پوری عمر نشر علوم و معارف میں صرف کی۔ جس نے آپ کی تصنیفات دیکھی ہیں اس کو وسعتِ علم میں آپ کا مرتبہ، آپ کی قوت فہم اور تیزی ذہن کا بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے آپ نے بڑھاپے کے زمانے میں انگریزی زبان سیکھی اور ملکہ وکٹوریہ کو انگریزی زبان میں ایک خط لکھا جس میں اس کو دعوتِ اسلام دی تھی۔

آپ کی تصنیفات میں حسب ذیل کتابیں ہیں:

(۱) القول الفصل (۲) جواہر الحقائق (۳) جواہر السلوک (۴) فصل الخطاب آپ کے اور شیخ عبد الفتاح شارح مثنوی کے درمیان نسبی حیثیت سے ۹ واسطے ہیں۔

۱۱ محرم الحرام ۱۲۸۹ھ میں بمقام مدینہ منورہ آپ کا وصال ہوا۔ (کما فی حدیقۃ المرام)

(ماخوذ از نزہۃ الخواطر)

مقالات طریقت مؤلفہ محمد عبد الرحیم ضیا میں بھی مولانا عبد اللطیف ویلوریؒ کے حالات درج ہیں۔ ناظرین کے اضافہ معلومات کے پیش نظر مقالات طریقت سے بھی مولانا ویلوریؒ کے سوانح کی تلخیص لکھی جاتی ہے

حافظ حاجی سید عبد اللطیف المعروف بہ سید شاہ محی الدین القادری النقوی الویلوری المدنی قدس اللہ اسرارہٗ ابن سید شاہ ابو الحسن قادریؒ ——————

آپ کی ولادت ۱۲۰۶ھ میں ویلور میں ہوئی۔ ۱۹ سال کی عمر میں کتب عقائد، فقہ، آداب و اخلاق، انشاء و قصائد وغیرہ اپنے والد ماجد اور دوسرے استادوں سے پڑھ چکے تھے۔ ۱۲۲۶ھ میں حفظ قرآن مجید سے فارغ ہوئے۔ مدت تک کتب تفاسیر و احادیث اور کتب سیر و تاریخ بزرگوں کے حالات و ملفوظات اور عیسائیوں سے مناظرے کی کتابیں مطالعے میں رکھیں۔ اسی اثناء میں تحفۂ اثنا عشری (مصنفہ شاہ عبد العزیز محدث دہلویؒ) دیکھی اور شوق اس بات کا پیدا ہوا کہ دہلی جاکر براہ راست اس کے مصنف سے ملاقات کی جائے۔ جب اسباب سفر کی تیاری کر لی تو آپ کی والدہ ماجدہ نے اس ارادے سے مطلع ہو کر فرمایا کہ اول اپنے علاقے میں علوم سے اچھی طرح فراغت پالو پھر حضرت شاہ عبد العزیزؒ کی خدمت میں جانا تاکہ ان سے استفادہ کا سلیقہ پیدا ہو جائے۔ حسب ارشاد والدہ ماجدہ ۱۲۳۴ھ میں مدراس تشریف لے گئے اور تیمناً و تبرکاً دو سبق مولانا عبد العلی بحر العلوم فرنگی محلیؒ المعروف بہ ملک العلماء اور فاضل عالیجاہ مولانا باقرؒ سے پڑھ کر فاضل تبحر مولانا علاء الدین، جو ملک العلماء کے داماد اور شہر استاذ تھے، کی خدمت میں حاضر ہوئے اور تمام علوم عقلی و نقلی سے ۵ شعبان ۱۲۳۹ھ میں فراغت حاصل کی۔ اس عرصے میں ادھر حضرت شاہ عبد العزیز محدثؒ کا ادھر آپ کے والد صاحب کا انتقال ہوا۔ آپ اپنے والد کے خلیفہ و جانشین ہو گئے۔

آپ ہر جمعہ کو مردوں میں اور ہر سہ شنبہ کو عورتوں میں وعظ فرماتے اور کتب دینی طالبان خدا کو پڑھاتے تھے۔ آپ ہمیشہ مطالعہ اور تصنیف و تالیف میں مشغول رہتے تھے۔ احیاء الکتہ حید، احیاء السنۃ تنبیہ الجاہلین، صراط المؤمنین اور اصل العلوم آپ کی یہ کتابیں اسی زمانے کی تصنیف ہیں۔ آپ نے ماہ شعبان ۱۲۵۶ھ کو پہلا سفر حجاز اختیار کیا اور حج و زیارت سے مشرف ہوئے۔ مکہ معظمہ میں ایک سال سے زیادہ جناب معلی القاب قطب آفاق حضرت مولانا شاہ محمد اسحٰق محدث مہاجرؒ کی

خدمت و صحبت میں رہے اور سند فراغت حدیث حاصل کی (مقالات طریقت میں یہ سند درج ہو گئی ہے)

آپ نہایت متبع سنت اور قامع بدعت تھے۔ ایک عالم نے آپ سے ہدایت پائی۔ آپ کے تخمیناً چھ لاکھ سے زیادہ مرید ہیں ـــــ علم و عمل، تواضع و انکسار، توکل و قناعت نیز سخاوت اور فراست میں وحید العصر تھے۔ لوگ دور و دراز سے آپ کی خدمت میں آتے اور اپنے دینی مقاصد میں کامیاب ہوتے تھے۔ آپ سے دور دراز علاقوں سے فتوے طلب کیے جاتے تھے اور آپ ان کے جوابات لکھ کر بھیجتے تھے۔ آپ کے فتاوی کا ایک ضخیم دفتر ہے اور آپ کے مکتوبات کا بھی ایک بڑا ذخیرہ ہے۔

۳ شوال سنہ ۱۲۸۹ھ[2] بروز سہ شنبہ آپ دوبارہ حج و زیارت کے لیے گئے۔ حج کے بعد ۱۱ محرم سنہ ۱۲۹۰ھ بروز پنجشنبہ بوقت عصر مدینہ منورہ میں آپ کی وفات ہوئی اور جنت البقیع میں دفن ہوئے۔ آپ کی وفات کے بعد آپ کے فرزند ارجمند سید رکن الدین آپ کے خلیفہ و جانشین ہوئے[1]۔

---

[1] محترمی مولانا سید صبغۃ اللہ بختیاری زید مجدہم استاذ مدرسۂ باقیات صالحات ویلور نے حال ہی میں اپنے ایک مکتوب گرامی کے ذریعہ حقیر کو توجہ دلائی کہ تلامذۂ حضرت شاہ محمد اسحٰق محدثؒ میں مولانا عبد اللطیف ویلوریؒ کا ذکر بھی ہونا چاہیے۔ میں نزہۃ الخواطر میں مولانا ویلوریؒ کے جو حالات درج ہیں ان کے ترجمے پر اکتفا کر چکا تھا اور یہ بات ذہن میں نہیں رہی تھی کہ مقالات طریقت میں بھی مولانا ویلوریؒ کا ذکر ہے اور میں اس کو نقل کر چکا ہوں۔ عرصہ ہوا میں نے اپنی ایک بیاض میں مولانا ویلوریؒ کا تذکرہ مقالات طریقت سے نقل کر لیا تھا۔ یہ کتاب میں نے ایک جگہ سے مستعار لی تھی اور پھر واپس کر دی تھی۔ اب مولانا سید صبغۃ اللہ بختیاری نے مقالات طریقت کا حوالہ دیتے ہوئے مجھے اس طرف متوجہ فرمایا تو میں نے اپنی یہ بیاض نکلوائی۔ اس میں تذکرہ موجود تھا اسی کا خلاصہ یہاں درج کیا گیا ہے۔

[2] اگر ۳ شوال سنہ ۱۲۸۹ھ میں مولانا ویلوریؒ کا دوسرا حج ہوا تھا تو تاریخ وفات یقیناً ۱۱ محرم سنہ ۱۲۹۰ھ ہو گی۔ میری بیاض میں مقالات طریقت سے وفات کا کوئی سنہ درج نہیں ہے۔ معلوم نہیں کہ میرے لکھنے سے چھوٹا یا کتاب میں ہی نہیں ہے۔ نزہۃ الخواطر میں تاریخ وفات ۱۱ محرم سنہ ۱۲۸۹ھ لکھی ہے۔ اگر یہ صحیح ہے تو سفر حجاز شوال سنہ ۱۲۸۸ھ میں ہوا ہو گا۔

مولانا امداد العلی امروہی

شیخ وزیر علی کے صاحبزادے تھے اور امروہہ کے ساکن تھے۔ آپ فاضل کامل، عالم متبحر حافظ و قاری، محدث اور مقتدائے وقت اور طبیب بے بدل تھے۔ ابتدائی تعلیم کے بعد مولانا قاری عبد الرحمن محدث پانی پتی سے جن کا قیام اس زمانے میں امروہہ ضلع مراد آباد میں تھا علم تجوید و قرأت سیکھی۔ مولانا مملوک علی صدیقی نانوتوی اور حضرت شاہ محمد اسحٰق محدث دہلوی مہاجر مکی سے اخذ علوم کیا۔ طب کی تکمیل حکیم غلام حسن اور حکیم امام الدین خاں دہلوی سے کی۔ بعد تحصیل و تکمیل علوم امروہہ ہی میں قیام رہا اور مدت العمر اپنے مکان واقع محلہ مولانا پر درس و تدریس اور مطب کا شغل رہا۔ نہایت نیک نہاد، گوشہ نشین و عزلت گزین بزرگ تھے تصنیف و تالیف کا بھی شوق تھا۔ علم طب کے عملی و نظری فنون میں ایک مبسوط کتاب سراج الوہاج نامی عربی زبان میں تالیف کی۔ اس کے علاوہ متعدد رسائل، مجمع البحرین وغیرہ مختلف مسائل کی تحقیقات میں لکھے۔ تاحیات جامع مسجد کی امامت بھی آپ سے متعلق رہی۔ خاندان بنی القضاۃ میں شیعی عقائد کا شیوع ہونے لگا تو عیدین کی نماز بھی آپ ہی پڑھانے لگے۔ تقریباً ۱۲۸۲ھ میں وفات پائی۔

(ماخوذ از تذکرۃ الکرام مؤلفہ محمود احمد عباسی)

مولانا عبد الخالق حسینی محدث دہلوی

آپ نے حضرت شاہ عبد القادر محدث دہلوی سے تحصیل علم کی اور ان کی خدمت میں مدتوں رہے۔ بعدہٗ شاہ محمد اسحٰق صاحب محدث دہلوی سے سند حدیث حاصل کی۔ آپ کے داماد مولانا نذیر حسین صاحب دہلوی اور بہت سے لوگوں نے آپ سے اخذ علم کیا۔ آپ نے ایک عرصے تک دہلی میں درس دیا۔ ۱۲۶۱ھ میں آپ کی وفات ہوئی۔

(نزہۃ الخواطر جلد ہفتم۔ بحوالہ مقدمہ غایت المقصود)

مولانا حافظ عبد العزیز اخوند ابن الٰہی بخش دہلوی

آپ ۱۲۱۱ھ میں بمقام دہلی پیدا ہوئے۔ صرف و نحو اور عربی مولانا کریم اللہ دہلوی سے پڑھی۔ اور شاہ محمد اسحٰق صاحب محدث دہلوی سے بخاری شریف پڑھی۔ آپ نے حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی سے بھی فیض علم حاصل کیا تھا اور شاہ محمد غوث ہزاروی سے سلوک طریقت طے کیا تھا ایک مدت تک ان کے پاس رہے۔ پھر دہلی میں مسند مشیخت و ارشاد پر بیٹھے۔
۱۰ رمحرم الحرام ۱۲۹۶ھ کو آپ کا انتقال ہوا اور احاطۂ خواجہ باقی باللہ میں دفن ہوئے

(نزہۃ الخواطر جلد ہفتم بحوالہ ریاض انوار)

محمد عالم شاہ فریدی نے اپنی کتاب "مزارات اولیائے دہلی" میں آپ کا تذکرہ کیا ہے اس میں سے چند معلومات یہاں پیش کی جاتی ہیں۔

"اخوند حافظ عبد العزیز دہلوی کا لقب شاہ مقبول احمد قادری ہے۔ آپ نے ۹ سال کی عمر میں اخوند برہان الدین سے قرآن شریف حفظ کیا تھا اور مولانا شاہ عبد القادر محدث دہلوی سے سورۂ بقرہ کا آخری رکوع پڑھا تھا۔ مولانا کریم اللہ دہلوی سے تحصیل علم کیا بعدہٗ شاہ عبد العزیز محدث دہلوی اور شاہ محمد اسحٰق دہلوی سے کتب حدیث پڑھی تھیں۔
آپ کا مزار آستانہ خواجہ باقی باللہ میں جانب شمال و مشرق ایک چھوٹی سی علاحدہ چہار دیواری میں ہے آپ کے بعد آپ کے نواسے مولوی محمد عمر جانشین ہوئے۔"

مولانا عبد اللہ الہ آبادی

آپ مئو ضلع الہ آباد میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے وطن میں حاصل کی اور اپنے شہر کے اساتذہ سے ایک مدت تک علوم کو پڑھ کر دہلی کا سفر کیا۔ حضرت شاہ محمد اسحٰق محدث دہلوی سے حدیث پڑھی۔ آپ نے بہت سی کتب متداولہ کو اپنے ہاتھ سے نقل کیا تھا۔ آپ بہت سی کتابوں کے مصنف تھے۔ تقلید شخصی کے انکار میں متشدد تھے۔ حکیم سید عبد الحی حسنی نے تذکرۃ النبلاء سے اخذ کر کے آپ کا تذکرہ لکھا ہے اور آخر میں مولانا شمس الحق ڈیانوی کا آپ کے بارے میں

ایک قول درج کیا ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ کے بہت سے فضائل ہیں۔ کاش کہ آپ کے اندر بعض مسائل میں تشدد نہ ہوتا۔

(نزہتہ الخواطر جلد ہفتم)

مولانا عبدالہادی جھوکوی (بہاری)

آپ ۱۲۱۵ھ میں جھومکا ضلع چمپارن میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد بتوں کے پجاری تھے۔ آپ نے غیر مسلم باپ کی نگرانی میں علم خط، انشاء، تاریخ اور انگریزی زبان کو سیکھا۔ پھر قانونِ حکومت پڑھا اور امتحان وکالت دینے کے لیے پٹنہ پہونچے تو اسی زمانے میں حضرت سید احمد شہیدؒ وہاں تشریف لائے۔ حضرت سید صاحب کا یہ سفرِ حج تھا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت سید صاحب کی برکت سے آپ کو ایمان و اسلام کی دولت سے نوازا۔ آپ نے شاہ محمد اسمٰعیل دہلویؒ سے پڑھا۔ پھر مولانا ولایت علی عظیم آبادیؒ، مولانا سید حسن ابن علی بخاری قنوجیؒ اور حضرت شاہ محمد اسحٰق محدث دہلویؒ سے تحصیل علم کی۔ حضرت سید احمد شہیدؒ نے سارن اور چمپارن (صوبہ بہار) کے لیے آپ کو اپنا خلیفہ بنایا۔ آپ چمپارن میں دورہ فرماتے تھے، الحکمت و موعظت حسنہ کے ساتھ وعظ کرتے تھے اور سنت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ذریعہ بہت سے لوگوں کو نفع پہونچایا۔ —— سفرِ حج کے اندر ۱۲۶۵ھ میں آپ نے وصال فرمایا۔

(نزہتہ الخواطر جلد ہفتم۔ بحوالہ "تذکرۃ النبلاء")

(باقی)

ہماری مطبوعات

مولانا محمد منظور نعمانی مدظلہ العالی کی کچھ تصانیف

اسلام کیا ہے؟

نہایت آسان زبان اور بے حد دلنشین و پُر اثر انداز میں اسلامی تعلیمات کا جامع اور مکمل خلاصہ
مولانا موصوف کی سب سے زیادہ مقبول کتاب۔ قیمت ۴/۵۰

دین و شریعت

اس کتاب میں توحید، آخرت، رسالت، نماز، روزہ، زکوٰۃ و حج اخلاق و معاملات، دعوت و جہاد، سیاست و حکومت، اور احسان و تصوف کے موضوع پر محققانہ روشنی ڈالی گئی ہے۔ قیمت ۵/-

قرآن آپ سے کیا کہتا ہے

سیکڑوں عنوانات کے تحت متعلقہ قرآنی آیات کو نہایت مؤثر اور روح پرور تشریحات کے ساتھ جمع کیا گیا ہے۔ یہ کتاب قرآن کی دعوت و تعلیم سے روشناسی کے ساتھ قرآن کے اعجاز بیان سے بھی لذت شناس کرتی ہے۔ قیمت ۷/۰۰

ملفوظات حضرت مولانا محمد الیاسؒ

حضرت مولانا محمد الیاسؒ (بانی تبلیغی تحریک) کے ملفوظات جو دین کے حقائق اور معارف کا عجیب و غریب گنجینہ ہیں۔ قیمت ۴/-

نماز کی حقیقت

نماز کی حقیقت کو سمجھنے کے لیے یہ کتاب بے نظیر ہے۔ نماز کی عظمت اور لذت سے آشنا ہونے کے لیے اس کا مطالعہ بہت مفید ہے۔ قیمت ۲/۵۰

برکات رمضان

اسلام کے اہم رکن "صوم رمضان" اور ماہ رمضان اور اس کے خاص اعمال و وظائف، تراویح و اعتکاف وغیرہ کے فضائل و برکات اور انکی روحانی تاثیرات کا نہایت مؤثر اور شوق انگیز بیان۔ قیمت ۲/-

معارف الحدیث

احادیث نبوی کا ایک نیا اور جامع انتخاب۔ اردو ترجمہ و تشریح کے ساتھ۔ ۶ جلدوں میں۔ قیمت مکمل سیٹ مجلد -/۸۶ غیر مجلد -/۷۱

منتخب تقریریں

مولانا موصوف کی ایمان افروز اصلاحی و تبلیغی تقریروں کا مجموعہ جو اپنے اندر افادیت اور جامعیت کے ہزاروں پہلو سمیٹے ہوئے ہے۔
قیمت -/۶

شاہ اسمٰعیل شہید اور معاندین اہل بدعت کے الزامات

حضرت شاہ اسمٰعیل شہیدؒ جیسی مقدس ہستی پر جس نے اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے خون کا کفن پہنا، معاندین اہل بدعت نے خوف خدا سے بے نیاز ہو کر جو بے بنیاد الزامات لگائے ہیں ان کا تسلی بخش جواب۔
قیمت ۲/۵۰

فیصلہ کن مناظرہ

اکابر علماء دیوبند پر مولوی احمد رضا خاں بریلوی کے سنگین تکفیری الزامات کا تحقیقی جواب قیمت ۲/۵۰

بوارق الغیب

اس کتاب میں قرآن مجید کی ۱۴۰ آیتوں سے بریلوی مبتدعین کے مشرکانہ عقیدے "علم غیب نبوی" کا باطل اور خلاف قرآن ہونا ثابت کیا گیا ہے۔ قیمت مجلد -/۱۰

قادیانی مسلمان کیوں نہیں

مولانا موصوف کے رد قادیانیت پر چار اہم مضامین کا مجموعہ جو عوام و خواص کے لیے یکساں تسلی بخش ہے۔ قیمت -/۳

انسانیت مررہی ہے

اس میں مولانا موصوف نے اپنے چار سبق آموز و پُر اثر واقعات بیان کیے ہیں۔ قیمت ۷۵/-

ناشر: کتب خانہ الفرقان ۳۱ نیا گاؤں مغربی۔ لکھنؤ

ہماری کچھ اور اہم مطبوعات

از مولانا نسیم احمد فریدی امروہی

مکتوبات خواجہ محمد معصومؒ

حضرت مجدد الف ثانیؒ کے صاحبزادے اور خلیفہ خواجہ محمد معصومؒ کے مکتوبات کا اردو ترجمہ ـــ جو آپ کے ارشاد و ہدایت کے پورے کام کے آئینہ ہیں۔ قیمت -/۷

تذکرہ خواجہ باقی باللہؒ
مع خلفاء و صاحبزادگان

حضرت خواجہ باقی باللہؒ اور ان کے دونوں صاحبزادگان و خلفاء کے سوانح حیات، صفات و امتیازات اور کارنامے سب پر مستقل مقالات ہیں۔ قیمت -/۶

تذکرہ حضرت شاہ اسمٰعیل شہیدؒ

حضرت شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کی مختصر سوانح حیات۔ قیمت ۱/۵۰

وصایا شیخ شہاب الدین سہروردیؒ

حضرت شیخ شہاب الدین کے یہ وصایا اپنے اندر بڑی کشش و دلآویزی رکھتے ہیں۔ قیمت صرف ۱/۲۵

انیس نسواں

مصنفہ: بیگم اصغر حسین صاحب

یہ کتاب عورتوں کی معمولی کمزوریوں اور موجودہ زمانہ کے اثرات کے تحت دین کی لاپروائی کی اصلاح کے نقطۂ نظر سے لکھی گئی ہے۔ اس میں عقائد، اعمال اور اخلاق کی موجودہ حالت کا جائزہ لیا گیا ہے۔

قیمت صرف ۱/۵۰

صحبتے با اہل دل

مرتبہ: مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

عارف باللہ حضرت شاہ محمد یعقوب بھوپالیؒ کی عرفانی و اصلاحی مجالس کا مرقع اور ان کے ارشادات و ملفوظات کا مجموعہ قیمت مجلد -/۹

تذکرہ حضرت صوفی عبدالربؒ

مرتبہ: مولوی محمد ابراہیم ایم۔اے

اس مختصر تذکرہ میں حضرت صوفی عبدالربؒ کے حالات زندگی، اللہ پر ان کے کامل یقین، اور ان کی بامقصد و اصلاحی شاعری پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ قیمت -/۲

زلزلہ کا پوسٹ مارٹم

"بریلوی فتنہ کا نیا روپ" کا نیا ایڈیشن ارشد القادری صاحب کی کتاب زلزلہ کا مدلل و مسکت جواب جس میں بریلوی فتنہ کی تاریخ بھی بیان کی گئی ہے۔ قیمت ۶/۵۰

تاریخ میلاد

مؤلفہ: مولانا عبدالشکور صاحب مرزا پوریؒ

مجلس میلاد و قیام میلاد کی ابتدا کب اور کیوں ہوئی ہے؟ اس کے موجد اور مروج کون تھے؟ مولود کی سب سے پہلی کتاب کون سی ہے؟ اس کا مصنف کون تھا؟ زمانۂ ایجاد سے اب تک اس میں علماً و اعتقاداً کیا کیا تبدیلیاں و ترقیاں ہوئیں؟ مختلف علمائے کرام نے اس بارے میں کیا رائے ظاہر کی ہے؟ ان سب سوالات کا مدلل جواب

قیمت صرف -/۵

ناشر: کتب خانہ الفرقان ۳۱۔ نیا گاؤں مغربی نظیر آباد۔ لکھنؤ

دیگر اداروں کی اہم مطبوعات

تصانیف مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

کتاب	قیمت
ارکان اربعہ	۱۵/-
پرانے چراغ	۱۶/-
نقوش اقبال	۱۴/-
دریائے کابل سے یرموک تک	۱۴/-
مغرب سے کچھ صاف صاف باتیں	۶/-
نئی دنیا (امریکہ) میں کچھ صاف صاف باتیں	۷/-
معرکہ ایمان و مادیت	۵/-
سیرت سید احمد شہیدؒ مکمل ۲ جلد	۴۰/-
تذکرہ مولانا فضل رحمٰن گنج مراد آبادی	۴/-
تاریخ دعوت و عزیمت اول زیر طبع دوم ۱۵/- سوم	۱۴/-
منصب نبوت اور اس کے عالی مقام حاملین	۱۴/-
دو ہفتے مغرب اقصیٰ میں	۶/-
قادیانیت - مطالعہ اور جائزہ	۶/-
جب ایمان کی بہار آئی	۱۲/-
ہندوستانی مسلمان ایک نظر میں	۵/-
پا جا سراغ زندگی	۴/-
ذکر خیر	۳/-
شرق اوسط کی ڈائری	۱۵/-
کاروان مدینہ	۱۲/-

مولانا علی میاں کی کچھ تقریریں

کتاب	قیمت
انسان کی تلاش	-/۵۰
مذہب یا تہذیب	-/۵۰
اسلام مکمل دین مستقل تہذیب	-/۸۵
اسلام ایک تغیر پذیر دنیا میں	۱/-
دو انسانی چہرے قرآن کی روشنی میں	-/۸۵
عصر جدید کا چیلنج اور اس کا جواب	-/۶۵
انسانی و تہذیبی جاہلیت کا المیہ	-/۷۵
محسن عالم	-/۸۵
پیام انسانیت	۲/۵۰
مقام انسانیت	۲/۵۰

مختلف موضوعات پر اہم کتابیں

کتاب	قیمت
آپ تقریر کیسے کریں اول ۱/۵۰ دوم	۲/-
ضیاء الفرائض	۷/۵۰
صراط مستقیم	۶/-
زلزلہ در زلزلہ	۶/۵۰
عہد آدم سے عہد صحابہ تک	۱۲/-
حیات خلیل	۲۰/-
قوالی اور اسلام	۴/-
مرنے کے بعد کیا ہوگا	۶/۵۰
مسلمان خاوند	۲/۵۰
مسلمان بیوی	۲/۵۰
امت مسلمہ کی مائیں	۲/۵۰
تاریخ مشائخ چشت	۱۲/-
تصوف کی حقیقت اور اس کا فلسفہ و تاریخ	۴/-
تذکرہ مولوی محمد ہارون کاندھلوی	۳/-
ہمارے حضور	۳/-
حسن معاشرت	۱/۸۰
عربی میں نعتیہ کلام	۱۰/-
یادگار زمانہ ہیں یہ لوگ	۸/-
وہابی کی پہچان	-/۳۰

ملنے کا پتہ - الفرقان بک ڈپو ۳۱ نیا گاؤں مغربی نظیر آباد - لکھنؤ

مختلف موضوعات پر اہم کتب

فتاویٰ رحیمیہ مکمل ۳ جلد ۶۰/-
فتاویٰ عالمگیری ۲۶ قسطیں ۱۳۵/-
مولانا محمد علی کی یاد میں ۹/۵۰
غالب مدح و قدح کی روشنی میں ۱۵/-
ہندی قرون وسطیٰ دوم ۸/-
مولانا عبدالماجد حیات و خدمات ۵/-
نذر مقبول ۳۵/-
انتخاب صحاح ستہ ۸/-
مسند امام اعظم ۱۶/-
مشکوٰۃ شریف مکمل اردو ۳۰/-
تجرید بخاری شریف ۱۴/-
مؤطا امام مالک ۳۵/-
ملفوظات رشیدیہ ۳/-
اکابر کے خطوط ۷/-
تذکرۃ الرشید ۳۰/-
تذکرۃ الخلیل ۱۸/-
تبرکات ۵/-
تاریخ محمودی ۱۰/-
تفسیر رشیدی ۳/۵۰
مدارج سلوک ۸/-
خلافت راشدہ اور ہندوستان ۱۲/-
مکارم اخلاق مکمل ۳۷/-
اعیان الحجاج (یعنی تاریخ اسلام کے بلند پایہ حجاج)
از حضرت مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی مدظلہ العالی
جلد اول ۱۰/-
جلد دوم ۱۶/-
معلم الحجاج ۱۰/-

جماعت اسلامی ایک لمحۂ فکریہ ۵/-
عربی بول چال (اردو انگریزی عربی)
اول ۶/- دوم ۱۲/-
حدیث دفاع ۱۰/-
مکتوبات حضرت علی ۱۰/-
مکتوبات تصوف (مکتوبات شیخ) ۶/۷۵
مکتوبات شیخ الحدیث مدظلہ مکمل ۱۳/۷۵
خطبات ماجد ۱۰/-
کتب فضائل پر اشکالات اور ان کے جوابات ۵/۵۰
مودودی صاحب اکابر امت کی نظر میں ۵/۵۰
مکاتیب رشیدیہ ۷/۵۰
کلیات امدادیہ ۱۰/-
نقوش سلیمانی مکمل ۱۰/-
کیا مقتدی پر فاتحہ واجب ہے۔ ۴/-
اکابر کا سلوک و احسان ۳/-
نشر الطیب فی ذکر النبی الحبیب ۶/۷۵
الانوار ۴۰/-
معارف الآثار ۵/-
اسلام کا سیاسی نظام ۹/۴۰
زاد سفر ہندی ۱۰/-
ہندوستان کے عہد وسطیٰ کی ایک جھلک ۱۶/۲۵
ہندوستان کے مسلمان حکمرانوں کے تمدنی جلوے ۲۰/۳۵
ہندوستان کے مسلمان حکمرانوں کے تمدنی کارنامے ۱۰/۹۵
ہندوستان کے عہد وسطیٰ کا فوجی نظام ۱۵/۶۵
مکاتیب شبلی مکمل ۱۸/۷۵
اسلام کیا ہے (انگریزی) ۱۸/-

ماہنامہ

الفرقان لکھنؤ

چندہ سالانہ

ہندوستان سے ۱۵/-

پاکستان سے ۲۵/-

بنگلادیش سے ۱۶/-

فی شمارہ

ممالک غیر سے سالانہ چندہ

محصول ڈاک میں زبردست اضافہ کے بعد اب نئی شرح یہ ہے۔

بحری ڈاک سے ۲ پونڈ

ہوائی ڈاک سے ۴ پونڈ

جلد (۴۶) | بابت ستمبر، اکتوبر ۱۹۷۸ء مطابق شوال و ذی قعدہ ۱۳۹۸ھ | شمارہ (۹-۱۰)

اگر اس دائرہ میں ◯ سرخ نشان ہے، تو

اس کا مطلب ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہوگئی ہے براہ کرم آئندہ کے لیے چندہ ارسال کریں یا خریداری کا ارادہ نہ ہو تو مطلع فرمائیں۔ چندہ یا کوئی دوسری اطلاع مہینے کے آخر تک آ جانا چاہیے ورنہ اگلا پرچہ بصیغۂ وی پی ارسال ہوگا۔

نمبر خریداری: براہ کرم خط و کتابت کرتے وقت اور منی آرڈر کوپن پر اپنا خریداری نمبر ضرور لکھ دیا کیجیے جو پتہ کی چٹ پر لکھا ہوتا ہے۔

تاریخ اشاعت: الفرقان ہر انگریزی مہینے کے پہلے ہفتہ میں روانہ کر دیا جاتا ہے اگر مہینے کے آخر تک کسی صاحب کو پرچہ نہ ملے تو فوراً مطلع کریں اس کی اطلاع اگلے مہینے کی ۵ تاریخ تک آ جانا چاہیے اس کے بعد رسالہ بھیجنے کی ذمہ داری دفتر پر نہ ہوگی۔

پاکستان کے خریدار حضرات اپنا چندہ مبلغ پچیس (۲۵) روپے ہندوستانی بذریعہ بینک کے ذریعہ دفتر الفرقان کو روانہ فرمائیں یا مبلغ تیس (۳۰) روپے پاکستانی ناظم دفتر اصلاح و تبلیغ آسٹریلین بلڈنگ لاہور کو بھیج دیں۔

(مولوی) محمد منظور نعمانی پرنٹر پبلشر و ایڈیٹر نے تنویر پریس میں چھپوا کر دفتر الفرقان ۳۱ نیا گاؤں مغربی لکھنؤ سے شائع کیا۔

بیرونی ممالک کے خریداران "الفرقان" کی خدمت میں ضروری گذارش

(۱) یورپ اور افریقہ کے مختلف ملکوں کے بہت سے خریداران "الفرقان" کا چندہ کئی کئی سال سے نہیں آیا ہے۔ ایسے سب حضرات کی خدمت میں گزارش ہے کہ وہ واجب الادا چندہ روانہ فرمادیں اور آئندہ کے بارہ میں مطلع کردیں کہ خریداری کا سلسلہ جاری رکھنا چاہتے ہیں یا نہیں ـــــ؟

(۲) پاکستانی بھائیوں کی خدمت میں ـــــ ہندوستان و پاکستان کے درمیان ڈاک کا سلسلہ اگرچہ جاری ہے لیکن معلوم نہیں کیا سبب ہے دونوں طرف سے آنے جانے والے خطوط اور رسائل وجرائد اور کتابوں کے پیکیٹ بکثرت ضائع ہوتے ہیں، مرسل الیہم کو نہیں ملتے ـــــ خود اپنا ذاتی تجربہ یہ ہے کہ ماہنامہ "بینات کراچی" "البلاغ کراچی" "الحق اکوڑہ خٹک" اور "المنبر فیصل آباد" جیسا کہ معلوم ہوا ہے دفتر "الفرقان" کو اہتمام اور پابندی سے روانہ کیے جاتے ہیں لیکن سال میں ان کے ۴-۶ پرچے بھی ہم کو نہیں ملتے ـــــ اب سے ۲ مہینے پہلے جب حضرت مدیر الفرقان نے پاکستان کا سفر کیا تو مختلف مقامات کے متعدد خریداروں نے "الفرقان" نہ پہنچنے کی شکایت کی اور بعض نے بتلایا کہ اُن کو برابر ملتا ہے (حالانکہ دفتر الفرقان سے تمام خریداروں کو خاصکر بیرونی ممالک کے خریدار حضرات کو ہر شمارہ اہتمام اور احتیاط سے روانہ کیا جاتا ہے۔) ـــــ اس صورت حال میں اُن خریدار حضرات کو جن کو "الفرقان" نہیں پہنچتا، پورے اخلاص کے ساتھ ہمارا مشورہ یہ ہے کہ وہ اولاً اپنے ہاں کے محکمۂ ڈاک کو توجہ دلائیں، اگر اس کے بعد بھی صورت حال یہی رہے تو وہ حضرات خریداری کا سلسلہ ختم فرمادیں اور اس کی اطلاع خط کے ذریعہ دفتر الفرقان لکھنؤ کو، نیز ـــ ناظم ادارۂ اصلاح و تبلیغ، آسٹریلین بلڈنگس لاہور کو دیدیں ـــــ جب پرچہ نہیں پہنچتا تو آپ اپنے پیسے کیوں ضائع کریں۔

(۳) پاکستانی حضرات کے لیے الفرقان کا چندہ پچیس ۲۵ روپے ہے۔ اس سے مراد ہندوستانی پچیس ۲۵ روپے ہیں یہ بینک کے ذریعہ براہ راست بھی دفتر الفرقان کو بھیجے جاسکتے ہیں ـــــ (یہ آپ کے حق میں بھی بہتر ہوگا اور "الفرقان" کے حق میں بھی) اس کا طریقہ آپ کو اپنے ہاں کے بینک سے معلوم ہوجائے گا ـــــ جو حضرات اپنا چندہ بینک کے ذریعہ دفتر الفرقان کو براہ راست نہ بھیجیں یا نہ بھیج سکیں ـــــ وہ

ناظم دفتر اصلاح و تبلیغ ـــــ آسٹریلین بلڈنگس ـــــ لاہور

کے پتہ پر تیس ۳۰ پاکستانی روپئے روانہ فرمائیں۔ (ہندوستان و پاکستان کے سکہ کی قیمت کے فرق کی وجہ سے یہ ضروری ہے)

ناظم دفتر الفرقان لکھنؤ ـ ۳۰ ستمبر ۱۹۷۰ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نگاہِ اولیں

محمد منظور نعمانی

گزشتہ سال اسی مہینے ذیقعدہ کی ۵ تاریخ کو پاکستان کے دارالحکومت اسلام آباد میں حضرت مولانا محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے وفات پائی تھی، الفرقان کے ذی الحجہ (دسمبر) کے شمارہ میں حادثۂ وفات کے ذکر کے ساتھ مولانا مرحوم کے کچھ احوال و اوصاف اور اُن کے علمی و دینی کمالات و خدمات کا بھی تذکرہ کیا گیا تھا ــــــ پھر کسی شمارہ میں یہ اطلاع بھی دی گئی تھی کہ مولانا مرحوم سے متعلق خود ان کے جاری کیے ہوئے رسالہ "بینات کراچی" کا خاص نمبر انشاء اللہ عنقریب شائع ہو گا۔ بڑی مبارکباد اور بڑے خراج تحسین کے مستحق ہیں ادارہ "بینات" کے رفقاء خاصکر مولانا محمد یوسف لدھیانوی کہ بہت تھوڑی مدت میں انھوں نے قریباً ساڑھے آٹھ سو صفحات کی ضخامت کا نمبر مرتب کر کے شائع کر دیا جو بڑے مفید و وسیع اور نہایت قیمتی علمی و تحقیقی اور سوانحی و واقعاتی مضامین و مقالات پر مشتمل ہے۔

بلا شبہ "بینات" کی یہ خاص اشاعت اس کی مستحق ہے کہ بالخصوص حضرات علماء کرام مدارس دینیہ کے ارباب انتظام و اہتمام اور اُن کے طلبہ اور عام تعلیم یافتہ مسلمانوں کو اس کے مطالعہ کا مشورہ دیا جائے۔

بعض مقالات و مضامین صرف علماء و اصحاب درس اور مدارس عربیہ کے منتہی طلبہ ہی کے مطالعہ کے لائق ہیں، اور وہی اُن سے استفادہ کر سکتے ہیں ــــــ ان میں مولانا مفتی ولی حسن صاحب ٹونکی کا مقالہ بعنوان "محدث العصر" (ص ۹ تا ۱۶۸) بڑا فاضلانہ اور علمی و فنی اعتبار سے

بہت بلند پایہ اور فن حدیث سے اشتغال رکھنے والوں کے لیے نہایت مفید اور بصیرت افروز ہے۔

اسی طرح مولانا محمد یوسف لدھیانوی کا مقالہ — "حضرت شیخ اور طحاوی شریف" — مختصر ہونے کے باوجود اہل علم کے مطالعہ کے لائق ہے۔

علیٰ ہذا مولانا محمد حبیب اللہ مختار کا مقالہ — "حضرت شیخ اور لب اللباب" — اہل علم خاصکر حدیث کے اساتذہ اور طلبہ کے لیے بہترین علمی تحفہ ہے۔

مولانا بنوری مرحوم کے سب سے بڑے داماد مولانا محمد طاسیس کا مضمون — "سیرت و کردار کی چند جھلکیاں" — (صفحہ ۴۰۰ تا ۴۲۷) — مولانا کی شخصیت کا تعارف کرانے کے مقصد میں بڑا کامیاب مقالہ ہے اور اس کے مطالعہ سے مولانا کے خصائص حیات، سیرت و کردار، اخلاص و للّٰہیت، مطالعہ کی وسعت اور ان کا علمی مقام، بیک وقت سب چیزیں سامنے آجاتی ہیں۔

ان چار مقالوں کے علاوہ بھی ساٹھ (۶۰) کے قریب جو مضامین و مقالات ہیں قریبًا وہ سب ہی خواص و عوام کے مطالعہ کے لائق اور بہت مفید ہیں۔

کتابت، طباعت، کاغذ کی نفاست حتیٰ کہ تجلید کے لحاظ سے بھی "حضرت مولانا محمد یوسف بنوری نمبر" کا معیار بہت بلند ہے اور مولانا مرحوم کی تحسین و تجمیل اور نفاست پسند شخصیت سے اس حد تک مطابقت رکھتا ہے جس سے آگے کا غالبًا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔

اس نمبر کی قیمت غالبًا تیس روپئے رکھی گئی ہے[1] جو مقالات و مضامین کی معنوی اور افادی قدر و قیمت سے قطع نظر، صرف کتابت و طباعت کے مصارف اور کاغذ کی قیمت اور جلد کی لاگت وغیرہ کے لحاظ سے بھی اس زمانہ میں بہت کم ہے — لیکن مولانا مرحوم کی ہندوستان کی برادری (یہاں کے علماء اور مدارس عربیہ کے طلبہ) کے لیے اس کے مطالعہ سے مستفید ہونے کا امکان بہت ہی کم ہے — اولاً تو دونوں ملکوں کے درمیان ڈاک کی شرح اتنی زیادہ بڑھادی گئی ہے کہ اگر کوئی کتاب منگوائی یا بھیجی جائے تو اکثر محصول ڈاک کتاب کی قیمت سے بھی زیادہ ہو جاتا ہے۔ اس کے باوجود ضروری نہیں کہ رجسٹرڈ ہونے کی صورت میں بھی وہ مرسل الیہ کو مل جائے۔

---

[1] نمبر پر قیمت لکھی ہوئی نہیں ہے، یاد آتا ہے کہ اس کے کسی اشتہار میں کہیں اس کی قیمت تیس روپئے نظر پڑی تھی۔

اس صورت حال کے پیش نظر راقم سطور نے مناسب سمجھا کہ اس نمبر کے مضامین سے کچھ ایسے اجزا منتخب کر کے الفرقان کے اسی ایک شمارہ میں شائع کر دیے جائیں جن کے مطالعہ سے مولانا بنوری علیہ الرحمہ کی شخصیت اُن کے خاص احوال و اوصاف، سیرت و کردار، کسی حد تک ان کا علمی مقام، اور ان کی علمی و دینی خدمات اور ان سب میں اخلاص و للہیت کی سبق آموز شان ناظرین کے سامنے آجائے۔ —— مولانا مرحوم کے قائم کیے ہوئے "مدرسہ عربیہ اسلامیہ" سے متعلق مولانا مفتی احمد الرحمان صاحب کا مضمون قریباً پورا ہی لینا مناسب سمجھا گیا، سب سے آخر میں ناظرین کرام اسی کو ملاحظہ فرمائیں گے۔

اس عاجز کو اس چیز کا بڑی شدت سے احساس ہے کہ ہمارے بڑے بڑے دینی مدارس اور دار العلوموں میں جن کی بنیاد یقیناً اخلاص اور توکل پر رکھی گئی تھی اور جن میں طویل مدت تک اِن ایمانی اوصاف کا غلبہ رہا، اب وہاں (الا ماشاء اللہ) گویا فقدان ہے (انا للہ وانا الیہ راجعون) اور خود راقم السطور کی ذات اور زندگی اُس کی ایک مثال ہے بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰی نَفْسِہٖ بَصِیْرَہ

حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ کی زندگی اور کردار کا جو نقشہ اس نمبر کے مطالعہ سے سامنے آتا ہے وہ ہم لوگوں کے لیے اور خصوصاً ہمارے دینی مدارس کے حضرات اساتذہ اور ارباب انتظام و اہتمام کے لیے یقیناً ایک سبق آموز اور قابل تقلید مثال ہے۔ —— مولانا بنوری مرحوم علم یا عمل کے لحاظ سے معصوم قطعاً نہیں تھے —— (اور انبیاء علیہم السلام اور ملائکۃ اللہ کے سوا کوئی بھی معصوم نہیں) —— لیکن ہمارے اس دور کے علماء و فضلاء اور دینی مدارس کے طلبہ، نیز دین و ملت کے عام خادموں کے لیے مولانا مرحوم کی زندگی اور سیرت و کردار میں بلاشبہ سبق آموزی کا بڑا سامان ہے، بشرطیکہ دل و دماغ خیر و صلاح پسندی اور نصیحت پذیری کے جوہر سے محروم نہ ہو —— اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَذِکْرٰی لِمَنْ کَانَ لَہٗ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَی السَّمْعَ وَھُوَ شَہِیْدٌ ؀

اس شمارہ میں حضرت مولانا محمد یوسف بنوری نمبر" سے جو کچھ نقل کیا گیا ہے اس کے علاوہ بھی بہت سی چیزیں ایسی تھیں جن کو نقل کرنے کا ارادہ تھا بلکہ ان پر نشان بھی لگا دیا گیا تھا لیکن صفحات میں گنجائش نہیں نکل سکی "گلچین تو از تنگئ داماں گلہ دارد"۔

درس قرآن - محمد منظور نعمانی

۱۳ر شوال ۱۳۹۶ھ

● حٰمٓ سے شروع ہونے والی مسلسل سات سورتیں، اُن کا امتیاز
● ایک آیت جو گنہگاروں کو جنتی بنا دینے کے لیے کافی ہے
● مجرمین کو تنبیہ و تہدید اور مومنین کو بشارتِ عظمیٰ

(حمد و صلوٰۃ اور اعوذ اور بسم اللہ کے بعد)

حٰمٓ ○ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ○ غَافِرِ الذَّنْبِ
وَقَابِلِ التَّوْبِ شَدِيْدِ الْعِقَابِ ذِي الطَّوْلِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اِلَيْهِ
الْمَصِيْرُ ○ مَا يُجَادِلُ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ اِلَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَلَا يَغْرُرْكَ
تَقَلُّبُهُمْ فِي الْبِلَادِ ○ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّالْاَحْزَابُ مِنْ
بَعْدِهِمْ وَهَمَّتْ كُلُّ اُمَّةٍ بِرَسُوْلِهِمْ لِيَاْخُذُوْهُ وَجَادَلُوْا بِالْبَاطِلِ
لِيُدْحِضُوْا بِهِ الْحَقَّ فَاَخَذْتُهُمْ فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ ○ وَكَذٰلِكَ
حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ النَّارِ ○
اَلَّذِيْنَ يَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهٗ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ
وَيُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ
رَّحْمَةً وَّعِلْمًا فَاغْفِرْ لِلَّذِيْنَ تَابُوْا وَاتَّبَعُوْا سَبِيْلَكَ وَقِهِمْ
عَذَابَ الْجَحِيْمِ ○ رَبَّنَا وَاَدْخِلْهُمْ جَنّٰتِ عَدْنِ ِالَّتِيْ وَعَدْتَّهُمْ
وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ ۭ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ

الْحَكِيمُ ۝ وَقِهِمُ السَّيِّئَاتِ ۚ وَمَن تَقِ السَّيِّئَاتِ يَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمْتَهُ ۚ وَذَٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ۝ (سورۃ المومن آیات ۱ تا ۹)

(ترجمہ) حٰم۔ یہ کتاب نازل فرمائی گئی ہے اللہ کی طرف سے جو عزیز و علیم ہے، گناہ بخشنے والا اور توبہ قبول کرنے والا ہے، سخت عذاب دینے والا اور قدرت والا ہے۔ اس کے سوا کوئی عبادت اور بندگی کے لائق نہیں، اسی کے پاس سب کو واپس جانا ہے۔ اللہ کی آیتوں میں وہی لوگ جھگڑے نکالتے ہیں جو کافر و منکر ہیں، پس ان کا شہروں ملکوں میں چلنا پھرنا اور دورہ تم کو دھوکے میں نہ ڈال دے۔ اِن سے پہلے ہمارے پیغمبر نوح کی قوم نے اور اُن کے بعد کے بہت سے گروہوں نے (اپنے پیغمبروں کی) تکذیب کی اور اُن کو جھٹلایا اور (اُن میں سے) ہر امت نے اپنے رسول کو گرفتار کرنے کی فکر (اور کوشش) کی اور ناحق کے جھگڑے نکالے تاکہ اس (ناحق جنگ و جدال) کے ذریعہ حق کو ناکام بنا دیں تو میں نے اُن کو پکڑ میں لے لیا، پھر اُن پر ہمارا کیسا عذاب آیا اور کیسی مار پڑی ــــ اور اسی طرح تمام کافروں پر اللہ کا یہ فرمان ثابت ہو چکا ہے کہ وہ دوزخی ہیں ــــ

وہ فرشتے جو حاملینِ عرش ہیں اور جو اُس کے اِرد گرد ہیں اپنے پروردگار کی تسبیح و حمد کرتے ہیں اور اُس پر ایمان رکھتے ہیں، اور ایمان والوں کے لیے مغفرت و بخشش مانگتے ہیں (عرض کرتے ہیں) اے ہمارے رب تیری رحمت اور علم ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہیں پس تو اُن بندوں کو بخش دے جنھوں نے توبہ کر لی اور تیری راہ پر چلے اور انھیں دوزخ کے عذاب سے بچا اور اے ہمارے رب اُن کو غیر فانی جنتوں میں داخلہ دیدے جن کا تو نے اُن سے وعدہ فرمایا ہے اور (اُن کے ساتھ) اُن کے اُن ماں باپ اور بیویوں اور اولاد کو بھی جو اس لائق ہوں، تو عزیز و حکیم ہے، اور اے ہمارے رب اُن کو گناہوں کی شامت سے بچالے، اور جس کو تو نے اس دن گناہوں کی شامت سے بچالیا اُس پر تو نے مہربانی فرمائی اور یہ بڑی کامیابی ہے۔

(سورۂ مومن، آیت ۱ سے ۹ تک)

(تشریح و تفسیر) آج یہ سورۂ "مومن" شروع ہوئی ــــ جیسا کہ پہلے بھی ذکر کر چکا ہوں، قرآن پاک کی سورتوں کے نام اللہ تعالیٰ کے مقرر کیے ہوئے اور آسمانی نہیں ہیں، بلکہ علامت کے طور پر مقرر کر لیے گئے ہیں، اور اکثر ایسا ہے کہ سورت کے کسی خاص مضمون یا کسی خاص لفظ ہی کی بنا پر نام رکھ دیا گیا ہے۔ مثلاً "سورۂ بقرہ" کا نام "بقرہ" اس بنا پر رکھ دیا گیا کہ اس سورت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کے "بقرہ" یعنی گائے کی قربانی کا ذکر آیا ہے ــــ اسی طرح سورۂ آل عمران کا نام "آل عمران" اس لیے رکھا گیا کہ اس میں حضرت مریم کے والد عمران کی اولاد یعنی حضرت مریم اور پھر اُن سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش اور اُن کے غیر معمولی واقعات کا ذکر ہے ــــ اس سورۂ مومن سے پہلی سورت کا نام "زُمَر" صرف اس لیے ہو گیا کہ اُس کے آخری رکوع میں دو جگہ "زُمَرًا" کا لفظ آیا ہے ("وَسِيقَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِلَىٰ جَهَنَّمَ زُمَرًا" ــــ اور ــــ وَسِيقَ الَّذِينَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ إِلَى الْجَنَّةِ زُمَرًا")

ــــ اس سورت کا نام "مومن" اس لیے ہو گیا کہ اس میں فرعون کے گھرانے کے ایک ایسے "مردِ مومن" کا ذکر کیا گیا ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعوت پر ایمان لے آیا تھا لیکن حالات کی مجبوری سے یا مصلحۃً اپنا ایمان ظاہر نہیں کیا تھا، اس سورت کے چوتھے رکوع کے شروع میں اُس کا ذکر "رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ مِّنْ آلِ فِرْعَوْنَ" کے الفاظ میں کیا گیا ہے تو اسی لفظ "مومن" کی وجہ سے اس سورت کا نام "مومن" رکھ دیا گیا ــــ یعنی یہ وہ سورت ہے جس میں فرعون کے گھرانے کے ایک "مردِ مومن" کا ذکر ہے۔

یہ سورت کلمہ "حٰمٓ" سے شروع ہوتی ہے ــــ کہ آپ کو معلوم ہے قرآن مجید کی بہت سی سورتوں کے شروع میں اس طرح کے حروف تہجی ہیں، جیسے "الٓمٓ"، "الٓمٓصٓ" وغیرہ ان کو حروف "مقطعات" کہتے ہیں، جیسا کہ بار بار ذکر کیا جا چکا ہے اِن حروف مقطعات کے متعلق ہمیں یہ عقیدہ رکھنا چاہیے کہ ہم ان کی مراد اور ان کا مطلب نہیں جانتے بس اللہ تعالیٰ جانتا ہے یا اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم، اور جو بھی مراد ہے وہ برحق ہے۔ اِن حروف مقطعات کے معنی مطلب معلوم نہ ہونے کا اقرار کرنا ہی علم ہے، جس طرح اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کے بارہ میں اپنی بے علمی اور نارسائی کا اقرار کرنا ہی صحیح علم ہے۔

بعض مفسرین نے ان حروف کو سورتوں کا نام کہا ہے، اور بعض نے اپنے اپنے ذوق اور ذہن کے مطابق ان کے بارہ میں کچھ نکات اور اشارات لکھے ہیں لیکن کوئی بھی یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ یہی اللہ تعالیٰ کی مراد ہے۔

یہ سورۂ "مومن" پہلی سورت ہے جو "حٰم" سے شروع ہوتی ہے، اس کے آگے کی مسلسل چھ سورتیں بھی "حٰم" ہی سے شروع ہوتی ہیں، یہ سات سورتیں ہیں جو "حوامیم" کہلاتی ہیں، ان کے مضمون میں بھی بہت یکسانیت ہے اور حافظوں کے لیے لفظی تشابہے بھی بہت ہیں، ان کا مرکزی مضمون توحید اور صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت و اطاعت کی دعوت ہے۔

قرآن مجید کی ہر سورت اس لحاظ سے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے "مقدس" ہے لیکن مضامین کے لحاظ سے یقیناً بعض سورتوں کو خاص فضیلت حاصل ہے، مثلاً سورۂ اخلاص یعنی قل ہو اللہ شریف یا سورۂ یسین وغیرہ، جنکی خاص فضیلتیں حدیثوں میں وارد ہوئی ہیں اسی طرح۔ ان حوامیم یعنی ان ساتوں سورتوں کو بھی جو "حٰم" سے شروع ہوتی ہیں خاص امتیاز اور فضیلت حاصل ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا گیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ "حوامیم" گویا قرآن پاک کا لُباب یعنی مغز اور جوہر ہیں۔ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا ارشاد نقل کیا گیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ "حوامیم" گویا قرآن کی وادی میں سرسبز و شاداب اور خوش منظر باغیچے ہیں۔

اب سورۂ مومن کی ان ابتدائی آیتوں کا مطلب اور پیغام سمجھنے کی کوشش کریں جنکی تلاوت کی گئی ہے۔ "حٰم" کے بعد پہلی آیت ہے "تنزیل الکتاب من اللہ العزیز العلیم ۝ غافر الذنب وقابل التوب شدید العقاب ذی الطول لا الٰہ الا ھو الیہ المصیر ۝"

مطلب یہ ہے کہ یہ اللہ کا نازل کیا ہوا فرمان اور پیغام ہدایت ہے، وہ اللہ جو عزیز اور علیم ہے، "عزیز" وہ ہے جو زبردست ہر چیز پر قابو یافتہ اور غالب ہو اور "علیم" وہ ہے جو سب کچھ جانتا ہو کوئی چیز اس کے احاطۂ علم سے باہر نہ ہو —— یہ اللہ تعالیٰ کی دو صفتیں ہوئیں، اس کے آگے اس کی یہ صفتیں اور ذکر کی گئی ہیں، "غافر الذنب" یعنی گناہوں کا معاف کر دینے اور بخش دینے والا ہے۔ "قابل التوب" توبہ قبول فرمانے والا ہے —— ان دونوں باتوں میں کچھ فرق ہے اس کو سمجھ لینا چاہیے۔

——— مغفرت کا مطلب ہے گناہ کی معافی یعنی یہ فیصلہ کہ اس گناہ پر سزا نہیں دی جائے گی اس کے لیے یہ ضروری نہیں کہ گناہ کا کوئی اثر ہی باقی نہ رہے ——— لیکن توبہ کے بارہ میں حدیث شریف میں ہے کہ "التائب من الذنب کمن لا ذنب له" کہ سچی توبہ کرنے کے بعد آدمی ایسا ہو جاتا ہے جیسا کہ اس نے گناہ کیا ہی نہیں، اور ایک روایت میں ہے "کیوم ولدته امه" یعنی سچی توبہ کے بعد بندہ گناہوں سے ایسا پاک صاف ہو جاتا ہے جیسا کہ وہ اس دن بے گناہ تھا جب ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا تھا ——— سچی توبہ یہ ہے کہ گناہ پر دل سے رنج و افسوس ہو اور آئندہ اس سے دور رہنے اور بچنے کا عزم ہو ——— اللہ تعالیٰ کی یہ دونوں صفتیں ("غَافِرِ الذَّنْبِ" اور "قَابِلِ التَّوْبِ") رحمت کی لائن کی صفتیں ہیں ——— آگے فرمایا گیا ہے "شَدِيْدِ الْعِقَابِ" یعنی مجرموں کو، جو معافی اور مغفرت کے مستحق نہ ہوں وہ سخت عذاب دینے والا ہے، اس کا عذاب بڑا سخت ہے جس کا اس دنیا میں تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی عظمت کا تقاضا ہے کہ اس میں جو صفت بھی ہو وہ بدرجۂ کمال ہو، جس طرح اس کی رحمت اور بخشش بے حد وسیع ہے اسی طرح اس کا عذاب بے پناہ اور انتہائی شدید ہے ——— دوسری جگہ ارشاد فرمایا گیا ہے نَبِّئْ عِبَادِيْ اَنِّيْ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝ وَاَنَّ عَذَابِيْ هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِيْمُ ۝ (یعنی میرے بندوں کو خبردار کر دو کہ میں بہت بخشنے والا اور بڑا مہربان بہت رحمت والا ہوں اور اسی کے ساتھ یہ کہ میرا عذاب بڑا دردناک ہے) ——— آگے فرمایا گیا ہے ذِي الطَّوْلِ "طول" کے معنی قدرت کے بھی ہیں اور ہر طرح کی خیر اور نوازش و بخشش کے بھی ہیں۔ اس لفظ کے معنی میں بڑی وسعت اور جامعیت ہے ——— تو "ذی الطول" کا مطلب ہوا کہ اللہ تعالیٰ بڑی قدرت والا، بے انتہا خزانوں والا اور بہت نوازش فرمانے والا ہے۔

یہاں تک اللہ تعالیٰ کی چھ صفتیں ذکر کی گئیں۔ العزیز۔ العلیم۔ غافر الذنب قابل التوب۔ شدید العقاب۔ ذی الطول ——— اس کے بعد فرمایا گیا "لا اله الا هو" ظاہر ہے کہ جس ہستی میں جمال و جلال اور رحمت و عذاب کی یہ ساری صفتیں جمع ہوں وہی اور صرف وہی اس لائق ہے کہ اس کی عبادت اور بندگی کی جائے اس کے سوا اور کوئی نہیں

(لا الٰہ الا اللہ) —— آگے ارشاد فرمایا گیا "اِلَیْہِ الْمَصِیْرُ" یعنی اے لوگو موت کے بعد بالآخر سب کو اسی کی طرف واپس جانا اور اسی کے حضور میں حاضر ہونا ہے۔ لہٰذا ہر ایک اپنا حال اور اپنے اعمال دیکھ کر اپنا انجام سوچ لے۔ اگر ابتک غافل رہا ہے تو اس کے حضور میں حاضری کے لیے اب تیاری کرلے۔ اگر شیطان کے اغوا یا اپنی بدنفسی سے گناہوں میں ملوث رہا ہے، بلکہ اگر خدانخواستہ کفر یا شرک میں بھی مبتلا رہا ہے تو مایوس نہ ہو، جس اللہ کے حضور میں حاضر ہونا ہے وہ غافر الذنب ہے قابل التوب ہے اس سے مغفرت اور معافی کی استدعا کرکے مغفرت اور بخشش کا استحقاق پیدا کرلے اور سچے دل سے توبہ کرکے اپنے کو بالکل بے گناہ اور پاک صاف کرلے —— ورنہ انجام بہت برا ہوگا —— وہ اللہ تعالیٰ شدید العقاب ہے۔

اس آیت میں بڑی بشارت اور بڑی تنبیہ اور آگاہی ہے۔ اگر اللہ توفیق دے تو آدمی کی ہدایت اور اس کو دوزخ سے بچانے اور جنتی بنانے کے لیے یہی ایک آیت کافی ہے —— تفسیر ابن کثیر وغیرہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ واقعہ نقل کیا گیا ہے کہ علاقۂ شام کے ایک صاحب جو خواص اور اہلِ وجاہت میں سے تھے حضرت عمرؓ کی خدمت میں آتے جاتے تھے —— پھر اُن کی آمد و رفت ختم ہوگئی —— حضرت عمر نے ایک دن لوگوں سے دریافت کیا کہ فلاں صاحب جو آیا کرتے تھے اُن کا کسی کو کچھ پتہ ہے؟ —— کسی نے بتلایا کہ وہ شراب کے عادی رہے تھے، شامتِ نفس سے وہ پھر اس میں مبتلا ہوگئے اس لیے وہ غائب ہیں۔ حضرت عمر نے اپنے کاتب کو بلایا اور اُن کے نام خط لکھوایا، اس میں سلام اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد سورۂ مومن کی یہی آیت لکھوائی "غافر الذنب وقابل التوب شدید العقاب ذی الطول لا الٰہ الا ھو الیہ المصیر" —— یہ خط اُن صاحب کے نام لکھوایا اور جو حضرات اُس وقت آپ کے پاس تھے (جو غالباً صحابہ کرام ہی رہے ہوں گے) اُن سے آپ نے فرمایا کہ اپنے اُس بھائی کے لیے دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ اس کو انابت اور توبہ کی توفیق دے اور اس کی توبہ قبول فرمائے —— آگے روایت میں ہے کہ جب حضرت فاروق اعظمؓ کا یہ خط اللہ کے اُس بندے کے پاس پہنچا اور اس نے اس کو دیکھا تو بار بار رو رو کے پڑھتا تھا: غافر الذنب وقابل التوب شدید العقاب: پھر وہ بہت رویا اور اُس نے توبہ کی اور قطعی طور سے چھوڑ دینے کا عہد کیا اور اللہ نے اس کی توفیق دی۔

دراصل اصلاح کا یہی طریقہ ہے، آگے روایت میں یہ بھی ہے کہ جب حضرت عمرؓ کو اس کی اطلاع ملی تو آپ نے لوگوں سے فرمایا کہ جب تمہارا کوئی بھائی اغوائے شیطانی سے غلط راستہ پر پڑ جائے تو اس کو دھتکارو، پھٹکارو، اور رسوا کر کے شیطان کی مدد نہ کرو بلکہ اُس کو اپنا کے اس کی اصلاح کی کوشش کرو اور اس کے لیے اللہ سے دعائیں کرو ——— یہ طریقہ صبر و تحمل کا اور دلسوزی کا ہے اور اس میں خود اپنی بھی اصلاح ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کی توفیق دے۔ اور یہ واقعہ ہے کہ گناہ میں مبتلا ہو جانے والے کسی بھائی کو بُرا بھلا کہنا اکثر اپنی نفسانیت سے ہوتا ہے اور اکثر اس کی صورت غیبت کی ہو جاتی ہے جو سخت حرام ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے نفسوں کے شر اور فریب سے ہماری حفاظت فرمائے۔

آگے ارشاد ہوا ہے "مَا يُجَادِلُ فِي آيَاتِ اللهِ ...... فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ" مطلب یہ ہے کہ آپ کے مخالفین و منکرین لوگوں کو بہکانے کے لیے طرح طرح کے جو اعتراضات اور سوالات اُٹھاتے ہیں مثلاً یہ کہ اگر آپ واقعی خدا کے پیغمبر ہیں اور آپ کا خدا "شدید العقاب" ہے تو ہم پر عذاب کیوں نہیں آتا اور ہمیں کفر و شرک کی اور دنیا میں گھومنے پھرنے کی آزادی کیوں ملی ہوئی ہے اور ہم کو تمہارے مقابلہ میں دنیوی برتری کیوں حاصل ہے؟ (اور اس طرح کے دوسرے اعتراضات اور سوالات) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے ان کا جواب دیا جا رہا ہے کہ ان لوگوں کے یہ اعتراضات و سوالات تحقیقِ حق کے لیے نہیں ہیں بلکہ یہ لوگ آپ کی تکذیب اور کفر و انکار کا پہلے ہی سے فیصلہ کیے ہوئے ہیں اور ان کی یہ باتیں صرف ان کی کٹ حجتی ہے ——— اصل حقیقت یہ ہے کہ ان کو دنیا میں جو آزادی اور بظاہر عیش و راحت کی زندگی ملی ہوئی ہے یہ ہماری طرف سے مہلت اور ڈھیل ہے۔ اس دنیا کے لیے ہمارا دستور و قانون یہی ہے کہ ایسے مجرموں کو ڈھیل دی جاتی ہے اور ان کی رسی دراز کی جاتی ہے ایک دم نہیں پکڑا جاتا یہی قرین حکمت ہے ——— اس دور سے پہلے بھی یہی ہوتا رہا ہے، ہمارے پیغمبر نوحؑ اور اُن کے بعد بھیجے جانے والے پیغمبروں کی امتوں نے بھی ان کفارِ مکہ کی طرح اپنے پیغمبروں کی تکذیب اور اُن کا انکار کیا تھا اور اسی طرح کی کٹ حجتی اور ان کے ساتھ شرارتیں کی تھیں اور ان کو پکڑ کے ختم کر دینے تک کے منصوبے بنائے تھے ———

اُن کو بھی ایک حد تک مہلت دی گئی تھی اور جب وہ اپنی حرکتوں سے باز نہ آئے اور شرارتوں اور گستاخیوں میں آگے بڑھتے ہی رہے تو وہ عذاب کی گرفت میں لے لیے گئے ——

الغرض ان منکرین اور مخالفین کو ان قوموں کی تاریخ اور اُن کے انجام سے سبق لینا چاہیے اور اے رسول آپ کو اور اہل ایمان کو صبر کے ساتھ انجام کا انتظار کرنا چاہیے —— ان منکرین کے آزادی سے شہروں اور ملکوں میں گھومنے پھرنے سے کسی کو کوئی غلط فہمی نہ ہو۔ اگر ان کا رویہ نہ بدلا تو وہی ہوگا جو نوح اور اُن کے بعد میں آنیوالے پیغمبروں کی اُن قوموں کے ساتھ ہوا جو اپنی شرارتوں اور گستاخیوں سے باز نہیں آئی تھیں۔

اس کے آگے فرمایا گیا ہے "وَكَذٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ النَّارِ" —— اوپر والی آیت میں اگلے پیغمبروں کے اُن بدبخت مکذبین اور منکرین پر آنے والے دنیوی عذاب کا ذکر فرمایا گیا تھا جو اپنے پیغمبروں کے خلاف شیطانی سازشوں اور شرارتوں، گستاخیوں سے باز نہیں آئے تھے۔ "فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ" کا اشارہ اسی دنیوی عذاب کی طرف تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شریر منکرین و مکذبین کو آگاہی دی گئی تھی کہ اگر وہ باز نہیں آئے تو ان کا انجام بھی وہی ہوگا اور اُن پر بھی اسی دنیا میں اسی طرح کا عذاب آئے گا۔

اس آیت (وَكَذٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ النَّارِ) کا مطلب یہ ہے کہ بہر حال اللہ تعالےٰ کی طرف سے اس بات کا قطعی فیصلہ ہو چکا ہے کہ آخرت میں کافروں منکروں کو جہنم کی آگ میں ڈالا جائے گا اور ابد الآباد تک وہ اسی میں رہیں گے اور بلاشبہ وہ عذاب بڑا دردناک اور بے پناہ ہوگا۔ اللّٰھم احفظنا! اللّٰھم احفظنا!!

یہاں تک اہل کفر کو تنبیہ و تہدید تھی، آگے کی آیتوں میں اس کے بالمقابل اہل ایمان کو ایک ایسی بشارت سنائی گئی ہے جو غالباً قرآن پاک میں کسی دوسری جگہ نہیں سنائی گئی ——

(باقی)

کتاب المعاملات

معارف الحدیث

(مسلسل)

وقف فی سبیل اللہ

ہدیہ اور صدقۂ و خیرات جیسے باعثِ ثواب مالی معاملات و تصرفات میں سے ایک وقف بھی ہے ——— حضرت شاہ ولی اللہؒ "حجۃ اللہ البالغہ" میں تحریر فرماتے ہیں کہ عرب کے لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے وقف کے تصور اور طریقہ سے واقف نہیں تھے، آپ ہی نے اللہ تعالیٰ کی ہدایت و رہنمائی سے اس کی تعلیم و ترغیب دی ——— وقف کی حقیقت یہ ہے کہ جائداد جیسی باقی رہنے والی اپنی کوئی مالیت، جس کا نفع جاری رہنے والا ہو اپنی طرف سے مصارفِ خیر کے لیے محفوظ کر دی جائے، اُس کی پیداوار یا آمدنی "وقف کرنے والے کی منشا کے مطابق ایک یا ایک سے زیادہ مصارفِ خیر میں صرف ہوتی رہے" اور خود وقف کرنے والا اپنے مالکانہ حقِ تصرف سے ہمیشہ کے لیے دست بردار ہو جائے اس سلسلہ میں مندرجہ ذیل حدیثیں پڑھی جائیں۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ اَنَّ عُمَرَ اَصَابَ اَرْضًا بِخَيْبَرَ فَاَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّيْ اَصَبْتُ اَرْضًا بِخَيْبَرَ لَمْ اُصِبْ مَالًا قَطُّ اَنْفَسَ عِنْدِيْ مِنْهُ فَمَا تَاْمُرُنِيْ بِهِ فَقَالَ اِنْ شِئْتَ حَبَسْتَ اَصْلَهَا وَتَصَدَّقْتَ بِهَا فَتَصَدَّقَ بِهَا عُمَرُ اَنَّهُ لَا يُبَاعُ اَصْلُهَا وَلَا يُوْهَبُ وَلَا يُوْرَثُ وَتَصَدَّقَ بِهَا فِي الْفُقَرَاءِ وَفِي الْقُرْبٰى وَفِي الرِّقَابِ

وَفِي سَبِيلِ اللهِ وَابْنِ السَّبِيلِ وَالضَّيْفِ لَا جُنَاحَ عَلَى مَنْ وَلِيَهَا أَنْ يَأْكُلَ مِنْهَا بِالْمَعْرُوفِ أَوْ يُطْعِمَ غَيْرَ مُتَمَوِّلٍ ـــــ رواه البخاری ومسلم

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انھوں نے بیان فرمایا کہ میرے والد ماجد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خیبر میں ایک قطعہ زمین ملی، تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ مجھے خیبر میں ایک قطعہ زمین ملی ہے (وہ نہایت نفیس اور قیمتی ہے) اس سے بہتر کوئی مالیت میں نے نہیں پائی، آپ اس کے بارہ میں مجھے کیا حکم دیتے ہیں؟ ـــــ آپ نے فرمایا اگر تم چاہو تو ایسا کرو کہ اصل زمین کو محفوظ (یعنی وقف) کردو اور (اس کی پیداوار اور آمدنی کو) صدقہ قرار دیدو ـــــ چنانچہ حضرت عمر نے اس کو (اسی طرح وقف کردیا اور) فی سبیل اللہ صدقہ قرار دیدیا اور طے فرمادیا کہ یہ زمین نہ کبھی بیچی جائے، نہ ہبہ کی جائے نہ اس میں وراثت جاری ہو، اور اس کی آمدنی اللہ کے واسطے خرچ ہو فقیروں مسکینوں اور اہل قرابت پر اور غلاموں کو آزاد کرانے کی مد میں اور جہاد کے سلسلہ میں اور مسافروں اور مہمانوں کی خدمت میں ـــــ اور جو شخص اس کا متولی اور منتظم ہو اس کے لیے جائز ہے کہ وہ مناسب حد تک اس میں سے خود کھائے اور کھلائے، بشرطیکہ اس کے ذریعہ مال جوڑنے اور مالدار بننے والا نہو ـــــ (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

(تشریح) یہ حدیث وقف کے باب میں اصل اور بنیاد کی حیثیت رکھتی ہے ـــــ ۷ھ میں خیبر جنگ کے نتیجہ میں فتح ہوا تھا، وہاں کی زمین عام طور سے بڑی زرخیز تھی، فتح کے بعد مال غنیمت کے بارے میں شرعی قانون کے مطابق اس کی زمینیں بھی مجاہدین میں تقسیم کردی گئیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حصہ میں جو قطعہ زمین آیا انھوں نے محسوس کیا کہ میری ساری مالیت میں وہ نہایت قیمتی اور گرانقدر چیز ہے ـــــ اور قرآن پاک میں ارشاد فرمایا گیا ہے۔ لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ۝ (تم نیکی اور مقبولیت کا مقام اس وقت تک حاصل نہیں کرسکو گے جب تک کہ اپنی محبوب و مرغوب چیزیں راہ خدا میں صرف نہ کردو گے) ـــــ اس بنا پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دل میں یہ آیا کہ خیبر کی یہ جائداد جو میرے حصہ میں آئی ہے اور اس سے بہتر قیمتی کوئی چیز میرے پاس نہیں ہے میں اس کو فی سبیل اللہ خرچ کر کے اللہ تعالیٰ کی رضا اور سعادت حاصل کرلوں۔

لیکن خود فیصلہ نہیں کر سکے کہ اس کے فی سبیل اللہ خرچ کرنے کی میرے لیے سب سے بہتر صورت کیا ہے ـــــ انھوں نے حضور کی خدمت میں حاضر ہو کر اس کے بارہ میں رہنمائی چاہی ـــــ تو آپ نے ان کو وقف کرنے کا مشورہ دیا تاکہ وہ صدقہ جاریہ ہے، چنانچہ حضرت عمر نے اس کو وقف کر دیا اور اس کے مصارف بھی متعین فرما دیے ـــــ یہ مصارف قریب قریب وہی ہیں جو قرآن پاک میں زکوٰۃ کے بیان میں فرمائے گئے ہیں۔ (سورۂ توبہ آیت ۶۰)

آخر میں وقف کے متولی اور اس کا انتظام و اہتمام کرنے والے کے بارہ میں فرمایا گیا ہے کہ وہ اپنی دولت میں اضافہ کرنے کے لیے تو اس میں سے کچھ نہ لے لیکن کھانے پینے اور اپنے اہل و عیال اور مہمانوں وغیرہ کو کھلانے کے لیے اس میں سے بحد مناسب لے سکتا ہے، یہ اس کے لیے جائز ہے۔

(شریعت کے دوسرے ابواب کی طرح وقف کے مسائل بھی کتب فقہ میں دیکھے جائیں)

عَنْ سَعْدِ بْنِ عُبَادَةَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِنَّ أُمِّي مَاتَتْ فَأَيُّ الصَّدَقَةِ أَفْضَلُ؟ قَالَ الْمَاءُ فَحَفَرَ بِئْرًا وَقَالَ هٰذِهِ لِأُمِّ سَعْدٍ ـــــ

رواہ ابوداؤد والنسائی

حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ حضرت! میری والدہ کا انتقال ہو گیا ہے، (میں اُن کے لیے کچھ صدقہ کرنا چاہتا ہوں) تو کونسا صدقہ زیادہ بہتر اور زیادہ ثواب کا ذریعہ ہوگا؟ آپ نے فرمایا پانی (یعنی کہیں کنواں بنوا دینا اور اس کو وقف عام کر دینا جس سے اللہ کے بندے اپنی پینے وغیرہ کی ضرورتوں کے لیے پانی حاصل کرتے رہیں) چنانچہ انھوں نے ایک کنواں کھدوا اور بنوا دیا اور کہا کہ یہ میری والدہ ام سعد کے لیے ہے (کہ اس کا ثواب ان کو پہنچتا رہے)

(سنن ابی داؤد، سنن نسائی)

(تشریح) اس واقعہ کی بعض روایات میں یہ تفصیل ذکر کی گئی ہے کہ حضرت سعد بن عبادہ کی والدہ کا جب انتقال ہوا تو وہ سفر میں تھے، سفر سے واپسی پر وہ حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میری عدم موجودگی میں میری والدہ کا انتقال ہو گیا، میرا خیال ہے کہ اگر میں موجود ہوتا تو وہ اپنی آخرت کے لیے صدقہ وغیرہ کی وصیت کرتیں۔ اب میں اُن کے ایصال ثواب کے لیے صدقہ کرنا

چاہتا ہوں تو کس طرح کا صدقہ بہتر اور اُن کے حق میں زیادہ ثواب کا باعث ہوگا؟ ——

—— آپ نے ان کو کنواں بنوا دینے کا مشورہ دیا، چنانچہ انھوں نے ایسی جگہ پر جہاں اس کی ضرورت تھی کنواں بنوایا اور اپنی والدہ کے نام پر یعنی اُن کے ایصال ثواب کے لیے اس کو وقف کر دیا —— بعض روایات میں باغ وقف کرنے کا بھی ذکر ہے، ہوسکتا ہے کہ اسی باغ میں کنواں بنوایا ہو۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اور آپ کی ہدایت پر وقف کی یہ دوسری مثال ہے۔
اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ کسی مرنے والے کو ثواب پہنچانے کی نیت سے کوئی نیک کام کرنا صحیح ہے اور ایصال ثواب کا نظریہ برحق ہے اور اصولی درجہ میں اس پر ائمہ اہل سنت کا اتفاق ہے۔

عَنْ ثُمَامَةَ بْنِ حَزْنٍ الْقُشَيْرِيِّ قَالَ شَهِدْتُ الدَّارَ حِيْنَ اَشْرَفَ عَلَيْهِمْ عُثْمَانُ قَالَ اُنْشِدُكُمُ اللّٰهَ وَالْاِسْلَامَ هَلْ تَعْلَمُوْنَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدِمَ الْمَدِيْنَةَ وَلَيْسَ بِهَا مَاءٌ يُسْتَعْذَبُ غَيْرُ بِيْرِ رُوْمَةَ فَقَالَ مَنْ يَشْتَرِيْ بِيْرَ رُوْمَةَ يَجْعَلُ دَلْوَهٗ مَعَ دِلَاءِ الْمُسْلِمِيْنَ بِخَيْرٍ لَهٗ مِنْهَا فِي الْجَنَّةِ فَاشْتَرَيْتُهَا مِنْ صُلْبِ مَالِيْ وَاَنْتُمُ الْيَوْمَ تَمْنَعُوْنَنِيْ اَنْ اَشْرَبَ مِنْهَا حَتّٰى اَشْرَبَ مِنْ مَاءِ الْبَحْرِ فَقَالُوا اللّٰهُمَّ نَعَمْ ــ فَقَالَ اُنْشِدُكُمُ اللّٰهَ وَالْاِسْلَامَ هَلْ تَعْلَمُوْنَ اَنَّ الْمَسْجِدَ ضَاقَ بِاَهْلِهٖ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ يَشْتَرِيْ بُقْعَةَ اٰلِ فُلَانٍ فَيَزِيْدُهَا فِي الْمَسْجِدِ بِخَيْرٍ لَهٗ مِنْهَا فِي الْجَنَّةِ فَاشْتَرَيْتُهَا مِنْ صُلْبِ مَالِيْ فَاَنْتُمُ الْيَوْمَ تَمْنَعُوْنَنِيْ اَنْ اُصَلِّيَ فِيْهِ رَكْعَتَيْنِ فَقَالُوا اللّٰهُمَّ نَعَمْ ــ قَالَ اُنْشِدُكُمُ اللّٰهَ وَالْاِسْلَامَ هَلْ تَعْلَمُوْنَ اَنِّيْ جَهَّزْتُ جَيْشَ الْعُسْرَةِ مِنْ مَالِيْ قَالُوا اللّٰهُمَّ نَعَمْ قَالَ اُنْشِدُكُمُ اللّٰهَ وَالْاِسْلَامَ هَلْ تَعْلَمُوْنَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ عَلٰى ثَبِيْرِ مَكَّةَ وَمَعَهٗ اَبُوْ بَكْرٍ وَعُمَرُ وَاَنَا فَتَحَرَّكَ الْجَبَلُ حَتّٰى تَسَاقَطَتْ حِجَارَتُهٗ بِالْحَضِيْضِ فَرَكَضَهٗ بِرِجْلِهٖ قَالَ اُسْكُنْ ثَبِيْرُ فَاِنَّمَا عَلَيْكَ نَبِيٌّ وَصِدِّيْقٌ وَشَهِيْدَانِ، قَالُوا اللّٰهُمَّ نَعَمْ قَالَ اللّٰهُ اَكْبَرُ شَهِدُوْا وَرَبِّ الْكَعْبَةِ اَنِّيْ شَهِيْدٌ ثَلَاثًا ـــــ رواہ الترمذی والنسائی

ثمامہ بن حزن قشیری (تابعی) نے بیان کیا کہ میں اس وقت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر کے قریب موجود تھا (جب باغیوں کے لشکر نے اُن کے گھر کا محاصرہ کر لیا تھا) تو انھوں نے مکان کے اوپر سے ان کو دیکھا اور مجمع سے مخاطب ہو کر کہا میں تم کو اللہ کا اور اسلام کا واسطہ دیتا ہوں اور تم سے پوچھتا ہوں کہ کیا یہ بات تمھارے علم میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو "بیر رومہ" کے علاوہ میٹھے پانی کا کوئی کنواں نہیں تھا (اور وہ کسی شخص کی ملکیت تھا) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ——— کوئی ہے اللہ کا بندہ جو بیر رومہ کو خرید کے عام مسلمانوں کے لیے وقف کردے کہ اُس کی طرح عام مسلمانوں کو اس سے پانی لینے کا حق ہو، اور اللہ تعالیٰ جنت میں اُس کو اُس سے بہتر دے، تو میں نے اپنی ذاتی رقم سے اس کو خرید لیا (اور وقف عام کر دیا) اور آج تم مجھے اُس کا پانی بھی نہیں پینے دیتے اور مجبور کرتے ہو کہ سمندر کا سا کھاری پانی پیوں ——— لوگوں نے جواب دیا کہ ہاں خداوندا! (ہم کو اس کا علم ہے) اس کے بعد حضرت عثمان نے کہا کہ میں تم کو اللہ کا اور اسلام کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا تمھیں اس بات کا علم ہے کہ مسجد نبوی نمازیوں کے لیے بہت تنگ ہو گئی تھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن فرمایا کہ اللہ کا کوئی بندہ ہے جو فلاں گھرانے کی زمین کا قطعہ (جو مسجد کے قریب ہے) خرید کے مسجد میں شامل کر دے، اُس کے عوض اللہ تعالیٰ جنت میں اُس سے بہتر اس کو عطا فرمائے، تو میں نے اپنی ذاتی رقم سے اس کو خرید لیا تھا (اور مسجد میں شامل کر دیا تھا) اور آج تم لوگ مجھے اُس میں دو رکعت نماز بھی نہیں پڑھنے دیتے ہو ——— تو انھوں نے اس کے جواب میں بھی کہا کہ خداوندا! یہ بھی ہمارے علم میں ہے، اس کے بعد حضرت عثمان نے کہا کہ کیا تم لوگوں کو اس کا علم ہے کہ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ترغیب اور اپیل پر) تبوک کے لشکر کا ساز و سامان میں نے اپنی ذاتی رقم سے کیا تھا؟ انھوں نے کہا خداوندا یہ بھی ہمارے علم میں ہے، اس کے بعد حضرت عثمان نے کہا کہ میں خدا کا اور اسلام کا واسطہ دے کر تم سے پوچھتا ہوں کہ کیا یہ واقعہ تمھارے علم میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن مکہ کے پہاڑ ثبیر پر تھے اور آپ کے ساتھ ابو بکر اور عمر تھے اور میں بھی تھا تو پہاڑ ہلنے لگا یہاں تک کہ کچھ پتھر اس کے نیچے گر گئے، تو آپ نے اس پر اپنے قدم شریف سے ضرب لگائی اور فرمایا کہ ثبیر ساکن ہو جا! تیرے اوپر ایک نبی ہے، ایک

صدیق ہے اور دو شہید ہیں ——— (حضرت عثمان کی اس بات کے جواب میں بھی) لوگوں نے کہا کہ خداوندا ہاں ہم کو اس کا بھی علم ہے ——— اس وقت حضرت عثمان نے کہا "اللہ اکبر، رب کعبہ کی قسم یہ لوگ بھی اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ میں شہید ہوں۔" یہ بات حضرت عثمان نے تین دفعہ فرمائی ——— (جامع ترمذی، سنن نسائی)

(تشریح) اس حدیث میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دو وقفوں کا ذکر ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ترغیب اور اپیل پر آپ نے کیے ——— پہلے بیر رومہ کا وقف جو غالباً اسلام میں سب سے پہلا وقف ہو گا کیونکہ وہ اس وقت عمل میں آیا ہے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لائے، اس سے پہلے مکہ معظمہ میں کسی وقف کا تصور ہی نہیں کیا جا سکتا ——— دوسرا وقف اس زمین کا جو انھوں نے خرید کے مسجد نبوی میں شامل کی۔

یہ حدیث جیسا کہ ظاہر ہے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے فضائل و مناقب کے باب کی ہے اور اکثر کتب حدیث میں اسی باب کے تحت درج کی گئی ہے لیکن چونکہ اس میں حضرت عثمان کے دو وقفوں کا ذکر ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ترغیب پر کیے گئے تھے اس لیے یہاں اس کا درج کرنا مناسب سمجھا گیا۔

اس حدیث میں عبرت کا بڑا سامان ہے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ان فضائل و مناقب اور ان کارناموں سے اور ان بشارتوں سے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے حق میں دی تھیں، ان کے زمانہ کے لوگ عام طور سے واقف تھے اور یہ باتیں ایسی مشہور و مسلّم تھیں کہ کسی کو انکار کی مجال نہیں تھی لیکن جن لوگوں پر شیطان سوار تھا اور جن کے لیے شقاوت مقدر ہو چکی تھی انھوں نے اس سب کے باوجود حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو نہایت ظالمانہ طریقہ سے شہید کیا ——— اور پھر امت پر اس کا اجتماعی عذاب یہ آیا کہ باہم قتل و قتال کا ایک نا متناہی سلسلہ جاری ہو۔

مولانا نسیم احمد فریدی امروہی

کاروانِ اہلِ فضل و کمال

تلامذہ حضرت شاہ محمد اسحٰق صاحب محدث دہلوی مہاجرؒ

(۱۰)

مولانا علی احمد ٹونکی

آپ ۱۲۴۲ھ میں دہلی آئے اور محلہ کٹرہ پنجابیان میں سکونت پذیر ہوئے۔ مولانا عبدالخالق دہلویؒ سے اخذ علم کیا، اور حضرت شاہ محمد اسحٰق محدث دہلویؒ سے سند حدیث حاصل کی۔

۱۲۵۰ھ میں سندھ گئے، اور حضرت سید احمد شہیدؒ کے قافلے کے ہمراہ ٹونک آ گئے۔ نواب وزیر الدولہ نے آپ کا بہت اکرام کیا اور محکمۂ انشاء میں آپ کا تقرر کر دیا۔ آپ تمام عمر اسی عہدے پر فائز رہے۔ (نزہۃ الخواطر جلد ہفتم)

مولانا کرامت علی ابن حیات علی اسرائیلی شافعی دہلویؒ

آپ دہلی میں پیدا ہوئے اور یہیں نشو و نما پائی۔ حضرت شاہ رفیع الدین محدث دہلویؒ اور مولانا فضل امام خیرآبادیؒ سے تحصیل علم کی۔ حضرت مولانا اسمٰعیل شہیدؒ دہلوی سے بھی حدیث کا کچھ حصہ پڑھا۔ پھر حضرت شاہ محمد اسحٰق دہلویؒ سے حدیث کی سند حاصل کی۔ آپ نے ایک مدت تک دہلی کے اندر درس دیا پھر حیدرآباد چلے گئے۔ وہاں عدل و قضا کے محکمہ میں آپ کا تقرر ہوا اور ایک ہزار تنخواہ مقرر ہوئی۔ اس عہدے پر ۲۰ سال تک قائم رہے۔

سیرت احمدیہ (بزبان عربی) ایک ضخیم کتاب آپ کی تصنیفات میں سے ہے۔

(نزہۃ الخواطر جلد ہفتم)

مولانا محمد جمیل ابن عبد الغفار حنفی برہان پوریؒ

آپ شہر برہان پور میں پیدا ہوئے اور یہیں نشو و نما پائی۔ بچپن میں قرآن مجید حفظ کیا اور اساتذۂ شہر سے کتب مختصرات پڑھیں۔ پھر حیدرآباد کا سفر کیا اور وہاں کچھ عرصے تعلیم حاصل کی۔ اس کے بعد آپ دہلی آئے اور مولانا سید محمد قندھاریؒ، مفتی صدر الدین اور شاہ محمد اسحٰق محدث دہلویؒ سے تعلیم حاصل کی۔ اس کے بعد لکھنؤ کا سفر کیا اور مرزا حسن علی شافعیؒ سے اخذ علوم کیا۔ آپ نے حجاز کا سفر کیا اور حج و زیارت سے سرفراز ہوئے۔ بعدہٗ ہندوستان واپس ہوکر برہان پور کے قاضی مقرر ہوئے۔ ایک مدت تک اسی عہدے پر فائز رہے۔ پھر حیدرآباد گئے اور وہاں کے مدرسۂ عالیہ میں مقرر ہوئے۔ تمام عمر درس و افادہ میں مشغول رہے۔ آپ سے بہت سے لوگوں نے علم حاصل کیا۔ ۱۳۰۲ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔

(نزہۃ الخواطر ج ۷۔ بحوالہ تاریخ برہانپور)

مولانا نوازش علی حنفی دہلویؒ

آپ نے خاص طور پر حدیث حضرت شاہ محمد اسحٰق محدث دہلویؒ سے پڑھی۔ دیگر کتب درسیہ دوسرے علماء سے پڑھی تھیں۔ آپ حلیم، قانع، متوکل اور خوش اخلاق تھے۔ کبھی کبھی اپنے مکان پر مجلس وعظ و تذکیر منعقد کیا کرتے تھے۔ اور کبھی لوگ اپنے گھروں پر بلا کر آپ کا وعظ سنتے تھے۔ وعظ و پند کے اندر بہت مقبول تھے۔

(نزہۃ الخواطر جلد ۷)

مولانا یار علی حنفی محدث ترہتی (دربھنگوی)

آپ فقہ و حدیث میں بلند پایہ تھے۔ کتب درسیہ اپنے وطن میں پڑھیں۔ پھر دہلی کا سفر کیا اور حضرت شاہ محمد اسحٰق دہلویؒ سے حدیث پڑھی۔ آپ بہت ذکی الطبع اور تیز ذہن والے تھے۔

(نزہۃ الخواطر جلد ہفتم)

مولانا امام الدین بن یار محمد کشمیری حنفی طوکیؒ

الشیخ العالم الفقیہ المحدث امام الدین بن یار محمد الکشمیری الحنفی الطوکی

آپ بمقام ریاست پونچھ ۱۲۲۵ھ میں پیدا ہوئے۔ اپنے وطن میں کچھ تحصیل علم کر کے دہلی گئے۔ وہاں مفتی صدر الدین صاحبؒ اور دیگر علماء سے کتابیں پڑھیں۔ حدیث حضرت شاہ محمد اسحاق محدث دہلویؒ سے پڑھی۔ پھر ٹونک چلے گئے۔ وہاں مولانا حیدر علی حسینی رامپوری سے فقہ، اصولِ فقہ، طب، حدیث اور بہت سے علوم حاصل کیے۔ ٹونک میں آپ نے سکونت اختیار کر لی تھی۔ نواب محمد علی خاں اور بہت سے علماء نے آپ سے علم حاصل کیا۔ شیخ ابو الخیر احمد بن عثمان مکی نے بھی آپ سے سندِ حدیث لی۔ شہر ٹونک میں علم و فضل کے اعلیٰ مقام پر فائز تھے۔ آخر عمر میں وہاں کے قاضی ہو گئے تھے ۱۳۱۹ھ میں آپ کی وفات ہوئی۔ (نزہۃ الخواطر جلد ۸)

مولانا حفیظ اللہ ابن گاما خاں دہلویؒ

آپ دہلی میں پیدا ہوئے۔ بچپن میں قرآن شریف حفظ کر لیا تھا۔ مولانا شاہ محمد اسمٰعیل شہید دہلویؒ نے آپ کے لیے برکت کی دعا کی تھی۔ آپ کے والد حضرت شاہ عبد القادر محدث دہلویؒ کے پاس بیٹھنے والوں میں تھے۔ آپ نے بعض کتب درسیہ مولانا عبد الخالق دہلوی سے اور بعض کتب درسیہ حضرت شاہ محمد اسحاق محدث دہلویؒ سے پڑھیں۔ جب حضرت شاہ محمد اسحاقؒ حجاز کو ہجرت کر گئے۔ تو آپ میاں نذیر حسین محدثؒ کی خدمت میں پہنچ گئے۔ اور اُن سے حدیث، تفسیر، اور فقہ حنفی کو حاصل کیا۔ پھر درس و افادہ میں مشغول ہوئے۔ آپ ہر ہفتہ پیر کے دن وعظ فرماتے تھے۔ آپ کے وعظ احادیث صحیحہ اور تفسیر قرآن پر مشتمل اور بہت دل نشین ہوتے تھے۔ (مولانا حکیم سید عبد الحی حسنیؒ فرماتے ہیں کہ میں آپ کی مجلسِ وعظ میں حاضر ہوا ہوں)۔ ۳ رمضان ۱۳۲۲ھ کو دہلی میں آپ کی وفات ہوئی۔

(نزہۃ الخواطر جلد ۸)

مولانا محمد ابن عبد الرحمٰن انصاری سہارنپوری مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ

آپ سہارنپور میں پیدا ہوئے۔ تحصیلِ علم کے لیے بچپن ہی میں دہلی کا سفر کیا۔ وہاں مولانا سید نصیر الدین مجاہد، داماد حضرت شاہ محمد اسحاق محدث دہلویؒ کی خدمت میں رہے۔ اور حضرت شاہ محمد اسحاق محدث دہلویؒ سے اور اُن کے بھائی حضرت شاہ محمد یعقوبؒ سے پڑھا۔ پھر اپنے استاد مولانا نصیر الدین مجاہد کے پاس سندھ چلے گئے۔ اور اُن کے ساتھ رہ کر جہاد فی سبیل اللہ کیا۔ مولانا محمد حیات محدث سندھی کے بعض تلامذہ سے سندھ میں مشکوٰۃ المصابیح پوری توجہ کے ساتھ پڑھی۔ آپ کو مشکوٰۃ کے ذریعہ سے حدیث میں ملکۂ راسخہ حاصل ہوا۔ پھر مکہ معظمہ کا سفر کیا۔ اس وقت آپ کی عمر ۲۲ سال کی تھی۔ وہاں شیخ عبد اللہ سراج مکی حنفی کی خدمت میں رہے۔ شیخ عبد اللہ سراج حنفی سے دس سال میں بخاری پڑھی۔ اور جب حضرت شاہ محمد اسحاق محدث دہلویؒ ہجرت کر کے مکہ معظمہ آئے تو اُن سے تمام کتب صحاح ستہ از اول تا آخر پڑھیں۔ آپ نے نجد وعسیر، شام اور یمن کا پا پیادہ سفر کیا تھا۔ اور ہر جگہ مشائخ عصر سے علم حاصل کیا تھا۔ اور سب نے آپ کو اجازت دی تھی۔ آپ نے مکہ معظمہ میں تمام عمر درس دیا۔ کہا گیا ہے کہ آپ نے ستر سال درسِ حدیث دیا ہے۔ نوّے سال سے زیادہ آپ کی عمر ہوئی۔ ۱۳۰۳ھ میں مکہ معظمہ میں آپ کی وفات ہوئی۔ (نزہۃ الخواطر جلد ۸)

مولانا ابراہیم ابن مدین اللہ ساکن نگر نہسہ (بہار)

آپ ۱۲۲۵ھ میں پیدا ہوئے۔ مختصرات اپنے والد اور دیگر علماء سے پڑھیں۔ ریاست رامپور کا سفر کیا۔ اور شیخ نور الاسلام ابن سلام اللہ دہلوی ثم رامپوری، مفتی شرف الدین رامپوری اور مولانا حیدر علی ٹونکی سے پڑھا۔ رامپور سے دہلی کا سفر کیا۔ وہاں کچھ کتابیں مفتی صدر الدین صاحب دہلویؒ سے پڑھیں، حدیث کی سند حضرت شاہ محمد اسحاق محدث دہلویؒ سے حاصل کی۔ شیخ حسن علی سے بھی جو کہ مرزا حسن علی محدث لکھنوی کے علاوہ تھے۔ حدیث پڑھی۔ مدرسہ عالیہ کلکتہ میں ۱۸ سال درس دیا۔ حرمین شریفین گئے۔ حج وزیارت سے سرفراز

ہوئے۔ اور وہاں سے اپنے ساتھ عمدہ عمدہ کتابیں لائے۔ آپ کو کتابوں کے جمع کرنے اور رات دن اُن کے مطالعہ کرنے کا شوق تھا۔ حاذق طبیب بھی تھے۔ آپ کی بہت سی تصنیفات میں سے حسب ذیل تین کتابیں بھی ہیں۔ المتحبی شرح دیوان متنبی۔ ضابطۃ الادباء۔ حاشیہ علی شرح الشمسیہ ۔ رمضان ۱۲۶۲ھ کو وفات پائی۔

(نزہتہ الخواطر جلد ۷)

مولانا احمد الدین ابن نور حیات حنفی بگوی (پنجابی)

آپ نے کتب درسیہ اپنے بھائی مولانا محی الدین بگوی اور دیگر علماء سے پڑھیں بعدہٗ حضرت شاہ محمد اسحاق محدث دہلوی سے کتب حدیث پڑھ کر سند حاصل کی۔ آپ بغرض تحصیل علم دہلی میں ۱۴ سال مقیم رہے اور بہت سے علوم وفنون میں مہارت تامہ حاصل کر لی۔ پھر پنجاب کو لوٹے اور وہاں درس و افادہ میں مشغول ہوئے۔ آپ سے بہت سے لوگوں نے فیض حاصل کیا۔ آپ ذکر اور مراقبہ کا بہت اہتمام کرتے تھے۔ آپ کی تصنیفات میں سے حاشیہ شرح جامی اور حاشیہ خیالی ہے۔ اُن کے علاوہ بھی اور تصنیفات ہیں جو عنقاً صفت ہو گئیں۔

۱۳ر شوال ۱۲۸۶ھ میں آپ کی وفات ہوئی۔ کما فی حدائق الحنفیہ

(نزہتہ الخواطر جلد ۷)

مولانا احمد اللہ ابن دلیل اللہ صدیقی اناموی

آپ نے دہلی جا کر حضرت شاہ محمد اسحاق محدث دہلوی سے علم حدیث حاصل کیا۔ پھر درس و افادہ میں مشغول ہوئے۔ مولانا سخاوت علی جونپوری اور مولانا کرامت علی جونپوری جیسے علماء آپ کے شاگرد تھے۔ مائۃ مسائل آپ کی تالیف ہے جس میں آپ نے اپنے استاذ حضرت شاہ محمد اسحاق محدث دہلوی کی فقہی تحریرات جمع فرمائی ہیں۔ اس رسالہ کو ۱۲۴۵ھ میں مرتب کیا ہے۔ (نزہتہ الخواطر جلد ۷)

مولانا تاج الدین ابن عارف علی حسینی نقوی سہسوانیؒ

آپ سہسوان ضلع بدایوں میں پیدا ہوئے۔ اور وہیں نشو ونما پائی۔ اور تحصیل علم کے لیے سفر کیا۔ مولانا بزرگ علی مارہروی اور دیگر علماء سے اخذ علم کر کے حضرت شاہ محمد اسحاق محدث دہلویؒ سے حدیث پڑھی۔ پھر بلاد عرب اور مصر و شام کا سفر کیا۔ حج و زیارت سے سرفراز ہوئے۔ پھر ایک طویل مدت کے بعد اپنے شہر سہسوان واپس آئے۔ اور اپنی تمام عمر افادہ و عبادت میں صرف کی۔ ۲۶ ؍شوال ۱۲۹۲ھ میں ۹۰ سال کی عمر پاکر سہسوان میں وفات پائی۔ کمافی حیوٰۃ العلماء　　(نزہۃ الخواطر جلد ۷)

مولانا حکیم رستم علی حنفی دہلویؒ

آپ دہلی کے باشندے تھے۔ علم ہئیت۔ علم ہندسہ اور علم طب میں بہت زیادہ مہارت رکھتے تھے۔ آپ نے فنون ریاضیہ کو خواجہ فریدالدین دہلوی سے سیکھا۔ اور حدیث شاہ محمد اسحاق محدث دہلویؒ سے پڑھی۔ آپ بہادر شاہ بادشاہ کے مقرب تھے۔ بادشاہ نے آپ کا لقب مصلح الدولہ حکیم رستم علی خاں رکھا تھا۔ کمافی آثار الصنادید

(نزہۃ الخواطر جلد ۷)

مفتی رضی الدین خاں کاکورویؒ

آپ ۱۲۱۶ھ میں بمقام کاکوری پیدا ہوئے۔ کتب درسیہ اپنے والد ماجد اور مولانا فضل اللہ عثمانی نیوتنوی سے پڑھیں۔ کتب حدیث اپنے والد کے چچا شیخ امین الدین محدثؒ اور شاہ محمد اسحاق محدث دہلویؒ سے پڑھیں، شیخ امین الدین سے بیعت بھی تھے۔ دہلی میں افتاء کے عہدے پر فائز ہو کر اس کے بعد بسلسلۂ ملازمت دوسرے شہروں میں منتقل ہوتے رہے۔ ۱۹ ؍ربیع الثانی ۱۲۷۰ھ کو انتقال ہوا۔ کمافی مجمع العلماء　　(نزہۃ الخواطر جلد ۷)

لہ آپ مشاہیر کاکوری میں سے ہیں شاہ ابوسعید حسنی رائے بریلویؒ کے خلیفہ و مجاز ہونے کا شرف آپ کو حاصل ہے۔

آپ کے بارے میں صاحب تذکرہ مشاہیر کاکوری تحریر کرتے ہیں
مولوی محمد رضی الدین خاں ابن مولوی علیم الدین خاں ابن قاضی القضاۃ مولوی نجم الدین علی خاں بہادر ابن حضرت ملا حمید الدین محدث ۱۲۱۶ھ میں پیدا ہوئے۔ کتب درسیہ انھوں نے اپنے والد ماجد اور مولوی فضل اللہ نیوتنوی اور مولانا محمد اسحاق محدث دہلوی سے پڑھیں۔ احادیث کی سند بھی انھیں سے حاصل کی۔ آپ سلسلہ نقشبندیہ میں حضرت مولانا حاجی امین الدین کاکوری سے بعیت تھے۔ اولاً بہ عہدۂ افتاء و صدر امینی ضلع آگرہ میں مقرر ہوئے۔ پھر ایک مدت تک دہلی میں صدر امین رہے۔ پھر وہاں سے الہ آباد میں صدر الصدور ہو گئے۔ وہاں سے مختلف اضلاع میں تبدیل ہوتے رہے۔ غدر کے زمانہ میں بریلی سے وطن آئے۔ یہاں بعارضہ تپ محرقہ چند روز علیل رہ کر بتاریخ ۱۹ ماہ ربیع الآخر ۱۲۷۴ھ وفات پائی۔ اور حظیرہ متصل چاند محل میں دفن ہوئے۔ ان کے بیٹے مولوی احسن الدین صاحب اولاً دس بارہ سال ملکۂ گیتی زوجۂ امجد علی شاہ بادشاہ کے یہاں معتمدین میں رہے۔ پھر حیدرآباد گئے۔ وہاں بھی معزز عہدہ پر ملازم ہو گئے تھے۔ آپ بہت ذی ثروت و وجاہت گذرے ہیں۔

(تذکرہ مشاہیر کاکوری)

مولانا سراج احمد حسینی نقوی سہسوانی

آپ سہسوان ضلع بدایوں میں پیدا ہوئے۔ آپ نے مفتی شرف الدین رامپوری، مولانا تراب علی لکھنوی، مولانا محمد اسمٰعیل لندنی وغیرہم سے کتب درسیہ پڑھ کر دہلی کا سفر کیا۔ وہاں پر حضرت شاہ محمد اسحاق محدث دہلوی سے حدیث پڑھی اس کے بعد لکھنؤ اور کاکوری میں عرصہ تک علمی خدمات انجام دیں۔ پھر سہسوان واپس ہو گئے اور گوشۂ تنہائی اختیار کیا۔ سراج الایمان آپ کی ایک تصنیف ہے جو کہ مولوی فضل رسول بدایونی کے جواب میں ہے۔

۱۹ر شوال ۱۲۸۹ھ میں آپ کی وفات ہوئی۔

کما فی حیاۃ العلماء (نزہۃ الخواطر جلد ۷)

مولانا سید ظہور محمد محدث ابن خیرات علی ترمذی کالپویؒ

آپ ۱۲۱۳ھ میں پیدا ہوئے۔ رسائل مختصرہ اپنے وطن کالپی کے اساتذہ سے پڑھے پھر لکھنؤ گئے۔ وہاں مولانا ولی اللہ ابن حبیب اللہ اور شیخ حیدر ابن مبین سے پڑھا۔ نورالانوار، ہدایۃ الفقہ، شرح نخبۃ الفکر، رسالہ شیخ عبدالحق دہلوی در اصول حدیث، مؤطا امام مالک، بلوغ المرام، صحیح مسلم، اور صحیح بخاری، کے کچھ اجزا، اور کُل حصن حصین، یہ سب کتابیں مرزا حسن علی شافعی محدث لکھنوی سے پڑھیں۔ اور مرزا حسن علی محدث لکھنوی نے آپ کو ان تمام کتابوں کی تحریری اجازت ۱۲۴۵ھ میں بمقام باندا عنایت فرمادی تھی۔ پھر آپ دہلی گئے۔ اور حدیث کی سند حضرت شاہ محمد اسحاق محدث دہلویؒ سے حاصل کی۔ ۱۲۵۰ھ میں آپ حجاز گئے۔ حج و زیارت سے سرفراز ہوئے۔ اور مدینہ منورہ میں ۴ ماہ قیام کیا۔ وہاں شیخ محمد عابد سندھی سے بخاری اور مسلم پڑھ کر سندِ حدیث حاصل کی۔ پھر ہندوستان واپس آئے۔ نواب صدیق حسن خاں قنوجی اپنی کتاب "تقصار" میں لکھتے ہیں کہ میں نے مولانا ظہور محمد سے کئی مرتبہ ملاقات کی ہے۔ وہ بہت باوقار اور نورانی چہرے والے تھے۔
۲۲ شعبان ۱۲۸۴ھ میں آپ نے وفات پائی۔ کما فی ضیاء محمدی و نزہۃ الخواطر جلد ۷

بجناب محمد بشیر صاحب ایم۔ اے لاہور

آثار شاہ اسمٰعیل شہیدؒ

(گذشتہ سے پیوستہ)

یک روزی تقویت الایمان کی ایک عبارت پر اعتراض کرتے ہوئے مولانا فضل حق خیر آبادی نے "مسئلہ امتناع و امکان نظیر" کا مبحث چھیڑ دیا۔ شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کو یہ اعتراضات اس وقت موصول ہوئے جبکہ آپ جہاد کی نیت سے ہجرت فرما کر شکار پور پہنچ چکے تھے۔ نماز سے پہلے یہ اعتراضات ملے اور نماز کے بعد شاہ اسمٰعیل شہیدؒ نے مسجد ہی میں بیٹھ کر ایک ہی نشست میں ان کے جوابات رقم فرما دیے اسی لیے ان جوابات کا نام "یک روزی" مشہور ہوا۔ ۱۵ ذی الحجہ ۱۲۴۱ھ کو اس کی تبییض ہوئی ۵۸

یہ رسالہ "ایضاح الحق" طبع اول کے ساتھ شائع ہوا تھا۔ ہمارے پیش نظر یہی نسخہ ہے۔ یک روزی کے خاتمے پر صدر الصدور مفتی محمد صدر الدین آزردہ دہلوی کی بے نظیر اور قابل دید علمانہ تقریظ ہے جس میں انھوں نے شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کے موقف کی تائید میں نصوصِ قرآنی اور دیگر کتب دینیہ سے پُر مغز اور بصیرت افروز استنباط کرتے ہوئے امکانِ نظیر کا اثبات واضح طور پر زیب قرطاس کیا ہے۔ ۵۹ "یک روزی" اختصار کے باوجود انتہائی جامع اور مدلل رسالہ ہے۔ آج تک کسی سے اس کا جواب نہیں بن آیا۔ ۶۰ اس کی ایک ایک سطر سے شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کا علمی تبحر آشکارا ہے۔ انصاف پسند قاری شاہ اسمٰعیل شہید کے بیان میں کوئی سقم نہیں پاتا اور بے اختیار انھیں حق بجانب تسلیم کرنے میں رطب اللسان ہو جاتا ہے۔

---

۵۸ غلام رسول مہر، دائرۃ المعارف اسلامیہ ج ۲ صفحہ ۷۵

۵۹ صدر الدین، شاہ اسمٰعیل ایضاح الحق۔ صفحہ ۸۷ ۶۰ نسیم احمد فریدی / محمد منظور نعمانی، حضرت شاہ اسمٰعیل اور معاندین .... صفحہ ۳۲

تنویر العینین یہ عربی زبان میں رفع الیدین کے موضوع پر متوسط ضخامت کا رسالہ ہے۔ مولانا نسیم احمد فریدی رقمطراز ہیں:۔

"یہ کتاب دراصل اس اختلاف کو مٹانے کے لیے لکھی گئی ہے جو اس وقت علماء میں رفع یدین کے بارے میں برپا تھا۔

اس فروعی اختلافی مسئلے میں رفع یدین کرنے والا، نہ کرنے والے کو مسلمانی سے خارج خیال کرتا اور نہ کرنے والا کرنے والے کو اچھی نظر سے نہ دیکھتا تھا۔ مولانا اسمٰعیل شہیدؒ نے اس رسالے کے ذریعے اپنی خداداد بصیرت کی رہنمائی سے امت مسلمہ کے اس خلفشار کو دور کرنے اور غلط روش اور خطرناک کش مکش کو ختم کرنے کی کوشش فرمائی ہے۔ اس کتاب میں نہ تو احناف پر اعتراض ہے نہ اہل حدیث کی بیجا حمایت۔ اس لیے نہ اُن کو وحشت کی ضرورت ہے نہ ان کو خوش ہونے کی۔ اس میں جہاں رفع الیدین کو ترجیح دی ہے وہاں وضع ید تحت الصدر وتحت السرہ کو مساوی اور ترک الجہر بالتسمیہ کو اولیٰ قرار دیا ہے۔"[61]

مولانا کرامت علی جونپوریؒ "ذخیرۂ کرامت" میں مولوی مخلص الرحمان کے سوال کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

"مولانا (محمد اسمٰعیل) مرحوم نے اپنے مرشد حضرت سید احمد قدس سرہ کے سمجھانے سے اپنے قول سے رجوع کیا یعنی رفع یدین چھوڑ دیا۔"[62]

شاہ عبدالقادرؒ اور شاہ عبدالعزیزؒ نے اس رسالہ کو ملاحظہ کیا تو بہت زیادہ پسند فرمایا۔ شاہ عبدالعزیزؒ نے فرمایا:۔

"خدا کا شکر ہے کہ یہ گھر محققین علم حدیث سے خالی نہیں ہے۔"[63]

یہ رسالہ بین السطور اردو ترجمے کے ساتھ کئی مرتبہ شائع ہو چکا ہے ہمارے پیش نظر مطبع دارالمطابع لودھیانہ کا مطبوعہ نسخہ بھی ہے جو اسی سال مطبع رحمانی کلکتہ کے اس نسخے سے

---

[61] نسیم احمد فریدی / محمد منظور نعمانی، شاہ اسمٰعیل اور معاندین اہل بدعت کے الزامات ص۳۲ [62] کرامت علی جونپوری ذخیرۂ کرامت، ج۲، ص۲۳۴ [63] فضل حسین، الحیاۃ بعد المماۃ

نقل کر کے شائع کیا گیا تھا جو ۱۲۵۶ھ میں مولانا منصور الرحمٰن کی تصحیح کے بعد طبع ہوا تھا۔
دونوں میں بین السطور ترجمہ اور حاشیہ میں مختصر مگر جامع اشارات نے اس کی افادی حیثیت کو اور بھی زیادہ کر دیا ہے۔

صراط مستقیم سید احمد شہیدؒ کے ملفوظات کا یہ مجموعہ شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کا مرتب کیا ہوا ہے۔ اس کے دو باب مولانا عبدالحئی بڈھانوی کے تحریر کردہ ہیں سید صاحبؒ تصوف کے بارے میں جو کچھ ارشاد فرماتے، شاہ اسمٰعیل شہیدؒ اسے اپنے الفاظ و عبارت اور علمی اصطلاحات کے ساتھ تنقیحی صورت میں قلمبند فرما لیتے تھے۔ پھر سید صاحبؒ اسے ملاحظہ فرما کر جہاں مناسب سمجھتے تبدیلی عبارت کے لیے کہتے تھے[۶۴] ایک روایت کے مطابق بعض عبارات کو سید صاحبؒ نے پانچ پانچ مرتبہ تبدیل کروایا ہے[۶۵]

گویا یہ کتاب ان تینوں بزرگوں کی طرف سے مشترک ہدایت نامہ ہے جو تصوف کی تعلیم کے ضمن میں ان مشرکانہ بدعات اور فاسد عقائد کا حال بتاتا ہے جو ہندوستان کے مسلمانوں میں بلا روک ٹوک پھیل رہے تھے[۶۶]

زمانۂ حال کے نامور عالم دین مولانا محمد یوسف بنوریؒ رقمطراز ہیں:۔
"شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کی مصروف مجاہدانہ زندگی کو سامنے رکھتے ہوئے امید نہیں کی جا سکتی تھی کہ وہ صوفیاء کے علوم و معارف پر تالیف پیش کر سکیں گے، لیکن آدمی محو حیرت ہو کر رہ جاتا ہے۔ جب ان کی کتاب "الصراط المستقیم" کا مطالعہ کرے، جو شیخ و مرید کے روحانی تعلق اور تصوف کے دقیق مسائل و اسرار پر قرآن و حدیث کی روشنی میں نہایت محققانہ کتاب ہے"[۶۷]

عصر جدید کے نامور مفکر مولانا سید ابوالحسن علی ندوی فرماتے ہیں:۔

---

[۶۴] (۱) مولانا سید عبدالحئی، نزہۃ الخواطر ج ۷، ص ۵۹ (۲) سید ابوالحسن علی ندوی سیرت سید احمد شہید طبع ثانی ص ۲۶۳
[۶۵] ایضاً ص ۲۶۴   [۶۶] سید ہاشمی فرید آبادی، تاریخ مسلمانان پاکستان و بھارت ج ۲ ص ۲۸۴
[۶۷] مولانا محمد یوسف بنوریؒ / شاہ اسمٰعیل شہیدؒ عبقات (عربی) ص ۴

"تصوف، معرفت اور اصلاح و تربیت باطنی کی کتابوں کے ذخیرہ میں یہ کتاب اپنی بعض خصوصیات کے لحاظ سے منفرد ہے اور ایک انقلابی کتاب کہی جاسکتی ہے۔" [۶۸]

الغرض اپنی گوناگوں خوبیوں کے لحاظ سے "صراط مستقیم" نہایت عمدہ اور اپنے ڈھب کی عجیب کتاب ہے۔[۶۹]

یہ کتاب ایک مقدمہ، چار ابواب اور ایک خاتمہ پر مشتمل ہے۔ ابواب کو فصلوں میں اور فصلوں کو ہدایات، اور تمہیدات اور افادات میں تقسیم کیا گیا ہے۔ مزید تقسیم کے لیے آغاز کو لفظ تمہید اور مقاصد کو لفظ افادہ سے ظاہر کیا گیا ہے۔

پہلا باب حُبِّ عشقی اور حُبِّ ایمانی اور طریق ولایت اور طریق نبوت کی تشریح اور ان کے باہمی امتیاز پر لطیف ترین مباحث اور وجد انگیز معارف و حقائق سے لبریز ہے یہ تفصیل اور وضاحت جس کے مطالعہ سے اسلام کا پورا روحانی نظام سامنے آجاتا ہے صرف اسی کتاب میں میسر آسکتی ہے۔

دوسرا باب بدعات سے اجتناب کی تاکید، طاعات ادا کرنے کے طریقے اور اخلاق کے مباحث پر مشتمل ہے۔ تصوف میں رائج شدہ بدعات کا محاکمہ کیا گیا ہے اخلاق کے مباحث حکیمانہ نکات سے مملو ہیں۔ طاعات و فرائض کے ذیل میں نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ کے ساتھ جہاد پر بصیرت افروز فوائد شامل ہیں۔ جو بظاہر تصوف کی کتاب میں اجنبی اور غیر متوقع مضمون ہے۔ اسی طرح سماع وغیرہ پر منصفانہ اور بے لاگ تبصرہ کیا گیا ہے۔[۷۰]

تیسرے باب میں طریقت کے مختلف سلسلوں کے افکار و تعلیمات کو اجتہادی و تجدیدی نگاہ سے جانچتے ہوئے زیادہ موثر و مفید بنا دیا گیا ہے۔

چوتھا باب سید صاحبؒ کے طریق سلوک کی تفصیل و تشریح پر مشتمل ہے۔

مطالعہ کرنے والا اپنے آپ کو نکات و حقائق میں گھرا ہوا محسوس کرتا ہے اور وہ اپنے آپ

---

[۶۸] سید ابوالحسن علی ندوی، سیرت سید احمد شہیدؒ طبع ثانی ص ۲۶۳

[۶۹] (۱) سید عبدالحی نزہۃ الخواطر ج ۷، ص ۵۹ (۲) فضل حسین الحیات بعد الممات ص ۱۱۲

[۷۰] سید ابوالحسن علی ندوی، سیرت سید احمد شہیدؒ طبع دوم ص ۲۶۳ و ۲۶۴

پر ایک وجد کی سی کیفیت طاری پاتا ہے۔ تصوف کی دوسری کتابوں کے مقابلہ میں "صراط مستقیم" پیچ وخم اور تکلفات سے پاک ہے۔ اختلافی مباحث میں معتدل رائے اس کی جملہ خصوصیات میں سے ہے۔[1]

منصب امامت فارسی زبان میں مسئلۂ امامت کے متعلق جامع اور محققانہ رسالہ ہے۔[2] اپنی خوبیوں کے لحاظ سے بے نظیر اور فقید المثال ہے۔[3] صاحب نزہۃ الخواطر کا قول ہے کہ اس موضوع پر اس سے پہلے کوئی کتاب نہیں ملتی۔[4]

دورِ حاضر کے ممتاز عالم دین مولانا محمد یوسف بنوریؒ رقمطراز ہیں:-

"منصب امامت" میں حکومتِ الٰہیہ علیٰ منہاج السنۃ کی تفصیلات نہایت محققانہ پیرائے میں بیان کی گئی ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حکومتِ اسلامیہ شرعیہ ایک طرف جمہوریت کی خوبیاں رکھتی ہے تو دوسری طرف نئی طرز جمہوریت سے علاحدہ اپنا راستہ بناتی ہے۔ اگر ایک طرف اس میں مطلق العنان آمر کی کوئی گنجائش نہیں تو دوسری طرف شورائی مملکت کے اصول سے خالی ہر طرز جہانبانی کو رد کرتی ہے۔ ایسے نئے اسالیب اور روشن بصیرت ذکر سے یہ کتاب مالا مال ہے کہ اپنے موضوع پر بالکل منفرد ہے۔"[5]

عصر جدید کے نامور اہل قلم مولانا سید ابوالحسن علی ندوی تحریر فرماتے ہیں:-

"اس کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن و حدیث کے صحیفے اور کتب خانے آپ کی آنکھوں کے سامنے کھلے ہیں جہاں سے جابجا ہیں نقل کرتے ہیں۔ استدلال ایسا صحیح ہوتا ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت یا حدیث اسی موقع کے لیے تھی۔ پھر استنباط، استخراج اور نکتہ آفرینی تو آپ کا حق ہے۔"[6]

برصغیر پاک و ہند کے ممتاز عالم دین مولانا محمد میاںؒ رقمطراز ہیں:-

---

[1] ایضاً [2] مولانا غلام رسول مہر، دائرۃ المعارف اسلامیہ ج ٢ ص ٥٠، [3] سید عبدالحی، نزہۃ الخواطر ج ٧ ص ٥٩ (٢) فضل حسین بہاری، الحیات بعد الممات ص ٢١ (٣) نسیم احمد فریدی امروہوی، منظور نعمانی، حضرت شاہ اسمٰعیل اور معاندین اہل بدعت کے الزامات ص ٣٢

[4] سید عبدالحی، نزہۃ الخواطر ج ٧ ص ٥٩

[5] مولانا محمد یوسف بنوریؒ، شاہ اسمٰعیل شہیدؒ "عبقات" (عربی) ص ٣

[6] سید ابوالحسن علی ندوی، سیرت سید احمد شہیدؒ طبع دوم ص ٣٢

"منصب امامت" آپ کے علمی تبحر اور دقتِ نظر کا شاہکار ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شاہ صاحب نے علوم شریعت کو نہ صرف نماز روزے کے لیے پڑھا تھا بلکہ آپ نے شرعی سیاست کا بھی مجتہدانہ نظر سے عمیق مطالعہ کیا تھا۔ اپنے مباحث کے لحاظ سے یہ عجیب کتاب ہے۔" ۷ھ

مولانا غلام مصطفےٰ صاحب لکھتے ہیں:۔

"شاہ اسمٰعیل شہیدؒ نے "منصب امامت" تصنیف فرما کر ثابت کر دیا کہ جب تکویناً حاکم صرف خدائے قدوس ہی ہے تو تشریعاً دنیا میں نظامِ امن قائم کرنے کے لیے غیر کے اصول وضوابط کیسے مفید ہو سکتے ہیں؟

صاحب البیت ادری بما فیہ الا لہ الخلق والامر

کتاب منصب امامت .... اس کے مطالعہ کرنے سے ایک طرف عظمت شئونِ انبیاء قلوب صافیہ کو محوِ حیرت بنا دیتی ہے تو دوسری طرف وحی الٰہی کے اصول وضوابط کو ناقابل شکست یگزین قرار دے رہی ہے۔ یوں نظر آتا ہے کہ علامہ موصوف بحرِ توحید میں ڈوب کر محبت انبیاء کی شیریں شراب سے سرشار ہو رہے ہیں۔" ۸ھ

حکیم محمد حسین علوی مترجم "منصب امامت" ارقام فرماتے ہیں:۔

"کتاب "منصب امامت" ایک اسلامی حکومت کے لیے دستور العمل کے طور پر اس وقت تصنیف ہوئی تھی جب کہ حضرت سید احمد بریلویؒ نے (اب سے ڈیڑھ سو برس پہلے) پاکستان کی بنیاد رکھی اور ایک اسلامی حکومت بنانی چاہی۔ اس وقت ضرورت محسوس کی گئی کہ راعی اور رعایا پر نظام دنیوی کے دقیق مسائل عیاں ہو جائیں، اس غرض کے مد نظر حضرت شہیدؒ نے "منصب امامت" کو تصنیف فرمایا۔" ۹ھ

دائرۃ المعارف اسلامیہ کے ایک مقالہ نگار "منصب امامت" پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

۷ھ مولانا محمد میاںؒ، "الشہیدین السعیدین" طبع اول ص ۲۵

۸ھ مولانا غلام مصطفےٰ، دیباچہ "منصب امامت" (اردو) ص ۲

۹ھ حکیم محمد حسین علوی / شاہ اسمٰعیل شہید، منصبِ امامت (اردو) ص ۱

"یہ قیمتی رسالہ انیسویں صدی عیسوی کے اسلامی احیائی (انقلابی) ذہن کی نمائندگی کرتا ہے۔ اور ان (شاہ اسمٰعیل شہیدؒ) کی ظاہری غرض تمام عالم اسلام کے لیے کسی مرکزی امامت کو زیر بحث لانا نہیں بلکہ ایک ایسی دعوت کی توضیح ہے جو حفاظت و حمایت دین کے لیے کسی جگہ بھی قائم کی جا سکتی ہے، تاہم امامت (خلافت) کے بنیادی اصول کا اس مرکزی تصور پر اطلاق ہو سکتا ہے۔...... اختصار اور ندرت بیان کے لحاظ سے یہ رسالہ بہت دلچسپ اور مفید ہے"[۴۰]

کتاب دو ابواب پر مشتمل ہے۔ ہر باب دو فصلوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ پہلے باب میں حقیقت امامت کے زیر عنوان انبیاء کے کمالاتِ وجاہت، حقیقتِ ولایت، حقیقتِ بعثت، حقیقت ہدایت، سیاست اور اس کی اقسام، کمالاتِ انبیاء کے ساتھ کمالاتِ اولیاء اللہ کی مناسبت وغیرہ امور پر سیر حاصل کلام کیا گیا ہے۔

دوسرے باب میں اقسام امامت کے زیر عنوان امامتِ حقیقیہ، و امامتِ حکمیہ اور ان ہر دو کی اقسام پر دلنشین بحث کی گئی ہے۔

خاتمۂ کتاب میں امام سے مراد، بیان صلح و جنگ، طریقۂ نظم و نسق اور اصحابِ دعوت کا حکم وغیرہ کے زیر عنوان بصیرت افروز جواہر پارے شامل ہیں۔

کتاب کے آخر میں شاہ اسمٰعیل شہیدؒ نے تحریر فرمایا ہے:-

"عنقریب انشاء اللہ احکام امام در آئندہ ابواب بالاستیعاب مذکور خواہد گردید"[۴۱]

مگر افسوس کہ حضرت شاہ اسمٰعیل شہیدؒ اس مشارٌ الیہ مضمون کو جہاد کی مصروفیت اور شہادتِ عظمیٰ کے باعث پورا نہ کر سکے۔ اگر یہ مضمون پورا ہو جاتا تو یہ کتاب مرقع اوصاف بن جاتی۔

۴۰؎ (مقالہ نگار کا نام درج نہیں ہے) دائرۃ المعارف الاسلامیہ ج ۲ ص ۱۰۰۲ و ۱۰۰۳

۴۱؎ شاہ محمد اسمٰعیل شہیدؒ، منصبِ امامت (فارسی) ص ۱۴۲۱

ایضاح الحق الصریح فی احکام المیت والضریح

فارسی زبان میں بدعات کے رد میں لاجواب رسالہ ہے۔ اسکی تصنیف کے وقت ماحول میں قرآن وسنت سے بے نیاز انہ روش اور اعراض کے باعث نت نئی بدعات فروغ پذیر تھیں۔

برصغیر پاک وہند کے نامور عالم سید ابوالحسن علی ندوی لکھتے ہیں کہ مُردوں کی تدفین وغیرہ پر مشتمل ایک نئی شریعت وجود میں آچکی تھی اور اسلام کے بتائے ہوئے احکام بالائے طاق رکھدیے گئے تھے۔[۵۲]

مولوی تفضل علی صاحب نے شاہ اسمٰعیل شہیدؒ سے سنت و بدعت میں فرق کے متعلق استفسار کیا، شاہ اسمٰعیل شہیدؒ نے مسائل مستفسرہ کے جوابات کو مدلل طریقہ سے قلمبند فرماکر "ایضاح الحق الصریح فی احکام المیت والضریح" کے نام سے موسوم کیا۔[۵۳]

اسے پہلی مرتبہ مطبع فاروقی دہلی نے ۱۲۹۷ھ میں اردو ترجمہ کے ساتھ شائع کیا تھا پھر ۱۳۵۶ھ میں کتب خانہ اشرفیہ دہلی نے اردو ترجمہ کے ساتھ اس کی اشاعت کی بعض مشہور علماء کی رائے ہے کہ رد بدعات میں اس سے بہتر کتاب نہیں لکھی گئی۔[۵۴]

ہمارے پیش نظر مطبع افضل المطابع کا مطبوعہ نسخہ ہے، سن طباعت اس پر درج نہیں ہے اس کے حاشیے پر "یک روزی" اور اس پر مفتی صدرالدین آزردہ کی ایک دلپذیر تقریظ ہے۔ اس کے علاوہ "ایضاح الحق" کا وہ ایڈیشن بھی ہمارے پیش نظر ہے۔ جو مولانا عبداللطیف سونی پتی کے اردو ترجمہ "امداد الفتاح" کے ساتھ ۱۴ رجب ۱۳۵۶ھ میں کتب خانہ اشرفیہ دہلی سے شائع ہوا تھا۔

کتاب کے نام سے گمان ہوتا ہے کہ یہ صرف میت کے مسائل واحکام پر مشتمل ہے

۵۲ھ سید ابوالحسن علی ندوی، سیرت سید احمد شہیدؒ ج۱ ص۳۴

۵۳ھ شاہ محمد اسمٰعیل شہیدؒ (ایضاح الحق) مترجمہ عبداللطیف سونی پتی، امداد الفتاح ص۳

۵۴ھ مولانا غلام رسول مہر دائرۃ المعارف الاسلامیہ ج۲ ص۵۳

لیکن شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کی وسعتِ فکر و نظر نے اس کا دائرۂ بحث بہت وسیع کر دیا ہے۔ انھوں نے اپنے مخصوص محققانہ انداز میں بدعات کی اقسام پر دل نشین اور جامع و مانع تبصرہ فرماتے ہوئے امورِ سنت اور امورِ غیر سنت کا فرق واضح کیا ہے۔ تقلید اور اجتہاد کے متعلق بھی آپ کے رشحاتِ قلم قابل دید ہیں۔ اسی طرح ایک مستقل فصل میں شاہ صاحبؒ نے دینی لحاظ سے نافع اور غیر نافع علوم کا مفصل تذکرہ فرمایا ہے۔ ان بیش بہا علمی و روحانی نوادر کی بدولت یہ کتاب بجا طور پر سرمایۂ تسکین بن گئی ہے اور اپنے موضوع پر آپ ہی اپنی نظیر ہے۔ بقول ایک مبصر کے یہ شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کے رسوخ فی العلم کا نمونہ ہے۔[۸۵]

پاکستان کے نامور عالم مولانا محمد یوسف بنوریؒ رقمطراز ہیں:

"ایضاح الحق الصریح" رد بدعات میں بے نظیر کتاب ہے۔ بعض پہلوؤں پر ایسے انداز میں بحث کی گئی ہے کہ "اعتصام الشاطبی" سے بھی فوقیت لے گئی ہے۔"[۸۶]

مولانا نسیم احمد فریدی رقمطراز ہیں:

"ضرورت ہے کہ اس پر مستقل طور پر ایک مقالہ لکھا جائے۔ تا کہ اس رسالے کی افادیت ذہن نشین ہو۔"[۸۷]

عبقات عربی زبان میں اسرار و معارف کے لطیف اور نازک مباحث پر مشتمل ہے۔ یہ وہ معرکۃ الآرا کتاب ہے جو شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کے کلکِ گرہ کشا کا بے نظیر شاہکار، ان کی فکرِ رسا کی بوقلمونیوں کا حسین مرقع اور فنِ تصوف میں علوم و معارف کا نادر گنجینہ ہے۔

اس پر اظہار خیال سے قبل ضروری ہے کہ اسلامی الٰہیات اور اس دور کا ایک اجمالی خاکہ پیشِ نظر ہو۔

---

[۸۵] نسیم احمد فریدی / محمد منظور نعمانی، حضرت شاہ اسمٰعیل اور معاندین اہل بدعت کے الزامات ص ۳۲

[۸۶] مولانا محمد یوسف بنوری / شاہ اسمٰعیل شہیدؒ، "عبقات" عربی ص ۳

[۸۷] نسیم احمد فریدی / محمد منظور نعمانی، حضرت شاہ اسمٰعیل اور معاندین اہل بدعت کے الزامات ص ۳۲

حق و باطل کی معرکہ آرائی یوں تو ازل سے جاری ہے لیکن عصرِ جدید اس لحاظ سے خاص طور پر قابلِ ذکر ہے کہ اس دور میں یہ کشمکش نازک اور پیچیدہ صورت اختیار کر گئی ہے۔ ایک مبصر کے قول کے مطابق فکرِ جدید کی ترقی مذہب سے انحراف پر منتج ہوئی اور حاضر و موجود کی بحث میں الجھ کر محدود ہو جاتے جانے کو معراجِ کمال سمجھا جانے لگا۔ دوسری طرف وحیِ الٰہی سے رہنمائی پانے والا طبقہ عصرِ جدید کے طلوع تک سیاسی اور معاشی انحطاط کا شکار ہو گیا اور نظری طور پر یوروپی فلسفہ و فکر کا غلام ہو کر رہ گیا۔ اس غلامی نے نئی نسل میں یہ مرض پیدا کر دیا کہ پیامِ الٰہی ان کے نزدیک ایک غیر عملی عقیدہ کی حیثیت اختیار کر گیا اور اس نے انسانی فلسفہ و فکر ہی کو اپنا امام سمجھ لیا۔ عصرِ جدید میں ابلیسی افتر کی سب سے بڑی کامیابی یہی ہے۔ ؎۵۵

اس زوال کی تاریخی وجوہ پر بحث کرتے ہوئے پروفیسر محمد ضیاء الدین احمد شکیب لکھتے ہیں:۔

> اللہ تعالیٰ نے جہاں قرآن مجید سے انسانوں کی رہنمائی فرمائی ہے وہیں یہ بھی ارشاد فرمایا ہے کہ اس کی نشانیاں کائنات میں بکھری پڑی ہیں۔ یوروپ نے انہی آیات (مظاہرِ کونیہ) کو مساعی کی جولانگاہ بنایا، اس کے برخلاف مسلمانوں نے مظاہرِ کونیہ سے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ لیکن وہ قرآنِ حکیم اور سنتِ رسول ؐ سے کسبِ فیض کرتے رہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جہاں مشرق کو ذاتِ الٰہیہ کی طرف بڑھنے کی ترغیب ہوئی وہیں مغرب کو صفاتِ الٰہیہ نے لبھایا۔ ایک قوم ذات کی طرف بڑھتی رہی لیکن شئون و صفات سے بے خبر، دوسری قوم صفات کی طرف بڑھتی رہی لیکن ذات سے غیر متعارف، ایک نے مادّی ترقی میں کمال حاصل کیا لیکن روحانی زوال میں بھی کمال کو پہنچ گئی۔ دوسری قوم نے روحانی ترقی میں کمال حاصل کیا لیکن دنیوی زندگی میں محکوم و مغلوب ہو کر رہ گئی۔ گویا ہر ایک نے نصف صداقت پر قناعت کر لی اور نصف صداقت سے بے خبری نے

؎۵۵ پروفیسر ضیاء الدین احمد شکیب / شاہ اسمٰعیل شہید، پیش لفظ عبقات (اردو) صفحہ

انھیں مادی یا روحانی ہلاکت کی منزل تک پہنچا دیا اور ہر ایک کے یہاں سیئہ و صالح خلط ملط ہونے لگے خلطوا عملا صالحا و آخر سیئا۔ اس لحاظ سے جہاں ملت اسلامیہ شدید خطرات سے دوچار ہے وہیں پوری نوع انسانی نہایت نازک وقت سے گزر رہی ہے۔

ایک طرف مغربی فلسفہ اور سائنس کا علم الحواس ہے دوسری طرف مسلم مفکرین کا پیش کردہ وہ سرمایہ ہے جو علم ہیا یوجی سے فیض یاب ہے۔ انسانی فکر کے ان دونوں اقالیم کے درمیان اس مغائرت کو سطحی طور پر ہندوستان میں سرسید نے اور اس کے بعد اقبال نے محسوس کیا۔ سرسید نے "الاسلام ھو الفطرۃ و الفطرۃ ھی الاسلام" کا منہاج مقرر کرتے ہوئے اس خلیج کو پاٹنے کی کوشش کی لیکن یہ کوشش کئی لحاظ سے سقیم اور ناقص رہی۔ اقبال نے اپنے خطبات "الہیات اسلامیہ کی تشکیل جدید" میں علم الحواس اور ہیا لوجی کی تنقیح اور تالیف کی کوشش کی جو ہر طرح سے کامل اور بے نقص تو نہیں لیکن یہ کتاب مشرق و مغرب کے جدید تعلیم یافتہ افراد میں مشعل ہدایت کا کام دے رہی ہے[۹]

بلاشبہ مسلم مفکرین میں فارابی، ابن رشد، ابن مسکویہ، غزالی اور دیگر مفکرین نے حیات و کائنات کا اسلامی طرز پر مطالعہ کرنے کی کوشش کی ہے لیکن ان کی مساعی یونانی طرز فکر سے اثر پذیر ہیں، شاید موضوعات اور طرز استدلال میں اس مشابہت کے پیش نظر ہی علماء نے تصوف کو غیر اسلامی قرار دیا ہو۔ مزید برآں تصوف میں مابعد الطبعیات کا غلبہ تصوف کے نام کے ساتھ بے عملی اور زندگی سے گریز کا تصور پیدا کرتا ہے۔

اسی چیز پر تبصرہ کرتے ہوئے اقبال رقمطراز ہے:-

"آج جب تصوف کا ذکر کیا جاتا ہے تو اس سے دلوں میں کوئی ولولہ پیدا نہیں ہوتا یوں

---

[۹] پروفیسر ضیاء الدین احمد شکیب / شاہ اسمٰعیل شہید پیش لفظ عبقات، (اردو)، ص ق

بھی تصوف خواہ مسیحی ہو خواہ اسلامی اس کی نوافلاطونی شاخ کو جس بے نام سی "لاشئے" کی جستجو ہے اس زمانے کے انسانوں کو اس کے اندر بھی کوئی سامانِ تسکین نہیں ملتا ہے۔ ہمارا جی تو یہ چاہتا ہے کہ اگر خدا ہے تو ہمیں اس کی موجودگی کا سچ مچ، حقیقی اور واقعی تجربہ ہو" ۹۰ھ

تصوف اور انسانی فلسفہ وفکر کے منشا ومقصد کا جائزہ لیتے ہوئے علامہ اقبال نے اپنے نتیجۂ فکر کو اس طرح پیش کیا ہے:۔

"دراصل مذہب اور سائنس کی منزلِ مقصود ایک ہے۔ اگرچہ ان کی منہاجات ایک دوسرے سے مختلف ہیں، دونوں حقیقت کی تہہ اور کنہہ تک پہنچنے کے آرزومند ہیں لیکن مذہب، سائنس سے کہیں بڑھ کر حقیقتِ مطلقہ تک پہنچنے کا خواہش مند ہے۔ لیکن دونوں ہی محسوسات اور مدرکات کی چھان بین کو رسائی کا طریقہ قرار دیتے ہیں لیکن ان کو سمجھنے کے لیے یہ جاننا ضروری ہے کہ حقیقت کی کنہہ اور اندرونی ماہیت کے فہم میں مدرکات ومحسوسات کا اشارہ کس طرف ہے؛ سائنس کی دنیا میں تو ہم ان کے معنی حقیقت کے خارجی کردار کی رعایت سے سمجھتے ہیں لیکن مذہب کی دنیا میں اس طرح کہ وہ جس حقیقت کی نمائندگی کر رہے ہیں ان کے معنی اس حقیقت کی اندرونی ماہیت سے سمجھیں۔ لہٰذا سائنس اور مذہب دونوں کے اعمال ایک طرح سے پہلو بہ پہلو اور متوازی چلتے ہیں" ۹۱ھ

گویا تصوف وہ دینی علم ہے جو حیات وکائنات کی تعبیر وتوجیہ پیش کرتا ہے

اسلامی تصوف بتدریج ارتقاء پذیر ہوا۔ ابن العربی کا نام تصوف کی تاریخ میں مختلف فیہ حیثیت کا حامل ہے۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ نے ابن العربی کے نظریات پر تنقید کرتے ہوئے اسلامی تصوف کے خدوخال کو واضح کیا۔ ان کے بعد شاہ ولی اللہؒ نے "لمعات" "سطعات" "ہمعات" اور "سواطع" وغیرہ تصنیف فرما کر اسلامی تصوف کی تشکیل جدید کی۔

۹۰ھ محمد اقبال، الٰہیات اسلامیہ کی تشکیل جدید ص ۱۳۶ ۹۱ھ ایضاً صفحہ ۳۰۳ و ۳۰۴

حضرت شاہ ولی اللہؒ کے اسی علمی کارنامے پر تبصرہ کرتے ہوئے پاکستان کے نامور عالم دین مولانا محمد یوسف بنوریؒ رقمطراز ہیں:۔

"حق یہ ہے کہ ان کے قلم نے حکمت الٰہیہ کی وادیوں میں تفہیمات کی وہ زبردست حکمتیں سپرد قلم کیں کہ نہ وہ فلسفۂ اشراق ہے اور نہ مشائین کی چیستاں، بلکہ وہ حکمت دہلویہ ہے جس کے فکری سرچشمے اصطلاحات اور کلمات تعبیر علماء کے لیے بالکل ایک نئے انداز میں ہیں۔" [۹۲]

اپنے جد امجد شاہ ولی اللہ کے ان جواہر پاروں سے شاہ اسمٰعیل شہیدؒ نے گہرا اثر قبول کیا۔ خاص طور پر "لمعات" اور "سطعات" سے آپ حد درجہ متاثر ہیں۔ [۹۳]

یہ دونوں انتہائی جامع اور نہایت مختصر رسالے ہیں انہی کی تشریح و توضیح اور اپنے شخصی تجارب کو پیش کرنے کے لیے انھوں نے "عبقات" تصنیف فرمائی۔ چنانچہ وہ خود فرماتے ہیں:۔

"لمعات" اور "سطعات" کی خوشبو اس کی راہ سے پھیلائی گئی ہے۔" [۹۴]

"عبقات" کی وجہ تالیف بیان کرتے ہوئے شاہ اسمٰعیل شہید رقم فرما ہیں:۔

"جب خدا نے افضل المحققین (شاہ ولی اللہؒ) کے علم سے مجھے زندگی بخشی اور فخر المدققین کے نور سے مجھے منور کیا اور اس کے ساتھ میں مذکورہ بالا اکابر سے مستفید ہوا تو میں نے چاہا کہ اس فن کے مبادی کی راہ میں ایک چراغ روشن کروں جس کی روشنی میں چلنے والے راستہ کو دیکھ سکیں اور مقدمات کے زینوں پر ایک سیڑھی رکھوں، جس پر ڈھونڈنے والے چڑھ سکتے ہوں اسی غرض کو پیش نظر رکھ کر میں نے ایک رسالہ "عبقات" تالیف کیا۔ ان دونوں چیزوں کے بیچ میں یعنی تجربہ اور معائنہ سے جو باتیں ثابت ہوئی ہیں ان کی حقیقت برزخ کی ہے یا یوں سمجھو کہ ارباب کشف جن امور کے

---

۹۲ محمد یوسف بنوریؒ / شاہ اسمٰعیل شہید، "عبقات" (عربی) ص ۵

۹۳ شاہ اسمٰعیل، عبقات ص ۲۰۲ ۹۴ ایضاً ص ۴

پانے میں کامیاب ہوئے ہیں، اور دلیل و برہان والے جن نتیجوں تک پہنچتے ہیں ان دونوں کے درمیان یہ رسالہ (عبقات، حلقۂ اتصال کا کام (انجام) دے گا۔[۹۵]

اسی ضمن میں مولانا عبدالحمید السواتی لکھتے ہیں:۔

"عبقات" لکھ کر انھوں نے شاہ ولی اللہؒ کے فلسفہ کے لیے خصوصاً اور علم الحقائق اور تصوف وسلوک کے لئے عموماً بنیادی قواعد وضع فرمائے ہیں۔[۹۶]

"عبقات" فی الحقیقت ایک معرکۃ الآراء تصنیف ہے، اس کی بدولت دنیائے تصوف کی بعض انتہائی لاینحل بحثیں نہایت شگفتہ انداز اور خوش اسلوبی سے تطبیق پاگئیں۔ یہ کام ایک عظیم کارنامہ ہے۔

پاکستان کے ممتاز عالم دین مولانا محمد یوسف بنوریؒ اسی حقیقت کی طرف اشارہ فرماتے ہوئے رقمطراز ہیں:۔

امام ربانی حضرت مجدد الف ثانیؒ سرہندیؒ اور شیخ اکبر محی الدین بن عربی اندلسی کے حقائق و معارف میں سطحی نظر میں بڑے فاصلے حائل نظر آتے رہے ہیں۔ حتیٰ کہ علماء اور صوفیا کی ایک بڑی جماعت نے دونوں کی راہوں کو الگ الگ قرار دیدیا تھا۔ مگر یہ شاہ محمد اسمٰعیل شہیدؒ ہیں کہ "عبقات" لکھ کر اس فکری اختلاف کو شریعت مقدسہ کی روشنی میں پراگندہ ذہنوں سے دور کردیا ہے۔ ایسے دل نشین انداز میں مسائل تصوف کی حقیقتوں سے پردہ اٹھایا گیا ہے کہ قاری کا فیصلہ یہ ہوتا ہے کہ اختلاف بادی النظر میں جو کچھ ہے وہ صرف تعبیرات کا ہے ورنہ روح حقیقت دونوں کے یہاں شریعت مقدسہ کے مطابق یکساں ہے اور مطلوب ایک ہی ہے۔

یہ کام ایک محققانہ، نقادانہ اور بالغ نظری کی دسترس کا متقاضی ہے۔ وہ عظیم

---

۹۵ شاہ اسمٰعیل عبقات ص۵ نیز اس عبارت کا اردو ترجمہ سید مناظر احسن گیلانی کا تحریر کردہ ہے جو عبقات (اردو) ص۳ سے ماخوذ ہے۔ ۹۶ مولانا عبدالحمید السواتی، "حکمت ولی اللہی کے شارحین" مقالہ مشمولہ "الرحیم" ج ۱ شمارہ ۲ ص۲۲ بابت ماہ جولائی ۱۹۶۳ء

پیشوایانِ امت کے نظریوں پر ثالث ہو کر محاکمہ کرنا کوئی آسان بات نہیں، بہرحال "عبقات" کے صفحات سے یہ خوشبو مہک رہی ہے۔

یہ کتاب مقامِ ولایت و نبوت کی تحلیل کرتی ہے، بہت سے نازک مسائل مثلاً وجودِ مثالی، تعلیماتِ نبوت کے اسرار، شیخ سرہندیؒ اور شیخ اکبرؒ کے مسلکوں میں تقریب، نقل کا مفیدِ علم یقین ہونا، علم لدنی، وحی اور غیب سے استفادہ وغیرہ وغیرہ وہ نازک بحثیں ہیں جنکی مشکلات سے نبرد آزمائی شاہ صاحب ہی کا حصہ تھا۔[۹۷]

شاہ عبدالعزیزؒ نے جب یہ کتاب پڑھی تو بہت پسند فرمائی اور فرمایا:۔

"میں نے سمجھا تھا کہ ہمارے خاندان سے ان علوم کی بساط لپیٹ چکی ہے لیکن اب معلوم ہوا کہ محمد اسمٰعیل کا وجود جب تک ہمارے اندر باقی ہے ہمارے یہ علوم زندہ رہیں گے۔"[۹۸]

جب تک دنیا میں حارثِ محاسبی، قشیری، حکیم ترمذی اور ابن عربی کی تصوف پر کتابیں پڑھی جائیں گی اور صاحب ذوق انسان تصوف کی مشکل تشریحوں میں ٹھوکریں کھاتے رہیں گے۔ اس ہندی مجاہد کبیر کی "عبقات" کی ضرورت محسوس ہوتی رہے گی۔ صوفیا کے حقائق و معارف کی مشکل گتھیاں "عبقات" کے صفحات حل کرتے رہیں گے اور دل کی گہرائیوں سے مؤلف کے لیے کلمات تشکر و آفریں کی صدائیں بلند ہوتی رہیں گی۔ ع

ہر کسے را بہر کارے ساختند[۹۹]

"عبقات" ایک ایسا ہمہ گیر اور تابندہ جوہر ہے جو جدید ذہن کو شبہات کی ظلمات سے نجات دے کر تجلیِ حق سے مجلّی کر دیتا ہے۔ اس ترقی یافتہ دور میں جرمنی کے نامور اہل علم اور فلاسفہ کا "عبقات" پر مصروفِ تحقیق ہونا اس کی اہمیت کا منھ بولتا ثبوت ہے۔

عبقات اور اقبال پروفیسر ضیاء الدین احمد شکیب رقمطراز ہیں:۔

---

۹۷ محمد یوسف نوری / شاہ اسمٰعیل شہیدؒ۔ عبقات (عربی)، ص ۵ تا ۶

۹۸ ایضاً ص ۵ تا ۶، ۹۹ ایضاً ص ۶

"عبقات" وہ معرکۃ الآرا تصنیف ہے جس کو اسلامی الہیات سے متعلقہ ادبیات میں ایک عظیم مرتبہ حاصل ہونا چاہیے۔ پتہ نہیں کہ یہ کتاب اقبال کے مطالعہ سے گذری تھی یا نہیں لیکن یہ دیکھ کر بڑا تعجب ہوتا ہے کہ اپنی ہئیت اور موضوع کے اعتبار سے یہ اقبال کے "خطبات" سے بہت قریب ہے۔ اقبال نے اپنے "خطبات" کی ابتدا میں کچھ سوالات پیش کیے ہیں جو ان کے خیال میں مذہب اور فلسفہ کے مشترکہ سوالات ہیں، مثلاً۔

(۱) وہ عالم جس میں ہم رہتے ہیں اس کی نوعیت کیا ہے اور ترکیب کیا ہے؟

(۲) کیا اس کی ساخت میں دوامی عنصر موجود ہے۔

(۳) ہمیں اس سے کیا تعلق اور ہمارا اس میں کیا مقام ہے؟

(۴) بہ اعتبار اس مقام کے ہمارا طرز عمل کیا ہونا چاہیے؟ [۴۰]

ان سوالات کے جوابات اقبال کے "خطبات" میں بھی ملتے ہیں اور "عبقات" میں بھی۔ جدید تعلیم یافتہ ذہن ان سوالات کے جوابات مذہب سے چاہتا ہے تو اسے اس بارے میں مناسب ادب نہیں ملتا لیکن شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کی یہ تشکیل الہیات مغربی تعلیم یافتہ حضرات کے لیے اسی قدر دلچسپ اور سودمند ہوگی جس قدر اقبال کے خطبات"...... اقبال کا طریقہ استخراجی اور علمی ہے۔ اس کے برخلاف شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کے یہاں ایک تو طرز فکر استقرائی ہے دوسرے ان کے مباحث کا آغاز ایک سائنس داں کے ذہن سے نہیں بلکہ ایک مذہبی مفکر کے ذہن سے ہوتا ہے۔ اقبال کے یہاں بیشتر وہ اصطلاحات ہیں جو جدید علوم میں مروج ہیں اور شاہ صاحب کے یہاں بہت سی اصطلاحات وہ ہیں جن کا تعلق علوم نفسی سے ہے۔ تاہم ان کے طرز استدلال سے اگر تھوڑی سی مفاہمت پیدا کرنے کی کوشش کی جائے تو ان کے اس کارنامے سے جدید ذہن غیر معمولی طور پر استفادہ کر سکتا ہے۔ [۴۱]

---

[۴۰] محمد اقبال الہیات اسلامیہ کی تشکیل جدید۔ ص۱

[۴۱] محمد ضیاء الدین احمد شکیب، شاہ اسمٰعیل شہیدؒ، پیش لفظ عبقات (اردو) ص ل دم

اسلام میں عظیم مفکرین کی ایک نمایاں خصوصیت یہ رہی ہے کہ وہ ذاتی طور پر فکر و عمل کے حسین امتزاج کا مرقع ہوتے تھے۔ اس اعتبار سے اسلامی فکر کا کوئی پہلو محض نظریاتی نہیں بلکہ ٹھیٹ عملی ہے۔ فکر و عمل کا یہ امتزاج حد درجہ بسیط و ہمہ گیر شخصیت کی صورت میں رونما ہوتا ہے۔ "عبقات" کو محض ایک علمی کارنامہ سمجھ لینا شاہ اسمٰعیلؒ کی بے پناہ شخصیت کے ساتھ ناروا ظلم کے مترادف ہے بلکہ ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم اس آئینہ میں اس عظیم شخصیت کی ہمہ گیری کو جلوہ گر دیکھیں اس لیے ضروری ہے کہ شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کے گرد و پیش کے احوال اور خود ان کی زندگی کا بنظر غائر مطالعہ کیا جائے تاکہ اس سالک راہ طریقت اور مجاہد میدان مبارزت کی عظمت کا اندازہ ہو سکے۔[۲]

ان کی تمام زندگی مجاہدانہ مساعی میں گزری۔ انھوں نے اس بات کا ایقان اور حق الیقین حاصل کر لیا تھا کہ انسان اپنی اشرفیت کے باعث عناصر اربعہ پر بطریق احسن غالب آسکتا ہے اور خاک، باد، آب اور آتش اسے کوئی گزند نہیں پہنچا سکتے۔ ان عجیب النوع تجربات سے ان کی ذہنی اور جسمانی نشو و نما کا اندازہ ہوتا ہے لیکن ان کی باطنی شخصیت کی آئینہ دار خود "عبقات" ہے۔ جو ان کی تجدید الٰہیات کا مطالعہ کرنے کے لیے ازبس ضروری اور ناگزیر ہے۔

کتاب کی ترتیب و تقسیم اور اس کے مشمولات حسب ذیل ہیں۔

"عبقات" ایک مقدمہ چار اشاروں اور ایک خاتمہ پر مشتمل ہے۔ اس کے اہم مباحث میں سب سے پہلے مقدمہ میں یہ بحث شامل ہے کہ انسان کے نفسی اور حواسی علوم کتنے ہیں اور ان کی کیا کیا نوعیت ہے؟

اشارۂ اول میں وجود سے بحث کی گئی ہے۔ اس کے ذیل میں آنے والے مباحث جدید فلسفہ و طبعیات کے لیے غیر معمولی دلچسپی کے حامل ہیں۔ اس اشارے میں یونانی

---

[۲] شاہ محمد اسمٰعیل شہیدؒ عبقات (عربی) ص۴

اور سوفسطائی نظریات کا بھی جائزہ لیا گیا ہے۔ نیز اعیانِ ثابتہ، حقائق امکانیہ، اسمائے کونیہ، مظاہرِ وجود، مبدا، وجود، ماہیات قبل الوجود، تعین ماہیت، مبدا، اور وجود کا تعلق، وجود واجب، عالم کا وجودِ طبعی، وجود منبسط، نور وجہ اللہ، توحید، عالمِ لاہوت، ابداع، خلق اور تدبیر وتدلی سے بحث کی گئی ہے۔

اشارہ دوم میں، تجلی، تجلی کے احکامات، تجلی کی اقسام، شخص اکبر، متجلی کے شرائط اور محلِ تجلی پر بحث کی گئی ہے۔

اشارہ سوم میں ایجاب واختیار کے زیر عنوان ارادہ، ممکنات، افعال خداوندی، افعال طبعی اور اسباب پر بحث کی گئی ہے۔

اشارہ چہارم میں مراتبِ نفس کی وضاحت کی گئی ہے۔ اس اشارہ میں روح کی حقیقت، نسمہ، مراتب کمال، معنئ مومن، معنئ عالم، راسخ فی العلم، صاحب شغل صاحب مراقبہ، صاحب دوام الحضور، صاحبِ تجرید، صاحبِ کشف حقیقتِ ولایت، اعلیٰ مقاماتِ بشر، اور حقیقتِ عالم وصال وغیرہ پر سیر حاصل کلام کیا گیا ہے۔

خاتمہ کتاب میں "مثال" کے زیر عنوان عالم مثال کی حقیقت، مثل کی قسمیں عالم مثال، اور عالم شہادت کی اصلیت، ادراکِ موجوداتِ خیالی، معرفت رب کے سالک اور اختیار انبیاء پر بصیرت افروز مباحث شامل ہیں۔

شاہ اسمٰعیل شہیدؒ "عبقات" کی دل نشین اور آنکھوں کو ٹھنڈک بخشنے والی شرح لکھنے کے متمنی تھے[۱] لیکن افسوس کہ شاہ صاحبؒ کا یہ ارادہ پورا نہ ہو سکا۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر اس کتاب کی شرح مرتب ہو جائے تو جدید ذہن کو استفادہ کی قابلِ رشک سہولت مہیا ہو جائے گی۔ (باقی)

۱۰۴ء شاہ محمد اسمٰعیل شہید "عبقات" (عربی) ص ۴

"بینات" کا حضرت مولانا محمد یوسف بنوری نمبر

سوانح اور سیرت و کردار کی چند جھلکیاں

[نگاہ اولیں کے ذیل میں "بینات" کے خاص نمبر کے متعلق جو کچھ لکھا جا چکا ہے اُس کے بعد یہاں نوٹ لکھنے کی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔]

نام و نسب اور تعلیم

ہمارے مولانا بنوری مرحوم نے چند سال پہلے خود اپنے حالات عربی زبان میں مختصر طور سے لکھے تھے۔ "بینات" کی اس خاص اشاعت میں سب سے پہلے اسی کا ترجمہ دیا گیا ہے جو مولانا محمد حبیب اللہ مختار صاحب کے قلم سے ہے۔ عنوان بالا کے تحت اس کی چند سطریں سب سے پہلے پڑھ لی جائیں۔

راقم الحروف محمد یوسف بن سید محمد زکریا بن میر مزمل شاہ بن میر احمد شاہ البنوری الحسینی کی ولادت بتاریخ ۶ ربیع الثانی ۱۳۲۶ھ مطابق ۱۹۰۸ء بروز جمعرات بوقت سحر پشاور کے مضافات کی ایک بستی میں ہوئی۔

سلسلہ نسب نویں جدّ امجد عارف محقق حضرت سید آدم بن اسمٰعیل الحسینی الغزنوی البنوری المدنی کی وساطت سے حضرت سیدنا حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جا ملتا ہے۔

قرآن کریم اپنے والد ماجد اور ماموں سے پڑھا۔ امیر حبیب اللہ خاں کے دور میں افغانستان کے دارالحکومت "کابل" کے ایک مکتب میں صرف و نحو کی ابتدائی کتابیں پڑھیں، اس دور کے مشہور استاد شیخ حافظ عبداللہ بن خیر اللہ پشاوری شہید ۱۳۴۰ھ ہیں۔ فقہ، اصول فقہ، منطق، معانی وغیرہ مختلف فنون کی متوسط کتابیں پشاور اور کابل کے اساتذہ سے پڑھیں ان میں اکابر حضرت مولانا عبدالقدیر افغانی لمغانی (جو جلال آباد افغانستان میں محکمہ شرعیہ کے قاضیٔ مرافعہ تھے) اور شیخ محمد صالح قیلغوی افغانی وغیرہ ہیں۔

باقی ماندہ علوم و فنون، علم حدیث اور اصولِ حدیث کی کتابیں ۱۳۴۵ھ سے ۱۳۴۷ھ تک دارالعلوم دیوبند میں پڑھیں، دورۂ حدیث جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں کیا۔ یہاں جن مشائخ سے استفادہ کیا ان میں سب سے بڑے شیخ محققِ عصر مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ (جو پاکستان کے شیخ الاسلام اور "فتح الملہم شرح صحیح مسلم" کے مصنف ہیں) اور امام العصر، محدث کبیر عالم شہیر شیخ محمد انور شاہ الکشمیری ثم الدیوبندی رحمہ اللہ ہیں۔ خصوصاً امام العصر رحمہ اللہ سے انتہائی استفادہ کیا۔ انہی سے تخرج حاصل کیا اور ایک سال سے زیادہ عرصہ تک شب و روز ان کا خادمِ خاص رہا۔ ص ۱۰

مولانا بنوریؒ کی شادی

مولانا بنوری علیہ الرحمہ کے رفیق خاص اور "یار غار" مولانا لطف اللہ پشاوری نے اپنے مضمون میں مولانا کے والد ماجد سید زکریا بادشاہ کے غیر معمولی حالات اور حکومت افغانستان کے ذمہ اُن کے بہت بڑے قرضے کا ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے:۔

دورۂ حدیث سے فراغت کے بعد آپ واپس اپنے وطن (پشاور) تشریف لے آئے، اس اثناء میں آپ کے والد ماجد حکومت کابل سے دوبارہ قرضہ کا مطالبہ کرنے کے لیے کابل چلے گئے، وہ کئی سال کابل میں ٹھہرے رہے اور مولانا یوسف کو خطوط میں یہی لکھتے رہے کہ قرضہ ملنے والا ہے اور یہ کہ تمام مالی مشکلات حل ہو جائیں گی۔

مولانا کی زندگی کا یہ دور بڑی آزمائش اور ابتلاء کا تھا، پشاور میں گھر کے تمام اخراجات جاری تھے، مگر آمدنی کا کوئی ذریعہ نہ تھا۔ اور جب والد صاحب کو خط لکھتے تو جواب آتا کہ بس عنقریب میں آنے والا ہوں۔ اور تمام مشکلات حل ہو جائیں گی۔ آپ کے چچا کی لڑکی جس کے ساتھ آپ کی نسبت ہو چکی تھی اس کی اراضی بھی سید زکریا نے فروخت کر دی تھی، جب مولانا کے والد ماجد کی کابل سے واپسی میں غیر معین تاخیر ہو گئی، تو مولانا عبدالحق نافع کے مشورے سے طے پایا کہ مولانا کا نکاح اب بہر صورت ہو جانا چاہیے، وہ عجیب

و غریب رات مجھے نہیں بھولتی، جب مولانا کی بیٹھک میں مولانا کا نکاح پڑھا گیا۔ مولانا خود دولہا تھے اور خود ہی دوسری طرف سے وکیل تھے، خود ہی نکاح خواں تھے، میں اور مولانا عبدالحق نافع گواہ تھے، شادی کے لیے اور اہتمام تو کیا ہوتا، کوئی جوڑا بھی نہیں بنایا گیا۔ نہ دولہا کے لیے نہ دولھن کے لیے، بس بدن کے پہنے ہوئے کپڑے ہی جامہ عروسی تھا۔ گھر میں دو سیر چاول تھے، وہ پکائے کھائے گئے۔ یہ مولانا کا ولیمہ تھا، گھر میں ایک چارپائی سالم تھی اور ایک ٹوٹی ہوئی، سوائے ہم دونوں کے کسی کو شادی کا پتہ بھی نہ چلا۔ یہ تھا مولانا محمد یوسف بنوری کی شادی کا نقشہ جن کی رحلت پر پورے عالم اسلام کے ماتم کیا۔ ص ۲۷

مولانا لطف اللہ پشاوری نے اسی مضمون میں آگے لکھا ہے۔

لاہور کی مجلس مذاکرہ سکندر مرزا کے زمانہ میں پاکستان میں مغرب زدہ لوگوں کا طوطی بولتا تھا، حکومت کے ارباب حل وعقد پر بھی ہمیشہ اسی طبقہ کا اثر رہا۔ ان لوگوں کو یہ تکلیف تھی کہ حکومت جو بھی تجدد پسندانہ حکمت عملی تجویز کرے، اس کے لیے صرف علماء کا طبقہ سنگ راہ بن جاتا ہے۔ مولانا نور الحق صاحب سابق ڈین اسلامیہ کالج پشاور نے راقم الحروف سے بیان کیا کہ ایک وقت سابق صدر ایوب خاں نے مجھ سے کہا کہ:۔

"تیونس، مراکش، مصر و شام کسی جگہ بھی علماء حکومت کے خلاف دم نہیں مار سکتے، محکمہ اوقاف نے سب کو پابند کر رکھا ہے، ایک پاکستان ایسا ملک ہے کہ حکومت کچھ کرتی ہے تو کراچی، پشاور تک علماء اس کے خلاف صدائے احتجاج بلند کر دیتے ہیں اور ملک میں ایک ہل چل پیدا ہو جاتی ہے، تم مصر جاؤ اور وہاں جا کر جائزہ لو کہ حکومت مصر نے کس ترکیب سے علماء کو پابند کر رکھا ہے، پاکستان میں بھی علماء کو پابند کرنے کے لیے ایک منصوبہ تیار کر دو۔"

بریگیڈیر گلزار احمد صاحب نے بھی میرے سامنے اسی قسم کے خیالات صدر ایوب سے نقل کیے تھے۔

چنانچہ ڈین صاحب مصر گئے اور واپسی پر صدر ایوب کے سامنے تمام مساجد اور مدارس عربیہ کو حکومت کی تحویل میں لینے کا نسخہ کیمیا، تجویز کیا، صدر ایوب نے جب اس منصوبے

پر عمل درآمد کے لیے تمام مدارس عربیہ پر قبضہ کرنے کا ارادہ ظاہر کیا تو ڈین صاحب نے ان سے کہا کہ مصر اور پاکستان کے حالات مختلف ہیں۔ ہماری سب سے بڑی مشکل یہ ہے کہ اگر ہم مدارس کو حکومت کے قبضہ میں لے لیں تو مولانا محمد یوسف بنوری جیسے علماء مدارس کے بجائے مسجدوں کی چٹائیوں پر بیٹھ کر درس و تدریس کا سلسلہ شروع کر دیں گے۔ عرب ممالک میں تو عوام کو مدارس کے لیے چندہ دینے کی عادت نہیں مگر پاکستان میں ایسے علماء ہیں کہ اگر انھوں نے مساجد میں درس و تدریس کا سلسلہ شروع کر دیا تو عوام اور مخلصین ان کو بغیر رسید کے چندہ دیں گے اور مسجدوں میں پھر سے نئے آزاد مدرسے قائم ہو جائیں گے، حکومت کے سرکاری مدارس میں تو دینی علوم پڑھنے کے لیے کوئی نہیں آئے گا۔ اس طرح ہمارا یہ منصوبہ خاک میں مل جائیگا۔ (ص۱۲۲، ۱۲۳)

محاسبۂ نفس اور فکر آخرت

ڈاکٹر غلام محمد صاحب اپنے مضمون "ایک پیکر محبوبی" میں تحریر فرماتے ہیں۔

"ایک روز میں مولانا کی خدمت میں حاضر ہوا، مولانا تشریف فرما تھے۔ سامنے "معارف السنن" کی ایک جلد رکھی تھی۔ میں نے جھپٹ کر مولانا سے مصافحہ کیا اور ان کے قریب بیٹھ گیا تاکہ انھیں اُٹھنے کی زحمت نہ ہو۔ مولانا اس وقت "محاسبۂ نفس" میں غرق تھے۔ فرمانے لگے۔ "اگر اللہ تعالیٰ حشر کے دن مجھ سے یہ پوچھے کہ کیا اس وقت ملت اسلامیہ کو اسی خدمت کی ضرورت تھی؟ کیا ایسے وقت جبکہ ایمان کے لالے پڑے ہوئے تھے، وقت کو انہی فقہی جزئیات میں صرف کرنا چاہیے تھا؟ تو میں اس کا کیا جواب دے سکوں گا" یہ فرمایا اور آبدیدہ ہو گئے، پھر سنبھلے اور فرمایا کہ ہمارے استاذ حضرت علامہ کشمیری پر بھی عمر کے آخری دو سال میں یہ احساس شدید ہو گیا تھا اور رویا کرتے تھے کہ ملت اسلامیہ کی وقتی ضرورت کا کچھ کام ہم سے نہ ہو سکا۔ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام نے کہاں مدارس کھولے تھے اور تبلیغ و قتال میں وقت صرف فرمایا تھا۔ یہ فرما کر پھر رونے لگے اور دعا فرماتے رہے کہ اللہ تعالیٰ رحم فرمائے۔ (ص۲۲۹)

احتیاط۔ اخلاص۔ خدمت دین کا جذبہ

ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر اپنے مضمون "تاثرات و مشاہدات" میں بیان فرماتے ہیں:

"ایک دفعہ ایک صاحب دفتر میں آپ کے ساتھ بیٹھے تھے۔ انھوں نے سامنے رکھے ہوئے سفید کاغذات میں سے اٹھا کر کچھ لکھنا شروع کر دیا۔ آپ نے فرمایا۔ "کہ یہ کاغذات مدرسہ کے ہیں۔ ان کو کسی دوسرے کام میں استعمال کرنا صحیح نہیں۔" ص ۲۵۶

اخلاص

فرماتے تھے کہ ایک شخص اپنے اخلاص کی بدولت الف، با پڑھا کر جنت میں جا سکتا ہے اور دوسرا اخلاص کے بغیر بخاری پڑھا کر اس سے محروم رہ سکتا ہے۔ ص ۲۵۶

خدمت دین کا مخلصانہ جذبہ

دین کی خدمت کا جذبہ اتنا تھا۔ فرماتے کہ میں کبھی سوچتا ہوں کہ خدانخواستہ اگر ایسے حالات پیدا ہو جائیں کہ مجھ پر خدمت دین کے سارے دروازے بند ہو جائیں تو میں کیا کروں گا۔ میں ایسا گاؤں تلاش کروں گا جہاں کی مسجد غیر آباد ہو اور لوگ نماز نہ پڑھتے ہوں۔ وہاں جا کر اپنے پیسوں سے ایک جھاڑو خریدوں گا اور مسجد کو اپنے ہاتھ سے صاف کروں گا۔ پھر خود اذان دوں گا اور لوگوں کو نماز کی دعوت دوں گا۔ جب وہ مسجد آباد ہو جائے گی، پھر دوسری مسجد کو تلاش کروں گا اور وہاں بھی ایسا ہی کروں گا۔ ص ۲۵۷

اخلاص اور تصحیح نیت کا اہتمام

مولانا محمد مسلم شیخوپوری اپنے مضمون میں لکھتے ہیں:

"حضرت کا معمول تھا کہ تعلیمی سال کے آغاز میں قدیم و جدید طلباء کی تصحیح نیت کے لئے تقریر فرماتے جس میں طلباء سے اس بات کا عہد لیا کرتے کہ وہ اس مدرسہ میں علم دین کو صرف اللہ کی رضا اور خوشنودی، اسلام کی بقا، اور حفاظت کی غرض سے حاصل کریں گے۔ اغراض دنیا اور ظاہری عیش و راحت

کے حصول کی نیت سے نہیں۔۔۔۔۔۔ اور علم دین کو نفسانی خواہشات کی تکمیل کا ذریعہ بنانے والے کو اس بچہ کے ساتھ تشبیہ دیا کرتے، جس کے ہاتھ میں اس کے باپ نے گوہر نایاب تھما دیا ہو مگر وہ کم فہم بچہ اس بے مثل گوہر کے عوض دو کاندار سے کھیل لے کر خوش ہو جائے۔ اور بڑے غصہ میں فرمایا کرتے تھے "شقی اور ملعون ہے وہ شخص جو علم دین کو حصول دنیا کے لیے استعمال کرتا ہے۔ ایسے بدبخت سے سر پر ٹوکری اٹھا کر مزدوری کرنے والا بدرجہا بہتر ہے۔"

اور پھر صریح الفاظ میں اعلان فرماتے "جو طالب علم اس مدرسہ میں اسلامی شکل و شباہت اختیار کیے بغیر رہنا چاہتا ہے اور جس کے دل میں علم دین کے ذریعہ دنیا کو حاصل کرنے کی تمنا ہے وہ ہمارے مدرسہ میں نہ رہے۔ ورنہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اور مدرسہ کے ساتھ بدترین خیانت ہو گی۔"

صفحہ ۵۲

حق گوئی و بیباکی

مولانا محمد مسلم صاحب اسی مضمون میں مولانا محمد تقی عثمانی مدیر البلاغ کراچی کے حوالہ سے لکھتے ہیں :۔

۱۹۶۴ء میں جب ادارہ تحقیقات اسلامی کی طرف سے ایک بین الاقوامی اسلامی کانفرنس منعقد ہوئی (جس کا اہتمام ادارہ تحقیقات کے سابق ڈائرکٹر ڈاکٹر فضل الرحمٰن صاحب نے کیا تھا) تو اس کے پہلے ہی اجلاس میں ایک مقرر نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اولیات کو غلط انداز میں پیش کر کے متجددین کے آزاد اجتہاد کے لیے گنجائش پیدا کرنی چاہی اور اس کے لیے انداز بھی ایسا اختیار کیا جیسے قوت اجتہادیہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اور ہمارے درمیان کوئی خاص فرق نہیں۔ اس محفل میں عالم اسلام کے معروف اور جید علماء موجود تھے۔ لیکن اس موقع پر اس بھرے مجمع میں جن صاحب کی آواز سب سے پہلے گونجی وہ حضرت مولانا بنوری تھے۔ انھوں نے مقرر کی تقریر کے دوران ہی صدر محفل مفتی اعظم فلسطین مرحوم سے خطاب کر کے فرمایا۔ سیدی الرئیس! ادجوکم ان تلجموا هذا الخطیب ادجوکم ان تلجموه، ماذا یقول؟

ترجمہ:۔ جناب صدر! ان مقرر صاحب کو لگام دیجیے۔ براہ کرم ان کو لگام دیجیے، یہ کیا کہہ رہے ہیں۔ ان کے یہ بلیغ الفاظ آج بھی کانوں میں گونج رہے ہیں۔ صفحہ ۵۲

عربوں کی قوم پرستی اور مغربیت پسندی پر سخت تنقید

مولانا عبدالرزاق اسکندر نے اپنے مضمون "حضرت شیخ اور بلاد عربیہ" میں لکھا ہے کہ مولانا مرحوم نے بعض عربی ممالک کے سفر سے واپسی پر اپنے تاثرات واحساسات اس طرح تحریر فرمائے:-

"ان عرب ممالک کو دیکھ کر میرے اس سابقہ یقین میں مزید اضافہ اور استحکام پیدا ہوا کہ عرب قوم دو شدید قسم کے امراض میں مبتلا ہے جو تمام بیماریوں کے لیے ام الامراض کا درجہ رکھتے ہیں۔ ۱- عرب قومیت پرستی۔ ۲- مغربی تہذیب وتمدن کا تسلط۔ یہ ضرور ہے کہ مصر کی جدید حکومت اس کی نمایاں طور پر علمبردار ہے، لیکن یہ مرض اب سارے عرب کا مشترکہ روگ ہے جو اس کے جسم میں خون کی طرح سرایت کر گیا ہے۔"

اس کے بعد قوم پرستی پر تبصرہ ان الفاظ میں فرمایا:-

"قومیت" عربی ہو یا عجمی، مشرقی ہو یا مغربی، دین اسلام کی نظر میں وہ بہرحال ایک لعنت ہے وہ ایک بت ہے جس کی پرستش کو اسلام شعارِ جاہلیت قرار دیتا ہے۔ قومیت اور اس کی بنیاد پر ابھرنے والے تمام فلسفوں اور نظریوں کو اکھیڑ ڈالنے کی دعوت دیتا ہے۔ یا للاسف! آج قومِ عرب جو اسلام کی دعوت الی اللہ کی اولین حامل تھی اس لعنت کا بری طرح شکار ہے۔ قومیت کے طاغوت نے عرب ممالک میں اسلامی اخوت کو پارہ پارہ کر ڈالا ہے۔"

پھر اس مرض کو پھیلانے والے اور اس کے اصل سبب کی طرف ان الفاظ میں اشارہ فرمایا:-

"افسوس ہے کہ اسلام نے جس لعنت کو مٹایا تھا۔ برطانوی طاغوت نے مسلسل تدابیر سے اس لعنت کو دوبارہ جنم دیا وَلَقَدْ صَدَّقَ عَلَيْهِمْ إِبْلِيسُ ظَنَّهُ) انہی ملعون تدابیر سے اس نے پہلے تو خلافتِ اسلامیہ کو ختم کرانے کے لیے عرب وترک دشمنی کا بیج بویا اور بھائی بھائی کو دشمن بنایا، اور جب اس میں کامیابی ہوئی تو وطنیت کا زہر پھیلایا۔" صفحہ ۵۶۰-۵۶۱

خشیت و تقویٰ اور جود و کرم

مولانا عبدالرشید نعمانی اپنے مضمون میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"مولانا مرحوم کو حق تعالیٰ نے تقویٰ اور خشیت سے بھی نوازا تھا۔ بڑے عفیف اور پارسا تھے۔ ادھر تلاوتِ قرآن کریم کی آواز مولانا کے کانوں میں پڑی اور ادھر آنکھوں سے سیلِ اشک رواں ہوا۔ مدرسہ کے تمام مالی معاملات ایسے صاف رکھتے کہ کیا مجال ایک پیسہ ادھر اُدھر ہو جائے، یا ایک مد کی آمدنی دوسری مد پر صرف ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ نے دنیا اور اہل دنیا کو ان کی نظروں میں ہیچ کر رکھا تھا۔ دنیا طلبی کی ان کے یہاں راہ ہی نہ تھی۔ جود و کرم کا یہ حال تھا کہ بے تحقیق سائلوں کو دیتے رہتے تھے۔ ایک بار میں بیٹھا ہوا تھا۔ عصر سے پہلے دو صاحب مولانا کو پوچھتے ہوئے آئے۔ میں نے کہا کیا کام ہے؟ کہنے لگے مکان بنوانا ہے، مولانا سے اعانت کی ضرورت ہے۔ میں نے کہا کہ تم لوگوں کو سوچنا چاہیے مولانا کے پاس کون سی دولت ہے، جو وہ تمھیں مکان بنانے کے لیے دیں گے۔ تمھیں مولانا کو تنگ نہیں کرنا چاہیے۔ مگر وہ اپنی بات پر مصر رہے۔ اتنے میں مولانا بھی تشریف لے آئے۔ اور صورت حال معلوم کر کے اپنی جیب سے کچھ رقم نکالی اور بڑی معذرت کے ساتھ ان کے حوالے کر دی۔ میں صورت دیکھتا رہ گیا۔ اسی طرح میں ایک دفعہ مولانا کے پاس دفتر میں بیٹھا ہوا تھا۔ اُٹھ کر گھر جانے لگے تو صاحب زادہ محمد بنوری نے بتایا کہ فلاں صاحب اس لیے بیٹھے ہیں کہ ان کے یہاں میت ہو گئی ہے۔ تجہیز و تکفین کی ضرورت ہے۔ مولانا فوراً تشریف لائے اور بغیر کسی تحقیق و تفتیش کے سو روپے کا نوٹ صاحبزادہ صاحب کے حوالہ کیا کہ ان کو دے دو۔

شغف قرآن و تراویح

قاری محمد رفیق صاحب اپنے مضمون میں تحریر فرماتے ہیں:۔

حضرت آیت کریمہ "وَإِذَا سَمِعُوا مَا أُنْزِلَ إِلَى الرَّسُولِ تَرَىٰ أَعْيُنَهُمْ تَفِيضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوا مِنَ الْحَقِّ" کے صحیح معنوں میں مصداق تھے، جب بھی قرآن سنتے آنکھیں بے ساختہ فوارے کی طرح بہ پڑتیں، اسی طرح تراویح میں بھی بہت گریہ فرماتے،

کبھی کبھی یہ کیفیت بین السطور یحات بھی رہتی اور فرماتے بڑی نعمت ہے قرآن"۔

قاری صاحب اپنے اسی مضمون میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"تحدیث بالنعمۃ کے طور پر فرمایا کرتے کہ ایک روز ایک قاری صاحب جو میرے دوست تھے میری ملاقات کے لیے تشریف لائے، رمضان شریف کے آخری ایام تھے، وہ بڑا نفیس قرآن پڑھتے تھے میں نے کہا بجائے وقت گزارنے کے چلو نفل پڑھتے ہیں۔ چنانچہ ان قاری صاحب نے نفل نیت باندھ لی اور میں نے اُن کی اقتدا کی، بس پھر تو کیا پوچھنا وہ پڑھتے چلے گئے اور میں لطف اٹھاتا چلا گیا اور ایکسپریس گاڑی کی طرح سورتوں کے اسٹیشنوں کو طے کرتے چلے گئے اور سحری سے پہلے پورے قرآن کریم کو دو رکعتوں میں ختم کر ڈالا"۔ صلا

آگے اسی سلسلہ میں قاری صاحب لکھتے ہیں:۔

"الغرض اگر حضرت مولانا بنوری کو عاشقِ قرآن کہا جائے تو اس میں کوئی مبالغہ کی بات نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ نے اپنی لاڈلی بیٹی سیدہ فاطمہ مرحومہ کو قرآن کریم حفظ کروایا، وہ اپنے والد سے قریباً دو سال قبل رفیقِ اعلیٰ سے جا ملی۔ اللّٰهم اغفر لهما وارحمهما واسكنهما في الجنة" صلا

حضرت مولانا بنوریؒ کے

قلمی خطابات و پیغامات

[رسائل و جرائد میں کسی نہ کسی عنوان سے افتتاحیہ ہوتا ہے۔ ماہنامہ بینات کراچی کے افتتاحیہ کا مستقل عنوان تھا۔ بصائر و عبر" جو حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ خود ہی لکھتے تھے۔ وہ گویا اُن کا قلمی خطاب اور پیغام ہوتا تھا۔

" بینات" کے اس خاص نمبر کے فاضل مرتب مولانا محمد یوسف لدھیانوی نے یہ بہت اچھا کام کیا ہے کہ جس صفحہ پر کوئی مضمون یا مقالہ ختم ہوا اور اس میں کچھ جگہ خالی رہ گئی اُس جگہ میں انھوں نے بینات کے کسی شمارہ کے "بصائر و عبر" کا کوئی اقتباس دیدیا ہے اور بلاشبہ اقتباسات کا بہت اچھا انتخاب کیا ہے، یہ سارے اقتباسات بڑے موثر اور جاندار ہیں اور تحریری نقوش و حروف کی شکل میں مولانا مرحوم کے فکر و نظر اور درد دل کا گویا ریکارڈ ہیں ـــــ ناچیز مدیر الفرقان نے مناسب سمجھا کہ مولانا مرحوم کے یہ قلمی خطابات و پیغامات اپنے ناظرین تک بھی پہنچا دیے جائیں اور اس طرح یہ "الفرقان" نے صفحات میں بھی محفوظ ہو جائیں۔]

○

بد قسمتی سے عالم کی زمام قیادت کافی عرصہ سے خدا ناشناس تہذیبوں اور بددین قوموں کے ہاتھ میں ہے جن کے یہاں (الا ماشاء اللہ) دین و دیانت نام کی کوئی چیز ہے ہی نہیں۔ اور شرم و حیا، عفت و عصمت، غیرت و حمیت کا لفظ ان کی لغت سے خارج ہے۔ ان کے نزدیک مکر و فن اور دغا و فریب کا نام "سیاست" ہے۔ انسانیت کشی کے وسائل

واسباب کا نام "ترقی" ہے۔ فواحش ومنکرات کا نام "آرٹ" ہے۔ مرد وزن کے غیر فطری اختلاط کا نام "روشن خیالی" اور "خوش اخلاقی" ہے۔ پردہ دری اور عُریانی کا نام "ثقافت" ہے اور پسماندہ ممالک اُن کی تقلید — اندھی تقلید — اور نقالی کو فخر سمجھتے ہیں، اس لیے آج سارے عالم میں فتنوں کا دور دورہ ہے۔" ص ۱۹۴

(بصائر وعبر، شعبان المعظم ۱۳۰۰ھ)

○

"ستم ظریفی کی حد ہے کہ وہ عورت جو عصمت وتقدس کا نشان تھی اور جس کی عفت وزاہت سے چاند بھی شرماتا تھا اسے پردہ سے باہر لا کر ناپاک نظروں کی تسکین اور نجس قلوب کی تفریح کا کام اس سے لیا گیا۔ جدید تہذیب میں عورت زینت خانہ نہیں شمع محفل ہے، اس کی محبت وخلوص کی ہر ادا اپنے شوہر اور بال بچوں کے لیے وقف نہیں بلکہ اس کی رعنائی وزیبائی تماشائے عالم ہے، وہ تقدس کا نشان نہیں کہ اس کے احترام میں نامحرم نظریں فوراً نیچے جھک جائیں بلکہ وہ بازار کی رونق ہے۔ آج دو پیسے کی چیز بھی عورت کی تصویر کے بغیر فروخت نہیں ہوتی اس سے زیادہ نسوانیت کی ہتک اور کیا ہو سکتی ہے؟ کیا اسلام نے عورت کو یہی مقام بخشا تھا؟ کیا یہی آزادیٔ نسواں ہے۔ جس کے لیے گلے پھاڑ پھاڑ کے نعرے لگائے جاتے ہیں؟" ص ۲۰۰

(بصائر وعبر، جمادی الاخریٰ ۱۳۹۲ھ)

○

"عورت کی ساخت وپرداخت، اس کی عادات واطوار اور اس کی گفتار ورفتار پکار پکار کر کہہ رہی ہے کہ وہ عورت (مستور) ہے اسے ستر (پردہ) سے باہر لانا اس پر بدترین ظلم ہے۔" ص ۱۹۳　(بصائر وعبر، جمادی الاخریٰ ۱۳۹۲ھ)

○

"ملاحدہ نے آج میدان کو خالی دیکھ اور فضا کو سازگار سمجھ کر وہ شگوفے کھلانے شروع کر دیے ہیں کہ عقل حیران رہ جاتی ہے۔ "تحریفِ دین" کا نام "تحقیقِ اسلام" ہے

اور "الحاد فی الدین" کا نام "اظہار حقیقت" ہے۔ حقائق دین کو اس طرح پامال ہوتا دیکھ کر بڑا دکھ ہوتا ہے۔ کیا کیا جائے "از ما است کہ بر ما است" اسلام کی غربت و بےچارگی کا یہ دور انتہائی حسرتناک بھی ہے اور عبرتناک بھی۔" صد ۱۰۱

(بصائر و عبر، رجب المرجب ۱۳۸۸ھ)

○

"آج علماء کے امتحان کا وقت آگیا ہے، ضرورت ہے کہ ہم حق کہیں اور حق کے لیے کہیں۔ اور حق تعالیٰ جلّ مجدہ کی رضا اور خوشنودی کے لیے کہیں اور جو کام کریں نفس کا شائبہ تک اس میں نہ ہو۔" صد ۱۰۱ (بصائر و عبر، محرم الحرام ۱۳۸۹ھ)

○

"حضرت رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کو تمام انبیاء، سابقین وملوکِ صالحین وعابدین کے کمالات کا وارث بنایا گیا اور ایسی جامعیت عطا فرمائی کہ تمام مناصبِ اصلاح خواہ دعوت وتبلیغ کے ہوں یا جہاد وقتال کے یا نظمِ مملکت کے۔ آپ کی ذات بابرکات میں جمع کردیے گئے تھے۔ بیک وقت آپ داعی الی اللہ بھی تھے اور حاکمِ اعلیٰ بھی، اور قائدِ جیوش بھی۔ آپ کے خلفاء راشدین بھی آپ کی صفات کمال کے صحیح جانشین تھے۔" (صد ۴۳) (بصائر و عبر، رمضان مبارک ۱۳۸۸ھ)

○

"خلافت راشدہ کا بابرکت دور علم وعمل، صلاح وتقویٰ، فقر وزہد، ایثار وقربانی اور اخوت ومساوات کے لحاظ سے انسانیت کا تابناک دور تھا، جس کے آثار وبرکات نے عرصۂ دراز تک دنیا کو منور رکھا۔ (صد ۴۳)

(بصائر و عبر، ذی الحجہ ۱۳۸۸ھ)

○

"اسلام کو موجودہ معاشی تحریکوں پر منطبق کرنا، اس کی سراسر مادی تعبیریں کرنا اور کھینچ تان کر نصوص سے وہی کچھ منوانا جو آج کے معاشیین کہتے ہیں، بدترین غلطی

اور مقام نبوت سے بے خبری کی دلیل ہے۔" (ص ۴۹۵)

(بصائر و عبر، جمادی الاول ۱۳۸۹ھ)

○

"قرآن کریم اگرچہ جدید اصطلاح میں دستور یا قانون کی کتاب نہیں ہے جسے عنوانات و دفعات پر مرتب کیا گیا ہو لیکن اس میں انسانیت کے تمام ہمہ گیر مسائل کی طرف اصولی اشارات دیے گئے ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مبارکہ اور سیرت طیبہ میں متشکل ہو کر سامنے آئے ہیں۔ خلافت راشدہ کی تشریحات اور فقہاء امت کی تنقیحات کے بعد وہ ایسا کامل و مکمل دستور ہے کہ دنیا کا کوئی دستور نہ اس کی ہمسری کر سکا ہے نہ کر سکے گا۔" (ص ۵۳۶)

(بصائر و عبر، جمادی الاولیٰ ۱۳۸۹ھ)

○

"اسلام علیم و خبیر اور سمیع و بصیر رب العالمین جل ذکرہٗ کی طرف سے نازل کردہ دین ہے چند عقلاء و حکما کے ذہنی ادراک کا نتیجہ نہیں نہ قانون ساز اداروں یا قوم کے چند نمائندوں کی دماغی کاوشوں کا ثمرہ ہے۔ یہ اس علیم و خبیر کی قدرت کاملہ اور رحمت شاملہ کا ظہور ہے جو ہر دور ہر زمانہ ہر قوم، اور ہر ملک کے انسانوں کا خالق ہے، جو پوری انسانیت کے حقیقی امراض سے باخبر، اس کی واقعی ضروریات سے واقف اور اس کی دقیق نفسیات کا راز داں ہے۔" (ص ۵۵۰) (بصائر و عبر، ذوالقعدہ ۱۳۸۸ھ)

○

"حکومت و سلطنت اگر مسلمانوں کے زیر اقتدار آئے تو ان کا طرز عمل کیا ہوگا؟ اور وہ اپنا فرض منصبی سمجھتے ہوئے کن چیزوں کو بروئے کار لائیں گے؟ اس سلسلہ میں قرآن حکیم نے چار باتوں کا ذکر کیا ہے۔ اقامۃ الصلوٰۃ (نماز کی پابندی)، ایتاء الزکوٰۃ (نظام زکوٰۃ کا قائم کرنا)، امر بالمعروف (نیک کاموں کا حکم کرنا)، نہی عن المنکر (برے کاموں سے منع کرنا) (ص ۶۵۸) (بصائر و عبر، ذی الحجہ ۱۳۸۸ھ)

○

"ہم اربابِ اقتدار سے خدا اور رسول کا واسطہ دے کر جن کے نام پر ہمیں یہ ملک اور حکومت ملی، گزارش کرتے ہیں کہ وہ اخلاص اور سچائی سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اصل دین اور سچے اسلام کی حفاظت کریں اور اگر وہ ایسا نہیں کر سکتے تو کم از کم ملحدین کی حوصلہ افزائی نہ کریں۔ خدانخواستہ اگر محمدؐ والے اسلام کو یہاں ختم کر دیا گیا تو پاکستان کو نہ مسٹر پرویز کا طلوعِ اسلام بچا سکتا ہے نہ ڈاکٹر فضل الرحمٰن کا اسلام نہ کوئی ظلی بروزی نبوت۔" (ص ۱۲، بصائر و عبر، شعبان المعظم ۱۳۹۵ھ)

○

"جہاں تک اسلامی ملکوں کے سربراہوں اور راہنماؤں کا تعلق ہے، ان کو سمجھنا چاہیے کہ تجدد و مغربیت کی اس اندھا دھند تقلید سے خواہ وقتی طور پر ان کو اور ان کے جانشینوں کو فائدہ پہونچے مگر مجموعی طور پر ملت کو ایسا نقصان پہونچے گا اور اس کی جڑیں اس طرح ہل جائیں گی کہ صدیوں تک اس کی تلافی نہ ہو سکے گی۔" (ص ۱۲، بصائر و عبر، ...)

مولانا مفتی احمد الرحمٰن صاحب

حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ کا قائم فرمایا ہوا

"مدرسہ عربیہ اسلامیہ"

تاسیس و ارتقاء

"اگر دینی مدرسہ دنیا کے لیے بنانا ہے تو آخرت کا سب سے بڑا عذاب ہے اور اگر آخرت کے لیے بنانا ہے تو دنیا کا سب سے بڑا عذاب ہے۔"

یہ کلمات حضرت (مولانا بنوری) رحمہ اللہ نے پہلی مرتبہ اس وقت ارشاد فرمائے جب کہ ایک جید عالم دین نے اپنا نیا دینی مدرسہ قائم کرنے کے بارے میں مشورہ کیا اور اس کے بعد متعدد مجلسوں میں یہ حکیمانہ جملہ دہرایا۔ بلاشبہ کسی دینی ادارہ کو جو دین اور علم دین کا قلعہ ہونا چاہیے اگر دنیا کے حقیر اغراض و مقاصد کے حصول کا ذریعہ بنایا جائے تو کتنی بڑی محرومی اور خسرانِ آخرت کا موجب ہوگا اور اگر اس کے قائم کرنے کا مقصد اللہ تعالیٰ کی رضا اور آخرت کی فلاح حاصل کرنا ہو تو پھر جائز و ناجائز اور حلال و حرام کی حدود میں پابند ہونے کی بنا پر دنیا کی مشقتوں، مصیبتوں اور آزمائشوں کے لیے تیار رہنا پڑتا ہے۔

آپ کا یہ ارشاد کوئی شاعرانہ تخیل نہ تھا بلکہ ساٹھ سال کی طویل مدت تک مدارس کے ساتھ وابستگی، تجربات و مشاہدات اور تقریباً چوبیس ۲۴ سال تک ایک عظیم دینی ادارہ کے اہتمام و ادارت کی ذمہ داریاں سنبھالنے کے بعد آپ نے یہ رائے قائم کی تھی۔ حضرت رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ "مدرسہ قائم کرنے کے بعد جو مشکلات سامنے آئیں اگر ان کا پہلے سے احساس ہوتا تو شاید مدرسہ قائم کرنے کا ارادہ نہ کرتا۔"

ہمیشہ آپ کی یہی خواہش و کوشش رہی کہ مدارس دینیہ صرف فلاح آخرت اور محض رضائے الٰہی حاصل کرنے کے لیے ہونے چاہئیں ان میں دنیوی اغراض و خواہشات کی آمیزش کا شائبہ تک نہ ہونا چاہیے۔ اگر آپ دیکھتے کہ کسی مدرسہ سے یہ عظیم مقصد پورا نہیں ہو رہا ہے تو یہ چیز آپ کے لیے ناقابل برداشت ہوتی۔

نیوٹاؤن میں مدرسہ کی بنیاد

بزرگوں کے مشوروں، استخاروں اور حرمین شریفین میں مراقبوں، مکاشفوں اور دعاؤں کے بعد مستقل دینی ادارہ قائم کرنے کا عزم فرما لیا۔ اس کے لیے آپ نے جامع مسجد نیوٹاؤن کراچی کے احاطے کو منتخب فرمایا اور منتظمین انجمن سے حضرت رحمہ اللہ نے گفتگو فرمائی اور کہا کہ مجھے ایک خالص دینی مدرسہ قائم کرنے کے لیے صرف جگہ دے دیجیے میں آپ حضرات سے مدرسہ کی تعمیر اور اس کے اخراجات کے لیے کسی مالی امداد کا طالب نہیں ہوں گا، اور نہ کسی اور قسم کے تعاون کا خواستگار ہوں گا۔ منتظمین انجمن نے بخوشی یہ تجویز منظور کر لی، اس لیے کہ انھوں نے یہ پلاٹ مدرسہ اور مسجد کے نام سے حاصل کیا تھا اور وہ خود بھی یہاں مکتب بنانا چاہتے تھے مگر ان کے لیے جامع مسجد اور اس کی ملحقہ دوکانوں کی تعمیر کے لیے ہی سرمایہ مہیا کرنا مشکل اور دشوار ہو رہا تھا چہ جائے کہ مدرسہ کی عمارت بنانا یا اس کی تعمیر کے لیے کوئی مالی امداد کرنا۔ منتظمین مسجد اس وقت تک صرف مسجد کی چھت ڈلوا سکے تھے، نہ پلستر ہوا تھا اور نہ ہی صحن پختہ بنا تھا، نہ وضو خانے اور پیشاب خانے بنے تھے۔ الغرض ان حالات میں بعض مخلص منتظمین انجمن مسجد نیوٹاؤن نے مدرسہ کی تعمیر کی پیش کش کو ایک امداد غیبی سمجھ کر منظور کر لیا اور سردست مسجد میں بیٹھ کر پڑھنے پڑھانے کی اجازت دے دی۔

صبر آزما اور حوصلہ شکن بے سروسامانی

حضرت مولانا رحمہ اللہ محض اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کر کے اپنے ایک رفیق غربت کہیے یا یارِ غار، استاذ محترم حضرت مولانا لطف اللہ صاحب مدظلہ العالی اور درجۂ تکمیل کے دس

ستم دیدہ، اذیت کشیدہ طلبا کے ساتھ جامع مسجد نیوٹاؤن میں منتقل ہو گئے، اُس وقت مسجد کے احاطہ میں صرف ٹین کی چھت کا ایک حجرہ تھا، اُسی حجرہ میں حضرت رحمہ اللہ اور استاذ محترم حضرت مولانا لطف اللہ صاحب مدظلہ نے اپنا مختصر سا سامان رکھ دیا اور رات کو سونے کے لیے اپنے ایک دیرینہ دوست حاجی محمد یعقوب صاحب (جو انتہا درجہ صالح دیندار اور حضرت رحمہ اللہ کے قدر شناس دوست تھے) کی کوٹھی پر جو مدرسہ سے چند فرلانگ کے فاصلے پر تھی، چلے جاتے تھے، اور طلبہ مسجد میں ہی دن کو پڑھتے اور مسجد میں ہی رات کو سوتے اور اپنا سامان خورد و نوش اور ضروری سامان بھی مسجد میں ہی رکھتے۔ مسجد اس وقت قطعاً غیر محفوظ اور ہر طرف سے کھلی ہوئی تھی طلبا، کے سامان کی حفاظت کا کوئی انتظام نہ تھا، وقتاً فوقتاً سامان چوری ہو جاتا۔ اسی ضرورت کے تحت موجودہ حجرہ کی پختہ چھت اور اس کے ساتھ ہی طلبہ کے لیے دوسرے حجرے کی تعمیر کے لیے خود حضرتؒ اپنے دوستوں سے تین سو روپے لائے اور منتظمین کو دیے، اور اس طرح دوسرا حجرہ بنا۔ سب سے بڑی مصیبت جو سوہان روح بنی ہوئی تھی، وہ یہ تھی کہ نہ مسجد کا کوئی غسل خانہ تھا، نہ بیت الخلاء اور نہ ہی پیشاب کرنے کے لیے کوئی محفوظ پیشاب خانہ تھا۔ صرف عارضی طور پر وضو کے لیے ٹوٹیاں لگی ہوئی تھیں اور بس۔ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ دن میں پیشاب یا رفع حاجت کے لیے ہر دو بزرگوں کو حاجی محمد یعقوب صاحب کے گھر پر جانا پڑتا تھا جو کافی دور تھا۔

ان جسمانی و روحانی تکالیف کے علاوہ سب سے بڑی روحانی تکلیف "ٹنڈو الٰہ یار"[1] میں اہل و عیال کی تنہائی کی تھی جو سوہان روح بنی ہوئی تھی۔ اس لیے کہ مولانا کے تشریف لانے کے بعد گھر پر کوئی مرد نہ تھا صرف عورتیں اور بچے تھے، کراچی میں اُس وقت اپنا ہی کوئی ٹھکانا نہ تھا، اہل و عیال کے لیے تو مکان کا سوال ہی پیدا نہیں ہو سکتا تھا۔ اُس

---

[1] یہ ضلع حیدرآباد سندھ میں ایک چھوٹا سا قصبہ ہے۔ پاکستان قائم ہونے کے بعد ہی بلند عزائم کے ساتھ وہاں ایک بڑا دار العلوم قائم کیا گیا تھا، حضرت بنوری مرحوم پہلے اسی دار العلوم میں بلائے گئے تھے۔ بعد میں وہاں سے تعلق منقطع کر کے آپ کراچی آئے تھے یا آنا پڑا تھا۔ (الفرقان)

زمانہ میں خادم کے ماموں مولانا عبدالحمید صاحب (جو حاجی سومار کی فیکٹری ٹنڈو اللہ یار میں امام و خطیب ہیں) خود بازار سے روزمرہ کی ضروریات خرید کر حضرت مولانا کے گھر پہونچا دیتے یا اپنے کسی شاگرد سے یہ خدمت لیتے۔ حضرت رحمہ اللہ مہینہ میں صرف ایک دفعہ ایک دو روز کے لیے تشریف لے جاتے اور شکر، چائے، صابن اور دیگر ضروری اشیاء ساتھ لے جاتے۔ ان دنوں آمد و رفت کی یہ آسانیاں میسر نہ تھیں، جو آج میسر ہیں۔ حیدر آباد سے میر پور خاص تک بڑی لائن نہ تھی حیدر آباد سے لازمی طور پر گاڑی تبدیل کرنی پڑتی تھی اور چھوٹی لائن کی گاڑی کے لیے بسا اوقات کئی کئی گھنٹے انتظار کرنا پڑتا اور شدید مشکلات سے دوچار ہونا پڑتا تھا۔ بسوں کا انتظام انتہا درجہ ناقص بلکہ نہ ہونے کے برابر تھا۔

حوصلہ شکن واقعہ

چنانچہ ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ کراچی سے حیدر آباد جانے والی گاڑی لیٹ ہو گئی اور حیدر آباد کافی تاخیر سے پہونچی جس کی وجہ سے حیدر آباد سے ٹنڈو اللہ یار جانے والی گاڑی نکل گئی۔ اب دوسری گاڑی کے لیے رات کے ایک بجے تک انتظار کرنا پڑا، سردی کا موسم تھا بارش ہو رہی تھی، ٹنڈو اللہ یار دو بجے کے بعد پہنچتے ہیں۔ اسٹیشن پر کوئی سواری بھی موجود نہیں ہے، اور بارش کی وجہ سے بجلی بھی فیل ہو چکی ہے، سخت اندھیرا پھیلا ہوا ہے اور کم از کم ایک من وزن ساتھ ہے اور گھر اسٹیشن سے کئی فرلانگ دور ہے اور سامان اٹھانے کے لیے قلی بھی نہیں ہے۔ اسی حالت میں حضرتؒ سامان سر پر اٹھا کر بارش، سردی اور اندھیرے میں گھر روانہ ہو جاتے ہیں، حضرت فرمایا کرتے تھے کہ اس رات کے شدائد نے ہمت توڑ دی اور اللہ جل شانہ سے فریاد کی اے اللہ اب میرے اندر مزید سختیاں برداشت کرنے کی ہمت نہیں رہی اب تو اپنی قدرت کاملہ سے کراچی میں مکان کا انتظام فرما دے۔

فرمایا کہ اس کے بعد جب کراچی واپسی ہوئی تو دیکھا کہ انجمن جامع مسجد کے منتظمین کو

اب خود ہی حضرتؒ کی تکالیف کا شدت کے ساتھ احساس ہو رہا ہے کہ مولانا کے لیے فوراً مکان بنانا چاہیے، یہ اللہ جل مجدہٗ کی جانب سے غیبی نصرت تھی، چنانچہ فرمایا کہ اس رات کے بعد صرف ایک مرتبہ ٹنڈو اللہ یار جانا ہوا اور وہ بھی گھر والوں کو اطلاع دینے کے لیے کہ کراچی چلنے کی تیاری کریں، دوسری مرتبہ تو ان کو لینے ہی کے لیے جانا ہوا۔

عظیم قربانی

اس ابتلائی دور میں اہل وعیال کا بغیر کسی ظاہری سہارے کے تنہا ٹنڈو اللہ یار میں رہنا ہی حضرت کے لیے کچھ کم تکلیف دہ نہ تھا، ابتلاء پر ابتلاء یہ پیش آیا کہ اسی عالم میں حضرت کی صاحبزادی مرحومہ فاطمہ بہن کی آنکھوں میں کوئی شدید تکلیف پیدا ہوئی ادھر حضرتؒ کراچی میں مدرسہ کے کاموں میں مصروف اور مشکلات میں سرگرداں، اُدھر مرحومہ اپنی والدہ محترمہ کے پاس ٹنڈو اللہ یار میں محبوس، نہ کوئی تیماردار اور نہ کوئی دوا، نہ علاج کرنے والا موجود، ایسی حالت میں ہسپتال لے جاکر مرض کی تشخیص کرانے کی طرف توجہ کون کرسکتا تھا، نتیجہ یہ نکلا کہ آنکھوں کی بینائی بالکل جاتی رہی، جب اہل خانہ کراچی منتقل ہوئے اور ماہرین چشم سے معائنہ کرایا گیا تو معلوم ہوا کہ بینائی بالکل جاتی رہی ہے اور علاج کے مرحلہ سے گزر چکی ہے اب ٹھیک ہونے کا بظاہر کوئی امکان نہیں۔

حضرتؒ کو مرحومہ سے اس کی دین داری، صلاح وتقویٰ اور معذوری وبے چارگی کی وجہ سے بے حد محبت تھی۔ رو رو کر فرماتے تھے کہ اس دینی مدرسہ کے لیے ہم نے اپنی عزیزہ لخت جگر کو بھی قربان کردیا، اللہ تعالیٰ ہماری قربانی قبول فرمائیں، اور جس عظیم مقصد کے لیے ہم نے اپنے آپ کو، اہل وعیال کو قربان کیا ہے اپنی رحمت سے اس مقصد میں ہمیں کامیاب فرمائیں۔

بہرحال استاذ محترم حضرت مولانا لطف اللہ صاحب مدظلہٗ چونکہ گھر سے خوشحال اور زمیندار تھے اس لیے بلا معاوضہ چار ماہ تک کام کرتے رہے، اس کے بعد فصل کی کٹائی کا زمانہ آگیا اور انھوں نے ایک ماہ کے لیے گھر جانے کی اجازت مانگی، حضرت مولانا رحمہ اللہ نے ہنس کر فرمایا کہ میں نے خواب دیکھا ہے کہ مدرسین کے لیے کچھ رقم میرے پاس آگئی ہے ذرا

انتظار کرو۔ مولانا لطف اللہ صاحب نے ہنس کر فرمایا، جی ہاں بلی کو خواب میں چھیچھڑے ہی نظر آتے ہیں، ایک گھنٹہ کے بعد حضرت مسکراتے ہوئے واپس تشریف لائے اور فرمایا: مولوی صاحب یہ چھیچھڑے آ گئے ہیں۔

مولانا لطف اللہ صاحب فرماتے ہیں کہ کسی شخص (غالباً حاجی وجیہ الدین مرحوم) نے مدرسہ کو چھ سو روپیہ چندہ بھیجا تھا۔ یہ مدرسہ کے مدرسین کے فنڈ میں پہلا چندہ تھا اس میں سے دو سو روپے مجھے بھی دیے اور میں چھٹی پر گھر گیا اور چھٹی کے بعد واپس آ گیا۔ بہرحال سال کے آخر تک مدرسہ کی حالت اچھی ہو گئی۔

بے مثل للّٰہیت

اخلاص و للّٰہیت میں حضرت رحمۃ اللہ کی شان عجیب تھی، وہ کام خود کرتے تھے مگر نام کے لیے ہمیشہ دوسروں کو آگے رکھتے، چنانچہ مدرسہ کے لیے تمام جد و جہد اور مشکلات کا مقابلہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ بنفس نفیس خود کرتے تھے مگر اس کے باوجود حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے حاجی محمد خلیل صاحب[1] رحمۃ اللہ علیہ کو (جو کہ جناب سید جمیل صاحب موجودہ سکریٹری انجمن جامع مسجد نیو ٹاؤن کے والد ماجد تھے اور سرتاپا پیکر اخلاص اور قرون اولیٰ کے مسلمانوں کا نمونہ تھے) مدرسہ عربیہ اسلامیہ کا مہتمم بنایا، اور حاجی محمد یعقوب کالیہ مرحوم کو (جو انتہائی دیندار اور خاص کر طلبۂ علوم دینیہ کی بے حد قدر کرتے تھے) مدرسہ کا خزانچی مقرر کیا۔ اور ایسے ہی دو چار دیندار حضرات کو ممبر بنا کر مدرسہ کی ایک مجلس منتظمہ قائم کر دی، اس کے باوجود مدرسہ کے اندرونی معاملات میں کسی کو دخیل ہونے کا موقع کبھی نہیں دیتے تھے، اور فرمایا کرتے تھے مدرسہ اور

---

[1] ان حاجی منشی محمد خلیل صاحب کا اصل وطن نمشور ضلع بجنور تھا، محکمہ ڈاک سے وابستہ تھے عمر کا بڑا حصہ لکھنؤ میں گزرا، رفیق محترم مولانا سید ابو الحسن علی ندوی کے والد ماجد مولانا حکیم سید عبد الحی حسنیؒ کے خاص رفیق اور گویا یار غار تھے، شرافت، نیکی اور خدا طلبی کا مجسمہ تھے، ملک کی تقسیم کے بعد پاکستان منتقل ہو گئے ـــــ اللہ تعالیٰ نے بڑی عمر عطا فرمائی۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ الابرار الصالحین ـــــ نعمانی

درس و تدریس کے امور صرف علماء راسخین سمجھتے ہیں، غیر عالم ان باریکیوں کو ہرگز نہیں سمجھ سکتے۔

مالیاتی نظام میں حیرت انگیز احتیاط

مدرسہ میں آنے والی رقوم اور ان کے خرچ کے سلسلہ میں حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی انتہائی احتیاط کوشی کی نظیر اس زمانے میں کسی بڑے یا چھوٹے مدرسہ یا دینی ادارہ میں نہیں ملتی۔ حاجی محمد یعقوب صاحب کالیہ مرحوم خازن مدرسہ کو حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے یہ ہدایت دی تھی کہ بنیادی طور پر مدرسہ کے دو فنڈ اور بینک میں دو علاحدہ علاحدہ اکاؤنٹ ہونے چاہئیں۔ ایک زکوٰۃ فنڈ، دوسرا غیر زکوٰۃ فنڈ اور دونوں فنڈ ایک دوسرے سے علاحدہ علاحدہ اس طرح رکھے جائیں کہ غلطی ہونے کا امکان باقی نہ رہے اور دونوں قسم کی رقوم حسب ذیل طریقہ پر خرچ کی جائیں۔

زکوٰۃ فنڈ جس میں زکوٰۃ کے علاوہ صدقہ فطر، نذر، کفارات اور دیگر صدقات واجبہ کی رقمیں بھی جمع کی جائیں، اس فنڈ کے متعلق تو یہ ہدایت تھی کہ اس کا روپیہ صرف مستحق طلبہ کو خورد و نوش اور عام ضروریات کے لیے مقررہ مقدار میں وظیفہ کے نام سے نقد دست بدست دیا جائے، طلبہ، مدرسہ سے ماہوار وظیفہ لے کر خوراک کی مقررہ قیمت مطبخ کے منتظم کے پاس جمع کرادیں، مدرسہ صرف اس کی نگرانی کرے۔ اس کے علاوہ اس فنڈ سے طلبہ کی دوسری ضروریات پوشاک یا موسم سرما میں لحاف اور دوا علاج وغیرہ کا انتظام کیا جائے۔

دوسری مد امدادی رقوم صرف اساتذہ و ملازمین کی تنخواہوں یا درسی ضروری کتابیں خریدنے پر خرچ کی جائیں اور اس میں بھی آپ کی احتیاط کا یہ عالم تھا کہ اس سے تعمیرات، غیر درسی کتب، بجلی کے پنکھے وغیرہ عمومی ضروریات پر خرچ نہیں فرماتے، بلکہ تعمیرات اور عمومی ضروریات مدرسہ کے لیے صرف اسی ضرورت کے نام سے جو رقوم آتیں وہ ہی ان میں صرف کی جاتیں۔

اس طرح طلبہ کی مد میں اگر کمی آئے تو بقدر گنجائش اساتذہ کرام کی مد سے پوری کی جاسکتی ہے، لیکن اگر اساتذہ کرام کی مد میں کمی آئے تو طلبہ کی مد سے ہرگز پوری نہ کی جائے ایسی صورت میں اللہ تعالیٰ سے دعا کی جائے کہ وہ اپنے خزانہ غیب سے ہماری ضروریات

پوری کرنے کے لیے رقوم بھیجدے۔ اس سلسلہ میں مذکورہ ذیل چند واقعات جو مدرسہ کی چوبیس سالہ تاریخ میں پیش آئے ہیں قابل ذکر ہیں۔

(۱) آغاز مدرسہ کے دوسرے سال مدرسہ کی حالت زکوٰۃ فنڈ میں قابل اطمینان ہوگئی۔ ایک مرتبہ زکوٰۃ فنڈ میں تیکیس ہزار روپیہ جمع تھا مگر غیر زکوٰۃ فنڈ خالی تھا۔ جب تنخواہیں دینے کا وقت آیا تو خازن مدرسہ نے حضرت مولانا سے عرض کیا کہ مدرسین کی تنخواہوں کے لیے کچھ نہیں ہے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ زکوٰۃ فنڈ میں سے قرض لے کر مدرسین کی تنخواہیں ادا کردی جائیں۔

آپ نے فرمایا ہرگز نہیں اور فرمایا اس قرض کی ادائے گی کا کون ذمہ دار ہوگا؟ موت وزندگی کا کچھ بھروسہ نہیں اگر اس حالت میں موت آگئی تو یہ قرض کون ادا کرے گا؟ میں مدرسین کی آسائش کے لیے دوزخ کا ایندھن نہیں بننا چاہتا مدرسین کو صبر کرنا چاہیے اور دعا کرنی چاہیے کہ ان کے فنڈ میں اللہ تبارک وتعالیٰ کچھ بھیجدیں، اور جو مدرس صبر نہیں کرسکتا اس کو اختیار ہے کہ مدرسہ چھوڑ کر چلا جائے۔

(۲) اس سے قبل ایک موقعہ پر غلطی سے زکوٰۃ کی رقم سے خازن موصوف نے حضرت مولانا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے علم میں لائے بغیر رقم قرض لے کر مشاہرات میں لگادی۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے علم میں جب یہ بات آئی تو انتہائی غصہ اور جلال میں آکر خازن سے فرمایا ـــــ کہ اس کا ذمہ دار میں نہیں ہوں، آپ کو جہنم میں جانا پڑے گا، اور جلد از جلد اس غلطی کی تلافی اور تدارک کا حکم فرمایا۔ اور فرمایا جب تک یہ رقم ادا نہ کردی جائے اس وقت تک میں تنخواہ نہیں لوں گا۔

چنانچہ الحمد للہ جلد ہی اللہ تعالیٰ کے فضل سے یہ قرض ادا ہوگیا اور آئندہ ماہ وقت پر تنخواہیں تقسیم ہوئیں۔

(۳) اس ابتدائی دور میں ایک بار ایسا ہوا کہ ایک مرتبہ مدرسہ کے خزانہ میں مشاہرات کی مد میں کچھ نہیں تھا مگر زکوٰۃ فنڈ میں رقم موجود تھی۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے اس کا ذکر کیا گیا۔ تو فرمایا کہ جب تک مشاہرہ کی مد میں رقم نہ آئے گی مدرسین کو تنخواہ نہیں ملے گی۔ جناب

حاجی محمد صدیق صاحب میمن صدر انجمن جامع مسجد نیوٹاؤن بھی اس مجلس میں موجود تھے، وہ بولے مولانا! کیا زکوٰۃ سے تنخواہ دینا جائز نہیں؟ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ زکوٰۃ سے تنخواہ دینا جائز نہیں، پھر فرمایا کہ کیا زکوٰۃ سے تم اپنے ملازمین کو تنخواہ دے سکتے ہو؟ انھوں نے کہا نہیں، آپ نے فرمایا تو پھر مدرسہ کے ملازمین کی تنخواہیں زکوٰۃ سے کیسے دی جاسکتی ہیں؟ یہ سن کر وہ چلے گئے اور تھوڑی دیر کے بعد پانچ ہزار روپے کی رقم لاکر خدمت میں پیش کی اور عرض کیا کہ یہ زکوٰۃ کے پیسے نہیں ہیں آپ تنخواہ دے دیجیے۔

مالِ زکوٰۃ کے متعلق حضرت کا نظریہ

جب کوئی صاحب غیر زکوٰۃ دینے کو آتا تو حضرت مولانا نے اس پر کبھی خوشی کا اظہار نہیں کیا اور فرمایا کہ زکوٰۃ تو وہ غسالہ مال ہے جس پر اگلی امتوں میں آسمان سے آگ اترتی تھی اور جلا ڈالتی تھی، میرے مدرسہ کے مدرسین کے لیے غیر زکوٰۃ اگر کچھ دے سکتے ہو تو دو۔ اسی لیے حضرت رحمۃ اللہ علیہ غیر زکوٰۃ کی رقم دینے والوں کی خواہ وہ تھوڑی ہی کیوں نہ ہو قدر فرماتے تھے۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ آپ کے مزاج شناس مخلص ارباب اموال ہمیشہ جتنی رقم زکوٰۃ کی پیش کرتے اتنی ہی رقم غیر زکوٰۃ بھی پیش کرتے۔

عموماً زکوٰۃ کی رقم ایک سال کے مصارفِ زکوٰۃ سے زیادہ زکوٰۃ فنڈ میں جمع نہ ہونے دیتے، اگر سال بھر کے مصارفِ زکوٰۃ کے بقدر رقم موجود ہوتی تو عموماً واپس کردیتے دینے والے اصرار کرتے اور کہتے آپ لے کر کسی دوسرے مدرسہ کو دے دیجیے، تو حضرت فرماتے کہ یہ کام خود کرو مجھے کیوں درمیان میں ڈالتے ہو اور کبھی لے کر کسی ایسے مدرسہ کو دے دیتے جن کے اربابِ اہتمام کے متعلق آپ کو ذاتی طور پر علم ہوتا کہ وہ زکوٰۃ کا مال خرچ کرنے میں احتیاط برتتے ہیں۔ اس طرح متعدد مدرسوں کو آپ کے واسطے سے ہزاروں روپے بمد زکوٰۃ ہر سال پہنچتے تھے یہی وجہ ہے کہ مدرسہ کی پوری تاریخ میں کبھی حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے حیلہ تملیک نہیں فرمایا حالانکہ فقہی اعتبار سے اگرچہ صحیح حیلہ تملیک کے جواز میں کوئی شک نہیں مگر حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا ذوق ہمیشہ اس کو ناپسند کرتا تھا۔ اس لیے یوم تاسیس سے لے کر یوم وفات تک ایک

مرتبہ بھی آپ نے زکوٰۃ کی رقم حیلہ تملیک کے ذریعہ غیر زکوٰۃ کی مد میں صرف نہیں کی۔

فرمایا کرتے تھے کہ زکوٰۃ کی رقم صرف زکوٰۃ کے مصارف میں ہی خرچ ہونی چاہیئے جس کا ذکر اوپر آچکا ہے، غیر زکوٰۃ کے مصارف کے لیے عطیات اور غیر زکوٰۃ کی امدادی رقوم آنی ضروری ہیں اس اصول پر کاربند رہنا آسان کام نہ تھا، خصوصًا ابتدائی دور میں، مگر حضرت رحمۃ اللہ علیہ جیسی متوکل اور اولوالعزم ہستی نے روز اوّل سے لے کر آخر تک اس اصول کو اپنائے رکھا اور کبھی اس سے انحراف نہیں فرمایا نیز حضرت رحمۃ اللہ علیہ ہمیشہ فرمایا کرتے تھے کہ مدرسہ عربیہ اسلامیہ کے اساتذہ اور ملازمین کو اللہ تعالیٰ کے اس احسان وانعام کی قدر کرنی چاہیے کہ ان کو حق الخدمت کے عوض میں غیر زکوٰۃ کا پاکیزہ مال ملتا ہے وہ بھی ایسے مخلصین کی طرف سے جو اپنا نام تک ظاہر کرنا پسند نہیں کرتے اور "لا تعلم شمالہ ما تنفق یمینہ" کا مصداق ہیں۔

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے اخلاص اور توکل علی اللہ کی برکت سے اللہ پاک اپنے خزانۂ غیب سے مدرسہ کی امداد فرماتے تھے اور لوگوں کے دلوں میں مدرسہ عربیہ اسلامیہ کی امداد کا جذبہ اور شوق پیدا فرما دیتے تھے اور آپ سے آپ احباب و مخلصین نہایت اخلاص و ذوق و شوق کے ساتھ پوشیدہ طور پر نام و نمود اور شہرت کی خواہش کے بغیر حضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر عطیات پیش کرتے تھے۔ اور بتاکید عرض کرتے تھے کہ ہمارا نام ظاہر نہ کیا جائے۔ بہت سے اللہ کے بندے ایسے تھے جو کہ اس سے پہلے مولاناؒ کو جانتے بھی نہ تھے مگر خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرتے کہ ہمیں خواب میں یہ حکم ملا ہے کہ جاؤ مدرسہ کی امداد کرو اور جو رقم لاتے تھے پیش کر دیتے۔ اور ایسے خواب حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ سے محبت و عقیدت کا سبب بنے، اور اس کے بعد بڑی بڑی رقمیں مدرسہ کی امداد کے لیے پیش کیں اور نام تک ظاہر کرنے کو گوارہ نہیں کیا۔

اس کے برعکس بسا اوقات بعض احباب نے مدرسہ کی مالی امداد کی اور حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ اپنے نور بصیرت سے سمجھ گئے کہ یہ مدح و ثنا کے منتظر ہیں۔ تو آپ نے فرمایا کہ تم نے ہم پر کوئی احسان نہیں کیا بلکہ خود تمھیں ہمارا ممنون ہونا چاہیے کہ صحیح مصرف میں تمھاری رقم صرف

کر رہے ہیں۔ اور زکوٰۃ دینے والوں سے فرمایا کرتے تھے، ہم یہ ہرگز گوارا نہیں کرتے کہ تم اللہ کی راہ میں مال خرچ کر کے جنت میں جاؤ، اور ہم اس مال کو بے محل خرچ کر کے جہنم میں جائیں بلکہ ہم تو تمھاری دی ہوئی رقم کو اس کے صحیح مصرف میں جلد از جلد خرچ کر کے تم سے پہلے جنت میں جانا چاہتے ہیں، باوجودیکہ مدرسہ کی آمدنی کا کوئی مستقل ذریعہ نہ تھا مگر حضرت کے حسن عمل اور اخلاص کی برکت سے ابتدائی ایک دو برس کے علاوہ کبھی بھی کسی شعبہ میں تنگی پیش نہیں آئی۔ اللہ پاک نے غیب کے خزانے آپ کے لیے کھول دیے تھے مدرسہ کے مختلف شعبوں خاص کر تعمیرات پر لاکھوں روپے خرچ ہوتے رہتے تھے اور کوئی نہیں جانتا تھا کہ یہ روپیہ کہاں سے آتا ہے۔

ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ غیر ملکی طلباء کی ضروریات کے پیش نظر فوری طور سے وسطانی حصہ کی دوسری منزل کے دارالاقامہ کا مسئلہ درپیش تھا اور تعمیری فنڈ میں رقم موجود نہ تھی اور لاگت کا تخمینہ پونے تین لاکھ تھا۔ اسی دوران حضرت مولانا کے احباب میں سے ایک صاحب حاضر خدمت ہوئے اور ان کے ساتھ ایک اور اجنبی صاحب بھی تھے۔ باتوں باتوں میں تذکرہ ہوا، دوسرے روز وہ اجنبی صاحب صبح صبح دولت کدہ پر تشریف لاتے ہیں، دروازہ کھٹکھٹاتے ہیں۔ بھائی خالد احمد بنوری دروازہ پر جا کر دیکھتے ہیں اور آ کر بتاتے ہیں کہ ایک غریب قسم کا آدمی کھڑا ہے اور ملنا چاہتا ہے۔ حضرت مولانا نے اندر آنے کے لیے فرمایا تو ان صاحب نے پتلون کی جیب میں سے نکال کر پینسٹھ ہزار روپیہ تعمیری فنڈ میں دیا، اور دوسرے روز مزید رقم لانے کا وعدہ کیا۔ چنانچہ دوسرے روز سوا دو لاکھ کی رقم خدمت میں پیش کی اور اس طرح دارالاقامہ کی تعمیر کی فوری ضرورت اللہ تعالیٰ نے پوری فرما دی۔ اس کے بعد تو ان صاحب کو حضرت مولانا کے ساتھ ایسی والہانہ عقیدت پیدا ہوئی جو بیان سے باہر ہے۔

چنانچہ حضرت مولانا فرمایا کرتے تھے کہ ہمیں دو باتوں پر کامل یقین ہے اور اسی پر ہمارا ایمان ہے ایک تو یہ کہ مال و دولت کے تمام خزانے اللہ تعالےٰ کے قبضہ میں ہیں۔ اور دوسرا یہ کہ اولاد آدم کے قلوب بھی اللہ کے ہاتھ میں ہیں اگر ہم اخلاص کے ساتھ صحیح کام کریں گے تو اللہ تعالیٰ بندوں کے قلوب خود بخود ہماری طرف متوجہ کر کے اپنے خزانوں سے ہماری مدد

کرے گا۔ ہمیں کسی انسان کی خوشامد کی ضرورت نہیں ہے۔ لہذا جو ضرورت ہمیں پیش آتی ہے ہم اللہ تعالیٰ سے کہتے اور مانگتے ہیں، وہ ایسی جگہ سے ہماری ضرورت کو پوری کرتا ہے جہاں ہمارا گمان بھی نہیں ہوتا، پھر ہم کیوں کسی انسان کے سامنے ہاتھ پھیلائیں یا خوشامد کریں۔ اسی تعلق مع اللہ کے غلبہ کی بناء پر فرمایا کرتے تھے کہ مجھے تو سیدنا حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے یہ کلمات بے انتہا پسند ہیں اور اسی پر میرا عمل ہے۔ "اَسْمَعْتُ مَنْ نَاجَيْتُ" واقعہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پچھلی رات میں اُٹھ کر اپنے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی حالتِ عبادت کا جائزہ لیا۔ سیدنا حضرت صدیق اکبر سیدنا فاروق اعظم اور سیدنا حضرت بلال وغیرہ رضی اللہ عنہم کو عبادت کرتے دیکھا ہر ایک کی شانِ عبادت دوسرے سے مختلف تھی ——— حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھا کہ نماز میں نہایت آہستہ آواز میں قرآن کریم پڑھ رہے ہیں۔ صبح کو صدیق اکبرؓ سے دریافت کیا کہ آپ آہستہ آہستہ کیوں پڑھ رہے تھے؟ انھوں نے عرض کیا "اَسْمَعْتُ مَنْ نَاجَيْتُ" جس سے سرگوشی کر رہا تھا اُسی کو سُنا رہا تھا۔ تو ہمارے حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ جس کے لیے ہم یہ سب کچھ کر رہے ہیں اُسی کو ہم اپنا حال سناتے ہیں کسی اور سے ہمیں کیا واسطہ، یہی نصرتِ خداوندی پر پختہ یقین و اعتماد، اور شہرت سے بیزاری اور نفرت اس کا باعث بنی کہ موصوف نے زمانے میں شہرت، اور پروپیگنڈے کے جتنے وسائل ہیں اُن سے نہ صرف احتراز فرمایا بلکہ ان کو روحِ اخلاص اور للہیت کے قطعی منافی سمجھا۔

چنانچہ کبھی فارغ التحصیل طلباء کی دستار بندی، اور تقسیم اسناد کے نام سے، اور نہ بخاری شریف کے ختم کے نام سے کبھی کوئی سالانہ، غیر سالانہ جلسہ کیا، اور نہ ہی کوئی مدرسہ کی روئیداد یا چندہ دہندگان کی فہرست شائع کی، اور نہ کوئی اشتہار، نہ چندہ کی اپیل شائع کی۔ نہ کوئی مدرسہ کا سفیر یا محصل مقرر کیا۔

فرمایا کرتے تھے کہ ہم نے جس کے لیے مدرسہ قائم کیا ہے اس کو سب کچھ معلوم ہے وہ خود ہی جب اور جس طرح چاہے گا اسباب و وسائل پیدا فرما دے گا، نیز فرماتے تھے کہ ہم تو صرف صحیح کام کرنے کے ہی مکلف ہیں۔ اگر صحیح طریق پر مدرسہ نہ چلا سکیں گے تو بند کر دیں گے

ہم کوئی دین کے ٹھیکیدار نہیں ہیں کہ صحیح یا غیر صحیح جائز یا ناجائز جس طرح بھی ممکن ہو مدرسہ جاری رکھیں، ہم تو غیر صحیح اور ناجائز ذرائع اختیار کرنے کی بہ نسبت مدرسہ کو بند کر دینا بہتر بلکہ آخرت کی مسئولیت کے اعتبار سے ضروری سمجھتے ہیں۔

صبر آزما اُصول اور انتہائی ورع اور احتیاط

مدرسہ کے مالیاتی نظام میں مصارف کے اصول تو آپ پڑھ ہی چکے ہیں کہ غیر زکوٰۃ کی تمام رقوم بھی صرف اساتذہ اور ملازمین کی تنخواہوں اور اہم درسی ضروریات میں صرف ہوں گی۔ اس کے علاوہ ہر مد کے لیے جب تک اسی کے نام سے رقم نہ آئے گی اس پر خرچ نہ ہو گی۔ اسی لیے عام آسائش کا سامان مثلاً درس گاہوں میں بجلی کے پنکھے، باہر بیٹھنے کے لیے کرسیاں صوفے، فرش پر بچھانے کے لیے قالین وغیرہ بھی عام عطیات کی مد سے نہیں خریدے گئے، جیسا کہ پہلے معلوم ہو چکا ہے۔

ابتدائی دور میں عصر کے بعد حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں اساتذہ و احباب ملاقات کے لیے آتے تو آپ کے ہمراہ باہر چارپائیوں پر ہی بیٹھتے تھے۔ بسا اوقات چارپائیاں ناکافی ہوتیں یہ صورت حال دیکھ کر ایک صاحبِ خیر نے دو تین بنچیں مدرسہ کے لیے بنوائیں اسی زمانہ میں واقعہ یہ ہوا کہ حکومتِ کویت نے عربی زبان سکھانے کے لیے اسی علاقہ میں ایک عربی اسکول قائم کیا تھا، بعد میں اُس کو چنداں مفید و مثمر نہ ہونے کے باعث بند کر دیا گیا۔ اسکول کے ارباب اہتمام اور حکومت کویت کے نمائندوں کے سامنے اس اسکول کا سامان یعنی ڈیسکوں، صوفوں، کرسیوں اور پنکھوں وغیرہ کا مسئلہ درپیش تھا، اسی کشمکش و تذبذب میں وہ حضرات حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات کے لیے مدرسے میں تشریف لائے۔ مدرسہ دیکھا بہت خوش ہوئے۔ ایک حجرہ میں جہاں آپ تشریف فرما تھے ان حضرات سے ملاقات کی اور انھی بنچوں پر ان کو بٹھایا۔

گرمی کا زمانہ تھا حجرہ میں پنکھا بھی نہ تھا، ان حضرات نے مدرسہ کی کارکردگی اور مستقبل میں حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے عزائم سن کر بے ساختہ بند شدہ اسکول کے سامان کو مدرسہ کے لیے

دینے کی پیش کش کی۔

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو غیبی امداد سمجھ کر قبول فرمایا۔ اور اس طرح مدرسہ کو کثیر تعداد میں، کرسیاں، ڈیسک، درس گاہوں کے لیے بجلی کے پنکھے، دفتر کے لیے صوفے اللہ پاک نے پہنچا دیے۔ یہ پہلا سامانِ آسائش و رفاہیت تھا جو مدرسہ کو میسر آیا۔ اس کے بعد یہ دروازہ کھل گیا اور حضرت مولانا کے خوشحال احباب آتے اور جس چیز کی کمی محسوس کرتے اسی کو مہیا کر دیتے۔ اسی طرح کتب خانے، اور دارالتصنیف کی تمام قیمتی اور شاندار الماریاں، پنکھے اور گھنٹے دارالحدیث کے عظیم الشان ہال کا فرش، بجلی کے پنکھے اللہ پاک نے مدرسہ کو عطا فرمائے۔

اسی صورتِ حال کے ابتدائی دور کا واقعہ ہے کہ دفتر مدرسہ میں پنکھے نہ لگے تھے، گرمی کا موسم تھا ایک دن دفتر میں آپ تشریف فرما تھے حاجی یعقوب صاحب مرحوم مدرسہ کے خازن بھی کسی کام سے آئے یہ دیکھ کر کہ دفتر میں پنکھا نہیں ہے کہنے لگے کہ غیر زکوٰۃ فنڈ سے دفتر کے لیے بھی ایک پنکھا خرید لیا جائے۔ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ حاجی صاحب نصف رقم میں اپنی جیب سے دیتا ہوں، اور نصف آپ دیں دفتر کے لیے پنکھا آجائے گا۔

مطلب یہ تھا کہ ہمارے اصول کے مطابق اسی نام سے جب تک رقم نہ آئے پنکھا نہیں آسکتا۔ اتفاق سے اس وقت مولانا کے ایک مخلص دوست بھی موجود تھے انھوں نے موقع دیکھ کر عرض کیا کہ یہ سعادت مجھے حاصل کرنے کی اجازت دیجیے کہ پنکھا دفتر کے لیے خرید لاؤں۔ اس طرح کے صدہا واقعات ہیں کہ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ سے واقف احباب خود آکر مختلف ضروریات کے نہ ہونے کا احساس کرتے اور اسے مہیا کرتے اور اس کو اپنے لیے سرمایۂ سعادت سمجھتے تھے۔

ایک اور عجیب و غریب اصول یہ بھی تھا کہ مدرسہ کے مالیاتی خطہ میں مہمانوں کے لیے کوئی کھاتہ نہ تھا مہمانوں کے مصارف حضرت خود ادا فرماتے، اور اسی طرح ڈاک کا خرچ بھی کبھی مدرسہ سے نہیں لیا۔ فرمایا کرتے کہ ہم نے یہ سب راستے بند کر دیے ہیں اسی طرح تفرقات اور کرایہ آمد و رفت کی بھی کوئی مد نہ تھی۔ مدرسہ عربیہ اسلامیہ کا ایک پیسہ بھی ان مدات میں خرچ نہیں ہوتا تھا، بلکہ ان ناموں سے مدرسہ میں کوئی مد ہی نہیں۔ کرایہ آمد و رفت کی سبیل یہ نکال رکھی تھی کہ جب بھی

مدرسہ کی کسی ضرورت سے کہیں جانا ہوتا، تو اپنا کوئی نہ کوئی ذاتی کام اسی کے ذیل میں نکال لیتے اور اپنے کام کو اصلی اور مدرسہ کے کام کو ضمنی بنا کر اپنی جیب خاص سے کرایہ ادا کرتے، اسی لیے حضرت والا نے مدرسہ کی کوئی کار نہیں خریدی، کہ کار کی قیمت، پٹرول کی قیمت، ڈرائیور کی تنخواہ کا بار مدرسہ پر پڑے گا اور اپنے یا دوسروں کے استعمال میں بے احتیاطی ہونا ناگزیر ہے، اس سے بچنا ناممکن ہے، حالانکہ اگر حضرت علیہ الرحمہ چاہتے تو ایک اشارہ پر بیسیوں گاڑیاں مدرسہ کے لیے مفت مل سکتی تھیں۔

بعض مخلصین نے مدرسہ کے لیے گاڑی دینے کی پیش کش کی تو حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے منظور نہیں فرمایا۔ بسا اوقات بعض احباب اصرار کرتے اور مختلف عنوانات سے اس کی ضرورت اور اہمیت ثابت کرتے تو حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ ہنس کر فرماتے یہ جتنی ٹیکسیاں بازاروں میں چل رہی ہیں اور ہر وقت مہیا ہیں، ہماری ہی تو ہیں جب چاہو بلالو ٹیکسی حاضر ہے پھر ہمیں مدرسہ کے لیے گاڑی خرید کر آخرت کی مسئولیت اپنے ذمہ لینے کی کیا ضرورت ہے؟ نیز فرمایا کرتے تھے کہ ہم تو چاہتے ہیں کہ گاڑی بھی مفت اور ڈرائیور بھی مفت ملے۔

چنانچہ آخری زمانہ میں اللہ تعالیٰ نے حضرت مولانا کی اس خواہش کو بھی پورا فرما دیا تھا کہ بعض مخلصین ضرورت کے وقت اپنی گاڑی لاکر خود ڈرائیوری کے فرائض انجام دیتے اور حضرت کی اس خدمت کو اپنے لیے انتہائی سعادت محسوس کیا کرتے تھے۔

طلبہ کی تربیت اور اہمیت

مدرسہ کے مختلف شعبوں کا تفصیلی ذکر کرنے سے قبل اس کا ذکر کرنا بھی ضروری ہے کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ تعلیم کے ساتھ تربیت کی ضرورت پر بہت زور دیتے تھے۔ فرمایا کرتے تھے کہ اساتذہ کرام جس طرح کتاب پڑھانے کو اپنی ذمہ داری سمجھتے ہیں اسی طرح طلبہ کی صحیح تربیت کی طرف بھی ان کو توجہ کرنا ضروری ہے۔ اور درس میں اخلاقی و عملی حالت سنوارنے کے بارے میں بیان کرتے رہنا چاہیے۔ نیز فرمایا کرتے تھے کہ اصل چیز عمل و اخلاق ہیں اس کے بغیر علم بیکار ہے۔

نیز فرمایا کرتے تھے کہ ایک غبی دیندار طالب علم برداشت کیا جا سکتا ہے مگر ذکی بے دین ہرگز برداشت کے قابل نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ طلبہ کی اخلاقی حالت سنوارنے اور عملی زندگی درست کرنے کے لیے سخت قوانین بنائے گئے اور ان پر سختی سے عمل درآمد کرایا جاتا ہے۔

نماز باجماعت کا بہت ہی اہتمام کرایا جاتا ہے۔ صبح کی نماز کے لیے اذانِ فجر کے فوراً بعد ناظمین دارالاقامہ طلبہ کو نماز کے لیے اٹھاتے ہیں۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو جب تک گھٹنوں کی تکلیف نہ تھی اور سیڑھیوں پر چڑھنے میں دقت نہ ہوتی تھی تو اکثر و بیشتر خود کمروں میں جاکر طلبہ کو اٹھاتے تھے اور اذان کے بعد جس کو سوتا ہوا پاتے تو سخت غصہ ہوتے اور ایسے طالب علموں کو سخت تنبیہ فرماتے۔

فرماتے تھے کہ جب صبح نماز کے لیے گھر سے نکلتا ہوں اور وضو خانے اور مسجد میں طلبہ کو زیادہ تعداد میں دیکھتا ہوں تو خوشی ہوتی ہے لیکن اگر کبھی اس کے برعکس دیکھتا ہوں تو سخت افسوس ہوتا ہے اور "انا للہ وانا الیہ راجعون" پڑھتا ہوں اور معذوری کے باوجود جی چاہتا ہے کہ کمروں میں جاکر سستی کرنے والوں کو خوب ماروں۔

نیز حضرت رحمۃ اللہ علیہ ہمیشہ طلبہ پر زور دیتے تھے کہ علم کو حصول دنیا کی نیت سے ہرگز نہ پڑھا جائے اور تعلیمی سال کے آغاز میں تمام طلبہ کو جمع کرکے تصحیح نیت کے لیے حضرت رحمۃ اللہ علیہ خطاب فرماتے اور طلبہ سے عہد لیتے اور علم دین کے فضائل بیان کرکے فرماتے کہ جب یہ علوم نبوت ہیں تو پھر رضائے الٰہی کے لیے حاصل کرو، اور انبیائے کرام علیہم السلام کے نقش قدم پر چلتے ہوئے یہ عزم کرو۔ "اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلَی اللّٰہِ" اور جب یہ انبیائے کرام کے علوم ہیں تو اس راستے میں تکلیفوں اور مشقتوں کے لیے بھی تیار رہنا چاہیے۔

فرماتے تھے کہ ہم نے یہ مدرسہ اللہ تعالیٰ کے لیے بنایا ہے، ہم چاہتے ہیں کہ طلبہ علم دین صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے حاصل کریں، اور اگر دنیا کا کوئی مقصد ہے، چاہے وہ سند حاصل کرنا ہو یا کوئی منصب ہو، یا شہرت وغیرہ کوئی اور مقصد ہو، خدا کے لیے وہ طالب علم یہاں سے چلا جائے۔ اور اگر یہاں رہنا ہے تو دین کا سپاہی بننے کا عزم کرے۔ اور ہاتھ اٹھا کر طلبہ سے اس بات پر عہد لیتے اور فرماتے کہ ہم تکثیر سواد کے خواہش مند نہیں ہیں ہم چاہتے ہیں کہ کام

کے آدمی آئیں اگرچہ کم ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ امتحانِ داخلہ میں ان تمام امور کا لحاظ رکھتے ہوئے کافی سختی کی جاتی ہے۔ اور بیشمار داخلہ کے خواہش مند طلبہ میں سے چند طلبہ کو کامیاب قرار دے کر ان کا داخلہ منظور کیا جاتا ہے۔ آج کل عام طور سے اس خیال کا اظہار کیا جاتا ہے کہ دینی مدارس کے طلبہ کو کوئی ہنر بھی سکھانا چاہیے۔ تاکہ فارغ ہونے کے بعد طلبہ معاشی بدحالی کا شکار نہ ہوں۔ اور تجدد پسند لوگوں کی طرف سے اس کا بڑا چرچا ہوتا ہے کہ علماء کو معاشی اعتبار سے باعزت مقام دیا جائے۔

ایک مرتبہ چیف اڈمنسٹریٹر محکمہ اوقاف مسعود صاحب مدرسہ میں تشریف لائے اور اپنے اس خیال کا اظہار کیا کہ طلبہ کو کوئی ہنر بھی سکھایا جانا چاہیے۔

تو اس پر حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ہم تو اس حصول معاش کے تصور ہی کو ختم کرنا چاہتے ہیں۔ اور ہم تو چاہتے ہیں کہ طالب علم صرف اللہ تعالیٰ کے دین کا سپاہی بنے اس کے سوا زندگی کا کوئی مقصد اس کے حاشیۂ خیال میں بھی نہ ہو، اور اللہ تعالیٰ پر اس کا یقین و اعتماد ہو کہ معاش کی فکر کے بغیر اللہ تعالیٰ کے دین کی خدمت کرے۔

ادارہ کا نام اب جامعۃ العلوم الاسلامیہ ہے منظور بالا میں جس طرح تفصیل کے ساتھ یہ چیز آگئی کہ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ زمانۂ حال کے پروپیگنڈے کی دنیا سے ہٹ کر خاموشی کے ساتھ دین کی سربلندی کے لیے کام کر رہے تھے۔ اس لیے فرمایا کرتے تھے کہ اگر ادارے کا نام رکھے بغیر کام چلتا تو قطعاً نام نہ رکھتے، مگر چونکہ یہ ممکن نہ تھا اس لیے ابتداء میں صرف "مدرسہ عربیہ" نام رکھا تھا۔ اتفاق سے یہی نام حکومت کویت کے تعاون سے چلنے والے کراچی کے ایک اسکول (مدرسہ) کا بھی تھا، جس میں عربی زبان سکھائی جاتی تھی (اس کا ذکر اوپر آچکا ہے) اور وہ بھی اسی علاقہ میں واقع تھا۔ ایک ہی علاقہ میں، ایک ہی نام سے دو مدرسوں کے واقع ہونے کی وجہ سے ڈاک اور دیگر امور میں بڑا اشتباہ واقع ہو رہا تھا۔ یہاں کی ڈاک وہاں اور وہاں کی ڈاک یہاں آجاتی تھی۔ اس لیے اس سردردی سے بچنے کے لیے نام میں "اسلامیہ" کا اضافہ کردیا گیا اور پورا نام "مدرسہ عربیہ اسلامیہ" تجویز ہوا، اور بیس سال سے زیادہ عرصہ تک یہی نام رہا حالانکہ جدید

اصطلاح کی رو سے یہ دینی معہد "مدرسہ" نہیں رہا۔ بلکہ اس نے ایک عظیم جامعہ (یونیورسٹی) کی شکل اختیار کر لی ہے۔

چنانچہ ایک مرتبہ شیخ الازہر جناب شیخ عبد الحلیم محمود نے مدرسہ میں تشریف آوری کے موقع پر تمام شعبوں خصوصاً تخصصات کی کارکردگی کو ملاحظہ کر کے فرمایا کہ یہ مدرسہ نہیں بلکہ ایک عظیم "جامعہ" ہے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں بار بار اصرار کے ساتھ درخواست پیش کی گئی کہ نام تبدیل کر لینا چاہیے، مگر حضرتؒ اس پر آمادہ نہ تھے، حالانکہ نام کی وجہ سے ادارہ کو بیرونی ممالک میں خصوصیت کے ساتھ نقصان پہنچ رہا تھا اس کے باوجود بھی حضرت رحمۃ اللہ علیہ نام کی تبدیلی کے لیے تیار نہ تھے، اور فرمایا کرتے تھے کہ اصل چیز کام ہے نام نہیں جس کے لیے ہم نے بنایا ہے وہ رب کچھ جانتا ہے اور لوگ اگر اس کو مدرسہ (پرائمری) سمجھتے ہیں تو کیا حرج ہے؟

مدرسہ کی مجالس تعلیمی و انتظامی نے ایک مرتبہ بیٹھ کر متفقہ طور پر تبدیلیٔ نام کا فیصلہ کیا اور بہت ہی مشکل سے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو منایا، اور طویل عرصہ کے بعد ادارے کا نام "جامعۃ العلوم الاسلامیہ" رکھ دیا گیا۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے "معلومات عن جامعۃ العلوم الاسلامیۃ" کی تقدیم میں تحریر فرمایا ہے۔ "ومما هو جدير بالذكر انی کنت اردت ان یکون هذا المعهد بهذه الخصائص وان کان هو شبه جامعة علمية ولا يكون مقصوراً على حظ ضئيل من العلم غير انی وددت ان التواضع فی تسمية المعهد بان يكون بعيدا من الفخفخة والتبجح فسميته فی البدء "المدرسة العربية" ولو كان العمل ممكنا بغير اسم ما سميته باسم الخ" ص

آپ پڑھ چکے ہیں کہ ابتدا میں نہایت ہی بے سروسامانی کا عالم رہا، مگر حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے اخلاص و تعلق مع اللہ کی برکت سے قلیل عرصہ میں معنوی خوبیوں کے ساتھ ظاہری محاسن میں بھی اوج کمال تک پہنچا۔ اب اللہ تعالیٰ کا کرم ہے اور حضرت مولانا کے غلبۂ اخلاص کی برکت کا نتیجہ ہے کہ آج مدرسہ کی شاندار عمارت موجود ہے۔ تمام درجات کے لیے درس گاہیں اور اساتذہ و طلبہ کے لیے رہائش گاہیں (دار الاقامہ) جن میں ہر قسم کی

جدید ضروریات، مثلاً پانی، بجلی اور پنکھے، پانی ٹھنڈا کرنے کے کولر اور گیس کے چولھے دستیاب ہیں۔

اور "تحفیظ القرآن" سے لے کر تخصصات تک کی تعلیم کا نہایت اعلیٰ انتظام موجود ہے اور اللہ نے اس دینی مرکز کو حضرت مولانا علیہ الرحمۃ کے اخلاص کی برکت سے وہ مقبولیت عطا فرمائی کہ جس کی نظیر مشکل سے ملے گی۔ "ثُمَّ يُوضَعُ لَهُ الْقُبُولُ فِي الْأَرْضِ"

ایک طرف پروپیگنڈے کی دنیا سے الگ رہنے کی وجہ سے آس پاس کے باشندے بھی مدرسہ سے ناآشنا ہیں۔ اور دوسری طرف قبولیت کا یہ عالم ہے کہ دنیا کے کونے کونے سے تشنگان علم اور مغربی تہذیب و تمدن سے تنگ آئے ہوئے لوگ علم کے حصول اور قلبی تسکین پانے کے لیے آ رہے ہیں، اگر ایک طرف ملک کے اطراف و اکناف سے آئے ہوئے طلباء استفادہ کر رہے ہیں، تو دوسری طرف بیرون ملک کے کئی ممالک کے طلباء بھی طلب علم میں مصروف نظر آئیں گے۔

اور قلیل عرصہ میں تقریباً چھ سو علمائے کرام علوم دینیہ سے فارغ ہو کر ملک اور بیرون ملک خدمت دین میں مشغول ہیں ان میں تقریباً ڈیڑھ سو بیرونی ممالک سے تعلق رکھتے ہیں۔ جن میں امریکہ، جنوبی افریقہ، یوگنڈا، ملائشیا، ممالک عربیہ شامل ہیں۔

ہمارے حضرت مولانا فرمایا کرتے تھے کہ دینی مدارس کی تاریخ میں اس کی کوئی نظیر نہیں ملے گی کہ امریکہ کے نومسلم گوروں اور کالوں میں سے کسی نے الف۔ با سے لے کر آخر تک وہاں دینی تعلیم پائی ہو۔ اللہ تعالیٰ نے یہ شرف اس دینی ادارے کو عطا فرمایا ہے کہ امریکہ کے وہ نومسلم زیور علم سے آراستہ ہو کر فراغت حاصل کر چکے ہیں۔ ذالك فضل الله يؤتيه من يشاء۔

ممالک غیر سے سالانہ چندہ
محصول ڈاک میں زبردست اضافہ کے
بعد اب نئی شرح یہ ہے
بحری ڈاک سے ۲ پونڈ
ہوائی ڈاک سے ۵ پونڈ

ماہنامہ الفرقان لکھنؤ

چندہ سالانہ
ہندوستان سے ۱۵/-
پاکستان سے ۳۰/-
بنگلادیش سے ۱۶/-
فی شمارہ ۱/۵۰

جلد (۴۶) | بابت نومبر ۱۹۷۸ء مطابق ذی الحجہ ۱۳۹۸ھ | شمارہ (۱۱)

اگر اس دائرہ میں ○ سرخ نشان ہے، تو

اس کا مطلب ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہو گئی ہے براہ کرم آئندہ کے لیے چندہ ارسال کریں یا خریداری کا ارادہ نہ ہو تو مطلع فرمائیں چندہ یا کوئی دوسری اطلاع مہینے کے آخر تک آجانا چاہیے ورنہ اگلا پرچہ بصیغہ وی پی ارسال ہوگا۔

نمبر خریداری: براہ کرم خط و کتابت کرتے وقت اور منی آرڈر کوپن پر اپنا خریداری نمبر ضرور لکھ دیا کیجیے جو پتہ کی چٹ پر لکھا ہوتا ہے۔

تاریخ اشاعت۔ الفرقان ہر انگریزی مہینے کے پہلے ہفتہ میں روانہ کر دیا جاتا ہے اگر مہینے کے آخر تک کسی صاحب کو پرچہ نہ ملے تو فوراً مطلع کریں اس کی اطلاع اگلے مہینے کی ۵ تاریخ تک آجانا چاہیے اس کے بعد رسالہ بھیجنے کی ذمہ داری دفتر پر نہ ہوگی۔

پاکستان کے خریدار حضرات مبلغ پچیس ۲۵ روپے ہندوستانی سکہ میں بینک کے ذریعہ دفتر الفرقان لکھنؤ کو روانہ فرمائیں۔ یا پاکستانی سکہ میں تیس روپے ناظم دفتر اصلاح و تبلیغ، اسٹریلین بلڈنگس لاہور کو بھیجدیں۔

مولوی محمد منظور نعمانی پرنٹر پبلشر و ایڈیٹر نے تنویر پریس میں چھپوا کر دفتر الفرقان ۳۱ نیا گاؤں مغربی لکھنؤ سے شائع کیا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نگاہِ اوّلیں

عتیق الرحمن سنبھلی

۱۹۶۷ء کی عرب اسرائیل جنگ میں عربوں کی عبرتناک شکست کے بعد یہ سوچنا مشکل نظر آرہا تھا کہ جلد کوئی تبدیلی اس صورت حال میں آسکے گی جو اس جنگ سے پیدا ہوگئی تھی۔ مگر اندازے کے برخلاف شاہ فیصل کی قیادت کی شکل میں وہ سراپا ہوش و عمل اور مخلص و باعزم قیادت عربوں کے محاذ پر اُبھری جس نے مردہ امیدوں کو زندگی بخشدی اور وہ دن بہت زیادہ دور نہیں نظر آنے لگا جبکہ مشرق وسطیٰ کی وہ صورت حال بدل جائے جو ۶۷ء کی جنگ نے پیدا کردی تھی۔

۷۳ء میں اس تبدیلی کے آغاز کا عملی مظاہرہ ہوا اور اسرائیل پر ایک جچا تلا وار کر کے نہر سوئز اور صحرائے سینا کا کچھ علاقہ آزاد کرا لیا گیا۔ اس موقع پر اسرائیل کے بچاؤ کے لیے امریکہ کی کھلی عملی مدد کی بنا پر یہ جنگ اُس نتیجہ تک تو نہ پہنچ سکی جس تک یہ پہنچ سکتی تھی۔ تاہم جو کچھ ہو گیا وہ بڑی بات اور آئندہ کے لیے بہت امید افزا تھی۔

مگر نہیں معلوم تھا کہ تبدیلی حالات کا یہ عمل اپنے اُس رُخ پر مزید آگے بڑھنے والا نہیں ہے جو بظاہر اس کا قدرتی رُخ نظر آتا تھا۔ صرف ڈیڑھ سال گزرا تھا کہ شاہ فیصل جن کی مسیحا نفسی سے اتنا کچھ دیکھنے میں آیا تھا اور اس سے زیادہ بہت کچھ دیکھ سکنے کی امیدیں اُن کی خاموش عملی سرگرمی اور پیہم مدبرانہ اقدامات سے زندگی پا رہی تھیں، ایک دن یکایک اپنے خاندان ہی میں سے ایک ننگِ خاندان نوجوان کی گولی کا نشانہ بن گئے۔ اور بس لمحوں میں یہ چراغ امید گل ہو گیا۔

اب امیدوں کی دنیا میں اندھیرے کے سوا کچھ نہیں تھا۔ اس لیے کہ وہ اپنی خصوصیات کا

تنہا آدمی تھا۔ عرب اُس کے ہٹتے ہی انتشار اور افتراق کی راہ پر پلٹنے لگے۔ اُس نے عربوں ہی کی نہیں تقریباً تمام عالم اسلام کی توجہ قوت اور طاقت کے سرچشمے وجود میں لانے اور کھوئی ہوئی عزت بحال کرنے پر مرکوز کر دی تھی۔ وہ اُٹھا اور یہ ساری بساط جو اُس نے بچھائی تھی لپٹنا شروع ہو گئی۔ خصوصاً عرب تو اُسی شدت سے باہمی نبرد آزمائی کی طرف پلٹنے لگے جو ۶۷ء سے پہلے اُن کا حال تھی۔ اس سب کا نتیجہ بُرا تو ہونا ہی تھا۔ مگر جو چیز عربوں اور اسرائیل کے محاذ پر اس وقت سامنے آئی ہے اُس کی توقع ہرگز نہ تھی۔

عربوں کو اسرائیل کا وجود کم از کم فی الحال برداشت کرنے پر راضی ہونا پڑے گا۔ یہ بات ۷۳ء کی اُس جنگ کے بعد ہی گویا آخری طور پر طے ہو گئی تھی، جس میں عربوں نے اسرائیل کے ناقابلِ شکست ہونے کا طلسم توڑنے میں ایک گونہ کامیابی دکھائی تھی۔ لیکن کس انداز میں اور کن شرائط پر یہ رضامندی بروئے کار آئے گی؟ اس کے بارے میں اُس بات کا وہم کرنا بھی مشکل تھا، جو آج آنکھوں سے دیکھنا پڑ رہی ہے ـــــ اور یہی محرک اس تحریر کا ہے!

۷۳ء کی جنگ کے بعد جس میں مصر نے روس سے رشتہ توڑ لیا تھا، امریکی حکومت کی طرف سے امریکن وزیر خارجہ مسٹر کسنجر نے عربوں اور اسرائیل کے درمیان مصالحت اور مستقل امن کی مہم شروع کی۔ جو بہت طولانی ہونے کے باوجود کسی نتیجے پر نہیں پہنچ سکی۔ حتیٰ کہ موجودہ صدر مسٹر کارٹر کا دور آ گیا۔ اور کسنجر حکومت سے باہر ہو گئے۔ اس نئے دور میں بھی اس کوشش کا سلسلہ برقرار رکھا گیا کیونکہ امریکہ کے اپنے مفادات کے لیے بھی یہ مصالحت ضروری تھی اور اسرائیل کے سلسلے میں جو ذمہ داریاں اس نے اپنے سر لے رکھی ہیں اُن کا بھی تقاضہ یہی ہے۔ عربوں اور اسرائیل کے درمیان بنیادی مسئلہ فلسطینی عربوں کا ہے۔ باقی سارے مسائل اسی سے پیدا ہوئے ہیں۔ یہ کوئی ایسی بات نہیں جس پر دلائل کی ضرورت ہو۔ تمام عرب ممالک اس پر متفق رہے ہیں اسی لیے گزشتہ سال اپنی امن و صلح مہم کو تیز کرتے ہوئے صدر کارٹر ایک ایسے مرحلے پر پہنچے جہاں انھوں نے مصالحت اور امن کے سلسلے میں اپنا ذہن و فکر واضح کرتے ہوئے عربوں کے اس موقف کی حمایت کی کہ ان فلسطینی عربوں کو اب ایک خود مختار ریاست کی شکل میں ٹھکانہ ملنا چاہیے ـــــ جس کی جگہ غزہ اور اردن کا مغربی کنارہ ہے۔ یہ وہ بات ہے جس کے لیے اسرائیل کسی طرح تیار نہیں۔ اسرائیل اور امریکی یہودیوں میں اس بیان پر ایک

طوفان آگیا۔ اور صدر کارٹر چند ہی دن کے اندر اپنے اس بیان سے دستبرداری کا اعلان کرتے ہوئے نظر آئے۔
صدر کارٹر جانتے تھے کہ وہ کیا کہہ رہے ہیں اور اسرائیل کا موقف اس بارے میں کیا ہے۔ لہذا جب انھوں نے ایک بات کی معقولیت کی بنا پر اُسے ماننے اور کہنے کی جرأت دکھائی تھی تو اب کوئی سوال نہیں تھا کہ عرب اُن کے اس سے ہٹ جانے اور یہاں تک کہہ جانے کے باوجود کہ اسرائیل اگر فلسطینی سلطنت کو اپنی سلامتی کے لیے خطرناک سمجھتا ہے تو "وہ اسرائیل کو کسی خطرہ میں ڈالنے کے مقابلے میں اپنی سیاسی خودکشی کو ترجیح دیں گے۔" (کوئی سوال نہیں تھا کہ عرب اس کے باوجود) اسرائیل سے کسی معقول مصالحت کے سلسلے میں اُن پر تکیہ کرتے اور امریکہ کو اس کا ذریعہ بنائے رکھنے کی پالیسی جاری رکھتے۔
لیکن جہاں سے آج کی افسوسناک کہانی شروع ہوتی ہے وہ یہی موقع ہے۔ عربوں نے (یعنی مصر نے جو عربوں کی طرف سے امریکہ کے ذریعہ مصالحت کی سلسلہ جنبانی کا رول ادا کر رہا تھا) یہی نہیں کہ امریکہ سے امید نہیں توڑ دی، بلکہ ایک قدم آگے بڑھا کر براہ راست اسرائیل سے امید باندھی کہ اُسے گفت و شنید کے ذریعہ معقولیت پر آمادہ کیا جاسکتا ہے ـــــ کیسا حیرت ناک قدم تھا!

ناطقہ سر بہ گریباں کہ اسے کیا کہیے!

صدر سادات نے عزم باندھا اور اعلان کیا کہ اسرائیل انھیں موقع دے تو وہ اسرائیل جاکر براہ راست اسرائیلی پارلیمنٹ کے سامنے اپنا موقف رکھیں گے۔ اسرائیل سوچ بھی نہیں سکتا ہوگا کہ ایسی کامیابی اُسے اپنی نامعقولیت کے صلے میں ملے گی۔ اس نے بے تأمل دعوت نامہ جاری کر دیا۔ صدر سادات نے دوسرے عرب ملکوں سے رابطہ قائم کیا کہ وہ انھیں اس ارادے کو پورا کرنے کی منظوری دیں۔ مگر یہ ایسی نامناسب بات تھی کہ کوئی اس کے لیے آمادہ نہیں ہوا۔ (ایک سوڈان شاید ان کا ہمنوا ہو گیا تھا۔) لیکن اللہ جانے یہ سادات صاحب کی حد سے بڑھی ہوئی خود اعتمادی اور خودنگری تھی یا صدر کارٹر کی فرمائش یا ہمت افزائی تھی کہ وہ اس طرح کے اقدام سے اُن کی مدد کریں، سادات بہرحال نہیں مانے اور عین عیدالاضحیٰ کے موقع پر اسرائیلی مہمان بن کر یروشلم جا پہنچے ـــــ شاہ فیصل اس آرزو میں اپنی جان سے گزر گئے کہ مسجد اقصیٰ کو اسرائیلی قبضے سے نجات ملے اور وہ دو رکعت نماز وہاں مرنے سے پہلے ادا کرلیں۔ مگر سادات صاحب نے یہ دو رکعتیں نماز عید کی شکل میں اسرائیل کی مہمانی میں ادا کر ڈالیں ـــــ کاش! شاہ فیصل کو بھی اُن کی آرزو برآری کا یہ راستہ انھوں نے بتا دیا ہوتا تو کیوں وہ یہ آرزو دل ہی میں لے کر

دنیا سے جاتے۔ بہرحال اسرائیلی پارلیمنٹ کا خصوصی اجلاس ہوا۔ اور سادات صاحب نے ایک زوردار تقریر سے اپنے موقف کی معقولیت اسرائیلیوں کے دلوں میں اتارنے کی کوشش کی۔ لیکن یہ وہ قوم تھی جس کا ذکر قرآن۔ "وَقَسَتْ قُلُوْبُهُمْ" (ان کے دل پتھر ہو گئے ہیں) کے الفاظ سے کرتا ہے اور اُن کا یہی وصف تاریخ اور تجربہ کی طویل دیوار پر نقش ہوتا چلا آتا ہے۔ چنانچہ اسرائیلی وزیراعظم کی جوابی تقریر میں کوئی علامت اپنے غاصبانہ رویّہ پر نظر ثانی کی نہیں تھی —— اور اس کے باوجود نہیں تھی کہ سادات صاحب نے کچھ معقولیت دکھانے کی شرط پر، نہ صرف انھیں رسمی طور پر تسلیم کرنے بلکہ کھُلی آغوش کے ساتھ انھیں اپنے (عربوں) کے درمیان خوش آمدید کہنے کی پیش کش بھی اس تقریر میں کر دی تھی۔

مگر سادات صاحب اپنے خود رایانہ قدم کی ناکامی کا اعتراف اب آسانی سے نہیں کر سکتے تھے۔ انھیں آخری حد تک اپنے کو کامیاب دکھانے کی کوشش کرنا تھی۔ ابتدائی ناکامی کے باوجود انھوں نے مصر اور اسرائیل کے درمیان مصالحتی مذاکرات کا ایک نقشہ وہیں اسرائیلی لیڈروں کے ساتھ بیٹھ کر بنایا۔ اور کبھی مصر اور کبھی اسرائیل میں وزراء، وزراء اور ماہرین کی مختلف ٹیموں کے درمیان مذاکرات کا ایک طویل سلسلہ شروع ہو گیا۔ مگر بالآخر وہ وقت آگیا کہ سادات صاحب حقیقت کے اظہار پر مجبور ہوں۔ عین ایک مذاکراتی سلسلے کے درمیان سے انھوں نے اپنا وفد واپس بلالیا اور نہایت بدمزگی کے ساتھ اقرار کر لیا کہ اسرائیل اُن کے اتنے بڑے مصالحانہ قدم کے جواب میں انھیں کچھ دینے کو تیار نہیں ہے۔

مگر آہ "صیاد کا اقبال"! امریکہ نے پھر دونوں کے بیچ میں پڑ کر اس ٹوٹے ہوئے سلسلے کو جوڑنے کی کوشش شروع کر دی جو بالآخر کامیاب ہوئی۔ اور شاید اُسی وجہ سے ہوئی جس کی طرف بعض برطانوی اخبارات نے مصر اور اسرائیل کے مذاکرات میں ناکامی کے آثار دیکھ کر اشارہ کیا تھا کہ سادات وہ قدم اُٹھا چکے ہیں کہ اب واپسی اُن کے لیے ممکن نہیں رہی ہے۔ اُن کی سیاسی زندگی اب اس بات پر موقوف ہے کہ وہ کسی بھی طرح امن و صلح کی سوغات لیکر گھر واپس آئیں۔ بہرحال امریکہ کی سرگرم کوششوں اور صدر سادات کی مجبوری کی بدولت امریکہ میں مصر، اسرائیل اور امریکہ کی "ڈیوڈ کیمپ کانفرنس" کا اعلان ہوا۔ اور ۱۲-۱۳ دن کی مکمل پُراسراریت کے بعد، جو عام طور پر ناکامی کا تاثر دے رہی تھی، اعلان ہوا کہ سمجھوتہ ہو گیا ہے۔ سمجھوتے کی تفصیلات سامنے آئیں اور اس کے ساتھ ساتھ تینوں لیڈروں کی وہ تصویر سامنے آئی جس میں

صدر سادات اس بے خودی کے ساتھ وزیر اعظم بیگن سے بغلگیر ہوئے ہیں جیسے سر سے پا تک نہال کر دیے گئے ہوں، اور ان دونوں کے برابر میں کھڑے ہوئے امریکی صدر کارٹر کی آنکھیں ہیں کہ خوشی سے چمک رہی ہیں اور چہرہ ہے کہ دمک رہا ہے ـــــ یہ منظر سامنے آیا تو دل نے کہا یہ شعر اس تصویر پر لکھ دیجیے ۔

غنیؔ روزِ سیاہ پیرِ کنعاں را تماشا کن
کہ نورِ دیدہ اش روشن کند چشمِ زلیخا را[عہ]

اس لیے کہ یہ سمجھوتہ مسٹر کارٹر اور بیگن ہی کے لیے خوش آیند ہو سکتا تھا ہے عرب اور دوسرے اہل اسلام تو اُن کے لیے یہ اُسی طرح ماتم انگیز تھا جس طرح ۹ر جون ۱۹۶۷ء کی بدترین شکست کے بعد جنگ بندی اب اس کی رو سے مصر اسرائیل کو باضابطہ ایک جائز مملکت تسلیم کر کے سیاسی، سفارتی اور ہر طرح کے تعلقات قائم کرے گا۔ جبکہ نہ بیت المقدس واپس ملے گا اور نہ فلسطینی عربوں کا مسئلہ اُن کے جائز حقوق کی بنیاد پر طے ہو گا اور پھر یہ ہر طرح کے تعلقات کا قیام کیا کیا گل کھلائے گا اس کی وضاحت کے لیے ایک مستقل مضمون چاہیے لیکن اس کے بغیر بھی ہر وہ شخص اچھا خاصا اندازہ کر سکتا ہے جو یہودیوں کی فطرت، اسلام سے اُن کی عداوت اور اُن کے صیہونی عزائم سے واقف ہے :ـــــ اب تک "دشمن" اسرائیل کے ہاتھوں عربوں کی خانہ بربادی دیکھی تھی۔ اب "دوست" اسرائیل کے ہاتھوں کیا دیکھنا پڑے گا ؟ بس اللہ ہی اُس دن کے دیکھنے سے بچائے۔

ذرا عربوں کے وسائل، قدرتی ذرائع، مال و دولت اور عالمی نقشے میں اُن کی اہمیت دیکھیے جس پر نظر کر کے اور امکانات کا مدبرانہ جائزہ لیکے شاہ فیصل نے اپنے اقدامات سے ساری دنیا کو چونکا دیا تھا ! اور ان بھرپور وسائل، امکانات اور وزن کے ساتھ یہ عافیت طلبی دیکھیے جس نے اسرائیل سے مصالحت کے لیے بے چینی میں نہ عزت کا خیال رہنے دیا، نہ جائز حقوق کا اور نہ اُن عظیم خطرات کا جو یہ مصالحت اپنے جلو میں لیکر آئے گی۔ فالی اللہ المشتکیٰ۔ عتیق

ایک استدراک اور وضاحت :-

الفرقان کے گزشتہ شمارہ میں "معارف الحدیث" کے سلسلہ میں وہ حدیث درج کی گئی تھی جس میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا خیبر کی اپنی ایک زمین وقف کرنے کا ذکر ہے ، اس کی تشریح میں لکھا گیا تھا کہ

"۷ھ میں خیبر جنگ کے نتیجہ میں فتح ہوا تھا فتح کے بعد مال غنیمت کے بارہ میں شرعی قانون کے مطابق اس کی زمینیں بھی مجاہدین میں تقسیم کر دی گئی تھیں .... الخ"

ایک صاحب علم نے توجہ دلائی کہ اس عبارت سے تاثر ہوتا ہے کہ خیبر ساری اراضی سورۂ انفال میں ذکر کیے ہوئے مال غنیمت کے عام قانون کے مطابق تقسیم کر دی گئی تھی ـــــ حالانکہ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ساری مفتوحہ اراضی مجاہدین میں تقسیم نہیں کی گئی تھی، بلکہ نصف اراضی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمومی و اجتماعی مقاصد و مصالح اور ہنگامی ضرورتوں کے لیے مخصوص و محفوظ کر دی تھی اور نصف مجاہدین میں تقسیم کی گئی تھی ـــــ راقم سطور عرض کرتا ہے کہ یہی صحیح ہے ـــــ سنن ابی داؤد کی "کتاب الخراج والفیئ" میں غزوہ خیبر سے متعلق روایات سے، واقعہ کی تفصیل معلوم کی جا سکتی ہے ـــــ محمد منظور نعمانی

[عہ] ترجمہ: اے غنیؔ! پیرِ کنعان (حضرت یعقوب علیہ السلام) کی بدبختی کا تماشا دیکھو کہ ان کی آنکھوں کا نور (حضرت یوسف علیہ السلام) زلیخا کی آنکھ روشن کر رہا ہے۔

درسِ قرآن ——— محمد منظور نعمانی

۱۳ر شوال ۱۳۹۸ھ

- مجرمین کو تنبیہ و تہدید کے بعد مومنین صالحین کو بشارت عظمیٰ
- عرش الٰہی کے حامل ملائکہ مقربین اور کرّوبین اُن کے اور اُن کے اقربا کے لیے مغفرت اور جنت کی دعا کرتے ہیں ——— اللہ کی حمد و تسبیح کے ساتھ یہ اُن کا مستقل وظیفہ ہے۔

۱۳ر شوال کو سورۂ "المومن" کے پہلے رکوع کا درس ہوا تھا جس میں کل ۹ آیتیں ہیں، یہ آیتیں اور ان کا ترجمہ اور تشریح و تفسیر کا بھی زیادہ حصہ گزشتہ شمارہ میں شائع ہو چکا ہے ——— جو باقی رہ گیا تھا وہ ان صفحات میں ملاحظہ فرمایا جائے۔

جن آیتوں کی تشریح و تفسیر گزشتہ اشاعت میں ناظرین ملاحظہ فرما چکے ہیں اُن کا حاصل یہ تھا کہ ———

یہ قرآن اُس خداوند عزیز و حکیم کا نازل کیا ہوا فرمان ہے جو گناہوں کا بخشنے اور معاف کردینے والا اور سچے دل سے توبہ کرنے والے گنہگاروں قصورواروں کی توبہ قبول فرمانے والا ہے ——— اسی کے ساتھ وہ اُن سرکش مجرموں کو جن کا جرم ناقابل معافی ہو اپنی شان جلال کے مطابق بڑی سخت سزا دینے والا ہے، اُس کا عذاب اور اُس کی مار بے پناہ ہے ——— اُس کو ہر طرح کی قدرت حاصل ہے، وہ لاشریک مالک و معبود ہے اور مرنے کے بعد سب کو اُسی کے حضور حاضر ہونا ہے۔

(آگے فرمایا گیا تھا) ہماری آیات میں یعنی ہمارے کلام اور ہمارے احکام میں وہی بدباطن اور بدبخت لوگ جھگڑے نکالتے اور طرح طرح کے اعتراضات اور سوالات اٹھاتے ہیں جو کفر و انکار کا اور نہ ماننے کا فیصلہ کیے ہوئے ہیں یعنی اُن کے سوالات تحقیق طلبی کے لیے نہیں ہیں بلکہ یہ اُن کی دانستہ شرارت اور کٹ حجتی ہے —— اور ہم نے اُن کو اس زندگی میں جو مہلت اور چھوٹ دے رکھی ہے اور ان کی رسی دراز کر رکھی ہے، اس سے کسی کو دھوکا نہیں کھانا چاہیے۔ مجرموں کو اس طرح کی مہلت دینا ہمارا دستور و قانون ہے اور اس میں حکمت ہے اور اس طرح حجت تمام ہوتی ہے —— اور پھر جب اُن کی سرکشی اور مجرمانہ حرکتیں اُس حد پر پہنچ جاتی ہیں جہاں ہمارے قانونِ عدل کے مطابق سزا اور عذاب ضروری ہو جاتا ہے تو پھر وہ قہر اور عذاب کی گرفت میں لے لیے جاتے ہیں۔

ہمارے بھیجے ہوئے پہلے پیغمبروں (نوح، ہود، صالح، لوط وغیرہ) کے مکذبین اور منکرین کے ساتھ بھی یہی ہوا ہے۔ جب اُن کی شرارتیں اور ہمارے پیغمبروں کے ساتھ اُن کی گستاخیاں حد سے بڑھ گئیں تو اُن پر ہمارا عذاب نازل ہوا اور ان کا انجام بڑا عبرتناک ہوا۔

(اس کے آگے فرمایا گیا تھا کہ) ہمارے پیغمبروں اور اُن کی ہدایت و دعوت کا انکار اور تکذیب کرنے والے کافروں منکروں کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ قطعی فیصلہ تو ہو ہی چکا ہے کہ آخرت میں انھیں ہمیشہ ہمیشہ دوزخ میں جلنا ہو گا (خواہ اس دنیوی زندگی میں اُن پر کوئی عذاب نہ آئے) —— اور اصل دار الجزا تو آخرت اور دار العذاب دوزخ ہی ہے۔

گزشتہ اشاعت میں تشریح و تفسیر کا جو حصہ شائع ہو چکا تھا اُس کا حاصل یہی تھا جو آئندہ مضمون کے ربط کے لیے ان سطروں میں دوہرایا گیا۔ جو حصہ گزشتہ شمارہ میں شائع ہونے سے رہ گیا تھا وہ ذیل میں ملاحظہ ہو۔

اوپر کی آیتوں میں پیغمبروں کی تکذیب اور ان کی دعوتِ ایمان کے مقابلہ میں کفر و

انکار کا رویہ اختیار کرنے والوں کے دنیوی اور اخروی انجام کا ذکر فرمایا گیا تھا اور اس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاص مخاطبین کفار مکہ کو خصوصیت سے آگاہی دی گئی تھی ـــــ اب آگے کی تین آیتوں میں انبیاء علیہم السلام کی دعوت کو قبول کرنے والوں اور ایمان لاکر آپ کی ہدایت پر چلنے والوں کو ایک ایسی بشارت سنائی جا رہی جو غالباً قرآن پاک میں سورۂ المومن کی ان آیتوں کے سوا کہیں نہیں سنائی گئی ـــــ ارشاد ہے۔

"اَلَّذِيْنَ يَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهٗ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَّعِلْمًا فَاغْفِرْ لِلَّذِيْنَ تَابُوْا وَاتَّبَعُوْا سَبِيْلَكَ وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ ۝" مطلب یہ ہے کہ اللہ کے وہ مقرب اور بلند مقام فرشتے جو عرش الٰہی کے حامل ہیں اور جو اس کے گرد مصروفِ طواف رہتے ہیں اور اس طرح ان کو دائمی قرب خاص حاصل ہے وہ اللہ کی تسبیح و حمد کرتے اور اس کے حضور میں ایمان کا اظہار اور اطاعت و وفاداری کا عہد و اقرار کرتے ہیں، اور اسی کے ساتھ وہ اُن بندوں کے لیے جو پیغمبروں پر ایمان لائے اور اُن کی دعوت کو قبول کیا، اللہ تعالیٰ سے مغفرت اور بخشش کی درخواست کرتے ہیں۔ گویا اللہ تعالیٰ کی حمد و تسبیح اور اس کی اطاعت و وفاداری کے عہد و اقرار کے ساتھ اُن کا یہ بھی وظیفہ ہے کہ وہ اہل ایمان کے لیے اللہ تعالیٰ سے مغفرت اور بخشش کی استدعا کرتے رہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں، آپ کو سمجھنے کی توفیق دے کتنی عظیم بشارت ہے یہ! ـــــ اللہ کے ایمان والے بندے جن اوقات میں اپنے دنیوی کاروبار میں یا کھانے پینے جیسی بشری ضروریات میں مشغول ہوں یا جب پڑے سو رہے ہوں، ان اوقات میں بھی اللہ کے وہ مقرب ترین فرشتے جن کا درجہ ملائکہ کی صفوں میں بہت ہی بلند ہے، جو حاملین عرش ہیں اور جو عرش الٰہی کے گرد طواف میں ہمہ وقت مصروف رہتے ہیں جن کو کرّوبیین کہا جاتا ہے وہ اُن بندوں کے لیے اللہ تعالیٰ سے مغفرت اور بخشش مانگتے رہتے ہیں ـــــ اور حمد و تسبیح کی طرح اہل ایمان کے لیے یہ مغفرت طلبی بھی اُن کا وظیفہ اور ان کی عبادت ہے ـــ اور ظاہر ہے کہ وہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے حکم ہی سے کرتے ہیں، قرآن پاک میں دوسری جگہ ملائکہ

کی یہ صفت بیان فرمائی گئی ہے کہ "یَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ ۝" (یعنی فرشتے وہی کام کرتے ہیں جس کا ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوتا ہے) تو اللہ تعالیٰ کا اپنے ایمان والے بندوں پر یہ کتنا بڑا انعام ہو کہ اُس نے اپنے مقرب ترین فرشتوں (حاملین عرش اور کروبیین) کو یہ حکم دے رکھا ہے کہ میری تسبیح اور حمد اور میرے حضور میں ایمان کا اظہار اور اطاعت و وفاداری کے عہد و اقرار کے ساتھ میرے ایمان والے بندوں کے لیے استغفار یعنی مغفرت اور بخشش کی دعا بھی کرتے رہو۔ اور جب وہ خود حکم دے کے دعا کرا رہے ہیں تو ظاہر ہے کہ قبول بھی فرمائیں گے ــــــ آگے اُن کی دعا کے یہ الفاظ بھی ہم کو سنائے گئے ہیں ــــــ رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَّعِلْمًا فَاغْفِرْ لِلَّذِيْنَ تَابُوْا وَاتَّبَعُوْا سَبِيْلَكَ وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ ۝ یعنی وہ فرشتے عرض کرتے ہیں کہ "اے ہمارے پروردگار تیری رحمت عام ہے، کائنات کی ہر چیز تیری رحمت سے فیضیاب ہے اور تیرا علم ہر چیز کو محیط ہے، کسی کا کوئی اچھا برا عمل تجھ سے چھپا ہوا نہیں ہے، تو اے پروردگار تو ان بندوں کے گناہ قصور معاف کر دے اور ان کی بخشش فرما دے جنھوں نے کفر و شرک اور دوسرے گناہوں سے توبہ کر کے تیری طرف رخ کر لیا اور شیطانی طریقوں کو چھوڑ کر تیری راہِ ہدایت اور شریعت کی پیروی اختیار کر لی۔ اور اُن کو دوزخ کے عذاب سے محفوظ رکھ ــــــ

یہاں تک کی دعا کا حاصل یہ ہے کہ اُن کے گناہ قصور معاف کر دیے جائیں اور اُن کو دوزخ کے عذاب سے محفوظ رکھا جائے ــــــ آگے اُن کے لیے داخلۂ جنت کی دُعا ہے اور اسی کے ساتھ یہ بھی کہ اُن کے ساتھ اُن کے ماں باپ، اولاد اور بیویوں کو بھی جنت میں اُن کے ساتھ کر دیا جائے ــــــ اس دعا کے الفاظ یہ ہیں۔

رَبَّنَا وَاَدْخِلْهُمْ جَنّٰتِ عَدْنِ ِۨالَّتِيْ وَعَدْتَّهُمْ وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ وَقِهِمُ السَّيِّاٰتِ وَمَنْ تَقِ السَّيِّاٰتِ يَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمْتَهٗ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝

مطلب یہ ہے کہ خداوندا اپنے اُن بندوں کو جنھوں نے کفر و شرک اور نافرمانی والی زندگی سے توبہ کر کے تیری بھیجی ہوئی ہدایت اور شریعت کو قبول کر لیا تو اُن کے لیے

مغفرت اور دوزخ کے عذاب سے نجات کا فیصلہ فرمانے کے علاوہ اپنی رحمت سے ان کو وہ جنّت بھی عطا فرما دے جس کا تو نے ایسے مومنین صالحین کے لیے وعدہ فرمایا ہے، اور ان کے ساتھ اُن کے اُن ماں باپ اور بیویوں اور اولاد کو بھی جو اِس لائق ہوں جنت عطا فرما دے اور جنت میں اُن کے ساتھ کر دے۔

یہاں کسی کو شبہ ہو سکتا ہے کہ جو مومنین صالحین ہیں اور جن کا حال یہ ہے کہ انھوں نے کفر و شرک اور نافرمانی سے توبہ کر کے اللہ و رسول کے راستہ کو اپنا لیا ہے اور شریعت کی پیروی اختیار کر لی ہے وہ تو خود ہی مغفرت اور جنت کے مستحق ہیں پھر اُن کے لیے مغفرت اور جنت کی دعا کی کیا اہمیت ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ کفر و شرک سے اپنے کو بچانا اور اللہ کی بندگی اور فرمانبرداری کرنا اور اُس کی نافرمانی سے بچنا، یہ تو اللہ تعالیٰ کا حق اور ہم بندوں کا فریضہ ہے۔ یہ جنت اور اُس کی نعمتوں کا معاوضہ اور اس کی قیمت نہیں ہے۔ جنت تو جس کو بھی ملے گی بس اللہ تعالیٰ کی رحمت اور بخشش ہی سے ملے گی ــــــ جنت کا معاوضہ کوئی ادا کر ہی نہیں کر سکتا ــــــ حدیث شریف میں ہے کہ ایک دن صحابہ کرام کے سامنے حضور نے ارشاد فرمایا کہ کسی شخص کا بھی عمل اس کو جنت میں نہیں لے جائے گا، جو بھی جنّت میں جائے گا اللہ کی رحمت ہی سے جائے گا ــــــ ایک صحابی نے عرض کیا "وَاَنْتَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ؟" (اور حضرت آپ؟) تو آپ نے ارشاد فرمایا "وَلَا اَنَا اِلَّا اَنْ یَّتَغَمَّدَنِیَ اللّٰہُ بِرَحْمَتِہٖ" (یعنی میں بھی اللہ کی رحمت اور اس کے کرم ہی سے جنت میں جاؤں گا) ہاں ایمان اور اعمال صالحہ اور توبہ اور تقویٰ وغیرہ بندوں کو رحمت اور بخشش کا مستحق بنا دیتے ہیں اور ایسے بندوں کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مغفرت و رحمت اور جنت کا وعدہ ہے، لیکن یہ وعدہ رحمت ہی کی بنیاد پر ہے۔ بہرحال جنت کسی بندہ کا ایسا حق نہیں ہے جو اللہ کے ذمہ واجب ہو بلکہ جس کو وہ عطا فرمائے گا اپنے خاص کرم ہی سے عطا فرمائے گا۔

اور حاملِ عرش ملائکہ مقربین اور کروبین کی اس دعا کا ایک مقصد اِن مومنین صالحین کا اعزاز و اکرام بھی ہے کہ اللہ کے ہاں ان کا یہ مقام اور درجہ ہے کہ عرش الٰہی کے حامل

فرشتے اور کرّوبیین اللہ کی تسبیح وحمد کے ساتھ اُن کے لیے مغفرت و جنت کی دعا کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ اس پر مامور ہیں ——— واقعہ یہ ہے کہ اس سے آگے کسی اعزاز و اکرام کا شاید تصور بھی نہیں کیا جا سکتا ——— اللہ تعالیٰ ہم آپ کو بھی اپنے اُن خوش نصیب بندوں میں شامل فرمادے! ——— اور یہ بات ہم جیسے گنہگاروں کے لیے بھی ناممکن نہیں ہے بلکہ توفیق ہو تو کچھ مشکل بھی نہیں ہے ——— اللہ تعالیٰ نے کفر و شرک سے ہمیں محفوظ رکھا ہے لیکن گناہوں سے محفوظ نہیں ہیں تو اپنے گناہوں سے ہم اللہ کے حضور میں توبہ کریں، اور آئندہ کے لیے اُن سے بچنے کا اور اللہ و رسول کی فرمانبرداری اور شریعت کی پیروی کا فیصلہ کریں اور اللہ تعالیٰ سے اس کی توفیق مانگیں اور پھر جب کبھی گناہ ہو جائے تو پھر اسی طرح توبہ کریں، اور اس کو زندگی کا اصول اور معمول بنالیں تو ہم بھی حاملِ عرش ملائکہ مقربین اور کرّوبیین کی ان دعاؤں میں شامل ہو جائیں گے اور انشاء اللہ ان کی دعا ہمارے حق میں قبول ہوگی اور اللہ کی رحمت سے ہم کو بھی جنت نصیب ہوگی ——— قرآن مجید میں اس آیت کے پڑھنے کے بعد اگر ہمارے اندر ملائکہ مقربین کی اس دعا میں شامل ہونے کا داعیہ اور اس کا شوق نہ پیدا ہو تو بڑی محرومی کی بات ہے۔

ان حاملِ عرش ملائکہ، مقربین اور عرش الٰہی کا ہر دم طواف کرنے والے کرّوبیین کی اس دعا میں آگے یہ بھی ہے کہ ——— اے اللہ تیرے جو بندے کفر و شرک اور نافرمانی سے توبہ کر کے اور تیری راہِ ہدایت اور شریعت کی پیروی اختیار کر کے تیری رحمت کے مستحق ہو جائیں (اور تو ان کے لیے جنت کا فیصلہ فرمادے) تو اُن کے ان ماں باپ اور اُن بیوی بچوں کو بھی اُن کے ساتھ جنت عطا فرمادے جو اس لائق ہوں ——— میں یہ قرآن مجید کے لفظ "مَنْ صَلَحَ" کا مطلب عرض کر رہا ہوں ——— بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ اللہ کا ایک بندہ صاحبِ ایمان اور صاحبِ صلاح و تقویٰ ہے، لیکن اُس کے ماں باپ یا اُس کی بیوی، یا اولاد کا حال یہ ہے کہ ان کا اعمال نامہ اچھا نہیں ہے، تو اگر خدانخواستہ اُن میں کفر و شرک جیسی کوئی نجاست ہے یا سخت درجہ کا فسق و فجور ہے جس کی وجہ سے وہ

اس لائق نہیں ہیں کہ بغیر سزا کے اُن کے لیے مغفرت اور جنت کا فیصلہ ہو سکے۔ تو اُن کے بارہ میں تو یہ فرشتے کچھ عرض نہیں کرتے لیکن اگر وہ اس درجہ کے مجرم نہیں ہیں اگرچہ گنہگار اور قصوروار ہیں مگر قابل معافی ہیں تو ان کے لیے یہ فرشتے اللہ تعالیٰ سے عرض کرتے ہیں کہ اے پروردگار اپنے صاحب ایمان اور صاحب صلاح و تقویٰ بندوں کے طفیل میں اُن کے اُن ماں باپ اور بیوی بچوں کو بھی بخش دے اور جنت میں اُن کے ساتھ ہی کر دے۔ — اور جب یہ فرشتے اللہ تعالیٰ کے حکم ہی سے یہ دعا کرتے ہیں تو ظاہر ہے کہ یہ بھی قبول ہوگی اور متقی اور صالح بندوں کے ساتھ اُن کے اُن ماں باپ اور بیوی بچوں وغیرہ قریبی اعزہ کی بھی مغفرت فرما دی جائے گی اور جنت میں اُن کے ساتھ ہی کر دیا جائے گا جو خود اپنے اعمال کی وجہ سے اس کے مستحق نہیں ہوں گے —— یہ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرمانبردار اور وفادار بندوں کا خاص اعزاز و اکرام ہے کہ اُن کی رعایت سے اور اُن کے تعلق کی وجہ سے وہ اُن کے گناہگار عزیزوں قریبوں کے لیے بھی اپنے ملائکہ مقربین سے مغفرت اور رحمت کی دعا کراتا ہے۔

فرشتوں کی اس دعا کا آخری حصہ یہ ہے کہ "وَقِهِمُ السَّيِّئَاتِ وَمَن تَقِ السَّيِّئَاتِ يَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمْتَهُ وَذَٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ" مطلب یہ ہے کہ خداوندا اپنے ان بندوں کو (جن کا اوپر ذکر ہوا) گناہوں کی شامت اور وبال سے بچا لے، یعنی زندگی میں گناہوں سے حفاظت فرما تاکہ آخرت میں ان گناہوں کا عذاب نہ ہو۔ اور اگر اغوائے شیطانی یا شرارت نفس سے گناہ ہو جائیں تو معاف فرما کر آخرت کے عذاب و وبال سے ان کو بچا لے۔ اور جن بندوں کے ساتھ تو یہ عنایت فرمائے گا وہ اُن پر تیری رحمت ہوگی اور تیرا کرم ہی ہوگا اور یہ اُنکی بڑی خوش نصیبی ہوگی — وَذَٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ۔

ان آیتوں کے سننے اور سمجھ لینے کے بعد ہم میں سے ہر ایک میں یہ فکر پیدا ہو جانی چاہیے کہ ہم بھی ان بندوں میں شامل ہو جائیں جن کے لیے حامل عرش فرشتے اور کروبیین یہ دعائیں کرتے ہیں، اور جیسا کہ میں نے عرض کیا یہ کوئی مشکل بات نہیں ہے، اب تک کی غلطیوں اور غفلتوں سے توبہ کر کے اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری اور شریعت کی پیروی کا عزم کر لیں اور جب کبھی گناہ ہو جائے تو ہمیشہ توبہ کر کے اس کا اثر دھونے کی کوشش کریں۔ اگر اتنا نصیب ہو جائے تو یقیناً ہم بھی ان بندوں میں شامل ہو جائیں گے۔

اللہم اجعلنا منہم بفضلک

کتاب المعاملات

معارف الحدیث

(مسلسل)

وصیت

مالی معاملات و تصرفات کے ابواب میں سے ایک "وصیت" کا باب بھی ہے وصیت کا مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص جس کے پاس جائداد یا کسی شکل میں سرمایہ ہو، وہ یہ طے کر دے کہ میری فلاں جائداد یا سرمایہ کا اتنا حصہ میرے انتقال کے بعد فلاں مصرف خیر میں صرف کیا جائے یا فلاں شخص کو دیدیا جائے ——— شریعت میں اس طرح کی وصیت کو قانونی حیثیت حاصل ہے، اور اس کے خاص شرائط اور احکام ہیں، جن میں سے بعض ذیل میں درج ہونے والی حدیثوں سے بھی معلوم ہوں گے اور مزید تفصیلی احکام کتب فقہ میں دیکھے جا سکتے ہیں ——— اپنے متروکہ مال کے بارہ میں اس طرح کی وصیت اگر لوجہ اللہ اور ثواب آخرت کی نیت سے کی گئی ہے تو ایک طرح کا صدقہ ہے اور شریعت میں اس کی ترغیب دی گئی ہے ——— اور اگر کسی کے پاس کسی کی کوئی چیز امانت کے طور پر رکھی ہے، یا اس پر کسی شخص کا قرض ہے یا کسی طرح کا حق ہے تو اس کی واپسی اور ادائیگی کی وصیت کرنا واجب ہے اور جو بھی وصیت ہو اس کو لکھ کر محفوظ کر دینا چاہیے ——— اس باب کی چند حدیثیں ذیل میں مطالعہ کی جائیں۔

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم مَا حَقُّ امْرِءٍ مُسْلِمٍ لَهُ شَيْئٌ يُوصٰى فِيهِ يَبِيتُ لَيْلَتَيْنِ اِلَّا وَ وَصِيَّتُهُ مَكْتُوبَةٌ

عِنْدَہٗ ــــــ رواہ البخاری ومسلم

حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کسی ایسے مسلمان بندے کے لیے جس کے پاس کوئی ایسی چیز (جائداد یا سرمایہ یا امانت اور قرض وغیرہ) ہو جس کے بارہ میں وصیت کرنی چاہیے تو درست نہیں ہے کہ وہ دو راتیں گذار دے، مگر اس حال میں کہ اس کا وصیت نامہ لکھا ہوا اس کے پاس ہو۔

(صحیح بخاری وصحیح مسلم)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ وصیت کرنے اور وصیت نامہ لکھنے یا لکھانے کے لیے اس کا انتظار نہیں کرنا چاہیے کہ جب موت قریب نظر آئے گی اُس وقت وصیت کر دیں گے۔ بلکہ ہر مردِ مومن کو چاہیے کہ وہ ہر وقت موت کو قریب سمجھے اور اپنا وصیت نامہ تیار رکھے، دو دن بھی ایسے گزرنے نہیں چاہئیں کہ وصیت نامہ موجود نہ ہو ــــــ مطلب یہی ہے کہ اس معاملہ میں سستی اور تاخیر نہ کی جائے، معلوم نہیں کہ موت کا فرشتہ کس وقت آ جائے ــــــ حضرت ابن عمر سے اس حدیث کی روایت کرنے والے اُن کے خادم نافع کا بیان ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث بیان کرنے کے ساتھ یہ بھی فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ارشاد سننے کے بعد ایک دن بھی ایسا نہیں گزرا کہ میرا وصیت نامہ میرے پاس نہ ہو۔

افسوس ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس ہدایت پر عمل کا رواج امت میں اب بہت ہی کم ہے۔ بس خواص بلکہ اخص الخواص کو اس کی توفیق ہوتی ہے، حالانکہ اس میں دنیوی لحاظ سے بھی بہت خیر ہے، وصیت نامہ کے ذریعہ عزیزوں قریبوں اور وارثوں کے درمیان بعد میں اٹھنے والے بہت سے نزاعات اور جھگڑوں کا بھی انسداد ہو سکتا ہے۔

عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ مَاتَ عَلٰی وَصِیَّۃٍ مَاتَ عَلٰی سَبِیْلٍ وَسُنَّۃٍ وَمَاتَ عَلٰی تُقًی وَشَھَادَۃٍ وَمَاتَ مَغْفُوْرًا لَہٗ ــــــ رواہ ابن ماجۃ

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے وصیت کی حالت میں انتقال کیا (یعنی اس حالت میں جس کا انتقال ہوا کہ اپنی مالیات اور

معاملات وغیرہ کے بارہ میں جو وصیت اس کو کرنی چاہیے تھی وہ اس نے کی اور صحیح اور توجہ اللہ کی، تو اس کا انتقال ٹھیک راستہ پر اور شریعت پر چلتے ہوئے ہوا، اور اسکی موت تقویٰ کی اور شہادت والی موت ہوئی اور اس کی مغفرت ہوگی ——

(سنن ابن ماجہ)

(تشریح) اس حدیث میں وصیت کرنے کی جو فضیلت بیان کی گئی ہے وہ کسی تشریح کی محتاج نہیں ——

عَنْ سَعْدِ بْنِ اَبِیْ وَقَّاصٍ قَالَ جَاءَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَعُوْدُنِیْ وَاَنَا بِمَکَّۃَ وَھُوَ یَکْرَہُ اَنْ یَمُوْتَ بِالْاَرْضِ الَّتِیْ ھَاجَرَ مِنْھَا، فَقَالَ یَرْحَمُ اللّٰہُ ابْنَ عَفْرَاءَ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اُوْصِیْ بِمَالِیْ کُلِّہٖ؟ قَالَ لَا قُلْتُ فَالشَّطْرَ؟ قَالَ لَا، قُلْتُ فَالثُّلُثُ؟ قَالَ الثُّلُثُ وَالثُّلُثُ کَثِیْرٌ، اِنَّکَ اَنْ تَدَعَ وَرَثَتَکَ اَغْنِیَاءَ خَیْرٌ مِنْ اَنْ تَدَعَھُمْ عَالَۃً یَتَکَفَّفُوْنَ النَّاسَ فِیْ اَیْدِیْھِمْ، وَاِنَّکَ مَھْمَا اَنْفَقْتَ مِنْ نَفَقَۃٍ فَاِنَّھَا صَدَقَۃٌ حَتَّی اللُّقْمَۃُ الَّتِیْ تَرْفَعُھَا اِلٰی فِیْ امْرَاَتِکَ، وَعَسَی اللّٰہُ اَنْ یَرْفَعَکَ فَیَنْتَفِعَ بِکَ نَاسٌ وَیُضَرَّ بِکَ اٰخَرُوْنَ وَلَمْ یَکُنْ لَہٗ یَوْمَئِذٍ اِلَّا ابْنَۃٌ —— رواہ البخاری ومسلم

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی عنہ سے روایت ہے بیان کرتے ہیں کہ میں مکہ مکرمہ میں (سخت مریض ہوا) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری عیادت کے لیے تشریف لائے۔ اور میں اس بات کو بہت برا سمجھتا تھا کہ میری موت مکہ کی اس سرزمین میں ہو جس سے میں ہجرت کر چکا ہوں (اور جس کو اللہ کے لیے ہمیشہ کے واسطے چھوڑ چکا ہوں) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (دعا کے طور پر مجھے تسلی دینے کے لیے) ارشاد فرمایا کہ اللہ رحمت فرمائے عفراء کے بیٹے (سعد) پر (حضرت سعد کی والدہ کا نام یا لقب عفراء تھا) —— میں نے آپ سے (بطور استفسار کے) عرض کیا کہ حضرت کی کیا رائے ہے) میں اپنی ساری دولت کو فی سبیل اللہ اور مصارف خیر میں صرف کرنے کی وصیت کر دوں؟

آپ نے ارشاد فرمایا کہ نہیں (ایسا نہ کرو) میں نے عرض کیا کہ پھر آدھی دولت کے بارہ میں یہ وصیت کردوں؟ آپ نے فرمایا کہ نہیں (اتنا بھی نہیں) میں نے عرض کیا کہ تو پھر تہائی کے لیے یہ وصیت کردوں؟ آپ نے فرمایا کہ ہاں تہائی کی وصیت کردو، اور تہائی بھی بہت ہے ——— (اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ) تمہارے لیے یہ بات کہ تم اپنے وارثوں کو خوشحال چھوڑ کے جاؤ، اس سے بہتر ہے کہ تم ان کو مفلسی اور تنگ دستی کی حالت میں چھوڑ کے جاؤ کہ وہ (اپنی ضروریات کے لیے) دوسروں کے سامنے ہاتھ پھیلائیں ——— اور تم جو کچھ بھی (لوجہ اللہ اور ثواب کی نیت سے) خرچ کروگے (اگرچہ وہ خرچ اپنے عزیزوں قریبوں اور وارثوں پر ہو) تو وہ تمہاری طرف سے "صدقہ" ہوگا، حتیٰ کہ جو لقمہ تم اپنے ہاتھ سے اٹھا کے اپنی بیوی کے منھ میں دوگے (وہ بھی عند اللہ تمہارا صدقہ ہوگا) ——— (آخر میں آپ نے فرمایا) اور اللہ تعالیٰ سے اس کی امید ہے کہ وہ تم کو (اس مرض سے صحت وشفاء دے کر) مستقبل میں تم کو بلند مرتبہ پر پہنچائے پھر تم سے بہت سے بندگان خدا کو نفع پہنچے گا، اور بہت لوگوں کو نقصان ——— (اس حدیث کو حضرت سعد سے روایت کرنے والے (ان کے صاحبزادے عامر بن سعد) کہتے ہیں، کہ جس زمانہ کا یہ واقعہ ہے اس زمانہ میں حضرت سعد کے صرف ایک بیٹی تھیں (اس کے علاوہ کوئی اولاد نہیں تھی)

(صحیح بخاری وصحیح مسلم)

(تشریح) حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔ حجۃ الوداع کے سفر میں یہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے، مکہ معظمہ میں یہ سخت بیمار پڑے، اسی حدیث کی بعض روایات میں یہ الفاظ ہیں۔ "اَشْفَیْتُ عَلَی الْمَوْتِ" یعنی میں گویا موت کے کنارہ پہنچ گیا تھا ——— اور چونکہ وہ مہاجرین میں سے تھے اس لیے یہ پسند نہیں کرتے تھے کہ جس مکہ کو وہ اللہ کے لیے چھوڑ چکے ہیں اور ہجرت کر چکے ہیں وہاں ان کا انتقال ہو اور اس کی سرزمین میں دفن ہوں ——— رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب ان کی عیادت کے لیے تشریف لائے اور ان کی یہ فکر اور پریشانی آپ کے علم میں آئی تو آپ نے "یَرْحَمُ اللّٰهُ ابْنَ عَفْرَاءَ" کہکر ان کے لیے دعا کی اور تسلی دی۔ ——— پھر حضرت سعد نے (جو

دولتمند صحابہ میں سے تھے، آپ سے اپنے مال و دولت کے بارہ میں وصیت سے متعلق دریافت کیا، (اس حدیث کی بعض روایات میں ہے کہ انھوں نے صراحت کے ساتھ حضور سے عرض کیا کہ اللہ کی دی ہوئی میرے پاس بہت دولت ہے اور میری صرف ایک بیٹی ہے، میں اپنی آخرت بہتر بنانے کے لیے سوچتا ہوں کہ اپنی ساری دولت کے لیے وصیت کر جاؤں کہ وہ فی سبیل اللہ مصارف خیر میں صرف کی جائے ——— رسول اللہ صلی اللہ علیہ نے اس کی (اجازت نہیں دی، پھر آدھی دولت کے لیے ایسی وصیت کرنے کی بھی اجازت نہیں دی، صرف تہائی کی اجازت دی اور فرمایا کہ "تہائی بھی بہت ہے" ——— اس کے بعد آپ نے ان کو یہ بھی بتلایا کہ عند اللہ اور تمھاری آخرت کے لیے بھی یہی بہتر ہے کہ تم تہائی سے زیادہ کی وصیت نہ کرو ——— عزیزوں قریبوں پر خرچ کرنا اور وارثوں کے لیے چھوڑنا بھی عنداللہ صدقہ ہے، ——— (بشرطیکہ رضائے الٰہی اور ثواب کی نیت ہو، اس حدیث کی بعض روایات میں اس شرط کی صراحت ہے) اسی سلسلہ میں آپ نے فرمایا کہ حتیٰ کہ اس نیت کے ساتھ اپنی بیوی کے منھ میں لقمہ دینے میں بھی تمھارے لیے ثواب ہے حالانکہ اس میں حظِ نفس بھی ہے ———

سب سے آخر میں آپ نے جو فرمایا کہ "عَسَى اللهُ اَنْ يَّرْفَعَكَ الخ" یہ حضرت سعد کے حق میں ایسی پیشین گوئی تھی جس کا اس وقت کوئی تصوّر بھی نہیں کر سکتا تھا ——— آپ کے ارشاد کا مطلب یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کو ابھی تم سے بہت کام لینا ہے، تم انشاء اللہ اس مرض سے صحتیاب ہو کر اٹھ جاؤ گے اور اللہ تعالیٰ تم کو ایسے بلند مرتبہ پر پہنچائے گا کہ تمھارے ہاتھوں قوموں کی تقدیریں بنیں گی اور بگڑیں گی ——— یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں سنہ ھ میں ایسی حالت میں ارشاد فرمائی تھی کہ حضرت سعد اپنے کو موت کے کنارہ پر سمجھ رہے تھے لیکن حضور کی یہ پیشین گوئی اس طرح پوری ہوئی کہ حضرت سعد اس کے بعد قریباً آدھی صدی تک اس دنیا میں رہے اور اللہ نے ان کو یہ بلند مرتبہ بخشا کہ حکومت فارس کے قریباً سارے زیر اقتدار علاقے انہی کی قیادت میں فتح ہو کر اسلامی قلمرو میں شامل ہوئے اور اللہ کے لاکھوں بندوں کو اسلام کی دولت نصیب ہوئی،

پھر وہ عراق کے حاکم بھی رہے اور ۵۵ھ میں اور ایک روایت کے مطابق ۵۸ھ میں ان کی وفات ہوئی ــــ حضرت سعد کے بارہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ پیشین گوئی اور اُن کا اس طرح ظہور میں آنا بلا شبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات میں سے ہے۔

اس حدیث سے "وصیت" کے بارہ میں یہ اصولی حکم معلوم ہوا کہ جس شخص کے وارث ہوں اس کو فی سبیل اللہ اور مصارفِ خیر کے لیے بھی اپنے تہائی مال سے زیادہ کی وصیت کرنی جائز نہیں، اس پر امت کے ائمہ و علماء کا تقریباً اتفاق ہے ــــ ہاں اپنی زندگی میں فی سبیل اللہ اور مصارف خیر میں جو کچھ خرچ کرنا چاہے کر سکتا ہے، تہائی کی یہ قید موت کے بعد سے متعلق وصیت ہی کے بارہ میں ہے۔

جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا یہ واقعہ حجۃ الوداع کے سفر کا ہے جو ۱۰ھ کے اواخر میں ہوا تھا، صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی متعدد روایات میں اس کی صراحت ہے۔ لیکن ترمذی کی ایک روایت میں اس کو فتح مکہ والے سفر کا واقعہ بتلایا گیا ہے جو ۸ھ میں ہوا تھا۔ محدثین کا اس پر تقریباً اتفاق ہے کہ ترمذی کی روایت میں ایک راوی کو سہو ہوا ہے، جس کو محدثین کی اصطلاح میں "وہم" کہا جاتا ہے[1]۔

عَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَقُوْلُ فِیْ خُطْبَتِهٖ عَامَ حَجَّةِ الْوَدَاعِ اِنَّ اللّٰهَ اَعْطٰی كُلَّ ذِیْ حَقٍّ حَقَّهٗ، فَلَا وَصِيَّةَ لِوَارِثٍ

رواہ ابوداؤد وابن ماجۃ

[1] اس کی تفصیل فتح الباری شرح صحیح بخاری، کتاب الوصایا میں دیکھی جا سکتی ہے ــــ یہاں اس بات کا ذکر کر دینا بھی نامناسب نہ ہوگا کہ حضرت سعد بن ابی وقاص کی اس حدیث کے بارہ میں "مشکوٰۃ المصابیح" میں بھی ایک سہو ہوا ہے۔ اور وہ یہ کہ جامع ترمذی کی اُس روایت کو جس میں اس واقعہ کو "فتح مکہ" کے سفر کا واقعہ بتلایا گیا ہے، فصل اول میں درج کر دیا گیا ہے اور "متفق علیہ" (یعنی صحیح بخاری و صحیح مسلم کی روایت) قرار دیا گیا ہے۔ حالانکہ جیسا کہ عرض کیا گیا وہ روایت صحیحین میں نہیں ہے، جامع ترمذی میں ہے۔

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حجۃ الوداع کے سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطبہ دیتے ہوئے سنا آپ نے اس میں فرمایا کہ —— اللہ تعالیٰ نے (اپنی کتاب پاک میں وارثوں میں سے) ہر صاحب حق کو اس کا حصہ عطا فرما دیا ہے لہذا اب کسی وارث کے حق میں وصیت جائز نہیں۔

—— (سنن ابی داؤد، سنن ابن ماجہ)

(تشریح) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ طیبہ ہجرت فرمانے کے بعد جب معاشرت وغیرہ سے متعلق احکام کا نزول شروع ہوا تو ابتداءً سورۂ بقرہ کی آیت كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ (الآیۃ) کے ذریعہ یہ حکم دیا گیا تھا کہ جس شخص کے پاس کچھ مال و دولت ہو اس کو چاہیے کہ مرنے سے پہلے اپنے ماں باپ اور دوسرے قریبی عزیزوں کے لیے وہ مناسب طریقہ پر وصیت کر جائے —— اس کے کچھ مدت بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے وراثت کا مفصل قانون سورۂ نساء میں نازل فرمادیا گیا، اس طرح وصیت کا پہلا حکم کم از کم شرعی وارثوں کے حق میں منسوخ ہو گیا —— اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے خطبہ میں جہاں اور بہت سے ضروری احکام کا اعلان فرمایا وہاں یہ اعلان بھی فرمایا کہ —— اللہ تعالیٰ نے وراثت کا قانون نازل فرما کر سب وارثوں کا حصہ مقرر فرمادیا ہے لہذا اب کسی وارث کے لیے وصیت نہ کی جائے —— حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ نے اس حدیث میں اسی کا ذکر فرمایا ہے اور "مشکوٰۃ المصابیح" میں حضرت ابو امامہؓ کی مندرجہ بالا حدیث سنن ابی داؤد اور ابن ماجہ کے حوالہ سے نقل کرنے کے بعد آخر میں یہ اضافہ ہے

وَفِي رِوَايَةِ الدَّارَقُطْنِيِّ قَالَ لَا تَجُوزُ وَصِيَّةٌ لِوَارِثٍ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ الْوَرَثَةُ

اور دار قطنی کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اب کسی وارث کے لیے وصیت جائز (اور نافذ) نہیں، الّا یہ کہ دوسرے وارث چاہیں اور راضی ہوں۔

مطلب یہ ہے کہ اگر کسی شخص کے شرعی وارث اس پر راضی ہو جائیں کہ مورث کسی وارث

کے حق میں (اس کے شرعی حصے کے علاوہ مزید کی) وصیت کردے اور اُن کو اس پر اعتراض نہ ہو تو یہ وصیت جائز اور نافذ ہو جائے گی (بشرطیکہ یہ دوسرے وارث عاقل بالغ ہوں)

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم اِنَّ الرَّجُلَ لَیَعْمَلُ وَالْمَرْاَۃُ بِطَاعَۃِ اللّٰہِ سِتِّیْنَ سَنَۃً ثُمَّ یَحْضُرُھُمَا الْمَوْتُ فَیُضَارَّانِ فِی الْوَصِیَّۃِ فَتَجِبُ لَھُمَا النَّارُ

——— رواہ احمد والترمذی وابوداؤد وابن ماجہ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ کبھی ایسا ہوتا ہے، کوئی مرد یا کوئی عورت ساٹھ سال تک اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری والی زندگی گزارتے رہتے ہیں، پھر جب اُن کی موت کا وقت آتا ہے تو وصیت میں (حقداروں کو) نقصان پہنچا دیتے ہیں (تو اس ظلم اور حقدار بندوں کی اس حق تلفی کی وجہ سے) اُن کے لیے دوزخ واجب ہو جاتی ہے۔

(مسند احمد، جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، سنن ابن ماجہ)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک شخص کے شرعی وارث موجود ہیں جو اللہ کے مقرر کیے ہوئے قانون کے مطابق اُس کے مرنے کے بعد اُس کے ترکہ کے حقدار ہوں گے، تو یہ آدمی کسی ناراضی وغیرہ کی وجہ سے اُن کو محروم کرنے کے لیے کسی غیر آدمی کے حق میں یا کسی خاص مصرف کے لیے وصیت کر دیتا ہے یا کوئی اور ایسی تدبیر کرتا ہے جس سے وہ وارث محروم ہو جائیں، تو (اس حدیث کے مطابق) اتنا بڑا گناہ اور ایسا ظلم ہے کہ اس کی وجہ سے ساٹھ سالہ طاعت و فرمانبرداری برباد ہو جاتی ہے اور آدمی عذاب دوزخ کا مستحق ہو جاتا ہے ———

حضرت سعد بن ابی وقاص کی مندرجہ بالا حدیث سے معلوم ہو چکا ہے کہ ہر شخص کو اپنی ایک تہائی دولت تک کے بارہ میں وصیت کرنے کی اجازت ہے لیکن نیک نیتی شرط ہے، وارثوں اور حقداروں کو نقصان پہنچانے کا ارادہ بہر حال گناہ اور ظلم ہے۔

مولانا نسیم احمد فریدی امروہی

کاروانِ اہل فضل و کمال

تلامذۂ حضرت شاہ محمد اسحٰق محدث دہلوی مہاجرؒ

(۱۱)

مولانا مفتی سعد اللہ مراد آبادی

مولانا مفتی محمد سعد اللہ ابن نظام الدین مراد آبادی قوم شیخ کلال مراد آباد میں محلہ کسرول کے اندر مولسری والی مسجد کے عقب میں آپ کا مکان تھا۔ ۱۷ رجب ۱۲۱۹ھ کو مراد آباد میں پیدا ہوئے۔ آپ کم سن تھے کہ آپ کے والد کا انتقال ہو گیا۔ خانگی اختلاف کی وجہ سے گھر سے غائب ہو کر تحصیل علم کی طرف متوجہ ہوئے۔ شہروں شہروں پھر کر اور مسجدوں میں رہ کر علم حاصل کیا۔ پہلے رام پور میں فراش خانہ کے سامنے والی مسجد میں قیام رہا اور مولوی محمد نور خاں سے پڑھا۔ اس کے بعد نجیب آباد پہونچے اور مولوی عبد الرحمٰن قہستانی سے شرح جامی وغیرہ کتابیں پڑھیں۔ پھر دہلی پہونچے، اس وقت حضرت شاہ عبد العزیز حیات تھے ان سے بھی علمی فیض حاصل کیا اور مولانا شاہ محمد اسحٰق محدث دہلوی، اخوند شیر محمد ولایتی، مفتی صدر الدین خاں صدر اعلیٰ سے اکثر کتب درسیہ پڑھیں۔ بعدہٗ لکھنؤ گئے جہاں کے اساتذہ کے نام حسب ذیل ہیں۔ مولانا ظہور اللہ لکھنوی، مرزا محمد ہاشم علی محدث لکھنوی، ملا حسن لکھنوی، مولانا محمد اشرف لکھنوی، مرزا حسن علی محدث لکھنوی ——

آپ لکھنؤ سے مراد آباد آئے اور شادی کے بعد لکھنؤ کے مدرسہ شاہی میں مدرس ہو گئے۔ پھر تاج اللغات ترجمۂ قاموس کے دفتر میں ملازم ہوئے۔ اس کے بعد ترقی کر کے مفتی کے عہدہ پر

پہونچے۔ آپ حج وزیارت سے بھی فیضیاب ہوئے۔ مکہ معظمہ میں شیخ جمال مکی سے بھی سند حدیث حاصل کی۔

شیخ احمد علی شوق رامپوری "تذکرۂ کاملان رامپور" میں آپ کا ذکر خیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

"فقیر نے اکثر رسائل آپ کے ہاتھ کے نقل کیے ہوئے دیکھے۔ اس وقت کتابیں نایاب تھیں جہاں جو کتاب ملی نقل کر لی۔ ایک ہزار سے متجاوز آپ کی نقل کی ہوئی کتب اور رسائل ہوں گے۔ سلطنت لکھنؤ کی خرابی کے بعد ہنگامہ ۱۸۵۷ء سے پہلے نواب یوسف علی خاں نے جو کہ آپ کے شاگرد تھے آپ کو عہدۂ قضا و افتاء پر مقرر کیا۔ آخر تک اسی عہدہ پر مامور رہے آپ کے بہت سے شاگرد تھے جن میں چند حسب ذیل ہیں:-

مولانا رحمت اللہ کیرانوی مہاجر ؒ بانی مدرسہ صولتیہ مکہ معظمہ، ملا نواب مہاجر ؒ، حکیم محمد ابراہیم لکھنوی ؒ، مولانا انور علی لکھنوی ؒ، مولانا شاہ عبد الحق کانپوری ؒ، حکیم احمد سعید امروہی افسر الاطبا حیدر آباد دکن، مولانا شبیر علی امروہی ؒ، مولانا فرید الدین کاکوروی ؒ، مولانا مفتی دوست محمد ولایتی مفتی ریاست ٹونک آپ نظم و نثر دونوں میں کامل تھے۔ فارسی زبان میں آشفتہ تخلص تھا۔ آپ کی تصانیف بہت زیادہ ہیں۔ مؤلف تذکرۂ کاملان رامپور نے ان کی تصنیفات میں سے جتنی مطبوعہ اور غیر مطبوعہ معلوم ہوئیں ان کی ایک مفصل فہرست دی ہے ان میں چند یہ ہیں:-

فتاوی سعدیہ[1]، قول المانوس فی صفات القاموس عربی (مطبوع)، حاشیہ صدرا عربی (غیر مطبوع)، رسالۂ عروض با قافیہ (عربی، مطبوع)، شرح عروض با قافیہ (مطبوع) زاد السبیل الی دار الخلیل[2] (اردو)، شرح سہ نثر ظہوری (فارسی، غیر مطبوع) رسالہ ظہر متخلل (مطبوع) حاشیہ الابدہ (فارسی مطبوع) رسالہ تجوید، درایت الاصول (عربی مطبوع) نور الصباح فی اغلاط الصراح خلاصۃ النوادر (تجوید)، نوادر البیان فی علوم قرآن، شرح ضابطۂ تہذیب، میزان الافکار شرح معیار الاشعار، حاشیہ شرح سلّم، حاشیہ شرح چغمنی، غایت البیان فی تحقیق السبحان، القول الفصل

---

[1] حضرت مولانا اسعد اللہ ناظم مدرسہ مظاہر علوم (سہارنپور) دامت برکاتہم سے زبانی استفسار کرنے پر معلوم ہوا کہ اس کی چار جلدیں تھیں اور صرف پہلی جلد طبع ہوئی تھی۔ احقر کے پاس یہ مطبوعہ نسخہ موجود ہے اور ایک قلمی فتاوی سعدیہ بھی دستیاب ہوا ہے جو غالباً دوسری جلد ہے۔ (نسیم احمد فریدی) [2] یہ کتاب ۱۲۷۰ھ میں تصنیف کی، اس میں مناسک حج اور مقامات متبرکہ کا ذکر ہے۔ مطبع مصطفائی لکھنؤ میں چھپی ہے۔

فی ہمزۃ الوصل، مفید الطلاب فی خاصیات الابواب، ترجمۂ فقہ اکبر امام اعظم (مع متن ۱۲۵۶ھ میں طبع ہوا)، رسالہ در حالات امام اعظم، اشاعت الجمعہ بزبان فارسی، نوادر الوصول فی شرح الفصول (فارسی) یہ پورا تاریخی نام ہے جس سے ۱۲۵۹ھ برآمد ہوتے ہیں۔ یہ کتاب لکھنؤ کے قیام کے زمانے میں تصنیف کی تھی۔ چند اجزاء چھپے تھے کہ سلطنت لکھنؤ میں انقلاب آگیا۔ اس کے بعد یہ کتاب ۱۲۹۴ھ میں مطبع علوی لکھنؤ میں ۲۰۴ صفحات پر چھپی۔ آخر عمر میں رامپور کی ملازمت سے ترک تعلق کا ارادہ تھا۔ رئیسۂ بھوپال نے عہدۂ قضا کے واسطے آپ کو طلب کیا۔ بھوپال جانے کی تیاری ہو رہی تھی کہ سفر آخرت کا وقت آگیا۔ ۲۴ رمضان ۱۲۹۴ھ کو رامپور میں رحلت فرمائی اور شاہ بغدادی کے احاطۂ مزار میں دفن ہوئے مولوی لطف اللہ اور مولوی بشارت اللہ دو فرزند یادگار چھوڑے۔ مولوی بشارت اللہ کے صاحبزادے مولوی رشید اللہ، ان کے صاحبزادے ——————

—————— حضرت مولانا اسعد اللہ دامت برکاتہم ناظم مدرسہ مظاہر علوم ہیں، رامپور میں مفتی سعد اللہ کی اولاد جس محلہ میں آباد ہے اس کا نام آزاد بنگلہ ہے۔

مولانا عبد العلی خاں رامپوری ریاضی داں

آپ یوسف خاں ساکن محلہ راج دوارہ رام پور کے صاحبزادے تھے۔ رام پور میں پیدا ہوئے اور شروع میں مولوی حیدر علی ٹونکی سے کسب علوم کیا۔ اس کے بعد مفتی شرف الدین خاں، ملا عبد الرحیم خاں وغیرہما سے علوم حاصل کیے۔ پھر دہلی جا کر شاہ محمد اسحٰق محدث دہلوی سے حدیث کی تکمیل کی حکیم صادق علی خاں سے طب پڑھی۔ نواب محمد سعید خاں والی ریاست رامپور نے نواب محمد یوسف علی خاں کی تعلیم کے لیے آپ کو مقرر کیا تھا۔

مولانا عبد العلی کے شاگردوں میں مفتی عبد القادر اور مولوی عبد العزیز خاں کے علاوہ مولوی احمد رضا خاں بریلوی بھی ہیں۔ نواب کلب علی خاں خلد آشیاں کو بھی آپ نے پڑھایا ہے۔ آپ مدرسہ عالیہ رامپور میں مدرس اول رہے۔ علاوہ مدرسہ کے مکان پر بھی کوئی وقت ریاضیات کے درس سے خالی نہ رہتا تھا نہایت منکسر المزاج اور خلیق تھے۔ رسالہ قوشجیہ پر حاشیہ بزبان فارسی لکھا ہے جو طبع ہو گیا ہے۔ آپ کا انتقال ۱۳۰۳ھ میں ہوا اور محلہ راج دوارہ میں مولوی غلام جیلانی رفعت کے پہلو میں دفن ہوئے۔

آپ کا قطعہ تاریخ وفات مولانا محمد سعید حسرت نے لکھا جو یہ ہے ؎

دردا کہ کرد رحلت عبدالعلی مدرس — بادا نزول رحمت صبح و مسا بخاکش
چوں سال انتقالش کردم طلب ز حسرت — گفتا کہ رحمت حق بادا بروح پاکش

آپ کے کفن و دفن کے لیے نواب خلد آشیاں نے ایک سو روپے بھیجے تھے۔ ۱۲۳۳ھ

(ماخوذ از تذکرہ کاملان رامپور)

مولانا محمد فیاض رامپوری رح

مولانا محمد فیاض، اخوند سید احمد خاں کے صاحبزادے اور مولوی محمد حیات کے حقیقی بھائی تھے آپ نے علوم دینیہ۔ مولانا شاہ محمد اسحاق محدث دہلوی رحؒ سے حاصل کیے۔ رامپور کے محلہ لال مسجد میں رہتے تھے۔ تخمیناً ۷۰ سال کی عمر میں ۱۲۷۰ھ میں انتقال کیا اور محلہ لال مسجد میں ہی دفن ہوئے۔

(ماخوذ از تذکرہ کاملان رامپور)

جناب محمد بشیر صاحب ایم اے۔ لاہور

آثار شاہ اسمٰعیل شہید رح

(آخری قسط)

اصول فقہ یہ عربی زبان میں مختصر رسالہ ہے۔

اس کے مباحث میں خبر متواتر، تقلید، اجتہاد، اور عقل کی حدود و اختیارات پر دلکشا اور بصیرت افروز جواہر پارے شامل ہونے کے باعث یہ مختصر سا رسالہ خاص اہمیت کا حامل ہو گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مختلف علماء نے اس کی شرحیں لکھی ہیں۔

سب سے پہلے مولانا محمد بشاوری ساکنِ سفید ڈھیری نے اس پر عربی زبان میں "القول المامول فی فن الاصول" کے نام سے مفصل شرح لکھی، جو نواب محمد جمال الدین خاں دہلی مدار المہام ریاست بھوپال کے ایماء، اور سرپرستی میں انہی کے خرچ پر ۱۲۹۵ھ میں مطبع فاروقی دہلی سے شائع ہوئی ۔۔۔ دوسری شرح مولانا مشتاق احمد صاحب انبیٹھوی نے عربی زبان میں لکھی، جو متن کے ساتھ ہی حاشیہ پر ۱۳۱۱ھ میں مطبع مجتبائی دہلی سے شائع ہوئی۔

تیسری شرح "بغیۃ الفحول فی شرح مختصر الاصول" کے نام سے مولانا محمد بن فضل الدین نے مرتب فرمائی جو ادارہ اشاعۃ السنۃ کے زیر اہتمام ۱۳۸۸ھ/۱۹۶۸ء میں لاہور سے شائع ہوئی۔

منطق میں ایک رسالہ شاہ اسمٰعیل شہید رح نے فارسی زبان میں ایک رسالہ منطق کے فن میں لکھا۔ اس کی اجتہادی شان کا ذکر کرتے ہوئے سید ابو الحسن علی ندوی رقمطراز ہیں:-

"ہندوستان میں علم معقول بھی مدت سے منقول بنا ہوا ہے جس میں سوائے نقل و شرح کے نہ کسی نقطہ کا اضافہ ہو سکتا ہے نہ ترمیم، نہ کسی نظریہ پر نظر ثانی ہو سکتی ہے نہ اجتہاد،

لیکن شاہ اسمٰعیل شہیدؒ نے منطق میں ایک رسالہ تحریر فرمایا، جو آپ کی شانِ اجتہاد کے شایاں ہے [۲۴]

اس رسالہ میں آپ نے اہل منطق کے مسلّمہ اصول کے برخلاف دعویٰ کیا ہے کہ اشکالِ اربعہ میں سے یہ چوتھی شکل بدیہیات میں سب سے بدیہی ہے اور شکل اول اس کے برعکس ہے۔ شاہ اسمٰعیل شہیدؒ نے اپنے اس دعویٰ کو ایسی ٹھوس بنیادوں پر استوار کیا، اور ایسے دلائل بہم پہنچائے کہ بقول صاحب "نزہۃ الخواطر" آپ کے معاصرین میں سے کوئی بھی آپ کے اس دعوے کی تردید نہ کر سکا۔ [۲۵]

شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کے اس دعویٰ کے اٹل اور لاجواب ہونے پر تبصرہ کرتے ہوئے سرسید احمد خاں رقمطراز ہیں:

اگر معلم اول (ارسطو) بھی اسے ملاحظہ کرتا تو اپنے دلائل کو تارِ عنکبوت (مکڑی کے جالے) سے (بھی) کمزور تر سمجھتا۔ [۲۶]

حقیقت تصوف

مولانا فضل حسین مؤلف "الحیات بعد الممات" نے اس رسالے کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ فارسی زبان میں ہے۔ شاہ اسمٰعیل شہیدؒ نے اسمیں سچے صوفیوں کی تعریف لکھی ہے اور تصوف میں داخل شدہ من گھڑت باتوں کی برائی بیان کی ہے۔ مؤلف موصوف کا بیان ہے کہ اس رسالے کے انقلابی اثرات ہوئے اور اہل تصوف کی بہت کچھ اصلاح عمل میں آئی۔ اس کے ساتھ ہی مؤلف مذکور اس رسالہ کے نایاب ہو جانے کی اطلاع بھی دے رہے ہیں [۲۷]

تنقید الجواب در رفع الیدین

اس کا ذکر صرف نواب محمد صدیق حسن خاں نے "اتحاف النبلاء" کے صفحہ ۴۴ پر کیا ہے۔ موضوع نام سے ظاہر ہے۔ [۲۸]

---

[۲۴] سید ابو الحسن علی ندوی، سیرت سید احمد شہیدؒ بار دوم ص ۳۲۶ [۲۵] سید عبد الحئی، نزہۃ الخواطر ج، ص ۵۹ [۲۶] سرسید احمد خاں تذکرہ اہل دہلی ص ۱۱ [۲۷] فضل حسین الحیات بعد الممات ص ۱۱۱۔ [۲۸] نواب صدیق حسن خاں، اتحاف النبلاء ص ۴۴

حواشی مفیدہ سر سید احمد خاں لکھتے ہیں:۔

"شاہ اسمٰعیل شہیدؒ نے اکثر کتب علم معقول پر حواشی تحریر کئے۔" ۱۰۹

مولانا رشید الدین خاں کے صاحب زادے مولوی سید بدر الدین خاں امین مدرسہ کلکتہ جن کا ہزارہا روپے کا کتب خانہ ۱۸۵۷ء میں لوٹا گیا، فرمایا کرتے تھے:۔

"ہمیں اپنے کتب خانے کے برباد ہو جانے کا اتنا غم نہیں ہے جتنا کہ ان حاشیوں کے ضائع ہو جانے کا غم ہے جو علمی کتابوں پر مولانا اسمٰعیل شہیدؒ نے چڑھائے تھے۔ کیونکہ دیگر کتب تو پھر بھی دستیاب ہو سکتی ہیں لیکن ان حاشیوں کا ملنا سراسر محال ہے۔ جن کے فقدان سے بے شمار علمی نکات معدوم ہو گئے"۔ ۱۱۰

مکاتیب شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کے متعدد مکاتیب بھی موجود ہیں۔ مولانا غلام رسول مہر لکھتے ہیں:۔

"سید صاحبؒ کے مکاتیب اور اعلام نامہ جات بھی شاہ صاحب ہی کے لکھوائے ہوئے ہیں۔ اگرچہ ان کا مضمون سید صاحبؒ بتا دیتے تھے۔" ۱۱۱

خطبات مولانا غلام رسول مہر کا بیان ہے کہ فضائل جہاد میں بعض خطبے نواب صدیق حسن خاں نے ایک مجموعۂ خطب میں شائع کر دیے تھے۔ نواب مرحوم پر جب انگریز کا عتاب نازل ہوا، تو یہ مجموعۂ خطب بھی تلف کر دیا گیا۔ ۱۱۲

بعض تحریریں چوری ہو جانے کے باعث ہمیشہ کے لیے ناپید ہو گئیں ۱۱۳

منظومات آپ کے تذکرہ نگاروں نے آپ کے منظومات کا ذکر کرتے ہوئے ان میں سے بعض کا انتخاب بھی نمونہ کے طور پر پیش کیا۔ اب تک تمام منظومات منتشر اور غیر مرتب صورت میں تھے۔ حال ہی میں ایک صاحب محمد خالد سیف نے انھیں مرتب کر کے

---

۱۰۹ سر سید احمد خاں، تذکرۂ اہل دہلی ص۱۱۰ ۱۱۰ مولانا غلام رسول مہر جماعت مجاہدین ص۱۲۹۔ ۱۱۱ (الف) مولانا غلام رسول مہر جماعت مجاہدین ص۱۲۹ و دائرۃ المعارف اسلامیہ ج ۲ ص۵۲، ۱۱۲ دائرۃ المعارف اسلامیہ ج۲ ص۱۵۴ ۱۱۳ مولانا غلام رسول مہر جماعت مجاہدین ص۲۰۵

فاروق اکیڈمی فیصل آباد سے شائع کیا ہے۔ ڈاکٹر سید عبداللہ نے "کلام شاہ اسمٰعیل شہیدؒ" کے زیر عنوان شاہ اسمٰعیل کے کلام بلاغت نظام کے محاسن پر نہایت شرح وبسط سے اپنے تاثرات کا اظہار کیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب موصوف شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کو ایک "باکمال" اور "قادر الکلام" شاعر تسلیم کرتے ہیں۔ ہمارے خیال میں جو کوئی بھی شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کے کلام کا مطالعہ کرے گا بے اختیار اسی فیصلہ پر صاد کرے گا۔

منظومات، اردو اور فارسی دونوں زبانوں میں ہیں، حصہ اردو میں مثنوی سلکِ نور، ہر اِلہٖ بے نمازاں اور نسخۂ قوت ایمان، شامل ہیں اور حصہ فارسی میں مثنوی سلک نور، قصیدۂ در مدح رسول مقبولؐ، قصیدہ در مدح سید احمد شہید اور خاتمہ رسالہ رد الاشراک ہیں۔

مثنوی سلکِ نور (اردو) بڑی معرکۃ الآرا نظم ہے۔ اس میں سید احمد شہیدؒ کی تحریک اصلاح وجہاد کے جذبات وخیالات کی ترجمانی کی گئی ہے۔ انداز بیان شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کی "تقویت الایمان" کی طرح علمی ہے ایسے علمی ونظریاتی مطالب کے لیے انھوں نے شعری تخیل سے جس طرح کام لیا ہے۔ اس کے پیش نظر ادبیات کے عظیم اور معروف نقاد ڈاکٹر سید عبداللہ کا فیصلہ یہ ہے کہ اگر شاہ صاحبؒ سچ مچ شعر وشاعری کے کوچے میں داخل ہو جاتے تو بلند پایہ شعرا کی صف میں ممتاز مقام کے مالک ہوتے۔[۱۱۳]

اسی نظم پر اظہار خیال کرتے ہوئے ڈاکٹر سید عبداللہ رقمطراز ہیں:-

"توحید میں ایمان، اور شرک سے اجتناب (اور اس میں شرک جلی وخفی کی تفصیل، قدرتی طور پر ایسے مصنف سے اور ایسی نظم میں متوقع ہیں لیکن بحیثیت شاعری ہمارے لیے تعجب اور دلچسپی کی بات یہ ہے کہ کائنات میں پھیلی ہوئی خدائی صنعتوں کی جزئیات نگاری کے ذریعے شاعر (حضرت شہیدؒ) نے خدا کی ہستی کے بارے میں جو گہرا تاثر پیدا کیا ہے وہ ان کی قادر الکلامی کا ثبوت ہے۔[۱۱۵]

ڈاکٹر صاحب موصوف ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں:-

۱۱۳؎ ڈاکٹر سید عبداللہ محمد خالد سیف (مرتب) کلام شاہ اسمٰعیل شہیدؒ ص۱۱　　۱۱۵؎ ایضاً ص ۱۰-۱۹

مثنوی سلکِ نور (اردو) اردو شاعری کی بیاض میں نمایاں جگہ حاصل کرنے کی مستحق ہے۔[۵]

ہمارا مشاہدہ یہ ہے کہ شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کے اردو منظومات میں جا بجا سہل ممتنع کے جواہر اپنی بہار دکھا رہے ہیں۔ اردو زبان کی ابتداء و آغاز میں ایک بلند پایہ عالم کا اس بے تکلفی سے اپنے خیالات کو سلکِ نظم میں پرونا بلاشبہ ایک عظیم کارنامہ ہے۔

آئندہ سطور میں جستہ جستہ اشعار نمونے کے طور پر پیش کیے جاتے ہیں:۔

الٰہی ترا نام کیا خوب ہے ۔۔۔ کہ ہر جان کو وہ ہی مطلوب ہے

اسی سے ہے ہر دل کو آرام و چین ۔۔۔ وہی سب زبانوں کا ہے زیب و زین

زباں کس طرح حمد تیری کرے ۔۔۔ کہ ہے تو تو ادراک سے بھی پرے

ہمیں بس یہی تیرا ادراک ہے ۔۔۔ کہ بے شک تو ہر عیب سے پاک ہے

تیری ذات میں منحصر ہیں کمال ۔۔۔ تجھی میں ہیں شانِ جمال و جلال

بڑائی میں تیری بیاں کیا کروں ۔۔۔ کہ یاں تو بڑے لوگ ہیں سرنگوں

بڑا تو ہی ہے اور سب ہیچ ہیں ۔۔۔ خیالات کے سارے وہ پیچ ہیں

تو ہے خالقِ ہر مکین و مکاں ۔۔۔ تو ہے بادشاہِ زمین و زماں[۱]

اللہ تعالیٰ کی حمد کے بعد جب رسولِ مقبولؐ کی نعت میں زمزمہ سرا ہوتے ہیں تو عجیب و غریب موتی سلکِ نظم میں پروتے جاتے ہیں۔ مثلاً

خصوصاً کہ جو اکمل انسان ہے ۔۔۔ وہ سارے صحیفوں کا عنوان ہے

وہ انسانِ اکمل ہے سنتے ہو کون! ۔۔۔ ہوئے مفتخر جس سے یہ دو نون کون

نبیُّ البرایا رسولِ کریمؐ! ۔۔۔ نبوت کے دریا کا دُرِّ یتیم

حبیبِ خدا سید المرسلین ۔۔۔ شفیع الوریٰ ہادیِ راہِ دین

محمدؐ ہے نام اس کا احمد لقب ۔۔۔ بیاں ہو سکے منقبت اس کی کب

دل اس کا جو ہے مخزنِ سرِ غیب ۔۔۔ مبرا خطا سے ہے بے شک و ریب

---

[۵] ایضاً صـ ۲۴ [۱] محمد خالد سیف (مرتب) کلام شاہ اسمٰعیل شہیدؒ صـ ۳۱

بظاہر جو ہے مقطعِ انبیاء حقیقت میں ہے مطلعِ اصفیاء[117]

سید احمد شہیدؒ کی تحریکِ اصلاح و جہاد کے اثرات کا بیان کس اچھوتے انداز اور دلنشین پیرائے میں کرتے ہیں :-

چمن میں مہکنے لگی مست بُو چہکنے لگیں بلبلیں چارسُو

طلسمات سے بھر گیا باغ و راغ ہُما اور طوطی ہے ہر بوم و زاغ

عجب ہے وہ مے اور عجب ہے وہ جام کہ بھر بھر کے پیتے ہیں ہر خاص و عام

عجب ساقی ہے اور عجب یار ہیں کہ مستی سے سارے وہ سرشار ہیں

وہ سرشار کیوں کر نہ ہوں مثلِ گل ولایت ہے جام اور نبوت ہے مُل[118]

توحید اور شرک کا بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں :-

یہ توحید ہے وہ شرابِ طہور کہ اک دم میں لاتی ہے ہزاروں سرور

ولے جام کو صاف رکھو چرک سے دل اپنے کو تو پاک رکھ شرک سے

یہاں تک کر اُس کی شست و شو کہ ہرگز نہ باقی رہے اس کی بُو

کہ جس دل میں کچھ شرک مستور ہے سو توحید اس سے بہت دُور ہے

نہ ہو اس میں نور اس کا ہرگز پدید کہ جس میں ہوں ظلماتِ شرکِ پلید[119]

مثنوی سلکِ نور (اردو) میں شمس و قمر، کواکب، عالمِ عناصر، جنگل، کوہ، معدن، ابرِ سیاہ، رعد، برق، قوسِ قزح، شجر و حجر، رنگ، برگ، پھول، گل و لالہ و نسترن، مرغِ چمن، سروِ سہی، جنگل کے حیوان، پرندے، رینگنے والے کیڑے، پانی میں تیرنے والی مچھلیاں وغیرہ وغیرہ سب کو شاغلِ حمدِ ربِ کریم ثابت کر کے اللہ تعالیٰ کی ہستی کا ایک ہمہ گیر اور گہرا تاثر پیدا کیا ہے۔ اور یہ ان کی قادر الکلامی کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

پوری نظم اپنے اندر ایک وجد آفریں کشش لیے ہوئے ہے۔

اسی طرح نسخۂ "قوتِ ایمان" میں دقیق علمی مسائل کو دلنشین اور لطیف پیرائے میں

---

[117] محمد خالد سیف (مرتب) الکلام، شاہ اسمٰعیل شہیدؒ، ص [118] ایضاً ص ۳۳-۳۴ [119] ایضاً ص ۳۵-۳۶

بیان کر جانا ایک زرّیں شہکار ہے۔

شاہ اسمٰعیل شہیدؒ نے شاعری کو مستقل مشغلہ نہیں بنایا۔ بلکہ یہ ان کے لیے ایک وقتی اور ضمنی حیثیت سے زیادہ وقعت کی حامل نہیں رہی۔ لیکن پھر بھی انھوں نے جو کچھ کہا، وہ نفسانی خواہشات کے لیے نہیں بلکہ محض اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے کہا۔ ان کے کلام میں "محبوبِ مجازی" کا تصور عنقا ہے۔ اُن کے کلام میں "غزل" نام کی کوئی شے نظر نہیں آتی۔ انھوں نے اپنی پوری صلاحیتوں کو محض دین کی عظمت و سربلندی کے لیے وقف کر رکھا تھا۔

مولانا غلام رسول مہر مرحوم اپنی تصنیف "جماعتِ مجاہدین" میں بتاتے ہیں کہ قاضی علاء الدین بگھروی اسلامی مسائل نظم کر کے اصلاح کے لیے شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کی خدمت میں پیش کیا کرتے تھے۔[120]

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کو فنِ شاعری میں نقاد اور استاد کا رتبہ حاصل تھا۔ مگر یہ ان بزرگوں کے عُلوم رتبت اور پاکیزہ نفسی کا کھلا ثبوت ہے کہ انھوں نے ذرائع کو اپنی عظمت کا ذریعہ و مظہر قرار نہیں دیا۔ بلکہ اسے محض ایک ضمنی حیثیت کے قابل سمجھا۔ ابن خلدون نے بالکل درست لکھا ہے کہ اہل کمال شاعری کی طرف زیادہ التفات نہیں کرتے۔[121]

شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کی مثال سے اس قول کی تصدیق اور توثیق ہوتی ہے۔

(بشکریہ "برہان دہلی")

---

[120] مولانا غلام رسول مہر جماعت مجاہدین، ص ۲۷۶ و ص ۲۷۷

[121] ابن خلدون، مقدمہ ابن خلدون (اردو ترجمہ) ص ۵۹۶

میری علمی و مطالعاتی زندگی

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ کا ایک مکتوب گرامی

[کسی صاحب نے حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے چند سوالات فرمائے تھے۔ جن کے جواب میں حضرت مرحوم نے مندرجہ ذیل مکتوب تحریر فرمایا تھا ـــــ حال ہی میں لندن سے شائع ہونے والے ماہنامہ "فاران" میں یہ نظر سے گزرا۔ مناسب سمجھا گیا کہ اس کو الفرقان کے ناظرین تک بھی پہنچا دیا جائے ـــــ جواب سے خود سمجھا جاسکتا ہے کہ سوالات کیا تھے۔ اس لیے سوالنامہ نقل کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی گئی]

کرم فرمائے محترم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

آپ نے مجھ ناکارہ کی علمی زندگی کے بارہ میں کچھ سوالات کیے ہیں۔ میں علم و عمل سے تہی دامن اس کا جواب کیا دوں یہ خود ایک مسئلہ بنا ہوا تھا، جس کی وجہ سے جواب میں تاخیر ہوئی۔ آپ نے مولوی محمد تقی سلمہٗ کو مسلط فرمادیا جو جواب کے لیے یاددہانی کے ساتھ تاکید بھی کرتے رہے۔ آج مجبور ہو کر یہ سطور لکھ رہا ہوں۔

حقیقت یہ ہے کہ میں اپنی علمی اور عملی زندگی کے جس باب اور جس پہلو پر نظر ڈالتا ہوں سب کو تاہیوں اور لغزشوں اور غفلتوں سے لبریز نظر آتے ہیں۔ ان حالات میں دوسروں کو کیا بتاؤں البتہ اللہ تعالیٰ کے انعامات اس ناکارہ پر بے حد و بے شمار ہوئے ان میں سب سے بڑا احسان یہ کہ اس نے ایک ایسے گھرانہ میں پیدا کردیا جو اسلام و ایمان اور اس کے ساتھ دینداری میں معروف تھا جب سے ہوش سنبھالا دین کی باتیں بزرگوں کی حکایتیں کان میں پڑتی رہیں۔ اس کے بعد سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ اس نے ایک ایسی

جگہ پیدا فرما دیا جو علم اور دین کے اعتبار سے پورے ملک میں بلکہ شاید پوری دنیا میں ایک امتیازی مقام رکھتا تھا۔ یعنی دیوبند جہاں اللہ تعالیٰ نے اپنے برگزیدہ ایسے راسخ العلم محقق علماء کو جمع فرما دیا تھا۔ جو علم کے ساتھ عمل اور تحقیق کے ساتھ اعتدال اور بلند نظری کے ساتھ اپنے زمانے کے حالات پر گہری نظر رکھنے والے تھے وہ علماء ربانی صرف علماء نہیں، اولیاء اللہ بھی تھے۔ والد ماجد اسی دارالعلوم میں علمی عملی تربیت پا کر اس کے مدرس کی حیثیت میں تھے۔

قدرت نے اس سوال کی زحمت ہی سے بچا دیا کہ بچے کو تعلیم کے لیے کہاں بھیجیں، جب تک پڑھنے کے قابل نہ تھا، اس وقت بھی دارالعلوم کا صحن میرے کھیلنے کی جگہ تھی، ہر طرف علماء صلحاء ہی پر نظر پڑتی تھی، کوئی بھی بات کان میں پڑتی تو ان ہی بزرگوں کی۔

۱۳۲۰ھ میں جبکہ عمر کا ساتواں سال تھا، باقاعدہ تعلیم شروع ہوئی اور ۱۳۶۲ھ تک اسی گہوارۂ علم و عمل میں رہنے کی توفیق ملی میری علمی عملی زندگی کے کسی گوشہ میں کوئی خیر کا پہلو ہے تو وہ سب ان بزرگوں کا فیضِ نظر ہے، میرا اپنا کچھ نہیں، عام مسلمانوں اور طلباء و علماء کے لیے کچھ مفید باتیں اور کلماتِ حکمت انہی بزرگوں سے سنے سنائے ہیں، جن کو اپنے لیے بھی سرمایۂ سعادت سمجھتا ہوں، اور دوسرے اہل علم دوستوں کو بھی ان کا پہنچانا مفید سمجھ کر لکھتا ہوں۔ اس کی معافی چاہتا ہوں کہ آپ کے سوالات کی ترتیب پر اس کے جوابات نہیں مگر امید ہے کہ مقصد سوالات پر نظر کی جائے تو اس میں ان کے کافی جواب ملیں گے۔

مطالعہ کتب

(۱) اصل یہ ہے کہ انسان کا معلم درحقیقت انسان ہی ہو سکتا ہے، کوئی کتاب خود معلم نہیں ہوتی، البتہ تعلیم تعلم میں معین ضرور ہوتی ہے، اس لیے اصول کی بات یہ ہے کہ جس علم و فن کو حاصل کرنا مقصود ہو اس کا ماہر محقق استاد تلاش کیا جائے اور جب وہ

مل جائے تو اس کو اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت سمجھ کر اس سے اکتساب علم میں مشغول ہو کسی کتاب کا مطالعہ بھی کیا جائے تو اسی معلم کی تجویز سے تاکہ وہ اس کی استعداد اور ضرورت پر نظر کر کے اس کے لیے مطالعہ کی کتابیں تجویز کرے خود رائی سے مختلف کتابوں کا مطالعہ وقت اور محنت بہت لے گا، فائدہ اتنا نہیں ہوگا۔ آج کل مدارس عربیہ میں استاد کا انتخاب طالب علم خود نہیں کر سکتا تو طالب علم کم از کم یہی کرے کہ ایسے مدرسہ کا انتخاب کرے جہاں وہ کتابیں جو اس کو پڑھنا ہیں ان کے ماہر اساتذہ کے سپرد ہوں۔

(۲) اس زمانہ میں تصنیف تالیف کتابوں کی اشاعت اتنی عام ہے کہ احاطہ دشوار ہے ہر اہل و نا اہل تصنیف میں لگا ہوا ہے۔ ان میں ایسے لوگ بھی ہیں۔ جو قرآن و سنت میں تحریف کرتے ہیں۔ اور بے دین و ملحد بھی ہیں۔ اس لیے اس زمانے میں کتابوں کے مطالعہ کے لیے مناسب صورت یہ ہے کہ عوام کسی عالم سے اپنے مناسب حال کتابیں مطالعہ کی تجویز کرائیں۔ اور طلبا اپنے اساتذہ سے اور جہاں مطالعہ میں کوئی اشکال پیش آئے اس کو اپنی رائے سے طے نہ کریں۔ بلکہ عوام علما سے اور طلبا اساتذہ سے تحقیق کر کے رفع کریں۔

اگر یہ طریق اختیار نہ کیا گیا تو بے شمار کتابیں دیکھنے اور بڑی محنت کرنے کے بعد کچھ علم آئے گا وہ بھی قابل اطمینان و اعتماد نہیں ہوگا۔

(۳) جس کتاب کا مطالعہ کرنا ہو پہلے اس کے مصنف کا حال معلوم کیجیے کہ جس موضوع پر یہ کتاب ہے اس فن میں مصنف کی مہارت کس حد تک ہے۔ اگر مصنف ہی کی مہارت فن کی تحقیق نہ ہو تو اپنے وقت اور محنت کو اس کے پیچھے ضائع نہ کریں۔ اور اگر کتاب دینیات سے متعلق ہے تو مصنف کے علمی مقام کے ساتھ اس کی عملی اور اخلاقی زندگی کی بھی تحقیق مناسب ہے، کیونکہ تجربہ شاہد ہے کہ علوم دین میں بے عمل آدمی کی تصنیف اور کلام میں وہ اثر نہیں ہوتا جو متقی علما کی تصانیف میں ہے۔

(۴) عام مسلمان جو دین کا کافی علم نہ رکھتے ہوں وہ فرق باطلہ کی کتابیں اور ملحدین اور بے دین لوگوں کے مضامین ہرگز نہ دیکھیں کہ جس طرح بے دینوں کی مجالست اور صحبت بُرا

اثر ڈالتی ہے، اسی طرح ان کا کلام اور تصنیف بھی بلکہ بعض اوقات اس کا اثر صحبت و مجالست سے بھی زیادہ مضر ہوتا ہے۔

(۵) اہلِ علم میں بھی صرف وہ حضرات ملحدین اور فرق باطلہ کی کتابوں کا مطالعہ کریں جن کو ماہر اساتذہ کی صحبت سے علم میں رسوخ حاصل ہو چکا ہے۔ اور وہ اپنے وسائل کے اعتبار سے دفاع عن الاسلام کی خدمت انجام دینے کی صلاحیت بھی رکھتے ہوں مثلاً تحریر، تقریر اس درجہ میں ہو کہ حق بات کو دلنشیں انداز میں فریق مخالف کے نفسیات پر مؤثر کر کے بیان کر سکیں، جو لوگ یا اتنی استعداد نہیں رکھتے یا ان کو ایسے لوگوں سے سابقہ نہیں پڑتا، وہ فضول اپنا وقت اور محنت ان کتابوں کے مطالعہ میں صرف کرنے کی بجائے ان کتابوں کا مطالعہ کریں جو اپنے لیے بھی اصلاحِ نفس کا ذریعہ بنیں اور دوسرے مسلمانوں کو بھی ان کی تعلیم و تبلیغ مفید ہو۔

ہمارے اکابرؒ فرمایا کرتے تھے کہ درسِ نظامی سے فراغت کا حاصل اتنا ہے کہ اس کے فاضل میں مطالعہ کی ایسی استعداد پیدا ہو گئی ہے کہ استاد کی مدد کے بغیر بھی مطالعہ کر کے استفادہ صحیح کر سکتا ہے۔ یہ نہیں کہ ضرورت کے سب علوم اور سب معلومات درسِ نظامی میں پورے حاصل ہو چکے یہ ایک ایسی بات ہے جو اکثر درسِ نظامی کے فارغ التحصیل لوگ نظر انداز کر دیتے ہیں، اس لیے ایک عالم کے شایانِ شان خدمت میں کامیاب نہیں ہوتے، ایسے علوم میں خصوصیت سے تاریخ، جغرافیہ اور تصوف ہے، جو درسِ نظامی میں درساً نہیں پڑھائے جاتے لیکن درسِ نظامی کی صحیح استعداد پیدا کر لینے والا ان کو مطالعہ کر کے اسی طرح سمجھ سکتا ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ مدارس سے فارغ التحصیل حضرات ان فنون کا مطالعہ اہتمام سے کریں، خصوصاً تصوف یعنی اصلاح نفس سے متعلق کتابوں کے مطالعہ کو وظیفۂ زندگی بنائیں جس کے بغیر علم دین کا مقصد حاصل ہوتا ہے نہ تعلیم و تبلیغ میں برکت پیدا ہوتی ہے۔ اس معاملہ میں امام غزالیؒ کی کتابیں عموماً اور بالخصوص بدایۃ المبتدی، تعلیم دین، فاتحۃ العلوم اور احیاء العلوم کی جلد رابع، علامہ ابن قیم کی کتاب الجواب الکافی عن الدواء الشافی اور کتب متقدمین میں سے رسالہ قشیریہ اور عوارف المعارف وغیرہ اور آخری دور میں

حکیم الامت سیدی حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کی تصانیف تعلیم الدین، التشرف
قصد السبیل، اماثل الاقوال وغیرہ اور آپ کے مطبوعہ مواعظ و ملفوظات اس معاملہ
میں اکسیر ثابت ہوئے ہیں۔

رہا معاملہ موجودہ نصاب مدارس میں اصلاح و ترمیم کا تو اس کے لیے انفرادی رایوں کی
اشاعت شاید مفید نہ ہو۔ یہ کام مدارس عربیہ کے ذمہ داروں کے اشتراک اور باہمی بحث و
تمحیص کے بعد ہی کوئی مفید صورت اختیار کر سکتا ہے جس سے مدارس عربیہ کے نصاب میں
ہم آہنگی اور اشتراک باقی رہے۔

آپ کے سوالات میں سے ایک سوال یہ بھی تھا کہ "آپ نے تعلیمی زندگی میں کن
اساتذہ اور درسگاہوں سے خاص اثرات لیے، ایسے اساتذہ اور درسگاہوں ———
——— کے امتیازی اوصاف" اس میں جہاں تک درسگاہوں
کا تعلق ہے وہ اوپر عرض کر چکا ہوں کہ صرف ایک درسگاہ دارالعلوم دیوبند میں بچپن سے
بچپن تک عمر گذاری ہے اس کی خصوصیات محتاج بیان نہیں۔ ہندوستان و پاکستان میں
اور بیرونی ممالک میں بھی اس کی علمی ساکھ ہمیشہ مسلّم رہی ہے اور جس چیز نے اس کو دنیا کی
دوسری درسگاہوں سے ممتاز کیا وہ علم کے ساتھ عمل کی جامعیت ہے۔ میرے والد ماجد مولانا
محمد یٰسین صاحبؒ فرماتے تھے کہ ہم نے دارالعلوم کا وہ زمانہ دیکھا جبکہ اس کے مہتمم اور صدر
مدرس سے لیکر ایک چپراسی اور دربان تک سب اولیاء اللہ تھے۔ دارالعلوم دن بھر قال اللہ
اور قال الرسول کی صداؤں سے گونجتا تھا اور رات کو جگہ جگہ سے تہجد میں تلاوت قرآن اور
ذکر اللہ کی دلنواز ——— صدائیں سنائی دیتی تھیں اور اساتذہ جن کے سامنے زانوئے ادب
تہ کرنے کی دولت حق تعالیٰ نے اس ناکارہ کو نصیب فرمائی، ان کے امتیازی اوصاف بیان
کرنا تو اس ناکارہ کے بس کی بات نہیں۔ قلم جب یہاں پہنچتا ہے تو ایک طرف محبت کا داعیہ
قلم کی رفتار کو خود بخود تیز کرنا چاہتا ہے

این زماں جان دامنم را تافت ست ——— بوئے پیراہن یوسف یافت ست

دوسری طرف ان بزرگوں کی عظمت اور ان کے کمالات علمی و عملی کی وسعت سے اپنے دامن

فکر و نظر کو تنگ پاتا ہوں۔ خصوصاً اس وقت جب کہ میرے سب توئی جواب دے چکے ہیں۔ عمر کے آخری ایام لیٹ بیٹھ کر گذار رہا ہوں۔

ذرا غور کیجیے کہ ان حالات میں اپنے اساتذہ شیخ العرب و العجم استاذ الکل حضرت مولانا محمود الحسن شیخ الہند نور اللہ مرقدہ حجۃ الاسلام والمسلمین حضرت مولانا سید محمد انور شاہ کشمیریؒ اور عارف باخدا حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰنؒ، عالم ربانی حضرت مولانا سید اصغر حسین میاں صاحب۔ شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ۔ اور دوسرے طبقہ میں حضرت مولانا اعزاز علی صاحب حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب، حضرت مولانا رسول خاں صاحب جیسے اساطین اُمت بزرگوں کے امتیازی اوصاف پر قلم اٹھاؤں تو سمندر کو تیراکی کے ذریعہ پار کرنے کی مثال سے کیا کم ہوگی، اس وقت تو بس اتنا ہی کہہ سکتا ہوں کہ ؏

آفتاب آمد دلیل آفتاب

اور یہ کہ ؎

نازم بچشم خود کہ جمالِ تو دیدہ است — افتم بپائے خود کہ بکویت رسیدہ است

اللہ تعالیٰ ان بزرگوں کی معیت آخرت میں نصیب فرما دیں۔ وما ذالک علی اللہ بعزیز۔

ڈاکٹر مولوی ماجد علی خاں صاحب
جامعہ ملیہ، دہلی

بابا رتن الہندیؓ

تیرھویں صدی عیسوی (ساتویں صدی ہجری) کے ایک صوفی بزرگ خواجہ بابا رتن الہندیؒ کے بارے میں یہ روایات ملتی ہیں کہ انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت آپؐ کے وصال سے قبل مکہ مکرمہ میں کی تھی اور آپؐ کے دست مبارک پر اسلام قبول کیا تھا۔ اس وجہ سے علماء کے ایک طبقہ نے اُن کو صحابہؓ میں شمار کیا ہے۔ جبکہ کچھ علماء نے بابا رتنؒ کے اس دعویٰ کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا ہے اور اتنی طویل عمر کا پانا قیاساً اور عقلاً غلط بتایا ہے۔ محققین کے پہلے گروہ میں سر فہرست شیخ الاسلام امام الحافظ ابوالفضل احمد بن علی المعروف بابن حجر العسقلانیؒ (م ۸۵۲ھ/۱۴۴۸ء) کا نام آتا ہے۔ انھوں نے تذکرہ صحابہؓ پر اپنی مشہور کتاب "الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ" میں ۷×۱۱ سائز کے سات صفحات میں اُن کا تذکرہ کیا ہے۔ موجودہ دور کے بیشتر مورخین اور مستشرقین نے بابا رتن کے بارے میں اُن سے ہی استفادہ کیا ہے۔ ذیل میں الاصابہ سے چند اقتباسات پیش کیے جا رہے ہیں۔

اسم گرامی

(صحابی نمبر) ۲٫۷۵۹: رتن بن عبد اللہ الہندی رتن بن ساہوک بن جکندیو کے نام سے بھی مشہور رہیں۔ کچھ لوگوں نے ان کو رتن بن نصر بن کربال اور رتن بن میرن بن

کرہ ال کہا ہے۔ یہ ایک گمنام بزرگ تھے۔ اُن کا دعویٰ تھا کہ اُنھوں نے ایک لمبا زمانہ پایا یہاں تک کہ ساتویں صدی تک، جس میں وہ ظاہر ہوئے تھے، (وہ زندہ) رہے۔ اسی وجہ سے اُن کو صحابہ میں شمار کیا گیا ہے۔ اُن سے اُن کے دو صاحبزادوں محمود اور عبداللہ نے روایت (حدیث) کی ہے۔ نیز موسیٰ بن مجلی بن بندار الدستری، حسن بن محمد الحسینی الخراسانی، کمال الشیرازی، اسمٰعیل العارفی، ابو الفضل عثمان بن ابو بکر بن سعید الاربلی، داؤد بن اسعد بن حامد القفال الحردری، شریف علی بن محمد الخراسانی الہروی، معمر ابو بکر المقدسی، الہمام السہر کندی اور ابو مروان عبدالملک بن بشر المغربی نے بھی ان سے روایت کی ہے...... لیکن میں نے اُن کا تذکرہ متقدمین کی صحابہؓ کے بارے میں کسی کتاب میں نہیں پایا۔"[1]

رتنیات

اُن سے جو احادیث نقل کی گئی ہیں، اُن میں سے چند یہ ہیں:

"شیخ مُعمر نے سید البشر (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم) کے باقی ماندہ صحابیؓ خواجہ رتن بن ساہوک بن جکندریق الہندی البترندی سے روایت کی کہ ہم لوگ جاڑے کے موسم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک درخت کے نیچے تھے، کہ تیز ہوا چلی جس سے اُس درخت کے پتّے گر گئے یہاں تک کہ اُس پر ایک پتّہ بھی نہیں رہا۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مومن جب فرض نماز جماعت کے ساتھ پڑھتا ہے تو اُس کے گناہ بھی اسی طرح جھڑ جاتے ہیں جس طرح اس درخت سے پتّے جھڑ گئے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے کسی امیر آدمی کی عزت اُس کے مال کی وجہ سے کی اور کسی غریب کو اس کی غربت کی وجہ سے حقیر سمجھا تو اُس پر ہمیشہ اللہ کی لعنت ہوتی رہے گی یہاں تک کہ وہ اُس سے توبہ کرے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ جو ایسی حالت میں

---

[1] "الاصابة فی تمییز الصحابة" (مطبوعہ مصر: ۱۳۲۸ھ)، ج۱، ص۵۳۲

مرا کہ آل محمدؐ سے بغض رکھتا ہو وہ (گویا کہ) کفر کی حالت میں مرا ......[۵۱] تاج الدین محمد بن احمد بن محمد الخراسانی نے چالیس ایسی احادیث بیان کی ہیں جو انھوں نے بابارتن سے سنی تھیں۔ ان کو انھوں نے "رتنیات" سے موسوم کیا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلی ملاقات

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کے سلسلہ میں بابارتنؓ نے روایت کی ہے کہ "میں جبکہ نوجوان تھا ایک بار اپنے والد کے ساتھ اس ملک (یعنی ہندوستان) سے حجاز بغرض تجارت گیا۔ جبکہ ہم مکہ کے قریب ایک وادی میں پہونچے تو وہاں تیز بارش ہوئی جس کی وجہ سے وادیوں میں پانی بھر گیا۔ اس وقت میں نے ایک لڑکے کو دیکھا جس کا گندمی رنگ تھا، خوبصورت جسم تھا، اور گرویدہ کرنے والے خصائل تھے وہ اُن وادیوں میں اونٹ چرا رہا تھا۔ اُس کے اور اس کے اونٹوں کے درمیان (بارش کا) پانی حائل ہوگیا تھا اور وہ سیلاب کے پانی میں داخل ہونے سے گھبرا رہا تھا۔ بس میں نے اُس کا حال (قیاساً) معلوم کرلیا۔ میں اُس کے پاس آیا اور اس کو اٹھا کر سیلاب کے پانی میں گھس گیا۔ اور اُس کو اس کے اونٹوں کے پاس چھوڑ دیا۔ اس سے پہلے میں اُس لڑکے کو نہیں جانتا تھا۔ اس پر اُس نے مجھے (محبت بھری نظروں سے) دیکھا اور تین بار یہ کہا "بارک اللہ فی عمرک" (اللہ تیری عمر میں برکت دے) اس کے بعد میں نے اُس سے جدائی اختیار کی اور اپنا سفر ختم کر کے مکہ میں داخل ہوا۔ وہاں پر ہم نے اپنے تجارتی کام کو پورا کیا اور پھر وطن واپس آگئے"[۵۲]

یہ واقعہ بظاہر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لڑکپن کا ہے جبکہ آپؐ اونٹ چرایا کرتے تھے، جیسا کہ آئندہ آنے والے بیان سے بھی ظاہر ہوتا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دوسری ملاقات اور قبول اسلام

بابارتن فرماتے ہیں:- "وطن میں مجھے (حجاز سے واپسی پر) ایک لمبا عرصہ گزر

---

[۵۱] الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ" ج ۱ ص ۵۳۲ [۵۲] ایضاً ص ۵۳۵

گیا کہ ایک رات ہم اپنی جاگیر (ذاتی مکانات وغیرہ) کے صحن میں بیٹھے تھے وہ چاند کی چودھویں تاریخ تھی اور چاند آسمان کے جگر کو چیر رہا تھا کہ ہم نے دیکھا کہ وہ دو ٹکڑوں میں پھٹ گیا۔ اُس کا نصف مغرب میں اور نصف مشرق میں ڈوب گیا۔ اور ایک ساعت کے لیے رات تاریکی میں ڈوب گئی۔ اُس کے بعد پہلے اس کا آدھا حصہ مشرق سے طلوع ہوا اور پھر باقی آدھا مغرب سے طلوع ہوا اور بیچ آسمان میں دونوں آپس میں مل کر اُسی طرح ایک ہو گئے جیسے کے اس سے قبل (چاند) تھا۔ اس پر ہمیں بہت تعجب ہوا اور اس کا سبب ہم پہچان نہ سکے۔ (اس واقعہ کے) بعد ہم نے مسافروں سے یہ بات بیان کی اور اُس کا سبب پوچھا۔ تو انھوں نے کہا کہ ایک ہاشمی شخص مکہ میں ظاہر ہوا ہے اور وہ یہ دعوے کرتا ہے کہ وہ اللہ کا تمام عالم کے لیے رسول ہے۔ اہل مکہ نے اس سے معجزہ طلب کیا، جس طرح کہ تمام انبیاء معجزات پیش کرتے رہے ہیں۔ اور انھوں نے بغیر سوچے سمجھے اُس سے یہ سوال کیا کہ وہ چاند کو حکم دے کہ اُس کے آسمان میں دو ٹکڑے ہو جائیں اُن میں کا ایک (ٹکڑا) مغرب میں ڈوب جائے اور دوسرا مشرق میں ڈوب جائے اور بعد کو وہ (چاند) اپنی اصل حالت میں لوٹ آئے۔ پس آپ نے (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے) اُن کو اسی طرح کر کے دکھایا اور دکھا(یا) کہ یہ اللہ کی قدرت سے ہوا ہے۔ جب مسافروں سے ہم نے یہ بات سنی تو مجھے اشتیاق ہوا کہ میں بھی مذکورہ شخص سے ملاقات کروں پس میں نے سامان تجارت تیار کیا اور (مکہ) کے سفر کو روانہ ہو گیا۔ مکہ پہونچنے پر میں نے اس شخص کے متعلق جس کی صفات اوپر گزری ہیں، دریافت کیا۔ پس مجھے آپؐ کی جگہ بتائی گئی۔ میں آپؐ کی قیام گاہ پر حاضر ہوا اور آپؐ سے اندر آنے کی اجازت طلب کی۔ مجھے اجازت عطا فرمادی گئی۔ جب میں اندر داخل ہوا تو میں نے آپ کو (مجلس کے) درمیان میں اس حالت میں بیٹھا ہوا دیکھا کہ آپؐ کا چہرہ انوار (نبوت) سے روشن تھا۔ آپؐ کے محاسن اُس سے بھی زیادہ منور ہو گئے تھے اور آپؐ کی صفات عالیہ میں اُس سے زیادتی ہو گئی تھی جبکہ میں آپؐ سے پہلی بار ملا تھا۔ اس وجہ سے میں آپؐ کو پہچان نہ سکا۔ لیکن جب میں نے آپؐ کی خدمت میں سلام کیا تو آپؐ مجھے دیکھ کر مسکرائے اور مجھے پہچان لیا اور فرمایا "وعلیک السلام" اور تم پر بھی سلامتی ہو۔ میرے

قریب آجاؤ۔ آپؐ کے سامنے تازہ کھجوروں کا ایک طباق رکھا تھا جس کے گرد آپؐ کے صحابہؓ کی ایک جماعت بیٹھی تھی۔ وہ لوگ آپ کی عظمت اور جلالت کے باعث بہت باادب بیٹھے تھے پس آپؐ کی ہیبت کی وجہ سے میں نے کچھ توقف کیا جس پر آپؐ نے (دوبارہ) فرمایا اے ہمارے بزرگ[1] میرے قریب آجاؤ .... پس میں آگے بڑھ گیا اور (آپؐ کے پاس بیٹھ) گیا۔ اور اُن کے ساتھ کھجوریں کھائیں۔ آپؐ بھی خود اپنے دست مبارک سے برابر مجھے عطا فرماتے رہے۔ اُن کھجوروں کے علاوہ جو خود میں نے اپنے ہاتھ سے کھائی تھیں آپؐ نے چھ کھجوریں مجھے عنایت فرمائیں۔ پھر آپؐ میری طرف دیکھ کر مسکرائے اور فرمایا کیا تم مجھے نہیں پہچانتے۔ میں نے عرض کیا کہ میں اس کے علاوہ کوئی اور (شخص) ہوں جس کا مجھے ہونے کا استحقاق ہے۔ پس آپؐ نے فرمایا کیا تم نے مجھے فلاں سال نہیں اٹھایا تھا اور مجھے اٹھا کر سیلاب (کے پانی) میں چلے تھے۔ اس حالت میں جبکہ سیلاب (کا پانی) میرے اور میرے اونٹوں کے درمیان حائل تھا۔ پس میں نے آپؐ کو آپ کی (بتائی ہوئی) نشانی کے مطابق پہچان لیا اور عرض کیا اے پاک چہرے والے بالکل ایسا ہی ہے (یعنی آپؐ کی بات صحیح ہے) اس کے بعد آپؐ نے مجھ سے فرمایا کہ اپنا ہاتھ میری طرف بڑھاؤ، پس میں نے اپنا ہاتھ آپ کی جانب بڑھایا۔ آپؐ نے مصافحہ کیا اور کہا کہو أشهد ان لا اله الا الله وأشهد ان محمداً رسول الله (میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمدؐ اللہ کے رسول ہیں)۔ پس جس طرح آپؐ نے مجھے سکھایا اُسی طرح میں نے کہا اور مجھے اس سے بہت خوشی ہوئی۔ جب میں آپ کی خدمت سے باہر نکلا تو آپ نے فرمایا: اللہ تمہاری عمر میں برکت دے، اللہ تمہاری عمر میں برکت دے، اللہ تمہاری عمر میں برکت دے۔ پس میں آپ سے رخصت ہوا۔ میں آپ کی ملاقات اور اسلام قبول کرنے کی وجہ سے بہت خوش تھا۔ اللہ نے آپؐ کی دعا (بھی) قبول کی اور میری

---

[1] روایت میں عربی الفاظ ہیں "یا أبانا" (اے ہمارے باپ) بزرگوں کی عزت کے لیے اکثر اس قسم کے الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں۔ اسی وجہ سے ترجمہ میں اس کی رعایت رکھی گئی ہے۔

عمر میں آپ کی ہر دعا کے بدلے میں سَو سال (کا اضافہ) عطا فرمایا۔ اور آج میری عمر چھ سو سال سے زیادہ ہے۔[۱]

مدینہ منورہ میں حاضری

روایتوں سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ بابا رتن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مدینہ منورہ غزوۂ خندق کے موقعہ پر بھی حاضر ہوئے تھے۔[۲]

عمر و وفات

شیخ ابن حجر العسقلانی تحریر کرتے ہیں کہ بابا رتن کے شہر میں یہ بات تواتر کے ساتھ مشہور تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کی برکت سے اُن کے انتقال کے وقت اُن کی عمر سات سو سال سے زیادہ تھی۔[۳] آپ کی وفات رجب ۶۳۲ھ ہجری میں ہوئی۔[۴] بابا رتن کی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلی ملاقات آپ کے بچپن میں ہوئی تھی اور اس وقت بابا رتن آپؐ کے مقابلہ میں کافی بڑے تھے، جس کی وجہ سے آپؐ کو گود میں اٹھا کر سیلاب کے پانی کو پار کیا تھا۔ چونکہ سنہ ہجری کی ابتدا ہجرت نبوی سے کی گئی ہے۔ اس لیے ہجرت کے وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر تقریباً ۵۳ سال تھی۔ اس طرح ۶۰۰ سال میں ۵۳ سال کو شامل کیا جائے تو ۶۶۱ سال ہوتے ہیں۔ اگر پہلی ملاقات کے وقت بابا رتن کی عمر ۴۰ سال ہی لگائی جائے تب بھی اُن کے انتقال کے وقت ان کی عمر کا سات سو سال

---

[۱] یعنی جب بابا رتن یہ روایت بیان کر رہے تھے اُس وقت ان کی عمر چھ سو سال سے زیادہ تھی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تین بار پہلی ملاقات میں اور تین بار دوسری ملاقات میں، کل چھ بار دعا کی ہر دفعہ کی دعا کے بدلے میں سَو سال کا اضافہ ہوا۔ سَو سال آپ کی فطری عمر اس طرح کل سات سو سال عمر ہوئی۔ جس طرح کہ آئندہ روایتوں میں آ رہا ہے۔ بابا رتن کا انتقال سات سَو سال کی عمر میں ہوا۔ [۲] الاصابہ فی تمیز الصحابہ ج ۱، ص ۵۳۵-۵۳۶ [۳] ایضاً ص ۵۳۶ [۴] [۵] ایضاً

سے زیادہ ہونا ان روایات سے ثابت ہو جاتا ہے۔ بابا رتن کی عمر اور ان سے ملاقات کے سلسلے میں ابن حجر العسقلانی نے بہت سے معروف لوگوں کی شہادتیں نقل کی ہیں جو الاصابہ میں دیکھی جا سکتی ہیں۔

الصلاح الکتبی کی شہادت

الصلاح الکتبی اپنی کتاب "فوات الوفیات" میں قاضی القضاۃ نور الدین ابی الحسن علی بن ابی عبد اللہ محمد بن الحسین الاثری الحنفی کا قول نقل کرتے ہیں کہ ان کے دادا حسین بن محمد نے کہا "میری عمر ۱۷ یا ۱۸ سال کی تھی کہ میں نے اپنے چچا کے ساتھ تجارت کے سلسلے میں خراسان سے ہندوستان کا سفر کیا۔ جب ہم ہندوستان کے اندر پہونچے تو ہمیں وہاں کے ایک شہر میں ایک بڑی جاگیر ملی پس قافلہ والے اس جاگیر میں گئے۔ وہاں جا کر قافلے والوں نے (کسی بات پر تعجب کی وجہ سے) بہت شور بلند کیا۔ ہم نے اس بارے میں تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ یہ شیخ رتن المعمر[1] کی جاگیر ہے۔ جب ہم وہاں اترے تو ہم نے وہاں ایک بہت بڑا درخت دیکھا جس کے سائے میں بہت سے لوگ بیٹھے تھے۔ ان میں جاگیر سے متعلق لوگوں کی بھی ایک بڑی جماعت تھی۔ وہ درخت کی طرف بڑھنے کے لیے ایک دوسرے پر سبقت حاصل کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ ہم بھی انہی کے ساتھ شامل ہو گئے۔ پس ہم نے درخت کی شاخ میں ایک بڑی ٹوکری لٹکی ہوئی دیکھی۔ اس کے بارے میں دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ اس ٹوکری میں شیخ رتن المعمر بیٹھے ہوئے ہیں جنھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے اور آپ سے روایت بھی کی ہے۔ پس جاگیر کا ایک بزرگ آگے بڑھا اور اس نے وہ ٹوکری شاخ سے کھول کر نیچے اتاری۔ اس ٹوکری میں روئی بھری تھی اور شیخ (رتن) اس روئی کے بیچ میں بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ شخص اپنا منھ شیخ رتن کے کانوں کے پاس لے گیا اور زور سے کہا کہ یہ سب لوگ خراسان سے آئے ہیں اور ان میں بہت سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد کے شرفاء بھی

---

[1] یعنی طویل عمر والا۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کا لقب ہی "طویل عمر والا شخص" پڑ گیا تھا۔

ہیں۔ یہ لوگ آپ سے (آپ کی زبانی) سننا چاہتے ہیں کہ آپ نے کس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی۔ پس شیخ نے ایک لمبا سانس بھرا اور بولنا شروع کیا۔ اُن کی آواز شہد کی مکھی کی بھنبھناہٹ کی طرح تھی اُنھوں نے فارسی زبان میں گفتگو کرنی شروع کی ......[1]

اس کے بعد وہی واقعات ہیں جو بابا رتن کی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کے سلسلے میں ابن حجر العسقلانی نے نقل کیے ہیں اور اوپر گزر چکے ہیں۔

علامہ ذہبی کا انکار

علامہ ذہبی نے اپنی کتاب "التجرید" میں بابا رتن کا انکار کیا ہے۔ انھوں نے لکھا ہے:۔

"رتن الہندی مشرق میں چھٹی صدی کے بعد ظاہر ہوا اور دعویٰ کیا کہ اس کو (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی) صحبت نصیب ہوئی ہے۔ پس شروع میں بہت سے جاہلوں نے اس سے روایت کی۔ اُن میں سے بعض جھوٹوں نے اُس کے نام میں بھی (تھوڑا بہت) اختلاف ظاہر کیا ہے۔ اور اُس کا ذکر بہت ہی عجیب و غریب انداز سے کیا ہے۔ جس طرح ابو موسیٰ نے اُس کا "سرباتک الہندی" (کے نام سے) تذکرہ کیا ہے۔ (میں ان تمام کی رد کرتا ہوں اور کہتا ہوں کہ) وہ ابلیس لعین ہے جس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے اور آپؐ (کے کلام کو) سنا بھی ہے۔"[2]

اپنی دوسری کتاب میزان میں علامہ ذہبی تحریر کرتے ہیں "رتن الہندی؟ میں نہیں جانتا کہ رتن الہندی کون تھا۔ وہ ایک جھوٹا بوڑھا (آدمی) تھا۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ وہ چھٹی صدی کے بعد ظاہر ہوا اور دعویٰ کیا کہ اس کو (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی) صحبت نصیب ہوئی ہے۔ روایت کرنے والے اُس کو نہیں جھٹلاتے۔ اور یہ اللہ اور اسکے رسول پر جرات کرتا ہے۔ میں نے اُس کے بارے میں ایک جزء لکھا ہے۔ اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس کا انتقال ۶۳۲ھ میں ہوا۔ اور اس (قول) کے ساتھ جھوٹوں کی جماعت ہے۔ پس وہ

---

[1] "من فوات الوفیات" کذا فی نزہۃ الخواطر للعلامۃ السید عبد الحیی بن فخر الدین الحسنی" الجزء الاول ص ۱۱۴-۱۱۵ [2] نزہۃ الخواطر الجزء الاول ص ۱۱۵

اس کے ایک بڑے دعویٰ کی وجہ سے ایسا جھوٹ بولے جو کہ قبیح ترین جھوٹ ہے اور (یہ بات) ناممکن ہے۔ الاربلی نے بھی جھوٹا دعویٰ کیا ہے کہ انھوں نے اُس سے (یعنی بابا رتن سے) اُس کے بھی بعد (یعنی ۶۳۲ کے بعد) ۶۵۵ھ میں (روایات) سنی ہیں۔ - - - - - - - - -

میں یہ سمجھتا ہوں کہ یہ سب خرافات ہیں اور اس کو جاہل موسیٰ بن علی نے وضع کیا ہے۔ اُس نے (صرف) رتن کے ذکر کی تخلیق کی ہے اور اس کے علاوہ کسی دوسری چیز کی تخلیق نہیں کی۔ اور اگر ہم اس کے وجود اور چھٹی صدی کے بعد اُس کے ظہور کو صحیح سمجھتے ہیں تو وہ (یقیناً) شیطان ہے جو انسان کی شکل میں ظاہر ہوا اور اُس نے صحابیت اور طویل عمر کا دعویٰ کیا۔ ...... [1]

علامہ عبدالرحمٰن ابن علی الدیبع کا قول:۔ علامہ عبدالرحمٰن ابن علی الدیبع الشیبانی (م ۹۷۳ھ) نے بھی شیخ رتن کا انکار کیا ہے اور شیخ رتن کے بارہ میں یہ شعر بھی کہا ہے۔

رتن الهندی شیخ کاذب	قد دینا الخلف فی وجبل انه
زعم الصحبة مع اجماع من	قال بالحق علی بهتانه [2]

(رتن الہندی ایک جھوٹا شیخ تھا۔ بعد میں آنے والوں نے ہم سے اُس کی باطنی قوتوں کے بارے میں روایت کی ہے۔ اور ایسے لوگوں کا اُس کی صحابیت کے بارے میں اتفاق (نقل) کیا ہے جنھوں نے اس کے بہتان کو صحیح کہا ہے۔)

شیخ حسن بن محمد الصغانی کی رائے:۔ صاحب "المشارق" شیخ حسن بن محمد بن حسن بن حیدر الصغانی (م ۶۳۷ھ) جنھوں نے بابا رتن کا زمانہ پایا تھا، نے بھی اُس کے دعویٰ کو غلط بتاتے ہوئے اپنی کتاب "تبیین الموضوعات" میں تحریر کیا ہے: "اور بہت سے جاہل یہ حکایت بیان کرتے ہیں کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ملا تھا اور آپؐ سے (حدیث) سنی تھی۔ اور آپؐ نے اُس کے لیے ان الفاظ کے ساتھ دعا کی تھی "عمرك الله" (اللہ تجھے طویل عمر عطا کرے)۔ ائمہ حدیث کے نزدیک اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔ صحابہؓ میں سے جنھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت پائی اُن میں سے ۹۵ھ (ہجری) کے بعد کوئی بھی حیات نہیں رہا اور وہ (یعنی آخری صحابیؓ) ابو الطفیل تھے جن (کے انتقال) پر لوگ بہت روئے اور کہا کہ یہ آخری شخص تھے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم

[1] المیزان" کذا فی نزہۃ الخواطر ج ۱ ص ۱۱۵-۱۱۶ [2] نزہۃ الخواطر ج ۱ ص ۱۱۷

سے ملے تھے۔ اور اس سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کی بھی تصدیق ہوتی ہے جو آپ نے اپنی عمر کے آخری حصے میں فرمایا تھا۔ جبکہ آپ نے آخری عشاء کی نماز پڑھی تھی "کیا تم اس رات کو نہیں دیکھتے۔ بس سو سال کے ختم ہونے تک کوئی شخص بھی جو روئے زمین پر موجود ہے باقی نہیں رہے گا۔" اور قرآن میں ہے، وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ (اور آپ اپنی خواہش سے کچھ نہیں بولتے وہ تو وحی ہوتی ہے جو کہ آپ پر بھیجی جاتی ہے) [1]

اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ کچھ علماء نے بابا رتن کی شخصیت کو ماننے سے انکار بھی کیا ہے۔ بہر حال اگر ابن حجر العسقلانی کی تحقیق کو وقعت دی جائے تو اُن کی شخصیت کو تسلیم کیا جاسکتا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

استدراک:

ہمارے عزیز دوست ڈاکٹر مولوی ماجد علی خاں صاحب کا یہ مضمون — **بابا رتن الہندی** — الفرقان میں اشاعت کے لیے جس طرح آیا تھا شائع کیا جا رہا ہے — لیکن ناظرین کو یہ بتلانا ضروری ہے کہ موصوف نے حافظ ابن حجر عسقلانی کی طرف جو یہ بات منسوب کی ہے کہ انھوں نے "بابا رتن ہندی" کے صحابیت کے دعوے کو تسلیم کیا ہے یہ صحیح نہیں ہے۔ "الاصابہ" میں ایک جملہ بھی ایسا نہیں ہے جس سے یہ سمجھا جاسکے۔ معلوم نہیں اُن کو کیسے یہ غلط فہمی ہوئی۔ اس وقت اس سے زیادہ تفصیل کی گنجائش نہیں ہے انشاء اللہ کسی قریبی فرصت میں "بابا رتن" کی شخصیت سے متعلق مستقلاً کسی قدر تفصیل سے لکھنے کی کوشش کی جائے گی۔ واللہ الموفق۔

ماہنامہ الفرقان لکھنؤ

چندہ سالانہ
ہندوستان سے ۱۵/-
پاکستان سے ۳۰/-
بنگلادیش سے ۱۶/-
فی شمارہ ۱/۵۰

ممالک غیر سے چندہ سالانہ
محصول ڈاک میں زبردست اضافہ کے
بعد اب نئی شرح یہ ہے
بحری ڈاک سے ۲ پونڈ
ہوائی ڈاک سے ۵ پونڈ

جلد (۴۶) | بابت دسمبر ۱۹۷۸ء مطابق محرم الحرام ۱۳۹۹ھ | شمارہ (۱۲)

اگر اس دائرہ میں ◯ سُرخ نشان ہے تو

اس کا مطلب ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہوگئی ہے براہ کرم آئندہ کے لیے چندہ ارسال کریں یا خریداری کا ارادہ نہ ہو تو مطلع فرمائیں چندہ یا دوسری اطلاع مہینے کے آخر تک آ جانا چاہیے ورنہ اگلا پرچہ بصیغۂ وی پی ارسال ہوگا

نمبر خریداری: براہ کرم خط و کتابت کرتے وقت اور منی آرڈر کوپن پر اپنا خریداری نمبر ضرور لکھ دیا کریں جو پتہ کی چٹ پر لکھا ہوتا ہے۔

تاریخ اشاعت: الفرقان ہر انگریزی مہینے کے پہلے ہفتہ میں روانہ کردیا جاتا ہے اگر مہینے کے آخر تک کسی صاحب کو پرچہ نہ ملے تو فوراً مطلع کریں اس کی اطلاع اگلے مہینے کی ۵ تاریخ تک آ جانا چاہیے اس کے بعد رسالہ بھیجنے کی ذمہ داری دفتر پر نہ ہوگی۔

پاکستان کے خریدار حضرات مبلغ پچیس ۲۵ روپے ہندوستانی سکہ میں بینک کے ذریعہ دفتر الفرقان لکھنؤ کو روانہ فرمائیں یا پاکستانی سکہ میں تیس ۳۰ روپے ناظم دفتر اصلاح و تبلیغ اسٹریلین بلڈنگس لاہور کو بھیجدیں۔

(مولوی) محمد منظور نعمانی پرنٹر پبلشر و ایڈیٹر نے تنویر پریس میں چھپوا کر دفتر الفرقان ۳۱ نیا گاؤں مغربی لکھنؤ سے شائع کیا

محمد منظور نعمانی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۴۶ ویں جلد کا اختتام اور کچھ ضروری باتیں

الحمد للہ الذی بعزتہ وجلالہ تتم الصالحات:

اس وقت جبکہ یہ سطریں سپردِ قلم کی جا رہی ہیں ذی الحجہ ۹۸ھ قریب الاختتام ہے، اور جس وقت یہ شمارہ ناظرین تک پہنچے گا ۹۹ھ شروع ہو چکا ہو گا ــــ اب سے ٹھیک ۴۶ سال پہلے محرم ۱۳۵۳ھ میں "الفرقان" بریلی سے جاری ہوا تھا ــــ قریباً نصف صدی کی اس مدت میں اُس کے ذریعہ اگر دین کی اور امت مسلمہ کی کوئی خدمت انجام پائی ہے تو وہ صرف اللہ عزیز و حکیم کی توفیق اور اس کے فضل و کرم سے انجام پائی ہے اور وہی اُس کے لیے حمد و شکر کا مستحق ہے، اور جو غلطیاں اور کوتاہیاں ہوئیں وہ اپنی جہالت اور شرِ نفس سے ہوئیں اُن کے لیے اُسی غفور و رحیم ربِ کریم سے مغفرت و معافی کی التجا اور استدعا ہے۔

ایک معذرت، "تب" اور "اب"

راقم سطور کو اس کا شدید احساس ہے کہ الفرقان صرف ۴۸ صفحات پر شائع ہو رہا ہے اور اس کا بدل اشتراک (سالانہ چندہ) ۱۵ روپئے ہے ــــ الفرقان کے ابتدائی دور میں بھی اس کے صفحات ۴۸ ہی ہوتے تھے اور چندہ صرف ڈھائی روپئے تھا۔ دل میں شدید داعیہ ہے کہ اس بارہ میں معذرت کے طور پر ناظرین کی خدمت میں صورت حال عرض کر دی جائے۔

جیسا کہ عرض کیا گیا "الفرقان" اب سے ۴۶ سال پہلے محرم ۱۳۵۳ھ میں جاری ہوا تھا، (۱۹۳۴ء کا غالباً مارچ کا مہینہ تھا) اس کے ۵-۶ سال بعد یورپ کی دوسری جنگ عظیم (اگست ۱۹۳۹ء میں) شروع ہو گئی تھی، اُس وقت تک الفرقان کی تیاری پر جو مصارف ہوتے تھے

ان کی تفصیل اچھی طرح یاد ہے ــــ کتابت کی اجرت (معیار کتابت کے فرق کے لحاظ سے) فی صفحہ ڈھائی آنے سے چار آنے تک دی جاتی تھی ــــ اُس وقت بھی الفرقان ۴۸ صفحے کا ہوتا تھا، اس لیے پورے رسالہ کی کتابت کی اجرت قریباً آٹھ دس روپے ہوتی تھی ــــ اب ایک صفحہ کی اجرت پونے تین روپئے دی جا رہی ہے اس حساب سے رسالہ کے ۴۸ صفحوں کی اجرت اب ۱۳۲ روپئے ادا کی جاتی ہے ــــ یعنی ابتدائی دور کے مقابلے میں قریباً پندرہ گنی زیادہ۔ طباعت کی اجرت اُس ابتدائی دور میں فی ہزار دو روپئے تھی، اب بارہ روپئے ہے۔ اس میں صرف چھ گنا اضافہ ہوا ہے۔

کاغذ ۲۶ × ۲۰ سائز کا عمدہ گلیز (ٹیٹا گڑھ یا بنگال مل کا) ۲۲-۲۴ پونڈ والا) ساڑھے تین روپئے تک ملتا تھا۔ اب اُس کی قیمت فی رم پچھتّر روپئے ہے۔ یعنی کاغذ کی قیمت میں بیس گنے سے بھی زیادہ اضافہ ہوگیا ہے ــــ اور چونکہ کتابوں رسالوں کی تیاری میں سب سے بڑا خرچ کاغذ ہی کا ہوتا ہے اس لیے اب صورت حال یہ ہے کہ ابتدائی دور میں الفرقان کے مثلاً ایک ہزار پرچوں کی تیاری پر جو صرفہ آتا تھا اب اس سے کم از کم پندرہ گنا زیادہ ضرور صرف ہوتا ہے۔

یہ حال سب ہی رسالوں کا ہے لیکن جو رسائل و جرائد ہمارے بڑے تعلیمی یا اشاعتی اداروں یا جماعتوں اور تنظیموں کی طرف سے جاری ہیں وہ اُن کے وسیع کاموں اور پروگراموں کا ایک جز ہیں اور وہاں کے لاکھوں کے بجٹ میں ان رسالوں کی مستقل مد ہوتی ہے ــــ ان میں سے بعض اچھے موقر رسالوں کے بارے میں راقم سطور کو معلوم ہے کہ اُن کے عام خریداروں سے جو رقم بدل اشتراک کے طور پر وصول ہوتی ہے وہ اُن کے سالانہ مصارف کا یہ تہائی حصہ بھی نہیں ہوتی، باقی بوجھ وہ ادارے برداشت کرتے ہیں ــــ لیکن الفرقان کی یہ نوعیت نہیں ہے ــــ بس یہی اللہ تعالیٰ کا بڑا فضل و کرم ہے کہ مصارف میں اس بے پناہ اضافے کے باوجود اور اس کے باوجود کہ اب اس کی ترتیب و تیاری کا سارا بوجھ اس ضعیف و ناتواں راقم سطور ہی پر ہے (اور اس سے پیسہ برابر مالی منفعت کا بھی امکان نہیں ہے) وہ زندہ اور جاری ہے اور اس کی عمر کا سینتالیسواں سال شروع ہو رہا ہے۔ فللہ الحمد ولہ الشکر

اپنا حال اور کچھ ضروری باتیں

(۱) جو مخلص احباب خطوط لکھکر راقم سطور کا حال دریافت فرماتے رہتے ہیں ان کی خدمت میں عرض ہے ـــــ صحت و عافیت کے لحاظ سے اس عاجز کا حال قریب قریب وہی ہے جو آپ نے "الفرقان" میں پہلے پڑھا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے کوئی خاص اذیت اور تکلیف نہیں ہے، بس چلنے پھرنے سے کسی حد تک معذوری ہے، اس معنی کر صاحب فراش ہوں، لیکن اپنی ضروریات کے لیے گھر کے اندر چل پھر لیتا ہوں، اس سے عاجز نہیں ہوں۔

---

(۲) انہی صفحات میں پہلے بھی عرض کیا جا چکا ہے اور اب پھر عرض کرتا ہوں کہ طویل مدت سے میرے حالات ایسے ہیں کہ "الفرقان" (اور کتب خانہ الفرقان کے بھی) انتظامی معاملات اور حساب کتاب کو خود نہیں دیکھ سکتا البتہ کام کرنے والوں کو میری یہ تاکید ہے کہ وہ اس کا پورا لحاظ رکھیں کہ کسی کی کسی قسم کی حق تلفی نہ ہو جائے ـــــ جو صاحب کبھی یہ محسوس کریں کہ اُن کا کوئی حق دفتر الفرقان یا کتب خانہ الفرقان کے ذمہ باقی رہ گیا ہے وہ راقم سطور (محمد منظور نعمانی) کو اس کی اطلاع دے کر اپنا حق ضرور وصول فرمالیں یہ اس عاجز پر اُن کا احسان ہوگا۔

جدید مطبوعات پر تبصرہ

پہلے بھی کئی بار الفرقان میں لکھا جا چکا ہے کہ کتابوں پر تبصرہ کا سلسلہ الفرقان میں بند کر دیا گیا ہے (اس ناچیز کے اوقات میں اس کی گنجائش نہیں ہے کہ آنے والی ہر کتاب کا مطالعہ کر کے اس پر تبصرہ کا حق ادا کیا جا سکے) لیکن اس کے باوجود تبصرہ کی فرمائش کے ساتھ کتابیں آتی رہتی ہیں ـــــ مجبوراً ارادہ کیا ہے کہ اگر ممکن ہوا تو مختصر تعارف کے ساتھ الفرقان میں ان کا تذکرہ کر دیا جایا کرے گا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نگاہِ اوّلیں

محمد منظور نعمانی

پاکستان کے شہر لائلپور میں (جس کا نام اب فیصل آباد ہے) ہمارے ایک نہایت محترم اور بڑے فاضل دوست مولانا حافظ عبد المجید صاحب تھے۔ نابینا تھے، لیکن اپنی غیر معمولی صلاحیتوں کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کی نشانی اور گویا ایک معجزہ تھے ——— ذہن اور حافظہ اللہ تعالیٰ نے ایسا عطا فرمایا تھا کہ بخاری شریف جیسی کتاب کے ایک دو صفحے کسی رفیقِ درس سے بس دو تین دفعہ پڑھوا کر سن لینے سے ایسے یاد ہو جاتے کہ درس کے وقت حضرت استاذ (امام العصر حضرت مولانا محمد انور شاہ صاحبؒ) کے سامنے قراءت فرماتے تھے ——— اب سے ۵۲-۵۳ سال پہلے راقم الحروف جب دار العلوم دیوبند میں دورۂ حدیث کا طالب علم تھا تو اس سال غالباً وہ مشکوٰۃ شریف وغیرہ پڑھتے تھے۔ دورۂ حدیث اس کے بعد انھوں نے "جامعۂ اسلامیہ ڈابھیل" میں پڑھا ——— بعد ازاں طب پڑھی اور نہایت باکمال اور حاذق طبیب ہوئے ——— پھر بی اے پاس کیا اور غالباً ایم اے بھی کیا، اور اس لائن میں بھی ایسی امتیازی قابلیت حاصل کی کہ بی۔ اے ——— ایم۔ اے کے طلبہ امتحان کی تیاری میں ان سے مدد لیتے تھے ——— ان علمی کمالات کے ساتھ صلاح و تقوے کے لحاظ سے بھی ان کی زندگی دیکھنے جاننے والوں کے لیے نمونہ اور سبق آموز تھی، گھر کے اچھے خوشحال زمیندار تھے اور لائل پور میں مطب اور اپنا ایجاد دواخانہ تھا۔ اللہ تعالیٰ جو کچھ عطا فرماتا اُس کا خاصا حصہ اللہ کے دوسرے ضرورتمند بندوں پر اور مختلف مصارفِ خیر میں صرف ہوتا ——— اب سے ۷-۸ سال پہلے واصل بحق ہو چکے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ الابرار الصالحین۔

اس وقت اُن کے ایک مکتوب کا ذکر کرنا ہے، اس کے لیے اُن کے اس طویل تعارف کی ضرورت نہیں تھی، لیکن جب اُن کا نام زبانِ قلم پر آیا تو دل میں داعیہ پیدا ہوا کہ اُن کے یہ احوال و واقعات بھی ناظرین کے علم میں آ جائیں۔

پاکستان میں ایوب خاں کے زوال کے بعد یحییٰ خاں کے دورِ اقتدار میں —— غالباً ۷۰ء میں —— عام الکشن ہوا تھا جس کے نتیجہ میں اُس وقت کے مغربی پاکستان میں مسٹر بھٹو اور اُن کی پارٹی کو اور مشرقی پاکستان میں مسٹر مجیب الرحمن اور ان کی پارٹی کو صرف اکثریت نہیں بلکہ حیرت انگیز درجہ پر غالب اکثریت حاصل ہو گئی تھی، یہ دونوں سوشلزم کے علمبردار تھے اور ان کا نعرہ "روٹی، کپڑے اور مکان" کا تھا —— ان کے مقابلہ میں جو پارٹیاں دین کا نام لیوا اور اسلامی نظام کے قیام کی علمبردار تھیں (جماعت اسلامی اور جمعیۃ علماء اسلام وغیرہ) ان سب کو بڑی سخت شکست ہوئی —— اُس وقت مرحوم مولانا حافظ عبدالمجید صاحب نے رفیق محترم مولانا علی میاں کو ایک خط لکھا اور سنسر اور حکومت کے احتساب کے خطرہ کا لحاظ کرتے ہوئے مزید احتیاط یہ کی کہ جو بات لکھنی تھی وہ عربی زبان میں ایسے پیرایے میں لکھی کہ گویا کسی کتاب سے کوئی تاریخی واقعہ نقل کر رہے ہیں اور اس کے بارے میں مولانا علی میاں سے کچھ دریافت کرنا چاہتے ہیں —— اس خط میں وہ واقعہ اس طرح بیان کیا گیا تھا کہ

> کسی زمانہ میں ایک برِّعظیم دو حصّوں میں تقسیم ہو گیا تھا۔ جن میں ایک بڑا تھا اور ایک چھوٹا، اور دونوں کے درمیان "سدِّ یاجوج ماجوج" کی طرح ایک آہنی دیوار کھڑی کر دی گئی تھی جس کی وجہ سے ایک حصّہ کے رہنے والوں کا دوسرے حصّہ کے باشندوں سے کوئی رابطہ باقی نہیں رہا تھا۔ ایک مدت کے بعد بڑے حصّہ کے کچھ فکرمند لوگ، اُس دیوار کے اوپر چڑھنے میں کامیاب ہو گئے اور انھوں نے چھوٹے حصّہ میں رہنے والے اپنے عزیزوں دوستوں سے ان کا حال دریافت کیا، انھوں نے بتلایا کہ ہم بہت اچھے حال میں ہیں، دنیوی زندگی کی سہولتیں ہمیں خوب حاصل ہیں، لیکن دین کو ہم نے خیرباد کہہ دیا ہے۔ ابھی ہمارے ہاں ایک استصواب عام ہوا تھا اور ملک کے لوگوں سے پوچھا گیا تھا کہ تم "روٹی" چاہتے ہو یا اسلامی زندگی اور اسلامی نظام؟ —— تو اسّی فیصدی سے بھی زیادہ کا جواب یہ تھا کہ "ہمیں روٹی چاہیے" ——

مولانا حافظ عبد المجید علیہ الرحمہ نے اس پیرائے میں اپنے ہاں کے الکشن اور اس کے نتیجہ کا ذکر کر کے خط میں اپنے جس تاثر کا اظہار کیا تھا اُس سے محسوس ہوتا تھا کہ اُن کا قلب مومن خون کے آنسو رو رہا ہے۔

یہ واقعہ ۷۔۸ سال پہلے کا ہے، جہاں تک اندازہ ہے وہاں کے عوامی مزاج میں اس لحاظ سے کوئی تبدیلی نہیں آئی ہے اور نہ اس مقصد کے لیے وہاں کوئی مہم چلائی گئی ہے ـــــ کچھ غیر معمولی واقعات کے نتیجہ میں خوش قسمتی سے اس وقت پاکستان کے نظام حکومت میں بظاہر وہ عناصر غالب اور زیادہ موثر ہیں جو دین کے دعویدار اور اسلامی نظام کے علمبردار ہیں (جماعت اسلامی اور جمعیۃ علماء اسلام وغیرہ) لیکن یہ حکومت عارضی اور عبوری ہے ـــــ دیر سویر ملک میں الکشن ہوگا اور اسی کے نتیجہ کی بنیاد پر حکومت قائم ہوگی۔
اس صورت حال کے پیش نظر لاہور سے شائع ہونے والے ایک دینی جماعت کے ہفتہ وار ترجمان کے اداریوں میں، ارباب حکومت کو مسلسل مشورہ دیا جا رہا ہے کہ سب سے اہم اور مقدم کام یہ ہے کہ اشیاء ضرورت (مثلاً آٹا، گوشت، سیمنٹ وغیرہ) کا نرخ ارزاں کیا جائے، اس کے بغیر عوام کو مطمئن نہیں کیا جا سکتا اور دین اور اسلامی نظام کے قیام کے لیے ان کی حمایت حاصل نہیں ہو سکتی۔
مطلب یہ ہے کہ قوم وہی ہے اور اس کا مزاج وہی ہے جس کا ۷۰ء کے الکشن میں تجربہ کیا جا چکا ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ پاکستان ہی نہیں تھوڑے بہت فرق کے ساتھ اس وقت سارے عالم اسلام کا حال یہی ہے کہ وہاں کی غالب مسلم اکثریت بس اس معنی کر مسلم و مومن ہے کہ اپنے باپ دادا کی طرح انھوں نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی برحق اور اسلام کو سچا دین مان لیا ہے، اُس سے ان کو انکار اور انحراف نہیں ہے، ان میں سے ایک تعداد کو کچھ دینی اعمال کی بھی توفیق ملی ہوئی ہے جو غنیمت ہے، لیکن ان میں اس درجہ کا ایمان و یقین نہیں ہے کہ دین کے مطالبے اور تقاضے پر اور اللہ و رسول کے احکام کی تعمیل میں اور عذاب آخرت کے خوف سے اپنی نفسانی خواہشات اور دنیا کی ناجائز لذتوں اور منفعتوں سے دست بردار ہونے پر اُن کو مجبور یا کم از کم آمادہ کر سکے قرآنی الفاظ میں اُن کا حال قریب قریب یہ ہے۔ "كَلَّا بَلْ تُحِبُّونَ الْعَاجِلَةَ وَتَذَرُونَ الْآخِرَةَ"
کاش ان ممالک کے وہ حاملان دین اور خادمان دین جو ان ملکوں میں اسلام کو برسر اقتدار اور اُس حال میں دیکھنا چاہتے ہیں جو اُس کا حق ہے اس حقیقت کو سمجھ لیتے کہ دین کی اصل طاقت اور اس کی صحیح

اساس قلوب کا ایمان و یقین ہے اور کاش اسی کو وہ اپنی جد و جہد کا خاص نشانہ بنا لیتے۔
اَللّٰھُمَّ حَبِّبْ اِلَیْنَا الْاِیْمَانَ وَزَیِّنْہُ فِیْ قُلُوْبِنَا وَکَرِّہْ اِلَیْنَا الْکُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْیَانَ وَاجْعَلْنَا رَاشِدِیْنَ۔

شیخ محمد بن عبدالوہاب کے خلاف پروپیگنڈہ

اور

ہندوستان کے علمائے حق پر اُس کے اثرات

اسی سال الفرقان میں "شیخ محمد بن عبدالوہاب اور ہمارے بعض اکابر" کے عنوان سے جو مضمون قسطوار مسلسل ۷۔ شماروں میں شائع ہوتا رہا تھا، اس کے بارہ میں بہت سے حضرات اہل علم خصوصاً حضرت مولانا محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند کا تقاضا اور مخدومنا شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا (مہاجر مدنی) دامت برکاتہم کا ارشاد تھا کہ اس کو کتابی شکل میں مرتب کر کے شائع کر دیا جائے۔

الحمد للہ حضرت مدیر الفرقان نے اس پورے سلسلۂ مضمون پر نظر ثانی اور بہت سی مفید ترمیمیں فرما کر کتابی شکل میں مرتب فرما دیا —— ۲۳ صفحے کے مستقل مقدمہ کے علاوہ اصل مضمون میں اور بھی بہت سے قیمتی اضافات فرمائے اور بعض مباحث از سر نو لکھے —— اب یہ ۱۴۴ صفحے کی کتاب ہے —— اس کے مطالعہ سے تاریخی حقائق و شواہد کی روشنی میں معلوم ہوگا کہ شیخ محمد بن عبدالوہاب اسی طرح اخلاص توحید اور اتباع سنت کے داعی، اور شرک و بدعت کے خلاف جہاد کے علمبردار تھے جس طرح ہندوستان میں شاہ اسمٰعیل شہیدؒ اور ان کے مذہبی اور سیاسی دشمنوں نے اُن کے خلاف عالمی پیمانہ پر پروپیگنڈے کی جو مہم چلائی تھی اُس سے ہندوستان (اور دوسرے ممالک کے بھی) بہت سے علمائے حق متاثر ہوئے اور انھوں نے ان کے خلاف سخت رائے ظاہر کی، مگر جب ان کو صحیح حقائق و واقعات معلوم ہوئے تو انھوں نے اپنی رائے سے رجوع کر لیا —— جو کچھ لکھا گیا ہے مستند حوالوں سے لکھا گیا ہے۔ قیمت مجلد پانچ روپئے

ناظم کتب خانہ الفرقان —۳۱ نیا گاؤں مغربی (نظیر آباد) لکھنؤ

(کتاب کا عربی ترجمہ بھی انشاء اللہ جلد ہی شائع ہوگا)

درس قرآن ـــــ محمد منظور نعمانی

۳۰ر شوال المکرم ۱۳۹۸ھ

● کفر و شرک سے خدا کی انتہائی ناراضی اور آخرت کا بُرا انجام

● عذاب سے چھٹکارے کے لیے جہنمیوں کی فریاد اور اُس کا جواب

● ہر ایک اپنے کیے کی جزا پائے گا کسی پر رتی بھر ظلم نہ ہوگا

حمد و صلوٰۃ اعوذ اور بسم اللہ کے بعد

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا يُنَادَوْنَ لَمَقْتُ اللَّهِ أَكْبَرُ مِن مَّقْتِكُمْ أَنفُسَكُمْ إِذْ
تُدْعَوْنَ إِلَى الْإِيمَانِ فَتَكْفُرُونَ ۝ قَالُوا رَبَّنَا أَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ
وَأَحْيَيْتَنَا اثْنَتَيْنِ فَاعْتَرَفْنَا بِذُنُوبِنَا فَهَلْ إِلَىٰ خُرُوجٍ مِّن سَبِيلٍ ۝
ذَٰلِكُم بِأَنَّهُ إِذَا دُعِيَ اللَّهُ وَحْدَهُ كَفَرْتُمْ وَإِن يُشْرَكْ بِهِ تُؤْمِنُوا
فَالْحُكْمُ لِلَّهِ الْعَلِيِّ الْكَبِيرِ ۝ هُوَ الَّذِي يُرِيكُمْ آيَاتِهِ وَيُنَزِّلُ لَكُم مِّنَ السَّمَاءِ
رِزْقًا وَمَا يَتَذَكَّرُ إِلَّا مَن يُنِيبُ ۝ فَادْعُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ
وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ ۝ رَفِيعُ الدَّرَجَاتِ ذُو الْعَرْشِ يُلْقِي الرُّوحَ مِنْ
أَمْرِهِ عَلَىٰ مَن يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ لِيُنذِرَ يَوْمَ التَّلَاقِ ۝ يَوْمَ هُم بَارِزُونَ
لَا يَخْفَىٰ عَلَى اللَّهِ مِنْهُمْ شَيْءٌ لِّمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ لِلَّهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ۝
الْيَوْمَ تُجْزَىٰ كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ لَا ظُلْمَ الْيَوْمَ ۝ إِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ
الْحِسَابِ ۝

(سورۃ المومن، آیات ۱۰-۱۷)

یقیناً ہے کہ جن لوگوں نے کفر و انکار کے جرم کا ارتکاب کیا (قیامت کے دن) اُن سے پکار کے کہہ دیا جائے گا کہ (آج) تم کو اپنے پر جیسا غصہ اور جیسی ناراضی ہے، اللہ کو اُس سے زیادہ غصہ اور ناراضی تھی (تم پر) جب تم کو ایمان کی دعوت دی جاتی تھی اور تم ماننے سے انکار کرتے تھے ـــــ وہ کہیں گے اے ہمارے پروردگار تو نے ہم پر دو دفعہ موت طاری کی، اور دو بار ہمیں زندگی عطا فرمائی ـــــ اب ہم کو اپنے گناہوں کا اعتراف ہے، تو کیا اب (اس عذاب سے) نکلنے کی کوئی راہ ہے؟ (اُن سے کہا جائے گا کہ) یہ عذاب اس وجہ سے ہے کہ جب (تمہارے سامنے) ایک اللہ (وحدہٗ لاشریک لہٗ) کی عبادت کی، اور اسی کو پکارنے کی بات کی جاتی تھی تو تم کفر و انکار کا رویہ اختیار کرتے تھے (اور اُس کے سننے سے بیزاری ظاہر کرتے تھے)، اور جب اس کے ساتھ کسی کو شریک کیا جاتا (اور شرک کے لیے بلاوا دیا جاتا) تو تم (دل و جان سے اس کو) قبول کرتے تھے، پس اب فیصلہ اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے جو سب سے بلند و بالا اور بڑے جلال و عظمت والا ہے ـــــ (جس کو تم نے اپنے کفر و انکار اور بدکاریوں سے انتہائی ناراض کر دیا ہے) وہی اللہ ہے جو تم کو دکھلاتا ہے اپنی نشانیاں اور اتارتا ہے تمہارے لیے آسمان سے رزق، اور نصیحت وہی بندے قبول کرتے ہیں جو (فکرمندی کے ساتھ) رجوع ہوتے ہیں۔ پس اللہ ہی کو پکارو اس طور پر کہ خالص اسی کی عبادت اور بندگی ہو، اگرچہ کافر منکر لوگ ناراض ہوں ـــــ وہ بلند مرتبہ ہے، مالکِ عرش ہے، وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے وحی سے نوازتا ہے (اور اس کو نبوت و رسالت کے منصب پر فائز کرتا ہے) تاکہ وہ "یوم التلاق" (اللہ کے حضور میں پیشی کے دن سے لوگوں کو) ڈرائیں۔ وہ دن جب وہ سب بالکل کھلے (میدان میں) ہوں گے (کسی کے لیے کوئی حجاب اور پردہ نہ ہوگا) اُن کی کوئی بات اور کوئی چیز اللہ سے مخفی نہیں ہوگی، (اس کی طرف سے پوچھا جائے گا) آج حکومت اور بادشاہت کس کی ہے؟ (ندا آئے گی، (آج) اللہ واحد قہار ہی کی حکومت اور بادشاہی ہے۔ (اس کے سوا آج کوئی مجازی حاکم اور فرمانروا بھی نہیں ہے، خداوندی عدالت کی طرف سے اعلان ہوگا) آج ہر شخص کو اس کے اعمال کا

دیں پورے انصاف اور رحم کے ساتھ) بدلہ دیا جائے گا، کسی کے ساتھ آج کوئی بے انصافی
اور زیادتی نہیں ہوگی، بے شک اللہ تعالیٰ بہت جلد حساب کر دینے والا ہے۔

یہ سورۂ مومن کا دوسرا رکوع تھا جس کی اس وقت تلاوت کی گئی ہے۔ اس سے پہلی آیتوں میں مومنین صالحین کو وہ عظیم بشارت سنائی گئی تھی جس کے بارہ میں میں نے کہا تھا کہ یہ بشارت قرآن پاک میں غالباً کسی اور جگہ نہیں سنائی گئی ہے، یعنی یہ کہ اللہ کے وہ مقرب ترین فرشتے جو اس کے عرش کے حامل ہیں، اور وہ جن کو یہ مقام قرب حاصل ہے کہ وہ ہمہ دم عرش الٰہی کے گرد طواف میں مصروف رہتے ہیں۔ یہ سب اللہ کی حمد و تسبیح کے ساتھ مومنین صالحین کے لیے اور اُن کے متعلقین کے لیے بھی اللہ تعالیٰ سے مغفرت اور جنت کی دعائیں کرتے رہتے ہیں ــــــ میں نے عرض کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ اُن کا اکرام و اعزاز ہے کہ اپنے مقرب ترین فرشتوں کو اُن کا مستقل دعا گو بنا دیا ہے ــــــ

اس کے بعد اس دوسرے رکوع کی ابتدائی آیتوں میں مومنین صالحین کے بالمقابل اہل کفر و شرک اور اشرار کا برا انجام بیان فرمایا گیا ہے ــــــ ارشاد ہے ــ "اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا ...... فَتَکْفُرُوْنَ" مطلب یہ ہے کہ جن لوگوں نے اللہ کے پیغمبروں کی خصوصاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوتِ ایمان اور دعوتِ توحید کو نہیں مانا اور کفر و انکار کا رویہ اختیار کیا، جب قیامت اور آخرت میں وہ اُس کا انجام اور خدا کا عذاب دیکھیں گے تو اُن کو اپنے اوپر بڑا غصہ آئے گا۔ اور گویا وہ اپنی بوٹیاں نوچیں گے کہ ہم نے خدا اور اس کے رسول کی بات نہ مان کر اپنے پر کیسا ظلم کیا، اس کو اس مثال سے سمجھئے کہ کوئی شخص غصہ میں زہر کھالے، پھر جب زہر کا اثر شروع ہو اور پیٹ میں آنتیں کٹنے لگیں اور ایسا معلوم ہونے لگے جیسے کوئی چھریوں سے آنتوں کو اور جگر کو کاٹ رہا ہے تو اُسے اپنی حماقت پر کیسا غصہ آئے گا۔ بس اسی طرح کا غصہ آخرت کا عذاب دیکھ کر اہل کفر و شرک کو اور اللہ و رسول کی نہ ماننے والوں کو اپنے اوپر آئے گا اور وہ واویلا کریں گے تو اُن کو کہا جائے گا (غالباً عذاب کے فرشتے کہیں گے) کہ آج تم کو جیسا غصہ اپنے اوپر آرہا ہے، اُس سے زیادہ غصہ تمہارے خالق و مالک خداوند تعالیٰ کو اس وقت تم پر آتا تھا جب تم کو ایمان کی دعوت دی جاتی تھی اور تم انکار کرتے اور ٹھکراتے تھے اور طرح طرح

کی گستاخیاں کرتے تھے ــــــ آگے ارشاد ہے "قَالُوْا رَبَّنَا...... فَهَلْ اِلٰى خُرُوْجٍ مِّنْ سَبِيْلٍ؟
یعنی یہ اہل کفر و شرک جو عذاب میں گرفتار ہوں گے اللہ تعالیٰ سے عرض کریں گے، خداوندا آپ نے
دو دفعہ ہمیں موت کی حالت سے گزارا (ایک دفعہ پیدائش سے پہلے جب ہم کو زندگی نہیں ملی تھی
تو وہ موت ہی کی حالت تھی، اور دوبارہ دنیوی زندگی کے بعد ہم پر آپ نے موت کی حالت طاری
کی۔) اور اسی طرح دو دفعہ آپ نے ہم کو زندگی بخشی (ایک اس وقت جب دنیا میں پیدا فرمایا اور
دوسری بار جب اس عالم آخرت میں ہم کو زندہ کیا گیا) اب ہم کو اپنے سب جرائم اور گناہوں کا اعتراف
و اقرار ہے، بیشک ہم مجرم اور سزا کے مستحق ہیں۔ لیکن کیا اس کی کوئی صورت ہے کہ جس طرح آپ نے
پہلے دو دفعہ ہمیں موت اور زندگی کی حالتوں سے گذارا اسی طرح پھر ایک دفعہ موت یا نئی زندگی
دے کر یہاں سے چھٹی دیدی جائے اور ہم اس عذاب سے نجات پا جائیں؟ ــــــ تو انھیں جواب
ملے گا "ذٰلِكُمْ بِاَنَّهٗۤ اِذَا دُعِىَ اللّٰهُ وَحْدَهٗ كَفَرْتُمْ وَاِنْ يُّشْرَكْ بِهٖ تُؤْمِنُوْا فَالْحُكْمُ لِلّٰهِ
الْعَلِىِّ الْكَبِيْرِ" مطلب یہ ہے کہ تم اس عذاب اور سزا کے اس لیے مستحق ہو کہ دنیا میں تمہارا رویہ
یہ تھا کہ جب تم کو اللہ وحدہٗ لاشریک ہی کو اپنا مالک و معبود بنانے اور صرف اسی کی عبادت
اور بندگی کرنے کی دعوت دی جاتی تھی تو تم اس سے انکار کرتے اور ٹھکراتے تھے اور جب
شرک کیا جاتا اور اس کا بلاوا دیا جاتا تو تم اس کو دل و جان سے قبول کرتے تھے۔ تو ایسے
مجرموں کے لیے خداوند ذوالجلال اور اللہ علی و عظیم کا حکم اور فیصلہ یہی ہے کہ وہ یہ عذاب
اور سزا پائیں۔ اس کی صفتِ عدل اور حکمت کا یہی تقاضا ہے ــــــ لہٰذا اب تمہارے چھٹکارے
کی کوئی صورت نہیں۔

قرآن پاک میں اس کے علاوہ بھی متعدد جگہ یہ مضمون بیان فرمایا گیا ہے کہ جو لوگ کفر و
شرک کے مجرم اور دنیا میں خدا کے باغی رہے ہیں وہ جب آخرت میں جہنم کا عذاب دیکھیں گے
اور بھگتیں گے تو واویلا کریں گے اور درخواست کریں گے کہ ہمیں اب معافی دے کر ایک دفعہ
پھر دنیا میں بھیجدیا جائے اب ہم اللہ و رسول کی فرمانبرداری والی زندگی گزاریں گے، لیکن
اللہ تعالیٰ کے قانونِ عدل و حکمت میں یہ درخواست قابل قبول نہیں ہوگی، اور نہ اس دنیا میں یہ
قاعدہ ہے کہ کسی ڈاکو یا قاتل کو جب سزا دی جانے لگے اور پھانسی کے تختہ پر چڑھایا جانے

لگے اور اس وقت وہ آئندہ کے لیے نیک چلنی کا وعدہ کر کے معافی مانگے تو اُسے معاف کر دیا جائے اور چھٹی دیدی جائے ــــــ سورۂ فاطر میں ارشاد ہے۔

وَهُمْ يَصْطَرِخُونَ فِيهَا رَبَّنَا أَخْرِجْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا غَيْرَ الَّذِي كُنَّا نَعْمَلُ أَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَا يَتَذَكَّرُ فِيهِ مَنْ تَذَكَّرَ وَجَاءَكُمُ النَّذِيرُ فَذُوقُوا فَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ نَصِيرٍ ○

(سورۂ فاطر ع ۴ آیت ۳۷)

اور وہ مجرمین دوزخ میں چیخ چلا اور واویلا مچا رہے ہوں گے اور کہیں گے کہ خداوندا ہمیں یہاں سے نکالدے (اور دنیا میں بھیج دے ہم وعدہ کرتے ہیں کہ) ہم اب نیک اعمال کریں گے وہ حرکتیں نہیں کریں گے جو پہلے کیا کرتے تھے۔ (جواب ملے گا) کیا ہم نے تم کو دنیا میں اتنی عمر اور زندگی نہیں دی تھی جس میں نصیحت حاصل کرنے والا نصیحت حاصل کر سکتا، اور تمہارے پاس (آخرت کے اس انجام سے) باخبر کرنے والے اور ڈرانے والے (پیغمبر یا اُن کے داعی اور مبلغ) بھی آئے ــــــ (لیکن تم نے اُن کی بات کو ٹھکرا دیا) پس اب تم (اپنے کیے کا نتیجہ بھگتو اور) عذاب کا مزا چکھو اور ان مجرموں کا کوئی حمایتی اور مددگار نہ ہوگا۔

اہل کفر و شرک کا یہ اُخروی انجام بیان فرمانے کے بعد بندوں کو اللہ تعالیٰ کے احسانات اور اس کی قدرت اور ربوبیت اور نشانیوں کی طرف توجہ دلا کر توحید الٰہی کی دعوت دی جا رہی ہے۔ ارشاد ہے

"هو الذى يريكم ايٰته .... فادعوا الله مخلصين له الدين ولو كره الكفرون ○"

مطلب یہ ہے کہ وہ اللہ جس کی عبادت اور بندگی اور توحید کی دعوت دی جا رہی ہے وہ ہے جو تمہارے اندر اور باہر اپنی قدرت کی نشانیاں تم کو دکھاتا ہے، اور تمہارے لیے رزق اور روزی کا سامان آسمان سے اتارتا ہے، (انسان کی غذا بلکہ اس کی زندگی کی ساری ضروریات بالواسطہ یا بلا واسطہ زمین کی پیداوار ہی سے پوری ہوتی ہیں، غلہ پھل وغیرہ سب زمین ہی میں پیدا ہوتے ہیں، حلال جانوروں کا گوشت اور اُن کا دودھ جانوروں کی اس غذا ہی سے بنتا ہے جو زمین سے پیدا ہوتی ہے اور زمین کی ساری پیداوار اللہ کی نازل کی ہوئی بارش

کا طفیل ہے) ـــــ آگے فرمایا گیا ہے "وَمَا يَتَذَكَّرُ إِلَّا مَنْ يُنِيبُ ٥ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کی یہ نشانیاں اور اس کے یہ احسانات تو سب کے سامنے ہیں لیکن جس کو ان چیزوں کی طرف توجہ ہی نہ ہو اور کوئی فکر ہی نہ ہو وہ ان سے کوئی نصیحت اور سبق نہیں لے سکتا، وہی خوش نصیب بندے ان سے نصیحت لیتے اور خدا کی معرفت حاصل کرتے ہیں جنھیں اپنے انجام کی فکر ہو اور جو ہدایت کے طالب ہوں ـــــ آگے ارشاد فرمایا گیا ہے "فادعوا اللہ مخلصین لہ الدین ولو کرہ الکفرون ٥" پس اے بندو صرف اللہ ہی کو اپنی حاجتوں کے لیے پکارو اور اخلاص کے ساتھ اسی کی عبادت اور بندگی کرو، خواہ اہل کفر و شرک کو یہ بات کتنی ہی ناگوار ہو، اُن کی اور کسی کی بھی اس راہ میں پرواہ نہ کرو۔

آگے اللہ تعالیٰ کی شان کی عظمت و رفعت کی طرف اشارہ فرما کے اُس کی طرف سے نازل ہونے والی وحی اور نبوت و رسالت کے نظام کا اور پھر قیامت و آخرت کا ذکر فرمایا گیا ہے ارشاد ہے "رَفِيعُ الدَّرَجَاتِ ذُو الْعَرْشِ يُلْقِي الرُّوحَ مِنْ أَمْرِهِ ...... إِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ ٥ ـ مطلب یہ ہے کہ وہ خداوند ذوالجلال بہت بلند مرتبہ ہے عرش عظیم کا مالک ہے، وہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے اپنے حکم کی وحی کرتا ہے اور اُن کو نبوت و رسالت کے منصب پر فائز کرتا ہے جن کا ایک خاص کام یہ ہوتا ہے کہ وہ قیامت کے دن خداوند ذوالجلال کے حضور میں حاضری اور حساب کتاب کے بارہ میں آگاہی دیں اور اس دن کی ہولناکیوں سے ڈرائیں۔ (لِيُنْذِرَ يَوْمَ التَّلَاقِ) اس آیت میں قیامت کے دن کے لیے "یوم التلاق" کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جس کا لفظی ترجمہ ہے "ملاقات کا دن" جس طرح قیامت کا ایک نام "الساعۃ" یا "الآزفہ" ہے اور ان کے علاوہ بہت سے نام ہیں، اسی طرح "یوم التلاق" بھی اسی کا ایک نام ہے ـــــ اس زندگی میں اللہ تعالیٰ پر ہمارا ایمان ہے لیکن اس کی جھلک دیکھنے کا بھی یہاں ہمارے لیے امکان نہیں ہے، قیامت کے دن اُس کی بارگاہ میں حاضری نصیب ہوگی، اسی کو "تلاقی" (ملاقات) کہا گیا ہے، اس کے علاوہ اُس دن انشاء اللہ اگلے پچھلے سب بچھڑے ہوئے ملیں گے، اس لحاظ سے بھی قیامت کا دن "ملاقات کا دن" ہوگا ـــــ

اس "یوم التلاق" کا مزید یہ حال بیان فرمایا گیا ہے: "يَوْمَ هُمْ بَارِزُونَ لَا يَخْفَى عَلَى اللَّهِ مِنْهُمْ

شیئ" یعنی اُس دن سب اولین و آخرین اس حال میں ہوں گے کہ کوئی بھی آڑ اور پردے میں نہ ہوگا اور کسی کی کوئی بات اللہ سے مخفی نہ ہوگی ـــــ اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ندا ہوگی لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ" (آج کس کی حکمرانی اور فرمانروائی ہے؟) دنیا میں بہت سوں کو چھوٹے یا بڑے درجہ کی حکومت اور فرمانروائی حاصل ہوتی ہے لیکن قیامت کے دن اللہ کے سوا کسی کو نام کو بھی حکومت نہ ہوگی، اللہ کے حضور میں سب عاجز بندے ہونگے ـــــ چنانچہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے "لمن الملک الیوم؟" کے جواب میں اعلان ہوگا کہ "لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ" کہ آج بادشاہی اور فرمانروائی صرف اللہ واحد قہار کی ہے ـــــ اسی کے ساتھ فرمایا جائے گا "اَلْيَوْمَ تُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍۢ بِمَا كَسَبَتْ لاظلم الیوم ط اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ٥" مطلب یہ ہے کہ آج کا دن خداوندی عدالت کا دن ہے، آج ہر شخص کو اس کے کیے کی، اس کے اچھے یا بُرے اعمال و افعال کی پورے انصاف کے ساتھ جزا دی جائے گی، کسی پر ذرہ برابر ظلم اور کسی کے ساتھ رتی بھر بے انصافی نہیں ہوگی ـــــ وہ دن چونکہ خداوندی قہر و جلال کے ظہور کا دن ہوگا اور اوپر اہل کفر و شرک اور خدا کے باغیوں اور نافرمانوں کا اور ان کے عذاب کا ذکر کیا جا چکا ہے اس لیے یہاں خصوصیت کے ساتھ اس کی وضاحت فرما دی گئی کہ اس دن کسی مجرم کے ساتھ بھی بے انصافی نہیں ہوگی، اگر وہ سزا کا مستحق ہے تو اس کو اتنی ہی سزا اور وہی سزا دی جائے گی جو اُس کے جرم کے حساب سے قانونِ عدل کا تقاضا ہوگا، اسی طرح کسی بندے کی رتی بھر نیکی نظر انداز نہیں کی جائے گی ہر نیکی کا پورا پورا اجر عطا فرمایا جائے گا ـــــ

آگے ارشاد فرمایا "اِنَّ اللّٰهَ سریع الحساب" ـــــ کسی کو شبہ ہو سکتا ہے کہ آدم علیہ السلام سے لیکر قیامت تک پیدا ہونے والے سارے بندوں کا اور تمام اولین و آخرین کا حساب کتاب تو ہزاروں یا لاکھوں برس میں ہو سکے گا، تو آیت کے اس آخری کلمے "اِنَّ اللّٰهَ سریع الحساب" نے بتلایا کہ اللہ تعالیٰ سب کا حساب آناً فاناً کر دے گا، قرآن پاک ہی میں ایک دوسری جگہ فرمایا گیا ہے "وَمَا اَمْرُنَا اِلَّا وَاحِدَةٌ كَلَمْحٍۢ بِالْبَصَرِ" اللہ تعالیٰ کا فیصلہ پلک جھپکنے کی طرح بس ایک لمحہ اور ایک آن میں ہوتا ہے، اس کو کسی کام کے لیے وقت کی ضرورت نہیں ـــــ اللہ تعالیٰ ہم بندوں کو توفیق دے کہ ہم اُس دن اور اس حساب کے لیے یہیں تیاری کر لیں ـــــ حدیث شریف

میں ہے "حاسِبُوا قبلَ اَنْ تُحَاسَبُوا" یعنی تم خود اپنا محاسبہ کرتے رہو اُس دن کے آنے سے پہلے جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمھارا حساب ہوگا اور تمھاری زندگی کا اعمالنامہ دیکھا جائے گا۔ اور پھر دوزخ یا جنت کا فیصلہ ہوگا۔

از افادات حضرت مولانا شاہ وصی اللہ علیہ الرحمہ

کبر کا علاج اور قرآنِ مجید

[فی زمانہ بہت سے دین اور آخرت کی فکر رکھنے والے مسلمان بھی اس بات سے ناواقف اور بے خبر ہیں کہ جس طرح اعضائے جسمانی سے ہونے والے بعض گناہ نہایت شدید و خبیث ہیں جنکی وجہ سے آدمی فاسق و فاجر اور اللہ تعالیٰ کی نظر رحمت سے محروم ہو جاتا ہے، جیسے زنا، شراب، چوری، خون ناحق وغیرہ۔ (جن کو کبیرہ گناہ کہا جاتا ہے) اسی طرح بعض باطنی اعمال اور قلبی رذائل بھی نہایت شدید و خبیث ہیں اور وہ بھی کبیرہ درجہ کے گناہوں میں سے ہیں، ان میں سے ایک کبر بھی ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ جس کے قلب میں ذرہ برابر بھی کبر ہوگا وہ اُس وقت تک جنت کی ہوا بھی نہ کھا سکے گا اور خوشبو بھی نہ سونگھ سکے گا جبتک کہ جہنم کی آگ میں تپا کر اس کے کبر کو پھونک نہ دیا جائے گا۔

اس نہایت خبیث رزیلہ کبر کے علاج کے بارہ میں حضرت مولانا شاہ وصی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کا مندرجہ ذیل ملفوظ حال ہی میں نظر سے گزرا، مناسب سمجھا گیا کہ اس کو ناظرین الفرقان تک بھی پہنچا دیا جائے۔]

فرمایا کہ کبر کے معالجہ اور اس کے ازالہ کے سلسلہ میں امام غزالیؒ وغیرہ نے بہت طویل طویل بحث کی ہے چنانچہ احیاء العلوم دیکھ جائیے تو آپ کو اندازہ ہوگا کہ شاخ در شاخ کتنا لمبا بیان ہو گیا ہے کہ آدمی اس کو پڑھ کر گھبرا جائے کہ مجھ سے اتنا سب نہیں ہو سکے گا۔ اور اس کا ایک علاج میں بتاتا ہوں نہایت آسان اور بہت ہی سہل وہ یہ کہ قرآن شریف سے مناسبت پیدا کیجیے۔ اور اخلاص کے ساتھ اس کی تلاوت کیجیے اور جن آیات میں حق تعالیٰ نے کبر کا اور متکبرین کے اعمال و اقوال اور احوال کا ذکر کیا ہے

ان پر سے ذرا دھیان اور تدبر کے ساتھ گذرئیے۔ پھر دیکھیے کہ اگر آپ ایمان کے ساتھ ان کی تلاوت کرتے ہیں تو اس کے بعد کبر کس طرح باقی رہ جاتا ہے۔

قرآن شریف کی اس طرح سے حقیقی تلاوت فرمایئے گا تو آپ کو معلوم ہو گا کہ اللہ تعالیٰ نے جملہ رذائلِ نفس پر کیسا کیسا کلام فرمایا ہے۔ ہر ایک کو نہایت شد ومد اور انتہائی موثر انداز سے بیان فرمایا ہے ایسا کہ ان پر گذرنے کے بعد مجال نہیں کہ مسلمان ان سے متصف باقی رہ سکے مگر اس کے لیے شرط وہی ہے کہ تلاوت دلی ہو۔ ظاہری، رسمی، سرسری اور صرف زبانی نہ ہو۔

اتنا تو سب کو معلوم ہے کہ قرآن مخلوق کی ہدایت ہی کے لیے نازل ہوا ہے پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ جن رذائل میں لوگ ملوث ہوں انھیں سے نکلنے کا بیان قرآن شریف میں نہ ہو۔ اصلاح تو عین مقصد قرآن کا تھا اس لیے اللہ تعالیٰ نے خوب ہی خوب انوکھے اور موثر عنوان سے سارے رذائل کو بیان کیا ہے چنانچہ تلاوت کرنے والے پر یہ امر ظاہر ہو جاتا ہے کہ یہ تمام رذائل صفاتِ کفار سے ہیں۔ اب جس کو ذرا سی بھی غیرت ہو گی وہ تو اسی سے بہت کچھ اصلاح پذیر ہو جائے گا کہ جو صفات عدو اللہ کی ہوں ان کا اللہ تعالیٰ کے ماننے والوں میں ہونا کسی طرح زیب نہیں دیتا۔ پھر قرآن شریف کی بلاغت اور اس کا عنوان بیان کچھ ایسا ہے کہ رذائل سے آدمی کو نفرت اور ان کے ساتھ متصف رہنے سے آدمی کو ایک ڈر پیدا ہو جاتا ہے۔

چنانچہ دیکھیے کبر جو کہ ام الرذائل ہے جیسا کہ علماء باطن نے اس کی تصریح فرمائی ہے کہ اعلم ان الاخلاق المحمودۃ اصلها التواضع والبواقی تدور علیہ کما ان الاصل فی الاخلاق المذمومۃ الکبر والبواقی تدور علیہ (جانو کہ اخلاق محمودہ کی اصل تو اضع ہے اور بقیہ سب صفات اسی پر دائر ہوتی ہیں جس طرح سے کہ اخلاق مذمومہ میں اصل کبر ہے اور دیگر رذائل اسی پر دائر ہیں) اسی کو قرآن شریف میں کتنی مرتبہ فرمایا ہے اِنْ فِیْ صُدُوْرِهِمْ اِلَّا كِبْرٌ۔ فَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ (ان کے سینوں میں کبر بھرا ہے اور متکبروں کا ٹھکانا برا ہو گا) اب جو کوئی ان آیات پر سے گذرے گا اور دل سے یہ سمجھے گا

کہ فَبِئْسَ مَثْوَی الْمُتَکَبِّرِیْنَ یعنی متکبرین کا ٹھکانا بہت ہی برا ہوگا تو اس کو سننے اور جاننے کے بعد بھی کسی میں کبر رہ سکتا ہے؟ اسی طرح سے کہتا ہوں کہ سب سے پہلا قصہ جو اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں بیان فرمایا ہے، وہ آدم علیہ السلام اور شیطان کا واقعہ ہے اس میں آدم کی تواضع اور شیطان کے کبر کا حال اور پھر اس کا انجام پڑھنے کے بعد بھی کچھ خیال نہیں ہوگا اور کبر سے نفرت نہیں پیدا ہوگی؟ ضرور پیدا ہوگی۔ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو اور ان کی طبائع کو پیدا فرمایا ہے وہی ان سے خوب واقف ہیں اس لیے ان کے بیان سے بہتر اور دوسرا کیا بیان کرسکتا ہے اسی لیے کہتا ہوں کہ راستہ مختصر اصلاح نفس کا یہی قرآن شریف ہے اسی کو کیوں نہیں لیتے اور اس کے ہوتے ہوئے دوسرا دوسرا راستہ اصلاح کے لیے اختیار کروگے تو طریق طویل ہو جائے گا اور مشقت زیادہ ہو جائے گی۔

فرمایا کہ اسی سلسلہ میں ایک بات اور کہتا ہوں سنیئے! اور وہ دراصل حق تعالیٰ کا فضل ہے کہ ایک بات قلب میں ڈالدی اور ایک حقیقت سمجھادی اس کی وجہ سے جس قدر خوشی ہوئی آپ سے کہہ نہیں سکتا۔ وہ یہ کہ کتابوں میں لکھا ہے اور حضرت مولاناؒ سے بھی سنا ہے کہ اگلے مشائخ نے کبر وغیرہ کا علاج اس طرح بھی کیا ہے کہ سالک سے کہا کہ داڑھی منڈا کر ایک تھیلا گلے میں لٹکائے اور اس میں اخروٹ بھرے اور ایسے لوگوں کے پاس سے گزرے جو اس کو جانتے پہچانتے ہوں اور بچوں سے کہے کہ جو مجھے ایک دھپ مارے گا اس کو ایک اخروٹ دوں گا اس طرح سے اپنے نفس کو خوب ذلیل کرے تو اس سے اس کا کبر ختم ہو جائے گا اور مشائخ نے لکھا ہے کہ جس طرح سے تداوی بالمحرّم جائز ہے اسی طرح سے یہ علاج ہے اس لیے قوم پر کوئی اعتراض نہیں۔

میں یہ کہتا ہوں کہ یہ حضرات بڑے درجے کے لوگ تھے اس لیے ان کی بزرگی تسلیم کرنے کے باوجود ان کے اس فعل کو جائز نہیں کہا جائے گا کیونکہ خود یہی حضرات فرماتے ہیں کہ ہماری جو بات شریعت کے خلاف ہو تو وہ مردود ہے۔ نیز یہ فرماتے ہیں کہ ہم جو کچھ کہیں جب تک اس کی تصدیق کتاب و سنت (دو گواہ ہو کر) نہ کردیں تو اس کو قبول نہ کرو۔

پس ہم جب ان کے اس علاج کو شریعت پر منطبق کرتے ہیں تو خلاف شرع ثابت

ہوتا ہے کیونکہ حلق لحیہ شرعاً حرام ہے (یعنی داڑھی منڈانا حرام ہے۔)

اور سالک کی اہانت اور ذلت اگر اس ضرورت سے جائز بھی مان لی جائے تو شریعت کا احترام بھی تو واجب ہے اس کی اہانت کب جائز ہے باقی تداوی بالمحرّم سے جو اس کو تشبیہ دی ہے یہ بھی مسلّم نہیں ہے کیونکہ تداوی بالمحرم وہاں جائز ہے جہاں علاج کے لیے وہی دوا متعین ہو اور ازالہ کبر کے لیے یہی طریقہ متعین نہیں۔ شیخ کامل کے پاس اس کے لیے بہت سے علاج ہیں۔

میں کہتا ہوں کہ اس کا علاج قرآن شریف سے کیا جائے گا اور اس سے کہا جائے گا کہ متکبرین کے حالات اور ان کی سزا وغیرہ کو خوب غور سے پڑھے اور دل پر ان سے اثر لے۔ ورنہ تو ان سب باتوں سے مرض جہاں کا تہاں رہے گا اور خلاف شرع امور کا ارتکاب الگ ہو جائے گا۔

(ماہنامہ "وصیۃ العرفان الہ آباد" کے شکریہ کے ساتھ)

قرآن کے تھوڑا تھوڑا نازل ہونے کی حکمتیں

(از شیخ مناع القطان ـــــــــ ترجمہ عتیق الرحمٰن سنبھلی)

[معلوم ہے کہ قرآن پاک پورا کا پورا ایک دفعہ میں نازل نہیں ہوا۔ بلکہ تیئس "۲۳" سال کی مدت میں، جو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی کل مدت ہے، کبھی ایک آیت، کبھی دو چار اور کبھی کچھ زیادہ، غرض تھوڑا تھوڑا کر کے نازل ہوا۔

قرآن کریم جو سراپا حکمت ہے۔ اپنے مضامین اور معانی کے اعتبار سے، اپنے الفاظ کے اعتبار سے اور ان الفاظ و مضامین کی ترتیب کے اعتبار سے، وہ اپنے اس طریق نزول کے اعتبار سے بھی بڑی حکمتیں اپنے اندر رکھتا ہے۔ اور ان حکمتوں کا مطالعہ بھی قرآن کے "کتاب حکیم" اور اللہ کے "علیم و حکیم" ہونے پر ایمان میں ترقی اور پختگی کا ذریعہ ہے۔

حال ہی میں ایک عرب عالم شیخ مناع القطان کی کتاب "مباحث فی علوم القرآن" نظر سے گزری جس میں ان حکمتوں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ ذیل میں اسی بحث کو ناظرین الفرقان کے لیے اردو کے قالب میں اس طور پر پیش کیا جا رہا ہے کہ مواد تو اسی کتاب کا ہے مگر انداز بیان اور ترتیب کلام میں اس کے انداز و ترتیب کی پابندی نہیں کی گئی ہے۔ اس کے علاوہ اختصار کے لیے کچھ حذف بھی ہے اور کہیں مناسب انداز کا اضافہ بھی۔ اللہ سے دعا ہے کہ وہ اسے دینی اور ایمانی فائدے کا ذریعہ بنائے۔]

۱۔ پہلی حکمت: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دلبستگی اور تسلی!

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اپنی قوم کو اللہ کی طرف بلانا شروع کیا تو آپ کے

اُس خلوص کے باوجود جو آپ کے اندازِ دعوت سے نمایاں تھا۔ اور آپ کے اُس بلند کیریکٹر کے باوجود جو قوم پر عیاں تھا، قوم نے اس دعوت کا استقبال بدترین بیزاری اور ایسی ہی سخت مخالفت کے ساتھ کیا آپ کو ایذائیں پہنچانے اور ہر طرح سے روڑے اٹکانے سے کبھی باز نہ رہی۔ یہ چیز رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو اگرچہ اپنی جدوجہد سے روکنے والی نہیں تھی۔ مگر غمگین کرتی تھی کیونکہ آپ کا جذبۂ صادق اور انسانوں کی ہدایت کی وہ پیغمبرانہ حرص جو اللہ نے آپ کے قلب میں رکھدی تھی وہ اس صورت حال پر بے چین ہوتی تھی اور اس حد تک بے چین ہوتی تھی کہ قرآن پاک ہی میں فرمایا گیا ہے

فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلَىٰ آثَارِهِمْ	تو کیا اگر یہ لوگ اس پیغام پر ایمان نہیں
إِن لَّمْ يُؤْمِنُوا بِهَٰذَا الْحَدِيثِ	لاتے، تم مارے رنج کے ان کے پیچھے اپنی
أَسَفًا	جان ہی دیدو گے ؟

چنانچہ یہ ایک وجہ تھی کہ قرآن تھوڑے تھوڑے وقفہ کے بعد نازل کیا جاتا تھا تاکہ آپ کو دلجمعی اور سکون قلب حاصل ہو کسی طرح کی مایوسی طاری ہونے کے بجائے آپ کے عزم اور عمل میں پختگی اور سرگرمی کی کیفیت قائم رہے اور دل اس اطمینان سے بھرا جاتا رہے کہ یہ صورت حال بدل کر رہے گی۔ راستہ کھلے گا اور مخالفت کے بادل گرمیوں کی بدلی کی طرح چھنٹتے ہوئے نظر آئیں گے۔

اس سلسلے میں خاص طور سے اگلے انبیاء علیہم السلام اور ان کی قوموں کے واقعات کا بیان کیا جاتا تھا۔ کہ کیسے کیسے اُن کی قوموں نے جھٹلانے اور ستانے کا رویہ اختیار کیا۔ اور کیسے ان پیغمبروں نے اُن کے مقابلے میں صبر اور ثابت قدمی کا مظاہرہ کیا۔ اور پھر کیسے اپنے وقت پر اللہ کی طرف سے مدد کا ہاتھ بڑھا۔ قرآن کے یہ رہ رہ کر نازل ہونے والے بیانات آپ کو تسکین بھی دیتے۔ اور غم سے بھرے ہوئے دل کو حوصلہ و امید سے بھی بھرتے۔ مثلاً فرمایا گیا

قَدْ نَعْلَمُ إِنَّهُ لَيَحْزُنُكَ الَّذِي	ہم جانتے ہیں کہ ان کی باتیں آپ کو
يَقُولُونَ فَإِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُونَكَ	غمگین کرتی ہیں۔ لیکن یہ آپ کو نہیں جھٹلاتے
وَلَٰكِنَّ الظَّالِمِينَ بِآيَاتِ اللَّهِ	ہیں یہ ظالم تو اللہ کی آیتوں کو جھٹلاتے

يَجْحَدُونَ ○ وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ فَصَبَرُوا عَلَىٰ مَا كُذِّبُوا وَأُوذُوا حَتَّىٰ أَتَاهُمْ نَصْرُنَا۔ (الانعام ۳۳-۳۴)

ہیں اور (یہ کوئی نئی بات نہیں) آپ سے پہلے آنیوالے رسول بھی جھٹلائے گئے، پس انھوں نے اس جھٹلائے جانے اور ستائے جانے پر صبر کیا، یہانتک کہ انھیں ہماری مدد آ پہنچی۔

اسی طرح فرمایا گیا:

فَإِن كَذَّبُوكَ فَقَدْ كُذِّبَ رُسُلٌ مِّن قَبْلِكَ جَاءُوا بِالْبَيِّنَاتِ وَالزُّبُرِ وَالْكِتَابِ الْمُنِيرِ ○ (آل عمران-۱۸۴)

یہ اگر آپ کو جھٹلا رہے ہیں تو آپ سے پہلے بھی رسولوں کو جھٹلایا گیا ہے جو کھلی نشانیاں صحیفے اور روشن کتابیں لیکر آئے تھے۔

ان پیغمبروں کی طرح صبر کا حکم دیتے ہوئے فرمایا جاتا۔

فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ أُولُو الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ (الاحقاف-۳۵)

بس آپ بھی صبر سے کام لیں جیسے کہ صاحب عزم پیغمبروں نے صبر اور برداشت سے کام لیا۔

کہیں فرمایا گیا ان کے جھٹلانے کی مہلت لمبی نہیں ہے۔ آپ اپنے کام سے کام رکھ کے ان کا معاملہ اللہ پر چھوڑ دیں۔

وَاصْبِرْ عَلَىٰ مَا يَقُولُونَ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيلًا ○ وَذَرْنِي وَالْمُكَذِّبِينَ أُولِي النَّعْمَةِ وَمَهِّلْهُمْ قَلِيلًا ○ (المزمل-۱۰-۱۱)

آپ ان کی باتوں پر صبر کرتے ہوئے خوبصورتی کے ساتھ انھیں ان کے حال پر چھوڑ دیں۔ اور ان خوشحالوں کو چھوڑ دیں میرے نپٹنے کے لیے، یہ سمجھتے ہوئے کہ ان کی مدت تھوڑی ہے۔ (لمبی نہیں ہے)

سابق انبیا علیہم السلام کے متعلق یہ بیانات خاص طور سے آپ کی تسلی خاطر اور جمعیت خاطر ہی کے لیے رہ رہ کر نازل کیے جاتے تھے۔ جیسا کہ فرمایا گیا

وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ أَنبَاءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهِ فُؤَادَكَ (ھود-۱۲۰)

اور یہ تمام قصے پیغمبروں کے ہم آپ پر بیان کرتے ہیں جن سے ہم آپ کے دل کو مضبوط کریں۔

اسی طرح کبھی فرمایا جاتا تھا۔ وَاللّٰہُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ (المائدہ۔ ۶۷) (اللہ آپ کی ان (در پے آزار) لوگوں کے مقابلے میں حفاظت کرے گا) وَیَنْصُرَکَ اللّٰہُ نَصْرًا عَزِیْزًا (الفتح۔ ۳) اللہ آپ کی بھرپور مدد کرے گا) کَتَبَ اللّٰہُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِیْ اِنَّ اللّٰہَ قَوِیٌّ عَزِیْزٌ (المجادلہ ۲۱) (اللہ نے لکھ دیا ہے کہ لاریب میں اور میرے رسول غالب ہوں گے بیشک اللہ بیحد قوت اور زور والا ہے۔)

کفار بعض مرتبہ برائے اعتراض کہتے تھے کہ یہ کتاب تھوڑی تھوڑی کر کے کیوں نازل ہوتی ہے۔ سابق کتابوں کی طرح ایک دفعہ میں پوری کی پوری کیوں نہیں نازل کر دی جاتی؟ ان کے جواب میں بھی آپ کو مطمئن کرنے کے لیے فرمایا گیا۔

کَذٰلِکَ لِنُثَبِّتَ بِہٖ فُؤَادَکَ وَرَتَّلْنٰہُ تَرْتِیْلًا ۝ (الفرقان۔ ۳۲)

ہاں ہم اسی طرح اس لئے نازل کرتے ہیں کہ آپ کے دل کو ڈھارس دیتے رہیں۔ یعنی ہم اس کو ٹھیر ٹھیر کر نازل کرتے ہیں۔

شیخ ابوشامہ عبدالرحمن مقدسی (متوفی ۶۶۵ھ) نے اسی آیت پر روشنی ڈالتے ہوئے اپنی کتاب "الوجیز الی ما یتعلق بالقرآن العزیز" میں لکھا ہے کہ "ایک طرف تو ہر نئے موقع پر اس طرح کی آیتوں کا نزول قلب نبوی کے لیے ایک نئی تقویت کا باعث ہوتا تھا۔ اس سے ظاہر ہوتا تھا کہ آپ کے حال پر ہر وقت اللہ کی نظر ہے۔ دوسرے اس کی بدولت جبرئیل علیہ السلام کا آپ کے پاس آنا بار بار ہوتا تھا۔ جس سے پیدا ہونے والے سکون اور سرور کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔ حدیث میں آتا ہے کہ رمضان مبارک میں آپ کے دست سخا کی (جود و سخاوت) کی جولانی دیکھنے والی ہوتی تھی۔ اس کا راز بھی یہی ہے کہ اس ماہ میں حضرت جبرئیل ؑ کی آمد و رفت غیر معمولی ہوتی تھی۔"

۲۔ دوسری حکمت:۔ اس طریق نزول سے قرآن کا اعجاز اور اُس کی صداقت زیادہ نمایاں طور پر ثابت ہوتی تھی

کافروں کی اس تکذیب کے جواب میں کہ یہ خدا کی کتاب نہیں ہے۔ قرآن ان کو چیلنج کرتا تھا کہ اگر یہ خدا کا نہیں محمد کا کلام ہے تو تم اس نمونہ کا کلام پیش کر کے دکھاؤ۔ یہ چیلنج اگر یہ پورا قرآن ایک دفعہ میں نازل کر دیے جانے کی صورت میں کیا جاتا اور کفار اس کے جواب سے عاجز

رہتے تو یہ قرآن کے اعجاز کو اس درجہ ظاہر کرنے والا نہ ہوتا جتنا اس صورت میں کہ تھوڑا تھوڑا سا نازل کیا جاتا ہے اور دکھایا جاتا ہے کہ تم اس تھوڑے سے حصے کا بھی نمونہ پیش کرنے سے عاجز ہو۔ تھوڑے تھوڑے سے حصے کا نمونہ پیش کرنا کل کا نمونہ پیش کرنے کے مقابلہ میں کہیں زیادہ آسان ہے۔ مگر دکھایا گیا کہ وہ اس شکل میں بھی قرآن کا جواب پیش کرنے سے عاجز ہیں۔

اسی طرح تھوڑا تھوڑا سا حصہ نازل کیے جانے میں یہ حکمت بھی تھی کہ معترضین اور نکتہ چیں جو سوالات اور اعتراضات اٹھا دیں اُن کا جواب بھی قرآن میں آتا جائے اور اس طرح وہ اس شکل میں مکمل ہو کہ قدم قدم پر اسکے منجانب اللہ ہونے کی صداقت ثابت ہو سکی ہو! منکرین کے اس اعتراض کے جواب میں کہ یہ پورا کا پورا ایک دفعہ میں کیوں نہیں نازل کیا گیا (لَوْلاَ نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْآنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً) جہاں اولاً یہ فرمایا گیا تھا کہ كَذٰلِكَ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنَاهُ تَرْتِيلاً[۱] وہاں دوسری بات اس کے بعد یہی فرمائی گئی تھی کہ

وَلَا يَأْتُونَكَ بِمَثَلٍ إِلَّا جِئْنَاكَ بِالْحَقِّ وَأَحْسَنَ تَفْسِيرًا ۝ (الفرقان - ۳۳)

اور نہیں لائیں گے یہ تمھارے پاس کوئی سوال مگر ہم اس کی پوری حقیقت اور بہترین وضاحت آپ کو دیں گے

چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباس سے بعض روایات میں اس آیت کا یہی مفہوم یوں منقول ہوا ہے کہ

فَكَانَ الْمُشْرِكُونَ إِذَا أَحْدَثُوا شَيْئًا أَحْدَثَ اللّٰهُ لَهُمْ جَوَابًا[۲]

پس مشرک جب کوئی سوال اٹھا کر لاتے تو اللہ کی طرف سے اس کا وہیں جواب بھی آجاتا۔

۳۔ تیسری حکمت: حفظ کرنے، غور و فکر کرنے اور زندگی کو اس کے سانچے میں ڈھالنے میں آسانی

قرآن ایک ایسی قوم پر نازل کیا جا رہا تھا جو اُمّی تھی۔ لکھنا اور پڑھنا نہیں جانتی تھی۔

---

[۱] ترجمہ پہلی حکمت کے بیان میں گزر چکا ہے۔ [۲] اخرجہ ابو حاتم عن ابن عباسؓ

اس کا تمامتر انحصار یادداشت اور حافظے پر تھا۔ یہ کہ پہلے کسی چیز کو قید کتابت وتدوین میں لایا جائے اور پھر اُسے سمجھا اور حفظ کیا جائے، اس سے وہ نا آشنا تھی۔ پس اگر ان لوگوں پر قرآن پورا کا پورا ایک دفعہ میں اتار دیا جاتا تو اس کا یاد کرنا اور اسے سمجھنا اُن کے لیے بہت مشکل ہو جاتا۔ اس کے برعکس تھوڑا تھوڑا نازل ہونے کی صورت میں یاد کرنا اُن کے لیے بہت آسان تھا۔ چنانچہ جب کوئی آیت یا آیتیں نازل ہوتیں، تو صحابہ کرام انھیں بآسانی یاد کرلیتے ——— اسی طرح دو دو چار چار یا دس پانچ آیتوں کے نزول کی صورت میں ان کے مقصد ومدعا اور معنیٰ ومفہوم پر غور وفکر اور اچھی طرح انھیں سمجھنا بھی آسان تھا۔ اور اس سے بھی زیادہ اہم بات ان آیات اور تعلیمات کو زندگی میں اتارنے کی تھی۔ قرآن صرف سمجھنے کے لیے نازل نہیں ہوا تھا بلکہ اصل مدعا زندگی کا ایک نیا سانچہ ڈھالنا اور ایک نئے انداز کی امت کو وجود میں لانا تھا۔ اس کے لیے بہترین طریقہ یہی تھا کہ تھوڑی تھوڑی تعلیمات واصلاحات سامنے لائی جائیں اور موقع دیا جائے کہ لوگ انھیں اچھی طرح اپنی زندگی میں اتار سکیں۔

تعلیم وتربیت کا یہ انداز اتنا فطری تھا کہ صحابہ کرام نے اپنے شاگردوں (تابعین) کے سلسلے میں بھی اسی کو برقرار رکھا۔ ابونضرۃ (ایک تابعی) کہتے ہیں کہ حضرت ابوسعید خدریؓ ہمیں پانچ آیتیں صبح کو پڑھاتے تھے اور پانچ شام کو۔ اور فرماتے تھے کہ جبرئیل علیہ السلام (عام طور سے) پانچ آیتیں لیکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا کرتے تھے۔[1] حضرت عمرؓ سے بھی نقل کیا گیا ہے کہ آپ فرماتے تھے "قرآن کو پانچ پانچ آیتیں کرکے پڑھو کہ جبرئیل علیہ السلام پانچ ہی پانچ آیتیں لیکر آنحضرت پر نازل ہوا کرتے تھے۔

۴۔ چوتھی حکمت: رفتہ رفتہ اور حسب موقع احکام وتعلیمات کا نزول

اسلام جیسے وسیع وکامل اور عملی دین کی تعلیمات واحکام کا ایک قوم کی زندگی میں اُتارنا اس کے بغیر آسان نہیں ہوسکتا کہ ایک خاص ترتیب اور تدریج سے ان کا نزول ہو۔ اور خاص طور پر احکام وقوانین کے لیے سب سے بہتر طریقہ یہ ہے کہ جیسے جیسے ضرورت

---

[1] ابن عساکر

پیش آتی جائے اور لوگوں میں سوال پیدا ہو کہ اس موقع اور معاملے کے لیے خدا کا کیا حکم ہے تو اس وقت حکم آئے۔

ترتیب کے معاملے میں قرآن کریم نے سب سے پہلے بنیادی ایمانیات اور عقائد کو لیا۔ یعنی اللہ پر ایمان، اس کے فرشتوں اور اگلی کتابوں اور رسولوں پر ایمان، قیامت کے دن پر اور حشر و نشر اور حساب و کتاب اور جنت و جہنم کی شکل میں جزاء و سزا پر ایمان۔ ان تعلیمات کو وہ دلائل و براہین کے ساتھ پیش کر کے مشرکانہ اور جاہلانہ خیالات کو دلوں سے نکالتا اور اسلام کے صاف اور بے لاگ عقائد کو ان کی جگہ پر جماتا ہے۔

دوسرے درجہ میں وہ اخلاقی اصلاح کو نشانہ بنا کر اُن اعلیٰ اخلاق کی تعلیم دیتا ہے جن سے نفس میں پاکیزگی آئے۔ اور اُن اخلاقی برائیوں سے نفرت پیدا کرتا ہے جو نفس انسانی کو گندہ کرنے والی ہیں —— پھر دین کے بنیادی فرائض اور ارکان اسلام کی بنا ڈالی جاتی ہے جن میں اسلامی ایمانیات اور اخلاقیات کی یاد دہانی آبیاری اور حفاظت کا ایک بھرپور نظم ہے —— اور اس کے بعد انفرادی اور اجتماعی زندگی سے متعلق قانون سازی کا عمل شروع ہوتا ہے۔

ایک اجمالی نظر

اس پہلو سے ایک اجمالی نظر قرآن پاک پر ڈالی جائے تو صاف طور سے سامنے آتا ہے کہ اصولی احکام اور ہدایات مکی دور میں نازل ہوئیں اور تفصیلات مدینے کی زندگی میں۔

مثلاً سورۂ انعام جو مکی ہے، وہ بنیادی ایمانیات، دلائل توحید اور رد شرک کے مضامین بیان کرتی ہے۔ انسانی جان و مال اور عزت و آبرو کے احترام کی تلقین کرتی اور اصول اخلاقیات کی تعلیم دیتی ہے۔ آیت ۱۵۱-۱۵۲ میں فرمایا گیا۔

قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ	کہیے کہ آؤ میں تمھیں وہ چیزیں سناؤں
عَلَيْكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّ	جو تمھارے رب نے تم پر حرام کی ہیں۔

بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَلَا تَقْتُلُوْا
اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ نَحْنُ
نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ وَلَا تَقْرَبُوا
الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ
وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ
اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ
بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ وَلَا تَقْرَبُوْا
مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ
اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ
وَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ
بِالْقِسْطِ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا
وُسْعَهَا وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا
وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى وَبِعَهْدِ
اللّٰهِ اَوْفُوْا ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ
بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۝

(حکم ہے) کہ مت شریک کرو اس کے ساتھ کسی چیز کو۔ اور حسن سلوک کرو والدین کے ساتھ۔ اور مت قتل کرو اولاد کو مفلسی کے ڈر سے۔ ہم (ہیں جو) رزق دیتے ہیں تم کو اور اُن کو۔ اور مت قریب جاؤ بے حیائیوں کے چاہے وہ کھلی ہوں یا چھپی۔ یہ اُس کا تم کو حکم ہے کہ شاید تم سمجھو۔ اور (اسی طرح) مت ہاتھ لگاؤ یتیم کے مال کو مگر اچھے طریقے سے یہاں تک کہ وہ سن بلوغ کو پہنچ جائے۔ اور پوری کرو ناپ تول ایمانداری کے ساتھ۔ ہم کسی کو اس کے قابو سے زیادہ ذمہ دار نہیں ٹھیراتے۔ اور جب تم بات کرو تو انصاف کی کرو اگرچہ (وہ شخص جس کا معاملہ ہے) قرابت دار ہی ہو۔ اور اللہ سے جو عہد باندھو اُسے پورا کرو۔ یہ باتیں ہیں جن کا اللہ نے تم کو حکم دیا ہے۔ شاید کہ تم سمجھو اور دھیان کرو۔

اسی طرح سورۂ روم (مکی) میں فرمایا گیا۔

فَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ
وَابْنَ السَّبِيْلِ ذٰلِكَ خَيْرٌ
لِّلَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَ

پس حق دو قرابت دار کو اس کا اور مسکین اور مسافر کو بھی یہ بات بھلائی کی ہے ان کے لیے جو اللہ کی رضا کے

اللّٰہِ وَ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ وَمَآ اٰتَیْتُمْ مِّنْ رِّبًا لِّیَرْبُوَا فِیْٓ اَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا یَرْبُوْا عِنْدَ اللّٰہِ وَمَآ اٰتَیْتُمْ مِّنْ زَکٰوۃٍ تُرِیْدُوْنَ وَجْہَ اللّٰہِ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُضْعِفُوْنَ ○

(آیت ۳۸-۳۹)

طالب ہیں۔ اور وہی کامیاب ہونے والے ہیں۔ اور تم جو کچھ تم بہ نیت سود دیتے ہو، کہ لوگوں کے مالوں میں جاکر بڑھ جائے، تو وہ اللہ کے یہاں بڑھنے والا نہیں ہے۔ البتہ جو کچھ تم اللہ کے لیے بطور زکوٰۃ دیتے ہو (تو یہ وہ طریقہ ہے کہ) بے شک اس کے کرنے والے ہی اللہ کے یہاں اپنا مال بڑھانے والے ہیں۔

پس اصولِ معاملات مکے میں نازل ہوئے لیکن اُن کے تفصیلی احکام مدینے کی عملی زندگی میں آئے جیسے کہ قرض لین دین کے سلسلے کی ہدایات اور سود کی حرمت۔ اسی طرح نماز اور زکوٰۃ اپنی اصل کے اعتبار سے مکے ہی میں مشروع ہوئی ہیں۔ لیکن تفصیلات مدینے میں دی گئیں۔ زنا کی حرمت مکہ میں نازل ہوئی۔ لیکن اُس کی سزا مدینہ میں اُتری۔

قرآنی تعلیمات و احکام کے نزول میں تدریج و ترتیب کی یہ حکمت پوری صراحت کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ایک حدیث میں یوں روایت کی گئی ہے۔ فرمایا

"قرآن میں جو سب سے پہلی سورت مفصلات میں سے نازل ہوئی اُس میں جنت و دوزخ کا بیان ہے۔ یہاں تک کہ جب اسلام پوری طرح لوگوں کے دلوں میں جم گیا تو حلال و حرام کے احکام نازل ہوئے۔ اگر شروع ہی میں "شراب نہ پیو" کا حکم نازل کر دیا جاتا تو لوگ کہتے ہم ہرگز شراب نہیں چھوڑ سکتے۔ اسی طرح اگر کہا جاتا کہ زنا مت کرو تو وہ کہتے کہ ہم ہرگز زنا نہیں چھوڑ سکتے۔" (بخاری)

۵۔ پانچویں حکمت :۔ قرآن کے منجانب اللہ ہونے کی قطعی دلیل اس سے قائم ہوتی تھی۔

باوجود اس کے کہ بیس سال سے زیادہ کے عرصہ میں، ایک ایک اور دو دو چار چار آیتیں کرکے قرآن نازل ہوا۔ لمبے لمبے وقفے بھی بیچ میں ہوئے۔ مگر انسان اسے پڑھتا ہو تو کتاب باہم ایسی مربوط، مرتب اور دلآویز نظر آتی ہے جیسے کہ نہایت سلیقے اور قرینے سے گوندھا ہوا ہار۔

كِتَابٌ أُحْكِمَتْ آيَاتُهُ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِن لَّدُنْ حَكِيمٍ خَبِيرٍ ۝ (ہود-۱)

ایک ایسی کتاب، ذات حکیم و خبیر کی طرف سے جس کی آیتوں میں معنوی پختگی بھی ہے اور فصاحت بیان بھی۔

اس طور پر وجود میں آیا ہوا یہ کلام اگر کسی انسان کا ہوتا (کہ مختلف موقعوں پر اور مختلف مناسبتوں سے زبان سے نکلا) تو اس میں یہ ربط یہ روانی ، یہ باہم پیوستگی اور معنوی دلآویزی ممکن ہی نہ تھی۔ اسی لیے قرآن کہتا ہے:۔

وَلَوْ كَانَ مِنْ عِندِ غَيْرِ اللَّهِ لَوَجَدُوا فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا ۝ (النساء-۸۲)

اور اگر یہ اللہ کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا تو یقیناً تم اس میں زبردست اختلافات پاتے۔

مثال کے لیے اور کہیں جانے کی ضرورت نہیں۔ خود اسی بشر کا کلام جس پر قرآن نازل ہوا، پورے دور نبوت کا موجود ہے۔ اور فصاحت و بلاغت میں قرآن کے بعد، اپنی مثال آپ ہے۔ لیکن کسی طرح بھی آپ اس میں قرآن کی یہ شان نہیں پا سکتے کہ ایک جگہ جمع کر دو تو ایک مربوط مرتب کتاب معلوم ہو۔ جب خود کلام نبوی کا یہ حال ہے تو کسی ہمہ شمہ کا کیا معاملہ؟ اسی بنیاد پر قرآن کہتا ہے:۔

قُل لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْإِنسُ وَالْجِنُّ عَلَىٰ أَن يَأْتُوا بِمِثْلِ هَٰذَا الْقُرْآنِ لَا يَأْتُونَ بِمِثْلِهِ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيرًا ۝

کہہ دیجیے کہ اگر جن اور انسان سب کے سب اس بات پر جمع ہو جائیں کہ اس جیسا قرآن بنا لائیں تو وہ نہیں لا پائیں گے۔ اگرچہ وہ ایک دوسرے کے مددگار ہو کر بھی یہ کوشش کریں۔

مولانا نسیم احمد فریدی امروہی

کاروانِ اہلِ فضل و کمال

تلامذہ حضرت شاہ محمد اسحٰق محدث دہلوی مہاجرؒ

(۱۲)

مولانا مفتی صدر الدین دہلویؒ

مولانا حکیم سید عبدالحی حسنیؒ تحریر فرماتے ہیں:۔

الشیخ العالم الکبیر العلامۃ المفتی صدر الدین بن لطف اللہ الکشمیری ثم الدہلوی

آپ ۱۲۰۴ھ میں دہلی میں پیدا ہوئے۔ یہیں نشو و نما پائی۔ تمام علوم عقلیہ مولانا فضل امام خیرآبادی مؤلف "مرقاۃ منطق" سے پڑھے اور علوم نقلیہ شاہ رفیع الدین محدث دہلویؒ سے حاصل کیے۔ اثناء تحصیل علم میں حضرت شاہ عبدالعزیز محدثؒ کے پاس آتے جاتے رہتے تھے اور ان سے بھی استفادہ کرتے رہتے تھے۔ جب حضرت شاہ عبدالعزیز کا وصال ہو گیا تو حضرت شاہ محمد اسحٰق محدث دہلویؒ سے بھی سندِ حدیث حاصل کی۔ آپ دہلی میں مدت تک صدر الصدور کے عہدے پر رہے۔ آپ تمام علوم میں خصوصاً علوم ادبیہ میں یگانۂ روزگار تھے۔ جب آپ سے کسی فن سے متعلق کوئی سوال کیا جاتا تھا تو اس کا جواب سن کر معلوم ہوتا تھا کہ آپ اس فن میں منفرد ہیں۔ معاصر علماء آپ کو علم کے لحاظ سے کامل و یکتا سمجھتے تھے۔ شعراء آپ کو بہ حیثیت شعر و شاعری کا حامل سمجھتے تھے[۱] اور امراء آپ کی محفل میں آمد و رفت رکھتے تھے۔

---

[۱] مفتی صاحب اردو اور فارسی کے بہترین ادیب و شاعر تھے۔ آزردہ تخلص تھا۔

آپ ۱۲۷۳ھ (یعنی ہنگامہ ۱۸۵۷ء) تک نہایت رئیسانہ زندگی گزارتے تھے۔ جب بغاوت شروع ہوئی اور بغاوت کے بعد انگریزوں کو دوبارہ غلبہ حاصل ہوا تو آپ پر بغاوت کی حمایت میں فتویٰ دینے کا الزام انگریزوں کی طرف سے عائد کیا گیا۔ آپ کو گرفتار کر لیا گیا اور آپ کے مال و اسباب کو لوٹ لیا گیا۔ پھر کچھ دنوں کے بعد آپ کو چھوڑ دیا گیا اور آپ نے اپنے گھر کے اندر رہ کر اپنی توجہ درس و تدریس پر مرکوز کر دی۔ پچیس طلباء کو جو مدرسۂ دار البقاء متصل جامع مسجد میں پڑھتے تھے آپ وظیفہ دیتے تھے۔

آپ کی تصنیفات میں سے چند کتابیں یہ ہیں:

(۱) منتہی المقال فی شرح حدیث لا تشد الرحال (۲) الدُّر المنضود فی حکم امرأۃ المفقود (۳) مجموعۂ فتاوے

آپ کا وصال ۱۲۸۵ھ میں دہلی میں ہوا اور وہیں دفن ہوئے۔ ۸۱ سال کی عمر پائی۔

(نزہۃ الخواطر جلد ہفتم)

نواب صدیق حسن خاں مرحوم نے "اتحاف النبلاء" میں آپ کا ذکر خیر بہت تفصیل سے کیا ہے یہاں پر اس میں سے بھی چند باتیں ترجمہ کر کے لکھی جاتی ہیں۔

(۱) آپ (مفتی صدر الدین) امراء، علماء، حکام اور رعایائے شہر کے نزدیک صاحب وجاہت و ریاست تھے۔ سوائے بادشاہ دہلی کے، شہر دہلی اور نواحیٔ دہلی کے اعیان و اکابر اور رؤسا میں سے کوئی بھی ایسا نہ تھا جو آپ کے مکان پر حاضر نہ ہوتا ہو۔ طلباء اخذ علم کے واسطے، اہل دنیا مشورۂ معاملات کے لیے، انشاء پرداز اپنے مضامین کی اصلاح کی غرض سے اور شعراء مشاعرے کی تیاری کے سلسلے میں آپ کے پاس آتے تھے۔ اس زمانے میں ان جیسا کوئی فاضل اس جمعیت، قوت حافظہ، حسن تحریر، متانت تقریر، فصاحت بیان، بلاغت معانی، مروّت اخلاق اور احسان کے لحاظ سے نہیں دیکھا گیا۔

(۲) باوجود اپنے مسلک میں سخت ہونے کے انصاف کو پسند کرتے تھے۔ بارہا ان کی زبان سے مولانا محمد اسمٰعیل شہیدؒ اور مولانا محمد اسحاق دہلویؒ مہاجر مکہ کی تعریف و توصیف سنی گئی۔

(۳) نواب صاحب نے حضرت شاہ عبد العزیزؒ کا ایک مکتوب گرامی بھی درج کیا ہے

جو مولانا امین اللہ مہتمم مدرسہ کلکتہ کے نام ہے اور اس میں مفتی صدر الدین دہلوی رح کے لیے ملازمت کی سفارش کی گئی ہے۔ یہ پورا مکتوب گرامی بڑا دلچسپ اور قابل دید ہے اور اس میں شاہ صاحب نے ایک جگہ جو تحریر فرمایا ہے اس کا مفہوم یہ ہے کہ مفتی صدر الدین میرے شاگرد ہیں اور ان کے دادا (نام نہیں لکھا) میرے والد کے شاگرد تھے۔

(۴) آپ نے دو سال مرض فالج میں مبتلا رہ کر وصال فرمایا۔ ظہور علی دہلوی نے فارسی زبان میں قطعہ تاریخ وفات لکھا ہے جس کے آخری شعر سے تاریخ پیدائش اور تاریخ وفات ظاہر ہوتی ہے۔

چراغش ہست تاریخ ولادت　　کنیدم گفتم چراغ دو جہاں بود

اسی قطعہ کے دو شعروں سے وفات کی تاریخ اور مہینہ ۲۴ ربیع الاول اور دن پنجشنبہ معلوم ہوتا ہے۔

میاں نذیر حسین صاحب محدث رح

الشیخ الامام العالم الکبیر المحدث العلامۃ نذیر حسین بن جواد علی بن عظمت اللہ ابن اللہ بخش الحسینی البہاری ثم الدہلوی۔

آپ ۱۲۲۰ھ یا ۱۲۲۵ھ میں سورج گڑھ[1] میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم کے بعد بچپن ہی میں بغرض تحصیل علم عظیم آباد (پٹنہ) چلے گئے[2]۔ وہاں ۱۲۳۷ھ میں سید احمد شہید، مولانا اسمٰعیل شہید اور مولانا عبد الحی بڈھانوی رح کی زیارت کی[3]۔ اس ملاقات کے بعد تحصیل علم کی طرف زیادہ

[1] نواب صدیق حسن خاں قنوجی نے جو کہ مفتی صدر الدین آزردہ دہلوی رح کے خاص شاگردوں میں سے ہیں مفتی صدر الدین کو شاہ محمد اسحٰق صاحب کا شاگرد نہیں بتایا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاہ عبد العزیز صاحب کی وفات کے بعد مفتی صدر الدین نے حضرت شاہ عبد العزیز کی قرابت اور جانشینی کو پیش نظر رکھ کر بطور تبرک شاہ محمد اسحاق صاحب سے سند حدیث حاصل کی ہوگی۔

[2] ابو یحیٰی نوشہروی کی کتاب تراجم علمائے اہل حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا مولد موضع بلتھوا ہے۔ جو کہ سورج گڑھ ضلع مونگیر (بہار) سے ۵-۶ میل کی مسافت پر واقع ہے۔

[3] تراجم علمائے اہل حدیث میں لکھا ہے کہ میاں صاحب پٹنہ میں مولوی شاہ محمد حسین (خلیفہ مولوی ولایت) کی درگاہ میں پہونچے اور یہاں انھوں نے مشکوٰۃ شریف اور ترجمہ قرآن پڑھا

حکیم عبد الحی حسنی رح نے کتاب دہلی اور اس کے اطراف، میں لکھا ہے کہ میں نے میاں صاحب سے پوچھا کہ کیا (باقی اگلے صفحہ پر)

رغبت ہوگئی۔ چنانچہ آپ الہ آباد پہونچے وہاں پر علمائے الہ آباد سے مختصرات کا درس حاصل کیا۔ پھر دہلی کا سفر کیا۔ درمیان سفر میں کئی مقامات پر اقامت گزین ہوئے۔ پھر ۱۲۴۳ھ میں دہلی آئے ــــ اکثر کتب درسیہ مولانا عبد الخالق دہلوی، مولانا اخوند شیر محمد قندھاری اور مولانا جلال الدین ہروی سے پڑھیں۔ اصولِ فقہ کو مولانا کرامت علی اسرائیلی مصنف سیرت احمدیہ سے پڑھا۔ مولانا محمد بخش دہلوی سے علم ہئیت اور علم حساب سیکھا، مولانا عبد القادر رامپوری سے علم ادب حاصل کیا۔[1] ان علوم کی تحصیل سے ۵ سال میں فارغ ہوگئے۔ پھر مولانا عبد الخالق دہلوی کی دختر سے آپ کا نکاح ہوا۔ اس کے بعد آپ حضرت شاہ محمد اسحاق محدث دہلوی کے حلقۂ درس میں شامل ہوگئے۔ حضرت شاہ محمد اسحاق محدث دہلوی نے ۱۲۵۸ھ میں دہلی سے ہجرت کرتے وقت آپ کو سندِ حدیث عطا فرمائی۔[2] اس کے بعد آپ نے درس، تذکیر اور افتاء میں اپنے اوقات کو صرف کیا۔ خصوصیت کے ساتھ فقہ اور اصول فقہ کا درس دیا۔ یہ سلسلہ ۱۲۷۰ھ تک جاری رہا۔ آپ کو فقہ حنفی میں ذوق عظیم حاصل تھا ــــ اس کے بعد آپ پر حُبِّ قرآن وحدیث کا غلبہ ہوگیا اور آپ نے فقہ حنفی کے علاوہ تمام دیگر علوم کو ترک کرکے قرآن وحدیث پر توجہ مرکوز کردی۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) آپ نے سید صاحب کو دیکھا ہے؟ کہنے لگے ہاں دیکھا ہے، جب وہ سفر کلکتہ سے لوٹے تھے اس وقت میں نے ان کو پٹنہ میں دیکھا ہے۔ میں اس زمانے میں یوسف زلیخا پڑھتا تھا۔

ابو یحییٰ نوشہروی اور حکیم عبد الحی کے پٹنہ سے متعلق بیانات میں بہت فرق ہے۔ ابو یحییٰ صاحب نے بتایا ہے کہ وہ یہاں ۱۲۳۶ھ میں مشکوٰۃ شریف اور ترجمہ قرآن پڑھ رہے تھے اور حکیم عبد الحی صاحب نے خود میاں صاحب کی زبانی نقل کیا ہے کہ وہ اس وقت پٹنہ میں یوسف زلیخا پڑھتے تھے۔ اس بارے میں حکیم صاحب کے بیان کو یقیناً ترجیح حاصل ہے۔

[1] تکملۂ تذکرہ علمائے ہند، مؤلفہ محمد ایوب قادری میں حکیم نیاز احمد سہوانی کو بھی آپ کے اساتذہ میں لکھا گیا ہے۔

[2] نواب حبیب الرحمٰن خان شروانی، قاری عبد الرحمٰن محدث پانی پتی کا بیان نقل کرتے ہوئے اس طرح لکھتے ہیں:

"جس روز شاہ محمد اسحاق صاحب ہجرت کرکے حجاز روانہ ہوئے تو اس روز (میاں نذیر حسین ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور چند کتابوں کی اوّل کی ایک ایک حدیث پڑھی اور کل کتابوں کی اجازت حاصل کی۔" (مقالاتِ شروانی)

حکیم سید عبدالحی حسنیؒ نزہۃ الخواطر جلد ہشتم میں لکھتے ہیں کہ میں آپ کے دروس میں ۱۳۱۲ھ میں حاضر ہوا ہوں۔ اور انھوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ میاں نذیر حسین رات دن درس میں مشغول رہتے تھے۔ اس کے ساتھ ہی کثیر الصلوٰت اور کثیر التلاوت بھی تھے۔ خشوع اور گریہ وزاری بھی بہت تھی۔ جو شخص مخالفِ مسلک ہوتا اس کے حق میں شدید تھے۔ طبیعت میں مزاح بھی تھا — متواضع اور حلیم تھے اور بڑی جرأت وہمت والے تھے — اللہ کے معاملے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا خوف نہیں کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو عمر طویل عطا کی اور ان کے علوم سے عرب وعجم کے بہت سے لوگوں کو فائدہ پہونچایا۔

آپ نے ۱۳۰۰ھ میں سفر حج وزیارت کیا — ہمارے شیخ حسین ابن محسن انصاری یمانی محدث ان سے بہت محبت کرتے تھے اور ان کی تعریف بھی کرتے تھے۔

آپ کی تصنیفات میں بہت سے رسائل تھے جن میں زیادہ مشہور معیار الحق ہے جو اردو زبان میں ہے۔ اس کے علاوہ فلاح الولی باتباع النبی (اردو) مجموعۂ فتاوی (بزبان فارسی) رسالہ فی ابطال عمل المولد (بزبان عربی) وغیرہ رسائل بھی مشہور ومعروف ہیں۔

آپ کے تلامذہ بڑی تعداد میں تھے۔ کتاب حیات بعد الممات میں آپ کے سوانح حیات درج ہیں —

آخر میں حکیم سید عبدالحی حسنیؒ لکھتے ہیں کہ میں نے شہر دہلی میں رہ کر کئی دن تک ان کی صحبت اٹھائی۔ انھوں نے ۱۳۱۲ھ میں مجھے اپنے ہاتھ سے اجازت حدیث لکھ کر مرحمت فرمائی تھی۔

آپ کی وفات ۱۰ رجب ۱۳۲۰ھ کو دہلی میں ہوئی۔

تراجم علمائے اہل حدیث میں ابو یحییٰ نوشہروی نے صفحہ ۱۳۱ سے صفحہ ۱۶۰ تک آپ کا ایک مبسوط تذکرہ کیا ہے۔ ان صفحات میں سے چند معلومات ذیل میں درج کی جاتی ہیں۔

(۱) میاں صاحب نے شوال ۱۲۵۸ھ کو حضرت شاہ محمد اسحاق محدث دہلویؒ سے سند حدیث لی جبکہ وہ حجاز کو ہجرت کر رہے تھے۔ (ص۱۳۲)

(۲) معیار الحق کی تردید میں مولانا ارشاد حسین مجددی رامپوریؒ نے ایک کتاب لکھی جس کا نام انتصار الحق ہے۔ (ص۱۴۸)

(۳) میاں صاحب مرحوم علمائے متقدمین کی بہت عزت کرتے تھے۔ شیخ محی الدین ابن عربیؒ کو شیخ اکبر اور اکثر خاتم الولایۃ المحمدیہ کے لقب سے یاد کرتے تھے۔ قاضی بشیر الدین قنوجیؒ جو ابن عربیؒ کے شدید ترین مخالف تھے اور کسی طرح ان کی بزرگی و برتری کو سننے کے لیے تیار نہ تھے، میاں صاحب سے صرف شیخ اکبر پر مناظرہ کرنے کے لیے دہلی تشریف لائے۔ دو ہفتے متواتر گفتگو جاری رہی مگر میاں صاحب نے شیخ اکبر کا احترام ہاتھ سے نہ دیا اور آخرکار قاضی صاحب بھی آپ سے متفق ہو گئے۔ اسی طرح علامہ شمس الحق دیانویؒ نے بھی کئی روز تک شیخ اکبر پر آپ کے ساتھ مناظرہ کیا اور دوران گفتگو میں فصوص الحکم پیش کرتے رہے۔ میاں صاحب نے پہلے تو اور طریقوں سے سمجھایا مگر جب دیکھا کہ آپ کسی طرح نہیں مانتے تو فرمایا کہ فتوحات مکیہ شیخ اکبر کی آخری تصنیف ہونے کی وجہ سے ان کی تمام کتابوں کی ناسخ ہے یہ سن کر مولانا شمس الحق صاحب خاموش ہو گئے ——— (صفحہ ۱۴۶)

(۴) آپ کا انتقال ۱۰ رجب ۱۳۲۰ھ بروز دوشنبہ (مطابق ۱۳ اکتوبر ۱۹۰۲ء) کو بعد نماز مغرب ہوا۔ دوسرے روز صبح ۹ بجے جنازہ اٹھا۔ ہزاروں آدمیوں کا مجمع ہمراہ تھا جس میں شہر کے تمام اہل علم، صوفیا، اور عمائدین شامل تھے ——— آپ کے پوتے مولوی عبد السلام نے عید گاہ میں نماز جنازہ پڑھائی اور شیدی پورہ کے قبرستان میں اپنے صاحبزادے مولوی شریف حسین کے پاس مدفون ہوئے ——— آپ کی وفات کی بہت سی تاریخیں نکالی گئیں۔ ان میں سے دو یہ ہیں: (۱) بجھ گیا اب چراغ دہلی کا (۲) رفت اے وائے محدث دہلوی

۱۳۲۰ھ ۱۳۲۰ھ

مولانا عتیق احمد قاسمی بستوی

انگلستان کے شاہی خاندان کی
ایک نومسلمہ خاتون

(بیگم مولانا عُزیر گل اسیر مالٹا)

اس مضمون میں ایک انگریز نومسلمہ خاتون کا تذکرہ مقصود ہے، جو اسلام قبول کرنے کے بعد اپنی آخری زندگی میں تحریک ریشمی رومال کے ایک اہم رکن مولانا عُزیر گل مدظلہ العالی کے عقد نکاح میں آگئی تھیں۔ اس مضمون کا بیشتر مواد مولانا مفتی سیاح الدین کاکاخیل کے مقالے "تحریک ریشمی رومال میں مولانا عزیز گل کا کردار" سے ماخوذ ہے، مولانا کا یہ مقالہ ماہنامہ الحق اکوڑہ خٹک، پاکستان کے ۱۹۷۵ء کے مختلف شماروں میں قسطوار چھپا تھا ہم نے موصوف کے مذکورہ بالا مقالہ کو ملخص ومرتب کر کے یہ مختصر مضمون تیار کیا ہے۔ کسی اور جگہ سے جو مواد لیا ہے اس کا حوالہ تحریر کر دیا ہے۔

مولانا عُزیر گل

نومسلمہ خاتون بیگم عزیر گل کا تذکرہ کرنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ چند سطروں میں تحریک ریشمی رومال و تحریک آزادی کے عظیم مجاہد مولانا عُزیز گل صاحب کا تذکرہ کر دیا جائے (انشاء اللہ جلد ہی کسی فرصت میں مولانا کا تفصیلی تذکرہ پیش کیا جائے گا)

مولانا عُزیر گل صاحب صوبہ سرحد (پاکستان) کے باشندے ہیں۔ آپ شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ کے لائق و معتمد ترین شاگردوں اور مریدوں میں سے ہیں۔ شیخ الہندؒ نے

تحریک ریشمی رومال کے خطرناک و نازک کام کے لیے اپنے ہزارہا شاگردوں اور مریدوں میں سے جن چند حضرات کا انتخاب فرمایا تھا ان میں ایک اہم شخصیت مولانا عزیر گل صاحب کی بھی تھی۔ شیخ الہندؒ کے ساتھ آپ نے بھی قید و بند کے تمام مراحل طے کیے۔ مالٹا کے طویل زمانۂ اسارت میں آپ اپنے استاذ شیخ الہند کی خدمت میں لگے رہے۔ تحریک آزادی میں آپ کا کتنا حصہ ہے؟ اس کا اندازہ سی آئی ڈی کی اس رپورٹ سے ہوتا ہے۔

۶۹ ——— عزیر گل

پسر شہید گل، کاکاخیل پٹھان درگاتی شمالی مغربی سرحدی صوبہ میں رہتا ہے۔ بڑا آتش مزاج ہے۔ جب وہ دیوبند میں طالب علم تھا اسی وقت سے مولانا محمود الحسن کا پکا مرید ہو گیا تھا۔ بڑا اہم سازشی ہے۔ ہجرت کا بڑا خواہش مند ہے۔ ان لوگوں میں سے ایک یہ بھی ہے جنھوں نے ہمیشہ مولانا کو اکسایا ہے کہ وہ جہاد کے لیے ہجرت کر جائیں۔

وہ دیوبند میں خفیہ جلسوں میں شریک ہوا کرتا تھا اور دسمبر ۱۹۱۵ء میں مولانا محمود الحسن کے ہمراہ عرب گیا تھا۔ اس کے سفر حجاز سے قبل مولانا محمود الحسن نے اس کو آزاد علاقہ میں بھیجا تھا تاکہ حاجی صاحب، سیف الرحمٰن اور دوسرے منحرف لوگوں کو مطلع کر سکے کہ حضرت مولانا کا ارادہ ہندوستان سے ہجرت کرنے کا ہے۔ نیز لڑائی اور جہاد کی تیاریوں کا مشاہدہ کر سکے۔ وہ حضرت مولانا کے ساتھ (عرب میں) اس وقت بھی ٹھہرا رہا جب کہ ان کے اکثر پیرو اور مریدین ہندوستان کو واپس کروائے گئے۔ یہ کہا جاتا تھا کہ عزیر گل انور پاشا اور جمال پاشا کے فرمان لے کر عنقریب ہندوستان آئے گا اور اس فرمان کو افغانستان لے جانا ہوگا لیکن بعد کی تحقیقات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کو مکہ میں شریف مکہ کے حکم سے ۱۷ر دسمبر کو یا اس کے لگ بھگ گرفتار کر لیا گیا اور جدہ کو بھیج دیا گیا، جہاں سے ۱۲ر جنوری ۱۹۱۷ء کو اسے مصر روانہ کر دیا گیا۔ جنود ربانیہ کی فہرست میں مولوی عزیر گل کا نام لے کر اسے کرنل دکھایا گیا ہے۔ (ریشمی خطوط کے کیس میں کون کیا ہے؟ پنجاب ص۳۲ شائع کردہ الجمعیۃ بکڈپو دہلی۔

مولانا عزیر گل صاحب مدظلہ العالی کو اللہ تعالیٰ نے طویل عمر سے نوازا۔ موصوف اب بھی باحیات ہیں اپنے وطن میں (جو پاکستان کے علاقہ میں ہے) گمنامی کی زندگی بسر کر رہے ہیں،

اب عمر سو کے لگ بھگ ہوگی۔

مولانا عزیر گل کی نومسلمہ اہلیہ اور ان کا خاندان

واقعہ یہ ہے کہ نومسلموں میں جس طرح کا ایمان و یقین، جذبہ و ولولہ، للّٰہیت و اخلاص ہوتا ہے خاندانی مسلمانوں میں اس کا عشر عشیر بھی نہیں ہوتا۔ خاندانی مسلمان عام طور پر اسی لیے مسلمان بنے رہتے ہیں کہ ان کی پیدائش مسلم گھرانوں میں ہوئی۔ ان کے آباء و اجداد مسلمان تھے۔ اس کے برخلاف نومسلم صرف اس لیے اسلام قبول کرتا ہے کہ وہ اسلامی عقائد، احکام و تعلیمات کا گرویدہ ہو جاتا ہے۔ اسلام اس کے دل کی آواز ہوتا ہے۔ وہ بصیرت کے ساتھ اسلام ہی کو اپنی اور سب کی نجات کا واحد راستہ تصور کرتا ہے۔ اس لیے اس کی دلی خواہش ہوتی ہے کہ پوری دنیا اسلام کے سانچے میں ڈھل جائے۔ وہ اسلام کی اشاعت اور سربلندی کے لیے سراپا جد و جہد بن جاتا ہے۔ نومسلموں کے ذریعہ ہمیشہ امت مسلمہ کے جسم کو تازہ خون ملتا رہا ہے۔ جب کبھی مسلمانوں کے اوپر اضمحلال اور مایوسی کے سیاہ بادل چھائے اللہ تعالیٰ نے نومسلموں کے ذریعہ مسلمانوں کے اندر ایمان و عمل کی روح پھونکی۔ نومسلموں کے حالات اور واقعات کا پڑھنا اور سننا بھی ہمیشہ ایمان کی تازگی کا باعث بنتا رہا ہے۔

مسلمانوں کی بداعمالیوں اور کوتاہیوں کے باوجود آج کل بھی اسلام کی خوبیاں سعید روحوں کو اپنی طرف کھینچ رہی ہیں۔ ہر طبقہ اور ہر خطہ کے بہت سے لوگ اسلام کے دائرے میں داخل ہو کر تبلیغ و دعوت کے کام کو آگے بڑھا رہے ہیں۔ بیسویں صدی کی انہی سعید روحوں میں سے ایک انگلینڈ کی ایک انگریز نومسلمہ "مس جینی" ہیں، جو حلقہ بگوش اسلام ہونے کے بعد مشہور مجاہد و عالم مولانا عزیر گل مدظلہٗ کی زوجیت میں آئیں۔

یہ "میم صاحبہ" انگلستان کے شاہی خاندان سے تعلق رکھتی تھیں، ان کا نام جینی تھا، ایڈورڈ سوئم کی اولاد میں سے تھیں۔ ان کو بچپن سے علمی ذوق ملا تھا۔ ان کے شوہر محکمہ ریلوے کے ایک بڑے افسر تھے۔ کافی عرصہ سے وہ ہندوستان میں اپنے شوہر کے ساتھ رہتی تھیں۔ ان کا بس ایک لڑکا تھا اور ایک لڑکی تھی —— مولانا محمد منظور نعمانی نے ایک بار مجھے بتایا کہ

اس خاتون کی دو اور بہنیں بھی ہندوستان میں تھیں، ایک اس وقت کے گورنر یوپی کی بیوی تھیں اور دوسری ریاست رامپور کے انگریز ریزیڈنٹ کی بیوی۔

ان کے شوہر ریٹائر ہو کر انگلینڈ چلے گئے اور یہ منگلور (سہارنپور) میں اپنا بنگلہ بنا کر مقیم ہو گئیں۔ ان کے اسلام لے آنے کے بعد بھی شوہر انگلینڈ سے ماہوار دو سو روپیہ بھیجتا رہا۔ اس زمانہ میں ارزانی تھی۔ دو سو روپیہ اچھے گزارے کے لیے بالکل کافی رقم تھی۔ لیکن مولانا عزیز گل مدظلہ، سے شادی کر لینے کے بعد پرانے شوہر نے روپیہ بھیجنا بند کر دیا اور مولانا کی تھوڑی آمدنی میں بڑی عسرت سے انھوں نے وفات تک گزارا کیا۔

اسلام کی طرف

مولانا عزیز گل صاحب کے بھتیجے اور مولانا عبدالحق صاحب نافع کے صاحبزادے مولانا عبداللہ کاکا خیل نے اپنی "چچی صاحبہ مرحومہ کی زبانی ان کے اسلام لانے کی کہانی اس طرح قلمبند کی ہے۔

"چچی صاحبہ مرحومہ نے اپنی حیات میں مجھے اپنے قبول اسلام اور اس کے بعد کی ازدواجی زندگی کا قصہ زبانی سنایا تھا، اس قصے کے جو اجزاء مجھے اپنے خیال کے مطابق یقینی طور پر یاد ہیں سپرد قلم کرتا ہوں۔

"چچی صاحبہ نے جن کو ہم سب "مدر" کے نام سے پکارا کرتے تھے فرمایا کہ مجھے بچپن کے زمانہ ہی سے موجودہ عیسائی مذہب کی حقانیت میں شبہ ہونے لگا تھا۔ بائبل پڑھ کر طرح طرح کے اعتراضات میرے دل میں پیدا ہوتے تھے جو بسا اوقات ایک عجیب قسم کی بے چینی اور بے اطمینانی کا بھی باعث بن جاتے تھے، لیکن میں جب اپنی والدہ سے اس قسم کے شکوک و شبہات کا ذکر کرتی، تو وہ ڈرا دھمکا کے مجھے خاموش تو کر دیتیں مگر دلیل و برہان سے کبھی انھوں نے مجھے مطمئن کرنے کی کوشش نہیں کی اور نہ وہ مطمئن کر سکتی تھیں۔ جوں جوں عمر بڑھتی گئی میرے اس یقین میں اضافہ ہوتا گیا کہ جس دین کو ہم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا لایا ہوا برحق سماوی دین سمجھ کر قبول کیے ہوئے ہیں، وہ بڑی حد تک اپنی حقانیت کھو چکا ہے۔ تحریف کے ہاتھوں

سے وہ محفوظ نہیں رہ سکا اور اس مقدس وحی میں بشری اذہان کے پیدا کردہ افکار و خیالات اور خود ساختہ حکایات و بیانات کی آمیزش ہو گئی ہے۔ جس کی وجہ سے حق و باطل اور صدق و کذب کی تمیز ہی مشکل ہو جاتی ہے۔ چنانچہ میں نے اس دین کو چھوڑنے کا فیصلہ کر کے حق کی تلاش شروع کر دی۔ مشرف بہ اسلام ہونے سے قبل میں نے کئی ایک مذاہب کا قریب ہو کر جائزہ لیا، بعض مذاہب میں تو ریاضت اور مجاہدات کے مراحل بھی بڑی حد تک طے کر لیے[1] لیکن کسی بھی مذہب سے قلب کو اطمینان نصیب نہیں ہوا۔ اور حق کی تلاش بدستور جاری رہی، یہاں تک کہ اسلام کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے لیے میں نے انگریزی زبان میں مترجم قرآن مجید کا مطالعہ کیا۔ اور پہلی بار کے مطالعہ ہی میں مجھ پر اسلام کی حقانیت منکشف ہو گئی اور میرے دل نے یہ فیصلہ کیا کہ یہی وہ دین ہے جس کو قبول کرنے کے بعد مزید تلاش و جستجو کی کوئی حاجت نہیں رہے گی۔ قرآن مجید کے بعض حقائق کو سمجھنے میں میری وہ ریاضت اور مجاہدات ممد ثابت ہوئے، جن کے مراحل میں نے بعض دوسرے مذاہب کی روشنی میں طے کیے تھے۔

قرآن مجید کے مطالعہ کے بعد اسلام کے معتقدات، عبادات، معاملات اور اخلاق کا اجمالی طور پر علم تو تھا، لیکن ان کی تشریح و تفصیل سمجھنے کے لیے میری طلب ابھی جاری تھی، نیز مجھے یہ اطمینان حاصل کرنے کے لیے بھی دین کے راسخ علماء کے پاس جانے کی ضرورت تھی کہ اسلام کے معتقدات اور قرآن مجید کے بعض دوسرے حقائق جس طرح میں اپنے مطالعہ سے سمجھی ہوں، آیا وہ علماء کے نزدیک صحیح بھی ہیں یا نہیں۔

شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ کی خدمت میں

اس مقصد کے لیے میں نے منگلور کے بعض مسلمانوں کے مشورہ سے دیوبند کا رخ کیا۔ دیوبند کے کسی خاص عالم یا بزرگ کا نام پہلے سے معلوم کر کے میں نہیں گئی تھی، بلکہ دارالعلوم

---

[1] ان خاتون نے یہ ریاضتیں بعض ہندو سنیاسیوں اور سادھوؤں کی رہنمائی میں ہندو مذہب کی تعلیم کے مطابق کی تھیں۔ (نعمانی)

دیوبند پہنچ کر میں نے یہ دریافت کیا کہ یہاں کے سب سے بڑے عالم دین کون ہیں جن کے پاس جاکر میں دین کی کچھ معلومات حاصل کرسکوں؟ اتفاق سے جس شخص سے میں نے دریافت کیا تھا وہ حضرت میاں اصغر حسین صاحب مرحوم کے عقیدت مند یا مرید تھے، وہ مجھے علماء کی ایک مجلس میں لے گئے جہاں حضرت میاں صاحب مرحوم اور ان کے علاوہ اور بہت سے علماء تشریف فرما تھے۔ میرے ساتھ میری جوان بیٹی بھی تھی۔ اس شخص نے حضرت میاں صاحب کی طرف اشارہ کیا کہ آپ ان کے پاس چلی جائیں، یہ بہت بڑے عالم اور بزرگ ہیں۔

میری نگاہ اچانک شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی مرحوم پر پڑی جو اس وقت بالکل ایک غیر نمایاں جگہ میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اگرچہ اس وقت مجھے ان کے کچھ زیادہ حالات معلوم نہیں تھے، صرف ان کا نام ہی سنا تھا، لیکن تمام حاضرین مجلس کے مقابلہ میں ان کی عظمت اور شان میرے دل میں جاگزین ہوئی۔ شاید میرے قبل از اسلام کے مجاہدات کو بھی اس ادراک میں کچھ دخل ہو، ویسے مجھے اول دہلہ میں جس چیز نے زیادہ متاثر کیا وہ حضرت مدنی مرحوم کی ایک خاص ادا تھی۔ اور وہ یہ کہ جب ان علماء کرام نے ہم دونوں (ماں بیٹی) کو بے پردہ دیکھا تو کسی نے منھ پر چادر ڈال لی، کسی نے منھ دوسری طرف موڑا، اور کسی نے اعراض کا کچھ اور طریقہ اختیار کیا، لیکن حضرت مدنی نے اس قسم کی کوئی حرکت نہیں کی، صرف اپنی نگاہیں نیچی کرلیں۔ اور نہایت وقار و سکون کے ساتھ اپنی جگہ بیٹھے رہے۔ ہمیں اس وقت کچھ یوں محسوس ہوا کہ اس ایک شخص کے علاوہ بقیہ حضرات ہمیں نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ حالانکہ اگر ان کو ہمارے مسلمان ہونے کا علم نہیں تو ایک انسان ہونے کی حیثیت سے بھی احترام کا سلوک ہونا چاہیے۔ دین کے احکام سے تفصیلی واقفیت نہ ہونے کی وجہ سے ہم (ماں بیٹی) یہ نہیں سمجھ سکیں کہ ان میں سے ہر شخص نے غیر محرم اور بے پردہ عورتوں سے نگاہ بچانے کے لیے اپنا اپنا طریقہ اختیار کیا ہے۔ بہر حال دل یہی کہہ رہا تھا کہ ہمیں اسی بزرگ (حضرت مدنیؒ) کی خدمت میں حاضر ہونا چاہیئے۔ چنانچہ ہم دونوں ان کے پاس جاکر کھڑی ہوگئیں۔ حضرت نے جو کہ غض بصر کیے ہوئے تھے دریافت فرمایا کہ آپ اسلام قبول کرنے کے لیے آئی ہیں؟ میں نے عرض کیا کہ نہیں، اسلام تو میں قبول کرچکی

ہوں، میں اپنے اسلام کا امتحان دینے آئی ہوں کہ آیا میں نے کس حد تک قرآن مجید کو صحیح سمجھا ہے؟ نیز قرآن پاک کے جو مجمل احکام تفسیر و تشریح کے محتاج ہیں، ان کی معلومات حاصل کرنا بھی میرا مقصد ہے۔

حضرت نے مجھ سے میرے اسلامی معتقدات کے بارے میں چند سوالات کئے اور میں نے ان کے جوابات دیے۔ حضرت نے تواضعاً فرمایا کہ آپ مجھ سے اچھی مسلمان ہیں پھر حضرت نے کلمہ شہادت کی تلقین ایک ایک لفظ کر کے عربی میں کرادی۔ اختصار کے ساتھ دین کے کچھ احکام اور حقائق بیان فرمائے۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت: کیا جنت جانے کے لیے آپ سے بیعت مفید ثابت ہوگی؟ ہنسنے لگے اور فرمایا کہ "شاید" پھر میں نے بیعت کی درخواست کی۔ حضرت نے اپنی چادر پکڑا کر بیعت کرادی۔ اس وقت میرے دل کی عجیب کیفیت تھی۔ اور حضرت مدنی رح کی عقیدت کچھ اس طرح دل میں جاگزیں ہوئی کہ میری نگاہوں میں اس وقت سے انسانوں میں ان سے عظیم تر انسان کوئی اور نہ تھا، یہ باتیں آپ کی کن کن کے کارِ ہوئیں)

مولانا مدنی رح کی دور اندیشی

اتنے میں کھانے کا وقت ہوا۔ حضرت نے فرمایا کہ آپ دونوں میری مہمان ہیں۔ لیکن جس دین کو آپ قبول کر چکی ہیں اس کے احکام میں سے یہ بھی ہے کہ غیر محرم عورتوں کے ساتھ اختلاط جائز نہیں ہے۔ اس لئے ہم اپنی مجلس میں آپ کو شریک کرنے سے معذور ہیں۔ اس کو آپ توہین نہ سمجھئے بلکہ یہ دین کا حکم ہے، جس کو قبول کرنے میں ہم سب کے دین و دنیا کا فائدہ ہے۔ یہ سن کر حضرت مدنی کی عظمت اور دل میں بڑھ گئی کہ یہ کس درجہ کے حساس و باریک بیں بزرگ ہیں۔ دین کا حکم بتلانے میں حکمت کے کن دقیق اصولوں کا لحاظ رکھتے ہیں۔ انھوں نے نہ صرف یہ کہ دین کا حکم سمجھایا بلکہ ہماری نفسیات کا بھی کتنا خیال رکھا۔ الغرض اپنی ایک ایک ادا سے وہ اسلامی اخلاق کا مجسم نمونہ ثابت ہو رہے تھے۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت اس بات کی آپ فکر نہ کیجیے کہ ہم مجلس سے علاحدگی کو ناگوار محسوس کریں گے۔ اگر ہمیں اسلام کا یہ حکم نہ بتایا جاتا تو طبعاً بھی ہمیں یہ گوارا نہ تھا کہ آپ کے ساتھ بیٹھ کر ایک ہی تھال میں

سب ہاتھ ڈال کر اکٹھے کھانا کھائیں[1]۔ ہمارا ابھی وہ تزکیہ نہیں ہوا ہے اور نہ ہی توکل کا وہ مقام ہمیں حاصل ہے کہ طبی ہدایات سے چشم پوشی کر کے جراثیم کے متعدی ہونے سے بالکل بے خوف و خطر بن جائیں۔ دین کا حکم ہونے کے علاوہ ہماری طبیعت کا تقاضا بھی یہی ہے کہ ہم الگ کھانا کھائیں۔ چنانچہ ہمارے کھانے کا علاحدہ انتظام ہوا۔

(باقی)

[1] یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کے یہاں کم و بیش ۱۰۔۲۰ مہمان تو روزانہ ضرور ہی ہوتے تھے، آخری سالوں میں، اکثر دنوں میں مہمانوں کی تعداد ۲۰۰۔۔۵۰۰ سے کم نہیں ہوتی تھی۔ اور کھانے کا طریقہ یہ تھا کہ خاص انداز کے بنے ہوئے بڑے بڑے گول دسترخوان تھے، وہ بچھا دیے جاتے۔ اُن میں سے ہر ایک کے گرد قریباً ۱۵۔۱۶ آدمی بیٹھتے سالن یا پلاؤ وغیرہ جو بھی کھانا ہوتا وہ ایک ہی بڑے طشت میں درمیان میں رکھ دیا جاتا سب حضرات اسی میں سے کھاتے ـــــ کھانے کھلانے کا یہ طریقہ کہیں اور دیکھنے کا اس ناچیز کو بھی اتفاق نہیں ہوا۔ نعمانی

محمد منظور نعمانی

یادِ رفتگاں

رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِیْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِیْمَان

شیخ الازہر علامہ ڈاکٹر عبد الحلیم محمود رحمہ اللہ

اکثر ناظرین کو اخبارات اور دوسرے ذرائع سے معلوم ہوچکا ہوگا کہ جامعہ ازہر مصر کے سربراہ علامہ ڈاکٹر عبد الحلیم محمود، گزشتہ مہینے اکتوبر کی ۱۷ ارتاریخ کو وفات پاگئے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعہ

راقم سطور نے مرحوم مغفور کو سب سے پہلے ۱۹۷۳ء میں حج کے موقع پر مکہ معظمہ میں دیکھا تھا، اسی زمانہ میں وہاں "رابطۂ عالمِ اسلامی" کا اجلاس بھی تھا۔ رفیقِ محترم مولانا سید ابوالحسن علی میاں ندوی اور اس عاجز کا قیام رابطہ کی طرف سے مکہ مکرمہ کے مشہور ہوٹل فندق خُزام میں تھا، مولانا علی میاں سے ملاقات ہی کے لیے مرحوم شیخ الازہر ہوٹل میں تشریف لائے۔ میرے لیے یہ پہلا موقع تھا کہ کسی مصری عالم کو میں نے اُس شکل وصورت میں دیکھا جو علماء دین وشریعت اور "ورثۃ الانبیا" کی ہونی چاہیے۔ بحکم شریعت اور سنت کے مطابق داڑھی، چہرہ پر ذکر اللہ اور تقویٰ کے آثار وانوار، باتوں سے معلوم ہوا کہ ہمارے اکابر کی طرح عالم بلکہ علامہ (اور پیرس یونیورسٹی کے پی ایچ ڈی) ہونے کے ساتھ راہ سلوک کے سالک بھی ہیں اور یہ اسی کی برکات ہیں —— اُن کے تشریف لے جانے کے بعد ناچیز نے مولانا علی میاں سے کہا کہ آپ کے سامنے بہت دنوں سے یہ مشکل سوال ہے کہ "دارالعلوم ندوۃ العلماء" کے مجوزہ اجلاس

کی صدارت کے لیے کس کو دعوت دی جائے؟ ـــــ میرا خیال ہے کہ یہ شیخ الازہر آپ کے سوال کا بہت صحیح جواب ہیں ـــــ مولانا نے میری اس رائے سے اتفاق کیا اور اگلے ہی دن اُن کی قیام گاہ پہ اُن سے ملاقات کر کے اجلاس کی شرکت اور صدارت کی درخواست کی، جس کو انھوں نے خوشی سے قبول فرمالیا، چنانچہ نومبر ۱۹۷۵ء میں دارالعلوم ندوۃ العلماء کا وہ اجلاس مرحوم ہی کی صدارت میں ہوا۔

واقعہ یہ ہے کہ آج کے تجدد زدہ مصر میں آپ کی شخصیت اور خاصکر شیخ الازہر کے عظیم منصب پر ہونا بڑی خیر کا باعث تھا ـــــ لیکن اللہ کی مشیت ـــــ کہ یہ شمع بھی گل ہوگئی اللہ تعالیٰ کی قدرت میں ہے کہ وہ مصر کو اور ازہر کو اُن کا نعم البدل عطا فرمائے، اور اسی کی اُس سے دعا ہے ـــــ

علامہ شام شیخ محمد حسن حبنکہ علیہ الرحمہ

دارالعلوم ندوۃ العلماء کے ایک ذی استعداد اور صالح نوجوان فاضل مولوی محمد فاروق بھٹکلی کو رفیق محترم مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے علامہ شام شیخ محمد حسن حبنکہؒ کی خدمت میں مزید علمی استفادہ کے لیے بھیجدیا تھا، وہ کئی سال ان کی خدمت میں رہے۔ راقم سطور کو علامہ ممدوح کی خصوصیات و کمالات اور دینی خدمات کا انھی کے ذریعہ علم ہوا ـــــ زیارت اور ملاقات اب سے ۳ سال پہلے "دارالعلوم ندوۃ العلماء" کے اجلاس ہی کے موقع پر ہوئی یہ نورانی چہرہ والے وہ سفید ریش بزرگ تھے جنکی دعا پر اجلاس کا اختتام ہوا تھا۔

کہا جاسکتا ہے کہ موجودہ شام میں (جس کی حکومت لادینی رجحان رکھتی ہے) یہ دین کے علمبردار تھے۔ متعدد دینی اداروں، مدرسوں اور اصلاحی انجمنوں کے بانی اور رہنما تھے۔

رابطۂ عالم اسلامی مکہ مکرمہ کے ممتاز ارکان میں سے تھے۔ "افضل الجہاد کلمۃ حق عند سلطان جائر" اُن کا شعار تھا اس لیے موجودہ حکومتِ شام کے معتوب رہے، لیکن ان کی علمی اور دینی وجاہت اور عوامی مقبولیت کی وجہ سے حکومت کا رویہ اُن کے بارے میں محتاط رہا۔

جس دن قاہرہ میں شیخ الازہر کی وفات ہوئی اُس سے ایک دن پہلے ۱۶ر نومبر کو دمشق

میں شیخ محمد حسن خجندی نے دارِ آخرت کی طرف رحلت فرمائی ــــ لیکن یہاں اطلاع بہت دیر میں ملی۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ الابرار الصالحین۔

مرحوم مغفور الحاج شیخ عبدالقادر نورولی پٹنی (جدہ)

گجرات میں "پٹن" نامی ایک مشہور قدیم بستی ہے، لغتِ حدیث کی نہایت مستند اور جامع ترین کتاب "مجمع بحار الانوار" کے مصنف شیخ محمد طاہر پٹنی محدث کی وجہ سے پٹن پورے عالم اسلام کے علمی حلقوں میں معروف ہے ــــ اسی پٹن کا ایک خاندان تجارت اور کاروبار کے سلسلہ سے قریباً سو سوا سو سال سے جدہ میں سکونت پذیر ہے اور اب وہی اُن کا وطن ہے یہ خاندان "نورولی" کے نام سے معروف ہے۔

اس خانوادہ پر دنیوی اور کاروباری لحاظ سے بھی اللہ تعالیٰ کا بڑا فضل ہے، اور اس سے بڑا فضل وکرم اللہ تعالیٰ کا یہ ہے کہ اس زمانہ میں دولت کی فراوانی کے ساتھ جو مفاسد اور فتنے آتے ہیں (جن سے بس وہی بندے محفوظ رہ سکتے ہیں جن کی اللہ تعالیٰ خاص طور سے حفاظت فرمائے) یہ خاندان بظاہر اُن سے بڑی حد تک محفوظ ہے۔ بعض افراد تو ایسے ہیں جن کے متعلق دل گواہی دیتا ہے کہ یہ ان شاء اللہ اس دور کے اولیاء اللہ میں ہوں گے (واللہ اعلم باحوال عبادہ) ہمارے مولانا علی میاں نے اس گھرانے کا نام "بیت الاولیاء" رکھا ہے۔

اس وقت اس خاندان کے سب سے بڑے بزرگ "الحاج شیخ عبدالقادر نورولی" تھے، عمر ۹۰ــ۱۰۰ کے لگ بھگ رہی ہوگی ــــ بڑی بابرکت ہستی تھی بظاہر "مَنْ طَالَ عُمُرُہٗ وَحَسُنَ عَمَلُہٗ"[1] کا پورا مصداق ــــ ابھی تین دن پہلے ۲۶ر نومبر کو اُن کے خلف الصدق بھائی محمد نور صاحب کا تار ملا جس سے معلوم ہوا کہ ۲۴ر نومبر جمعہ کے دن ریاض میں اس دارِ فانی سے دارِ بقا کی طرف منتقل ہو گئے (اور غالباً اگلے دن مکہ مکرمہ میں تدفین ہوئی) اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ

---

[1] یہ ایک حدیث شریف کا جملہ ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سوال کے جواب میں فرمایا تھا مطلب یہ کہ وہ بندہ بڑا خوش نصیب اور اللہ کے ہاں بلند مرتبہ ہے جس کو عمر زیادہ ملے اور اعمال اچھے ہوں۔

مغفرت و رحمت کا خاص معاملہ فرمائے اور ان کے اخلاف کو ان کی حسنات کا وارث بنائے۔

مرحوم، رفیق محترم مولانا علی میاں اور اس عاجز کے ساتھ محض لوجہ اللہ بڑی عنایت و شفقت کا معاملہ فرماتے تھے۔ اللہ تعالیٰ ہماری طرف سے اُن کو بہتر سے بہتر صلہ عطا فرمائے۔

شیخ محمد طاہر پٹنی کی "مجمع بحار الانوار" جس کا ذکر اوپر کیا جا چکا ہے، لغتِ حدیث کی بہترین کتاب بلکہ فی الحقیقت حدیث نبوی کے پورے صحیح ذخیرہ کی کافی وافی شرح ہے وہ مدت سے نایاب تھی، مولانا علی میاں کے توجہ دلانے سے جدّہ کے پٹنی حضرات نے اس کو ہندوستان ہی میں (دائرۃ المعارف حیدر آباد کے پریس میں) نہایت اعلیٰ معیار پر چھپوایا، اُس کی پانچ ضخیم جلدیں ہیں۔ اس عاجز کا اندازہ ہے کہ کم و بیش ایک لاکھ روپیہ ضرور صرف ہوا ہوگا، اس میں بڑا حصہ انہی بزرگ الحاج عبدالقادر نورولی مرحوم کا تھا ——— اللہ تعالیٰ اُن کی طرف سے حدیث نبوی کی اس خدمت کو "صدقہ جاریہ کے طور پر قبول فرمائے ——— اور اُن کے حق میں شفاعت نبوی اور مغفرت و رحمت اور رفع درجات کا وسیلہ بنائے۔

علمی و دینی کتابیں پڑھیے

کتاب	قیمت	کتاب	قیمت
مسند امام اعظم	۱۶/-	احوال برزخ	۱/۲۵
مشکوٰۃ شریف اردو مکمل	۳۰/-	اکرام المسلمین	۱/۲۵
تفسیر ماجدی ۳ حصے	۴۰/-	آداب معیشت	۱/۲۵
نقش سلیمانی	۱۰/-	اصلاح انقلاب	۱/۲۵
یادگار زمانہ ہیں یہ لوگ	۸/-	اصلاح معاشرت	۱/-
مفاوضات رشیدیہ	۳/-	اصلاح زندگی	۱/-
قوالی اور اسلام	۴/-	اسلامی معلومات مکمل سٹ	۸/۲۵
کلیات امدادیہ	۱۰/-	پیام عمل	۱/-
مسئلہ ختم نبوت	۲/۲۵	تبلیغی تحریک کی ابتداء اور اس کا بنیادی اصول	۳/-
مقبول نماز مترجم یا خدائی باغ	۱۰/-		
صراط مستقیم	۶/-	تبلیغی نصاب اول -/۱۴ پلاسٹک	۱۵/-
ضیاء القرآن	۷/۵۰	" " دوم پلاسٹک	۱۷/-
عشرۂ کاملہ	۶/-	فضائل صدقات کامل	۱۳/۵۰
تحقیق لاثانی	۱۰/-	فضائل حج	۵/-
مکتوبات حضرت علی رض	۱۰/-	حکایات صحابہ	۳/۵۰
کاروان مدینہ	۱۲/-	فضائل نماز	۱/۵۰
تذکرہ مولوی محمد ہارون کاندھلوی رح	۳/-	" تبلیغ	۱/-
مکاتیب رشیدیہ	۷/۵۰	" ذکر	۳/۵۰
اکابر کا سلوک و احسان	۳/-	" قرآن	۱/۵۰
تاجدار مدینہ کی شہزادیاں	۳/-	" رمضان	۱/۲۵
ارکان اسلام	۳/-	" درود شریف	۲/۵۰
امت مسلمہ کی مائیں	۳/۵۰	تبلیغی سات نمبر	۲/۵۰
آخرت کے فکرمندوں کے ۵۰ قصے	۱/۲۵	" تقریریں	۱/۲۵

ملنے کا پتہ:- الفرقان بک ڈپو۔ نظیر آباد (۳۱ نیا گاؤں غربی) لکھنؤ

Regd. No. 1 LW/NP-62

Monthly 'ALFURQAN'

31, Naya Gaon West
Lucknow (U. P.)

VOL. 46 NO. 12 Dec. 1978

Phone : 45547